کلمۃ الحق

حصہ اول

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

کلمۃ الحق

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

حصّہ اوّل

حامد بن شبیر بی۔اے۔ ایل ایل۔بی

سابق چیف جج سٹی کورٹ حیدرآباد
چیرمین اسپیشل ٹرابیونل فار کرائمز (قانون)

باسمہٖ تعالیٰ

بار .... دوّم

سنہ اشاعت ۱۹۸۵ء

تعدادِ طبع .... ۱ ہزار

مؤلف .... حامد بن شبّیر

کتابت .... سیّد منظور محی الدین

انگریزی کمپوزنگ .... ہلا انسٹیٹیوٹ

طباعت .... ثمر آفسیٹ پرنٹرز دہلی

قیمت .... (حصہ اوّل و دوم) [illegible]

BOTH VOLUMES
Rs. 200/-

ملنے کا پتہ

مکان مؤلف ۱۰-۲-۵۰۹

آصف نگر حیدرآباد - اے پی (انڈیا)

حامِد بن شبّیر بی۔اے۔یل۔یل۔بی

سابق چیف جج سٹی کورٹ حیدرآباد

و

چیرمین اسپیشل ٹرابیونل و اکزامنر (قانون)

آئی۔اے۔ایس و پبلک سروس کمیشن

تقریظ

سلطان المتکلمین علامۂ زمن مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی مدظلہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

باسمہ سبحانہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ

امابعد :

اسلامی حقائق و معارف اگر ایک طرف انقلابات زمانہ کے درمیان ناقابل شکست قدر کی حیثیت سے روز افزوں اعتبار پا رہے ہیں تو دوسری طرف اس فریب نظر فریادی بھی ہیں جسے تحقیق کے نام پر شکست خوردہ انہام اور مجروح عقول مسلسل پیدا کر رہے ہیں۔ امتداد زمانہ اور صدیوں کے ناموافق عوامل نے عصر حاضر میں حقیقت کو مجاز اصل کو نقل اور فلسفہ کو سفسطہ سے ممتاز کرنا جاہدا کبر بنا دیا ہے۔ بصارت کی درماندگی اور بصیرت کی پس ماندگی نے حق و باطل کے درمیان تفریق کو مشکل سے مشکل تر بنا دیا ہے۔ زمانہ کی زنجیر ساز قوتیں خدا کے بندۂ آزاد کو گرفتار اوہام کرنے کے لئے مسلسل مصروف عمل ہیں ان حالات نے انسان کی ذہنی صلاحیت پر ایسے پہرے بٹھا دیئے ہیں اور اسکی فکری و فطری استعداد پر ایسی بندشیں عائد کر دی ہیں کہ جن کا توڑنا عزم مستحکم اور توفیق خاص کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی زنجیر کا ایک سلسلہ اور اسی فریب نظر کا ایک شعبدہ اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰی اُمَّۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰی آثَارِھِمْ مُقْتَدُوْنَ کی مسموم ذہنیت کو پیدا کرتا ہے جس کا تریاق صرف موفق بندوں کو نصیب ہوتا ہے اور جسکو یہ توفیق خیر رفیق میسر آجائے وہ ارباب نظر کے نزدیک لائق صد استحسان و مستحق ہزار آفریں ہے۔ عصر حاضر کی سب سے بڑی ضرورت اسی زنجیر کا توڑنا اسی زہر کا زائل کرنا اور اسی سحر کا باطل کرنا ہے۔

اسی روشنی میں معلی القاب مکارم ایاب عالی جناب حامد بن شبیر صاحب دام مجدہم السامی چیف جج حیدر آباد دکن تحسین بے اندازہ اور آفرین بے قیاس کے مستحق ہیں۔ موصوف کی تالیف لاجواب کلمۃ الحق مطالب مہمہ کی جامعیت شواہد و بینات کی ترتیب و ترصیف اور حجج و براہین کی تدوین و تالیف کا ایک گراں قدر مجموعہ ہے۔ مسائل اختلافیہ کے ایضاح و افصاح میں استدلال کی سنجیدگی انہام کی برجستگی عبارت کی سلاست تادیہ کی متانت اور

آداب تصنیف و تالیف کی حفاظت داد کے لائق ہے۔ میں نے بنظر امعان اس کتاب کا مطالعہ کیا اور مصنف موصوف کی سیر و تاریخ میں نکتہ سنجی ترتیب مقدمات میں مہارت اور استخراج و استنباط نتائج میں دور رسی فخر کے قابل پائی۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءہ

اس کتاب کی تصنیف میں فاضل مولف نے اکثر ایسے دشوار منازل و مراحل کو طے کیا ہے جہاں اکثر حریفان تحقیق سراسیمہ ہوئے ہیں۔ فرائض منصبی کے اعتبار سے انصاف کرنا مولف موصوف کا مشغلہ ہے۔ چنانچہ بے لاگ انصاف کی جھلکیاں کتاب کے ہر صفحہ پر موجود ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ جناب حامد بن شبیر ایک سرشار عقیدتمند بھی ہیں چنانچہ عقیدت کا کیف بھی پوری تصنیف پر چھایا ہوا ہے انصاف کی ناوابستگی اور عقیدت کی وابستگی کے درمیان توازن قائم رکھنا اور دونوں تقاضوں کی بیک وقت تشفی کرنا موصوف کے ذہن رسا کا کارنامہ ہے انھوں نے انصاف کو عقیدہ اور عقیدہ کو انصاف بنا کر اسلام و اسلامیات کی قابل شکریہ خدمت کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب معلومات کی فراوانی۔ گہرے تاریخی شعور محیط ذہانت اور منصفانہ عقیدت کا ایک گراں بہا دستاویز ہے۔ امید ہے کہ ارباب فکر و نظر اس سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے اور دعا ہے کہ خلاق عالم مصنف موصوف کی توفیقات میں اور اضافہ فرمائے اور انہیں جزائے خیر دے۔

احقر الزمن ابن حسن نونہروی

ماہ رجب المرجب ۱۳۸۴ھ

م نومبر ۱۹۶۴ء

F O R E W O R D

By

PROF.ABDUL ALI,B.SC.,LL.B.(Manchester),AMIE (London)
PROFESSOR,OSMANIA UNIVERSITY - AUTHOR OF
"CALIPH ALI" AND "THIRTEEN HUNDRED YEARS AFTER"

It is indeed a pleasure to write this little Foreword to Mr.Hamid Bin Shabbir's book "Kalemat-ul-Haq" (A Word of Truth).

The book represents a great labour of love covered over a period of three decades, in which the author has drawn deeply from authentic sources and historical data. He has thus paved the way for intensive research and enquiry on modern lines. His Judicial skill has enabled him to sift out evidence from the mass of varied material and conduct objective assessment.

The book is divided into 14 chapters and covers all conceivable topics, including Kelafat,Immat,the political and theological dissensions in Islam, its schism and the forces that engulfed Islam in its chequered history. On all these topics the author has brought to bear new vigour, and a new approach, free from the usual bitterness and animus, that has characterised early writers.

The modern young man, may cynically lift his eyebrow and even question the pragmatic value of this book in this age of Science and Technology. Its pragramatic value lies, in the author's attempt in the book as also in its preface, to bridge the emotional and psychological gulf now existing among the proverbal 75 sects of Islam. He may not completely succeed in restoring emotional oneness, but he feels that passions can still be channelised on constructive lines; old bitterness which is often based on prejudicial version of things can be tempered with understanding and feeling.

The love and reverence for Ahl-e-Bait, which, is an Article of Faith for all sects, can be demonstrated and even felt, by active participation in the mournings of Muharram as also in the gatherings of Kawali. It is perhaps not generally realised that gatherings of Kawali initiate one into the Love cult of Islam, euphemistically called Tariqat of which Ali is regarded as the Supreme Head and Source by all sects. None can rise in the field of Tariqat, without the blessings and grace of Ali and Jafar-e-Sadiq. They are the Lords of Tariqat, as also the Source of Shariat. That the paths of Tariqat and Shariat are not inconsistent, has been ably expounded by Gazzali, Mohiuddin Arabi, Shah waliullah and Mhaja Ajmeri.

The universal condemnation of the evil forces that planned and perpetrated the martydom of Hussain and his associates at Karbala, and the emulation of the heroic and noble spirit of Hussain, in dealing with such forces, now confronting Humanity, can constitute a merging ground for all sects.

Mr. Hamid Bin Shabbir has attempted to evolve a modus operandi for the different sects which even if partially followed can bring us nearer in thought and feelings, and restore the Ummat under one Banner and one Book. That is a historical necessity. The message of Prophet Mohammed and the Quran cannot effectively reach Humanity if we are disunited. That Message was; "Ye people listen to my words and understand them. The Arab is not superior to the non-Arab the non-Arab is not superior to the Arab. Nor the white to black, brown or yellow. Ye are all sons of Adam, and only those are superior who are more righteous. And "righteousness" can best be inspired from the Quran, and thelove and emulation of Ahl-e-Bait, as repeatedly emphasised by the Holy Prophet.

If Mr. Hamid Bin Shabbir's book can bring about such a realisation among the different sects, I feel sure, the author's purpose would be fully served. The Muslims all over the world are at present, faced with new challenges and new situations and cannot afford any longer, to cling to the past or over-awed by the future. They can contribute to the existing progressive forces, only through their solidarity, which was so dear to Ali.

1st June, 1970
"Samad Bagh"
Saidabad, Hyderabad-AP.

ABDUL ALI

تبصرے

الجواد (بنارس) اصلاح (کھجوا) سرفراز (لکھنو)

تبصرہ: (نفحات) ہم نفحات میں اس گرانقدر تبصرہ کو شائع کر رہے ہیں - مدیر

"کلمۃ الحق" حقائق و معارف کا ایک بیش بہا خزانہ

منجانب :- معاون خصوصی محمد تکیل اختر صاحب دام مجدہٗ (سابق حنفی المذہب)

اس دور ابتلا میں مذہب سے بیگانگی کا رونا ساری دنیا رو رہی ہے - مسلمانوں میں عموماً اور فرقۂ شیعہ میں خصوصاً یہ روگ عام رواج ہوگیا ہے کہ جیسے جیسے دنیاوی مدارج بڑھتے جاتے ہیں - دین و مذہب کی طرف سے بے التفاتی زور پکڑتی جاتی ہے کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے کے بعد بھی حق پرست باعمل اور سچے مسلمان ہوتے ہیں - کچھ اس سے بھی عظیم تر ہستیاں ہوتی ہیں - جن کے دل میں ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کا تصور اس طرح موجزن ہوتا ہے کہ وہ اپنی قلمی کاوشوں کے ذریعہ پوری قوم بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی ہدایت کا سامان مہیا کر جاتے ہیں - انھیں خوش قسمت افراد میں عالی جناب حامد بن شبیر صاحب دام مجدہم (سابق چیف جج حیدر آباد دکن) کی گرانقدر ہستی بھی ہے - جو اپنی بیش بہا کتاب "کلمۃ الحق" کے لئے لائق صد تحسین و آفرین ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب "کلمۃ الحق" کے ہر صفحہ میں حقائق و معارف کے دریا موجزن ہیں - اور مکمل کتاب حقائق و معارف کا ایک سمندر ہے - جس میں عقیدت و محبت، حقیقت و معرفت اور مقامات و شرافت کے بیش بہا ہیرے چھپے ہوئے ہیں - صراط مستقیم کی تلاش میں بھٹکے ہوئے ذہنوں کے لئے یہ شمع ہدایت ہے - زبان نہایت سلیس، متن عام فہم اور دلچسپ ہے - طریقہ استدلال اور انداز تحریر اس قدر دلنشیں ہے کہ اس کتاب کا پڑھنے والا خواہ مخالف ہی کیوں نہ ہو - ہر موضوع کے اختتام تک پہنچ پہنچتے اختیار آمنّا و صدقنا کہنے پر مجبور ہو جائیگا - غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو زبان میں اتنی جامع و مانع اور مکمل کتاب مذہب شیعہ پر نہیں لکھی گئی - اس کتاب کی حق بجانب تعریف کے لئے سرکار نادرۃ الزمن جناب مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ مدظلہٗ کے حسب ذیل الفاظ کافی ہیں :-

" موصوف کی تالیف لاجواب "کلمۃ الحق" مطالب مہمہ کی جامعیت - شواہد و بینات کی ترتیب و ترصیف اور حجج و براہین کی تدوین و تالیف کا ایک گرانقدر مجموعہ ہے - مسائل اختلافیہ کے ایضاح و انصاح میں استدلال کی سنجیدگی افہام کی برجستگی عبارت کی سلاست نادرہ کی متانت اور آداب تصنیف و تالیف کی حفاظت داد کے لائق ہے - میں نے بنظر امعان اس کتاب کا مطالعہ کیا - اور مصنف موصوف کی سیر و تاریخ میں نکتہ سنجی - ترتیب مفردات میں مہارت اور استخراج و استنباط نتائج میں دور رس فکر کے قائل پائی - ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ......

فرائض منصبی کے اعتبار سے انصاف کرنا مؤلف موصوف کا مشغلہ ہے چنانچہ بے لاگ انصاف کی جھلکیاں کتاب کے ہر صفحہ پر موجود ہیں - ...... انھوں نے انصاف کو عقیدہ اور عقیدہ کو انصاف بنا کر اسلام و اسلامیات کی قابل تشکر یہ خدمت کی ہے "

علامہ نوبہری مدظلہٗ کی گرانقدر تقریظ کے بعد پروفیسر عبد العلی صاحب بی - ایس - سی - ایل - ایل - بی (مانچسٹر) ایم - آئی - ای (لندن) کا بے لاگ پیش لفظ (انگریزی زبان میں) بہت اہمیت رکھتا ہے - اور اس کتاب کے لئے دلیل حقانیت ہے -

کتاب کی ابتداء میں موصوف جج صاحب نے ۳۷ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ تحریر فرمایا ہے - جس سے ان کے خاندانی حالات پر روشنی پڑتی ہے - اور شیعہ سنی یکجہتی کی ایک روشن مثال سامنے آتی ہے -

"کلمۃ الحق" میں ۱۰۲۷ صفحات پر مشتمل ۱۴ باب قائم کئے گئے ہیں - اور ہر باب میں سند و استدلال کے ساتھ مختلف عنوانات

کے تحت مضامین درج ہیں۔ اس میں نہ صرف اسلامی کتب صحاح وسیر و تواریخ و احادیث سے مضامین اخذ کئے گئے ہیں۔ بلکہ صحف انبیاء اناجیل، توریت، زبور، بھگوت گیتا۔ نیز انگریز اور فرانسیسی مورخین و مبصرین کی اہم کتابوں سے دلائل و براہین حاصل کئے گئے ہیں۔ تیرھویں باب میں شیعہ و سنی اختلافی فقہی مسائل کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ حل کیا ہے اور آخر کتاب میں مختلف عقائد و خیالات و مذاہب سے تعلق رکھنے والے صوفیائے کرام، بزرگان طریقت، شعرائے کرام، مفکرین روزگار، رہنمایان ہند، مبصرین یورپ نیز مسیحی خواتین کی طرف سے پیش کردہ نذرانۂ عقیدت سے اس کتاب کی شان اور بھی دوبالا ہو گئی ہے۔ کتاب کا اختتام ایک ایسی نظم پر کیا گیا ہے جس میں مفکرین و مدبرین عالم نے متفقہ طور پر حضرت علی اصغر علیہ السلام کو امن کا پیغامبر تسلیم کرتے ہوئے ان کے وسیلے سے امن کی درخواست کی ہے۔ یہ نظم انگریزی زبان میں ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

درحقیقت طالبان تحقیق اور رجویائے رہ مستقیم کیلئے یہ کتاب ایک گرانقدر سرمایہ ہے۔ تقریباً تمام حوالے تفصیل سے اور مکمل درج ہیں۔

بہرحال محترم جج صاحب کی یہ ایک ناقابل فراموش خدمت ہے جسے سراہنا حقیقتاً ہر فرد قوم کا فرض ہے۔ اس کی افادیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بلا جھجک یہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم ہر شیعہ گھر میں یا اس [illegible] اس کتاب کا ایک نسخہ ضرور ہونا چاہیئے۔ کتاب کی ضخامت، تدوین جز بندی اور گرانی وغیرہ کو دیکھتے ہوئے بیس روپیہ اسکی قیمت زیادہ نہیں ہے۔ خدا مومنین کو اس کے حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے اور محترم جج صاحب کو ان کی انمول پیش کش کے لئے جزائے خیر دے۔ آمین

تبصرہ

"کلمۃ الحق" جناب حامد بن شبیر صاحب بی اے ایل ایل بی سابق چیف جج سٹی سول کورٹ حیدرآباد دکن لائق صد تحسین و آفریں ہیں کہ آپ نے اس پُرآشوب زمانہ میں جبکہ کتابت و طباعت اور کاغذ کے نرخ آسمان پر جا پہونچے ہیں زر کثیر صرف کر کے مسئلہ خلافت و امامت پر گیارہ سو صفحات کی ایک ضخیم کتاب کلمۃ الحق کے نام سے شائع کر ڈالی جس میں اس مسئلہ کا کوئی پہلو آپ نے تشنہ نہیں چھوڑا اور خلافت اور استحقاق خلافت پر بہت ہی وسعت نظری اور تحقیق و جامعیت سے بحث کی ہے یہ کتاب آپ کی ۵ ۳ سالہ ریاضت کا نچوڑ اور دن رات کی محنت و عرق ریزی کا ثمرہ ہے کتاب کی ضخامت مطالعہ کے لئے کافی وقت چاہتی ہے لیکن جو اس کتاب پر ہم نے سرسری نظر ڈالی ہے بلاشبہ ہم اُسے مسئلہ خلافت و امامت پر اُردو زبان میں ایک بیش بہا اضافہ قرار دے سکتے ہیں طرز تحریر بہت ہی مرنجاں مرنج قسم کا ہے برادران اہل سنت بھی اسے سکون دل سے بھی پڑھ سکتے ہیں جو بات کہی گئی ہے وہ ثبوت و دلیل کے ساتھ حوالہ جات میں عربی فارسی اُردو کے علاوہ انگریزی کتب و رسائل کے اقتباسات بھی شامل ہیں۔

نقد و تبصرہ

(جناب تجسس اعجازی بحرہ پرائٹر منظر عالم لائبریری، نخاس لکھنؤ)

کلمۃ الحق

مولف : حامد بن شبیر سابق چیف جج سٹی سیول کورٹ حیدر آباد۔

سائز : ۲۰×۳۰/۸ صفحات ۱۰۲۸

قیمت : بیس روپے

ملنے کا پتہ :۔ حامد بن شبیر سابق چیف جج مکان نمبر ۹۔ ۵۔ ۲۔ ۱۰۔ آصف نگر حیدر آباد

اسلام اور اس کے عظیم رہنماؤں کی زندگی کے حقائق کے سلسلے میں تحقیق و جستجو کا دور خود رسول اسلام کی زندگی سے شروع ہو کر تیرہ صدیوں کے بسیط و عریض زمانے پر پھیلا ہوا ہے۔

قرآن کی رہنمائی میں احادیث، روایت اور تاریخ کے پہلو بہ پہلو ارباب علم و بصیرت نے ہر عہد میں معرفت حق حاصل کرنے اور اپنے درجہ ایقان کو بلند کرنے کے سلسلے میں تصنیف و تالیف کا راستہ منتخب کیا۔ اور ایمان و یقین کے وہ سدا بہار چمن کھلائے جن کے روح پرور جھونکے آنے والی نسلوں کے مشام جاں معطر کر سکیں۔

سابق چیف جج سیول کورٹ حیدر آباد جناب حامد بن شبیر کی ضخیم تالیف "کلمۃ الحق" بھی اسی مبارک سلسلۂ زنجیر کی ایک مضبوط کڑی ہے جس کی تشکیل میں موصوف نے اپنی "طالب علمانہ زندگی" کے بیشتر شب و روز صرف کر کے انتہائی محنت و جانفشانی کے ساتھ داد تحقیق دینے کی سعی مشکور کی ہے۔

رسول اسلام کے انتقال کے بعد اسلام اور اصل رہنمایان اسلام کو جن پر آشوب حالات سے دو چار ہونا پڑا ان کا تذکرہ مرتب کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں چہ جائے کہ داد تحقیق دینا۔ .... بالخصوص اس عہد میں جب کہ ہر طرف روایات ضعیف کے انبار اور مورخوں کے متضاد بیانات کے ہجوم خرباب نگارش کو نظر کے پردے اٹھا کر "اس پار" دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔

جنگل میں خار و خس سے دامن بچانا نظر فریب لیکن بے صرف پھولوں سے نظر ہٹا کر گل ہائے مقصود تلاش کر کے آرائش جیب و دامن و گریبان کرنا اگر ناممکن نہیں تو ایک وقت طلب کام ضرور ہے لیکن مردان حق شناس کبھی ان مشکلوں سے ہراساں نہیں ہوئے انھوں نے شاہ و شہریار کے سامنے بھی کلمہ حق ادا کر کے "جہاد برتر" کا ثبوت دیا اور عہد جمہوریت میں بھی اپنی روش حق پرستی کو برقرار رکھا۔

یوں تو رسول اسلام کی مکی و مدنی زندگی۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے جہاد، مسئلہ خلافت و امامت، صلح جناب امام حسنؑ، امام حسینؑ کے واقعات دلگداز اور دوسرے آئمہ کے مصائب و فضائل حیات کو تمام مورخین مشرق و مغرب نے ہر زاویئے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے یا اور

مورخین اسلام نے) تو اس سلسلے میں کوئی کدوکاوش اٹھا نہیں رکھی اگر اس مشاہدہ و تحقیق میں ان سب کا مقصود نظر "تاریخ آرائی" کے ساتھ عرفان حق ہوتا تو یقیناً اس سے زیادہ مستحسن عمل دنیائے تحریر میں کوئی نہ ہوتا۔ ان کے اس عمل سے نہ صرف مذہب حق کو تقویت حاصل ہوتی بلکہ انسانیت کے بہترین نمونے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے نظر آتے۔ لیکن اس کو کیا کہا جائے کہ بیشتر تنگ نظر اور جاہ پسند انسانوں نے قلم کی باگ ڈور سنبھال کر اس مقدس عمل کو نئے نئے رنگ دینے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کا سہارا لے کر امیر المومنین وصی ختم المرسلین کے خلاف بیشمار منبروں نے جھوٹے روایات کو رواج دیا۔ گڑھی ہوئی حدیثوں کی کثرت ہونے لگی۔ قلم قرطاس زر پر گردش کرنے لگے۔ روشنی کو چھپانے اور رخ حقیقت کو نگاہوں سے دور رکھنے کے لئے الفاظ کے سیاہ پردوں سے کام لینے کی کوشش کی گئیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ بیشتر عوام و خواص وصی برحق کا دامن چھوڑ کر اسلام کی روح سے دور ہوتے چلے گئے۔

لیکن مسلمانوں کی گمراہی جتنی بڑھتی گئی حق پرست و اسلام پسند دلوں میں اصلاح و رہنمائی کے کام کی اہمیت کا احساس اتنا ہی زیادہ روشن ہوتا گیا۔ مسخ شدہ حقائق کو ذہنوں پر واضح کرنے کی لگن بڑھتی گئی۔

رسول اسلام کی مشہور پیشین گوئی کہ "میرے بعد میری امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ان میں ایک جنتی ہوگا اور باقی دوزخی ہوں گے" طالبان حق کے لئے تازیانۂ شوق کی حیثیت رکھتی تھی۔ جناب حامد بن شبیر بھی اس پیشین گوئی کو پرچم بنا کر منازل معرفت طے کرنے لگے۔ بیشمار کتابوں کا مطالعہ کیا متضاد بیانات کو جانچا۔

دوسروں کے نتائج تحقیق کو عقل کے میزان پر تولا۔ مستند کتب احادیث کی بھرکی اسلام کے مختلف فرقوں کے سربراہ علماء کے افکار و معارف کا جائزہ لیا۔ ان کے اقوال و آراء کو اور اک کی کسوٹی پر پرکھا اور پھر ایک سلسلہ فکر ایک عنوان مستقل کے تحت مدلل و منتخب جمع شدہ مواد کو ترتیب دینے کا کام شروع کیا، اور امکانی کوشش اس بات کی بھی کی کہ انداز بیان اور حسن نظم و ترتیب ایسا ہو جس سے کسی دل کو ٹھیس نہ پہنچے اور احساسات و جذبات کو متلاطم و مجروح کئے بغیر تلاش حق کا کام انجام کو پہنچ جائے۔ ظاہر ہے یہ منزل بہت دشوار گذار ہے جس سے یہ حسن و خوبی گذرنے کے لئے ایک مخصوص ضابطۂ اخلاق اور ایک خاص ماحول حیات کی ضرورت ہے۔ اتفاق سے یہ دونوں چیزیں موصوف کو اپنے مشترکہ خاندان میں پہلے ہی سے حاصل تھیں اس لئے ان کو کسی خاص دقت و پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور وہ سلامتی فکر و نظر کے ساتھ اس منزل پر پہنچ گئے جو ان کا مقصود جستجو تھی اور جس کا نام "کلمۃ الحق" ہے۔

کتاب کی کتابت و طباعت بھی مناسب ہے اور جلد رنگین سے مزین ہے۔

امید ہے کہ اہل ذوق اسے منجملۂ سامان فکر و بصیرت سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ قبول کریں گے۔

کتابیات

فہرستِ ذیل میں ان کتابوں کے علاوہ جنکو پڑھنے کا مجھے موقعہ ملا ایسی کتابوں کے نام بھی درج کر دیئے گئے ہیں جنکا حوالہ معتبر کتب میں پایا گیا۔ اسکا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ناظرین کو یہ کتابیں مل جائیں تو ان سے استفادہ کیا جا سکے۔ انگریزی کتابوں کی فہرست علٰحدہ دی گئی ہے۔

نام کتاب	اسم مصنف
قرآن مجید	(مختلف تراجم اردو وانگریزی) دیگر کتب وصحفِ آسمانی
نہج البلاغہ	خطبات مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام

تفاسیر قرآن

نام کتاب	اسم مصنف
تفسیر کشف البیان	ابو اسحاق امام احمد ثعلبی
تفسیر شواہد التنزیل	حاکم ابو القاسم البغوی
تفسیر معالم التنزیل	شمس الدین نجومی
تفسیر اسباب النزول	ابو الحسن الواحدی
تفسیر کشاف	جار اللہ زمخشری
تفسیر مجمع البیان	ابن جریر الطبری
تفسیر کبیر	محمد بن عمر فخر الدین رازی
تفسیر مفاتیح الغیب	ایضاً
تفسیر نیشاپوری	علامہ نیشاپوری
تفسیر دُرِّ منثور	عبد الرحمن جلال الدین سیوطی
تفسیر بیضاوی	بیضاوی

نام کتاب	اسم مصنف
تفسیر جامع القرآن	قرطبی اندلسی
تفسیر المنار	شیخ عبدہ
تفسیر بیہقی	ابوبکر عبد الرحمن بن حسین البیہقی
تفسیر ابن ابی حاتم	ابن ابی حاتم
تفسیر کثیر	ابن کثیر
تفسیر ابو یوسف	ابو یوسف یعقوب بن حسان
تفسیر مقرزی	مقرزی
تفسیر طبرسی	طبرسی
تفسیر فتح القدیر	شوکانی
تفسیر الواضح	حجازی
تفسیر منذر	منذر
تفسیر ابو حیّان	ابو حیّان
تفسیر آلوسی	آلوسی
تفسیر ابو مسعود	ابو مسعود
تفسیر نسفی	نسفی
تفسیر خازن	الخازن
تفسیر ابن الحجاج	ابن الحجاج

تفسیر مجاہد	مجاہد
تفسیر مقاتل	مقاتل
تفسیر مردویہ	ابوبکر ابن مردویہ
مانزل من قرآن فی علی	حافظ ابوبکر شیرازی
نزول القرآن فی علی	حافظ ابونعیم
نزلت فی علی	نقّاش
تفسیر حسینی	نورالدین بن علی بن حسین ملا واعظ کاشفی
تفسیر المناظر	راشد رضا وہابی مصری
احکام القرآن	شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی
احکام القرآن	ابوبکر محمد بن علی راضی حنفی
تفسیر فتح العزیز	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
تفسیر فتح البیان	صدیق حسن خاں بھوپالی

کتب احادیث

صحیح بخاری	ابی عبداللہ محمد اسمٰعیل بخاری
شرح بخاری	عینی
فیض الباری (ترجمہ صحیح بخاری)	فقیر اللہ
تیسر البخاری (ترجمہ صحیح بخاری)	وحید الزماں وقار نواز جنگ
ترجمہ صحیح بخاری	عبدالدائم الجلالی البخاری
صحیح مسلم	ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری
شرح صحیح مسلم	عبدالعلی بحر العلوم
جامع ترمذی	ابو عیسےٰ محمد بن عیسٰی الترمذی
سنن کبیر	عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی
خصائص النبوۃ	ایضًا
سنن ابوداؤد	ابی داؤد طیاسی
سنن ابن ماجہ	ابی عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی
مسند شافعی	ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی
مسند احمد ابن حنبل	عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی۔
زوائد مسند	عبداللہ ابن احمد
سنن دارمی	ابومحمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحمٰن الدارمی۔
مؤطا	امام مالک ابن انس
کنز العمال	ملا محمد تقی ہندی
مسند ابن ابی حاتم	ابن ابی حاتم
غریب الحدیث	الخطابی
مستدرک	حاکم
تلخیص مستدرک	حافظ محمد بن عبدالرحمٰن الذہبی
استیعاب	ابن عبدالبر قرطبی
سنن بیہقی	حافظ ابی بکر احمد بن حسین البیہقی فقیہ شافعی
دلائل النبوۃ	ایضًا
شعب الایمان	ایضًا
خصائص	طبرانی
معاجم ثلاثہ	ایضًا
اوسط	ایضًا
طبقات الکبریٰ	محمد بن سعد کاتب واقدی
سنن دار قطنی	ابی الحسن علی بن عمر دار قطنی
جمع بین الصحاح	عبدرے
جمع بین الصحاح	زرین

جمع بین الصحیحین — حمیدی
جوامع الجمع — سنجانی
نقد الصحیح — علامہ مجد الدین فیروز آبادی
اوسط — طبرانی
معجم الکبیر — ایضاً
فردوس الاخبار — دیلمی
ریاض النضرہ — محب الدین طبری
ذخائر العقبیٰ — ایضاً
ینابیع المودۃ — شیخ سلیمان بلخی قندوزی حنفی
مودۃ القربیٰ — سید علی بن شہاب الدین ہمدانی فقیہ شافعی
عروۃ الوثقیٰ — علاء الدولہ احمد بن محمد
مواہب لدنیہ — احمد بن محمد بن ابوبکر القسطلانی
ارشاد الباری — ایضاً
شرح مواہب لدنیہ — علامہ زرقانی
مواہب المواہب — محمد النقوی محمد جعفر
شرح مواہب — زرینی
فیض القدیر شرح جامع القدیر — مناوی
سنن حموینی — حموینی
اسنت المطالب — البیرونی
سنن ابن مغازلی — ابن مغازلی
سنن دولابی — دولابی
مشکوٰۃ المصابیح — ولی الدین مکی
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ — ملا علی قاری
اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ — شیخ عبد الحق محدث دہلوی
تلخیص الصحیح فی شرح مصابیح — محمد ادریس حنفی

مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ — مولانا قطب الدین
ترجمہ مشکوٰۃ — مولانا شجاع الدین
ترجمہ مشکوٰۃ — مولانا عاشق الٰہی میرٹھی
مصابح السنۃ — ابو القاسم بغوی شافعی
جامع الاصول فی احادیث الرسولؐ
ابن اثیر مبارک بن محمد شیبانی
جمع الجوامع — عبد الرحمن جلال الدین سیوطی
جامع الصغیر — ایضاً
احیاء المیت — ایضاً
لعائی مصنوعہ — ایضاً
کنوز الحقائق — شرح جامع الصغیر
کنوز الدقائق — مناوی مصری
سفر السعادت — مجد الدین فیروز آبادی

کتب تاریخ

تاریخ طبری — عبد الرزاق ابن حمید ابن جریر الطبری
تہذیب الآثار — ایضاً
ذخائر العقبیٰ — ایضاً
تاریخ اعثم کوفی — خواجہ احمد بن اعثم کوفی
وفاء الوفا (ترجمہ تاریخ اعثم کوفی) — احمد بن محمد حنفی
تاریخ کامل — کامل ابن اثیر الجزری
تاریخ الخمیس — شیخ حسین دیار بکری
تاریخ الخلفاء — عبد الرحمن جلال الدین سیوطی
اخبار المہدی — ایضاً
تاریخ الجامع بلاذری — احمد بن یحییٰ بن صابر بلاذری
تاریخ بغداد — حافظ ابوبکر الخطیب بغدادی

کفایت الطالب — ابو عبداللہ بن یوسف بن محمد الکنجی شافعی۔
کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان "
کتاب المعارف — ابن قتیبہ دینوری
الامامت والسیاست "
العقد — ابن عبداللہ
السیر — ابن ہشام
فصل الخطاب — خواجہ محمد پارسا
التزواج — شیخ العسکری
محاضرات الادبا — ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی
اسنی المطالب — ابن اثیر جزری
فصول المہمہ — نورالدین ابن صباغ مالکی
نورالابصار — ایضاً
شفاء الصدور — ابن سبع مغربی
الاسعاف بہ شرح نورالابصار — سبان مصری
ثمرۃ الاوراق — یاقوت حموی
مدینۃ المعاجز — علامہ برسی
منابع الاولاد — ملا فیاض الدین سنامی
کتاب الشفاء — قاضی عیاض
نسیم الریاض شرح شفا — شہاب الدین خفاجی
شاہد عینیہ — علامہ آلوسی
بلوغ الارب — ایضاً
ذخائر المعاد — علامہ اجا علی
زاد المعاد — ابن قیم جوزی
طرق الحکمیہ — ایضاً
دراسات اللبیب — [illegible]

سیرت الحلبیہ — علی بن برہان الدین شافعی
الموفقہ — ابن سمان
اربعین — جمال الدین محدث
اربعین فی اصول دین — محمد بن عمر فخر الدین رازی
عوارف المعارف — شہاب الدین سہروردی
احیاء العلوم — زین الدین ابوحامد محمد بن محمد الغزالی
سر العالمین — ایضاً
منحول علم الاصول — ایضاً
مذاق العارفین (ترجمہ احیاء العلوم) — احسن صدیقی نانوتوی
فرائد السمطین — محمد بن ابراہیم جوینی شافعی
در السمطین — شیخ الحافظ الزرندی
حلیۃ الاولیاء — حافظ ابونعیم
نصائح کافیہ — حافظ ابوبکر شہاب
الکشاف الشافی فی تخریج الکشاف — ابن حجر عسقلانی
فتح الباری — ایضاً
اصابہ — ایضاً
شرح مقاصد — سعد الدین تفتازانی
صواعق محرقہ — شہاب الدین ابن حجر مکی مفتی اعظم مکہ
الیواقیت والجواہر — شیخ عبدالوہاب شعرانی
کتاب الولایت — مسعود بن ناصر سیستانی
مغازی الرسول — محمد بن محمد الواقدی
اثبات الوصیۃ — ابوالحسن علی ابن حسین مسعودی
الفتوحات مکی — شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی
درمکنون — ایضاً
عنقائے مغرب — ایضاً
غنیۃ الطالبین — شیخ عبدالقادر جیلانی

اعلام الوریٰ — ابو علی الفضل بن حسن بصری
مناہیج الطالبین — قزوینی
سبعۃ المروارید — شیخ عبداللطیف جلبی
أسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ — ابن اثیر جزری
سیرت ابن ہشام — محمد عبدالملک بن ہشام
حدیقۃ الحقائق — حکیم سنائی
حیواۃ الحیوان — دمیری
انسان العیون — علی بن برہان الدین شافعی حلبی
خلاصۃ الوفا — نورالدین علی بن عبداللہ سمہودی
جواہر العقدین — ایضاً
ریاض الصالحین — شیخ محی الدین النودی
تنزیل الابرار — الیوخشی
اسعاف الراغبین — شیخ محمد اتقیان
رشفت الصادی — ابوبکر خضرمی
تذکرۃ الحفاظ — الذہبی
تذکرۃ الخواص الامہ — سبط ابن جوزی (ابوالفرج بن علی بغدادی صدیقی حنبلی)
صفوۃ الصفوہ — ایضاً
سوانح خواجہ بدیع الدین شاہ مدار — عبدالرحمن چشتی
معرفۃ الصحابہ — ابن مندہ
تحفۃ الاخیار — مولانا عبدالحیٔ
مناقب الاصحاب — نجم الدین ابوبکر بن محمد
قصص العلماء — علامہ تنکابینی
فضائل الصحابہ — سمعانی
روح المعانی — شہاب الدین آلوسی
صبح صادق — ملا نظام الدین

کتاب الاشراف — علامہ بلاذری
بشارۃ الاسلام — سید مصلح
اُصول الآخرت — مسافر
مفتاح النجا — مرزا احمد بن معتمد خاں بدخشانی
مشارق انوار الیقین — رجب علی برسی
جوامع الکلم — سید محمد الحسینی خواجہ بندہ نوازؒ
بحر المعانی — ایضاً
گنج الاسرار — معین الحقؒ
ملفوظات خواجگان چشت — مخدوم جہانیاںؒ
راحت القلوب — خواجہ نظام الدین اولیاؒ
کشف المحجوب — ابوالحسن ہجویری داتا گنج بخشؒ
مکتوبات شیخ سرہندی۔ مجدد الف ثانی۔ شیخ احمد فاروقی سرہندی
ذخیرۃ المال فی شرح عقد جواہر اللآل — شہاب الدین احمد بن عبدالقادر بکری
نہاج التحقیق — یحییٰ ابن حسن القرشی
مسند و المعجم — ابو یعلیٰ
طیوریات — سلفی
اسفار موسیٰ — شیخ محسن احمد
روض الازہر — شاہ تقی علی قلندر کاکوروی
کتاب الوثیقہ — حافظ ابوحاتم رازی
شرح تجرید — ملا قوشنجی
ہدایت السعدا — ملک العلما شہاب الدین دولت آبادی
توضیح الدلائل — ایضاً
سیرۃ النبی — شبلی نعمانی
سیرت نعمان — ایضاً

الغزالی — شبلی نعمانی
الفاروق — ایضاً
علم الکلام — ایضاً
ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی — مولانا مناظر احسن گیلانی
تدوین حدیث — ایضاً
امہات الامہ — شمس العلماء حافظ نذیر احمد
فرائض الحقوق — ایضاً
رویائے صادقہ — ایضاً
شرف النبوہ — ابو سعید عبد الملک بن ابن علی
دلائل النبوۃ — حافظ ابو نعیم اصفہانی
شواہد النبوۃ — ملا عبد الرحمٰن جامی
مدارج النبوۃ — شاہ عبد الحق محدث دہلوی
جذب القلوب — ایضاً
اخبار الاخیار — ایضاً
مناقب — ایضاً
مناقب — حاکم
مناقب — ابو الفرج جوزی
مناقب — ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی
مناقب — خطیب
مناقب — سمعانی
مناقب — ابن مغازلی
مناقب مرتضوی — سید صالح کشفی ترمذی حنفی
مناقب — ابو بکر ابن مردویہ
مناقب — الموئید موفق بن محمد خوارزمی
مقتل الحسین — ایضاً
شرح نہج البلاغہ — ابن ابی الحدید معتزلی

مناقب اہلبیت — مرتبہ مرزا محمود علی مطبوعہ نظام مذہبی ٹرسٹ
ازالۃ الخفا — شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
تفہیمات الالہیہ — ایضاً
حجۃ البالغہ — ایضاً
قرۃ العین — ایضاً
تحفۂ اثنا عشریہ — شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
بستان المحدثین — ایضاً
فتاوی عزیزی — ایضاً
سر الشہادتین — ایضاً
مکتوب نسبت جواز عزا و بکا — ایضاً
مقاتل السبطین — ابو الفرج اصفہانی
شہادت نامہ — سید عبد اللہ شاہ نقشبندی قادری
فاطمی دعوت اسلام — مولانا خواجہ حسن نظامی
یزید نامہ — ایضاً
طمانچہ بر رخسار یزید — ایضاً
ماہنامہ منادی — مولانا حسن نظامی و حسن ثانی نظامی
حیات سید الشہدا — مولانا سید علی بشیر
اسلام کی شیر دل خاتون (زینب علیہا السلام) — عائشہ بنت ڈاکٹر طہٰ حسین
بلاغات النساء — سید احمد بن ابی طاہر
شہیرات النسا — مطبوعہ مصر
تذکرۃ الاولیاء — شیخ فرید الدین عطار
روحانیت کے تاجدار — صاحبزادہ شمس فاروقی
خزینۃ الاصفیاء — غلام سرور
ہدایت الامہ فی معرفۃ الائمہ — روح الامین بن شمس الدین محمد الحسین سبزواری

خصوص الائمہ فی مدح الائمہ — مالکی

تحفۃ الاحبا — سید المحدثین عطاء اللہ حسینی

ارجح المطالب سوانح علی ابن ابی طالب
عبید اللہ بسمل امرتسری

النجم الثاقب فی قضایائے علی ابن ابی طالب
حاجی محمد بن عبداللہ بن نورالدین

شاہ راہِ نجات — ہمایوں مرزا بیرسٹر

بحار الانوار — ملا محمد باقر مجلسی

حیات القلوب — ایضاً

ارشاد القلوب — ایضاً

کتاب الولایت — مسعود بن ناصر سیستانی

اثبات الوصیت — ابوالحسن علی ابن حسین مسعودی

خصائص علویہ — ابوالفتح محمد بن علی بن ابراہیم النطنزی

نور علی نور مع سطر فتنۃ الکرامہ — خلیل احمد دیوبندی

خلافت و ملوکیت — مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

حقیقت جہاد — ایضاً

تعجیل المنفعت — ابن حجر عسقلانی

فتح الباری — ایضاً

کشف الظنون — حاجی خلیفہ

منہاج الاصول — قاضی بیضاوی

غایت المرام — امام البحرین

مصباح السنۃ — بغوی شافعی

منہاج السنۃ — ابن تیمیہ

بحر النجا — ابو عثمان بن عمر

انوار البدایہ — حسین بن سہیل

عقائد دینیہ — ضیاء الدین سعید الجرجانی

الرواج — شیخ العسکری

کتاب البیان والیقین — ابو عثمان عمر بن جاحظ البصری

کتاب السقیفہ والفدک
ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری

ردِّ منافقت — مولانا صحوی شاہ کمالی

مسائل الخلاف فی فقہ — شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی

نکث الشریعت — ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی

کتاب سُلیم — سُلیم بن قیس الہلالی

حد تحقیق بہ مشرب سنی — وحید الدین خاں

مصباح الظلم — سید امداد امام

مناظر المصائب — ایضاً

مسالک — ابن فضل اللہ

مسلمانوں کے فرقے — مولانا غلام احمد وکیل نظام آباد

دو اسلام — ڈاکٹر غلام جیلانی برق پاکستانی

دو قرآن — ایضاً

بھائی بھائی — ایضاً

اسلام اور بنو امیہ — ڈاکٹر ابوبکر خاں ملیح آبادی

حضرت علی ابن ابی طالب اور انکے سیاسی حریف
سید شاہد زعیم فاطمی پاکستانی

الاحداث — ابوالحسن علی مدائنی

فقہ — درالمختار

غایۃ الاوطار ترجمہ درالمختار

فقہ — ہدایہ

فقہ — عین الہدایہ

فقہ — شرح وقایہ

فقہ　　فتاوی عالمگیری

فقہ　　فتاوی قاضی خاں

فقہ　　فتاوی عزیزی

لغات القرآن　　عبدالدائم الجلالی البخاری

وحید اللغات　　وحید الزماں وقار نواز جنگ

قاموس اللغات　　مجدالدین فیروز آبادی

اسلام کیونکر پھیلا　　ڈاکٹر وشوناتھ پرشاد ماتھر

ہمارے ہیں حسین　　ایضاً

بھگوت گیتا

کرشن نیتی　　پنڈت رام دھن مطبوعہ شاکری پستکالیہ دہلی

اجودھیا کا بن باسی　　پنڈت شنکرداس مطبوعہ آگرہ

بودھیا پرکاش　　لالہ ہرگوبند حلوجیہ مطبوعہ سرسوتی پریس بمبئی

بودھیا چمتکار　　یل کے۔ بھٹناگر۔ مطبوعہ النکار پستکالیہ کانپور

سرورِ عالم جگت گرو　　صدیق دیندار چنن بشیشور

جاماسپی　　جاماسپ بعہد گشتاسپ

زند　　زرطشت

٭　٭　٭

BIBLIOGRAPHY
(English Books)

Gospel of Barnabas

Historians' History of the World- Dr.Henry Smith Williams

Chamber's Encyclopaedia 1950 Edition

Decline and Fall of the Roman Empire-Edward Gibbon

Comments on 1887 Edition of Gibbon's Decline and Fall of the Roman Empire – Dr. Henry Smith Williams

Heroes and Hero worship - Thomas Carlyle

Life of Mahomet - Washington Irving

Livers of Successors of Mahomet - Washington Irving

An Apology for Mohammed and the Koran - John Daven Port

Mohammed and Islam - Sir William Muir

The Caliphate-Its rise,decline and fall - Sir William Muir

History of Mohammedan Empire - Major Price

Makers of Arab History - Philip K.Hitti

History of Arabia and its People - Andrew Chrechton

Islam under the Arabs - Robert Durie Osborn

History of Islam - Dr. William Durant

Spanish Islam - Reinhart Dozy

Spirit of Islam - Justice Amir Ali

Politics in Islam - Khuda Bakhsh

Hazrat Ali as an Amir - Maj.Gen. Akbar Khan

Caliph Ali and His Times - Prof. Abdul Ali

Islam and Modern Challenge - Prof.Abdulwahab Bokhari

Imam Ali - Sulayman Kattani of Lebanon Translated by I.K.H. Haward.

The voice of Human Justice - George Jordac

Ayesha after the Prophet - Koreth Freschler
Translated by Zbihullal Mansoori of Iran.

Islamic Law 16th Edition - Chief Justice Hidayathullah

Mohammadan Law - Justice Babu Lal Varma

Judgement in Khoja case
1935, Indian Law Reports(Bombay) - Justice Arnold

Judgement in 'Tabarra' case - Rai Thakur Pershad
Special Judge.

'Current' Weekly in August 1968 - D.F. Karaka

A miracle in Persia - Times of India, 25th March 1882

Why I became a Shia - Prof. Sheik Ahmed Amin Antaki

Why I adopted the creed of Ahl-e-Bait -
Sheik Mohammad Marai Antaki

Spiritualism and Islam - Prof. M.G. Reynold

Preaching of Islam - T.W. Arnold

The faith of Islam - Edward Sell

The speeches and table talks of the Prophet Mohamad
- Stanely Lanepole

Sentences of Ali - Ockley Simon

An appeal for Universal peace - Alexander Goenel

****

مقدمہ

اس امر کو واضح کر دینے کیلئے کہ مجھے تحقیق کا خیال کیوں پیدا ہوا اور ایک غیر جانبدارانہ پس منظر مجھے کس طرح حاصل رہا تھوڑی سی ہسٹری مجھے اپنے خاندان کی بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ بہ مصلحت دنیوی میں اس بندھی مٹھی کو بند ہی رہنے دیتا اور ان تفصیلات کو منظر عام پر لاتا کہ میرے خاندان میں کس کس قسم کے خیالات کے لوگ موجود رہے ہیں اور اس طرح اپنی ساکھ کے متاثر ہونے کا امکان پیدا نہ ہونے دیتا مگر ہر قسم کے کچ لپیٹ یا الف و نشر کو چھوڑ کر مجھے تو دیانتداری سے کام لینا ہے اور اس امر کو واضح کر دینا ہے کہ یہ مذہبی جستجو اور حق کی تلاش ایک غیر جانبدارانہ ماحول والے شخص کی ہے اب خواہ میری ساکھ گھٹے یا بڑھے۔ جن ہستیوں کے سامنے مجھے اپنی ساکھ بڑھانی ہے وہاں انشاء اللہ میری ساکھ ضرور بڑھے گی۔

بندۂ حقیر حامد بن شبیر ولد الحاج مولوی سید علی شبیر صاحب قبلہ مرحوم عرض کرتا ہے کہ اس ناچیز کے خاندان میں شیعہ اور سنی دونوں طرح کے افراد موجود رہتے آئے ہیں۔ میرے دادا خان بہادر سید علی نذیر صاحب دیوان ریاست ناتھ دوارہ راجستھان سنی المذہب مشہور تھے۔ گو کہ خاندانی میل جول کی وجہ سے تعصب سے بہت دور اور بخلاف عام سنیوں کے علم و تعزیہ کا احترام کرتے تھے۔ ان کی امانت داری کی وجہ سے محلہ کے بہت سے لوگ اپنی جائیدادیں ان کے نام خرید کر بعینا ان کے پاس امانت رکھوا دیتے تھے۔ بعمر ۹۰ سال ان کے انتقال کے بعد ایسے متعدد کاغذات لوگوں کو واپس کئے گئے تمام لوگوں میں اس قدر مقبول تھے کہ ان کے انتقال کے بعد ہندو اہل محلہ نے کئی سال تک دیوالی کی روشنی نہیں کی۔ ان کے خسر یعنی میری دادی کے والد مولوی سید افضل حسین صاحب شیعہ طریقہ رکھتے تھے۔ میرے دادا نے اپنے لڑکے لڑکیوں کے نام تمام تر وابستگان اہل بیت اطہار کے طریقہ پر رکھے تھے۔ مثلاً سید علی احمد، علی بشیر، علی شبیر، علی قاسم، تصدق فاطمہ، نثار فاطمہ، صغرا فاطمہ وغیرہ۔ ایک روایت یہ بھی کی جاتی ہے کہ انھوں نے "رد تبرا" کے نام سے کوئی کتاب لکھی تھی۔ میرے نانا سید شمشاد حسین صاحب قبلہ جو میرے دادا کے چچا زاد بھائی تھے شیعہ تھے۔ میرے ایک تایا مولوی سید علی احمد صاحب کا مشرب سنی تھا ان کے صاحبزادہ مسعود صاحب کا مشرب بھی سنی ہے۔ میرے دوسرے تایا مولوی سید علی بشیر صاحب مرحوم نے جو بڑی علمی دستگاہ رکھتے تھے "تحقیق حق" کے نام سے ایک کتاب تین ضخیم جلدوں میں لکھی جس میں مذہب اسلام کی حقانیت بہ مقابلہ دیگر مذاہب کے ثابت کی گئی ہے کئی اور کتابیں بھی ان کی تصنیف سے ہیں آخر میں انھوں نے امام حسین علیہ السلام کی سوانح عمری "حیات سید الشہداء"

کے نام سے ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ مُطابق ۱۹۰۷ء میں دو جلدوں میں شائع فرمائی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف پکے محب اہلبیت تھے اور ان کو شیعہ کہنا بھی عین حقیقت ہوگا۔ مرحوم مجالس عزا منعقد کیا کرتے تھے جس میں میرے والد صاحب قبلہ اور کبھی مولانا اولاد حسین للن صاحب قبلہ بیان فرماتے تھے

تایا صاحب موصوف کے بڑے فرزند مولوی سیّد محمد محمود صاحب طریقہ حنفی کے پابند ہیں۔ مگر جب کبھی اہل بیتِ اطہار کا نام لیا جائے تو عقیدت سے اپنا سر جھکا دیتے ہیں۔ اپنی دونوں بیٹیاں انھوں نے شیعوں کو دی ہیں ان کی پہلی بیوی شیعہ تھیں اور دوسری سنّی ہیں۔ حضرت تایا صاحب مرحوم کے دوسرے صاحبزادے سیّد محمد احسن سلّمہ کا طریقہ بالکلیہ شیعہ ہے۔

میری پڑنانی سیدۃ النسار بیگم صاحبہ امیر الشعراء میر احمد علی شہید دہلوی کی بیٹی تھیں جو شعراء کا مشہور شیعہ گھرانا تھا مگر ان کے شوہر خواجہ حفیظ اللہ صاحب شافعی سنّی تھے گو کہ انھوں نے اپنی ایک بیٹی میرے نانا کو اور دوسری نواب میر محمد حسین خاں (خانِ ایران) یعنی شیعوں کو دی۔ سیدۃ النسار بیگم صاحبہ کے بھائی میر کاظم علی صاحب شعلہ تھے۔ جن کے ایک بیٹے میر نوازش علی صاحب لمعہ اور دوسرے میر نادر علی صاحب رعد تھے۔ نوازش علی صاحب کے بیٹے ڈاکٹر مہدی علی صاحب سابق پرنسپل محبوب کالج اور نادر علی صاحب کے بیٹے میر باقر علی صاحب اور میر کاظم علی صاحب برق موسوی ہیں نادر علی صاحب کی ایک صاحبزادی شیعہ کو اور ایک صاحبزادی سنّی خاندان میں دی گئی ہیں۔ میری نانی کے چچا خواجہ حیات اللہ صاحب شافعی المذہب کی تعمیر کی ہوئی مسجد حیدر آباد میں چادر گھاٹ کے پل پر مسجد خواجہ حیات اللہ کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ ان کی بیوی سنّی تھیں مگر شیعوں کے بارہ اماموں کو اپنا امام مانتی تھیں۔

ان کے بیٹے خواجہ غوث الدین صاحب اور ان کے بیٹے خواجہ غیاث الدین صاحب ہیں جو ہمارے خاندان میں بالکل ہمارے بھائیوں کی طرح شمار ہوتے ہیں۔ میرے ایک پھوپا مولوی حمایت حسین صاحب فاروقی تھے۔ ان کے صاحبزادے عرفان احمد صاحب فاروقی سے میرا تبادلۂ خیال ہوا تھا۔ وہ مذہب شیعہ کے اُصولوں کو صحیح تسلیم کرکے یہ فرماتے تھے کہ روز بروز ایسا محسوس کرتا ہوں کہ حضرت علی علیہ السلام کی محبّت دل پر قبضہ کئے جاتی ہے انہیں کے ساتھ میری ایک دوسری پھوپی نشاد فاطمہ صاحبہ کے صاحبزادے سیّد عزیز الحسن ولد سیّد احمد حسین صاحب ہجرت پور (آگرہ) سے تشریف لائے تھے۔ یہ ایک صاف قلب آدمی ہیں۔ ان کا ظاہری طریقہ سنّی تھا مگر گفتگو کی جائے تو ان کے خیالات سے تشیع صاف نمایاں تھا۔ یہ مجالس عزا اور ماتم میں بھی شریک ہوتے تھے۔ عرفان احمد صاحب فاروقی کے حقیقی بھائی عارف حسین صاحب فاروقی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ بھی کبھی کبھی

اظہار تشیع کرنے لگے ہیں۔

میرے نانا نے اپنی لڑکیوں میں سے دو اپنے خاندان والوں میں یعنی میرے تایا مولوی سید علی بشیر صاحب اور میرے والد کو دیں اور دیگر لڑکیوں میں سے ایک شیعہ میر حسن علی صاحب کو اور ایک لڑکی ایک سنی نواب میر واجد حسین خاں (دتار ڈبن) کو دی جن کے محب اہلبیت ہونے کی ضمانت نواب شوکت جنگ بہادر نے دی تھی۔ مولوی حسن علی صاحب کی حقیقی بہن ایک سنی مولوی عبد الغفار خاں صاحب برادر عبد الغفور خاں صاحب نامی ناظم امور مذہبی کو دیگئی تھیں۔ نواب میر واجد حسین خاں صاحب کی دادی شیعہ تھیں اور حج و زیارات حجاز و عراق و مشہد مقدس سے واپسی کے بعد خالو صاحب موصوف بھی بالکلیہ مائل بہ تشیع ہوگئے تھے۔ ان کے تین صاحبزادے سنی ہیں اور ایک مائل بہ تشیع ایک شیعہ اور صاحبزادی شیعہ ہیں خالو صاحب کے بہنوئی نواب منظور جنگ ہر سال محرم میں مجلس عزا منعقد کیا کرتے تھے۔ میرے ماموں سید احمد حسین صاحب مرحوم کی پہلی بیوی شیعہ تھیں دوسری سنی اور تیسری شیعہ۔ میرے چھوٹے ماموں مولوی سید اصغر حسین صاحب مرحوم کا بھی طریقہ شیعہ تھا انکی بیوی کے والد سنی اور ماں شیعہ تھیں۔

میرے ایک خالو مولوی سعید علی صاحب جو نواب اعظم یار جنگ (چراغ علی) کے بھتیجے ہیں ایک عرصہ تک دہریت کی طرف مائل تھے ان کے والد معتدل خیال کے سنی اور ماں شیعہ تھیں اور ان کے بعض چچا شیعہ اور بعض سنی تھے۔ ان کے حقیقی بھائی تین سنی ایک مائل بہ تشیع اور چچازاد بھائی دو شیعہ اور دو سنی ہیں مولوی سعید علی صاحب کو مذہب سے جس حد تک بھی دلچسپی ہے وہ بالکلیہ فرقہ شیعہ ہی سے ہے۔ انھوں نے وصیت فرمائی ہے کہ ان کی تجہیز و تکفین شیعہ طریقہ سے کیجائے۔

میرے والد صاحب قبلہ نے اپنی لڑکی ایک معتدل خیال کے سنی وزیر علی صاحب کو دی جو اہلبیت اطہار کے گہرے عقیدت مند تھے اور محرم کی نیازیں انتہائی خلوص سے کرتے اور اس کے انتظام میں ذاتی طور پر منہمک رہتے تھے اور امام حسین علیہ السلام کی فاتحہ دیتے وقت زار و قطار روتے تھے جب بہ حیثیت ڈسٹرکٹ جج اضلاع میں قیام رہتا تو محرم کی مجالس میں شرکت کے لئے میری بہن کو بتاکید حیدرآباد روانہ کرتے تھے۔ جب کوئی قوالی کی محفل ہوتی تو کہتے کچھ اہلبیت علیہم السلام کی شان میں سناؤ۔ وزیر علی صاحب مرحوم نے جو بہت عرصہ تک فریش رہے اپنے انتقال سے پندرہ دن پہلے دیگر وصیتوں کے ساتھ میری بہن سے یہ کہا کہ تمہارا مذہب بڑا بہتر مذہب ہے تم اپنے بچوں کو اپنے مذہب پر چلاؤ اور شیعوں میں ان کی شادی کرو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وزیر علی صاحب کے دو اور بھائیوں نے بھی شیعہ لڑکیوں سے عقد کئے۔

مقدمہ

میرے خسر مولوی میر مصطفےٰ علی خاں صاحب مرحوم (ایچ-سی-ایس) ایک راسخ الاعتقاد شیعہ تھے مگر رواداری ان کا خاص شعار تھا اور اخلاق مجسم تھے انھوں نے اپنی بڑی صاحبزادی میر وزارت علی خاں ولد نواب حیدر علی خاں صاحب شیعہ کو منجھلی صاحبزادی مجھے اور چھوٹی صاحبزادی ایک سنّی مولوی سمیع الدین محمد فرزند نواب عماد جنگ کو دی جن کی والدہ شیعہ تھیں۔ ان کے دو صاحبزادے معمر دس بارہ سال دسویں محرم کو الاوہ سرطوق کی مجلس یا عبادت خانہ میں دو دستی ماتم کرتے ہیں۔ سمیع الدین صاحب نے ان کو کبھی نہ روکا۔ ان کے گھر میں ان کے ماموں اور بیوی بچے جتنے بھی نماز پڑھتے ہیں سب شیعہ طریقے کی۔ گو کہ خود انکا طریقہ سنّی ہے۔

میری بیوی کی والدہ دختر نواب جمشید علی خاں خلف نزک تازالدولہ بھی سنّی خاندان کی تھیں مگر از خود کتابیں پڑھنے کے بعد مع اپنی دو بہنوں کے شیعہ ہو گئیں اور شیعہ خاندان میں آئیں ان کا باقی خاندان سنّی رہا ۲۵ سال قبل میری خوش دامن صاحبہ کے چچازاد بھائی جسٹس میر ہاشم علی خاں صاحب (سنّی المذہب) اپنے صاحبزادہ کی کسی منّت کے سلسلہ میں ایک مخصوص مجلس عزا منعقد کیا کرتے تھے اس میں میرے والد صاحب قبلہ بیان فرماتے تھے۔

حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم سینٹ جانس کالج آگرہ کے گریجویٹ (بی۔اے) اور کالج کی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی ایک جید عالم اور وسیع معلومات کے حامل تھے۔ اسلامی تاریخ سے ان کو خاص شغف تھا ان کی بارہ، تیرہ تصانیف طبع ہو چکی ہیں۔ جن میں تاریخ مزارات حرمین تاریخ حجر اسود، تاریخ غلاف کعبہ، تاریخ مولد النبیؐ کاروان حجازی، مدینہ والوں کا پیغام ہندوستان کے نام حجاز کے فرنگی سیاح، وغیرہ تاریخ اسلام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف نے کئی انگریز سیاحان حجاز فریڈرک برکھارڈٹ جان برٹن لیڈی ایولین کبولڈ وغیرہ کے سفرناموں کے اردو ترجمے کر کے شائع فرمائے ان کا مجموعہ کلام نظم شبیر کے نام سے اور مجموعہ نوحجات وسلام "نوحجات شبیر" کے نام سے طبع ہو چکے ہیں۔ ملک عرب اور عربی طور طریق سے انکو اسقدر لگاؤ تھا کہ خاندانی روایتی ناموں سے ہٹ کر اپنے دونوں فرزندوں کے نام انہوں نے عربی ترکیب پر رکھے (حامد بن شبیر و محسن بن شبیر)۔ عربی لباس میں اپنی کئی تصویریں کھچوائیں ایک تصویر کے نیچے لکھا 'مکہ کا اک مسافر'

موصوف کو ہر متعارف مذہب کی معلومات حاصل تھیں اور بہ حیثیت مورخ ایک وسیع الخیال آدمی تھے حتیٰ کہ اپنے ہندو دوستوں کے رام لیلا کے جلسوں میں بہ زبان بھاشا تقریر کرتے تھے۔ سینکڑوں ہندی دوہے ان کو یاد تھے۔ عیسائی دوستوں کے چرچ میں خاص تقاریب میں شریک ہوتے تھے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کی دعوت پر ۱۹۰۵ء میں مختلف شہروں، آگرہ، دہلی فتحپور، سانڈھن وغیرہ کے دورے کر کے انھوں نے تبلیغ و تحفظ اسلام کے لئے تقاریر کیں۔ جس کی

کلمۃ الحق حصہ اول

روئیداد اس زمانے کے رسالہ "مفید عام" آگرہ میں شائع ہوتی تھی۔ کبھی محلہ چنپلگوڑہ کے مہدوی دوستوں کے جلسوں میں بھی اپنے منفرد انداز کی تقریر کرتے جلسہ ہائے میلادالنبی میں ان کی تقریریں ہوتی تھیں۔ نعتیہ مشاعروں اور مسالموں میں حصہ لیتے تھے۔ عام جلسوں میں ان کی تقریریں عالمی بھائی چارگی کے پیغام پر ہوا کرتی تھیں۔ محرم میں مجالس عزا بیان کرتے تھے۔ ایک وسیع الخیال آدمی ہوتے ہوئے بھی اپنے اصولوں کو ٹھیس نہیں لگنے دیتے تھے اور جہاں کہیں ضرورت ہوتی موقعہ بموقعہ اپنے اہل خاندان کو متوجہ کردیا کرتے تھے مثلاً ایک دفعہ بہت بچپن میں روز عاشورا حضرت قبلہ گاہی کے ساتھ مجالس میں نکلنے سے قبل میں نے سر میں کنگھی کی تھی تو فرمایا اس طرح چلنا ہو تو گھر میں بیٹھے رہو کسی اور بچے نے جوتا پہنا تو اسے بھی منع کیا۔ ان کی پوری زندگی طالب علمانہ رہی۔ صبحدم اٹھتے ہی عربی، فارسی، انگریزی یا اردو کی کوئی نہ کوئی کتاب لیکر بیٹھ جاتے یا پھر کسی کتاب کی تصنیف کا مشغلہ رہتا۔ مدت العمر یہی معمول رہا۔ آخری عمر میں موصوف نے صحاح ستہ اور خصوصاً صحیح بخاری سے احادیث کا ایک تفصیلی نوٹ مع اپنے تبصرہ کے مرتب فرمایا تھا اور اس ارادہ میں تھے کہ اپنے اہل خاندان کی رہنمائی کے لئے ایک کتاب اس موضوع پر لکھیں موت نے مہلت نہ دی حضرت مرحوم کا وہ نوٹ ورثہ میں ہم لوگوں کو ملا جس سے ہم نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ان کی تحقیق اور مذہبی خیالات کے ارتقاء کا نتیجہ مسلک شیعہ تھا۔ میں ان کے انتقال کے وقت بدقسمتی سے بوجہ ملازمت دور تھا اور ان کا انتقال (۲۳) گھنٹوں کی علالت میں ہوا۔ اپنے چھوٹے بیٹے محسن بن شبیر سلمہ آئی۔اے۔ایس کو انھوں نے وقت آخر یہ وصیت فرمائی کہ "بیٹا مذہب شیعہ حق ہے۔ مذہب شیعہ صحیح راستہ کی رہبری کرتا ہے۔ مذہب شیعہ نجات دلاتا ہے"۔ حضرت والد صاحب قبلہ کا بوقت انتقال اسطرح فرمانا یقیناً اس وجہ سے تھا کہ خاندان کے ماحول کے اعتبار سے کوئی ان کے متعلق غلط فہمی میں نہ رہے۔ اور ان کے دور و نزدیک کے رشتہ دار جو ان کی قابلیت اور تبحر علمی کے معترف تھے ان کو بھی معلوم ہوجائے کہ وہ مذہب شیعہ کو حق سمجھتے ہیں اور اسی پر قائم ہیں۔

حضرت والد صاحب کے انتقال کے وقت شیعہ و سنی دونوں طرح کے احباب کی کثرت اور خاندان کے ملے جلے ماحول کے اعتبار سے نماز جنازہ دونوں طریقوں پر پڑھی گئی۔ شیعوں نے آقا مرزا جان قبلہ برادر آقا بندہ حسن صاحب قبلہ کے پیچھے اور سنی دوستوں عزیزوں نے پیر چشتی سید شاہ ولی اللہ حسینی صاحب قبلہ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تجہیز و تکفین مراسم شیعہ کے اعتبار عمل میں آئی۔ تمام عمر حضرت والد صاحب کا یہ طریقہ رہا کہ محرم کی ساتویں تاریخ سے مجالس کیلئے

پاؤں نکلا کرتے تھے اور عشرہ کی مجالس میں صبح سے شام تک بالالتزام شریک ہوتے تھے۔ محرم کی ۹ تاریخ کو مولوی ولایت حسین صاحب کے پاس ہنومان ٹیکری میں مجلس ہوتی تھی اس میں بھی ہر سال بہ پابندی شریک ہوتے تھے ایک دفعہ سواری موجود نہ تھی تو والد صاحب قبلہ خاویر حسن علی صاحب مرحوم میں اور دو ایک اور بچے سب ننگے پاؤں پیدل جنجلگوڑہ سے تین میل ہنومان ٹیکری گئے۔ واپسی میں آتے آتے کاچیگوڑہ محلہ میں جو راستہ میں پڑتا ہے میری نانی کے چچازاد بھائی خواجہ محی الدین صاحب کے مکان سے ہوتے ہوئے آئے کہ یہاں پانی پیتے ہوئے چلیں گے۔ اپنے مکان کے ایک حصہ کو انھوں نے ہمیشہ سے محفل موسیقی کے لئے مختص کر رکھا تھا۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ طوائفیں موجود ہیں۔ اگرچہ کہ گانا نہیں ہو رہا تھا اور کہا گیا کہ مرثئے پڑھنے بلوائی گئی ہیں۔ طوائفوں کو ۹ محرم کو بلوائے جانے کی یہ شکایت غالباً فضول ہے۔ کیونکہ میں نے مضبوط اعتقاد کے ایک شیعہ صاحب کو بھی ۹ محرم کے دن اور ایک دفعہ ایک دوسرے شیعہ صاحب کو ۷، اور ۸ محرم کی درمیانی رات گنجفہ کھیلتے دیکھا۔ اگرچہ یہ غیر معمولی اور شاذ مثالیں سہی مگر فطرت انسانی کی کمزوریاں ہر جگہ اور ہر ہر قدم پر اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔ بعض کم علم لوگوں کے عمل کی طرف بھی اشارہ اس موقعہ پر غالباً بے محل نہ ہوگا۔ مگر یہ شکایت کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ برسبیل تذکرہ ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تھوڑا سا بھی علم رکھنے والے اہل سنت حضرات بھی ایسے عمل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے بہر حال ذکر یہ ہے کہ ایک دفعہ مولوی سید عباس حسین صاحب نقوی ڈپٹی کلکٹر سے ان کے ایک ماتحت مسلمان صاحب نے استفادہ تعطیل کی اجازت اس بیان سے چاہی کہ وہ محرم کی عید کے لئے جانا چاہتے ہیں عزا کا کوئی تصور ان کے پاس نہ تھا اور اسکو وہ ایک خوشی کا موقعہ سمجھتے تھے۔ حال ہی میں ماہ صفر ۱۳۸۳ھ میں جب میں ایک دن اسٹیٹ لائبریری بیٹھا ہوا تھا ایک صاحب اربعین یعنی شہدائے کربلا کی فاتحہ چہلم کو اربعین کی عید کہتے ہوئے بھی نظر آئے۔ دسویں محرم کو یعنی عین شہادت حسینؑ کے دن بہت سے مسلمان کم عمر لڑکے لڑکیاں زرق برق سُرخ لباس پہنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جیسے کسی میلے یا جشن کا موقعہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کے ماں باپ کا عمل ہے۔ بچوں کے ذہن میں جو بات ڈالی جائے وہی قائم ہو جاتی ہے۔ ماہ محرم میں بعض مسلمانوں کے پاس شادیاں اور بینڈ باجہ اور نوبت کے ساتھ شادی کے جلوس بھی دیکھنے میں آئے۔ ایام عزا میں ایک مسلمان کے گھر میں علم و تعزیہ ماتم حسینؑ اور اس کے متصل دوسرے مسلمان کے گھر میں شادی کی محفل میراثنوں کا ڈھول اور نوبت و شادیانے دیکھکر ایک عبرت کا سماں نظر آتا۔ رسول اللہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نواسہ کی شہادت کی خبر آنے پر گریہ فرماتے رہیں سروپا

برہنہ ریش و رخسارِ مبارک خاک آسودہ معتبر لوگوں کو خواب میں نظر آئیں اور انکے نام لیوا خوشی کی تقریبیں کر کے شادیانے اور نوبت بجائیں۔ ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔
اے مقلب القلوب کارسازِ حقیقی تو ہی اس تضاد کو رفع فرما۔
تمام مسلمانوں سے میری التجا ہے کہ وہ ایام عزا کے موقعہ پر اپنے لباس و عمل سے یہ ضرور ظاہر فرمائیں کہ وہ بھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ان کے نواسہ کے غم میں دل سے شریک اور سوگوار ہیں اور اربعین تک اپنے گھر میں کوئی شادی یا خوشی کی تقریب نہ کریں۔
کسی کا ایک عزیز مر جاتا ہے تو چہلم کیا برسی تک بھی اس گھر میں خوشی کی تقریب نہیں کیجاتی قابل غور ہے کہ کیا خانوادہ رسولؐ کی شہادت عظمیٰ اس سے بھی کم التفات کی مستحق ہے؟ ایسی سوگواری میں ضرر کا تو کوئی پہلو نہیں بلکہ سعادت ہی کا امکان ہے۔ (جیسا کہ بہت سوں کے نزدیک یہ عین سعادت ہے بھی) اس جملۂ معترضہ کے بعد ہم سلسلۂ سابق کی طرف عود کرتے ہوئے حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم کے چند شعر نمونتاً درج کرتے ہیں۔ ان کی وفات سے (جو ہم مئی ۱۹۲۹ء کو واقع ہوئی) ۲۵ برس پہلے لکھے ہوئے ایک نوحہ کے دو بند یہ ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کی شہادت سے متعلق ہیں:-

نوحہ

جب سے مسند حارے بھے شہ کائنات — ذاتِ علیؑ گویا نبی کی تھی ذات
آج علیؑ نے نہیں پائی وفات — احمد مختار سفر کر گیا
شافع محشر گیا — ساقیٔ کوثر گیا

حیدر کرار ہائے

رونق منبر گیا — نفس پیمبر گیا
نور علیؑ نورِ شر انس و جاں — ایک تھے کچھ فرق نہ تھا درمیاں
ہو گیا اب نورِ رسالت نہاں — مطلع انوار سفر کر گیا

مولائے کائنات کی شہادت پر ایک اور نوحہ میں کہتے ہیں:-

اب شمع حرم بجھ گئی تاریک جہاں ہے محشر کا گماں ہے — یہ روزِ سیہ روزِ قیامت سے نہیں کم اے ساقیٔ کوثر
تو مصحف ناطق تھا تری موت ہے گویا اسلام کا مرنا — کیوں سرنگوں ہو جائے نہ اب دین کا پرچم اے ساقیٔ کوثر

ہوتے جو نبی آج تو دیتے تجھے کندھا اور کہتے کہ تیرا تھا نقش قدم مہر نبوت سے مقدم اے ساقی کوثر
شبیر کے نکلے ہیں جو آنسو ترے غم میں اس بزم الم میں کافی ہیں بجھا دینے کو وہ نار جہنم اے ساقی کوثر

معصوم شیر خوار حضرت علی اصغر علیہ السلام کی شہادت پر ایک نوحہ میں کہتے ہیں۔

عزت حیدر گیا ماہ منور گیا
اصغر معصوم ہائے
سبط پیمبر گیا مالک کوثر گیا

تجھ سے یہ شبیر کی ہے التجا حشر کے دن بہر شہ کربلا
قدموں سے تو اسکو نہ کیجو جدا ساتھ ہو تیرے یہ ترا نوحہ خواں

ایک اور نوحہ میں کہتے ہیں۔

بھول جانا نہ کہیں حشر میں شبیر کو تم جی رہا ہے یہ تمہارے ہی سہارے اصغر

ایک نوحہ میں کہتے ہیں :-

تیرے مصائب کو شہا سوچ کر ہوتا ہے شبیر کا ٹکڑے جگر
یہ ترا غمخوار یہ ترا نوحہ گر رہتا ہے ماتم میں ترے سینہ زن

ایک جگہ کہتے ہیں :-

وضو نماز سے پہلے ضرور ہے شبیر مدینہ جاتے ہو تو آؤ کربلا سے چلو

ایک غزل میں کہتے ہیں (پوری غزل بھی نیچے درج کردی گئی ہے)۔

ڈریگا آتش دوزخ سے وہ بھلا کیا خاک جو دل میں دوستی بوتراب لے کے گیا
عدو کے در پہ میں چشم پرآب لے کے گیا کہاں کہاں دل خانہ خراب لے کے گیا
الہٰی ہو قدح غم محتسب لبریز بھرا ہوا مرا جام شراب لے کے گیا
صلہ زمانہ میں نخوت ہے سر اٹھانے کا بتا مجھے تو سہی کیا حباب لے کے گیا
خیال ساقی کوثر نے کر دیا میخوار عذاب کیسا میں الٹا ثواب لے کے گیا
ڈریگا آتش دوزخ سے وہ بھلا کیا خاک جو دل میں دوستی بوتراب لے کے گیا
ملیگا چین یقیناً نہ حشر تک شبیر جو میں لحد میں یہی اضطراب لے کے گیا

اس موقعہ پر محسن سلمہ کے بھی چند شعر درج کردینا بے محل نہ ہوگا۔ آج سے ۲۲ سال قبل تقریباً ۲۱ برس کی عمر میں محسن نے ۱۳ رجب ۱۳۵۷ھ (ستمبر ۱۹۳۸ء) یوم ولادت حضرت علی علیہ السلام کے موقعہ پر حسب ذیل قطعہ کہا تھا اور بعد میں

بالمشافہ اعلیٰحضرت حضور نظام آصف جاہ سابع کو بھی سنایا تھا اور اعلیٰحضرت نے بہت پسند فرمایا تھا۔

پرتو حسن ازل سوزد ہزاراں آفتاب — ایں چنیں حسنے کجا بینی بجز اندر حجاب
درلباس حق جمال مصطفےٰ دیدہ کلیم — در کلیم مصطفےٰ بینم جمال بو تراب

محسن سلمہ کے چند اور حالیہ شعر یہ ہیں:۔

وفور عشق جو پابند احتساب نہیں — نصیریوں کا تجاوز بھی ناصواب نہیں
وہ اور تھے جنھیں عزت ملی خلافت سے — یہ امر موجب فخر ابو تراب نہیں
لبوں پہ اصغر معصوم کے یہ خشک زباں — ہے ختم حجت کا ل سوال آب نہیں
وہ نور جس سے منور ہے مرقد محسن — چراغ روضۂ حیدر ہے آفتاب نہیں

ان کا ایک اور شعر ہے :۔

دلائے پنجتن محسن بنی موجب شفاعت کا — لحد میں کام گر آئی تو خاک کربلا آئی

میری اور محسن سلمہ کی تعلیم ابتدا میں سنی دینیات کی ہوئی۔ اس زمانہ میں مدرسوں میں صرف سنی دینیات پڑھائی جاتی تھی۔ اور بہت عرصہ بعد دینیات کا بدل اخلاقیات انٹرمیڈیٹ کے کورس میں داخل کیا گیا۔ مدرسہ میں ابتدائی جماعت میں داخل کرتے وقت والد صاحب نے فرمایا تھا کہ مذہب اسلام ایک ہی ہے۔ معلومات کے لئے کوئی بھی اسلامی دینیات پڑھنا کلاس سے غائب رہکر وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے۔ مجھے اور محسن کو دینیات سے کافی شغف تھا اور اکثر سالانہ امتحانات میں ہم لوگ (علاوہ دیگر مضامین کے) دینیات میں بھی اول آتے تھے بی اے۔ میں بھی دینیات کی یہ تعلیم جاری رہی۔ اس زمانہ میں مجھے مختلف سنی علماء اور اہل طریقت کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے ساتھ قوالی کی محفلوں کے علاوہ ان کی درسی مجلسوں میں بھی شریک رہنے کا اتفاق ہوا۔ خصوصاً حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہ مرحوم جو میرے ہم محلہ تھے مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے اور مجھ سے وہ تمام گفتگو کھل کر کرتے تھے جو محض سلسلۂ بیعت میں آنے کے بعد اپنے مریدوں سے کیجاتی ہے اس زمانے میں سنی طریقہ کی نماز ان علماء اور اپنے سنی دوستوں مولوی جمال الدین صاحب مولوی غوث داد خاں صاحب اور مولوی سمیع اللہ صاحب (مرحوم) کے ساتھ سنی مساجد میں پڑھتا رہا۔ اس سے قبل بھی مدرسہ دارالعلوم میں دوپہر کے وقفہ میں نماز ظہر بہ پابندی باجماعت سنی طریقہ سے ادا کرتا تھا اور مدرسہ سے واپسی میں نماز عصر راستہ میں سنی مسجد میں پڑھتا تھا۔ عیدین کی نماز والد صاحب اور نانا صاحب کے ساتھ شیعہ مساجد خصوصاً آغا بندہ حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کی مسجد واقع دریچہ ماناں میں ہوا کرتی تھی۔

غور کیا جائے تو سنّی اور شیعہ طریقہ کی نماز میں کوئی بنیادی فرق ہے بھی نہیں مگر اس امر کی تحقیق پھر بھی ضروری اور لازمی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نماز کس طرح ادا فرماتے تھے۔ وہی مکمل ترین اور صدفی صد صحیح طریقہ ہوگا۔ اگر رسولِ خدا کا طریقہ نماز متحقق ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اسی کو اختیار کرنا فرض مذہبی ہوگا کیونکہ بنیادی اصول میں اختلاف نہ ہونے کی حجت سے بہر مکمل چیز کو بمقابلہ ناقص کے ترک نہیں کیا جا سکتا۔ آمدم برسر مطلب میں اپنا ذکر کر رہا تھا کہ میں دونوں طرح کی نماز پڑھتا تھا۔ ایامِ عزا میں مجالس میں اپنے والد صاحب کے ساتھ بچپن سے بپابندی شریک ہوتا تھا۔ ساتویں محرم سے مجالس میں ننگے پاؤں ننگے سر نکلتے تھے مجالس میں میرے دوست جمال الدین صاحب میرے ساتھ آیا کرتے تھے اور دسویں محرم کو وہ بھی ننگے پاؤں نکلتے تھے۔ جمال کی والدہ محب اہل بیت تھیں۔ ایامِ عزا میں سوگوار رہتیں اور محرم کے بارہ دن گزشت نہ کھاتی تھیں اور جمال کو بڑی عقیدت سے امام حسین علیہ السلام کے نام پر بھولا را بیناتی تھیں جیسے فقیر کیا جاتا ہے۔ جمال کے گھر پر کبھی دوست احباب مگر مرثیہ خوانی بھی کرتے تھے جس میں غلام جیلانی صاحب احقر بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ اب بھی جمال ہر سال حضرت علی علیہ السلام کی فاتحہ و نیاز بڑی عقیدت سے کرتے ہیں اور جب کبھی ان کے پاس قوالی ہو منقبت جناب امیر علیہ السلام کی فرمائش ضرور کرتے ہیں۔ میری نانی کے چچا زاد بھائی خواجہ غوث الدین صاحب کے پاس بھی قوالیاں ہوا کرتی تھیں اور حضرت بادشاہ حسینی صاحب قبلہ کا وعظ بھی کبھی ہوتا تھا۔ کبھی مولود شریف ہوتا تھا۔ ان سب موقعوں پر ہم شریک ہوا کرتے تھے۔

پینتالیس سال پہلے بچپن میں آگرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ہمارے دادھیالی اور نانہیالی خاندان میں وہی کھچڑی دیکھنے میں آئی اور اکثر لڑکوں کو بطور فارمولا یہ جملہ استعمال کرتے سُنا۔ "شیعہ نہ سنّی دری بنی۔"

غرض میرا ماحول اسی طرح کا ملا جلا رہا اور ہمارے خاندان میں شیعہ سنّی کے اس لامتناہی میل اور مذہبی کھچڑی کو دیکھ کر مجھے تحقیق کا خیال پیدا ہوا اور یہ جاننے کی فکر دامنگیر ہوگئی کہ آخر حقیقت کیا ہے۔ جب اس مشہور عام حدیث کی طرف خیال گیا جس سے کم و بیش ہر شخص واقف ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان میں کا ایک جنّتی ہوگا اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔

(ستفرق امتی علی ثلثۃ وسبعین فرقۃ واحدۃ منھا ناجیۃ والباقی فی النار) تو یہ فکر اور گہری ہوگئی کہ یہ تو بڑی زبردست خطرہ کی گھنٹی اور موت و حیات بلکہ دائمی موت (جہنم) اور حیاتِ دوام (جنت) کے درمیان فیصلہ کا معاملہ ہے اور اس سے تغافل کچھ قرینِ عقل نہیں۔ قرآن پاک میں بھی اس امر کے متعلق واضح تنبیہ متعدد مقامات پر

آئی ہے۔ سورۂ روم کی آیات ۳۱ و ۳۲ ہیں:- وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا. كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ لیعنی مشرکین سے نہ ہوجانا جنھوں نے اپنے اصلی دین میں تفرقہ پردازی کی اور مختلف فرقے بن گئے اور جو دین جس فرقہ کے پاس ہے اسی میں بڑا خوش (ہو کر رہ گیا) ہے نیز ارشاد باری ہے فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ یعنی ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک دوزخ میں۔

سورہ محمد کی آیت ۲۵ ہے:-
إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ یعنی بیشک جو لوگ راہ ہدایت صاف صاف معلوم ہونے کے بعد بھی الٹے پاؤں گمراہی کی طرف پھر گئے تو شیطان نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔

لوگوں کے ہاتھ دین کی اس افراتفری اور راہ ہدایت پانے کے بعد بھی الٹے پاؤں پھر جانے اور لوگوں کے اپنے حسب مرضی تاویلات کرنے کے ذکر کے ساتھ باری تعالیٰ اس طرح دعوت فکر دیتا ہے کہ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا بھلا یہ لوگ قرآن میں (کیوں) غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

سورہ انعام کی آیت ۱۰۵ ہے:-
قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا یعنی تمھارے پاس تو سمجھانے والی چیزیں آچکی ہیں۔ پھر جو دیکھے (سمجھے) تو اپنے دم کے لئے اور جو اندھا بنے تو اس کا ضرر خود اسی پر ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۵ میں ارشاد ہے:- مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا یعنی جس نے ہدایت قبول کی تو بس وہ اسی کے فائدہ کیلئے اور جس نے گمراہی اختیار کی تو اس نے خود اپنا ہی نقصان کیا۔

بہرحال ایک کشمکش و پینچ کی کیفیت دل میں لئے ہوئے میں سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں تحقیق حق کے خیال سے اپنے والد صاحب قبلہ سے رجوع ہوا۔ موصوف نے مختلف کتابیں یہ حوالہ فرمائیں کہ پہلے ان کو دیکھ جاؤ پھر تبادلہ خیال کرنا۔ ان میں سب سے پہلی کتاب سر علی امام کے پردادا مولوی وحید الدین خاں کی لکھی ہوئی "حد تحقیق بہ مشرب سنی" اور اسی کے ساتھ مولوی عبید اللہ بسمل امرتسری کی لکھی ہوئی "ارجح المطالب" تھی۔ یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ محسن سلمہ بھی اس تبادلہ خیال میں اکثر شریک رہتے۔

میرے خاندان کی یہ رام کہانی ممکن ہے ناظرین کو طویل اور بے موقع معلوم ہوئی ہو مگر میں نے محض اس وجہ سے اس زحمت وہی کو گوارا کرلیا کہ وہ پس منظر سامنے آجائے جس میں مجھے سوچنے کا موقعہ ملا۔ مختصر یہ کہ یہ امر کہ میرے قریبی رشتہ دار کچھ شیعہ تھے اور کچھ سنی میری جانب داری کا ضامن رہا کیونکہ مجھے نہ تو ان سے کوئی کد تھی۔ نہ ان سے کوئی پرخاش۔ تلاش وتحقیق میں جو جو چیزیں میرے سامنے آئیں اور جو ہر صاحب فکر کے لئے قابل غور ہو سکتی ہیں انکو من وعن جیسے کتابوں میں مندرج ہیں یکجا کرکے مختصر حوالہ اسناد کے ساتھ سپرد قلم کردیتا ہوں اور ان امور پر جن زاویہائے نظر سے غور ہو سکتا ہے وہ بھی اپنی فہم وبساط کی حد تک پیش کئے دیتا ہوں تاکہ ناظرین اول اس کا اطمینان کرنے کے بعد کہ واقعی وہ چیزیں کتب محولہ میں موجود ہیں یا نہیں اس سے اپنا نتیجہ خود نکال لیں۔ کیونکہ یہ مذہب کا معاملہ ہے اور مذہب وایمان تو وہی ہے جو خود اپنا ہو اور اپنی سمجھ میں آئے ورنہ محض سنی سنائی پر عمل کرنا یا یہ کہ میرے خاندان کا تو فلاں مسلک ہے اور میں کیسے اس پڑھی ہوئی چھڑی کو چھوڑ دوں ایک بے معنی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی خام خیالی کو سورۂ زخرف کی آیت ۲۳ میں اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔ اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی آثَارِھِمْ مُّقْتَدُوْنَ یعنی ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم یقینی ان کے قدم بقدم چلے جارہے ہیں۔

اس ہیچمدان کو نہ اپنے علم کا دعویٰ ہے اور نہ نصیحت کرنیکا کوئی منصب حاصل ہے۔ مگر جب خیال ان ارشادات باری کی طرف گیا کہ ہر شخص پر علاوہ خود کے اپنے اہل خاندان کو بھی جہنم کی آگ سے بچانے کی ذمہ داری عاید ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھی بات کی نہایش اور بری باتوں سے روکنا بھی بحکم قرآن ہر شخص کا فرض ہے اور غور وفکر کرنے اور جہاں تک ہوسکے علم دین حاصل کرنے کی فہمائش بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو جو کچھ تھوڑی بہت معلومات میں حاصل کرسکا اسکی بنا پر اپنی قلت علم کے احساس کے باوجود اس فرض کو اپنی بساط کے موافق انجام دینے کی کوشش کو میں نے اپنے لئے لازم گردانا۔ بقول حکیم سنائی۔

سخن کز بہر دیں گوئی چہ عبرانی چہ سریانی
مکاں کز بہر حق جوئی چہ جابلقا چہ جابلسا

چند آیات قرآنی کی طرف اشارہ بے محل نہ ہوگا جو ہر شخص کو متذکرہ صدر فرائض کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور جنھوں نے میرے لئے تازیانہ کا کام کیا۔ سورۂ تحریم کی آیت ۶ ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (یعنی اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے کنبہ والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ سورۂ

زمر کی آیت ۱۵ اور ۱۶ میں ہے۔ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ
تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ یعنی فی الحقیقت گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنا اور اپنے لڑکے بالوں
کا قیامت کے دن گھاٹا کیا آگاہ ہو کہ صریحی گھاٹا یہی ہے کہ ان کے اوپر آگ ہی کے اوڑھنے ہوں گے
اور نیچے آگ ہی کے بچھونے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۱۲۲ ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ
طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْهِمْ
لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ (یعنی ہر گروہ کی ایک جماعت کیوں نہیں نکلتی تاکہ علم دین حاصل کرے
اور جب اپنی قوم کی طرف لوٹے تو ان کو (عذاب آخرت) سے ڈرائے تاکہ یہ لوگ ڈریں۔ نیز ارشاد
ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (نحل آیت ۱۲۵) یعنی اپنے
رب کے راستہ کی طرف دعوت دو حکمت (علمی) اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى
تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ سورۂ الذاریات آیت ۵۵ (یعنی نصیحت کئے جاؤ نصیحت مومنین کو فائدہ ہی دیتی
ہے) میری ہمت اور بڑھی جب میں نے یہ دیکھا کہ جو کچھ اختلافات اسلامی بڑے فرقوں کے درمیان
ہیں وہ تمام تر مسئلہ خلافت و امامت ہی کی حد تک ہیں اور یہ اکثر اختلافی امور اس قدر سہل
بیّن اور واضح ہیں کہ عقل سلیم اور کھلے دل سے بلا کسی موشگافیوں اور پیچیدہ علمی مسائل میں
الجھنے کے ان کا تصفیہ یقین اور بھروسہ کیساتھ ہر شخص بہ آسانی خود کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
دین و ایمان کے معاملہ کو ایسا پیچیدہ اور گورکھ دھندہ نہیں بنا دیا ہے کہ غور و فکر کے بعد بھی سمجھ
میں نہ آسکے۔ دقیق رازہائے مشیت، مصلحت ایزدی، جبر و قدر، اقتضاء، تدبیر و تقدیر، نکات
عرفانی جداگانہ چیزیں ہیں مگر دین کی موٹی موٹی باتیں اور بدیہی امور کو معمولی عقل بھی سمجھ سکتی ہے۔
اللہ تعالیٰ عادل حقیقی ہے اور عدل کی تعریف جب ہی صادق آتی ہے اور اسکی جانب سے تکمیل حجت
جب ہی ہوتی ہے جب اس نے معاملات کو ایسا رکھا ہو کہ غور و فکر کرنے کے بعد ایک اوسط درجہ کی
فہم والے کی سمجھ میں آجا سکیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ ہیں بھی ایسے ہی آسان اور اسی وجہ سے
وہ غور و فکر کی دعوت بھی دیتا ہے۔ اگر یہ امور بالائے فہم ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہرگز ایسی دعوت نہ دیتا۔

اس موقعہ پر ایک مثال کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ جو حضرت والد صاحب قبلہ بیان فرمایا کرتے
تھے۔ ایک شیعہ حکیم صاحب کے پاس علم طب سیکھنے کے لئے ایک سنی صاحب کسی دوسرے شہر سے آکر مقیم ہوئے
حکیم صاحب کو ان کے خیالات کا کچھ اندازہ ہو گیا۔ کئی دن گزر گئے مگر حکیم صاحب ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے
ایک دن انھوں نے عرض کیا میں تو بڑی دور سے علم طب سیکھنے آپ کے پاس آیا ہوں۔ حکیم صاحب نے کہا

علم طب آپ کو نہیں آسکتا۔ جب خلافت و امامت جیسا موٹا مسئلہ آپ کی سمجھ میں نہ آسکا تو نبض دیکھکر مرض کی تشخیص کرنے اور نسخہ تجویز کرنے کے باریک معاملے آپ کی کیا سمجھ میں آئیں گے" مطلب اس مثال کا یہ ہے کہ یہ کوئی دقیق مسئلہ ہے بھی نہیں یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص سمجھنے سے عمداً گریز کرے اور اپنی عقل کو کام میں لانا ہی نہ چاہے اور ایسے ضروری معاملہ میں بھی سہل انگاری سے کام لے کر یہ کہے کہ اب ان باتوں میں کون الجھے اسلام مذہب عقل ہے۔ آزادی فکر ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور عقل انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی قیمتی امانت ہے۔ اس کے صحیح اور بے لوث استعمال کے متعلق یقیناً وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا اور عقل کا بے لوث استعمال محض خوف خدا دل میں رکھنے ہی پر منحصر ہے۔ حضرت رسول کا ارشاد ہے جیسا کہ صحیح ترمذی میں مذکور ہے کہ عقل کی بات ایماندار آدمی کی گم شدہ چیز ہے۔ جہاں ملے اسکو اپنا حق سمجھ کر حاصل کرے۔ ایسے لوگوں کا ذکر جو سوچنا نہیں چاہتے اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف کی آیت ۱۷۹ میں اس طرح فرماتا ہے۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (یعنی ان کے دل تو ہیں مگر قصداً ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں یہ لوگ گویا جانور ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے یہی تو غافل لوگ ہیں) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جانوروں سے بھی گئے گذرے فرماتا ہے۔ اگر یہ مذہبی معاملات ایک اوسط درجہ کی فہم والے کی سمجھ میں آنے کے قابل نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کے نہ سمجھنے والوں کو جانوروں سے بدتر نہ قرار دیتا سورۂ حج کی آیت ۴۶ میں ارشاد ہے۔ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (یعنی آنکھیں اندھی) نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل جو سینہ میں ہیں وہی اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۲ میں ارشاد ہے۔ وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ یعنی جو شخص جان بوجھ کر دنیا میں اندھا بنا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہیگا۔ سورہ بقر کی آیت ۱۴۶ میں ارشاد ہے۔ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں جو معلوم رکھکر بھی حق بات کو چھپاتے ہیں) ایک جگہ یہ بھی ارشاد ہے کہ ان کے دلوں کو یقین ہے پھر بھی انکار کرتے ہیں۔ سورہ بقر کی آیت ۴۲ میں ارشاد ہے وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (یعنی حق کو باطل کا لباس نہ دیدو اور جان چکنے کے بعد بھی حق بات کو نہ چھپاؤ) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر ان لوگوں کا بھی تذکرہ فرمادیا ہے جو عقل کو کام میں لاتے ہیں اور خوف خدا دل میں

رکھتے ہیں اور اچھی بات اور اچھی نصیحت کو قبول کر لیتے ہیں اور ایسے لوگوں کو نجات کی خوشخبری بھی دیتا ہے۔ سورۂ زمر کی آیت ۱۷، ۱۸ ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (اے رسولؐ) ان لوگوں کو خوشخبری دیدو جو کل باتوں کو سنتے ہیں اور پھر اس میں جو اچھی ہے اسکی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی خدا نے ہدایت کی ہے اور یہی لوگ صاحب عقل ہیں۔

حضرت رسولؐ سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد قیامت تک کے لوگوں کے لئے ہے۔ اسی طرح سورۂ یٰسین کی آیت ۱۱ میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ (یعنی تم تو بس اسی شخص کو ڈرا سکتے ہو جو نصیحت مانے اور بے دیکھے خدا کا خوف (دل میں) رکھے۔ تم اس کو بخشائش اور باعزت اجر کی خوشخبری دیدو۔ نیز سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۸ میں ارشاد ہے۔ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ یعنی عام لوگوں کے لئے تو یہ (قرآن) صرف بیان ہے اور خوف خدا دل میں رکھنے والوں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے سورۂ مائدہ آیت ۲۷ میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ صرف (اللہ سے) ڈرنے والوں ہی سے قبول کرتا ہے۔ بلکہ یہاں تک بھی ارشاد ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۲) یعنی ہم تو قرآن میں وہی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا و رحمت ہے (مگر یہی قرآن) نافرمانوں کے لئے گھاٹے میں اضافہ کرنے کے سوا کسی چیز کا باعث نہیں ہوتا۔ سورۂ الزمر کی آیت ۹ میں ارشاد ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (یعنی تم پوچھو کہ بھلا نہ جاننے والے لوگ کہیں جاننے والوں کے برابر ہو سکتے ہیں نصیحت تو بس عقلمند ہی لوگ مانتے ہیں) حق کے راستے میں جو شیطانی وسوسے پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ سورۂ حج کی آیت ۵۲ میں یوں ڈھارس بندھاتا ہے۔ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (یعنی پھر جو وسوسہ شیطان ڈالتا ہے خدا اسے میٹ دیتا ہے اور پھر اپنے احکام کو (مومن کے دل پر) مضبوط کرتا ہے اور خدا تو بڑا واقف کار دانا ہے)

بہر حال یہ تمام امور ایسے ہی آسان ہیں کہ تھوڑا سا دھیان دینے سے اظہر من الشمس ہو جاتے ہیں۔ اسوقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلا وجہ رائی کا پہاڑ بنا دیا گیا تھا۔ قبر اور حشر میں تو خود اپنے کو جواب دینا ہے وہاں نہ تو ماں باپ کام آتے ہیں نہ اولاد نہ دوست جیسا کہ سورۂ عبس آیت

۳۴ تا ۳۶ میں ارشاد باری ہے۔ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ (یعنی وہ دن وہ ہوگا کہ آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اپنے باپ اور اپنے ساتھی اور اپنے بیٹے سے بھاگے گا) سب نفسی نفسی کے عالم میں ہوں گے اور ہر ایک کو اپنا حساب چکانے کی فکر رہے گی اور قیامت کے روز پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ بات کان کھول کر سن لینے کے لائق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ یونس کی آیت ۹۲ میں ارشاد فرماتا ہے وَ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ۔ یعنی اس میں شک نہیں کہ لوگوں میں کی ایک کثیر تعداد ہماری نشانیوں سے غافل ہے اور سورہ اعراف کی آیت ۱۷۹ میں فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (یعنی ہم نے زیادہ تر جنات اور آدمیوں کو جہنم ہی کیلئے پیدا کیا ہے) خدا محفوظ رکھے کہ کہیں ہم ان کثیر جہنمیوں میں سے نہ ہو جائیں۔ سورہ مائدہ آیت ۱۰۰ میں ارشاد ہے:۔ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ۔ یعنی کہدو اے پیغمبر کہ خبیث (یعنی کفر و نفاق کی نجاست رکھنے والے) اور طیب (یعنی ایمان کی طہارت رکھنے والے) آپسمیں برابر نہیں ہوتے اگرچہ کہ تمھیں خبیث کی کثرت تعداد (بظاہر) اچھی ہی معلوم ہو۔

جھوٹے رہنماؤں کی پیروی کرنے والوں کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فرقان کی آیات ۲۷ تا ۲۹ میں اس طرح کھینچا ہے۔ وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ یعنی جس دن غلط راہ چلنے والا اپنے ہاتھ (مارے افسوس کے) کاٹنے لگے گا اور کہیگا۔ کاش میں رسولؐ کا بتایا ہوا راستہ پکڑتا۔ ہائے افسوس کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ بیشک اس نے ہمارے پاس نصیحت آجانے کے بعد بھی مجھے بہکا دیا) جتنا جتنا بھی غور کیجئے یہ آیت انتہائی اہم ہے اور بعض ایسے صریح اُمور کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے جو ہر شخص کے لئے فوری دھیان دینے کے لائق ہیں۔ حضرت رسولؐ کا بتایا ہوا راستہ کیا تھا اپنے بعد کیلئے آپ نے وہ کونسی دو گراں بہا چیزیں چھوڑی تھیں جن کے تمسک کی آپ نے ہدایت فرمائی تھی اور کسکی پیروی کو لازمی گردانا تھا۔ پھر ان کی پیروی چھوڑ کر وہ کون لوگ ہیں جن کو مسلمانوں نے اپنا دوست سمجھ لیا اور جنھوں نے حضرت رسولؐ کی واضح ہدایات کے بعد بھی حضرت رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے سے روگرداں کر دیا۔ سورۂ احزاب کی آیات ۶۶ تا ۶۸ میں یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا

کَبِیْرًا (یعنی جس دن ان کے منہ جہنم کی طرف پھیر دیئے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش ہم نے خدا کی اطاعت کی ہوتی اور رسولؐ کا کہا مانا ہوتا اور کہیں گے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تو انھوں نے ہی ہمیں گمراہ کر دیا۔ پروردگار ان پر دوہرا عذاب نازل کر اور ان پر بڑی سے بڑی لعنت کر۔

مسلمان یہاں بھی غور کریں کہ رسولؐ کا کہا مانا ہوتا سے کیا مطلب ہے اور مسلمانوں کے وہ سردار اور بڑے کون تھے جن کا کہا مسلمانوں نے مانا اور جنھوں نے مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ سورۂ مومن کی آیت ۵۲ میں ارشاد فرماتا ہے یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (یعنی جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہ دے گی اور انپر لعنت (برستی) ہوگی اور ان کیلئے بہت برا گھر (جہنم) ہے سورۂ قیامت کی آیات ۳۴ و ۳۵ میں ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی یعنی افسوس ہے تم پر پھر تف ہے تم پر پھر تف ہے۔ سورۂ دہر کی آیت ۳ میں ارشاد ہے۔ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (یعنی ہم نے اسکو راستہ بھی دکھا دیا (اب وہ) خواہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔

مختصر یہ کہ رب العزت نے بار بار تنبیہ دی ہے اور آگاہ فرما دیا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں ہر شخص اپنا خود ذمہ دار اور جوابدہ ہے اور اس پر کوئی جبر بھی نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہے لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (سورہ بقرآیت ۲۵۶) یعنی دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت کھلم کھلا گمراہی سے ممیز ہوگئی ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ کھلے دل اور خوف خدا کے ساتھ اپنی عقل کو استعمال کرے اور تعصبات خاندانی و مصالح وقتی اور اغراض دُنیاے دو روزہ سے بری ہو کر طلب حق کی فکر کے ہاتھوں اپنے آپ کو بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا (سورۂ ہود آیت ۴۱) (اللہ ہی کے نام پر اس کا بہاؤ اور ٹھیراؤ ہے) کہکر سونپ دے اور حقائق سے آنکھیں بند نہ کرے اور حق اس پر واضح ہو جائے تو اسکو قبول کرلے۔ توفیق ایزدی یقیناً اسکی ناؤ کنارے لگا دیگی۔ اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ یہ معاملہ بجز اپنی سپردگی اور توفیق ایزدی کے حل ہونیوالا بھی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ (شوریٰ آیت ۱۰) یعنی تم لوگ جس چیز میں باہم اختلاف رکھتے ہو اس کا فیصلہ خدا ہی کے حوالہ ہے (پس یوں کہو کہ) وہی خدا تو میرا پروردگار ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اسی سورہ کی آیت ۱۳ میں فرماتا ہے وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ (یعنی جو اسکی طرف رجوع کرے اپنی طرف (پہنچنے کا) راستہ دکھا

دیتا ہے۔ توفیق ایزدی کے طالب ہو کر نیک نیتی سے کوشش کرنے والوں کی ڈھارس بھی
یہ کہکر بندھا دیتا ہے کہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت آیت ۶۹)
(یعنی اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقت اٹھاتے ہیں ہم ان کو اپنا راستہ ضرور دکھا دینگے۔
اس موقع پر توفیق ایزدی کے متعلق تھوڑی سی وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس
سے کیا مراد ہے کوئی شخص کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اس کے فیصلہ میں سہو و خطا کا امکان ہے
جسکو ERROR OF JUDGEMENT کہتے ہیں اسی لئے اور جہاں کوئی شخص
اپنی پوری قوت فیصلہ صرف کرنے کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہے وہاں اللہ تعالیٰ کا اپنے فضل
و کرم سے صحیح بات دل میں ڈال دینے اور سہو سے بچا کر صحیح فیصلہ کرا دینے کا ہی نام توفیق ایزدی
ہے۔ توفیق کا تعلق اس نوبت پر پیدا ہوتا ہے جہاں بندہ اپنی سعی سب کچھ کر چکتا ہے۔
اور السعی منی والاتمام من اللہ پر آنکھیں لگائے رہتا ہے۔ سورہ ہود آیت ۸۸ میں ہے اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ
وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ (یعنی میں تو جہاں تک مجھ سے بن پڑے اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا
اور میری توفیق تو بجز خدا کے کسی اور سے ہو بھی نہیں سکتی میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں)
میں جہاں تہتر فرقوں میں سے ایک حقیقی فرقہ کی تلاش و تحقیق پر زور دے رہا ہوں
وہاں میرا یہ بھی فرض ہے کہ یہ واضح کر دوں کہ بہت سارے امور میں سنی اور شیعہ ایک دوسرے
سے بہت کچھ قریب ہیں اور ایک باپ کے دو بیٹوں کی کیفیت رکھتے ہیں اور ان کا
اپنے کو ایک دوسرے سے الگ اور بے تعلق سمجھنا غلط اور خلاف واقعہ ہوگا۔ ان کے
ایسا سمجھنے سے بھی حقیقت متاثر نہیں ہو سکتی اور ان کا ایک دوسرے سے کبھی پیچھا نہ چھوٹے گا۔
کسی سنی کے پاس شیعہ بہو یا شیعہ داماد آ جائینگے تو کسی شیعہ کے گھر سنی بہو یا سنی داماد
آ دھمکیں گے۔ یہ روزمرہ کے مشاہدے ہی تو ہیں جذبہ منافرت سے کسی کا بھی کچھ کام بننے کا
نہیں۔ ان کے لئے یہ لازم ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بہتر طور پر رہنے کی سبیل نکالیں جس طرح
سے کہ باوجود اختلاف رائے کے بھی ایک خاندان کے دو بھائیوں کا فرض ہوا کرتا ہے۔
جب تک یہ دونوں رواداری کو برقرار نہ رکھیں اصلاح حال ہرگز ممکن نہیں۔ تلاش و تحقیق
اللہ کا راستہ اختیار کرنے کے لئے ہے نہ کہ ذاتی مخاصمت یا عناد کی بناء پر یا دوسرے کو نیچا
دکھانے کی بدنیتی سے اگر ایک کے خیال میں دوسرا غلطی پر بھی ہے تو گویا دوسرے کے غلط
خیال پر ترس کھانے کا جذبہ اختیار کرنا ہوگا اور جب نفسانیت کو چھوڑ کر عمل کیا جائیگا تو فضل و
کرم و رحمت خداوندی سے بیشک قوی امید ہے کہ بمصداق یحق اللہ الحق حق کو ابھار کر مقلب القلوب

ان دونوں بھائیوں کو اپنے خیالات میں زیادہ سے زیادہ بلکہ پوری طرح متحد فرمادیگا۔

یہاں میں اپنے مشاہدات کے حوالہ سے چند سطور لکھنا مناسب سمجھتا ہوں جن سے ظاہر ہوگا کہ باوجود روایاتی اور بدنام عالم اختلاف کے شیعہ سنی ایک دوسرے سے بہت دور نہیں ہیں میں سچ عرض کرتا ہوں کہ بجز چند ناصبانہ خیالات کے سنیوں کے بہت سے سنی بھائی مجھے ایسے نظر آئے کہ اہلبیت علیہم السّلام کی وقعت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جب کبھی اہلبیت علیہم السّلام کی فضیلتوں کا ذکر آیا انھوں نے اپنے سر جھکا دیئے اور جن انوار الٰہی اور فیوض و برکات روحانی کا تصور اہلبیت علیہم السلام کے تعلق سے ان کے سامنے آتا ہے ایسے والہانہ طور پر وہ کسی اور کا تصور ہرگز نہیں کرتے۔ بہت سے سنی بھائیوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ رسول کا کون امتی ہوگا جو ایام عزا کا احترام نہ کرے۔ والد صاحب قبلہ مرحوم کے ساتھ کبھی ان کے بعض سنی دوست مرزا اسد اللہ بیگ صاحب مرزا عثمان بیگ صاحب وغیرہ مجالس عزا میں شریک ہوتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم تو ان مجلسوں میں کوئی بات قابل اعتراض نہیں دیکھتے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے میرے بعض سنی دوست بروز عاشور ننگے پاؤں نکلتے تھے اور گھر میں مرثیہ خوانی بھی کرتے تھے۔ میرے چھوٹے بھائی کے ایک دوست مولوی عثمان علی صاحب ایم۔ اے ڈپٹی کلکٹر کئی سال سے متواتر محرم کی دسویں تاریخ کو سیاہ شیروانی میں ملبوس ننگے پاؤں ننگے سر نظر آتے ہیں۔ مولوی سید شاہ علی حسینی صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی ایڈوکیٹ بھی سیاہ پوش مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔ مولوی عبد الحمید صاحب حکیم معمر ۶۰ سالہ بھی ہر سال دس محرم کو سیاہ شیروانی میں ننگے پاؤں ننگے سر نکلتے ہیں اور اکثر مجالس عزا میں شریک ہوتے ہیں، یہ دو مرتبہ زیارات کربلائے معلیٰ و نجف اشرف وغیرہ سے مشرف ہو کر آئے ہیں اور پھر جانے کی تدبیر میں معروف ہیں۔ انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے بعض دوستوں نے کہا کہ مولوی صاحب یہ آپ بار بار کربلائے معلیٰ کیوں جاتے ہیں اور آپ وہ سب شیعہ طریقہ کی زیارتیں بھی پڑھتے ہوں گے جس میں آل محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کے لئے (بغیر کسی نام کے) لعنت کے الفاظ آئے ہیں؟ تو مولوی صاحب نے ان کو جواب دیا کہ "آل محمدؐ پر جو ظلم کرے ان مردودوں پر لعنت نہ کرے تو کیا کوئی درود بھیجے؟"

مقدمہ

میرے ایک دوست نواب عمر خاں صاحب جاگیردار یلم بلی کوان کی کچھ زمینات کا بڑا معاوضہ گورنمنٹ سے ماہ محرم ۱۳۹۰ھ ملا۔ موصوف نے اس کے ساتھ ہی امام حسین علیہ السلام کی نیاز شاندار پیمانہ پر دس ہزار روپے سے زیادہ صرفہ کے ساتھ کی۔ نیز موصوف نے جوایک صاف دل اور صاف گو آدمی ہیں۔ مجھ سے کہا کہ وہ ایک غلام اہل بیت ہیں اور ان لوگوں کو جو اہلبیت علیہم السلام کے مقابلے میں کسی کو کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں موصوف نسل انسانی سے خارج سمجھتے ہیں۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہاں اس امر کی طرف اشارہ بے محل نہ ہوگا کہ بُروں پر لعنت بھیجنا کوئی بُرا فعل نہیں ہے بلکہ ایسا کام ہے جو اللہ تعالیٰ نہ صرف خود کرتا ہے بلکہ اپنے بندوں سے بھی اس میں شرکت کا متوقع ہے۔ قرآن پاک میں لعنۃ اللہ علی الظالمین لعنۃ اللہ علی الکاذبین کئی جگہ آیا ہے اور مزید برآں سورہ آل عمران کی آیت ۸۷ میں برے لوگوں کے متعلق ارشاد ہے۔

اُولٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے کئے کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں۔ سورہ بقر کی آیت ۱۵۹ میں فرماتا ہے۔ اُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا لعنت کرتا ہے اور (دیگر) لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ اس طرح صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ برُے لوگوں پر نہ صرف خود لعنت فرماتا ہے بلکہ دوسروں سے بھی متوقع ہے کہ لعنت بھیجیں مولانا عبدالرحمٰن بن ابو بکر جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۲۰۷ پر ظالموں پر اس طرح لعنت بھیجتے ہیں"۔ خدا قاتل حسین ابن زیاد اور یزید پر لعنت کرے" شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جنھوں نے تحفہ اثناء عشریہ میں یہ لکھا تھا کہ کسی کا نام لے کر لعنت نہ بھیجنی چاہیئے اپنی دوسری تصنیف فتاویٰ عزیزی میں بے ساختہ مروان علیہ اللعن لکھ جاتے ہیں صاف ظاہر ہے کہ بُروں پر لعنت بھیجنا ایک فطری امر ہے۔

سالہا سال سے نواب فیروز یار جنگ کی ڈیوڑھی میں حضرت سیّد محمد بادشاہ حسینی صاحب قبلہ مرحوم پورے عشرہ محرم میں مجالس عزا بیان فرماتے تھے اور غالباً حال حال تک حضرت ممدوح قادری چمن میں محرم میں مجالس عزا بیان کرتے تھے۔ بہرحال تیس سال پہلے کا ذکر ہے کہ کچھ شیعہ حضرات ایک دن اس مجلس میں شریک ہو کر آئے یہ کافی متاثر تھے اور مولانا کے بیان کی بیحد تعریف کے علاوہ بطور خاص یہ کہہ رہے تھے کہ اس مجلس میں سب کے سب لوگ ٹوپی پہنے ہوئے یا سروں پر دستیاں ڈالے دوزانو مودب بیٹھے ہوئے جس خشوع و خضوع سے مجلس سُن رہے تھے اور گریہ کر رہے تھے وہ ایک اثر انگیز منظر تھا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اہل طریقت کے سامنے فضائل و مصائب اہل بیت علیہم السلام

بیان کئے جائیں تو وہ بیشک متاثر ہوتے ہیں۔ حضرت سیّد محمد بادشاہ حسینی صاحب قبلہ کے اس پُر
اثر بیان کے ذکر کے ساتھ ایک اور تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا یہ بھی تقریباً ۳۵ سال کا ذکر ہے۔ عشرہ محرم
کے زمانہ میں کچھ سنّی صاحبان کی طرف سے محلہ دبیر پورہ میں بیان عزا کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک دن
والد صاحب قبلہ خالو میر حسن علی صاحب اور میں اس مجلس میں پہنچے مولوی علی بخش صاحب مرحوم نے
پُر اثر سلام پڑھا۔ اس کے بعد ایک مولوی صاحب بیان کے لئے بیٹھے مگر انہوں نے بجائے اظہار غم کے
اسکو ایک خوشی کے موقعہ سے تعبیر کیا اور زمانہ سلف میں قبل شہادت امام حسین علیہم السلام دسویں
محرم کو عید ہوا کرنے کا حوالہ دیتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے اس زبردست کارنامہ کو انجام دینے کی
بناء پر آپ کی شہادت کو خوشی منانے کا موقعہ قرار دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے
اس عظیم کارنامہ پر ہر مسلمان جتنا بھی فخر کرے کم ہے مگر فطرت اور جذبات انسانی کو پس پشت نہیں
ڈالا جا سکتا جس کی مذہب اسلام نے اپنے احکام میں ہر موقعہ پر رعایت رکھی ہے۔ یہ بات نظر کے
سامنے لامحالہ آئے گی کہ یہ عظیم کام آخر کن مصیبتوں سے گزر کر انجام دیا گیا۔ امام مظلوم کی ان مصیبتوں کو
کیسے نسیاً منسیا کر دیا جا سکتا ہے۔ خود حضرت رسول حسین کی مصیبت پر (بارگاہ ایزدی سے
اطلاع شہادت کے موقعہ پر) کئی بار روئے ہیں اور میدان کربلا کی مٹی بھی آپ نے حضرت ام سلمیٰ کے
پاس محفوظ کروادی تھی اور اکثر لوگوں کے خواب میں بھی آپ اس سانحہ عظیم پر آنسو بہاتے ہوئے
اور سر و ریش مبارک خاک آلودہ دیکھنے میں آئے ہیں۔ خیر متذکرہ صدر مجلس میں مولوی صاحب
موصوف کے بعد ایک اور سنّی مولوی صاحب نے بیان آغاز فرمایا۔ یہ کسی زمانہ میں مدرسہ میں ہیڈ دینیات
کے اُستاد بھی رہ چکے تھے گو کہ مولوی صاحب نے اسکو عزا اور رنج ہی کا موقعہ قرار دیا۔ مگر بیان
ایسے سرسری انداز میں فرمایا اور امام حسین علیہ السلام کے شیر خوار صاحبزادے حضرت علی اصغر علیہ السلام
کی دردناک شہادت اور خود حضرت امام کی شہادت کو ایسے غیر اہم پیرایہ میں پیش فرمایا کہ
سامعین پر کوئی اثر ہی نہ ہو سکے۔

بیان عزا عزاداری کے خیال سے کیا جاتا ہے اور اسی جذبہ اور اسپرٹ کے تحت ہونا چاہیئے
نیم دلانہ کوشش کوئی معنی نہیں رکھتی۔ میرے سامنے حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہ کے اور بعض دیگر
سنّی صاحبین (حضرت عینی شاہ صاحب اور پروفیسر ظہیر الدین صاحب وغیرہ) کے وہ بیانات تازہ
ہیں جن میں یہ حضرات خود بھی روتے تھے اور سامعین کو بھی رُلاتے تھے۔ حضرت بادشاہ حسینی صاحب
قبلہ کے بیان کی اثر انگیزی کا ذکر بھی اوپر ہو چکا ہے۔ حضرت سید شیخن احمد شطاری صاحب کامل
مدظلہ فرماتے ہیں:۔

بتاؤ کیا ہے یہ رونا حسینؑ کے غم میں　　اگر یہ پیروی فعل آنجناب نہیں
غم حسینؑ نکل جائے دل سے ناممکن　　متاع زیست لٹا دوں نہیں تاب نہیں
یزیدیت کی سزا چاہیئے کچھ بھی لیکن　　حسینیت سے ابا کیا خود اک عذاب نہیں
نجات کے لئے منہ کیا ہے پھر اگر کامل　　جبین پہ خاک کف پائے بوتراب نہیں

ایک جگہ فرماتے ہیں :-

غم سبط نبی میں آسماں نالاں زمیں نالاں　　تعجب کیوں کسی کو ہے ہماری چشم گریاں پر
غم حسینؑ تو ہے سنت رسولؐ کریم　　دیگر) اسی خیال میں آنسو بہا رہا ہوں میں
خدا نصیب کرے ان کے عاشقوں کی تڑپ　　اسی تڑپ کیلئے تلملا رہا ہوں میں

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

آپ کی یاد کے ساتھ آئیں گے آنسو بھی ضرور　　فطرت غم کوئی دنیا میں بدلتا تو نہیں

پھر ایک لطیف پیرایہ میں اس طرح توجہ دلاتے ہیں :-

اپنی شبیر سے نسبت کہیں دھوکا تو نہیں　　وقت کی نبض کوئی دیکھنے والا تو نہیں
غور کرتا ہوں یہ تاریخ کے دہرانے پر　　کوئی گردش مجھے اک اور بھی لینا تو نہیں

اور مزید فرماتے ہیں :-

ہر قدم پہ اک تازہ پرسش عمل دیکھی　　اے شعور غم تو نے کس ڈگر پہ ڈالا ہے
کیا بتا سکوں کامل کون ہیں حسینؑ اپنے　　کیا کروں شریعت کا یہ منہ پہ تالا ہے

جناب سلطان محی الدین صاحب سیف حموی الجیلانی فرماتے ہیں :-

اشک عزا کا آج ہے دریا چڑھا ہوا　　ہے موتیوں سے دامن ایمان بھرا ہوا
دراصل ہے نشانیٔ ایمان غم حسینؑ　　منکر کو اعتراف نہیں ہے تو کیا ہوا

ایک اور ذکر بے محل نہ ہوگا جس کے راوی نواب فیروز یار جنگ کے نواسہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب آئی اے یس سابق کلکٹر ہیں کہ مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قبلہ نے ایک حج سے واپسی کے بعد فرمایا کہ میں سرکار دو عالم کے دربار سے اس مرتبہ دو چیزیں لے کر آیا ہوں ایک یہ کہ حضرت رسولؐ کے انتقال کے بعد حضرت علی علیہ السلام بادشاہ تھے اور باقی سب ان کی رعیت خواہ کوئی ہوں۔ دوسرے یہ کہ ہر ملک میں حسینؑ کا غم منانے کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے غم منانے کے کسی بھی طریقہ کو برا مت کہو یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ خود مولوی عبدالحمید صاحب کو میں نے کبھی ایک مرتبہ بھی اس طرح نہ دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام کا ذکر آیا ہو اور ان کی آنکھوں میں آنسو نہ چھلکنے لگے ہوں۔ نیز یہ بھی دیکھا کہ

حضرت علی علیہ السلام کے نام پر ہمیشہ ان کے چہرے پر مسرت کی سرخی دوڑنے لگی بقول شیعہ صاحبان کے یہ مومن اور محبِّ اہل بیت کی خاص علامت ہے جیسے کہ حضرت شہیدؔ مرحوم کا شعر ہے۔

لیا جو نام علیؑ کھل گئیں میری باچھیں ۔۔۔ اگر حسینؑ کہا تو نکل گئے آنسو

عبدالحمید صاحب کے بڑے بھائی مولوی محمود عبدالقدیر صاحب کی بھی ایسی ہی کیفیت دیکھنے میں آئی بلکہ موصوف نے اپنے بھائی سے بڑھ چڑھ کر بھی کئی باتیں کہیں۔ ایک دفعہ درگاہ گلبرگہ شریف کے سابق سجادہ صاحب نے یہ ذکر کرتے ہوئے کہ روضۂ خورد کے سلسلہ کے لوگ شیعہ ہیں یہ فرمایا کہ روضۂ بزرگ ہو یا روضہ خورد اہل بیت علیہم السلام کا در چھوڑ کر پھر ٹھکانہ کہاں بہرحال بہت سے سنی حضرات بھی اہلبیت اطہار سے محبت رکھتے ہیں خواہ اسکی شدت اور درجہ میں فرق ہو۔

حضرت عینی شاہ صاحب نظامی اور مولوی ظہیرالدین صاحب پروفیسر ورنگل کو خود شیعوں کے گھر میں مجالس عزا بیان کرتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔ شیعہ بھی ایسے محبِّ اہل بیت سنی حضرات کا کھلے دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور اپنی مجلس بے تکلف ان کے ہاتھ سونپ دیتے ہیں۔ حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہ مرحوم ہر سال محرم میں فلسفہ شہادت، اسرار شہادت، رموز شہادت، بہرحال کسی نہ کسی عنوان سے تین تین گھنٹے مسلسل بیان کرتے تھے اور ایک سال ماہ محرم کے آخر میں جب حضرت ممدوح معہ اپنے چند مریدوں کے نظام آباد میں چار پانچ روز کیلئے میرے پاس مہمان تشریف لائے تھے تو بہت سے شیعوں نے اپنے گھر میں آپ کا بیان کروایا تھا۔ نظام آباد میں ۳۰ سال قبل مولوی عبدالرشید صاحب صدیقی مہتمم تعلیمات اور خواجہ نظام الدین صاحب جو پہلے سنی تھے اور بعد میں شیعہ ہوگئے تھے اور مرزا نصیر احمد بیگ صاحب دوم تعلقدار ہر سال محرم میں اپنے گھر میں مجلس عزاء منعقد کیا کرتے تھے اور سلام بھی لکھا کرتے تھے۔ ڈاکٹر سید احمد رضوی صاحب سیول سرجن جو بظاہر کھیں کود کے شیدائی تھے کہتے تھے کہ ان کی نانی شیعہ تھیں اور ان مجالس میں ضرور شریک ہوتے تھے۔ اب بھی شیعوں کی مجلس سالمہ میں بہت سے شعراء حضرت اوج یعقوبی صاحب۔ جناب ڈاکٹر اسرار انصاری صاحب جناب واحد صاحب (تلمیذ حضرت شیخن احمد شطاری کامل مدظلہٗ) مولانا محمد حامد صاحب رکن خانقاہ سرور عالم۔ مولوی عبدالعزیز صاحب واصف فرزند مولوی رکن الدین احمد صاحب وغیرہ اچھے اچھے سلام سناتے ہیں۔ گفتگو سے تو واصف صاحب شیعہ ہی ظاہر ہوئے۔ مولوی منصور احمد صاحب برلاس برادر نواب منظور جنگ نے جس اعلیٰ معیار کے مرثیے اور سلام لکھے تھے وہ شائد ہی کسی شیعہ سے کم درجہ کا اعتقاد

ظاہر کرتے ہوں۔ موصوف کا بیان تھا کہ عالم رویا میں ان کو اس کی تلقین ہوئی تھی۔ عشرہ محرم میں اب بھی یہ ہوا کرتا ہے کہ کسی نہ کسی محلہ میں حضرات سنی کی طرف سے بھی مجلس منعقد کی جاتی ہے اور ایسے اعلان اخباروں میں دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔ بہت سے سنی حضرات عاشور خانوں کے متولی ہیں اور علم ایستاد کرتے ہیں اور تعزیہ نکالتے ہیں۔ محرم کی دسویں تاریخ کو حسینی محلہ میں ایک سنی مولوی قادر علی صاحب مغرب کے وقت تعزیہ نکالتے ہیں اور کئی سنی صاحبان ملکر بڑے زور و شور سے یہ نوحہ پڑھتے ہوئے تعزیہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

آج قتل نبی ہے واویلا   الوداع علی ہے واویلا

یہ دیکھنے میں آیا کہ بمصداق "دیوانہ را ہوئے بس است" بہت سے شیعہ صاحبان بھی ماتم کرتے ہوئے اس تعزیہ کے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ کانپور کے ایک معتبر سنی صاحب سے (شہر کا نام مجھے صحیح طور پر خیال میں نہیں ہے) جو ورنگل میں مجالس عزا میں بپابندی شریک ہوتے تھے میں نے یہ سنا کہ وہاں بعض محلے ایسے ہیں جہاں کے لوگوں کے متعلق یہ تمیز کرنا مشکل ہے کہ وہ شیعہ ہیں یا سنی۔ مجالس و رسوم عزاداری سب ملکر ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ایسے مشترک اعمال کے باوجود بھی شیعوں اور سنیوں میں جو بیگانگی کا تصور چلا آرہا ہے۔ اسکو ایک طرح کی بدقسمتی ہی کہنا چاہیئے۔

اب حال میں شیعہ و سنی علماء کے کچھ مشترک جلسے سیرت الزہرا کمیٹی وغیرہ کی طرف سے منعقد کئے جانے لگے ہیں۔ جس میں پیر چشتی مولانا ولی اللہ حسینی صاحب قبلہ اور مولانا سید قطب الدین حسینی صاحب صابری قبلہ اور مولوی حبیب عبداللہ صاحب نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے اور مسلمانوں کے اتحاد کے لئے ایک فال نیک ہے۔ چند سال قبل اسی قسم کے ایک جلسہ میں میں نے مولانا سید مشخین احمد صاحب کامل شطاری مدظلہ کو من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے عنوان سے کرتے ہوئے ایک اعلیٰ درجہ کی تقریر کرتے سنا۔ مختصر یہ کہ آپس کی خلیج کو پاٹنا چاہئے نہ یہ کہ ایک دوسرے سے بلاوجہ کھٹک کر دوری اختیار کرنا۔ اب رہے بعض متعصب افراد تو ہر جگہ اور ہر فرقہ میں موجود رہتے ہیں۔ ان کا ذکر بیکار ہے۔ بعض حضرات سنی ایسے بھی نظر آئے کہ جنھوں نے مائل بہ تشیع ہونے کے باوجود بھی رسم زمانہ سے پڑی ہوئی عادت اور پرانے طریقہ عمل کو سالہا سال تک یا تمام عمر بھی چلتے رہنے دیا۔

مولوی سید امداد امام جیسا قابل شخص جنھوں نے مصباح الظلم لکھی ہے اپنی دوسری کتاب مناظر المصائب میں لکھتے ہیں کہ بعد تحقیق مذہب شیعہ اختیار کرنے کے بعد بھی کافی عرصہ تک وہ سنی

طریقہ کی نماز پڑھتے رہے اور خواب میں جب ائمہ طاہرین علیہم السلام نے طریقہ نماز کی ہدایت فرمائی تب انھوں نے طریقہ نماز بدلا۔

قوالیوں کی محفل میں میں نے دیکھا کہ اکثر اہل طریقت وجد کی حالت میں جب وہ مختلف چیزیں سننے کے بعد تھک کر بالکل خستہ ہو چکے اور بہ مشکل ہلنے جلنے کے بھی قابل تھے تو پھر بھی جہاں حضرت علی علیہ السلام کی شان میں کوئی چیز شروع ہوئی تو بھی خستہ و خراب بوڑھے بوڑھے بھی حالت وجد و مستی میں بلا مبالغہ بلیوں اُچھلنے لگے۔ انہیں سے بعض غالباً میرے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھکر آکر مجھ سے گلے ملنے لگے۔ ان میں سے بعض الحق معہ العلی والعلی معہ الحق کہتے جاتے تو بعض مرشدین کو یہاں تک بھی میں نے دیکھا کہ حیدریم قلندرم مستم کی منقبت ابھی زبان سے شروع کرنے سے پہلے محض ساز پر ہی بجائی گئی تو چونکہ یہ اس چیز کی معروف طرز ہے محض تصور پر ہی وجد میں آگئے۔ بعض کو "کہ سگ کوئے شیر یزدانم" پر گھنٹوں وجد آتا رہا۔ بعض یہ کہکر فخر کرتے ہوئے نظر آئے سے

چوں علی شیخ من زبر دست است　　　من غلام علی زبردستم

تقریباً تیس سال پہلے کا ذکر ہے کہ حیدر آباد کے محلہ دارالشفا میں شیعوں کے ایک ماتمی جلوس پر بعض غیر مسلم حضرات نے پتھر پھینکے اور تصادم کی شکل پیدا ہوگئی دگوکہ حیدرآباد میں یہ واقعہ بالکل شاذ نوعیت کا تھا) بہرکیف جب سنیوں کو اس کی خبر ہوئی تو اس محلہ کے چند جوشیلے سنی شیعوں کی حمایت میں ننگی تلواریں لئے پھینک کرتے ہوئے اور یہ پڑھتے ہوئے موقعہ پر پہنچ گئے کہ " راستے دو ہیں مگر دونوں کا رہبر ایک ہے"۔ پولیس کی مداخلت سے جسمیں میرے خالہ زاد بھائی سید منظر حسن سلمہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی موقعہ پر موجود تھے یہ قصہ رفع دفع ہوا۔ بہرحال سنیوں اور شیعوں میں اخوت اسلامی کا یہ احساس موجود ہے کہ غیروں کے مقابلہ میں وہ اپنے کو ایک ہی تصور کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض ناسمجھ یا نام نہاد سنی صاحبین بھی ماتمی جلوس یا علم حسین کے متعلق اس قسم کی کوئی حرکت کبھی کر جائیں مگر بقول حضرت کامل شطاری مدظلہ وہ کوئی ناصبی ہوں گے۔

اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ میں نے اپنے حالیہ سفر زیارات (۱۹۶۳ء) میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بعض روضوں کے خدام بالکلیہ سنی حضرات دیکھے۔ مثلاً سامرہ میں جہاں حضرت امام علی النقی علیہ السلام اور حضرت امام حسن العسکری علیہ السلام کے مزارات اور بارھویں امام حضرت صاحب العصر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام غیبت ہے یہاں کے چوبیس پچیس میں سے

صرف دو خادم شیعہ اور باقی سب سنی ہیں۔ ان دو میں سے بھی کہا جاتا ہے۔ ایک صاحب (عبدالکریم صاحب) سُنی ہی ہیں۔ مگر یا ترقی الوا قعی شیعہ ہو گئے ہیں یا اپنے کو شیعہ کہتے ہیں۔ کاظمین کے شیعہ خادم جناب شیخ کاظم صاحب نے مجھے انہی کے پاس ٹھہروایا تھا۔ بہر حال سامرہ کے یہ تمام سنی خدام بھی اہلبیت علیہم السلام کے اسی طرح عقیدت مند نظر آئے اور یہ سب خدام زائرین کو شیعوں کی کتابوں میں کی دعائیں اور زیارتیں پڑھاتے ہیں جن میں کوئی بات قابل اعتراض ہوتی بھی نہیں ہے۔ کربلائے معلیٰ و نجف اشرف اور کاظمین شریفین و مشہد مقدس کے شیعہ خدام میں اور ان میں بظاہر کوئی فرق نہ معلوم ہوا۔ اسی طرح ملک شام میں چونکہ سنی آبادی زیادہ ہے وہاں حضرت زینت علیہا السلام کے روضہ میں کچھ خادم شیعہ تو کچھ خادم سنی نظر آئے اور بکثرت عقیدت مند سنی حضرات اس روضہ مبارکہ میں نماز اور دعائیں پڑھتے نظر آئے۔ شہزادی سکینہ علیہا السلام کے روضے کے تو خادم بالکلیہ سنی ہیں۔ مگر پہچاننا مشکل ہے کہ شیعہ ہیں یا سنی۔ دمشق میں میں ایک معزز ایرانی آقا محمود شیرازی کے پاس ٹھیرا تھا۔ انھوں نے ان تمام روضوں پر جانے کے لئے جو رہنما میرے ساتھ دیا تھا وہ ایک سنی صاحب تھے جنھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ یہاں ہم سنی شیعہ سب ایک ہیں اور اہل بیت اطہار سے ہم بھی گہری عقیدت رکھتے ہیں۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ سفر عراق و شام و ایران کے دوران شیعہ مجتہدین سے تبادلہ خیال کے دوران میں یہ معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض کے نزدیک سنی مرد کو شیعہ لڑکی دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ ناصبیانہ خیالات کا نہ ہو اور لڑکی کو مذہب شیعہ پر چلنے دے بعض مجتہدین کا فتویٰ اس کے خلاف ہے جو مجتہدین جواز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ اس خیال پر مبنی ہے کہ حضرات اہل سنت اگرچہ آل رسولؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے پورے طور پر درجہ شناس نہیں ہیں مگر پھر بھی ان سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کے نام لیوا ضرور ہیں اور ایسے معتدل خیال کے سنی سے رشتہ جائز ہو سکتا ہے۔ ناصبیانہ خیال والے سنیوں سے شیعہ کا رشتہ ناجائز ہے۔ ہندوستان میں گو کہ شیعہ مرد کے لئے سنی لڑکی ناجائز نہیں سمجھی جاتی مگر کوئی شیعہ بطیب خاطر اپنی لڑکی سنی کو نہیں دیتا۔

خود شیعوں میں بھی بعض ذیلی فرقے ہیں اگرچہ کہ غالب فرقہ شیعہ صرف اثنا عشری ہی ہے۔ جیسا کہ جسٹس امیر علی اسپرٹ آف اسلام کے صفحہ ۳۴۵ پر لکھتے ہیں:-

The political factions which have hitherto kept Shiahs divided among themselves are disappearing and most of the sects are fast merging into the Isna Ashariahs.

تقریباً تمام خوجہ صاحبان بھی اثنا عشری ہو چکے ہیں اور خوجہ اثنا عشری کہلاتے ہیں۔ اثناء عشری شیعوں میں بھی روایات کو بلا تنقید قبول کر لینے یا ان پر درایتاً غور کرنے کے جواز کے متعلق خفیف سے اختلاف کی بناء پر اصولی اور اخباری دو قسم کے شیعہ قرار دیئے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ اختلاف اتنا باریک ہے کہ بہت سے شیعوں کو اسکی خبر بھی نہیں ہے۔ پھر بلحاظ عقیدت و عمل بھی تمام شیعہ ایک درجہ کے نہیں ہوتے۔ کوئی نصیریت کی حد کو چھوئے ہوئے ہوتے ہیں اور کوئی معتدل یا نصیریت سے Neutral رہتے ہیں تو بعض نصیری یا نہ قسم کے خیالات کے لوگوں کی موقعہ بے موقعہ تردید کو بھی معمول بنالیتے ہیں۔ بہر حال ہر قسم کا انداز فکر موجود ہے ایک دفعہ سُنّی خاندان کے ایک عالم و فاضل صاحب نے اپنی شیعیت کا اظہار کیا۔ اس وقت میرے ایک شیعہ عزیز (جو یورپ کے تعلیم یافتہ قابل اور نہایت ثقہ آدمی ہیں) موجود تھے جنھوں نے مجھ سے ان سُنّی خاندان والے شیعہ صاحب کا ذکر کبھی پہلے کیا تھا۔ چنانچہ جب انھوں نے برسبیل تذکرہ اپنی شیعیت کا اظہار کیا تو میں نے مذاقاً کہا کہ بھائی میں آپ کو شیعہ تسلیم کر چکا ہوں کیوں کہ ایک نصیری صاحب نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ اس پر میرے ان شیعہ عزیز کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں اور دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔ یقیناً یہ ذات علیؑ سے والہانہ محبت کے سبب سے تھا۔ اب وہ چاہے نصیری ہوں یا نہ ہوں مگر خوش ضرور ہوگئے۔ اس کے برخلاف بعض بلکہ تقریباً تمام شیعہ عالم ایسے ملے کہ جب نصیریت کا ذکر آیا تو انھوں نے ناک بھوں چڑھا کر نہایت کڑی نظروں سے دیکھا اور ایک صاحب سے کہا کہ یہ آپ نے نصیریوں کی وکالت کب سے اختیار کی ہے۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ ایمان کے بھی مختلف درجے ہوتے ہیں۔ شیعوں میں بھی انفرادی طور پر ایمان و اعتقاد کے مختلف درجے رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اب ذرا اور آگے بڑھا کر نظر ڈالئے تو بجز ناصبیانہ خیالات کے چند لوگوں کے شیعہ اور اہل سنت دونوں میں توحید رسالت اور قیامت پر اعتقاد رکھنے کے مشترک اصولوں کے علاوہ وہ ائمہ اہل بیت کو برگزیدہ ماننے حتیٰ کہ تولا اور تبرا کا اصل اصول بھی موجود ہے۔ خواہ مذہب اہل سنت میں تولا اور تبرا کے عنوانات علیحدہ قائم کر کے ان کو نمایاں نہ کیا گیا۔ ہو مگر ہر سنّی تولا اور تبرا کے اصول کا قائل ہے۔ اس کی تھوڑی سی وضاحت سے مطلب صاف ہو جائیگا۔ تولا یعنی رسولؐ و آلِ رسولؐ سے محبت (جو بحکم قرآن فرض ہے اور اجر رسالت یعنی ایمان کی قیمت ہے) اور تبرا کے معنی رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے دشمنوں سے اپنے کو بری یعنی علیحدہ رکھنے کے ہیں۔ بُرا بھلا کہنا یا گالی دینا ہرگز اس کے منشاء میں داخل نہیں ہے تولا اور تبرا ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ رسولؐ و آلِ رسولؐ سے دوستی رکھی جائے تو

ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنی ہی ہوگی۔ ہر مسلمان خواہ شیعہ ہو یا سنی یہی کہتا ہے کہ رسولؐ و آلِ رسولؐ کے دشمنوں سے ہمکو کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ فی الحقیقت بھی کون مسلمان ہے جو رسولؐ و آلِ رسول کے دشمنوں سے اپنا ربط رکھنا چاہیے گویا اصولی حد تک اس معاملہ میں بھی شیعہ و سنی میں اختلاف نہیں ہے۔ ایک تو اصولی اختلاف اس امر پر ہے کہ ائمہ اہل بیت اطہار کی امامت منصوص من اللہ ہے یا نہیں دوسرا فروعی اختلاف جس نے زیادہ شدت اختیار کرلی ہے۔ اس نکتہ پر نمودار ہوا ہے کہ رسولؐ و آلِ رسولؐ کے دشمن کی تعریف میں فی الواقعی کون سے اشخاص آتے ہیں اور کون نہیں۔ جس

کسی کو بھی اپنی اپنی تحقیق و معلومات کے اعتبار سے تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ پتہ چل جائے کہ فلاں شخص رسولؐ یا آلِ رسول کا دشمن تھا تو لازماً اس سے بیزارگی اختیار کرنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت رسولؐ کے کھلے ہوئے دشمن ابولہب کے متعلق سورہ تبت یدا میں سخت اظہارِ غیض فرمایا ہے۔ حالانکہ ہونے کو حضرت رسولؐ سے ابولہب کا حقیقی چچا کا رشتہ تھا پھر ظاہراً موافق اور بہ باطن مخالف منافقین کے وجود سے متنبہ کرنے اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل سورہ منافقون نازل فرمایا ہے۔ تولا اور تبرا کی تعلیم تو سورہ فاتحہ بھی دیتا ہے۔ یعنی نماز کی ہر رکعت میں خدا سے دعا ہی یہ مانگی جاتی ہے کہ ہمکو ایسے لوگوں کے راستے کی ہدایت کر جن پر تیری نعمتیں نازل ہوئیں اور کہیں ایسے لوگوں کے راستہ پر ہمکو نہ چلادے جو تیرے غضب میں آگئے اور گمراہ ہوگئے۔ خود اسلامی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بھی اسی انداز کا ہے یعنی اللہ کو اللہ مان لینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ ماننا بھی لازمی ہے کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی دیگر نام نہاد خداؤں کی نفی اور معبود حقیقی کا اقرار۔ اسی طرح تبرا و تولا بھی ہے کہ رسولؐ و آلِ رسول کے دشمنوں سے اپنے تعلق کی نفی اور رسولؐ و آلِ رسولؐ سے محبت قولاً و عملاً۔

یہ امر کہ واقعاتی اعتبار سے رسولؐ و آلِ رسولؐ کا کون مخالف تھا اور کون دوست تھا آیاتِ قرآنی اور ارشاداتِ رسولؐ کی روشنی میں جانچنے کا ایک تاریخی مسئلہ ہے مگر اصلِ اصول میں رسولؐ و آلِ رسولؐ سے محبت اور ان کے دشمنوں سے اپنی بے تعلقی میں ہر شیعہ و سنی مسلمان متحد ہے۔ بارہ اماموں سے بھی خواہ پوری درجہ شناسی کے ساتھ نہ سہی مگر ہر مسلمان عقیدت ضرور رکھتا ہے اور بارہ امام بارہ امام کا نام ہر جگہ احترام سے سننے میں آتا ہے اہلِ طریقت غالباً شیعوں سے زیادہ مماثل نظر آئیں۔ جیسا کہ اس کتاب میں کسی اور جگہ ذکر آیا ہے کہ بعض قدیم

سنّی علما نے اہل طریقت پر یہ ریمارک کیا کہ اُنھوں نے شدت اختیار کی ہے اور شیعوں کا طریقہ کار اختیار کر لیا ہے۔ اس طرح وسیع النظری سے غور کیا جائے تو توحید رسالت وقیامت پر اعتقاد رسولؐ و آلِ رسولؐ سے محبت اور ان کے دشمنوں سے (جو کوئی بھی فی الواقعی دشمن ہوں) بے تعلقی میں بجز ناصبیانہ خیالات کے چند لوگوں کے تقریبًا تمام اہل سنت بالعموم اور بالخصوص تفضیلیہ اصحاب جو حضرت علیؑ کو سب صحابہ سے افضل جانتے ہیں شیعوں سے کوئی واقعی اختلاف نہیں رکھتے۔ عدل خداوندی کے نظریہ میں بھی کچھ اصطلاحی اختلاف ہے جو ہمارے موضوع پر زیادہ اثر انداز نہیں اور یوں تو جیسا کہ جسٹس امیر علی لکھتے ہیں باوجود اختلافات کے اسلام کے تمام ۷۳ فرقوں میں بھی بہت کچھ مشترک اسپرٹ موجود ہے۔

اس نقطۂ خیال کے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس کا یہ مطلب کسی طرح ہرگز نہیں ہے کہ وہ مستقل تلاش ہی ترک کر دی جائے کہ ۷۳ کے منجملہ ۷۲ دوزخی کے مقابلہ میں ایک جنتی فرقہ کونسا ہے ورنہ اس کا مطلب یہ ہو جائیگا کہ حضرت رسولؐ کی اس کڑی تنبیہ ہی کو نظر انداز کر دیا جائے جو ہمارے ایمان کی سلامتی کے لئے آنحضرت دے گئے ہیں۔ دوزخ سے بچنے یا اپنے جنتی ہونے کا تیقن حاصل کرنے کی واحد صورت یہی ہے کہ چھان بین اور تحقیق کے ذریعہ اس جنتی فرقہ کا تعین و تشخص کر لیا جائے اور جہاں ۷۲ جھوٹے اور ایک سچے کا مقابلہ ہے یعنی جھوٹوں کا تناسب بہ مقابلہ سچے کے تقریبًا ۹۹ فیصدی کا ہے تو خوش فہمی اور سہل انکاری کا جواز کسی فرقہ کے لئے بھی نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اس ایمانی معاملہ میں فوری پہل انتہائی ضروری ہے مطلب اسی قدر ہے کہ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کریں اور دور ہی دور سے مغائرت کا پہلو اختیار نہ کرلیں۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ”دو اسلام“ پر تقریظ لکھتے ہوئے ص ۲۰ پر مولانا عرشی لکھتے ہیں۔ ”ہر فرقہ کا اسلام و قرآن الگ ہے۔۔۔ اتنے بے شمار اسلام کہاں سے آئے۔ یقینًا حضرت رسولؐ نے ان سب کی طرف دعوت نہیں دی۔ ان کے پاس بالاتفاق ایک ہی اسلام تھا یہ سوال بیحد اہم ہے اور اس پر ہماری موت و حیات کا انحصار ہے۔ اگر ہم اس کا جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہماری قومی کشتی یقینًا ساحل نجات سے ہمکنار ہو سکتی ہے“۔ یہ امر بھی نہایت درجہ توجہ کے لائق ہے کہ جیسا اوپر مذکور ہوا تہتر فرقوں میں بادی النظر میں بہت سارے بلکہ تقریبًا تمام اُمور ملتے جلتے ہیں تو آخر وہ کونسا باریک نکتہ ہے جس میں اختلاف پایا جاتا ہے اور پھر وہ اختلاف بھی اتنا اہم ہے اور اس میں ایسا بعد المشرقین ہے کہ اس کا ایک سرا جنت میں ہے تو دوسرا جہنم میں ہے۔ جیسا کہ حکیم سنائی کہتے ہیں ؎

کفر در دیں معر دو درحت بریاں وحدہٗ لاشریک لہٗ گویاں

بہر حال کھوٹے اور کھرے کو بڑی باریک نظر سے پرکھنے ہی سے اس مسئلہ کا حل برآمد ہو سکتا ہے شیعہ بھائیوں سے مخاطب ہو کر میں یہ کہوں گا کہ سنی بھائیوں کے دل حضرت علی علیہ السلام کی محبت سے بیگانہ نہیں ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ کافی آشنا ہیں۔ وہ یوں بھی غور کریں کہ بہت سے سنی بھائی شیعہ بھی ہوتے رہے ہیں جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثناعشریہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "اب کوئی گھر سنیوں کا ایسا نہیں ہے کہ جسکی ایک ایک دو دو فردیں شیعہ نہ ہو گئی ہوں"۔

حضرت علی علیہ السلام کا تو مخالفین اسلام کے ساتھ تک یہ عمل تھا کہ جہاد میں بھی جب کوئی شخص آپ پر حملہ کرنے آتا تو آپ اسکی سترہ ۱۷ پشت پر بعلم روحانی نظر ڈالتے تھے اور اگر اس کی نسل سے کوئی مومن پیدا ہونے والا ہو تو ذوالفقار حیدری اس سے اپنا پہلو بچاتی جاتی تھی۔ آپ مفتی جہاد دفتر تھے اور یہود و نصاریٰ وغیرہ کے بھی مقدمات کا تصفیہ ان کی کتابوں سے فرماتے تھے اور آپ کسی سے بھی نفرت نہ فرماتے۔ آپ نے تو اپنے قاتل کی بھی مشکیں کھلوادیں اور اسکو لرزہ براندام دیکھ کر شربت پلوایا۔ امام حسین علیہ السلام نے زیر خنجر بھی اپنے قاتل کے لئے بد دعا نہ کی اور اس سینۂ بے کینہ گنجینۂ امامت کی وسعت کا یہ حال تھا کہ قاتل کو بھی اس کی غلط سوجھ بوجھ پر رحم کھا کر محبت کی نظر سے دیکھا۔ طوالت کی معافی چاہتے ہوئے اس موقعہ پر ایک نوجوان شاعر علی رضا سلمہ فرزند جناب پروفیسر سیّد نواب علی صاحب ساکن کراچی کے مرثیہ کا ایک بند حضرت امام کی اس کیفیت کے نقشہ کے متعلق درج کرتا ہوں۔

بد دعا سننے کی دہشت میں جو رد کا خنجر
بند ہوتی ہوئی آنکھوں میں محبت کی نظر
دل بے کینہ اسی لو میں کھنچا آتا تھا
کچھ عجب قاتل بدبخت نے دیکھا منظر
خون دیتے ہوئے ہونٹوں پہ دعاؤں کے گہر
پھول مرجھا کے بھی خوشبو ہی دئے جاتا تھا

قاتلانِ امام حسین علیہ السلام میں سے حصین ابن نمیر پر جب پناہ کے سب دروازے بند ہو گئے تو کسی نے اس سے کہا کہ اگر تجھے پناہ مل سکتی ہے تو حضرت امام ہی کے فرزند امام وقت زین العابدین علیہ السلام کے در پر۔ چنانچہ حصین ابن نمیر نے در دولت حضرت امام پر حاضر ہو کر کہلا بھیجا کہ آپ کے والد کے قاتلوں میں سے ایک زرد سیاہ بحالت پریشانی حاضر ہے اور امداد کا طالب ہے۔ حضرت امام نے گو کہ اسکی صورت نہ دیکھی مگر اسکی مدد کرنے اور زاد راہ کے لئے رقم بھی عنایت فرمانے سے احتراز نہ فرمایا۔ یہ وہ امام تھا کہ واقعہ کربلا کے بعد تادم زیست

د چالیس سال تک) جب کبھی پانی سامنے آیا ہمیشہ گریہ فرمایا اور آنسوؤں کے مل جانے سے پیالہ ہٹا دینے کی نوبت آتی رہی۔ جن قاتلان نے ایسا رنج دیا ان کے ساتھ وہ سلوک رسولؐ و آل رسولؐ کے کھلے ہوئے دشمن مروان نے بھی ایک مرتبہ جب بحالت پریشانی و گریزانی اپنے اہل و عیال کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی پناہ میں دینا چاہا تو آپ نے پناہ دیدی۔ علیؑ اور حسینؑ اور بیمار کربلا کو ماننے والے اور ان کے اسوۂ حسنہ کے معراج کمال کے آگے حقیقتاً دل وجان سے سر جھکانے والے کیوں نہ دل بڑا رکھیں اور کیوں نہ رواداری کا ثبوت دیں جہاں کہ معاملہ دشمنوں سے نہیں بلکہ اسی رسولؐ کی امت اور اہلبیت رسولؐ کے ماننے والے برادران اسلام اور اپنے ہی بھائی بندوں سے ہے۔

آپ عمل کیوں نہ ایسا رکھیں کہ دوسرے آپ کے عمل کے گرویدہ ہو جائیں اپنے آقائے مظلوم کا تصوّر سامنے رکھ کر کیوں نہ دل پر تھوڑی سی سختی اٹھالیں۔ ہم نے مانا کہ تنقیص شان علیؑ آپ کو مطلقاً گوارا نہیں مگر اولاً تو بہت سے سنی برادران افضلیت حضرت علی علیہ السلام کے قائل ہیں اور پھر آپ کی بزرگی سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ فضیلت اہلبیت اطہار کا کون مسلمان منکر ہے ثانیاً آپ بجائے تنقیص کے پہلو کی طرف دھیان دینے کے اپنی توجہ اس امر پر رکھئے کہ وہ بھی علیؑ کا نام لیتے تو ہیں۔

معاشرتی تعلقات میں بھی حضرت رسولؐ اور آل رسولؐ کا عمل ہمیشہ روادارانہ رہا جو ان کے سب امتیوں کے لئے لائق تتبع ہے۔ اسکی ایک دو مثالوں کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ابوسفیان کی عمر حضرت رسولؐ سے جنگ کرتے گزری اور فتح مکہ کے بعد انھوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا اور مولفۃ القلوب میں شمار ہوئے اور یہ زبان زد عام رہا کہ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا ہے بلکہ اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کیفیات کے باوجود آپس کے اختلافات کو مٹانے اور جذبہ خیر سگالی پیدا کرنے کی غرض سے حضرت رسولؐ نے جہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے انتقال کے بعد اور بھی نکاح فرمائے ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ سے بھی عقد فرمایا۔ حضرت ام حبیبہ بھی وفاداری رسولؐ کے جذبہ پر عامل رہیں اور جہاں ایک دفعہ ابوسفیان حضرت رسولؐ کے بچھے ہوئے بستر کے ایک حصہ پر بیٹھنا چاہتے تھے تو بیٹی نے بخیال طہارت رسولؐ اپنے باپ کو بھی منع کر کے بستر الٹ دیا۔

اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام نے شہنشاہ ایران کی صاحبزادی حضرت شہر بانو کے انتقال کے بعد معاویہ کی حقیقی بھانجی میمونہ بنت ابی سفیان کی بیٹی حضرت ام لیلیٰ سے عقد فرمایا۔

اور یہ وہ خاتون ہیں جنہوں نے حضرت علی اکبر علیہ السلام جیسے فرزند کو جنم دیا اور جو اپنے پھوپی زاد بھائی یزید سے کوئی رعایت چاہنے کی بجائے حضرت زینبؑ و ام کلثوم کے ساتھ بے مقنع و چادر رسن بستہ دربار یزید میں گئیں اور قید و بند کے سب مصائب برداشت کئے اور حضرت امام اور اپنے فرزند کی تشنگی کی یاد میں تادم مرگ سایہ میں نہ بیٹھیں۔

اب میں سنی بھائیوں سے عرض کرتا ہوں کہ آپ حضرات کے دل میں بھی اہل بیت علیہم السلام کی محبت ہے۔ رسولؐ کو آپ چاہتے ہیں تو کیا اہل بیت رسول کو نہیں چاہتے ان کی محبت تو سچے ایمان کی قیمت ہے آپ کے شیعہ بھائی اہل بیت علیہم السلام کے دیوانے ہیں بقول حضرت جوش ملیح آبادی۔

میر بزم آب و گل ہیں عاشقان بو تراب خسروان عقل و دانش ہیں مجانین حسینؑ

حضرت سید شیخن احمد کامل شطاری مدظلہ فرماتے ہیں ۔

غم حسینؑ تو ہے سنت رسول کریم اسی خیال میں آنسو بہا رہا ہوں میں
خدا نصیب کرے انکے عاشقوں کی تڑپ اسی تڑپ کے لئے تلملا رہا ہوں میں

آپ کے خیال میں یہ عشق کے دیوانے کچھ زیادتی بھی کر لیتے ہیں تو آخر جو کچھ کرتے ہیں اہلبیت علیہم السلام کی محبت ہی میں کرتے ہیں جن سے آپ کو بھی محبت ہے ان کی ان باتوں پر آپ خیال نہ فرمایئے ان سے نفرت نہ رکھئے۔ یہ بارہ اماموں کے ماننے والے ہیں اور یہ سب کے سب امام اہلبیت رسولؐ میں سے ہیں جن کی بزرگی اور عظمت کے آپ بھی قائل ہیں۔ شیعوں سے آپ مل جل کر رہیئے۔ اور ان کی مجالس عزا میں شریک ہویئے۔ رسولؐ اور آل رسولؐ کے فضائل آپ ان مجلسوں میں بھی خوب سنیں گے۔

اس موقعہ پر یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ شیعہ اہل بیت رسولؐ کو حضرت رسولؐ سے بھی بڑھا دیتے ہیں۔ میں نے شیعہ و سنی دونوں کو قریب سے دیکھا ہے۔ واللہ کہ یہ بہتان ہے۔ جڑ کاٹ کر کوئی درخت سے کیا پھل پا سکتا ہے۔ شیعہ بھی شمع رسالت کے پروانے ہیں۔ رسولؐ اللہ اور ان کے اہل بیت کی محبت کو لازم و واجب جانتے ہیں۔ ائمہ اہل بیت اطہار کو جو حضرت رسول خداؐ کے جگر گوشے ان کے مکمل نمونے اور ان کے صفات کے مصداق کامل ہیں ان کے برحق جانشین اور منصوص من اللہ امام مانتے ہیں۔ مگر کوئی بھی شیعہ حضرت علی علیہ السلام کو حضرت رسول خداؐ پر فوقیت نہیں دیتا۔ ایک کو آفتاب تو دوسرے کو ماہتاب جانتا ہے۔ اگر کسی بدبخت کے دل میں رسولؐ کی محبت کم ہو جائے تو اسکو آل رسولؐ کی محبت سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ شیعہ مجالس عزا پر زیادہ زور دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو سانحۂ کربلا ہے ہی اس

نوعیت کا کہ اس کے ذکر میں ہر قسم کے مکارم حسنہ فیوض و برکات اور تقویت ایمان کے سامان موجود ہیں اور یہ وہ دل پگھلا دینے والی داستان ہے کہ میں نے بہت سے حنفی اور مہدوی بھائیوں کو مجالس عزا میں کھلے دل سے مثل شیعوں کے روتے ہوئے دیکھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ باعتبار عمل کے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ائمہ طاہرین سے بظاہر کماحقہ متمسک نظر نہیں آتا اور تاریخ بتاتی ہے کہ ائمہ طاہرین اور آل رسولؐ ہمیشہ زمانہ کے ستائے اور قید و بند میں مبتلا رہے اور باسباب ظاہر طبعی موت بھی کسی ایک امام کی نہ ہوئی بلکہ ہر ہر امام (جو گزر چکا) وہ شہید ہی ہوا خواہ خنجر سے یا تلوار سے یا زہر سے۔ ان مصائب کی شدت کے ایک فطری ردعمل کے طور پر خصوصاً جب دیگر لوگ ان ذوات قدسیہ سے تمام تر کنارہ کش نظر آنے لگے حتیٰ کہ بارہ اماموں کے نام بھی (بجز شیعوں کے) اکثر مسلمانوں کو معلوم نہیں تو اس لئے شیعہ ان اماموں کی مصیبتوں اور شہادتوں پر بالالتزام مجالس کرتے اور رسوم عزا زیادہ نمایاں طور پر انجام دیتے گئے۔

یہ بھی قابل تذکرہ ہے کہ بعض متعصب لوگوں نے شیعوں سے نفرت اور دوری پیدا کرنے کے لئے بعض غلط باتیں ان کے متعلق مشہور کر رکھی ہے۔ چونکہ دونوں فرقوں میں میرے عزیز موجود ہیں اور میں نے سب کو قریب سے دیکھا ہے میری کیفیت دونوں کے لئے گھر کے بھیدی کی ہے۔ میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ اس قسم کی بے سروپا باتیں محض بہتان و افترا ہیں۔ شیعوں سے کھٹکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جو سنی حضرات بوجہ رشتہ داری یا دوستی شیعوں سے قریبی تعلق رکھتے ہیں اور ان کے حالات سے واقف ہیں وہ میری اس بات کی ضرور تصدیق کریں گے۔ شیعہ ڈھونگ یا محض رسم ظاہری کے طور پر کوئی عمل نہیں کرتے بلکہ اس کے پیچھے ان کا خلوص ساتھ ہی ساتھ لگا ہوا ہے۔ ان کا جو کچھ عمل ہے سب ظاہر ہے۔ مخفی کوئی چیز نہیں ہے۔

فطرت انسانی کا خاصہ ہے کہ جب تک کسی امر کی صحیح معلومات نہ ہو یا کسی فضاء سے مانوس ہونے کا موقعہ نہ ملے تو بعض چیزیں انوکھی یا بے محل معلوم ہوتی ہیں مگر اس فضاء میں کوئی ذرا بھی شریک ہو تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہر چیز محض ڈھکوسلا ہی نہیں بلکہ اس کے پیچھے حقیقت بھی ہے ممکن ہے مجالس عزا میں شیعوں کا ماتم غیر شیعہ حضرات کو انوکھی چیز معلوم ہو مگر حسینؑ سے محبت رکھنے والا ماتم کی مجلس میں جائے اور اس فضا سے نامانوس نہ رہے اور حسینؑ کی مصیبت کے نوحے سنے تو اگر محبت سچی ہے تو اس کا ہاتھ ہائے افسوس کہکر خود سینہ پر آجائیگا۔ جیسا کہ فطرت انسانی کے اعتبار سے مصیبت کے وقت سینہ پر ہاتھ مار لینا ایک بے ساختہ عمل ہے یا خود بخود اس مصیبت عظمیٰ پر ہائے ہائے کرنے کو جی چاہے گا۔

حال میں زنانی مجلسوں میں نئے زمانہ کی بعض تعلیم یافتہ سنی لڑکیاں شیعہ عورتوں کے ساتھ

ماتم میں شریک ہونے لگی ہیں۔ غالباً علم کے جلانے ان کے دل سے تعصب کے زنگ کو دھو دیا ہے اور وہ اس بے پناہ غم کے موقعہ پر جو رسول ؐ کے ہر امتی کو یقیناً متاثر کرتا ہے روایتی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو کر بلا کسی تصنع اور رکاوٹ کے ضمیر کی آواز پر لبیک کہکر بے تکلف شریک ہو جاتی ہیں اور غم حسینؑ میں آنسو بہانے اور آواز سے رونے اور ماتم کرنے میں شیعہ عورتوں کے دوش بدوش رہتی ہیں۔

بعد واقعہ شہادت بہت سے لوگوں نے خود حضرت رسول خدا کو روتے ہوئے سر و پا برہنہ سر و ریش مبارک خاک آلودہ حالت میں دیکھا ہے یہ اپنی اپنی محبت پر موقوف ہے۔ محبت مجازی میں بھی آدمی ایسی حرکات خلوص سے کرتا ہے جو دوسروں کو دیوانگی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر دیوانگی کے جانچنے کا معیار محض عمل ظاہری نہیں ہوتا بلکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ یہ عمل کس وقت کس نیت سے اور کس Context میں ہے۔

اسی طرح شیعہ بھائیوں کو ممکن ہے کہ سنی بھائیوں کی قوالیوں کی محفل میں بیخودی کی کیفیات اور وجد کی حالت کا عمل ایک اجنبا معلوم ہو مگر کوئی شیعہ بھی محفل قوالی میں حضرت علی علیہ السلام کی منقبت کی دھوم دھام دیکھکر اور اس ذات قدسی صفات کی مدح کے روح افزا ترانے سن کر دل میں بلکہ بظاہر بھی وجد نہ کرنے لگے تب ہم جانیں۔ یا تو کوئی زبانی تعریف کریگا۔ کوئی زور شور سے واہ واہ کہیگا کوئی سر دھنیگا کوئی بیساختہ ہاتھ اٹھائیگا اور کسی کے دل پر دریائے ولائے علی کے تموج نے زور مارا اور اس مظہر العجائب کی ذات ماورائے فہم کے عرفان کی تجلیاں ضیا پاش ہونے لگیں تو اغلب تو یہی ہے کہ وجد کا رنگ ظاہر بظاہر بھی نظر آنے لگے۔

کسانیکہ ارباب اہل دل اند بہ آواز دولاب مستی کنند

حضرت سعدی فرماتے ہیں ؎

آدمی زادہ اگر در طرب آید چہ عجب در چمن سرو برقص آمدہ و بید و چنار

اس امر کے متعلق کہ خود قوالی سننے کا جواز کس حد تک ہے یا کس حد تک نہیں ہے۔ میں کچھ کہنے کے موقف میں نہیں ہوں۔ سنی حضرات بھی جو سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں قوالی سننے سے احتراز کرتے ہیں جواز یا عدم جواز کے مسئلہ کو میں علمار کے فیصلہ پر چھوڑتا ہوں۔ میں نے نفسیاتی اعتبار سے اس پر غور کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا ضرر نہیں پاتا۔ میرے والد صاحب قبلہ مرحوم بیان فرماتے تھے کہ ایک محفل قوالی میں انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص کا بہ حالت وجد قوالی کے دوران ہی میں انتقال ہو گیا۔ جو شخص اس فضا سے غیر مانوس ہو اسکو صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کسی نغمہ و حدایت یا نعت یا منقبت پر کیفیت طاری ہونا کوئی بعید از فطرت امر نہیں ہے۔ اور فی نفسہ وجد پر اعتراض میرے خیال میں درست نہیں ہے۔ میں نے بعض لوگوں اور خصوصاً ایک قابل ذی علم سیاح مولوی صاحب کو جنھوں نے حج اور

دُنیا کے اکثر حصّوں کے سفر ایک سے زیادہ مرتبہ یا پیادہ کئے تھے یہ کہتے سُنا کہ وہ قوالی سننے کو دل سے پسند نہیں کرتے مگر جب ان کو قوالی کی محفل میں بٹھا دیا جاتا تو وجد میں بالکل بیخود ہو جاتے تھے۔ بہرحال ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھیں اور بجائے ایک دوسرے سے بیگانگی کو بڑھانے کے اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کریں۔ باتیں کانوں میں پڑتے پڑتے چیزیں خود سمجھ میں آتی ہیں اور مصداق "اَلْحَقُّ یَعْلُو" حق خود بخود اُبھر آتا ہے۔

میں اپنے ضمیر کو سامنے رکھکر اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ یقین دلاتا ہوں کہ اس حقیر کتاب کے لکھنے سے میرا منشاء حاشا و کلا کسی کی دل آزاری یا ذرہ برابر بھی کسی کو دکھ پہنچانا نہیں ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ اگر دل آزاری کا پہلو لئے ہوئے یعنی زہر گھول کر کوئی اچھی چیز بھی پیش کی گئی تو اس کا حاصل کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر کوئی امر بجائے خود "اَلْحَقُّ مُرٌّ" (یعنی حق کڑوا ہوتا ہے) کا مصداق ہو تو بھی امانت داری کا یہ تقاضا ہے کہ حقائق جیسے بھی پائے جائیں ان کو مِن و عَن پیش کر دیا جائے ناظرین کو لکھنے والے کی نیت دیکھنی چاہیئے۔ لکھنے والا کسی امر کی بنیادی تلخی کو دور نہیں کر سکتا مگر اس کا یہ فرض ضرور ہے کہ جو امر خود تلخ نہ ہو اسکو اپنے طرز تحریر سے تلخ نہ بنا دے۔ بعض اوقات کسی امر کو واضح کرنے کے لئے صاف صاف اور بلا کسی لگی لپٹی کے بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ انگلستان کی کورٹ آف اپیل کے لارڈ جسٹس رائٹ آنریبل سر الفریڈ ڈیننگ فرماتے ہیں۔

Truth is best discovered by powerful statements on both sides of the question.

یعنی حقیقت جب ہی نمایاں ہوتی ہے جب کسی امر کے حسن و قبیح دونوں کو پر زور بیان کے ذریعہ واضح کیا جائے اور جیسا کہ لارڈ میکالے نے کہا ہے۔

Logicians may argue about abstractions but the mass of men must have images.

یعنی اہل منطق مفروضات و تخیلات پر بھی بحث کر لیتے ہیں۔ مگر عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے تو مجسم تصویر پیش کرنی پڑتی ہے۔

اسی غرض کے لئے کسی بات کو بعض دفعہ مختلف مقامات پر دُہرانا پڑتا ہے تاکہ کسی نہ کسی نوبت پر وہ پڑھنے والے کے دماغ میں محفوظ رہ جائے۔ میرا منشا کوئی تحریر آرائی نہیں ہے۔ بلکہ ضروری باتوں کو واضح کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

ممکن ہے کہ میرے بعض جملوں کے پیرایہ کو بہ عرف عام عقیدت کا رنگ کہا جائے مگر ادلًا

یہ دیکھنا ضروری ہے کہ عقیدت کہتے کس کو ہیں۔ کسی کے اچھے صفات کا یقین ہو جانے کے بعد اسکو قابلِ تعظیم سمجھنے اور اس کا احترام دل سے کرنے کا نام عقیدت ہے۔ اگر سب کچھ دیکھنے بھالنے اور سمجھنے کے بعد بھی کسی قابل احترام ہستی سے عقیدت پیدا نہ ہو تو دلی میں رہے بارہ برس بھاڑ ہی جھونکا" کا مصداق ہوگا۔ یوں بھی کسی مسلمان کے لئے یہ زیبا نہیں کہ حضرت رسول صل اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپ کے اہل بیت اطہار علیہم السّلام کا ذکر بے اعتنائی کے ساتھ کرے۔ اچھے کو اچھا زیادہ اچھے کو زیادہ اچھا کہنا اور قابل احترام کے احترام کا اظہار ہی فطری عمل ہے۔ اہل طریقت بزرگ تو ڈنکے کی چوٹ اہل بیت اطہار کے ساتھ عقیدت کا اظہار فرماتے ہیں۔

شاہ نورالدین نعمت اللہ دلی فرماتے ہیں ؎

ما لوائے از ولائے آں ولی افراشتیم طبل در زیر گلیم آخر چرا باید زدن

حضرت سیّد حسن احمد شطاری کامل فرماتے ہیں:-

جب علی نتیجہ ہے حسن آگہی کا مولا پہ جان دینا مقصد ہے زندگی کا

میں حقیقت کی تصویر کو کسی بناوٹی چوکھٹے میں نصب کرنا یا اس پر مصنوعیت کی نقاب ڈالنا نہیں چاہتا حقیقت کو اصلی رنگ میں پیش کرنا ہی ہوگا اہل فہم حضرات کے لئے یہ دیکھ لینا کافی ہوگا کہ جذبات کی رو میں کوئی ایسی بات تو نہیں کہہ دی گئی ہے جس کے پیچھے ٹھوس استدلال موجود نہ ہو۔ اگر استدلال اپنی جگہ موجود ہو تو پیرایۂ عقیدت کو یقین کامل کا فطری لازمہ اور ایک قسم کی واقعاتی شہادت تصور کیا جانا چاہیئے۔

میں نے پوری کوشش کی ہے کہ طرز تحریر چبھتے ہوئے الفاظ یا ناشائستہ پیرائے سے پاک رہے۔ خدا مجھے اس کوشش میں کامیاب کرے۔

عرصہ ۴۳ سال سے باعتبار اپنی خدمتِ سرکاری کے تصفیہ مقدمات اور انصاف رسانی کا کام کرتا آرہا ہوں اور لوگ میری افتاد طبیعت سے واقف ہیں۔ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان (شیعہ و سنی) یا سکھ و عیسائی میرے طریقہ کار کی گواہی دیں گے۔ اس کتاب کا تمام ترنشا میرے اہل خاندان اور دوستوں کے سامنے (جن میں دونوں طریقوں کے اصحاب موجود ہیں) وہ مواد من وعن پیش کر دینا ہے جو مختلف کتابوں میں ملا اور مختلف اہل علم سے تبادلہ خیال کے بعد ظاہر ہوا۔ (یہاں یہ نوٹ کر دینا ضروری ہے کہ جملہ مواد کتب اہل سنت سے اخذ کیا گیا ہے) میری دعا ہے کہ طالبان حق کو اپنا راستہ نکالنے میں اس ذرۂ بے مقدار کی یہ ناچیز کوشش کچھ مدد دے سکے اور یہ نہ دیکھا جائے کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ کیا کہہ رہا ہے۔

آخر میں اس ناچیز کا التماس ہے کہ محبت رسول و آلِ رسول کا جو مشترک نقطہ شیعوں اور سنیوں کے درمیان موجود ہے اور جو درحقیقت دین و ایمان کا سرمایہ ہے اسی مشترک نقطہ کو لیکر حضرات شیعہ و سنی دونوں آگے بڑھیں اور اس عالمگیر فتنہ و شر کے دور میں ایک دوسرے سے متحد ہوجائیں۔

چھوٹے چھوٹے نفسیاتی اُمور آخر میں چل کر بڑا نتیجہ پیدا کرتے ہیں اور ذرا سا جذبہ خیرسگالی بھی دور رس ہم آہنگی کی بنیادیں سکتا ہے۔ اشارہ کے طور پر میں یہ التماس کروں گا کہ :-

(۱) سنی صاحبان بھی ماہ محرم میں اہلِ دل کے ساتھ مجالس عزا منعقد کیا کریں اور اب جو چیدہ چیدہ مجالس سنی صاحبان کے پاس ہوتی ہیں ان کو عمومیت کی شکل دیجائے اور یوم عاشورہ تمام مسلمان سیاہ لباس میں ایک متحد جماعت کی شکل میں نظر آئیں جس سے ہر کس و ناکس کو یہ اندازہ ہو کہ سب مسلمان اپنے نبی کے نواسہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور یہ احساس باقی نہ رہے کہ مسلمان تو خود آپس میں دست و گریبان ہیں اسی سلسلہ میں یہ بھی کہونگا کہ اربعین تک خوشی کی محفلیں منعقد نہ کی جائیں

(۲) شیعہ صاحبان اپنی مجالس عزا میں اپنے سنی دوستوں کو زیادہ تعداد میں بلایا کریں اور ایسی عام مجالس میں نزاعی اُمور کے بیان سے احتراز کریں۔

(۳) جہاں سنی حضرات مجلس حسینؑ منعقد کر رہے ہوں تو شیعہ وہاں ضرور شرکت کریں اور سنی صاحبان بھی ان مجالس میں متنازعہ اُمور کا ذکر درمیان میں نہ لائیں۔

(۴) شیعہ حضرات سُنی اہل طریقت بزرگوں کے اعراس و محافل میں شریک ہوا کریں اور سنیوں کے آدابِ محفل کا لحاظ رکھیں۔

(۵) اعراس میں جہاں شیعہ حضرات شریک ہوں بانیان عرس جہاں تک ہوسکے نعت رسول و منقبت آلِ رسول کی چیزیں قوالی میں زیادہ شامل کرائیں۔

(۶) کسی کو ایک دوسرے کی ان مجالس و محافل میں احیاناً کوئی بات بادِ خاطر گزرے تو اپنے تحمل کا ثبوت دیں اور متانت سے خاموش سن لیں اور محض اپنی دلچسپی کی چیزوں پر ہی دھیان مرکوز رکھیں۔

(۷) جب کہ بعض مجتہدین کے فتوٰی کے لحاظ سے جواز موجود ہے تو شیعہ و سنی حضرات بطور معمول نہ سہی مگر جہاں پہلے سے دوستی یگانگت یا کچھ رشتہ داری کی اساس موجود ہو اور خیالات میل کھاتے ہوئے ہوں اور اصلاح کی توقع ہو تو بلحاظ موقع و مناسبت و موزونیت آپس میں معاشرتی سابقوں کے امکانات پر بھی دین کے لئے ایک ایثار کے نقطہ نظر سے غور کریں۔ مجھے

اس معاملہ کی نزاکت کا پورا احساس ہے اسی لئے میں نے بہت سی شرائط کے ساتھ اسکو غور کے لئے پیش کیا ہے۔

یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ میرے بڑے لڑکے سید علی شبیر سلمہ نے جو ایک راسخ العقیدہ شیعہ ہے مولوی انوار الدین احمد خاں صاحب (سنی المذہب) کی صاحبزادی سے شادی کرنی چاہی۔ موصوف پہلے سے میرے دوست تھے پھر بھی میں نے ان کو اپنے گھر کے شیعہ ماحول علم مبارک مجلس ماتم سب سے قبل از قبل واقف کرادیا۔ یوم عید غدیر ۱۸ ذیحجہ م ۳۰ مارچ ۱۹۶۷ء کو بحمد اللہ شادی انجام پائی۔ شیعہ علماء مولانا ریاض الدین حیدر صاحب قبلہ اور مولانا ضیا آقا صاحب قبلہ نے صیغہ نکاح اور اہل طریقت بزرگ مولانا سید شاہ قطب الدین صابری صاحب قبلہ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ اس موقعہ پر مولانا سید فرید بادشاہ حسینی صاحب قبلہ نے مجھے لڑکے کی شادی کی مبارکباد کے ساتھ ساتھ عید غدیر کی مبارکباد بھی دی۔ بفضل ایزدی اس کے دوسرے سال عین عید غدیر ۱۸ ذی الحجہ کو لڑکی تولد ہوئی اور میرے لڑکے نے اس کا نام کنیز زینب تجویز کیا۔

طبع ثانی میں میں یہ اضافہ کر رہا ہوں کہ اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ماہ جون ۱۹۸۰ء میں انوار الدین احمد خاں صاحب کے صاحبزادہ تاج احمد خاں سلمہ کی شادی مجلس علماء دکن کے صدر مولانا سید بادشاہ حسینی صاحب قبلہ کی حقیقی پوتری سے انجام پائی جسکو قدرت نے ماشاء اللہ حسن صورت و سیرت دونوں عطا فرمائے ہیں۔ یہ سعادت مند بچی اٹھتے بیٹھتے "یا علی یا علی" کہا کرتی ہے۔ انوار الدین احمد خاں صاحب کے گھر کے سنی ماحول میں لوگوں کو یہ اچنبھا سا لگا اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ یہ لڑکی تو ایک سنی خاندان سے آئی ہے۔ جب پوچھا گیا تو اس صاحبزادی نے جواب دیا کہ اسکے دادا بادشاہ حسینی صاحب قبلہ نے یہ تعلیم اسکو دی ہے۔ کم و بیش ہر اہل طریقت کا یہی شعار ہے۔

مولوی انوار الدین احمد خاں صاحب اور ان کی بیگم ہر سال ہمارے پاس مجلس عزا میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مولوی غوث داد خاں صاحب اور ان کی بیگم اور مولوی جمال الدین صاحب اور ان کی بیگم بھی ان مجالس میں برابر شریک ہوتے ہیں۔

میرے شیعہ اور سنی بھائی متذکرہ صدر تجاویز پر سکون دل سے غور فرمائیں اور اس کتاب کو شروع سے آخر تک ایک نظر ضرور دیکھ جائیں۔ اگر یہ میری ناچیز قلمی کوشش بعض الجھے ہوئے امور کی گتھی کو سلجھانے اور طالبان حق کے لئے کچھ سامان فکر مہیا کرنے اور بعض مفید زاویہ ہائے نظر پیش کرنے میں کچھ بھی کامیاب ہوسکے اور متفرق گروہوں

ایک مرکز کی طرف تھوڑی سی بھی پہل کرنے کی محرک ہو سکے۔ تو یہ میرے لئے ایک لاقیمت انعام ہوگا۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًاؕ

آصف نگر حیدر آباد
۷ر صفر ۱۳۹۰ھ
۱۴ ر اپریل ۱۹۷۰ء

حامد بن شبیر

پیش لفظ طبع ثانی

"کلمۃ الحق" کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں طبع ہوا۔ ۱۹۷۷ء میں ایک ضمیمہ کا میں نے اس میں اضافہ کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مکرر طباعت کیلئے مختلف گوشوں سے مجھے زبانی اور تحریری طور پر متوجہ کیا گیا۔ کتاب کی مقبولیت کیلئے میں اُن اصحاب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اسکو ملاحظہ فرماکر میری قدر افزائی فرمائی۔ اِس دوران میں کچھ اور اُمور میرے خیال اور علم میں آئے جنکا اِس ایڈیشن میں اضافہ کر رہا ہوں۔ پوری کتابت ایک ذی علم کاتب جناب سیّد منظور محی الدین صاحب نے کی ہے جنھوں نے سابقہ کاتبوں کی شکایت کا پورا حساب چکا دیا۔ ذخامت کے اعتبار سے کتاب کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور طباعت فوٹو پرنٹ پر کرائی جارہی ہے۔ اُمید ہے کہ کتابت وطباعت و ذخامت ناظرین کیلئے بار خاطر نہ ہوگی۔

آصف نگر۔ حیدر آباد
۲۰ رجمادی الثانی ۱۴۰۵ھ
۱۲ رمارچ ۱۹۸۵ء

حامد بن شبیر

فہرستِ مندرجات و مضامین جلد اوّل

٢- امام کو علم لدنی عطا ہوتا ہے اور اسکا کام ہدایت کرنا

٣- امام خالق و خلق کے درمیان واسطہ

٤- جسطرح رسولؐ اولیٰ بہ نفس مومنین ہوتا ہے اور اس کی محبت فرض ہے اسی طرح امام کی محبت بھی فرض ہے اور وہ اولیٰ بہ نفس مومنین ہے۔

* آیات غزالاول (ت) و تطہیر و معصوم حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام ۳۴۲ صفحہ

باب چہارم ۳۰۹ تا ۴۲۲

احادیث متعلقہ سیدۃ النساء العلمین فاطمہ زہرا علیہا السلام

احادیث متعلقہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

احادیث متعلقہ بنی ہاشم سلمان ابوذر و شیعان علی

باب پنجم ۲۲۳ تا ۲۴۱

مندرجہ جات صحف انبیائے سلف متعلقہ اہلبیت وائمہ طاہرین علیہم السلام

باب نہم ۶۶۲ تا ۷۴۷

※ ۶۲-الف: حضرت علی کی برأت از قتل عثمان عثمان زبیر کا ملوث ہونا ۶۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

باب اوّل

اُمّتِ اسلامیہ کے تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جانیکی نسبت حضرت رسولِ خدا صلعم کا ارشاد

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے:۔ ستفرق امتی علی ثلثۃ وسبعین فرقۃ واحدۃ منھا ناجیۃ والباقی فی النار۔ یعنی میری اُمّت تہتر فرقوں پر منقسم ہوجائے گی۔ ان میں کا ایک جنتی ہوگا اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔

یہ روایت انس ابن مالکؓ کی ہے اور اس کو تین صاحبانِ صحاح ابن ماجہ، ترمذی اور ابی داؤد کے علاوہ متعدد معتبر محدثین نے درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔ دارمی، دیلمی، خطیب وتفسیر ابو یوسف یعقوب بن صفیان، ابن جریح، و مجاہد و قتادہ و ابن صالح و عقائد دینیہ ضیاء الدین بن سدید الجرجانی در روایت ابی ہریرہؓ ازالۃ الخفا صـ۱۳۲ مطبع صدیقی دہلی و در منثور سیوطی جلد ۲ صـ۶۰ سنن ابن ماجہ مطبوعہ مصر ۱۳۷۳ھ صفحہ ۱۳۲۱ پر عوف بن مالک سے یہ روایت درج ہے:۔

عن عوف بن مالک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افترقت الیھود علی احدی و سبعین فرقۃ و واحدۃ فی الجنۃ وسبعون فی النار وافترقت النصاری علی اثنین وسبعین فرقۃ فاحدی وسبعون فی النار و واحد فی الجنۃ والذی نفس محمد بیدہ لتفرقن امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ واحدۃ فی الجنۃ واثنان وسبعون فی النار ہ

(یعنی پیغمبر خدا نے فرمایا یہودیوں کے ۷۱ فرقے ہوئے ایک بہشت میں اور ۷۰ دوزخ میں اور عیسائیوں کے بہتر (۷۲) فرقے ہوئے ۷۱ دوزخ میں اور ایک بہشت میں اور قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ میری اُمّت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے ایک فرقہ بہشت میں جائے گا اور بہتر (۷۲) آتش جہنم میں۔ کم وبیش اسی مضمون کی حدیثیں سنن ابی داؤد مطبوعہ کانپور صفحہ ۶۳۱ پر ابوہریرہ کی زبانی اور جامع ترمذی مطبوعہ دہلی ۱۳۶۵ھ صفحہ ۳۵۴ پر یہ روایت ابوہریرہ و عبداللہ بن عمرو بن العاص وسنن دارمی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور صفحہ ۳۴۵ اور نیز سنن ابن ماجہ مطبع مصر ۱۳۷۳ھ صفحہ ۱۳۲۱ پر ابوہریرہ اور انس ابن مالک کی زبانی بھی درج ہیں۔ موفق بن احمد خوارزمی مکی نے بھی اسکو بروایت زاذان نقل کیا ہے یہ وہ تنبیہ ہے جو اپنی اُمت کی ہدایت اور تحفظ ایمان کے لئے حضرت سرورِ کائنات نے ابتدائے

اسلام ہی میں دے دی تھی۔ وہ ذات سراپا رحمت باعثِ ایجادِ عالم شاہد و مبشر و نذیر اور سراج منیر ہونے کے ساتھ ساتھ نباضِ فطرت بھی تھی اور اس حیثیت سے ایک طرف فطرتِ انسانی کی کمزوریوں سے پوری طرح واقف تھی تو دوسری طرف بہ حیثیت شاہد کائنات اس امر شدنی سے آگاہ بھی تھی اور پھر بہ حیثیت مبشر راہِ حق پر چلنے والے فرقہ کو جنت کی بشارت دی تھی تو بہ حیثیت نذیر متنبہ کر دینا بھی اس نے ضروری جانا کہ لوگ اپنے دین و ایمان سے ہوشیار رہیں اور کہیں ۷۲ دوزخی فرقوں میں سے نہ ہو جائیں۔

امت کے مختلف فرقوں میں بٹ جانے کا ذکر خداوند عالم نے بھی مختلف مقامات پر اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے اور جہاں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بہ اعتبار مشیت ایزدی یہ ایک شدنی امر ہے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ باوجود علم دیئے جانے اور صاف صاف احکام پہنچائے جانے کے بھی لوگوں نے محض اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے دین میں اختلاف پیدا کیا اور ایسا کرنے والوں کے لئے جہنم کے عذاب کی خبر دی ہے اور ان لوگوں کا بھی ذکر فرما دیا ہے جن کو ان کی نیک دلی اور خوفِ خدا کی وجہ سے پروردگارِ عالم اپنی رحمت میں لے کر اس فتنہ سے بچا لیتا ہے اور راہِ حق کی ہدایت دیتا ہے۔ سورۂ بقر کی آیت ۲۱۳ میں ارشاد ہے:۔ ما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ماجاءتھم البینٰت بغیا بینھم فھدی اللہ الذین آمنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ ؕ ترجمہ:۔ اس میں اختلاف کیا بھی تو انہیں لوگوں نے جن کے پاس کتاب آچکی تھی اور جب کہ ان کے پاس خدا کے صاف صاف احکام بھی آچکے تھے (اور یہ) آپس کی شرارت کی وجہ سے۔ تب خدا نے اپنی مہربانی سے (خالص) ایمان داروں کو راہِ حق دکھا دی جس میں ان لوگوں نے اختلاف ڈال رکھا تھا۔ سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۴ ہے: وما تفرقوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم ولولا کلمۃ سبقت من ربک الی اجل مسمی لقضی بینھم ؕ ترجمہ:۔ اور یہ لوگ متفرق ہوئے بھی تو علم (حق) آچکنے کے بعد اور (وہ بھی) محض آپس کی ضد سے اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک وقتِ مقررہ (قیامت) کے لئے وعدہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان میں (کب کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۸ ہے:۔ ولو شاء اللہ لجعلھم امۃ واحدۃ ولکن یدخل من یشاء فی رحمتہ والظلمون مالھم من ولی ولا نصیر ؕ ترجمہ:۔ اور خدا چاہتا تو ان سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتا مگر وہ تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کا تو (روزِ قیامت) نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔ سورۂ ہود کی آیت ۱۱۸، ۱۱۹ ہے۔ ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذالک خلقھم وتمت کلمۃ ربک لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین ؕ ترجمہ:۔ اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو بے شک تمام لوگوں کو ایک ہی (قسم کی) امّت بنا لیتا۔ لوگ (تو) ہمیشہ آپس میں پھوٹ ڈالا کریں گے بجز ان کے جن پر تمہارا پروردگار رحم فرمائے اور اسی لئے تو اس نے لوگوں کو

پیدا کیا۔ تمہارے پروردگار کا حکم پورا ہو کر رہا کہ ہم جہنم کو تمام جنات اور آدمیوں سے بھر دیں گے۔

سورۂ روم کی آیت ۳۱ و ۳۲ میں رب العزت کا ارشاد ہے: وَلا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا کل حزبٍ بما لدیھم فرحون. ترجمہ: یعنی مشرکین سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے (اصلی) دین میں تفرقہ پردازی کی اور مختلف فرقے بن گئے اور جو دین جس فرقے کے پاس ہے اس میں بڑا خوش (ہو کر رہ گیا) ہے۔ سورۂ انعام کی آیت ۱۶۰ میں حضرت رسولؐ سے مخاطب ہو کر ارشاد باری ہے۔ اِن الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیءٍ ؕ ترجمہ: یعنی جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فرقہ بن گئے (تمہیں اے رسولؐ) ان سے کچھ سروکار نہیں۔ سورۂ اعراف کی آیت ۱۸۱ میں ارشاد ہے: وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون. ترجمہ: یعنی ہماری خلقت میں ایک گروہ ہے جو حق کے ساتھ ہدایت پاتا ہے اور اس کی طرف پھرتا ہے۔ سورۂ محمدؐ کی آیت ۲۸ ہے: ذالک بانھم اتبعوا ما اسخط اللہ وکرھوا رضوانہ فاحبط اعمالھم ؕ ترجمہ: یعنی جس چیز سے خدا ناخوش ہے اس کی تو یہ لوگ پیروی کرتے ہیں اور جس میں خدا کی خوشی ہے اس سے بیزار ہیں تو خدا نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ سورۂ مائدہ کی آیت ۱۳ ہے: فبما نقضھم میثاقھم لعنّٰھم وجعلنا قلوبھم قٰسیۃً یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظًا مما ذکروا بہ، ترجمہ: یعنی ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔ ہمارے کلمات کو ان کے اصلی معنی سے بدل کر دوسرے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور جن جن باتوں کی نصیحت کی گئی تھی ان میں سے ایک بڑا حصّہ بُھلا بیٹھے۔ سورۂ ھود کی آیت ۱۸ و ۱۹ میں ہے: الا لعنۃ اللہ علی الظالمین الذین یصدون عن سبیل اللہ ویبغونھا عوجًا۔ ترجمہ: یعنی سُن رکھو کہ ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس میں کجی نکالنا چاہتے ہیں۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۷ ہے۔
فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والرّاسخون فی العلم ؕ ترجمہ: یعنی جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اُنہیں آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پر ڈھالیں حالاں کہ سوائے خدا اور راسخون فی العلم (جن کو اللہ نے وہبی علم عطا فرمایا ہے) ان کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا۔ علم رکھتے ہوئے بھی لوگوں کا دانستہ شرارت سے مختلف فرقوں میں بٹ جانا اور ہر فرقے کا اپنے کو صحیح سمجھ کر مطمئن رہنا مگر ان میں سے صرف ایک فرقہ کا راہِ حق پر ہونا متذکرہ صدر آیات قرآنی سے ثابت ہے۔

کون صاحبِ عقل ہو سکتا ہے جو دین و ایمان، جنّت و دوزخ کے معاملے میں ایسی کڑی تنبیہوں سے سہل انکاری کرے اور دیدہ و دانستہ اغماز برت کر یا خوش فہمی میں مبتلا رہ کر اپنے نفس کو دھوکا دیتا چلا جائے۔

فطرتِ انسانی کا تقاضہ ہے کہ خطرہ کا احساس ہو جائے تو اس سے بچنے کی فکر کی جائے اور سلامتی کی راہ تلاش کی جائے۔ موت سر پر کھڑی ہوئی ہے۔ حیاتِ دُنیاوی عارضی ہے۔ آج چلے کہ کل چلے۔ سکراتِ قبر کی منزل۔ منکر ونکیر۔ سوال وجواب۔ برزخ روزِ جزا۔ میدانِ حشر، میزان حساب۔ پُل صراط۔ شفاعت ہر چیز سے سابقہ پڑنے والا ہی ہے۔ جنّت یا دوزخ کوئی ایک ٹھکانا بھی یقینی ہے۔ کون صحیح الدماغ انسان ہے جو جنّت کی تمنّا نہ کرے یا دوزخ کے عذاب علیم سے نہ ڈرے۔

انسان کی جوانی تو عموماً اس طرح گزر جاتی ہے (ان شاء اللہ ماشاء اللہ) کہ بُری صحبتوں سے بچے بھی رہے تو حصولِ علم۔ ورزش۔ کھیل کود۔ فکرِ معاش کے ہنگاموں میں مذہب اور عقبیٰ کی طرف دھیان دینے کا موقع کم ملتا ہے مگر جب آدمی دورِ جوانی سے گزر جائے اور عقل میں پختگی اور عمل میں سنجیدگی آجائے تو اب بھی اس طرف دھیان نہ دینا اور ایک اٹل حقیقت سے غافل رہنا سوائے کھلی ہوئی نادانی کے اور کیا ہے۔ اب نہ سوچیں تو پھر کب سوچیں گے اور تہتّر فرقوں میں سے جن بہتّر کا راستہ غلط ہے ان کے لئے راہِ راست کی طرف رجوع کرنے کا اور کونسا وقت آئے گا۔

سیّد ابوالحسن ہجویری معروف بہ داتا گنج بخشؒ جن کی وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی اپنی کتاب کشف المحجوب صفحہ ۱ پر مسلمانوں کی ابتر حالت کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں۔

"اللہ عزوجل نے مجھے ایسے زمانے میں پیدا فرمایا ہے کہ جس کے رہنے والوں نے خواہشاتِ نفسانی کا نام شریعت رکھ لیا ہے اور مرتبہ اور عزّت کی طلب اور تکبّر کا نام عزت وعلم قرار دیا ہے اور دکھلاوے کی عبادت کا نام خوفِ خدا اور اپنے دل میں کینہ کو پوشیدہ رکھنے کا نام حلم رکھا ہے اور ایسے ہی مجادلہ کو مناظرہ اور محاربت اور کمینگی کا نام اور عظمت اور نفاق کا نام زہد اور ظن کا ارادت اور طبیعت کی بکواس کا نام معرفت اور دل کی حرکتوں اور نفس کی من گھڑت باتوں کا نام محبت اور الحاد کا نام فقر اور محجر یعنی راہ راست سے منکر ہو جانے کا نام صفوت زندیق ہو جانے کا نام فنا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کو ترک کر دینے کا نام طریقت اور اہلِ زمانہ کی آفت کا نام معاملت انہوں نے مقرر کیا ہے۔ یہاں تک کہ اربابِ معانی ان مجبوروں سے مغلوب ہو چکے ہیں جیسا کہ اوائلِ اسلام میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اہلِ بیت پر آلِ مروان نے غلبہ حاصل کر لیا تھا۔" یہ نوسو برس پہلے کا حال تھا۔ اب تو حالت یقیناً گئی گزری ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں "اے بندگانِ خدا اللہ تم پر رحم کرے۔ سفرِ آخرت کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اس سرائے فانی میں کوچ کرنے کی صدا دی جا چکی ہے۔ اب زندگی کی آرزو میں کمی کرو۔ اپنے وطنِ اصلی کی طرف عملِ صالح کا بہترین توشہ لیکر چل نکلو۔ دیکھو تمہارے سامنے موت کی پُرخطر گھاٹیاں، ڈراؤنی ہولناک منزلیں ہیں۔ ان سے گزرنا وہاں ٹھہرنا ضروری ہے۔ دیکھو ہوشیار موت کی تیز وتند نگاہیں تم پہ جمی ہوئی

ہیں۔ وہ اپنے غضبناک پنجوں سے تم پر حملہ آور ہے۔ اس کے مضبوط ناخن تمہاری رگ و پے میں اتر چکے ہیں۔ گویا اس نے تم کو شکار کر لیا ہے۔ ان خطرات سے بداعمالیوں نے تم کو غافل کر دیا اور تمہاری چشم ایمان پر پردہ ڈال دیا۔ فوراً اٹھو۔ ان دنیاوی رشتوں کو قطع کر دو اور توشہ تقوی کے حصول کی کوششوں میں مصروف ہو جاؤ" سورۂ انبیا کی آیت ۱ میں رب العزت کا ارشاد ہے۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝
ترجمہ: لوگوں کے پاس انکا حساب (کا وقت) آ پہنچا اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہی جاتے ہیں۔

تلاش حق میں غور و فکر کرنے رب العزت کی تاکیدی ہدایتیں

رب العزت اپنے کلام پاک میں غور و فکر کی دعوت جابجا دیتا ہے۔ اور خاندانی پاس و لحاظ اور دنیاوی موانع سے قطع نظر کر کے صاف دل کا پہلو اختیار کرنے کی واضح فہمائش فرماتا ہے۔ سورۂ محمدؐ کی آیت ۲۴ ہے۔ افلا يتدبرون القرآن ام على قلوب اقفالها۔ یعنی بھلا یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

سورۂ انعام کی آیت ۱۰۴ میں ارشاد ہے قد جاءكم بصائر من ربكم فمن ابصر فلنفسه ومن عمي عليها۔ ترجمہ:۔ تمہارے پاس تو سمجھانے والی چیزیں آ ہی چلیں پھر جو دیکھے (سمجھے) تو اپنے دم کیلئے اور جو اندھا بنے تو (اس کا خمیازہ بھی) اس پر ہے۔ سورۂ مائدہ آیت ۱۰۴ میں ارشاد ہوتا ہے۔ واذا قيل لهم تعالوا الى ما انزل الله والى الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا عليه آباءنا اولو كان آباؤهم لا يعلمون شيئا ولا يهتدون
یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں نازل ہوا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو کہتے ہیں ہم نے جس طریقہ پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے ہی ہوں نہ ہدایت ہی پائی ہو۔ سورۂ اعراف کی آیت ۲۸ ہے واذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا عليها آباءنا والله امرنا بها قل ان الله لا يأمر بالفحشاء یعنی اور وہ لوگ جب کوئی بدکاری کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے اس طریقہ پر اپنے باپ دادا کو پایا اور خدا نے یہی حکم دیا ہے (اے رسول کہہ دو کہ خدا ہرگز برے کام کا حکم نہیں دیتا۔ سورۂ توبہ آیت ۲۳ میں اور واضح ہدایت ہے۔ يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا آباءكم واخوانكم اولياء ان استحبوا الكفر على الايمان ومن يتولهم منكم فاولئك هم الظالمون ۝ یعنی اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ دادا اور بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح دیتے ہیں تو تم ان کو خیر خواہ نہ سمجھو اور تم میں جو شخص ان سے محبت رکھیگا تو یہی لوگ ظالم ہیں۔ جو لوگ صرف رشتہ داری یا آپس کی محبت کی وجہ سے راہِ حق سے کنارہ کشی اختیار کئے رہتے ہیں ان کا ذکر اللہ تعالیٰ سورۂ عنکبوت کی آیت ۲۵ میں اس طرح فرماتا ہے۔ مودة بينكم في الحيوة الدنيا ثم يوم القيامة يكفر بعضكم ببعض ويلعن بعضكم بعضا ومأواكم النار وما لكم من ناصرين ۝ یعنی صرف دنیاوی زندگی میں باہم محبت کرنے کی وجہ سے غلط راستہ اختیار کر رکھا ہے) پھر قیامت کے دن تم میں سے ایک کا ایک انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا تم لوگوں کا

ٹھکانا جہنم ہے۔ اس وقت تمہارا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی مثال جو عقل استعمال نہیں کرتے اور نہ سمجھتے ہیں جانوروں کی سی فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقر کی آیت ۱۷۱ ہے ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداء صم بکم عمی فھم لا یعقلون۔ یعنی۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو ایسے جانور کو پکار کے اپنا حلق پھاڑے جو آواز اور پکار کے سوا سنتا (سمجھتا خاک) نہ ہو۔ (یہ لوگ) بہرے گونگے اندھے ہیں کہ سمجھتے ہی نہیں۔ اسی سورہ کی آیت ۱۸ میں فرماتا ہے صم بکم عمی فھم لا یرجعون ؁ یہ لوگ بہرے گونگے اندھے ہیں کہ پھر اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے۔ سورۂ اعراف کی آیت ۱۷۹ میں ایسے لوگوں کو جانوروں سے بدتر ظاہر فرماتا ہے۔ ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغٰفلون ؁ (یعنی گویا ہم نے بہت سے جنات اور آدمیوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے اور ان کے دل تو ہیں مگر (قصداً) ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں یہ لوگ گویا جانور ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے یہی لوگ تو غافل ہیں سورۂ یونس کی آیت ۱۰۰ میں ہے۔ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (یعنی جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ (کفر و نفاق کی) گندگی ڈال دیتا ہے۔ سورۂ بقر میں جا بجا اس قسم کی ہٹ دھرمی کرنے والوں کا ذکر فرماتا ہے جو سننا دیکھنا اور سمجھنا نہیں چاہتے اور اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔ تو پھر نوبت یہ ہو جاتی ہے کہ بدرجہ آخر خدائے تعالیٰ ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور ان کے دل میں جو کد اور بدی کا مرض ہے اس میں اور اضافہ فرما دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ بقر کی آیت ۷ ہے ختم اللہ علی قلوبھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم ؁ پھر آیت ۱۰۰۹ میں ہے۔ وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون ؁ سورۂ حم وسجدہ کی آیت ۴۴ میں فرماتا ہے۔ والذین لا یؤمنون فی اذانھم وقر وھو علیھم عمی اولٰئک ینادون من مکان بعید (یعنی وہ لوگ جو قرآن کی منفصل آیات پر ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرا پن ہے اور قرآن ان کے لئے نابینائی کا سبب ہے اور وہ اس کی پکار کو نہیں سن سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کافرین و منافقین کیلئے متعدد مقامات پر لا یعقلون اور لا یفقھون فرمایا ہے۔ یعنی یہ عقل کو کام میں نہیں لاتے اور سمجھتے نہیں۔ تکلیف شرعی بھی عاقل و بالغ پر عائد ہوتی ہے نابالغ و فاتر العقل پر نہیں اس طرح یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلام عقل والوں کا مذہب ہے نہ کہ بے سمجھے عمل کرنے والے سفہا کا۔ جو لوگ دنیا میں اندھے بنے رہتے ہیں وہ آخرت میں بھی راستہ سے بھٹکے ہوئے رہیںگے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۲ میں ارشاد ہے۔ ومن کان فی ھٰذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی واضل سبیلا ؁ اور جو شخص اس (دنیا) میں (جان بوجھ کر) اندھا بنا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہےگا اور (نجات کے)

راستہ سے دور بھٹکا ہوا۔ جو لوگ عقل کو کام میں لاکر اچھی باتوں کی پیروی اختیار کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے بشارت بھی دیتا ہے چنانچہ سورۂ زمر کی آیت ۱۷ و ۱۸ ہے فبشر عبادہ الذین یستمعون القول فیتبعوا حسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ اولئک ھم اولوا الالباب ؕ یعنی (اے رسول) ان لوگوں کو خوشخبری دے دو جو کل باتوں کو سنتے ہیں اور اس میں جو اچھی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں یہی وہ ہیں جن کی خدا نے ہدایت کی ہے اور یہی لوگ عقلمند ہیں سورۂ سجدہ کی آیت ۲۲ ہے۔ ومن اظلم من ذکر بآیات ربہ ثم اعرض عنھا انا من المجرمین منتقمون ؕ یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اپنے پروردگار کی آیتیں یاد دلانے پر ان سے منہ پھیرے ہم گنہگاروں سے ضرور انتقام لینگے۔

سورۂ انعام کی آیت ۲۷ میں حق تعالیٰ یہ بھی واضح فرما دیتا ہے کہ قیامت کے دن پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ولو تریٰ اذ وقفوا علی النار فقالوا یا لیتنا نرد ولا نکذب بآیات ربنا ونکون من المومنین یعنی اگر تم لوگوں کو اس وقت دیکھو تو پاؤ گے کہ جب جہنم پر لاکھڑا کئے جائینگے اسے دیکھکر کہیں گے اے کاش پھر دُنیا میں لوٹا دیئے جاتے اور اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلاتے اور مومنین سے ہوتے۔ سورۂ فرقان کی آیت ۲۷ تا ۲۹ میں تو بہت ہی کھول کر بیان فرماتا ہے کہ ویوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یا ویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جاءنی ؕ یعنی اور جس دن (روز قیامت) غلط راہ چلنے والا اپنے ہاتھ (مارے افسوس کے) کاٹنے لگے گا اور کہے گا کاش میں رسول کا بتایا ہوا راستہ پکڑتا ہائے افسوس کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ سمجھ لیتا۔ بیشک اس نے ہمارے پاس نصیحت آجانے کے بعد بھی مجھے بہکا دیا۔ سورۂ نحل کی آیت ۲۵ ہے۔ لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیامۃ ومن اوزار الذین یضلونھم بغیر علم ؕ یعنی تاکہ قیامت کے روز اپنے (گناہوں) کے پورے بوجھ اور جن لوگوں کو انہوں نے بے علمی کی وجہ سے گمراہ کیا ہے ان کے (گناہوں کے) بوجھ بھی ان کو اٹھانا پڑے۔ سورۂ بقر کی آیت ۱۶۶ و ۱۶۷ میں فرماتا ہے۔ اذ تبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بھم الاسباب وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرۃ فنتبرا منھم کما تبرءوا منا ؕ یعنی جب (جھوٹے) پیشوا لوگ اپنے پیروؤں سے تبرا کرینگے اور بچشم خود عذاب دیکھینگے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائینگے اور پیرو کہنے لگیں گے۔ اگر ہمیں پھر دُنیا میں ایک مرتبہ پلٹنا ملے تو ہم بھی ان سے اسی طرح تبرا کرینگے جس طرح یہ لوگ ہم سے (اب) تبرا کرتے ہیں۔

ان تمام تنبیہوں کے بعد بھی جو نہ سنبھلے تو اللہ تعالیٰ بدرجۂ آخر ایسے اشخاص پر سورہ بقر کی آیت ۱۵۹ میں لعنت بھیجتا ہے اور پھر یہ بھی فرماتا ہے کہ اور بھی جو لعنت کرنے والے لوگ ہیں وہ بھی ان غلط راستہ چلنے والوں پر لعنت بھیجا کرتے ہیں۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بینہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون ؕ ترجمہ۔ بیشک جو لوگ (ہماری) ان روشن دلیلوں اور ہدایتوں کو جنھیں ہم نے نازل کیا،

اس کے بعد چھپاتے ہیں جب کہ ہم کتاب میں لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر چکے تو یہی لوگ ہیں جن پر خدا لعنت کرتا ہے اور (دیگر) لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ سورۂ آل عمران آیت ۸۷ میں فرماتا ہے۔ اولئک جزاءھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین ؕ یعنی وہ لوگ ہیں جن کے کئے کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں۔ سورۂ بقر کی آیت ۴۲ میں یہی فرماتا ہے کہ حق بات اگر سمجھ میں آگئی تو پھر اسے چھپاؤ مت۔ ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون ؕ ترجمہ :- اور حق کو باطل کا لباس نہ دیدو اور جان چکنے کے بعد بھی حق بات کو نہ چھپاؤ۔ سورۂ انشقاق کی آیت ۱۶ تا ۱۹ میں فرماتا ہے۔ فلا اقسم بالشفق واللیل وما وسق والقمر اذا اتسق لترکبن طبقا عن طبق ؕ یعنی شام کی سُرخی کی قسم اور رات کی اور ان چیزوں کی جنھیں یہ ڈھانک لیتی ہے اور چاند کی جب پورا ہو جائے تم لوگ ضرور اگلوں کے قدم بقدم چلوگے۔

تفسیر معالم التنزیل میں علامہ بغوی روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خُدا نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اگلوں کے راستوں پر چلوگے بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں گئے تو تم بھی چلوگے اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول خُدا نے واضح تنبیہ متذکرہ صدر آیات واحادیث میں دیدی ہے کہ آنکھ بند کرکے اگلوں کی پیروی نہ کرتے چلے جانا اور محض پڑھی ہوئی چیزوں پر عمل نہ کرنا۔ سورۂ تحریم کی آیت ۶ میں رب العزت کا ارشاد ہے کہ ہر شخص کا نہ صرف یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو درست کرے اور دوزخ کی آگ سے بچائے بلکہ ہر صدر خاندان کا فرض ہے کہ اپنے اہل خاندان کو بھی صحیح راستہ دکھائے۔ یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا وقودھا الناس والحجارۃ۔ سورۂ انعام کی آیت ۷۰ ہے۔ وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا وغرتھم الحیوۃ الدنیا وذکر بہ ان تبسل نفس بما کسبت لیس لھا من دون اللہ ولی ولا شفیع۔ یعنی۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ کے برابر سمجھا ہے اور دُنیا کی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ایسے لوگوں کو چھوڑو اور قرآن کے ذریعہ انکو نصیحت کرتے رہو (ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص اپنے کرتوت کی بدولت مبتلائے بلا ہو جائے۔ (کیونکہ اس وقت تو) خدا کے سوا اس کا نہ کوئی سرپرست ہوگا نہ سفارش کرنے والا۔

اے برادران اسلامی یہ کس قدر سوچنے کا مقام ہے۔ ہم میں سے ہر ایک تہتّر میں سے کسی نہ کسی ایک فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ چونک پڑنے کا مقام ہے کہ اس میں کے بہتّر فرقے دوزخی اور صرف ایک فرقہ جنتی ہے۔ کیا خاموش رہنے سے کام چل جائے گا۔ خطرہ کی گھنٹی بج چکی۔ سوچ کا مقام تو پورے تہتّر فرقوں کے لئے ہے اور مقتضائے عقل تو یہ ہے کہ اس ایک جنتی فرقہ کی تلاش وتعین میں تن من دھن کی بازی لگا دی جائے۔ قبل اس کے کہ موت آپہنچے۔ غور و فکر کرنے سے نقصان تو کسی کو نہ پہنچیگا جو فرقہ پہلے سے راہ حق پر ہے وہ معلومات حاصل کرنے کے بعد اپنے ایمان و یقین میں اور مستحکم ہو سکے گا۔ اور جو ۷۲ غلط راستہ پر ہیں وہ راہ راست پر آسکیں گے۔ جب تک یقین واثق نہ ہو محض ظن و گمان پر عمل کرنا بے نتیجہ ہے۔

سورۂ یونس کی آیت ۳۶ میں ارشاد ہے۔ وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ یعنی ان میں سے اکثر تو بس اپنے گمان پر چلتے ہیں (حالانکہ) گمان حق (کے یقین) کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آسکتا۔ رحمتِ خدا ہمیشہ اپنی طرف بلاتی ہے۔ خلوصِ دل خوفِ خدا اور کوشش شرط ہے۔ چنانچہ سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۰ میں ارشاد ہے۔ وما اختلفتم فیہ من شئی فحکمہ الی اللہ ذالکم اللہ ربی علیہ توکلت والیہ انیب۔ یعنی تم لوگ جس چیز میں باہم اختلاف رکھتے ہو اسکا فیصلہ خدا ہی کے حوالہ ہے۔ وہی خدا میرا پروردگار ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ پھر اسی سورہ کی آیت ۸ میں ارشاد ہے۔ ویھدی الیہ من انیب۔ یعنی اور جو اس کی طرف رجوع کرے اپنی طرف (پہنچنے کا) راستہ دکھادیتا ہے۔ سورۂ عنکبوت آیت ۶۹ میں ارشاد خداوندی ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مشقت اٹھاتے ہیں، ہم اُن کو اپنا راستہ ضرور دکھادینگے۔

اِس موقعہ پر ہم ایک قابلِ احترام مفکر ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی کے مقالہ "اسلام اور بنی اُمیّہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کی چند سطور نقل کرتے ہیں۔ صفحہ ۶ پر ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں "سوادِ اعظم کے علماء تو بہرحال کچھ نہ کچھ جانتے ہوئے بھی کسی مصلحت سے خاموش رہتے ہیں اور اگر خاموش نہیں رہ سکتے تو سب کچھ جان کر بھی دُنیا طلبی ہی کی غرض سے اپنی غلط روش پر قائم رہتے ہیں اور دوسروں کو زبردستی گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ اِس طرح وہ اپنی پشتینی دوکانوں کو توڑنا نہیں چاہتے جو اُن کے رزق و جاہ کا ذریعہ ہیں۔ اُموی دورِ حکومت میں ان سب کو حسبِ حیثیت کوٹہ ملتا تھا لیکن اب تو اپنی نیا خود اُنھیں کھینی پڑتی ہے۔ ان دنیا پرست مولویوں کی وجہ سے وجہ سے کلمہ گو صدیوں سے ایک بڑی مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات حق ہے اور کیا ناحق۔ اس میں شک نہیں کہ بیچارے مسلمان بڑے بھولے پن سے کہدیتے ہیں کہ سب اچھے تھے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور صحابہ کو مثل آلِ محمد صلعم سمجھتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اکثر کٹر قسم کے اُمیہ پرست مولویوں کے پیرو تو رسول اللہ کو بھی معصوم نہیں سمجھتے مگر صحابہ کو معصوم جانتے ہیں انہیں سے اکثر کے ذہن صاف نہیں ہیں۔ دل میں چور ہے۔ زبان پر کلمۂ توحید محض رسماً ہے۔ عقیدہ درست نہیں ہے۔ عمل سے بھی کوسوں دوری ہے۔ رسم و رواج اور معاشرہ کی انتہائی خراب صورتِ حال کو ہی یہ مذہب سمجھ بیٹھے ہیں دل میں خُدا کا نور تو درکنار سیاہ قسم کے دھوئیں کے بادلوں کی موٹی تہیں جم گئی ہیں ان کی اکثریت کا یہی حال ہے۔ چند ہی ہیں جو سچائی کی تلاش کا جذبہ رکھتے ہیں مگر اُن کی نظر میں بچکانہ پن اور غیر پختگی ہے۔ ہر چرب زبان اور سیاہ کار قاری کی قرات کو تلاوتِ قرآن اور ہر جھوٹی روایت کو حدیثِ رسول سمجھتے ہیں۔ گویا۔ کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنے خیالات و نظریات میں بڑی طرح محصور ہیں اور اسی کو دین اسلام سمجھتے ہیں۔ مُسلمان از خود کسی نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر رہیں گے اور اپنے اپنے مولویوں کے پجاری بنے رہینگے۔ اس مسئلہ کو صاف کرنے کی غرض سے بالکل بے لاگ بات کرنا پڑے گی اور گروہ بندی کی دھجیاں اڑانی پڑینگی۔

حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور ارشاد میں نہ صرف اس تنبیہ کو واضح فرمایا بلکہ اس امر کی طرف بھی توجہ معطوف کرائی کہ ہر شخص کے لئے اپنے زمانہ کے امام کا تعارف حاصل کرنا لازمی ہے۔ ورنہ جاہلیت یعنی کفر کی موت نصیب ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔ یعنی جو شخص کہ مرگیا اور اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ کفر کی موت مرا (ملاحظہ ہو شرح عقائد نسفی ص۹۲ ونفحات الاہوت ابوالحسن علی بن العالی وہدایت الامۃ الی احکام الائمہ علامہ محمد بن الحسن والفوائد المدینہ محمد امین بن محمد شریف وجمع بین الصحیحین للحمیدی فی ذکر الامامت وشرح مقاصد علامہ سعد الدین تفتہ زانی ص۲۴۵ و منصب امامت مصنفہ اسمٰعیل شہید ص۸) کنز العمال جلد ص۳ مطبوعہ ۱۳۱۲ھ کے صفحات ۲۰۵۲ و ۲۰۵۸ پر اسی کی ہم معنی حدیثیں بالفاظ ذیل درج ہیں۔ من مات ولست علیہ طاعتہ مات میتتہ جاھلیتہ من مات بغیر امام مات میت جاھلیۃ۔ صحیح مسلم مطبوعہ مصر ۱۲۱۰ھ جلد ۲ ص۸۹ پر اس طرح درج ہے من مات ولیس فی عنقتہ بیعتہ مات میتہ جاھلیۃ۔ مولانا عبدالرحمٰن چشتی اپنی کتاب آئینہ مداری (سوانح حیات حضرت بدیع الدین شاہ مدار نسخہ قلمی ۱۰۶۲ھ کتب خانہ سالار جنگ) میں اس حدیث کو پورے متذکرہ بالا الفاظ یعنی من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ کے ساتھ بحوالہ مشکواۃ المصابیح درج کرتے ہیں۔

اس حدیث کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے۔ سب سے پہلی بات جو اس ارشاد رسول سے ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ ہر زمانہ کا ایک امام ہوتا ہے (یعنی آج بھی موجود ہے) امام کون ہو سکتا ہے اور کون ہے اس کی بحث علٰحدہ ہے دوسرا امر جو اس ارشاد کا جزو ہے یہ ہے کہ ہر فرد بشر پر لازم ہے کہ اپنے زمانہ کے امام کو پہنچانے اور اس کی متابعت کرے۔ اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچاننے کا خمیازہ بھی اس ارشاد میں واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو پہچانے بغیر مرجائے وہ جاہلیت اور گمراہی کی موت مرتا ہے۔ یعنی اس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔ حضرت رسول خدا کا حسب ذیل ارشاد بھی متذکرہ صدر حدیث کا ہم معنی ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ باوجود نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے اور حج وعمرہ کرنے کے بھی منافق ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ آنحضرت نے جواب دیا کہ یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ اپنے امام کو نہیں مانتے۔ ان ارشادات رسول کی تائید وتصدیق اس ارشاد خداوندی سے ہوتی ہے جو سورۂ بنی اسرائیل کی آیۃ ۷۱ میں ہے۔ یوم ندعو کل اناس بامامھم (یعنی اس دن (روز قیامت) کو یاد کرو جب تمام لوگ اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائے جائینگے) اس ضمن میں سورۂ نحل کی آیت ۸۹ بھی قابل غور ہے۔ ویوم نبعث فی کل امتہ شھیدا علیھم من انفسھم وجئنابک شھیدا علی ھؤلاء ع یعنی وہ دن جب

ہم ہر امت میں انہیں سے ایک گواہ ان پر لادینگے اور (اے رسول) تمکوان گواہوں پر گواہ کرینگے) اس آیت میں یہ واضح ہے کہ حضرت رسولِ خدا اُمتوں کے گواہ نہیں ہیں بلکہ آپ ان تمام گواہوں پر گواہ ہیں۔ جو ہر امت کیلئے گواہ مقرر کیے گئے ہیں۔ اِس طرح ہر اُمت کا اور ہر زمانہ میں ایک گواہ ہونا لازمی ہوا۔ یہ گواہ کوئی معمولی شخص تو ہو نہیں سکتا بلکہ ایسا شخص ہوگا جو ہر ایک کے ایمان وکفر کی حقیقت جانتا ہو۔ جسکو علم لدنی حاصل ہو وہی اپنے زمانہ کی امت کے اعمال کا گواہ ہوسکتا ہے اور ایسا علم لدنی رکھنے والا امام وقت ہی ہوتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں یہ مطلب اور بھی واضح ہوگیا ہے۔ وکذالک جعلنکم امۃً وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ یعنی اور اس طرح تمکو درمیانی گروہ بنایا ہے تاکہ اور لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ بنو اور رسول تمہارے مقابلہ میں گواہ بنیں۔ اِس آیت کا بھی وہی مطلب کسی قدر اضافہ کے ساتھ ہے کہ ایک گروہ ایسا ہے جس کی فردوں کو تمام لوگوں کے مقابلہ میں گواہ مقرر کیا گیا ہے اور پھر ان گواہوں پر حضرت رسول گواہ ہیں۔ اِس طرح ہر زمانہ میں ایسے گواہ کا وجود ضروری ہوا جو لوگوں کے ایمان وعمل کا شاہد ہو۔ اور جیساکہ اوپر ذکر ہوا سب لوگوں کے مقابلہ میں ایسا گواہ بغیر حامل علم لدنی ہونے کے نہیں ہوسکتا۔ سورۂ انبیاء کی آیت ۷۳ ہے۔ وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ یعنی ہم نے ان کو امام بنایا ہے ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں

سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۰ ہے۔ کنتم خیر امت اخرجت للناس تامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر۔ یعنی تم کیا اچھے گروہ ہو کہ لوگوں کی ہدایت کیلئے پیدا کئے گئے ہو۔ تم اچھے کام کا حکم کرتے ہو۔ اور بُرے کاموں سے روکنے ہو) اس آیت سے یہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ صفات عالیہ کا ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور وہ اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے روکتا ہے۔ یہاں یہ امر ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ ایسے گروہ میں ایسا حاکم یا مجتہد داخل نہیں ہوسکتا جو بری از خطا نہ ہو۔ جو شخص خود خطا کرے خواہ وہ خطائے اجتہادی ہو یا کسی طرح کی جس کی رائے میں خطا کا احتمال موجود ہو اللہ تعالیٰ اسکو اس گروہ کی فرد نہ بنائے گا جو خاص ہدایت کے لئے پیدا کیا گیا ہو۔ کیونکہ جس کی رائے میں خطا کا احتمال ہو وہ خطا کا حکم یہ سمجھکر دے سکتا ہے کہ یہی صواب ہے۔ ایسے شخص پر تامرون بالمعروف وینھون عن المنکر کی تعریف صادق نہیں آسکتی وہ ع کو خویشتن گم است کرا رہبری کند کا مصداق ہوگا۔ یہ امر عقل میں نہیں آسکتا کہ خدائے تعالیٰ خطا کاروں کو ہدایت خلق کا منصب سپرد فرمائے۔ پیغمبروں کا بری از خطا ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ خدائے تعالیٰ جس کو ہدایت کا منصب عطا فرماتا ہے۔ اس کو بری از خطا رکھتا ہے۔

اسی سورہ کی آیت ۱۰۴ ہے۔ ولتکن منکم امتہ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ یعنی لوگوں میں ایک گروہ ایسا بھی رکھا جاتا ہے جو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے روکتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی ایسا رکھا جاتا ہے۔

کلمۃ الحق
جو نیکی کی طرف لوگوں کو بلاتا رہے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے روکے۔ ایسا منصب ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور ہر شخص یہ کام نہ تو اپنے ذمہ لے سکتا ہے اور نہ وہ اس کا اہل ہو سکتا ہے۔ حدیث محولہ (من مات ولم یعرف ...... الخ) اور آیات متذکرہ صدر کی روشنی میں ہر شخص کے لئے یہ لازمی ہوا کہ وہ اپنے زمانہ کے امام کو پہچانے جس کے ساتھ اسے روز قیامت بارگاہ ایزدی میں حاضر ہونا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ہر زمانہ میں ایک امام ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کیلئے مامور فرماتا ہے اور جو معصوم اور بری از خطا ہوتا ہے اور جو نیکی کی طرف دعوت دیتا ہے اور اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے منع کرتا ہے اور پھر وہ اس امّت کے اعمال کا گواہ روز قیامت ہوتا ہے اب دیکھنا پڑے گا کہ حضرت رسول کے انتقال کے بعد سے وہ گروہ اور وہ امام کون ہیں اور فرمودہ رسول اور ارشادات خداوندی اس سلسلہ میں کیا ہیں۔

حدیث خلفائے اثنا عشر

اس ضمن میں سب سے پہلے حدیث خلفائے اثنا عشر کی طرف نظر جاتی ہے جو بجز آخری ایک لفظ کے جو ہمارے اس وقت کے موضوع کے اعتبار سے کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ باقی حدیث کتب شیعہ و اہل سنت دونوں میں موجود ہے سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں اس حدیث کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے۔ یکونون من بعدی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من بنی ھاشم۔ صحیح بخاری باب ۲۹ صـ۶۲۳ صحیح مسلم جلد ۲ صـ۱۱۹ جامع ترمذی صـ۲۶۹ ونودی سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ۲۱ کی عبارت یہ ہے۔ عن جابر ابن سمرۃ دخلت مع ابی علی النبی بسمعتہ یقول۔ ان ھذا الامر لا ینقضی حتی یمضا فیھم اثنا عشر خلیفۃ قال ثم تکلم بکلام خفی علی قال فقلت لابی ما قال قال کلھم من قریش۔ ترجمہ: جابر ابن سمرہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن اپنے باپ کے ساتھ خدمت رسول اللہ میں گیا۔ میں نے سنا پیغمبر خدا فرماتے ہیں کہ ضرور یہ امر پورا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اس میں بارہ خلفا نہ ہو جائیں۔ جابر کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت نے ایسا کلام فرمایا جو مجھ سے پوشیدہ رہا۔ پھر میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ آنحضرت نے کیا فرمایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ رسول خدا نے فرمایا وہ سب قریش سے ہونگے۔ یہی یہی حدیث کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ اس طرح بھی بیان ہوئی ہے۔ لا یزال امر الاسلام قائماً حتی تقوم الساعۃ ویکون فیہ اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔ ایک اور روایت میں بجائے امر الاسلام کے ھذا الامر کے الفاظ آئے ہیں۔ مسند احمد ابن حنبل جلد ۵ صـ۹۸ پر یہ حدیث اس طرح درج ہے۔ ان ھذا الدین لن یزال ظاھراً علی من ناواہ لا یضرہ مخالف ولا معارق حتی المضی من امتی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔ منتخب کنز العمال جلد ۵ صـ۳۱۱ پر دو طریقوں سے اس حدیث کو درج کیا ہے (۱) یکونون من بعدی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش دوسرے اس طرح (۲) یکون من بعدی اثنا عشر امیراً من قریش۔

ابوالقاسم لبغوی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت رسول خدا سے سُنا کہ میرے پیچھے بارہ خلفاء ہوں گے احمد اور بزار نے بیان کیا ہے کہ ابن مسعود سے پوچھا گیا کہ اس امت کے کتنے خلفاء ہونگے۔ ابن مسعود نے کہا کہ میں نے حضرت رسول خدا سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا بارہ جتنے بنی اسرائیل کے نقیب تھے (نیز ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۴ صا۵۰۱) ان تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ رسولِ خدا کے بارہ خلیفہ ہوں گے۔ جب یہ امر مسلمہ ہے تو ہر صاحبِ ایمان کا فرض ہے کہ پہچانے کہ رسولِ خدا کے وہ بارہ خلفائے برحق کون ہیں اور جب بمصداق آیت یوم ندعو کل اناس بامامھم ہر زمانہ میں ایک امام کا ہونا ضروری ہے جس کے پیچھے اس زمانہ کے لوگ روزِ قیامت بلائے جائینگے تو یہ تعین بھی ضروری ہوا کہ رسول اللہ کا وہ کونسا خلیفہ برحق ہے جو آج بھی موجود ہے اور منصب خلافت پر قائم ہے اور اگر باعتبار سلسلہ وہ بارھواں خلیفہ ہو تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ تا قیامت وہ زندہ اور قائم رہے گا۔ تاکہ زمانہ حجت خدا سے خالی نہ رہے اور تمام موجودہ اور اب سے آئندہ آنیوالے لوگوں کے لئے بھی ان کے زمانہ کا امام موجود رہے جوان پر گواہ ہو اور اس کے پیچھے وہ روزِ قیامت بارگاہ خداوندی میں بلائے جانے والے ہیں۔ اس طرح اب معاملہ اور بھی مختصر ہو گیا جب کہ یہ مسلمہ ہو چکا کہ رسول کے بارہ خلفاء ہیں سوال صرف یہ باقی رہ گیا کہ یہ کونسے بارہ خلفائے برحق ہیں ان کا تعین کر لیا جائے۔ جب ان بارہ خلفائے برحق کا تعین کرکے ان میں سے یہ دیکھ لیا جائے کہ اب ہمارے زمانہ کا امام کون ہے اور اس کا تعارف حاصل کر لیا جائے تو گویا ہمارا مسئلہ پورا حل ہو گیا اور اس طرح جب امام زمانہ کا تعارف حاصل کرکے اس جاہلیت و گمراہی سے نکل آئے جس کا ذکر متذکرہ سابق متفق علیہ حدیث میں ہے تو روزِ قیامت اپنے حقیقی امام کے ساتھ دربار ایزدی میں جانے کی صورت بھی حسب ارشاد باری تعالیٰ "یوم ندعو کل اناس بامامھم" نکل آئی۔ لہذا سارا دارومدار اس نکتہ کی تحقیق پر قائم ہو گیا کہ رسول اللہ کے بارہ خلفائے برحق کون ہیں اس غرض کے لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ خلافت کیا ہے اور اس کے متعلق ارشادات خداوندی اور فرمودہ رسول کیا ہے اور خلافت کے لئے کیا شرائط ہیں اور حامل خلافت کے لئے کیا صفات ضروری ہیں۔ اس کے بعد یہ دیکھنا ہوگا کہ کن کن لوگوں کو ان بارہ خلفائے رسول میں سے ہونے کا خود دعویٰ ہے اور کون کون ان بارہ کی فہرست میں گنے جاتے ہیں۔ سہولت کی خاطر ہم اس بحث کو چار عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) خلافت کیا ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے (۲) خلافت کے لئے کن شرائط و صفات کی ضرورت ہے۔

(۳) خلافتِ رسول کا دعویٰ کون کون سے بارہ اشخاص کو ہے۔ بالفاظ دیگر مختلف فرقہ جات اسلام میں بارہ خلفاء کون سے ہیں۔ (۴) جن جن لوگوں کے نام ان بارہ خلفاء کی فہرست میں لئے جاتے ہیں۔ ان کے ذاتی صفات کیا ہیں اور کیا وہ شرائط خلافت کی تکمیل کرتے ہیں یا نہیں اور آیاتِ قرآنی اور فرمودہ رسول ان کے متعلق کیا ہیں۔ جب ان سب کسوٹیوں پر جانچ کر ہم بارہ ناموں کا تعین کرینگے تو وہی بارہ خلفا یا ائمہ برحق قرار پائینگے۔ ان عنوانات پر ہم ابواب مابعد میں اپنے اپنے موقعہ پر غور کرینگے۔

قرآن وحدیث کی رو سے خلافت و امامت ایک ہی منصب کے نام ہیں

خلافت و امامت کے متعلق آیات کا ذکر کرنے سے قبل یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ناظرین آیاتِ قرآنی واحادیث (باب سوم وچہارم کتاب ہذا) کے مطالعہ کے وقت یہ خود دیکھ لینگے کہ الفاظ خلیفہ اور امام ایک ہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت سے ذکر فرمایا ہے تو وہاں خلیفہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جیسے "انی جاعل فی الارض خلیفہ یا ۔ یا داؤد جعلنٰک خلیفۃ فی الارض ۔ (یعنی میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں یا اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور جہاں امت اور لوگوں کی نسبت سے ذکر فرمایا ہے تو "لوگوں کے امام" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جیسے اِنی جاعِلك للنَّاسِ اماماً (یعنی اے ابراہیم) میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں) اسی طرح وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا ۔ یا ۔ تکن منکم ائمۃ کے الفاظ آئے ہیں جہاں لوگوں کے تعلق سے ہدایت کیلئے منصب امامت کو دکھانا مقصود ہے اسی طرح احادیث میں حضرت رسولؐ نے بعض مقامات پر حضرت علی علیہ السّلام "امام حسنؑ" امام حسینؑ تا محمد مہدی صاحب عصر علیہ السلام کو اپنے بارہ خلفا فرمایا (ملاحظہ ہو حدیث سلسلہ نمبر ۱ و ۲ و ۴ وغیرہ باب چہارم) اور دیگر مقامات پر اپنے انہیں خلفائے اہل بیت کو ائمہ سے تعبیر فرمایا (ملاحظہ ہو حدیث سلسلہ نمبر ۳ وغیرہ باب چہارم بہرحال یہ امر واضح ہے کہ باعتبار قرآن وفرمودہ رسول خلیفہ اور امام ہم معنی الفاظ ہیں۔ تیسرا البخاری پارہ ۲۹ کتاب احکام صفحہ پر بھی یہ حدیث درج ہے کہ بارہ خلیفہ یا بارہ امام ایک ہی ہیں۔ اس طرح ائمہ اطہار نے جب اپنے بعد والے خلیفہ کا ذکر کیا تو یہی فرمایا کہ خلیفہ ہمارا اور تمہارا امام جیسا کہ شاہ سلیمان بلخی حنفی اپنی مشہور کتاب ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں کہ " ابوالقاسم جو آپ (امام حسن عسکری علیہ السّلام) کا خادم تھا کہتا ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کو جب اللہ نے فرزند عطا فرمایا تو آپ نے اس کا نام محمد رکھا اور ولادت کے تین دن بعد اس کو باہر لائے اور اپنے اصحاب کو دکھایا اور فرمایا کہ میرے بعد تمہارا امام اور ہمارا خلیفہ یہی ہے اور یہی وہ قائم آل محمد ہے جس کا تم گردنیں اٹھائے انتظام کرتے رہوگے اور زمین جب ظلم وجور سے بھر جائے گی تو یہ عدل وانصاف سے پُر کر دیگا۔"

جب یہ طے پا چکا کہ خلافت اور امامت ایک ہی چیز ہے اور یہ ایک ہی منصب کے دو نام ہیں تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا خلیفہ یا امام بھی رسول کی طرح اللہ تعالیٰ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے یا عامۃ الناس کا منتخب یا مامور کیا ہوا۔ سب سے پہلی آیت جو اس ضمن میں ہم کو قرآن پاک میں ملتی ہے وہ سورۂ بقر کی آیت ۳۰ ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں (اپنا) ایک نائب زمین پر بنانے والا ہوں۔ اس ضمن میں آیت متذکرۂ صدر کے کچھ اور اجزا اور نیز سورۂ صٓ کی آیات ۱۷ و ۲۶، جس کی بالکل ہم معنی سورۂ الحجر کی آیات ۲۸ و ۲۹ ہیں قابل غور ہیں۔ سورۂ بقر کی آیت ۳۰ ہے۔ واذ قال ربك للملٰئکۃ انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ " قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس

لک قالَ اِنی اعلم ما لا تعلمون (ترجمہ) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں (اپنا) نائب زمین پر بنانے والا ہوں تو (فرشتے) کہنے لگے کیا زمین میں ایسے شخص کو پیدا کریگا جو زمین میں فساد اور خونریزیاں کرتا پھرے حالانکہ ہم تیری تعریف سے تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی ثابت کرتے ہیں۔ تب خدا نے فرمایا بیشک جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ سورہ صٓ کی آیات ۷۱ و ۷۲ ہیں:- اذ قال ربک للملئکۃ انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس (ترجمہ) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں آدمی گیلی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں تو جس وقت میں اس کو ہر طرح درست کر چکوں اور اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونک دوں تو سب کے سب اُس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا غرض فرشتے تو سربسجود ہوگئے۔ بجز ابلیس کے۔

سب سے اہم نکتہ جو ان آیات سے واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس غرض کے لئے اس نے حضرت آدم کو خلق کیا۔ ایسا نہیں تھا کہ حضرت آدم پیدا کئے جا چکے ہوں اور اس کے بعد خلیفہ مقرر کرنے کا سوال پیدا ہوا ہو۔ سورہ بقر کی آیت ۳۰ اس منزل سے متعلق ہے جب کہ حضرت آدم خلق نہیں ہوئے تھے۔ اِس نوبت پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ مقرر کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو فرشتوں نے اپنا استحقاق پیش کیا اور اپنے میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کرنے کی اجتماعی خواہش پیش کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کہکر خاموش کر دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اِس کے بعد کی منزل سے سورہ صٓ کی آیات ۷۱ و ۷۲ متعلق ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا کہ انی خالق بشرا یعنی میں ایک انسان (حضرت آدم) کو خلق کرنے والا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ جب میں آدم کی تخلیق کر چکوں اور سنوار کر اپنی طرف سے روح اس میں ڈال چکوں تو تم سب کے سب ان کو سجدہ کرنا۔ لہٰذا سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کا یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کو تھا کیونکہ آدم کی خلقت کی غایت ہی یہ تھی کہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوں اور شیطان کا انکار کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کو ماننے اور اس کی تعظیم کرنے سے انکار تھا کیونکہ شیطان نے حجت یہ پیش کی کہ آدم کو تو مٹی سے بنایا اور میں آگ سے خلق ہوا ہوں لہٰذا میں ان سے بہتر ہوں اور اس بات کا مستحق تھا کہ میں خلیفہ بنایا جاتا۔ حضرت آدم جب خلیفہ بنائے گئے تو نوع بشر میں کوئی موجود نہ تھا۔ وہ کسی قوم لاکھ دس لاکھ پر حاکم بھی نہ تھے۔ وہ کسی کے بیٹے بھی نہ تھے بلکہ خود ابوالبشر تھے۔ لازماً وہ خدا ہی کے خلیفہ تھے۔ خلیفۂ خدا ہر حالت میں خدا کا خلیفہ ہے۔ خواہ اُسے کوئی مانے یا نہ مانے اور اس کی اطاعت کرے یا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی خلافت وہ منصب ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی عطا کر سکتا ہے۔ خلافت کا معیار یہ نہیں ہے کہ لوگ اسکو خلیفہ مان رہے ہیں یا نہیں بلکہ معیار یہ ہے کہ خلافت کی شرائط کو وہ پورا کرتا ہے یا نہیں۔ بہت سے لوگ تو اللہ کا حکم نہیں مانتے اور بہت سے لا مذہب تو اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں مانتے مگر ان کے نہ ماننے سے خدا کی خدائیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جس طرح خدا صاحب حکم و اقتدار ہے اسی طرح اس کا خلیفہ بھی ہے۔

سورۂ انبیاء کی آیت ۷۹ میں ہے: وکلا آتینا ہ حکمًا و علمًا (یعنی ہر ایک نبی) کو ہم نے حکم و علم عطا کیا ہے۔ حضرت یوسف کیلئے آتیناہ حکمًا و علمًا اور حضرت لوط کیلئے ولوطًا آتیناہ حکمًا و علمًا آیا ہے۔ پس انبیا موجودات پر ہمیشہ تصرف رکھتے ہیں اور ان کو حکم حاصل ہوتا ہے۔ خواہ کوئی اُسے محسوس کرے یا نہ کرے۔
نبی کا کام محض تبلیغ کرنا ہی نہیں ہے بلکہ وہ بجائے خود صفات الٰہیہ کا نمونہ ہوتا ہے۔ تبلیغ کرنے کے لئے جو مامور تھے وہ رسول کہلاتے ہیں۔ تعداد میں وہ صرف ۳۱۳ تھے۔ باقی صرف نبی غیر مرسل تھے۔ اگر غرض و غایت صرف ہدایت ہو اور بجائے خود نبی کا کوئی مقام نہ ہو تو چونکہ ہدایت مخلوق کی ہے اس لئے مخلوق نبی سے افضل ہو جائیگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پیغام پہنچانے اور تبلیغ کے سوال سے قطع نظر ہر نبی کو اپنی صفات جمالیہ و کمالیہ کا نمونہ (بہ فرق مراتب) قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے لئے ارشاد ہے واصطنعتك لنفسی (اے موسیٰ میں نے تجھکو اپنے واسطے بنایا ہے) نیز ارشاد حضرت رسولؐ ہے۔ ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہٖ یعنی بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا۔ انجیل میں بھی اسی قسم کا ارشاد الٰہی موجود ہے۔ God made man in His own image

خلافت توارث صفات کا نام ہے اور خلیفہ اپنے متخلف کا آئینہ ہوتا ہے جب تک کوئی شخص اپنے متخلف کے اوصاف سے متصف نہ ہو اس کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ بیٹا بھی باپ کے صفات سے متصف ہونے پر خلف کہلاتا ہے ورنہ ناخلف کہلاتا ہے۔ حضرت رسول اللہ تعالیٰ کے صفات کا مکمل نمونہ تھے۔ ان کے خلیفہ میں بھی وہی صفات ہونے چاہئیں۔ خدا خیر مطلق ہے اور کوئی شر اس سے صادر نہیں ہوتا۔ اسی طرح خدا کا خلیفہ بھی معصوم ہوتا ہے اور کسی قسم کا ظلم اس سے صادر نہیں ہوتا۔ شرک تو ظلم جلی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کسی حال میں بھی شرک کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ چونکہ خلیفہ خدا کی روح، روح خاص ہے جو خدا کی طرف منسوب ہے اور جن وانس وملائکہ سے افضل ہے اور اُن سے مافوق ہے اس لئے شیاطین اس پر مسلط نہیں ہو سکتے اور معصیت پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کوئی ماتحت شئے اپنے مافوق پر غالب نہیں ہو سکتی اس لئے اُن سے معاصی صادر نہیں ہو سکتے جو ظلم خفی ہیں۔ پس خلیفہ خدا ظلم جلی وخفی دونوں سے مبرا و منزا ہوتا ہے اور یہی معنی عصمت کے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ سے اپنی ذریت کے لئے امامت کی استدعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس شرط کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ لاینال عهدی الظالمین ۵ یعنی کسی ظالم کو امامت نہ مل سکے گی۔ پس واضح ہوا کہ نبی وخلیفۃ اللہ اول سے لیکر آخر تک معصوم اور اپنی عمر کے ہر حصہ میں ہر ایک گناہ سے پاک ہوتا ہے۔

متذکرہ صدر آیات قرآنی کے مطالب اور ان کے مضمرات بہت سارے اہم پہلو رکھتے ہیں۔ یعنی خلافت کی اس قدر اہمیت ہے کہ محض خلیفہ بنانے کے لئے حضرت آدم کی خلقت عمل میں آئی۔ منصب خلافت پہلے قرار دیا گیا اور اس کا حامل بعد میں پیدا کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ خلافت جو زمین پر کسی رسول یا امام کو حاصل ہو وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا خلیفہ خود قرار دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ فرشتوں کی اجتماعی خواہش بھی خلافت کے معاملہ میں

کوئی وزن نہیں رکھتی۔ حالانکہ پورے معصوم فرشتوں نے جنہیں اس وقت تک شیطان بھی شامل تھا بلکہ معلم الملکوت کہلاتا تھا آپس میں اجماع کر کے خواہش پیش کی تھی۔ معلوم ہوا کہ خلافت کے لئے اجماع کوئی چیز نہیں ہے۔ چوتھا امر یہ ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے علم دیکر اور فرشتوں کا امتحان لیکر جس میں وہ ناکام ہوئے یہ بتایا کہ میں جس کو خلیفہ بناتا ہوں اس کو وہ علم دیتا ہوں جو فرشتوں کو بھی حاصل نہ ہو۔ گویا خلیفہ ہونے کے لئے علم کی شرط لازمی ہے۔ کوئی بے علم خلیفہ بننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ پانچویں یہ کہ خلافت الٰہیہ وہ منصبِ جلیلہ اور نازک مقام ہے کہ اس سے کوئی انکار کردے تو وہ مثل ابلیس کے مردود اور تاقیامت راندہ درگاہ الٰہی بن جاتا ہے اور خلیفہ برحق سے انکار ایسا ہی رسوا کن انداز رکھتا ہے۔ شیطان کی پہلی نافرمانی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ برحق کو ماننے سے انکار کرنے کے ہی بارے میں ہوئی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے واضح ارشادات کو چھوڑ کر شیطان اور اُس کی اولاد کی پیروی کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے واضح تنبیہ سورۂ کہف کی آیت ۵۰ میں دیدی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی وھم لکم عدو۔ (ترجمہ) کیا تم مجھے چھوڑ کر اُس (شیطان) کو اور اُس کی اولاد کو اپنا دوست بناتے ہو۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکانے کیلئے نہ صرف شیطان بلکہ اُس کی اولاد بھی دُنیا میں موجود ہے۔

سورۂ "ص" کی آیت ۲۶ ہے یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض۔ یعنے اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں (اپنا) خلیفہ قرار دیا۔ یہ نہیں ہوا کہ حضرت داؤد خود اللہ کے خلیفہ بن گئے ہوں یا لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنایا ہو۔ یہ امر بھی مسلّمہ ہے کہ ہر نبی یا رسول کو اللہ تعالیٰ کی خلافت یا امامت کا منصب حاصل نہیں ہوا بلکہ صرف چند اولوالعزم پیغمبروں کو یہ منصب حاصل ہوا۔ جیسے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رسول بھی تھے اور امام بھی تھے۔ حضرت ابراہیم رسول بھی تھے اور امام بھی تھے۔ اِس طرح حضرت داؤد جن کا ذکر اوپر ہوا۔ جہاں ایسے نبی کی خلافت کا سوال پیش ہو جو خود اللہ کا خلیفہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نبی کے خلیفہ کی خلافت بھی بالواسطہ خلافت الٰہیہ ہوگی اور جہاں اللہ تعالیٰ کی خلافت کا سوال درپیش ہو تو یہ بدیہی امر ہے کہ اپنا خلیفہ اللہ تعالیٰ خود مقرر کرے گا۔ اور بندوں کو یہ حق نہ پہونچے گا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی نائب مقرر کردیں۔ بندے اگر کسی کو انتخاباً مامور کریں تو وہ ان کا نمائندہ ہوگا نہ کہ ان کے معبود کا خلیفہ۔ علامہ اقبال نے خلافت کے مفہوم کو مختصر الفاظ میں اس طرح ظاہر کیا ہے۔

خلافت بر مقام ما گواہی است
حرام است آنچہ بر ما بادشاہی است

ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ
خلافت حفظ ناموس الٰہی است

ایک اور مقام پر کہتے ہیں :-

ولیکن آں خلافت راہ گم کرد
کہ اول مومناں را شاہی آموخت

ایک اور آیت جو اس سلسلہ میں ہم کو ملتی ہے سورۂ بقر کی آیت ۱۲۴ ہے۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ۝

ترجمہ:۔ جب ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ (حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی) اور میری اولاد میں سے فرمایا (ہاں مگر) میرے اس عہدہ پر ظالموں میں سے کوئی فائز نہیں ہو سکتا۔ اپنی ذرّیت کے متعلق حضرت ابراہیم کی دُعا سورۂ بقر کی آیت ۱۲۸ میں بھی درج ہے ربنا و اجعلنا مُسلمین لک ومن ذُرّیتنا مسلمۃ لک (یعنی اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ (پیدا کر) جو تیرا فرمانبردار ہو۔ حضرت ابراہیم اولوالعزم پیغمبر تھے۔ خلیل خدا کا خطاب بھی مل چکا تھا نود برس کی عمر ہو چکی تھی۔ مگر باوجود اس اولوالعزمی خلت اور کبرسنی کے امامت اب تک عطاء نہیں ہوئی تھی۔ جب حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا اور اس امتحان میں پورے اُترے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو امامت سے سرفراز فرمایا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ سورۂ صٰفٰت کی آیت ۱۰۷ تا ۱۰۸ میں ارشاد فرماتا ہے۔ اِنّ ھٰذا لھو البلاء المبین وفدینٰہ بذبح عظیم وّ ترکنا علیہ فی الاخرین ؕ یعنی اس میں شک نہیں کہ یہ یقینی بڑا کھلا امتحان تھا لیکن ایک ذبح عظیم کے سبب سے ہم نے اس کا فدیہ (ایک دنبہ سے) کر دادیا۔ اور ہم نے اس کو بعد کے آنے والوں کے لئے یادگار بنا دیا۔ اس نوبت پر یہ ارشاد ہوا اِنّی جاعِلُکَ للناس اماما جس امتحان میں کامیابی عطائے امامت کا موجب ہوئی وہ ایسا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح اظہار خوشنودی فرماتا ہے۔ سلام علیٰ ابراہیم کذالِکَ نجزی المحسنین (سورۂ والصٰفٰت آیت ۱۰۹ و ۱۱۰) یعنی ابراہیمؑ پر سلام ہو نیکی کرنے والوں کا صلہ یوں ہی دیا جاتا ہے اس سے دو باتیں بالکل واضح طور پر سامنے آئیں۔ ایک تو یہ کہ منصب امامت کی عظمت و بزرگی اس سے ظاہر ہوئی کہ اولوالعزم پیغمبری و خلت کے سب درجے طے کرنے اور نود برس کی عمر ہو چکنے کے بعد جب حضرت ابراہیم ایک امتحان عظیم میں سے گزرے تب کہیں امامت کے مستحق قرار پائے۔ معلوم ہوا کہ منصب امامت کی اہمیت نبوت سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے اور اس طرح یہ ماننا پڑے گا کہ امام کا درجہ ان نبیوں سے جن کو امامت عطاء نہیں ہوئی بلند تر ہوتا ہے۔

مجموعہ یازدہ رسائل حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینی رح میں شرح برہان العاشقین کے صـ۵ پر علامہ حکیم مرزا قاسم علی بیگ صاحب لکھتے ہیں۔

"رسالت صورت نبوت است و نبوت صورت ولایت وگفتہ اند الولایۃ اعلی من النبوۃ اذ جمعا شخص واحد یعنی ولایت بہ نبوت راجع باشد ہرگاہ در شخص واحد ایں ہر دو جمع شوند یعنی ولایت آں نبی از نبوت آں نبی اعلیٰ باشد زیرا کہ نبوۃ متغیر و منقطع باشد۔ چنانچہ فرمودہ لا نبی بعدی و نہ فرمودہ لا ولی بعدی و نبوت متناہی گردد و ولایت نا متناہی است۔ دیگر آنکہ نبوت علم ظاہر است و ولایت معرفت باطن و معرفت باطن مشغول بحق باشد و شغولی بحق اعلیٰ باشد از علم ظاہر کو اشتغال بخلق دارد۔ دیگر آنکہ اللہ تعالیٰ را ولی خوانند

نبی نہ گردیدند ہو الولی الحمید- قال الامام علیہ السلام الولایت احاطت بکل شیئ واللہ من ورائہم محیط"

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۴ متذکرہ بالا کا آخری جزو بھی قابلِ غور ہے۔ جو اپنی جگہ بالکل واضح اور روشن ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے بلائے مُبین (سخت آزمائش) میں حضرت ابراہیمؑ کی کامیابی سے خوش ہو کر امامت عطا فرمائی تو ساتھ ہی حضرت ابراہیم نے سوال پیش کیا کہ کیا میری اولاد میں امامت نہیں ملے گی۔ (قال من ذریتی) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں ملیگی مگر یہ منصب ظالمین سے متعلق نہ ہوگا۔ یعنی میں نے تمہاری استدعا کو قبول کر لیا مگر میرا یہ وعدہ کسی ظالم کو امامت کا مستحق قرار نہ دے گا۔ اس سے پہلی بات تو یہ نکلی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی ذریت کو جو نسلاً در نسلاً ہمارے رسول اللہ اور ان کی ذریت ہے۔ امامت دینے کا عہد فرمایا۔ یعنی۔ ذریت حضرت رسولؐ میں امامت کا آنا عہد خداوندی اور حکم خداوندی کی بناء پر ہے۔ ہاں اگر ذریت ابراہیم یا ذریت رسول میں سے کوئی ظالم ہو تو اس کو امامت نہ ملے گی۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ اگر آلِ رسول میں ایسی ہستیاں پائی جائیں جو عدل عصمت وصفات قدسیہ سے آراستہ ہوں تو بیشک امامت ان کو اللہ تعالیٰ اپنے حسبِ وعدہ عطا فرمائیگا اور اگر ذریت ابراہیمؑ میں سے ہوتے ہوئے بھی کوئی ظالم کی تعریف میں آتا ہو تو وہ اس منصب کا حامل نہ ہو سکے گا۔

سورۂ انعام کی آیت ۸۷ و ۸۸ میں فرماتا ہے۔ وکلا فضلنا علی العلمین ومن آبائہم و ذریاتہم واخوانہم واجتبینٰہم وھدینٰہم الی صراط مستقیم (ترجمہ) اور سب (رسولوں کو سارے جہان پر فضیلت عطا کی اور ان کے باپ داداؤں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے ان کو منتخب کیا اور انہیں سیدھی راہ کی ہدایت کی۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو منتخب کر کے ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کیا گیا وہ محض عامی آدمی نہ تھے بلکہ یا تو انبیاء کی اولاد یا بھائی بند تھے یا انبیاء کے باپ دادا یعنی ایسے اشخاص جنکی اولاد میں انبیا ہونے والے تھے۔ کسی محض عامی اُمتی کو ایسا بڑا درجہ ہدایت اللہ تعالیٰ نے کبھی سرفراز نہیں فرمایا۔ کیونکہ منصب بھی بقدرِ ظرف عطا ہوتا ہے۔ اس امر کی کہ امامت منصوص من اللہ ہوتی ہے سورۂ انبیاء کی آیت ۷۳، سے بھی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ انبیائے سلف کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وجعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیہم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عابدین۔ ترجمہ:- ہم نے ان کو لوگوں کا امام بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی اور یہ سب کے سب ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس آیت سے تین چیزیں ثابت ہوئیں۔ پہلی یہ کہ جب انبیائے سلف کو منصبِ امامت عطا ہوا وہ خاص اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا تھا۔ دوسری چیز جو ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ امام کا کام یہ ہے کہ ہدایت کرے۔ تیسرا امر جو اس آیت سے ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ امام بھی جو ہدایت کرتا ہے

وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہے (یھدون بامرنا) یعنی۔ اس کا ربط اللہ تعالیٰ سے اس طرح کا رہتا ہے کہ وہاں سے احکام حاصل کرتا رہتا ہے۔ قرآن شریف کی اور آیتیں بھی اس مطلب کو واضح کرتی ہیں۔ سورۂ سجدہ کی آیت ۲۴ میں ارشاد ہے۔ وجعلنا منھم آئمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون (ترجمہ) اور ان ہی میں سے ہم نے چونکہ انہوں نے (مصیبتوں پر) صبر کیا تھا امام بنایا جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کا دل سے یقین رکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی فضیلت کا جن میں سے اُس زمانہ میں امام بنائے گئے سورۂ بقر کی آیت ۱۲۲ میں اس طرح ذکر ہے۔ یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العلمین۔ ترجمہ:۔ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو دی ہیں اور یہ کہ میں نے تم کو سارے جہان پر فضیلت دی ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ جنکو امامت عطا ہوئی کچھ معمولی صفات کے لوگ نہ تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے زمانہ میں سارے جہان پر فضیلت دی تھی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام ہونے کے لئے کیسے اعلیٰ درجہ کے صفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورۂ نور کی آیت ۵۵ ہے۔ وعد اللہ الذین امنو منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ترجمہ: وعدہ کیا اللہ نے تم لوگوں میں سے ایسے لوگوں کے ساتھ جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان لوگوں کو زمین پر خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے خلیفہ بنایا تھا۔ جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (اسلام) اس پر انہیں ضرور ضرور پوری قدرت دے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ اس کا وعدہ زمین پر خلیفہ بنانے کا انہیں لوگوں کے ساتھ ہے جو شرائط ایمان وعمل صالح کو پورا کرتے ہوں۔ یہ آیت صریحاً سورۂ بقر کی آیت ۱۲۴ کی توضیح کرتی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لاینال عھد الظلمین یعنی امامت عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ کا عہد ظالم سے متعلق نہیں ہے بلکہ ایمان عمل صالح اور ظلم سے بری ہونے کی شرط لازمی ہے۔ اس آیت کا یہ تو مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص جو ایمان لایا اور عمل صالح کیا لازماً اس کو اللہ کی خلافت زمین پر مل ہی جائے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ خلافت دی تو اسی کو جاتی ہے جس کو اللہ مقرر فرماتا ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے اس کے لئے بھی یہ شرائط رکھ دیئے ہیں کہ وہ مومن ہو اسکا عمل صالح ہو اور ظلم سے پاک ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ جس طرح سے کہ سابق میں ارض کے خلیفہ قرار دیئے گئے تھے۔ مثلاً آدم و داؤد اور متعدد آیات قرآنی سے جن سے بعض کا ذکر اوپر آچکا ہے ثابت ہے کہ سابق میں جن جن کو خلیفہ یا امام بنایا گیا تھا ان کی ماموری حکم خداوندی کی بناء پر عمل میں آئی تھی اور یہ نہیں تھا کہ کوئی خود خلیفہ بن بیٹھا ہو اور سابق میں جنکو بھی خلافت یا امامت دی گئی تھی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ نیز اس آیت کے مصداق

خلیفہ کی صفت لازمی یہ بھی ہے کہ خدا ان کو دین پر ضرور بہ ضرور پوری پوری قدرت دیگا۔ ظاہر ہے کہ
وارثان کتاب اوتوا العلم، جنیز واہل ذکر صادقین ہی وہ ہستیاں ہیں جو دین پر پوری پوری قدرت رکھتی
ہیں اور وہی اس آیت کی مصداق اور خلیفہ برحق ہیں جن لوگوں کو علم دین پر قدرت نہ ہو اور لاعلمی کا
اظہار کریں اور بار بار دوسروں سے پوچھنے کی نوبت آئے وہ ہرگز اس آیت کے مصداق اور برحق خلیفہ نہیں ہوسکتے۔

سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۳ ہے۔ اللہ یجتبی الیہ من یشاء۔ یعنی خدا جس کو چاہتا ہے اپنی
درگاہ کا برگزیدہ بنا دیتا ہے۔ اس آیت میں لفظ یجتبیٰ آیا ہے اور اسی سے مجتبیٰ کا لفظ ہے جو ہمارے پیغمبر
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ احمد مجتبیٰ یعنی وہ احمد جو منتخب
در برگزیدہ کرلیئے گئے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ انتخاب کرنا برگزیدہ بنانا یا کوئی بزرگی کا منصب عطا کرنا
اس کے لیے ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ وہ درجہ عطا فرمانا چاہتا ہے۔

سورۂ قصص کی آیت ۶۸ اور زیادہ صاف ہے:۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ

ترجمہ: تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے
اختیار میں نہیں ہے۔ اس آیت میں رب العزت نے واضح فرما دیا ہے کہ جس طرح سے جس چیز کو یا جس کو چاہے
پیدا کرنا اللہ کا کام ہے اسی طرح انتخاب کرنا بھی اللہ ہی کا کام ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ایک اور واضح ارشاد اس بارے میں سورۂ احزاب آیت ۳۶ میں ہے وما کان لمومن
ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن
یعص اللہ ورسولہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا۔ یعنی جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کو طے
کردیں تو پھر کسی مومن کو یا مومنہ کو اس کا اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے امور کیلئے کسی کا انتخاب کریں اور
جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں وہ صریح گمراہی میں پڑتے ہیں۔ امام کا منصب اور اختیار کیا ہوتا ہے۔
اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سورۂ یٰسین کی آیت ۱۲ میں ارشاد فرماتا ہے۔ کُلَّ شَیْءٍ احصینٰہُ فِی امامٍ مُّبین۔
یعنی ہم نے ہر شئے کو ایک روشن امام کے احاطہ میں گھیر دیا ہے۔ واضح ہوا کہ امام کا دائرہ اقتدار ہر چیز پر محیط
ہے اور یہ کہ یہ اقتدار اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے نیز یہ آیت ایک عمومی اور ہر زمانہ کی کیفیت ظاہر کرتی ہے۔
یعنی ہر چیز ہر زمانہ میں ایک امام مبین کے حیطۂ اقتدار میں رہتی ہے۔ یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا
جب تک ہر زمانہ میں ایک امام موجود نہ رہے۔ چنانچہ آج بھی ایک امام کا موجود رہنا اس آیت سے ثابت ہے۔
سورۂ یٰسین میں حضرت عیسیٰؑ اپنی طرف سے دو اشخاص کو نیابت کرنے بھیجنے کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ اس
طرح ذکر فرماتا ہے کہ ان نائبوں کو ہم نے بھیجا۔ یہ تاریخ کا واقعہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے قریہ انطاکیہ کی طرف

اپنے دو نائب بھیجے تھے اور پھر تیسرے کو بھیجنے کی نوبت آئی سورۂ یٰسین کی آیت ۱۳ و ۱۴ ہے۔ وضرب لھم مثلاً اصحاب القریۃ اذ جاءھا المرسلون اذ ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث فقالوا انا الیکم مرسلون ؕ ترجمہ:۔ (اے رسولؐ) تم مثال کے طور پر ایک گاؤں (انطاکیہ) والوں کا قصہ بیان کرو کہ جب وہاں ہمارے پیغمبر آئے اس طرح کہ جب ان کے پاس دو پیغمبر یوحنا اور یونس بھیجے گئے تو ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلایا۔ تب ہم نے ایک تیسرے (شمعون) سے ان دونوں کی مدد کی تو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس (خدا کے) بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ ظاہر ہوا کہ کسی نبی کی طرف سے نائب مقرر کئے جانے کا کام بھی بحکم خدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ نائب خود اللہ تعالیٰ نے بھیجے تھے۔

صفتِ علم کے متعلق جو امام کی مخصوص صفت ہے ایک اور آیت میں نہایت صاف ارشاد باری ہے کہ کتابِ خدا کا وارث اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بنایا ہے جنکو اس نے انتخاب فرما لیا ہے۔ ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا۔ یعنی اس کے بعد ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ تنزیلِ قرآن کی نوبت گزر چکی اور قرآن قلبِ رسولؐ پر مکمل نازل ہو چکا تو اس کے بعد کا مرحلہ اس کی حفاظت اور سپردگی کا تھا کہ اس کتابِ خدا یعنی علم القرآن کا کون وارث ہو۔ وارث کتاب سے یہ مطلب نہیں ہے کہ مطبوعہ یا تحریر کردہ مجموعہ قرآن کس کے قبضہ جسمانی میں ہے۔ بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ علم کتاب کا وارث اور حاملِ علم کون ہے۔ جیسا کہ اس مثال سے واضح ہوگا کہ جب حضرت عیسٰے جھولے میں سے آتانی الکتٰب وجعلنی نبیًا (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے) کہا تھا تو جھولے میں سے کوئی کتاب تو لوگوں کے سامنے پیش نہیں کی تھی۔ مطلب یہی تھا کہ علم آپ کو عطا ہوا ہے جو آپکے سینہ میں محفوظ ہے۔ بہ عالمِ ظاہری تو انجیل حضرت عیسٰی پر تیئیس یا تیس سال کی عمر میں نازل ہوئی بہرحال مرحلۂ تنزیلِ قرآن کے بعد خلقِ خدا کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے علم کی حفاظت کیلئے اپنے بندوں میں سے مخصوص بندوں کو چن کر انکو وارثِ کتاب قرار دیا۔ اس کی بحث آگے آئیگی کہ یہ وارث کتاب کون ہیں۔

مگر اس حد تک واضح ہوگیا کہ صفتِ علم جو امام کیلئے ضروری ہے وہ علم بھی اللہ تعالیٰ اپنے منتخب کئے ہوئے افراد کو عطا فرماتا ہے۔ منطقی اعتبار سے یہ مزید نتیجہ نکل آیا کہ جو امام مقرر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی وارث کتابِ خدا بھی بنایا جاتا ہے۔ ورنہ یہ امر عقل سے بعید ہوگا کہ اللہ تعالیٰ منصبِ امامت وہدایت ایک کو عطا کرے اور علم اسکو نہ دیکر کسی اور کو دے۔ یعنی بے علم کو امام بنائے اور جسکو علم دیکر وارث کتاب بنایا ہے اسکو منصبِ امامت نہ دے تو ایک طرف تو اس کو علم دیا جانا ایک فعلِ عبث ظاہر ہوگا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی شانِ عدل کے موافق نہ ہوگا کہ اہلِ علم اور وارث کتاب کو چھوڑ کر بے علم کو منصبِ ہدایت عطا کردے۔ لہذا لازم ہوا کہ جو بحکم خدا امام ہو وہی بحکم خدا وارثِ علم کتاب بھی ہوتا ہے۔

آیت متذکرہ صدر کا ایک واضح پہلو یہ بھی ہے کہ قرآن ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ ہدایت بھی لوگوں کے لئے تاقیامت ضروری ہے۔ یعنی قرآن بھی برقرار رہے گا اور ہادی بھی برقرار رہیں گے۔ لہذا خدا جن کو وارثِ کتاب قرار دے۔ وہ بھی تاقیامت برقرار رہیں گے۔ اس لئے ہر زمانہ میں تاقیامت کوئی نہ کوئی وارث کتاب خدا دنیا میں رہنا لازمی ہوا۔ اسی بناء پر رسولِ خدا نے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ان تمسکتم بھما لا تضلو بعدی وانھما لن یفترقا حتی یردعلی الحوض فرمایا۔ جس کا ذکر اپنے موقعہ پر آئیگا۔ بہر حال متذکرہ صدر تمام آیات قرآنی کو ملا کر ایک ساتھ غور کرنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ منصب امامت وہدایت پر اللہ تعالیٰ خود قائم کرتا ہے اور ایسے امام وہادی کے صفات قرآن شریف میں موقعہ بہ موقعہ مختلف مقامات پر بیان کئے گئے ہیں اور یہ سب صفات ایسی مامور کردہ الہیٰ امام پر منطبق ہوتے

سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں ہے۔ وَاعتصِمو بِحَبلِ اللّٰہِ جَمِیعًا ولا تفرقوا یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ خدا کی رسی کون ہیں اس کی بحث علیٰحدہ ہے۔ مگر معلوم اتنا تو ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک رسّی یعنی ایک ایسا سلسلہ بنایا ہے جو اللہ کے سلسلہ یا رسی کے نام سے موسوم ہے اور حکم یہ ہے کہ اس رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور متفرق نہ ہوجاؤ۔ معلوم ہوا کہ یہ دین کے مرکز پر قایم رکھنے والی خدا کی رسّی ہے اور اس کو نہ تھامے رہے تو پھر پھوٹ اور ایک ناجی فرقہ کے علاوہ مزید بہتر ۷۲ دوزخی فرقوں کی نوبت آئی ہے اور اس امر کی طرف بھی صاف اشارہ اس آیت میں نکلتا ہے کہ تہتر ۷۳ فرقوں میں سے جو فرقہ اس خدا کی رسی کو تھامے ہوئے ہے وہی جنتی ہے اور جنھوں نے اس رسی کو چھوڑ دیا ہے وہ راہِ حق سے ہٹ گئے ہیں۔ سورۂ نحل کی آیت ۴۳ اور سورۂ انبیا کی آیت ۷ ہے۔ فسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون ؁ یعنی اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔ اس کی بحث بھی آگے آئے گی کہ اہل ذکر کون ہیں اور یوں تو یہ واضح امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو قرآن میں کئی جگہ ذکر (ذکراً رسولا) سے یاد کیا ہے۔ جب رسول ذکر ہوئے تو اہل ذکر اہلبیت رسول ہوئے۔ بہر حال اس سے قطع نظر جو کوئی بھی اہل ذکر ہو اس سے پوچھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ اہل ذکر وہ ہیں جو صاحبانِ علم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جنکو علم عطا کیا ہے اور وارثِ کتاب بنایا ہے۔ اس کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ وہی امام ہیں۔ لہذا امام ہی اہل ذکر ہوئے۔ ان ہی سے پوچھنے اور علم لینے کا اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ منطقی اعتبار سے یہ امر بدیہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے پوچھنے کا حکم دیگا اس کو علم کامل عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی ناقص علم والے سے پوچھنے کا ہرگز حکم نہیں دے سکتا ورنہ اعتراض کی گنجایش پیدا ہوگی۔ کوئی پوچھنے والا ارض وسما عرش وکرسی رموز کائنات سے متعلق سوال کرسکتا ہے کیونکہ آیت میں سوال کے متعلق کوئی تحدید عاید نہیں ہے۔ ایسے سوالات کے جواب سوائے علم لدنی رکھنے والے کے اور کون دے سکتا ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل ذکر وہ افراد ہیں جن کو علم لدنی عطا ہوا ہے۔ اسی طرح سورۂ فرقان کی آیت ۵۹ میں ہے۔ الرحمٰن فسئل بہ خبیرا ؁ یعنی رحمٰن کیا ہے

اہل خبر سے پوچھو۔ اِس آیت کو اس کے بعد کی آیت سے ملا کر پڑھنے سے مطلب واضح ہوتا ہے۔ آیت ۶۰ اس طرح ہے۔ واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمٰن۔ یعنی جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن (خدا) کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں یہ رحمٰن کیا چیز ہے اس موقعہ پر ارشاد باری ہوتا ہے کہ رحمٰن کیا ہے یعنی ذات خداوندی سے متعلق معلومات حاصل کرنا ہو تو صاحب خبر سے پوچھو۔ ظاہر ہے کہ ذات باری تعالیٰ سے متعلق علم رکھنا ما و شما کا کام نہیں ہے بلکہ یہ تو بڑے اونچے درجہ کی بات ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کا علم تو وارثانِ کتاب اور اہل ذکر ہی رکھینگے یعنی ایسا علم جو صحیح ہو اور سایل کی تشفی کر سکے ورنہ کوئی اور حقیقت باری کی نسبت جاننے کا دعویٰ کرے اور سمجھانے کے قابل ہونے کا ادعا کرے تو وہ مثل صادق آئیگی کہ "تو کار جہاں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پر داختی"۔ ظاہر ہے کہ صاحبان خبر یعنی علم و خبر رکھنے والے وہی وارث کتاب اہل ذکر ہوں گے۔ ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اگر کسی خطائے اجتہادی کرنے والے سے ایسا سوال کیا گیا اور خدا و رسول کے معاملہ میں بھی اس سے کوئی خطائے اجتہادی سرزد ہوگئی تو بڑی قیامت کا سامنا ہوگا۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۶۲ میں الرّاسخونَ فِی العِلم کا ذکر ہے۔ یعنی جو علم میں راسخ اور پکے ہیں۔ نیز سورۂ آلِ عمران کی آیت ۷ میں اللہ تعالیٰ قرآن کی متشابہ آیتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم۔ یعنی متشابہ آیتوں کا مطلب سوائے خدا اور راسخون فی العلم کے کوئی نہیں جانتا۔ رب العزت نے جو الفاظ فی العلم کے استعمال فرمائے ہیں وہ بطورِ خاص لائق غور ہیں یعنی علم کی گہرائیوں میں اترے ہوئے اور اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان کے علم میں کوئی نقص نہیں ہو سکتا اور یہ ایسے بڑے درجہ کا علم ہے کہ یا تو خدا کو حاصل ہے یا پھر ان راسخون فی العلم کو حاصل ہے اور ایسا علم جس میں کوئی نقص موجود ہی نہ ہو کسی اُستاد دنیوی کے سکھانے سے نہیں آسکتا۔ بلکہ لازماً وہ علم لدنی ہی ہوگا جس میں کسی قسم کا نقص نہ ہو اور جس کو اللہ تعالیٰ راسخ کی سند عطا فرمائے۔ بدیہی امر ہے کہ وارثان کتاب کو ہی علم لدنی عطا ہوا ہے اور بغیر کسی اُستاد کے پڑھائے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو انتخاب فرما کر وارثِ کتاب قرار دیا ہے۔ بجز وارثانِ کتاب اور کون ہیں جو علم الٰہی میں راسخ ہوں۔ لہٰذا راسخون فی العلم وہی امام وارث کتاب اہل ذکر خیر امت امت وسط اور اہل خبر ہوئے اس کا مصداق کسی اُستاد سے پڑھ لکھ کر علم کسب کیا ہوا شخص نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو خود علم عطا فرمائے اور وارث کتاب بنائے اس کے علم سے کسی طفل مکتب کے علم کو کیا نسبت۔ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۹ ہے۔ یَا ایُّھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین (سچوں) کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس کی بحث بھی بعد میں آئیگی کہ یہ صادقین کون ہیں۔ مگر یہ امر مسلمہ ہوا کہ کوئی گروہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ صادقین فرماتا ہے اور ان کی پیروی حکم دیتا ہے۔ ظاہرا طور پر بھی عقل اس کا پتہ دیتی ہے کہ صادقین کا وہی گروہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے ہدایت

کیلئے پیدا کیا اور خیر اُمّت بنایا ہے اور منصب امامت سپرد فرمایا ہے ورنہ منصب امامت کسی اور کو دیکر پیروی کسی اور کی کرنے کی ہدایت اللہ تعالیٰ نہیں فرماسکتا۔ سورہ رعد کی آیت ۷ ہے۔ ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ آیۃ من ربہ انما انت منذر ولکل قوم ھاد۔ ترجمہ۔ وہ لوگ جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ اس شخص (محمدؐ) پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی (ہماری مرضی کے موافق) کیوں نازل نہیں کی جاتی۔ (اے رسول) تم تو صرف ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کیلئے ایک ہدایت کرنے والا ہے۔ اس آیت کا مصداق کون ہے یہ بحث بھی علیحدہ ہے مگر یہ مسلمہ ہوا کہ ہر قوم کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہادی مقرر فرمایا ہے۔ اس آیت میں واضح طور پر ہادی کی شخصیت کو رسولؐ کی شخصیت سے علیحدہ دکھایا گیا ہے۔ یعنی ایک ڈرانے والا ہے اور ایک ہدایت کرنے والا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ نہیں ہوسکتا کہ امام اور وارث کتاب کوئی اور ہو اور ہادی کوئی اور ہو۔ منصب امامت خود ہدایت کیلئے ہے اور امام اور ہادی اس موضوع میں ہم معنی الفاظ ہیں۔ بہرحال اس آیت کی رو سے ہادی کا مقرر کردہ الٰہی ہونا اور ہر قوم کیلئے ایک ہادی ہونا ثابت ہے۔ امام کے درجہ کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو بھی امام سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ توریت کے متعلق سورۂ ھُود کی آیت ۱۷ میں ہے۔ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما ورحمۃ۔ یعنی اس کے قبل موسیٰ کی کتاب (توریت) (لوگوں کیلئے) پیشوا اور رحمت تھی۔ کتاب خدا جبکہ وہ توریت ہی ہو (اپنے زمانہ کیلئے) خدا کا کلام ہونے کی حیثیت سے کس بڑے پایہ کی حامل ہوتی ہے اس کا اندازہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ حقیقی امام گویا اسی عظیم پایہ کا ہوتا ہے۔

قرآن شریف میں خود ساختہ جھوٹے خلفاء کا ذکر

یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بعض جھوٹے خود ساختہ خلفاء کی غصبی خلافت اور اس کے عواقب کا بھی ذکر فرمایا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ محض بن بیٹھنے سے کوئی حقیقی خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت ۱۶۹ ہے۔ فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب یاخذون عرض ھذا الادنیٰ ویقولون سیغفر لنا۔ ترجمہ:- ان کے کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے اور کتاب خدا کے وارث بن گئے تاکہ اس کمینی دنیا کا ساز و سامان حاصل کریں اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم عنقریب بخش دیئے جائیں گے۔ اس آیت میں رب العزت نے واضح فرمادیا ہے کہ ایسے بھی بعض جھوٹے خلیفہ ہوتے ہیں جنھوں نے محض حصول دنیا کیلئے منصب خلافت پر قبضہ کر لیا تھا اور وارث کتاب بن بیٹھے تھے اور پھر توقع بھی رکھتے تھے کہ روز قیامت وہ بخش دیئے جائینگے۔ منصب خلافت اور وارث کتاب ہونے کو ساتھ ساتھ بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف واضح اشارہ فرمادیا ہے کہ یہ دونوں منصب لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی خلیفہ وہی ہوتا ہے جو وارث کتاب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ ایسے جھوٹے خود ساختہ خلیفہ قیامت کے

دن جہنم میں جھونکے جائینگے۔ خواہ وہ اپنے منہ میاں مٹھو بن رہے ہوں۔
سورۂ مریم کی آیت ۶۰ ہے: فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیاۃ (ترجمہ) پھر اس کے بعد کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے جنھوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور عنقریب یہ لوگ گمراہی کا نتیجہ یقیناً پائینگے سورۂ محمدؐ کی آیت ۲۲ و ۲۳ ہے۔ فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم ۵ ترجمہ:- اگر تم حاکم بنے تو روئے زمین میں فساد پھیلانے لگو اور اپنے رشتے ناتے توڑنے لگو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور انکو اندھا بہرا کر دیا ہے۔ سورۂ قصص کی آیت ۴۱ و ۴۲ میں بھی خداوند عالم ان جھوٹے پیشواؤں کا ذکر فرماتا ہے جو براہ ظلم پیشوا بن بیٹھے اور قیامت ان کے برے حشر اور دنیا میں ان پر لعنت کا بھی ذکر فرما دیتا ہے۔ وجعلنٰھم ائمۃ یدعون الی النار ویوم القیامۃ لا ینصرون واتبعنٰھم فی ھذہ الدنیا لعنۃ ویوم القیامۃ ھم من المقبوحین ۵ ترجمہ: ہم نے ان کو (گمراہوں کا) پیشوا بنایا کہ (لوگوں کو) جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن انکو کسی طرح کی مدد نہ دی جائیگی اور ہم نے دنیا میں بھی تو لعنت انکے پیچھے لگا دی ہے اور قیامت کے دن ان کے چہرے بگاڑ دیئے جائینگے۔ جھوٹے پیشواؤں کی پیروی کرنے والوں کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا۔ اس کو حق تعالیٰ سورۂ احزاب کی آیت ۶۶ تا ۶۸ میں بیان فرماتا ہے۔ یوم تقلب وجوھھم فی النار یقولون یٰلیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسولا ۵ وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا ربنا اٰتھم ضعفین من العذاب والعنھم لعنا کبیراً ۵ ترجمہ:- جس دن جہنم کی طرف ان کے منہ پھیر دیئے جائینگے تو کہیں گے کاش ہم خدا کی اطاعت کئے ہوتے اور رسول کا کہا مانے ہوتے اور کہینگے پروردگار ہم نے اپنے بڑوں اور سرداروں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ پروردگار ان لوگوں پر دوہرا عذاب کر اور ان پر بڑی سے بڑی لعنت کر۔ اس آیت میں جھوٹے پیشواؤں کی پیروی کرنیوالوں کیلئے باری تعالیٰ نے صاف تنبیہ دی ہے کہ قیامت کے روز ان سے بیزاری ظاہر کرنا کچھ کام نہ آئے گا۔ بلکہ جھوٹے پیشواؤں سے دنیا ہی میں تبرا کر لیں کہ ابھی موت نے مہلت دے رکھی ہے۔ حسب ارشاد یوم ندعو کل اناس بامامھم (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۷۱) جو شخص جسکو اپنا امام یا پیشوا بنائیگا وہ اس کے پیچھے روز قیامت اٹھایا جائے گا۔ جن لوگوں نے فرعون کو اپنا پیشوا بنایا تھا ان کے فرعون کے ساتھ جہنم میں جھونکے جانے کی خبر پیشتر ہی سے کلام پاک میں اس طرح دیدی گئی ہے۔ فاتبعوا امر فرعون وما امر فرعون برشید یقدم قومہ یوم القیامۃ فاوردھم النار (سورۂ ہود آیت ۹۷ و ۹۸) ترجمہ، لوگوں نے فرعون کی پیروی کی حالانکہ فرعون کی پیشوائی صحیح نہ تھی قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے چلیگا اور ان کو دوزخ میں لیجا جھونکیگا۔

دن جہنم میں جھونکے جائینگے۔ خواہ وہ اپنے منہ میاں مٹھو بن رہے ہوں۔
سورۂ مریم کی آیت ۶۰ ہے: فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشہوات فسوف یلقون غیاۃ (ترجمہ) پھر اس کے بعد کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے جنھوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور عنقریب یہ لوگ گمراہی کا نتیجہ یقیناً پائینگے سورۂ محمدؐ کی آیت ۲۲ و ۲۳ ہے۔ فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم۔ ترجمہ:- اگر تم حاکم بنے تو روئے زمین میں فساد پھیلانے لگو اور اپنے رشتے ناتے توڑنے لگو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور انکو اندھا بہرا کر دیا ہے۔ سورۂ قصص کی آیت ۴۱ و ۴۲ میں بھی خداوند عالم ان جھوٹے پیشواؤں کا ذکر فرماتا ہے جو براہ ظلم پیشوا بن بیٹھے اور قیامت ان کے بُرے حشر اور دُنیا میں ان پر لعنت کا بھی ذکر فرما دیتا ہے۔ وجعلنٰھم ائمۃ یدعون الی النار ویوم القیامۃ لا ینصرون واتبعنٰھم فی ھذہ الدنیا لعنۃ ویوم القیامۃ ھم من المقبوحین۔ ترجمہ: ہم نے ان کو (گمراہوں کا) پیشوا بنایا کہ (لوگوں کو) جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن انکو کسی طرح کی مدد نہ دی جائیگی اور ہم نے دُنیا میں بھی تو لعنت انکے پیچھے لگادی ہے اور قیامت کے دن ان کے چہرے بگاڑ دیئے جائینگے۔ جھوٹے پیشواؤں کی پیروی کرنے والوں کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا۔ اس کو حق تعالیٰ سورۂ احزاب کی آیت ۶۶ تا ۶۸ میں بیان فرماتا ہے۔ یوم تقلب وجوھھم فی النار یقولون یالیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسولا۔ وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا ربنا اٰتھم ضعفین من العذاب والعنھم لعنا کبیرا۔ ترجمہ:- جس دن جہنم کی طرف ان کے منہ پھیر دیئے جائینگے تو کہیں گے کاش ہم خدا کی اطاعت کئے ہوتے اور رسول کا کہا مانتے ہوتے اور کہینگے پروردگارا ہم نے اپنے بڑوں اور سرداروں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ پروردگارا ان لوگوں پر دوہرا عذاب کر اور ان پر بڑی سے بڑی لعنت کر۔ اس آیت میں جھوٹے پیشواؤں کی پیروی کرنیوالوں کیلئے باری تعالیٰ نے صاف تنبیہ دی ہے کہ قیامت کے روز ان سے بیزاری ظاہر کرنا کچھ کام نہ آئے گا۔ بلکہ جھوٹے پیشواؤں سے دنیا ہی میں تبرا کر لیں کہ ابھی موت نے مہلت دے رکھی ہے۔ حسب ارشاد یوم ندعوا کل اناس باماھم (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۷۱) جو شخص جسکو اپنا امام یا پیشوا بنائیگا وہ اُس کے پیچھے روز قیامت اُٹھایا جائے گا۔ جن لوگوں نے فرعون کو اپنا پیشوا بنایا تھا ان کے فرعون کے ساتھ جہنم میں جھونکے جانے کی خبر پیشتر ہی سے کلام پاک میں اس طرح دیدی گئی ہے۔ فاتبعوا امر فرعون وما امر فرعون برشید یقدم قومہ یوم القیامۃ فاوردھم النار (سورۂ ہود آیت ۹۷ و ۹۸) ترجمہ، لوگوں نے فرعون کی پیروی کی حالانکہ فرعون کی پیشوائی صحیح نہ تھی قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے چلیگا اور ان کو دوزخ میں لیجا جھونکیگا۔

سورہ توبہ کی آیت ۱۳ میں ہے۔ الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم۔ یعنی بھلا ان لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا۔ سورۂ توبہ کی آیت ۱۲ ہے۔ فقاتلوا ائمۃ الکفر۔ یعنی کفر کے اماموں سے قتال کرو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے خود ساختہ خلفاء اور جھوٹے پیشواؤں اور ان کے بہکاوے سے اپنے بندوں کو پوری طرح ہوشیار کر دیا ہے کہ ان کی پیروی ان کو جہنم میں لیجائیگی۔ جھوٹے اور خود ساختہ اماموں کے متعلق حضرت رسول کا بھی واضح ارشاد موجود ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ پر یہ حدیث درج ہے۔ یکون من بعدی ائمۃ لا یھدون بھدی ولا یستنون بسنتی۔ یعنی میرے بعد کچھ لوگ امام بن بیٹھینگے جو نہ تو ہدایت کا راستہ ہی دکھائینگے اور نہ ہی میری سنت پر عمل کریں گے۔

خلافت کیلئے کن شرائط کی ضرورت ہے

خلافت و امامت کے متعلق سنی و شیعہ نقاط نظر کو جسٹس امیر علی نے جن الفاظ میں پیش کیا ہے اس کو یہاں ہم درج کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جس سے بالخصوص سُنّی نقطۂ نظر کا ایک واضح خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

The two sects in to which Islam became divided at an early stage, are agreed that the religions efficacy of the rites and duties prescribed by the law (Shariat) depends on the existence of the vicegerent and representatives of the prophet, who as such is the religious head (Imam) of the faith of the faithful.

دونوں فرقوں کے نزدیک امامت کے لزوم کا ذکر متذکرہ صدر الفاظ میں کر کے سُنّی نقطۂ نظر کو وہ صفحہ ۳۱۹ پر بالفاظ ذیل پیش کرتے ہیں اور بحوالہ درالمختار لکھتے ہیں ہے:-

The Imam-al-Kabir, the Supreme pontiff in the Caliph of the Sunni World, He combines in his person the spiritual and temporal authority which devolves on him as the Vicegerent of the Master. According to Sunnis the Imamate is not restricted to the family of Mohammed. The Imam need not be just, virtuous of irreproachable (Masum) in his life, nor need he be most excellent or eminent being of his time (افضل الناس) so long as he is free, adult, sane and possessed of the capacity to attend to the ordinary affairs of the State, he is qualified for election. They hold that neither Vices nor the tyrrany of the Imam would justify his deposition, nor can the perversity or evil conduct of the Imam, or those who preside at the public devine service invalidate the prayers of the faithful. They also hold that Imamate is indivisible and that it is not lawful to have two imams at one and the same time. The Imam is the patron and Syndic of all Musslmans and the guardian of their interests during their lives as after their death.

بحوالہ علامہ شہرستانی جسٹس امیر علی مزید لکھتے ہیں :-

A Section of Ahlussunnat holds that it is not required for the Imam to be learned or Mujthahed as long as he is wise and has some one with him capable of expounding the law.

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سیف مسلول میں لکھتے ہیں :-

" اہل سنت والجماعت امام شخصے را گویند کہ مسلط باشد مردم بطوع وتسلیم یا قہر وغلبہ"

یعنی اہل سنت والجماعت اس شخص کو امام کہتے ہیں جس کا لوگوں پر تسلط ہوجائے خواہ ان کی رضامندی اور تسلیم سے یا قہر وجبر سے ان پر غلبہ حاصل کرلینے سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ میں یہاں تک لکھتے ہیں: اگر بہ تامل نظر کنیم معلوم مے توانیم کرد کہ نصب امامت از جانب خدا متضمن بمفاسد بسیار است"۔ ترجمہ:- یعنی اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوجائیگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام مقرر ہونے میں بہت سارے فتنہ وفساد مضمر ہیں۔ شاہ صاحب کا یہ نظریہ قابلِ داد ہے اگر لوگ ملکر کسی کو امام مقرر کردیں تو امن وامان ہے اور اللہ تعالیٰ امام مقرر کرے تو مفسدہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت ومصلحت سب ہیچ ہے اور اپنی من مانی ہی سب کچھ ہے۔

خلیفہ بنانے کا پانچواں طریقہ ایک شخص کی بیعت سے امام بن جانا

علماء اہل سنت کے ایک بڑے عالم ابوالمعالی الجوینی نے لکھا ہے کہ امام کی امامت قبیلۂ بنی ہاشم میں سے ایک شخص کی بیعت سے منعقد ہوجاتی ہے۔ دوسرے شخص کی بیعت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اجماع، استخلاف، شوریٰ، قہر وغلبہ کے ساتھ یہ ایک پانچواں طریقہ بھی امام بنانے کا اہل سنت کے پاس ہے واضح ہو کہ جوینی خلفاء بنی عباس کے زمانہ میں تھے لہٰذا اُن کو خوش کرنے کے لیے اُنھوں نے بنی ہاشم کی شرط لگائی کیونکہ بنی عباس بنی ہاشم ہی کی اولاد سے تھے اور قرابت رسولؐ کی دہائی دے کر انھوں نے بنی اُمیہ سے جنگ کرکے خلافت حاصل کی تھی۔ مطلب صرف یہی ہے کہ پہلے خلافت پر قبضہ جمالیا جائے اور جس طریقے اور عنوان سے قبضہ حاصل ہوا ہے۔ اسکو نصبِ خلافت کا ایک جائز طریقہ اور اُصول قرار دے دیا جائے۔

اہلسنت کے نزدیک چور بھی خلیفہ ہوسکتا ہے

سُنّی نظریہ کے اعتبار سے اہل فسق ہوں یا خدا کا عصیان کرنے والے یا چوری کرنے والے سب کے لیے جائز ہے کہ وہ امام خلق ہوسکے جیسا کہ علامہ زمخشری نے بھی جو اہلسنت کے افضل علماء میں سے ہیں اس کی مثال میں دوانقی کو جو منصور کے لقب سے مشہور ہے دز دیعنی چور بیان کیا ہے۔

احمد ابنِ حنبل، امام شافعی، امام مالک کا بھی قول ہے کہ حاکم کے ظلم وستم پر صبر واجب ہے (ملاحظہ ہو علامہ ابوزہرہ پروفیسر جامعہ ازہر کی کتاب المذاہب الاسلامیہ ص۱۵۵) نیز موصوف ص۱۵۰ پر بخاری کی یہ حدیث نقل

کرتے ہیں:- اگر کوئی حاکم کو معصیتِ الٰہی میں مبتلا دیکھے تو اسکی معصیت سے کراہت تو ضرور کرے مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم وقت گناہ و معصیت کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور گناہ و معصیت اختیار کرے۔ قابلِ غور ہے کہ اولی الامر کی غلط تعبیر نے مسلمانوں کو کہاں پہنچا دیا ہے۔ حالانکہ حضرت رسولؐ کے واضح ارشادات موجود ہیں کہ اولی الامر بارہ ائمہ اہلبیت ہیں جنکے ناموں کی صراحت بھی آنحضرتؐ نے فرمادی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد خلافت پر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ کوئی غیر مستحق، ظالم فاسق و فاجر بھی خلیفۂ رسولؐ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ۔ تو یہ ہوا کہ اصولِ اہلِ سنّت کے اعتبار سے ایک ظالم و جابر بے علم شخص جس کے عادات و اطوار قبیح مبتذل اور رکیک بھی ہوں مسلمانوں کا مذہبی امام اور حضرت رسولؐ خدا کا جانشین ہو سکتا ہے، جو ہر مسلمان کی فلاح دینی کا نہ صرف اس کی زندگی میں بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی ضامن ہوتا ہے۔ یہ بات ہماری تو بالکل سمجھ میں نہ آئی۔ بقول شخصے کو خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ اور پھر جس کو اپنے ظلم گناہ اور عادات قبیحہ کی بنا پر قبر میں جاکر خود جواب دینا ہے وہ دیگر مرے ہوئے لوگوں کی فلاح آخرت کا کیسے ضامن ہو سکتا ہے۔

اگر صرف حکومت دنیاوی کا سوال درپیش ہوتا تو بات اور تھی اور اصولاً تو مفضول کو فاضل پر دنیوی حکومت کے لئے بھی ترجیح نہیں دیجا سکتی مگر جہاں پیغمبرِ خدا کے جانشین اور مذہبی پیشوا کا سوال ہو جس کے پیچھے حسبِ احکام قرآن ہر آدمی قیامت کے دن بلوایا جانے والا ہے تو ارباب فہم غور کر سکتے ہیں کہ حسبِ نظریہ اہل سنت کوئی مستلزم بہ خطا و گناہ اور ظالم اور گھٹیا درجہ کا شخص جس کو لوگوں نے اپنی مصلحت کے تحت منتخب کر لیا ہو مذہبی امام ہو سکتا ہے یا حسبِ نظریہ شیعہ پاک و مطہر گناہوں سے مبرا عالم علم لدنی افضل الناس خدا کا مقرر کردہ شخص لوگوں کا مذہبی پیشوا اور رسول کا جانشین برحق ہو سکتا ہے۔

امامت کے متعلق شیعہ نقطۂ نظر کو جسٹس امیر علی نے حسبِ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:-

" They (Shias) naturally repudiate the authority of the Jamaat (the people) to elect a spritual head, who should supersede the rightful claims of the prophets family. according to the Shias, therefore, the Imamate descends by divine appointment in the apostolical line. The Imam besides being descendent of the prophet, must posses certain qualities-he must be Masum or sinless, bear the purest and most unsallied character, and must be distinguished above all men for truth and purity. It is not proper nor could it be the intention of the Almighty, they argue, that a man whose character is not un-impeachable shall have, the direction of the human conscience. Human choice is fallible as is proved by the history of mankind andthe people have often accepted the worst men for their leaders. God could never have left the religious needs of man on unaided

faculty. If an Imam be needed, he must be one whom the concience must accept. Accordingly they declare that if the choice of an Imam be left in the community it will be subversive of all morality and consequently the spiritual guidance of mankind has been entrusted to the divinely appointed persons.

بعض سُنّی علماء بھی خود اپنے اس نظریہ سے ناواقف اور غیر متفق ہیں کہ کوئی جاہل اور مستلزم بہ خطا بھی خلیفۂ رسول ؐ ہو سکتا ہے چنانچہ الفاروق حصّہ دوم صـ۳۰۶ پر شبلی نعمانی لکھتے ہیں: "امامت کا منصب بھی نبوت کا ایک شائبہ ہے۔ امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے"۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں" وازمیان امت جمع ہستند کہ جوہر نفسِ ایشان قریب بہ جوہر انبیا خلق شدہ وایں جماعہ دراصل فطرت خلفائے انبیا اندر امت"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے صـ۳۹ پر آیت انی جاعلک للناس اماماً کے تحت اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں: "اس آیت کی دلالت سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کی امامت باطل ہے اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اپنے آپ کو اس منصب پر مسلط کر دے تو لوگوں پر اس کا اتباع اور اس کی اطاعت لازم نہیں ہے"۔ صـ۲۵۲ پر آیت لاینال عھدی الظالمین کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں: "(یہ آیت) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دین کے معاملے میں جن لوگوں کو بھی پیشوائی کا مقام حاصل ہو۔ اُن کا عادل اور صالح ہونا شرط ہے"۔ بہرحال جیسا کہ عنوان ماقبل کے تحت ذکر کیا گیا خلافت دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے۔ خدائے تعالیٰ کے سب سے پہلے خلیفہ حضرت آدم تھے اس امر سے کسی کو انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کا جو منصب حضرت آدم کو حاصل تھا وہ بدرجہ اتم و بہ تکمیل درجات سردار الانبیا رحمت اللعلمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حاصل تھا۔ حضرت رسول نہ صرف مرسل و پیغمبر تھے بلکہ خلیفہ خدا بھی تھے۔

اب اگر کوئی رسول کا خلیفہ ہو تو منطقی اعتبار سے وہ بالواسطہ اللہ تعالیٰ کا دُنیا میں خلیفہ ہوگا ورنہ رسول کے برحق اور مکمل خلیفہ ہونے کی تعریف اس پر صادق نہ آئیگی۔ خلافتِ رسول ؐ جہاں خلافتِ خداوندی کی حامل ہو تو یہ دیکھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کس کو حاصل ہو سکتی ہے اگر کوئی اللہ کا نائب ہے تو آیا وہ خود اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہوگا یا اوروں کا مامور کردہ۔ عقل و منطق و قانون ظاہری کی رو سے یہ بدیہی امر ہے کہ نائب یا کارندہ وہی ہوتا ہے جس کو اصل مقرر کرے اور اپنے اختیارات سونپے Principal ہی کو اختیار ہے کہ Agent مقرر کرے۔ مثلاً کوئی جاگیردار اپنی جاگیر میں اپنا نائب خود ہی مقرر کرتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ رعایا بلکر جاگیردار کے لئے ایک نائب مقرر کرے۔ ایسا مقرر کردہ شخص رعایا کا نمائندہ ہوگا نہ کہ جاگیردار کا نائب۔ اختیارات اصل کو حاصل ہوتے ہیں اور وہی اپنے نائب کو تفویض کر سکتا۔ رعایا کس طرح جاگیردار کے اختیارات چھین کر کسی اپنے نامزد کردہ شخص کو دے سکتی ہے۔ لہذا یہ ایک بدیہی بات اور منطقی حقیقت ہوئی کہ اللہ کا نائب وہی ہو سکتا ہے جس کو اللہ مقرر کرے۔ بندوں کو یہ حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے معبود کیلئے کوئی نائب یا خلیفہ مقرر کر دیں۔

اس ضمن میں یہ بھی ایک اُصولی امر ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیارات کے استعمال اور اپنی نیابت کیلئے ایسے ہی شخص کو مقرر کرے گا جو ان اختیارات کو سنبھالنے نافذ کرنے اور اصل کی نیابت کرنے کا اہل ہو۔ جس قدر بڑے اختیارات اور صفات جلیلہ اصل میں ہونگے اسی کی کم و بیش جھلک نائب میں بھی ہوگی۔ اس نائب کیلئے ضروری ہوگا کہ اصل کی ہستی سے اولاً واقف ہو اس کے صفات و اختیارات کا اس کو اندازہ ہو۔ ان کو سمجھے اور پھر انکا حامل ہو اور ان پر عامل (بجز ان کے جن کو علم وہبی عطا ہوا ہو اور اس کے بعد بھی اپنے اپنے حدود کے اندر) معبود حقیقی رب العلمین کی ہستی کس کی سمجھ میں آسکتی ہے اور اس کے صفات جلیلہ کا کون کماحقہ اندازہ کرسکتا ہے خود سرور کائنات فرماتے ہیں کہ ما عرفناک حق معرفتک۔ ایسے معبود قادر مطلق اور خالق کائنات رب العالمین کا نائب آخر کیسا ہوگا۔ کیا ما و شما اس منصب کے اہل ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی نائب خدا ہے تو اولاً ضروری ہوا کہ خدا کا مقرر کردہ ہو اور پھر اس میں صفات بھی خدائی ہوں۔ کیونکہ وہ خدا دیئے ہوئے اختیارات کو استعمال کرکے بہ مصداق کل شئ احصینٰہ فی امام مبین؁ گویا زمین پر خدائی کرتا ہے۔ اب اگر بحث کی خاطر خلافت کے مفہوم کو محدود کرکے اس کو صرف رسولؐ کی خلافت کے معنوں میں لیا جائے تو اس نقطۂ نظر سے بھی یہ دیکھنے کے لئے جانشین رسولؐ میں کن صفات کی ضرورت ہے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ رسولؐ کن صفات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ وارث یا جانشین ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ رسولؐ کا منبر یا مسند کس کے قبضہ میں آئی اور جسمانی اعتبار سے کون اس پر بیٹھ گیا سوال یہ ہے کہ ان صفات رسول کا کون وارث ہے اور رسولؐ نے اپنا وصی اور جانشین حسب احکام خداوندی کس کو مقرر فرمایا تھا خواہ وہ منبر پر بیٹھے یا کسی گوشۂ تنہائی میں عزلت گزیں ہو۔ اگر وہ وصی رسولؐ ہے اور رسول کی ان صفات کا مظہر ہے تو بمصداق "صدر ہر جا کہ نشیند صدر است" وہ جہاں کہیں بیٹھا ہے جانشین رسول ہی ہوگا۔ منبر یا مسند میں بجائے خود کوئی اعزاز یا عزت دینے کی قابلیت نہیں ہے بلکہ منبر کو جس پر رسول اللہ تشریف رکھتے ہوں اس وجہ سے عزت ملی کہ رسولؐ اس پر تشریف رکھتے تھے منبر یا مسند پر جو چاہے چڑھ کر بیٹھ جائے۔ جیسا کہ خود رسولؐ اللہ نے عالم رویا میں ملاحظہ فرمایا تھا کہ آپکے منبر پر بندر اچھل کود کر رہے ہیں۔ رسولؐ کی ذات مختلف صفات قدسیہ و وہبیہ کا مجموعہ ہوتی ہے۔ پہلا امر تو یہ ہوتا ہے کہ وہ مقرر کردہ بارگاہ ایزدی ہوتا ہے۔ دوسرا امر یہ ہوتا ہے کہ اس کو علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔ تیسری چیز یہ ہوتی ہے کہ رسول خلق اور اللہ کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قایم رہتا ہے۔ خواہ جبرئیل یا فرشتے کے اترنے یا وحی کے پہنچانے کی صورت میں ہو یا بذریعہ الہام و القا کے ہو۔ چوتھی بات یہ ہے کہ رسول اولیٰ بہ نفس مومنین ہوتا ہے اور اس کی محبت فرض ہوتی ہے۔ پانچویں بات یہ ہوتی ہے کہ ہدایت کے قابل ہونے اور اپنے حکم کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے رسولؐ کا معصوم اور ہر قسم کی خطا سے بری ہونا لازمی ہوتا ہے اور رسول اعلیٰ ترین محاسن اخلاق و کردار کا حامل ہوتا ہے۔

ورنہ اگر خود ہدایت کرنے والا غلطیوں اور گناہ میں مبتلا ہو (خواہ گناہ کتنا ہی صغیرہ کیوں نہ ہو) تو اس کی بات کی وقعت کیا ہوگی جو خود تو خطا کرے اور دوسرے کو صواب کا حکم دے۔ چھٹی بات یہ ہے کہ رسالت جن و انس اور ساری کائنات کے لئے ہے۔ پھر ساتویں بات یہ ہے کہ رسول صاحب معجزہ ہوتا ہے۔ تاکہ جن لوگوں کی عقل بہت موٹی ہو وہ کم از کم اس کے معجزات کو دیکھ کر اس کی حقانیت کا اندازہ کر سکیں۔ حضرت رسول کے متعلق رب العزت کا ارشاد ہے ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھما الکتب والحکمۃ (سورۂ جمعہ آیت ۲) ترجمہ:۔ خدا وہ ہے کہ جس نے جاہلوں میں ایک رسول بھیجا جو ان پر آیات خدا کی تلاوت کرے ان کے اخلاق سنوارے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم کرے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت رسول کے ذمہ نہ صرف قرآن کی تبلیغ ہی تھی بلکہ قرآن کی اور حکمت کی تعلیم دینا بھی حضرت کے فرائض میں تھا اور آپ مسلمانوں کو اس کے مطالب اور مقاصد تعلیم بھی کیا کرتے تھے۔ واضح ہوا کہ بغیر تعلیم رسول کے ہم لوگ تنہا قرآن مجید کے مطالب و رموز نہیں سمجھ سکتے۔ جو حضرت رسولؐ کا جانشین ہو اس کے لئے بھی یہ لازمی ہوگا کہ وہ کتاب اور حکمت کی تعلیم دینے کے قابل ہو۔

حضرت رسُول کے اُمّی کہلائے جانے پر ایک نظر

اس نوبت پر حضرت رسولؐ کے اُمّی کہلائے جاتے کے سلسلے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ نامناسب نہ ہوگا جو بعض لوگوں کو لاحق ہے۔ یعنی یہ کہ رسولؐ اللہ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا۔ سب سے پہلے تو متذکرہ صدر آیت ہی اس بات کی تکذیب کر دیتی ہے کہ حضرت رسولؐ (معاذ اللہ) جاہل تھے۔ جاہل لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کے لیے خدائے تعالیٰ کسی جاہل کو کیسے مقرر فرمائے گا۔ تعلیم دینے کے لئے جو مامور ہو وہ یقیناً عالم ہوگا۔ ذاتِ رسولؐ کو علم لدنّی کونین و کائنات کا وہبی طور پر عطا ہوا تھا اور یہ مسلمہ ہے کہ علم آپ نے کسی شخص دُنیوی یا اُستاد ظاہری سے نہیں سیکھا تھا کسی ظاہری اُستاد سے علم نہ سیکھنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ ان پڑھ یا بزبان عام جاہل تھے آپکو تو کائنات عالم کا علم حاصل تھا اور آپ کے علم میں نہ تو کوئی نقص تھا نہ کمی۔ یہ بات کیسے عقل میں آسکتی ہے کہ آپ کو زمین و آسمان کا ہر علم حاصل ہو اور علم نہ ہو تو صرف الف۔ ب۔ ت کا۔ جو کہ ہر بندۂ گندہ اور ہر مذہب و ملت کے طفلِ مکتب کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ آپ کے امی ہونیکے معنی صرف اسی قدر ہیں کہ آپ نے علم کسی اُستاد ظاہر سے کسب نہیں فرمایا تھا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت تھی کہ اسباب ظاہری کو اس طرح قائم فرمایا اگر آپ علم کسی شخص ظاہری سے پڑھے ہوتے تو وہ پڑھانے والا اگر خود بھی کوئی پیغمبر اولہ بری از خطا ہوتا تو ایک بات بنتی تھی۔ ورنہ شخص ظاہری کے پڑھائے ہوئے علم میں نقص رہنا لازمی ہے۔ لوگوں کو یہ شبہ رہتا کہ جیسا اور جو کچھ اُستاد ظاہری نے بتایا وہی رسولؐ نے سیکھ لیا اور ان کا مبلغ علم اسی قدر ہے۔ قدرت کو تو لوگوں کے دلوں سے یہ شبہ دور کرنا تھا اور بتانا تھا کہ دیکھو اس خاتم النبیینؐ نے عالم ظاہری میں کسی سے علم حاصل نہیں کیا اور پھر بھی اس کو ارض و سما کا علم حاصل ہے

اور یہ یقین ہوجائے کہ بغیر کسی کے پڑھائے ایسا بڑا علم کائنات بجز خدائے تعالیٰ کے ودیعت فرمانے کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ باسباب ظاہر کسی سے نہ پڑھ کر علم کائنات کا مالک ہونا آپ کے ایک معجزہ کی صورت رکھتا تھا۔ نہ یہ کہ اس کو یہ معنی پہنائے جائیں کہ معاذ اللہ آپ پڑھنا لکھنا جانتے نہ تھے یا جاہل تھے۔ سورۂ عنکبوت کی آیت ۴۸ میں اللہ تعالیٰ نے ان مطالب کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَمَا کُنتَ تَتلُوا مِن قَبلِہٖ مِن کِتٰبٍ وَلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِینِکَ اِذًا لَّارتَابَ المُبطِلُونَ بَل ھُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِی صُدُورِ الَّذِینَ اُوتُوا العِلمَ ۔ ترجمہ:۔ (اے رسول) قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے تم لکھا کرتے تھے۔ ایسا ہوتا تو یہ جھوٹے ضرور (تمہاری نبوت میں) شک کرتے۔ مگر بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو (خدا کی طرف سے) علم عطا ہوا ہے ان کے سینوں میں واضح اور روشن آیتیں موجود ہیں۔ اس آیت سے دو امور واضح ہوگئے یعنی قرآن سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے تو اس کا مطلب صاف یہ ہوا کہ قرآن کے بعد پڑھنے اور اپنے ہاتھ سے لکھنے لگے۔ پھر اس کو بھی واضح فرما دیتا ہے کہ جن کو علم اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے ان کے سینوں میں سب باتیں واضح اور روشن موجود رہتی ہیں۔ اب ان پڑھ یا جاہل ہونے کا کیا تصور رہا۔ یہاں یہ نکتہ بھی واضح کردیئے جانے کے لائق ہے۔ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے نہ لکھتے تھے نہ پڑھتے تھے کے معنی بالکل ایسے ہی ہیں کہ جس طرح باوجود خلقت آدم سے قبل ہی نبی ہونے کے حضرت رسولؐ نے اعلان بعثت ۴۰ برس کی عمر تک نہیں فرمایا۔ بعینہٖ باوجود لکھنے پڑھنے پر قادر ہونے کے اس قدرت کا اظہار بہ مصلحت خداوندی ملتوی رہا جس طرح اعلان رسالت ملتوی رہا تھا۔

علم تو نبوت کی گھٹی میں ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا اعلان کلام پاک میں موجود ہے۔ اِنِّی عَبدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الکِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا آپ نے صاحب کتاب ہونے کا دعویٰ پہلے کیا اور نبی ہونے کا اعلان بعد کیا۔ حضرت رسولؐ کے علم کی منزل کیا تھی کلام پاک سے خود واضح ہوجاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیت میں ارشاد ہے الرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُراٰنَ خَلَقَ الاِنسَانَ عَلَّمَہُ البَیَانَ یعنی رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی (پھر) انسان کو خلق کیا اور اس کو بیان کرنا سکھایا۔ حضرت رسول کو علم دیئے جانے کی منزل وہ تھی کہ جب انسان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی تو حضرت رسولؐ کو قرآن کا علم دیا جاچکا تھا اور وہ بھی کس نے دیا کہ رحمٰن یعنی ذات باری تعالیٰ نے اس کے ہزارہا سال بعد جب انسان (آدم) کی پیدائش ہوئی تو طاقت بیان عطا فرمائی اور بیان کی تعلیم دی۔ کیا اس بنا پر کہ کسی شخص دنیوی نے علم نہیں سکھایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے رسول کو اَن پڑھ کہا جائیگا کسی دنیوی استاد کے پڑھائے ہوئے شخص کو تو عالم فاضل کہا جائے اور اللہ تعالیٰ جیسے استاد کے پڑھائے ہوئے کو جاہل اَن پڑھ کہا جائے۔ یہ عقل کا مغالطہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسی استاد ظاہری سے رسولؐ کو علم نہ سکھوانے کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ ایسا ہوتا تو جھوٹے لوگ رسالت پر شک کرسکتے تھے۔

حضرت رسولؐ کی رسالت جن وانس سب پر حاوی ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ حضرت سلیمان کی تک
حکومت جن وانس پر ہونے کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ پھر سردار الانبیا کی رسالت کا کیا کہنا سورۂ احقاف کی
آیت ۲۹ ہے واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن فلما حضروہ قالوا انصتوا فلما قضی ولوا الی
قومھم منذرین ؁ ترجمہ اور جب ہم نے جنوں سے کئی شخصوں کو تمہاری طرف متوجہ کیا تو ایک دوسرے سے
کہنے لگے خاموش بیٹھے (سنتے) رہو۔ پھر پڑھنا تمام ہوا تو اپنی قوم کی طرف واپس گئے کہ انکو (عذاب سے) ڈرائیں۔ اس
آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب حضرت رسول تبلیغ کے لئے (قبل ہجرت) طائف کی طرف گئے اور وہاں کے بدبختوں نے
آپ کو پتھر مار کر زخمی کیا اور آپ واپسی میں رات کو ایک مقام پر ٹھہر گئے اور نصف شب تہجد کیلئے اٹھ کر
بعد نماز قرآن کی تلاوت فرمانے لگے۔ اس وقت نینوا کے رہنے والے سات جنات۔ شامن، ناصر، قرش،
مس، ارخابیان، اسقم اور ذریعہ کا ادھر سے گذر ہوا۔ سننے کے بعد یہ لوگ حضرت رسولؐ کے سامنے ظاہر ہوئے
اور ایمان لائے اور اپنے مقام پر واپس جانے کے بعد بہت سے جنات کو مومن بنایا۔ سورۂ جن کی آیت
۲۷ و ۲۸ ہے۔ الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا
لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم واحاط بما لدیھم واحصی کل شیءٍ عددا ؁
مگر جس پیغمبر کو پسند فرمائے ان کے آگے اور پیچھے نگہبان (فرشتہ) مقرر کرتا ہے کہ دیکھے کہ انہوں نے اپنے پروردگار
کے پیغامات پہنچائے اور یوں تو جو کچھ ان کے پاس ہے وہ سب پر حاوی ہے اور اسنے تو ایک ایک چیز گن رکھی
ہے۔ سورۂ الذاریات کی آیت ۵۶ ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ؁ یعنی ہم نے
جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ ہماری عبادت کریں لہذا یہ لازمی ہوا کہ جنوں کو بھی عبادت کرنا
سکھایا جائے اور ان کی بھی ہدایت اس طرح کیجاتی رہے جس طرح انسانوں کی ہدایت کی جاتی ہے اس طرح
رسالت رسول اور ائمہ کی امامت بھی جن وانس کے لئے ہونا لازمی ہوا۔ اب ہم آگے چل کر یہ دیکھیں گے کہ
منصب رسالت کے اعتبار سے پیغمبر خدا جن صفات کے حامل تھے اور جن کو ہم نے سہولت کی خاطر سطور بالا
میں سات عنوانوں میں تقسیم کیا ہے وہ آپ کے بعد کس میں پائی گئیں اور اس کے برخلاف کون ان صفات سے
عاری تھا۔ انہیں اعتبارات پر رسولؐ کے جانشین برحق کا تعین ہوگا۔ ان امور پر غور کرنے کیلئے ہمکو آیاتِ قرآنی
واحادیث رسول اور تاریخ اسلام کے واقعات کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ بروئے احادیث
معتبرہ کونسی آیات کس کی شان میں ہونا ثابت ہے اور پھر جو احادیث کا ایک وسیع طومار ہے اس پر بھی احتیاط سے
نظر ڈالنی ہوگی کہ جہاں متضاد قسم کی حدیثیں بطور واقعہ مختلف کتب میں موجود ہوں تو ان میں سے کونسی
قرین عقل وموافق قرآن ومطابق شواہد تاریخ ہیں اور کونسی موضوع ومصنوعی ہیں حضرات شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ
بارہ ائمہ اہل بیت کی امامت وحقانیت تمام کتب اہل سنت ہی سے ثابت ہے اور کتب احادیث شیعہ

میں تو ان ذواتِ قدسیہ کے فضائل اور بھی شرح و بسط سے درج ہیں۔ بہرحال ہم یہ دیکھیں گے کہ شیعوں کا یہ دعویٰ کتب اہل سنت کے مندرجات سے کس حد تک ثابت ہے۔ اس لئے ہم جتنی بھی حدیثوں اور روایتوں پر غور کریں گے وہ بالکلیہ کتب اہل سنت کی ہوں گی۔

مختلف فرقہ جات اسلام میں بارہ خلفاء کون کون سے ہیں۔

مختلف فرقہ جات اسلام میں بارہ خلفاء کون کون سے ہیں اس کی تقسیم دو طرح پر دیکھنے میں آتی ہے۔ صرف ایک فرقہ شیعہ اثنا عشری ایسا ہے جو بارہ ائمہ اہل بیت کی خلافت و امامت کا قائل ہے۔ اس فرقہ کا نام ہی "اثنا عشری" یا "امامیہ" ہے یعنی بارہ اماموں کو ماننے والے ان بارہ ائمہ اہل بیت کے ناموں میں کوئی اشتباہ یا اختلاف نہیں ہے بلکہ جس کسی تین چار سال کی عمر کے شیعہ بچہ سے بھی پوچھا جائے تو وہ ایک سانس میں بارہ اماموں کے نام سلسلہ وار سنا دیتا ہے۔ بارہ ائمہ اہل بیت کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت امام علی مرتضیٰ علیہ السلام (۲) حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام (۳) حضرت امام حسین علیہ السلام (۴) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام (۵) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (۷) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۸) حضرت امام علی رضا علیہ السلام (۹) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام (۱۰) حضرت امام علی النقی علیہ السلام (۱۱) حضرت امام حسن العسکری علیہ السلام (۱۲) حضرت امام محمد مہدی آخر الزماں علیہ السلام

برخلاف فرقہ شیعہ کے اہل سنت والجماعت کا کوئی فرقہ ائمہ اہل بیت کی خلافت رسول کا قائل نہیں ہے بلکہ وہ اپنا دوسرا سلسلہ بارہ خلفا کا رکھتے ہیں۔ مگر اس کے متعلق کہ یہ بارہ خلفائے رسول کون سے ہیں کسی ایک سُنّی عالم کا خیال دوسرے سُنّی عالم سے نہیں ملتا بلکہ بجز چند مشترک ناموں کے بقیہ نام ہر فہرست میں جُدا جُدا دیکھنے میں آتے ہیں صرف دو نام حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت حسن مجتبیٰ کے سُنّیوں اور شیعوں دونوں کی فہرست میں مشترک ہیں (بعض سُنّی علماء شیعوں کے بارھویں امام حضرت مہدی آخر الزماں علیہ السلام کو بھی اپنی بارہ کی فہرست میں داخل کرتے ہیں اور بعض امام حسن علیہ السلام کا نام بھی بارہ خلفاء کی فہرست میں شریک نہیں کرتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سلسلہ وار بارہ خلفاء کے نام درج کئے ہیں۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علی حضرت حسن اور امیر معاویہ کے بعد یزید کا نام بھی بارہ خلفاء میں شامل ہے۔ اس طرح بارہ خلفائے اہل سنت کی فہرست یہ ہے۔ (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) حضرت حسن (۶) امیر معاویہ (۷) یزید ابن معاویہ (۸) عبداللہ بن زبیر (۹) عبدالملک بن مروان (۱۰) ولید بن عبدالملک (۱۱) سلیمان بن عبدالملک (۱۲) عمر بن عبدالعزیز۔

ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ جو اہل سنت کے ایک بڑے عالم ہیں اپنی کتاب فقہ اکبر میں لکھتے ہیں ہم

ہم اہل سنت کے نزدیک بارہ خلفاء یہ ہیں۔ کنز العمال اور فتح الباری میں بھی یہی نام درج ہیں۔
(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) امیر معاویہ (۶) یزید
(۷) عبدالملک بن مروان اور اس کے چار بیٹے (۸) ولید (۹) سلیمان (۱۰) یزید ثانی (۱۱) ہشام (۱۲) عمر بن عبدالعزیز فتح الباری میں یہ بھی درج ہے کہ جو ان کی مخالفت کرے وہ واجب القتل ہے۔ ملا صاحب موصوف امام حسن علیہ السلام کو بھی جنکی مسلمہ خلافت ظاہری چھ ماہ کی تھی حضرت رسولؐ کا خلیفہ نہیں سمجھتے۔ مگر ان فہرستوں کے برخلاف علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ وہ بارہ خلفاء عادل بالحق شروع اسلام سے لیکر تاقیامت ہوں گے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کا زمانہ یکے بعد دیگرے ہو۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک ان بارہ میں سے آٹھ خلفاء حسب ذیل ہیں:-
(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) حضرت حسنؑ (۶) امیر معاویہ
(۷) عبداللہ ابن زبیر (۸) عمر بن عبدالعزیز۔ یہاں تک لکھنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ان آٹھ میں "مہدی (خلیفہ بنی عباس) کو بھی شامل کرنا چاہیئے (جو عمر بن عبدالعزیز کے ۱۰۱ھ میں انتقال کے ۱۵۴ سال بعد انیس خلیفہ بیچ میں گزرنے کے بعد ۲۵۵ھ میں خلیفہ ہوا) کیونکہ سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ بنو عباس میں اس پایا کا ہوا ہے جیسے بنو امیہ میں عمر بن عبدالعزیز اس کے بعد لکھتے ہیں" اور خلیفہ "ظاہر" کو بھی اس میں شامل کرنا چاہیئے (جو مہدی کے ۲۵۶ھ میں انتقال کے ۳۶۶ سال بعد سولہ ۱۶ خلیفہ بیچ میں گزرنے کے بعد ۶۲۲ھ میں خلیفہ ہوا) کیونکہ وہ بڑا عادل گزرا ہے باقی رہے دو وہ ابھی ہونے والے ہیں جن میں ایک امام مہدی ہوں گے جو اہل بیت رسولؐ سے ہوں گے۔"

علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں امیر معاویہ کے بعد باسٹھ خلفاء کی تاریخ ۹۰۳ھ تک کی درج کی ہے۔ مگر ان باسٹھ میں سے بجز ان ناموں کے جو اوپر آئے ہیں ایک بھی ان کو ایسا نہیں ملا جو اس بارہ کی تکمیل کر سکے اور وہ دو بھی اس طرح سے کہ ۱۵۴ سال کے وقفہ کے بعد ایک اور پھر اس کے ۳۶۶ سال کے وقفہ کے بعد دوسرا خلیفہ ہوا گویا یہ سیکڑوں سال کا زمانہ بلا خلیفہ کے رہا۔ سیوطی کے خیال کے بموجب امام مہدی (منجملہ ائمہ اہلبیت) بارھویں خلیفہ ہونگے۔ مگر گیارھواں خلیفہ ان کے خیال میں ۹۰۳ھ کے بعد کوئی پیدا ہونے والا تھا۔ نہ معلوم وہ کونسا خلیفہ ہے۔ بہرحال ان بارہ خلفاء کے متعلق ہر سنی عالم آج تک قیاس آرائی میں معروف ہے اور ہر ایک کوئی نہ کوئی نیا رنگ اس مضمون کو دیکر پیش کرتا ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض اپنا قیاس یوں ظاہر کرتے ہیں "بارہ سے مراد یہ ہوگی کہ وہ بارہ خلفا غلبۂ خلافت اور قوت و استقامت اسلام کے زمانہ میں گزرینگے اور لوگوں کا اجماع ایک شخص واحد کی خلافت کیلئے پایا بھی جاتا ہے۔ یہاں تک کہ زمانۂ خلافت ولید بن یزید میں اضطراب پیدا ہوا اور فتنہ برپا ہوگیا۔ جو قیام خلافت بنو عباس تک قایم رہا اور اس پر خلفائے

بنو اُمیّہ کا استیصال ہو گیا۔ اِس طرح قاضی عیاض کے خیال کے بموجب ولید بن یزید بن عبدالملک سے پہلے جتنے خلفاء گزرے ہیں وہ بارہ کی فہرست میں داخل ہوتے ہیں۔ قاضی عیاض کے بموجب خلفائے ثلاثہ اور حضرت علی کے علاوہ ان کے نام یہ ہیں (واضح رہے کہ اس میں امام حسن کا بھی نام نہیں ہے)

(۵) امیر معاویہ (۶) عبداللہ بن زبیر (۷) یزید بن معاویہ (۸) عبدالملک بن مروان (۹) ولید بن عبدالملک (۱۰) سلیمان بن عبدالملک (۱۱) عمر بن عبدالعزیز (۱۲) یزید بن عبدالملک۔

ذیل میں ہم علامہ سیوطی کی پوری عبارت قاضی عیاض کے قول کے متعلق نقل کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ خلافتِ رسول کا معیار محض جنگ وجدل ملک گیری شہروں پر قبضہ کرنے اور شہروں کے ہاتھ سے نکل جانے کو قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں تو خلافت رسول کے متعلق یہ ایک بے سر و پا گفتگو ہے۔ بہر حال ہم سیوطی کی پوری عبارت بلا کم وکاست درج کر دیتے ہیں تاکہ ناظرین خود اندازہ فرمائیں کہ اس سے وہ کیا مطلب نکال سکتے ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں "شیخ الاسلام ابن حجر نے شرح بخاری میں قاضی عیاض کے قول کی نسبت کہا ہے کہ قاضی عیاض نے اس حدیث کے متعلق بہت ٹھیک کہا ہے۔ حدیث صحیح کے بعض طریقے ان کی تائید بھی کرتے ہیں کہ تمام لوگوں کا ان پر اجماع ہو گیا۔ اس کی توضیح یوں ہے کہ اجماع سے مراد یہ ہے کہ لوگوں نے ان کی بیعت میں کوئی چون وچرا نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علی کے معاملہ میں قضیہ صفین تک واقع ہوا کہ جب معاویہ خلیفہ تسلیم کئے گئے۔ پھر لوگوں نے امام حسن کے صلح کرنے کے بعد معاویہ پر اجماع کیا۔ پھر یزید پر اجماع ہوا۔ حالانکہ امام حسینؑ موجود تھے مگر آپ پر اجماع نہیں ہوا بلکہ آپ شہید کر ڈالے گئے۔ پھر یزید مرا تو اختلاف پڑ گیا۔ یہاں تک کہ ابن زبیر کے قتل کے بعد عبدالملک بن مروان پر اجماع ہو گیا اور اس کے بعد اس کی چاروں اولادوں (ولید، سلیمان، یزید، ہشام) پر سلیمان اور یزید کے درمیان میں عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ حائل ہوا۔ پس اس حساب سے خلفائے ثلاثہ اور حضرت علی و امام حسن کو چھوڑ کر یہ ۷ خلفاء ہوئے اور بارہواں ولید بن یزید بن عبدالملک تھا کہ اس کے چچا ہشام کے مرنے پر لوگوں نے اجماع کیا اور قریب چار برس کے حکمران رہا اور پھر لوگ اس سے برگشتہ ہو گئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ فتنہ وفساد برپا ہو گیا اور زمانہ ہی بدل گیا اس روز کے بعد پھر کسی خلیفہ پر اجماع نہیں ہوا کیونکہ یزید بن ولید نے اپنے چچا ولید بن یزید کے بیٹے کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ لیکن اس کا بھی زمانہ نے دیر تک ساتھ نہ دیا اور قبل اس کے کہ اس کے باپ کے چچا کے بیٹے مروان بن محمد بن مروان کی قضا آئی۔ لوگوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ جب یزید مرا تو اس کے بھائی ابراہیم نے زمام سلطنت ہاتھ میں لی۔ مگر اسے مروان نے قتل کر ڈالا مروان پر بنو عباس نے فوج کشی کی اور وہ قتل کر دیا گیا اور خلفائے بنو عباس میں سے سب سے پہلا بادشاہ سفاح ہوا لیکن مکروہاتِ زمانہ نے اسے بھی چین نہ لینے دیا اور اس کے بعد اس کا بھائی منصور تختِ خلافت پر متمکن ہوا اور زمانہ نے ایک مدت اس کا ساتھ دیا لیکن مغرب الاقصٰی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اور اندلس پر بنو امیہ مدتوں قابض رہے اور انہوں نے اپنی سلطنت کو خلافت کا لقب دیا اور اس کے بعد خرابیاں پڑ گئیں اور خلافت کا نام ہی نام رہ گیا' واضح رہے کہ یہاں تک پوری عبارت سیوطی کی ہے شیخ الاسلام ابن حجر کے متذکرہ بالا قول کے اعتبار سے بارہ خلفاء کی گنتی اس طرح پوری ہوگئی اور اس کے بعد پھر کسی خلیفہ پر اجماع نہ ہوا۔ ان کے اعتبار سے بارہ خلفاء کی فہرست یہ ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) حضرت حسن (۶) امیر معاویہ (۷) یزید (۸) عبدالملک بن مروان (۹) ولید بن عبدالملک (۱۰) سلیمان بن عبدالملک (۱۱) عمر بن عبدالعزیز۔ (۱۲) ہشام بن عبدالملک امام مالک نے جو چار بڑے سنّی فرقوں میں سے ایک فرقہ مالکی کے امام ہیں۔ اپنا قول یہ لکھا ہے کہ کوئی شخص سوائے عصمت و مورد الہام و وحی ہونے کی شرائط پورا کرنے کے امام نہیں ہو سکتا"۔ اس حد تک یہ گویا بالکلیہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔ مگر کمال یہ ہے کہ امام مالک کے مندرجہ بالا قول کے باوجود مالکی سنّی بھی بارہ ائمہ اہلبیت کو خلفائے رسول نہیں مانتے اور دیگر سنّیوں کی طرح حضرت ابوبکر و عمر سے لیکر ہشام بن عبدالملک تک بارہ خلفائے رسول مانتے ہیں۔

بہر حال اہل سنّت کے بارہ خلفاء کی فہرست میں کوئی بارہ نام بلا اختلاف کے نظر نہیں آتے اور آج تک یہ طے نہ ہو سکا کہ اہل سنّت کے وہ بارہ خلفاء ہیں کون سے؟ اپنے حسب مرضی نام داخل خارج کئے جاتے ہیں اور صرف بارہ نہیں بلکہ معاویہ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کے ملا کر باسٹھ ۶۲ خلفاء گزرے ہیں جن میں سے ہر ایک کو رسول کا خلیفہ برحق ہونے کا دعویٰ تھا اور بطور واقعہ ان میں کا ہر ایک تخت حکومت پر بیٹھا ہوا امیر المومنین کہلا رہا تھا۔ علمائے اہل سنّت کی ایک کافی بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو شیعوں کے بارہ اماموں یعنی ائمہ اہلبیت کو امام تسلیم کرتی ہے اور بعض حضرات اہل سنّت بھی ان بارہ اماموں کے قائل ہیں۔ مگر اصل نکتہ یہ ہے کہ یہ سنّی علماء امامت اور خلافت کو الگ سمجھتے ہیں یعنی امام الگ ہے اور خلیفہ الگ ہے۔ ایک طرف تو حضرت علی اور امام حسن سے لیکر بارھویں امام حضرت مہدی تک وہ بارہ اماموں کے سلسلہ کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان سے لیکر معاویہ اور یزید عبدالملک بن مروان وغیرہ کو حضرت رسول کے بارہ خلیفہ برحق مانتے ہیں۔ اس کی بحث ہم نے علیحدہ کی ہے اور یہاں اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ خلیفہ اور امام ایک ہی ہے۔ حضرت رسولؐ کی نسبت سے وہ خلیفہ کہلاتا ہے اور لوگوں کی نسبت سے امام یعنی حضرت رسولؐ کا خلیفہ اور لوگوں کا امام۔ بہر حال ہم ذیل میں ایسے علمائے اہل سنّت کی فہرست مع انکی کتاب کے نام کے درج کئے دیتے ہیں جو بارہ آئمہ اہلبیت کی امامت کے قائل ہیں۔ صواعق محرقہ میں ابن حجر عسقلانی' تاریخ خمیس میں دیار بکری شواہد النبوۃ میں ملا عبدالرحمٰن جامی' جواہر وغیرہ میں عبدالوہاب شعرانی فتوحات مکیہ میں محی الدین عربی' فصل الخطاب میں خواجہ محمد پارسا' رسالہ آئمہ اطہار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی' روضۃ الاحباب میں جلال الدین محدث' کتاب

التبیان فی اخبار صاحب الزمان میں ابو عبداللہ شافعی تذکرۃ الخواص الامہ میں سبط ابن جوزی فصول مہمہ میں ابن صباغ مالکی وسیلۃ النجات میں ملامبین فرنگی محلی ارجح المطالب میں عبیداللہ امرتسری الفصل المبین میں شاہ ولی اللہ پدر شاہ عبدالعزیز ہدیۃ المہدی میں وحیدالزماں وقار نواز جنگ مناقب ائمہ اثناعشر میں شیخ عبدالحق دہلوی حد تحقیق بہ مشرب سنی میں مولوی وحیدالدین خان نیز ابن خلکان اپنی تاریخ میں اور ینابیع المودۃ میں شاہ سلیمان بلخی نے حضرت علی علیہ السلام سے لیکر صاحب عصر والزماں تک دوازدہ ائمہ اہل بیت اطہار کے نام دیئے ہیں جن کو وہ امام تسلیم کرتے ہیں۔ شاہ سلیمان بلخی نے ایسے متعدد لوگوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو صاحب عصر والزماں بارھویں امام کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ مناقب امام احمد ابن حنبل مؤلفہ ابن جوزی طبع مصر صد ۱۲۴ پر امام احمد ابن حنبل لکھتے ہیں "جو علی کی امامت کو ثابت نہیں مانتا وہ گھریلو گدھے سے زیادہ گمراہ ہے۔"

مشہور محدث اہل سنت وحیدالزماں وقار نواز جنگ نے لغات الحدیث حرف الف ص ۶۱ پر لکھا ہے "جن لوگوں نے اس حدیث (خلفائے اثنا عشر) کا مصداق خلفاء بنی امیہ یا بنی عباس کو قرار دیا ہے سخت غلطی کی ہے چونکہ اموی حکمران اکثر غاصب ظالم جابر تھے اور عباسیہ کا عدد بارہ سے زائد تھا۔ اہل سنت کے علماء ان میں تراش خراش کرتے ہیں اور خلفائے راشدین کے بعد کچھ لوگوں کو بنی امیہ سے لیتے ہیں اور کچھ کو بنی عباس میں سے جو ذرا اچھے اور عادل گزرے ہیں اور ہم نے ہدیۃ المہدی میں یہ لکھا ہے کہ ان بارہ امیروں سے ائمہ اثنا عشر یعنی بارہ امام مراد ہیں اور امارت سے دینی پیشوائی اور سرداری مراد ہے نہ کہ حکومت ظاہری" شیعوں کا نظریہ بھی یہی ہے جس کو وحیدالزماں صاحب نے صحیح تسلیم کیا ہے۔

خلافت صرف تیس برس رہنے کی نام نہاد حدیث

ایک ضعیف راوی سفینہ کی زبانی ایک منفرد نام نہاد حدیث یہ بیان کیجاتی ہے کہ امام احمد بیان کرتے ہیں کہ سفینہ نے کہا کہ میں نے حضرت رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خلافت تیس برس رہیگی اس کے بعد ملک ہو جائے گا۔ یہ سفینہ وہ راوی ہیں کہ جنکی زبانی خلافت ہی کے متعلق دو اور حدیثوں کو خود امام بخاری اور دیگر محدثین ابو ذرعہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ ان کی تائید نہیں ہوتی اور ان کی اسناد قابل اطمینان نہیں ہیں۔ چنانچہ بخاری لکھتے ہیں کہ سفینہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے حق میں ارشاد فرمایا کہ یہ میرے بعد خلیفے ہیں۔ پھر امام بخاری کہتے ہیں کہ اس حدیث کی تائید نہیں ہوتی سیوطی تاریخ الخلفاء ص ۸ پر لکھتے ہیں کہ سفینہ نے ایک اور حدیث روایت کی کہ جب حضرت رسول نے مسجد بنائی تو پہلے خود سنگ بنیاد رکھا پھر حضرت ابوبکر کو پتھر رکھنے کہا پھر حضرت عمر کو کہا پھر حضرت عثمان کو کہا پھر ارشاد فرمایا کہ یہ میرے بعد خلیفے ہوں گے۔ پھر سیوطی لکھتے ہیں کہ ابو ذرعہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قابل اطمینان نہیں ہیں یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں خلافت کے چوتھے نمبر پر بھی حضرت علی کا نام نہیں ہے خود سنی علماء نے سفینہ کی

ان حدیثوں کو قبول نہیں کیا ہے اور کوئی سُنّی عالم یہ نہیں کہتا کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت حضرت رسولؐ کے کبھی ارشاد کی بناء پر ہے بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی خلافت اجماعِ اُمت سے اور حضرت عمر کی استخلاف یعنی حضرت ابوبکر کے نامزد کرنے سے اور پھر حضرت عثمان کی شوریٰ کے تصفیہ سے ہوئی۔ بہرحال سفینہ ایک اِس قِسم کے راوی ہیں جن کی دو حدیثیں خلافت کے ہی متعلق علمائے اہلِ سنت ہی کی جانب سے نا قابلِ قبول قرار دی جا چکی ہیں۔ انہیں کی زبانی اب یہ تیسری حدیث خلافت صرف تیس سال تک ہونے اور پھر ملک ہونے کی درمیان میں لائی جاتی ہے اور اس تیس سال کے زمانہ کے چار خلفاؤں میں خلفائے ثلاثہ و حضرت علی کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے۔

قابلِ غور ہے کہ ایک طرف تو حضرت رسولؐ یہ فرمائیں کہ میرے بارہ خلفاء ہوں گے اور یہ امرِ اسلام ہرگز منقضی نہ ہوگا جب تک بارہ خلفاء نہ گزر جائیں پھر دوسری طرف یہ فرمائیں کہ صرف تیس سال تک میرے خلفاء رہیں گے اور اس کے بعد شاہی رہے گی۔ حضرت رسول ایک دوسرے کے متناقض اور متضاد امور کبھی بیان نہیں فرما سکتے۔ بارہ خلفاء کے گزرنے تک امرِ اسلام کا منقضی نہ ہونا کدھر اور صرف چار خلفاء گزرتے ہی خلافت ختم ہو جانا کدھر۔ آخر وہ مزید آٹھ خلفاء کہاں گئے اور صرف چار خلیفہ رہ کر باقی دنیوی بادشاہ کیسے ہوگئے۔

علمائے اہلِ سنّت (بشمول بخاری و مسلم) کی شاید ہی کوئی کتاب حدیث ہوگی جس میں بارہ خلفائے رسولؐ کی حدیث درج نہ ہو اور پھر یہ بارہ امام کو ماننے کی صدائیں بعض اہلِ سنّت کی بھی طرف سے کس بناء پر بلند ہوتی ہیں۔ اہلِ طریقت بزرگ حضرت شمس تبریزؒ " مولانا رومؒ " حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ " حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینیؒ " مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی وغیرہ دوازدہ ائمہ اہلبیت کو اپنا امام کس بناء پر تسلیم کرتے ہیں۔ موصوفہ صدر اہلِ طریقت کے علاوہ متعدد علماء و مرشدین اہلِ سنّت مثلاً امام مالکؒ " حضرت بدیع الدینؒ " داتا گنج بخشؒ " شیخ محی الدین عربیؒ " شیخ سعدالدین حموی خلیفہ شیخ نجم الدین کبریٰؒ " امام محمد بن طلحہ شافعیؒ " مولانا عبدالرحمٰن چشتیؒ (صاحبِ کتاب مرأت مدار) وغیرہ بارھویں امام حضرت محمد مہدی بن حسن عسکری علیہم السلام کا دُنیا میں اب بھی بہ حالت غیبت زندہ موجود ہونا (مثل خضر و الیاس) کس بناء پر تسلیم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب حضرت رسولؐ کے اس ارشاد کی بناء پر کہ میرے بارہ خلفاء ہوں گے اور نیز ان مزید واضح ارشادات کے بموجب ہے جن میں آپ نے اپنے بارہ خلفاء یعنی بارہ ائمہ اہلبیت بشمول حضرت محمد مہدیؑ کے نام واضح طور پر بیان فرما دیئے تھے (جس کا ذکر علیحدہ آیا ہے) ان تمام مسلمات کے ہوتے ہوئے پھر یہ کہنا کہ صرف چار خلفائے راشدین ہوں گے باقی ملوک دنیوی ہوں گے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ کیا ان بارہ آئمہ اہلبیت میں سے آٹھ کو اہلِ سنّت حضرات بھی بادشاہ ظاہری کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں واضح ارشاد رسول موجود ہو کہ میرے بارہ خلفاء ہوں گے تو وہاں سے راستہ

کر اگر یہ کہا کہ بارہ نہیں بلکہ چار ہوں گے کسی صاحب عقل کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ خود متعدد محدثین وعلمائے اہل سنت نے اس نام نہاد حدیث خلفائے راشدین کو قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے اور وہ اس مسلمہ اور متفق علیہ حدیث خلفائے اثنائے عشر کے بہ موجب اپنے نظریہ رسی اسے بارہ خلفائے رسول کی اپنی اپنی فہرستیں پیش کرتے ہیں جو اوپر درج کی جاچکی ہیں۔

امام کی موجودگی اور اپنے زمانہ کے امام کا تعارف حاصل کئے بغیر جاہلیت کی موت نصیب ہونے کے ارشاد رسول اور روز قیامت اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائے جانے (یوم ندعو کل اناس بامامھم) اور اسی قسم کے متعدد ارشادات ربانی کا کیا مقصود رہا۔ کیا یہ تیس سال کی خلافت والی مبینہ حدیث ان سب ارشادات رسول اور آیات قرآنی پر پانی پھیر دے گی؟ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اس قبیل کی حدیثیں ہر ایک نے اپنی اپنی خلافتیں برحق ہونے سے متعلق من مانے گڑھ لی ہیں۔ چنانچہ کتب اہل سنت میں بنو امیہ کی خلافت کی تائید میں بھی حدیثیں موجود ہیں اور بنو عباس کی خلافت کیلئے بھی کثیر حدیثیں موجود ہیں چنانچہ سیوطی تاریخ الخلفا کے دیباچہ میں حضرت عائشہ سے روایت درج کرتے ہیں کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ قریب ہے کہ بنو عباس کا جھنڈا کھڑا ہو اور وہ حق کے قائم رہنے تک ان کے ہاتھ سے نہ نکلے گا سیوطی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک حدیث قدسی ہے کہ "جب خلافت بنو عباس تک پہنچ جائے گی تو پھر اس خاندان سے نہ نکلے گی یہاں تک کہ وہی لوگ مہدی یا عیسیٰ علیہ السلام کو سپرد کردینگے"۔ پھر سیوطی لکھتے ہیں "بس یہ ظاہر ہے کہ بنو عباس کے ہوتے جس نے دعویٰ خلافت کیا وہ باغی ہے" سیوطی یہ روایت بھی درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے تین مرتبہ فرمایا کہ الہیٰ عباس اور اس کے اولاد کی مدد فرما۔ اور پھر فرمایا چچا جان آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی اولاد میں مہدی موفق، راضی برضائے الہیٰ ہوگا۔ ان روایتوں میں نہ صرف خلفائے بنو عباس کی خلافت کو برحق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے منصب کو بھی بنو عباس کے خاندان میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بہرحال اگر بنو امیہ اور بنو عباس کی خلافتیں برحق تھیں تو پھر تیس سال کے بعد بادشاہی والی حدیث سے کس درجہ مطابقت پاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موقعہ پرستوں نے جس جس کا بھی جہاں داؤں چل گیا اپنی اپنی تائید میں مواد فراہم کرنے کی کوشش کی ہے اور صاحبان نظر کو صاف نظر آئے گا کہ جہاں حقیقت کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکنے کے اقدامات کئے گئے ہیں تو وہاں احادیث کے وضع کرنے میں بھی ایسا ایسا تضاد پیدا ہوا ہے کہ وہ روایتیں خود باہم متصادم ہو کر ایک دوسرے کا بھانڈا پھوڑ دیتی ہیں ان موضوع حدیثوں سے وہ متواتر اور متفق علیہ حدیث حضرت رسول کے بارہ خلفا ہونے سے متعلق کسی طرح متاثر یا متزلزل نہیں ہوتی اور وہ ارشاد رسول اپنی جگہ قائم اور برقرار ہے کہ آپ کے بارہ خلفاء ہوں گے جن کے نام بھی آپ نے ایک سے زیادہ مرتبوں پر ظاہر فرمائے جن کا ذکر اس کتاب کے

باب چہارم میں آیا ہے۔

یہاں یہ امر بطور خاص قابلِ ذکر ہے کہ حضرات اہلِ سنّت امام حسین علیہ السلام یا امام زین العابدین علیہ السلام یا اُن کی اولاد میں سے کسی کو رسول اللہ کا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت حسن حضرت حسین یا حضرت زین العابدین یا دیگر ائمہ اہل بیت کے ساتھ لفظ "امام" جو سنی حضرات استعمال کرتے ہیں جیسے امام حسین" "امام زین العابدین" "امام محمد باقر" امام جعفر صادق وغیرہ وہ بالکل اسی طرح عام معنوں میں ہے۔ جیسے امام فخر الدین رازی" امام نووی" امام بخاری" امام غزالی" امام ابو حنیفہ" امام شافعی" امام احمد بن حنبل وغیرہ۔ اِس لفظ امام سے رسول کی جانشینی یا امام منصوص من اللہ کی حیثیت سے تسلیم کیا جانا مقصود نہیں ہے۔ بعض سُنی حضرات ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بارہ ائمہ اہلبیت کو محض رسمی طور پر امام کے لقب سے یاد نہیں کرتے بلکہ بارہ ائمہ اہلبیت کے پورے کے پورے سلسلہ کو مذہبی اعتبار سے تسلیم کرتے ہیں۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جب کرید کر دیکھی جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ایسا کہنا بھی تمام تر ایک رسمی اور سطحی کیفیت رکھتا ہے جیسا کہ ایک دو مثالوں سے واضح ہوگا جو ہم ذیل میں درج کرینگے۔ امامت کے جو شرائط اور لوازم ہیں ان کے ساتھ امام ماننا ایک جداگانہ چیز ہے اور بے کبھی سے کہہ دینا کہ ہم بھی بارہ امام کو مانتے ہیں ایک اور بات ہے جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا بارہ ائمہ اہلبیت کو وہ سلسلہ بہ سلسلہ بلا فصل خلیفہ رسول تسلیم کرتے ہیں تو بارہ اماموں کو ماننے کا ادعا کرنے والا بھی کوئی سنی یہ نہیں کہتا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کو رسول کا خلیفہ بلا فصل مانتا ہے۔ بلکہ وہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان کو بھی رسول خدا کے برحق خلیفہ مانتے ہیں اور اس طرح حضرت ابو بکر سے شروع کر کے معاویہ یزید و عبداللہ بن زبیر سے ہوتے ہوئے ہشام بن عبد الملک تک بارہ خلفاء کا سلسلہ تسلیم کرتے ہیں۔ بہر حال یہ دو عملی قابلِ غور ہے جو شخص حضرت علی علیہ السلام کو شرائط و لوازم امامت کے ساتھ امام اور برحق جانشین رسول مانے وہ خلفائے ثلاثہ یا کسی کو بھی حضرت علی علیہ السلام کی زندگی میں رسول کا جانشین ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا اور نہیں کرتا۔ جو بارہ ائمہ اہلبیت کو حقیقی طور پر ماننے والے ہیں ان کے نزدیک یہی بارہ آئمہ اہلبیت رسول خدا کے بارہ خلفائے برحق ہیں۔ اِس طرح ان بعض سنی صاحبین کے حضرت ابو بکر سے لیکر ہشام بن عبد الملک کے سلسلہ کو خلفائے رسول ماننے کے ساتھ بارہ ائمہ اہل بیت کو بھی امام ماننے کے معنی صرف اسی قدر نکلے کہ ان کے صفات برگزیدہ کی وجہ سے ان کو اعزازی طور پر امام کے لقب سے یاد کرتے ہیں ورنہ ائمہ اہلبیت از حضرت علی علیہ السلام تا حضرت مہدی آخر الزماں علیہ السلام کو اپنے اپنے زمانہ کا امام تسلیم کیا جائے تو پھر امام وقت کی موجودگی میں کسی دوسرے کو خلیفہ رسول سمجھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ امام وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری تو ہر ایک فرد جن و انس بلکہ ہر متنفس و دود دام پر بھی لازم ہوتی ہے اور نباتات و جمادات بھی اس کے زیرِ فرمان ہوتے ہیں۔ پھر ایسے امام کو چھوڑ کر کسی اور کو خلیفہ رسول کہنا امام کی امامت ہی کا صریح بطلان ہے۔ منہ سے امام کہنا اور دل سے

اِس کو دوسرے کا محکوم ماننا کیا معنی رکھتا ہے۔ مختلف حضرات سے تبادلہ خیال میں یہ ظاہر ہوا کہ بہت سے تعلیم یافتہ اہل سنّت بھی جو بارہ ائمہ اہل بیت کو ماننے کا ادعا کرتے ہیں وہ محض ناسمجھی اور نادانستگی میں ایسا کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ یا تو کسی اہل طریقت کی کی ہوئی نصیحت کا نتیجہ ہوتا ہے یا بعض سُنّی خاندانوں میں بارہ اماموں کو ماننے کا طریقہ رسماً چلا آرہا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک دو واقعات کا مختصر ذکر بیجا نہ ہوگا۔ میری نانی کے چچا خواجہ حیات اللہ صاحب شافعی المذہب کی بیوی جنکو سب نانی جان کہا کرتے تھے روزانہ اپنے وظیفہ میں بارہ اماموں کے نام لیا کرتی تھیں اور بظاہر ان ناموں پر بڑا اعتقاد رکھتی تھیں ایک دفعہ وہ ہمارے ہاں اپنے بھانجے سید احمد مغربی انسپکٹر پولیس کی شکایت لیکر آئیں کہ سید احمد خیالات کے اعتبار سے شیعہ ہوتا چلا جارہا ہے اور کہتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ سے مجھے کھٹک پیدا ہوگئی ہے خصوصاً فدک کے معاملہ میں تو بالکل اڑجاتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت فاطمہ کا دعوے سچا تھا وہ بلا سبب بھی مانگ رہی تھیں تو رسول کی دکھیاری بیٹی کو فدک دیدینا چاہیئے تھا آپ کو جھوٹا سمجھنے کی کیا وجہ تھی۔ نانی جان نے کہا کہ اور بھی بہت سی باتیں بولتا ہے جن کو مجھے دھرانا نہیں آتا تم لوگ ذرا اسے سمجھاؤ میری والدہ صاحبہ نے کہا کہ نانی جان آپ تو بارہ اماموں کے نام وظیفہ میں پڑھتی ہیں۔ اگر آپ ان کو مانتی ہیں تو پھر خلفائے ثلاثہ کو رسول کا جانشین برحق کیسے سمجھتی ہیں۔ بہرحال بڑی بی بہت ششش وپنج کے عالم میں پڑگئیں اور کہا کہ میں تو وظیفہ کی کتاب میں بارہ امام کے نام جو لکھے ہوئے ہیں وہ پڑھ لیا کرتی ہوں ظاہر ہے کہ بارہ اماموں کے نام دھرانا ان کا محض رسمی تھا۔

ایک اور واقعہ اسی نوعیت کا ہے۔ میرے ایک سنی خالو بھی روزانہ وظیفہ میں بارہ اماموں کے نام بالالتزام پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ ان بارہ اماموں کو مانتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ بیشک بارہ اماموں پر ایمان رکھتا ہوں اسی وجہ سے روز وظیفہ میں پڑھا بھی کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر آپکا یہ بھی عقیدہ ہوگا کہ ان بارہ اماموں میں کے بارھویں امام حضرت مہدی صاحب العصر علیہ السلام جو گیارھویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں اب بھی زندہ دُنیا میں (پردہ غیب میں) موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ نہیں مانتا اور اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ بارھویں امام حضرت حسن العسکری کے صاحبزادہ ہیں یا یہ کہ وہ زندہ موجود ہیں بلکہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ مہدی موعود قیامت کے قریب پیدا ہونگے اور اگر بارہ اماموں میں سے بارھویں امام سے مطلب وہی مہدی بن حسن عسکری ہیں تو میں بارھویں امام کو نہیں مانتا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ بارھویں امام کو نہیں مانتے تو پھر اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ آپ گیارھویں امام کو بھی اور نتیجتاً پورے ائمہ اہل بیت میں سے ایک کو بھی نہیں مانتے کیونکہ حضرت رسولؐ نے ان پورے بارہ اماموں کے نام بتلا دیئے تھے اور ہر ایک امام نے اپنے دُنیا سے جاتے وقت یہ صاف بتا دیا تھا کہ میرے بعد کون امام ہوگا اور ہر امام نے اپنے جانشین کو اسرار امامت سپرد فرمائے تھے۔ اسی طرح گیارھویں امام حسن عسکری علیہ السلام نے

بعمر اٹھائیس۲۸ سال زہر سے شہادت پاتے وقت یہ اعلان فرما دیا تھا کہ میرے بعد میرا فرزند محمدؐ میرا خلیفہ اور بزرگوں کا بارھواں امام ہوگا اور بہ مصلحت ایزدی غیبت میں رہے گا (جس طرح سے خضر والیاس زندہ اور چھپے ہوئے ہیں) اور حسب ارشاد رسولؐ خدا قریب قیامت ظہور کریگا اور یہی مہدی موعود ہے۔ اگر بارھویں امام کو کوئی نہ مانے تو مطلب یہ ہوا کہ گیارھویں امام کے بھی اس فرمودہ کو غلط سمجھتا ہے اور اس طرح جس امام کی بات کو غلط تصور کیا جائے تو پھر اس کو امام ماننا کیا معنی۔ خالو صاحب سے جب میں نے کہا کہ پھر آپ بارہ اماموں کے قائل تھے اور وظیفہ میں بھی ان کے نام پڑھتے تھے تو کس اعتبار سے انہوں نے کہا کہ یہ چیزیں ان کے مُرشد حبیب عیدروس صاحب قبلہ سے ملی تھیں اس لئے ان کو صحیح سمجھکر تبرکاً پڑھ لیا کرتے تھے مگر اس سے واقف نہ تھے کہ بارہ اماموں کو ماننے کا کیا مطلب ہوتا ہے (اس واقعہ کے پچیس سال بعد ان کے خیالات کچھ اور ہوگئے) بہرحال آمدم برسر مطلب ہم کو دیکھنا یہ ہوگا کہ شرائط وصفاتِ خلافت کی کسوٹی پر کون پورا اُترتا ہے۔ آیا بارہ ائمہ اہلبیت حضرت علی سے لیکر حضرت محمد مہدی آخرالزماں تک یا اہل سنّت کے بارہ خلفا حضرت ابوبکر سے لیکر معاویہ، یزید سے ہوتے ہوئے ہشام بن عبدالملک تک۔ ضمیر وایمان کا تقاضا یہ ہوگا کہ ان دو مقابل سلسلوں میں سے جس سلسلہ کے بھی افراد مصرحہ بالا معیار پر پورے اترتے ہوں ان کو ہم رسول اللہ کے بارہ جانشین برحق مان لیں۔

بابُ دوّم

ارشاد رسولؐ کی اہمیت اور حدیثوں کی جانچ

ارشاد رسولؐ کی اہمیّت حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں کنت نبیا وآدم بین الماء والطین یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تخلیق کی منزل میں تھے۔ حدیث نور سے ظاہر ہے (جس کا ذکر آگے آئیگا) کہ نورِ محمدی ونورِ علی وجود آدم سے چودہ ہزار سال قبل خلق ہوا اور یہ نور تسبیح وتقدیس الٰہی میں مصروف رہا۔ گو کہ آپکی ظاہری بعثت رسالت دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد چالیس۴۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ حالانکہ آپ سردار الانبیا ہیں اور بعض نبی مثلاً حضرت عیسیٰ پیدائش کے ساتھ ہی جھولے میں دعویٰ نبوت کرنے لگے کہ انی عبداللّٰہ واٰتنی الکتٰب وجعلنی نبیا اور حضرت یحییٰ کو بھی بچپن میں نبوت عطا ہوئی جس کا ذکر سورۂ مریم کی آیت ۱۲ میں ہے یٰیحییٰ خذ الکتٰب بقوۃ واٰتینٰہ الحکم صبیا یعنی یحییٰ کتاب (توریت) مضبوطی کے

ساتھ لو اور ہم نے انہیں بچپن ہی میں نبوت عطا کی باوجود عالم نور ہی میں نبی ہونے کے اور دنیا میں پیدا ہونے کے بعد بھی حضرت رسولؐ کی اس تاخیر بعثت کے ظاہر بظاہر دو وجوہ ہیں۔ ایک سبب یہ کہ چالیس سال تک رسولؐ کے کردار اور صداقت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جما دیا جائے تاکہ رسول کی بات پر کسی کو شک نہ ہو سکے چنانچہ لوگوں نے آپ کو صادق اور امین کا خطاب دیا اور جب کبھی کسی کو سفر وغیرہ کی ضرورت پیش آتی اپنی بیش بہا امانتیں آپکے تفویض کر جاتے۔ بعثت رسالت کے تیرہ برس بعد جب آپ نے کفار کے ظلم سے تنگ آ کر ہجرت فرمائی تو اس وقت بھی کفار کی امانتیں آپ کے پاس محفوظ تھیں اور حضرت رسول شب ہجرت یہ امانتیں علی مرتضیٰ کے تفویض فرما گئے تھے کہ ان کے مالکین کو واپس کر کے آئیں گو کہ کلمۂ توحید کافروں کی سمجھ میں نہ آیا اور اس کو انہوں نے قبول نہ کیا اور رسول کو رسول نہ سمجھا مگر حضرت رسول کے امین و صادق ہونے کے ان کے یقین میں سرمو فرق نہ آیا۔ ورنہ اس تیرہ سال کے عرصہ میں نہ تو کوئی جدید امانت آپ کے پاس رکھا تا اور نہ پہلے کی کوئی امانت آپ کے پاس رہنے دیتا۔ اس امر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے دشمنوں کے دل میں بھی آپ کی امانت و صداقت کا کسی درجہ یقین واثق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کی اس صفت کو آپ کے چالیس سال کے عمل کے ذریعہ ہر ایک کے دل پر نقش کر دیا۔ کردار ایسا بنایا کہ جس سے کبھی کوئی خطا کا پہلو متعلق ہی نہ کیا جا سکے۔ یعنی معصوم اتم بنایا اور طٰہٰ (پاک و طاہر) کا لقب دیا قرآن پاک اللہ کا کام ہے ہم کو اسی امین و صادق کے کہنے سے معلوم ہوا۔ دوسرا سبب تاخیر بعثت ظاہری کا یہ تھا حضرت علی علیہ السّلام کی پیدائش اور گواہی کے قابل ہونے کا انتظار۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں رسالت رسولؐ کا گواہ خود اپنے کو اور حضرت علی علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ویقول الذین کفرو لست مرسلاً قل کفیٰ باللہِ شھیداً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتٰب دوسری جگہ ارشاد ہے ویتلوہ شاھد منہ (ان آیتوں کی بحث آگے آئی ہے) خدائے تعالیٰ جس کو بحکم قرآن رسالت کا گواہ قرار دے اس کی پیدائش اور گواہی دینے کے قابل ہونے کا انتظار یقیناً ضروری تھا۔ اس وقت حضرت علی کی عمر باختلاف روایات نو دس یا بارہ تیرہ سال کی تھی۔ یہ امر کہ اس کم عمری میں حضرت علی رسالت کی گواہی کے قابل اور حامل علم کتاب قرار دیئے گئے آپ کے لئے ایک معجزہ کی صورت رکھتا ہے۔ بہرحال احکام قرآنی صاف ہیں۔ حضرت رسولؐ کی ہستی وما محمد الا رسول کی ہے۔ یعنی وہ ہر حالت میں رسول ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی لمحہ یا کسی آن آپ کی ہستی کو بغیر منصب رسالت کے تصور کیا جائے کہ فلاں بات کہتے وقت رسالت (معاذ اللہ) آپ سے علیٰحدہ ہو گئی تھی یا آپ نے منصب رسالت کو ترک کر کے کلام فرمایا تھا۔ رسول جو کلام یا جو کام بھی کرتا ہے وہ منصب رسالت سے ہی ہوتا ہے۔ اور رسولؐ ہی کا قول و عمل قرار دیا جائے گا اور پھر رسول کا جو کچھ بھی قول و عمل ہوتا ہے وہ حکم خدا ہی سے ہوتا ہے۔ اس چیز کو قرآن پاک میں خود اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے۔ جب رسولؐ کا ہر حکم خدا کے حکم سے

ہوتا ہے تو پھر احکام خدا و احکام رسول کی اہمیت میں اصولاً کوئی فرق نہ رہا۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کو اللہ تعالیٰ ہی کے الفاظ میں پہنچا دیا گیا۔ وہ قرآن ہوا اور اللہ تعالیٰ کے منشائے حکم کے موافق حضرت رسولؐ نے جو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا تو یہ حدیث یعنی قولِ رسول کہلایا۔

سورۂ انعام کی آیت ۵۰ ہے ان اتبع الا ما یوحیٰ الی۔ یعنی (اے رسول ان سے کہدو) میں تو بس جو میرے پاس وحی کی جاتی ہے اسی کا پابند ہوں۔ سورۂ والنجم کی آیات ۱ تا ۴ ہیں والنجم اذا ھویٰ ما ضل صاحبکم وما غویٰ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ ترجمہ:- ستارے کی قسم جب ٹوٹا کہ تمہارا رفیق (محمدؐ) نہ گمراہ ہوا نہ بہکا اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ کلام ہی نہیں کرتا یہ تو بجز وحی کے اور کچھ نہیں ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے۔ ان آیات میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے رسول کے کلام کو اپنی وحی قرار دیا ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کا حکم قرآن پاک میں جابجا آیا ہے۔ ان متواتر آیات کا مطلب یہ ہوا کہ جو احکام اللہ تعالیٰ کے بشکل قرآن سامنے آئیں ان کی بھی تعمیل کرو اور پھر جو کچھ رسول فرمائے اس کی بھی تعمیل کرو۔ یہ واضح فرماتے ہوئے کہ رسول کا حکم بھی وحی الٰہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معترض کو یہ کہنے سے روک دیا کہ رسول کا یہ فرمانا قرآن میں داخل نہیں ہے اس کی کیوں تعمیل کی جائے۔ یہ امر بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت رسول پر جن مواقع پر اور جتنی مرتبہ وحی ہوئی وہ سب کی سب جزو قرآن نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو جزو قرآن بنانا چاہا وہی جزو قرآن ہوئیں اور باقی امور اللہ تعالیٰ اور حضرت رسولؐ کے درمیان رازونیاز کی شکل میں رہے۔ جیسے سورۂ والنجم میں ارشاد ہے۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ یعنی (اللہ تعالیٰ نے) اپنے بندہ (محمدؐ) کی طرف وحی کی جو کچھ کہ وحی کرنا تھا۔ جبرئیل کو بھی پتہ نہیں کہ وہ کیا وحی تھی اور قرآن میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ وہ کیا باتیں تھیں۔ قطع نظر جبرئیل کے توسط کے حضرت رسول کا راست رابطہ ذاتِ باری تعالیٰ سے تھا۔ آپ کا کوئی حکم کبھی آن منشائے خداوندی سے ہٹ کر نہیں ہوسکتا۔ سورۂ نساء کی آیت ۶۴ میں ارشاد ہے۔ وما ارسلنا من الرسول الا لیطاع باذن اللہ یعنی۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ خدا کے حکم سے لوگ اس کی اطاعت کریں۔ سورۂ نساء کی آیت ۸۰ ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ یعنی رسول کی اطاعت کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کی اطاعت کرنا۔ سورۂ انفال کی آیت ۱ ہے۔ اطیعوا اللہ ورسولہٗ ان کنتم مومنین۔ یعنی اگر تم (سچے) ایماندار ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ رسول جو کچھ فرمائے اس کو گوش ہوش سے سننے کا حکم سورۂ انفال کی آیت ۲۰ میں اس طرح کیا گیا۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون۔ یعنی اے ایمان والو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس کی طرف سے منہ نہ ہٹاؤ جب تم سن رہے ہو اور ان لوگوں کے

ایسے نہ ہو جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم سن رہے ہیں حالانکہ وہ سنتے نہ تھے۔ سورہ حجرات کی آیت ۲ میں حکم ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ٭ یعنی۔ اے ایمان والو تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولو۔ کہیں ایسا ہو کہ تمہارے سب اعمال حبط (اکارت) ہو جائیں اور تم کو پتہ بھی نہ چلے۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۳۱ ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ یعنی (اے رسول) ان لوگوں سے کہدو اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تم کو دوست رکھے گا۔ پھر اسی سورہ کی آیت ۳۲ ہے۔ قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین۔ یعنی (اے رسولؐ) کہدو کہ خدا کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت پھر یہ لوگ اگر اس سے سرتابی کریں تو (سمجھ لیں) خدا کافروں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔ اس حکم خداوندی کے اعتبار سے اللہ ورسول کے حکم سے سرتابی کفر کی مترادف ہے۔ سورۂ محمدؐ کی آیت ۳۲، ۳۳۔ ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ وشاقوا الرسول من بعد ما تبین لھم الھدیٰ لن یضروا اللہ شیا وسیحبط اعمالھم یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم (ترجمہ) بیشک جن لوگوں پر سیدھی راہ ظاہر ہو گئی اور اس کے بعد انکار کر بیٹھے اور (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت کی وہ خدا کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکینگے اور وہ ان کا سب کیا کرایا اکارت کر دے گا۔ اے ایمان والو خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرو اور اپنے اعمال ضائع مت کرو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہر طرح واضح فرما دیا کہ قول رسول در اصل قول وحی ہے اور رسولؐ کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے اور ہر فرمودہ رسولؐ کو ادب و احترام سے دل لگا کر گوش ہوش سے سننا اور سر آنکھوں سے اس کی تعمیل کرنا فرض ہے ورنہ اگر کسی کا کچھ اچھا عمل سابق میں کیا ہوا ہو بھی تو وہ سب کا سب اکارت ہو جائے گا۔

احادیث کو کس طرح جانچا جائے

احادیث کا اس قدر کثیر اور وسیع طومار ہے اور ایسی ایسی متضاد احادیث بھی درج کتب ہیں کہ اس کا پتہ چلانا کہ کونسی حدیث صحیح ہے اور کونسی موضوع ایک دشوار اور دقت طلب امر ہے خود علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں کی ہزاروں حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے اور چھانٹے چھانٹے۔ بیسیوں کتب احادیث میں سے چھ ۶ کتابوں بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابی داؤد اور ابن ماجہ کو صحاح ستہ یعنی چھ صحیح کتابوں کا نام دیا ہے مگر بعض محدثین کے نزدیک ان صحاح میں بھی موضوع حدیثیں موجود ہیں۔ مترجم مشکوٰۃ مولوی قطب الدین صاحب اپنے ترجمہ موسومہ مظاہر حق جلد اول کے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں کہ بعض محدثین کے نزدیک صحیح ابن ماجہ میں بھی موضوع اور منکر حدیثیں موجود ہیں۔ صحاح ستہ کی تک یہ نوبت ہے۔ متنازعہ حدیثوں کا مسلمہ حدیثوں سے تقابل کرکے

عقل کی روشنی میں جانچنا بھی طالبان حق کا فرض ہے۔ خود حضرت رسول کا ارشاد ہے کہ کوئی حدیث میری بیان کی جائے تو سب سے پہلے اس کو قرآن پر پیش کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو قبول کی جاسکتی ہے ورنہ دیوار پر مار دو یعنی رد کر دو۔ لا محالہ یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ ایک حدیث دوسری حدیث کا ضد تو نہیں ہے۔ حضرت رسول خدا جو ما ینطق عن الھوا ان ھوالا وحیٌ یوحیٰ کے مصداق ہیں متضاد اور ناقابل قبول امور ہرگز پیش نہیں فرما سکتے یہ دیکھنا پڑے گا کہ آپ کی مسلمہ اور متفق علیہ بین الفریقین حدیثوں سے کونسی حدیثیں مطابقت پاتی ہیں اور کونسی نہیں پاتیں اگر کوئی راوی خود اپنے یا اپنے کسی عزیز کی تائید یا اظہار فضیلت میں کوئی حدیث بیان کرے تو تقاضائے بشری "نفسیات فطری" پاس رشتہ داری کے امکان پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ اکثر علماء و محدثین اہل سنّت نے خود صحاح ستہ میں سے ابن ماجہ قزوینی کی صحیح کی ان تمام حدیثوں کو جو اہل قزوین کی بزرگی سے تعلق رکھتی ہیں اس بناء پر موضوع قرار دیا ہے کہ ابن ماجہ کا تعلق قزوین سے تھا۔

متعدد اہل سنّت محدثین نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیثیں روایت کی ہیں مگر محمد اسمٰعیل بخاری نے درآں حالیکہ مختلف طرز و قماش کے راویوں حتیٰ کہ قاتلان حسین مثل شمر ذی الجوشن ہقیبت ابی زرعہ بن عبدالرحمٰن "عبدالرحمٰن بن ابیری خزاعی اور نیز عبیداللہ بن زیاد اور حصین بن نمیر سے حدیثیں اخذ کی ہیں مگر امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ بخاری کے استاد یحییٰ ابن سعید القطان کہتے ہیں کہ میں جعفر صادق کی طرف سے اپنے دل میں کھٹکا رکھتا ہوں اور بخاری نے بھی اپنے اُستاد کے پڑھائے ہوئے اسی سبق پر عمل کیا ہے۔ علاوہ امام منصوص من اللہ ہونے کے امام جعفر صادق علیہ السلام کی وہ شخصیت تھی کہ امام مالک" ابو حنیفہ اور سفیان ثوری اور متعدد محدثین نے آپ سے درس لیا تھا۔ اہل سنت کے ایک مشہور محدث ابو حاتم کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ایسے ثقہ اور متقی ہیں کہ روایت حدیث کے معاملہ میں ان سے کوئی نقد و جرح نہیں ہوسکتی۔ اسی ثقاہت تقویٰ صدق گفتاری اور راست کرداری کی وجہ سے دنیا نے آپ کو صادق کا لقب دیا سیرۃ النعمان صـ۳ پر علامہ شبلی لکھتے ہیں امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت، حدیث فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے۔ و صاحب البیت ادریٰ بما فیہا" ایسے پایہ کے بزرگ اور صادق سے محمد اسمٰعیل بخاری کھٹکا رکھتے ہیں اور کوئی حدیث ان سے روایت نہیں کرتے ایک طرف اہل طریقت بزرگ تو دوازدہ ائمہ اہلبیت کو اپنا دینی امام اور معصوم مانتے ہیں اُدھر بعض اہل سنت محدثین ائمہ اطہار کو (معاذ اللہ) لاشے اور ضعفا اور مجاہیل کے زمرہ میں گنتے ہیں چنانچہ حافظ شمس الدین اپنی کتاب مغنی میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو ضعفا اور مجاہیل کے ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ابن حجر عسقلانی حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کو راویان ضعیت میں شمار کرتے ہیں۔ ابو طاہر کا یہ قول ہے کہ امام رضا

علیہ السلام اپنے باپ سے عجیب باتیں نقل کرتے ہیں اور وہم کیا کرتے ہیں اور خطا کرتے ہیں۔ ابن الجوزی سیوطی اور علی بن محمد عراقی تنزیہہ الشریعت میں اور شیخ رحمت اللہ نے اپنی مختصر تنزیہہ الشریعت میں امام حسن عسکری علیہ السلام کو (معاذ اللہ) لیس بشیٔ (وہ کچھ چیز نہیں ہیں) تحریر کیا ہے۔ روایت حدیث میں بھی علمائے اہل سنّت کی اس طرح بیزاری اور بے تعلقی ائمہ خاندان رسولؐ کے ساتھ رہی ہے۔ جہاں اہل صحاح نکتے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی فضیلت میں موضوع حدیثیں درج کی ہوں اور اپنے دل کی کد اور رنجش کی وجہ سے آل رسول صادقین سے بھی حدیث لینا عمداً ترک کیا ہو یعنی اپنی ذاتی موافقت یا مخالفت کو معیار بنایا ہو تو قابل غور ہو جاتا ہے کہ ایسے محدثین کی غیر جانب داری کے متعلق قطرتاً کیا خیال قایم ہوتا ہے اور جو محدث آل رسول سے اپنی کد یا رکاوٹ خود ظاہر کرے تو اس سے کیا توقع ہوسکتی ہے کہ آل رسولؐ کی فضیلت کے باب میں حدیثوں کا اندراج وہ گوارہ کریگا یا اس کے خلاف نقطۂ نظر پیش کرنے والی ضعیف حدیثوں کو بھی نمایا مقام نہ دے دیگا۔ چنانچہ غور کے قابل ہے کہ حدیث من کنت مولاہٗ فعلی مولاہٗ کو بھی جو صحیح مسلم اور دیگر صحاح اور دیگر بے شمار کتب حدیث میں درج ہے اور بلا مبالغہ سینکڑوں معتبر راویوں نے جس کی روایت کی ہے اور جو آج بھی تمام اہل طریقت اور علمائے اہل سنّت کے پاس مسلم الثبوت ہے مگر محمد اسمٰعیل بخاری نے اپنی صحیح میں درج کرنا پسند نہیں کیا ہے۔ اس کے برخلاف بیسیوں مضحکہ خیز اور شان رسولؐ کی علانیہ تنقیص کرنے والی موضوع روایتوں کو انہوں نے دل کھول کر درج کیا ہے۔ ابو زرعہ ابو حاتم اور محمد بن یحییٰ ذھبی جیسے اجلہ علماء اور ائمہ حدیث اہل سنّت نے بخاری کی بہت سی روایتوں کو لغو اور لاطائل سمجھکر کبھی اس کی روایت نہیں کی ہے۔

ہم پہلے ایک طائرانہ نظر اس امر پر ڈالیں گے کہ تدوین حدیث کا کام سب سے پہلے کب اور کن حالات میں شروع ہوا۔ سب سے پہلے ابن شہاب الزہری استاد امام مالک نے ۱۲۵ھ کے قریب فن تدوین حدیث پر کتاب لکھی اور اس کے بعد حدیثوں کے جمع کرنے کا ابتدائی کام ۱۴۳ھ میں یعنی حضرت رسول کے انتقال کے ایک سو بتیس ۱۳۲ سال بعد شروع ہوا۔ مگر جو کتابیں مستند تسلیم کی گئیں اور صحاح قرار دی گئیں ان کی تدوین ۲۰۰ھ کے بعد ہوئی۔ ۱۴۳ھ میں جن کتابوں کی ابتدا ہوئی وہ یہ تھیں۔ ابن جریج نے مکہ میں مالک نے موطا مدینہ میں اوزاعی نے شام میں عروبتہ و حماد بن سلمہ وغیرہ نے بصرہ میں معمر نے یمن میں سفیان ثوری نے کوفہ میں احادیث کی کتابیں لکھیں اور ابن اسحاق نے مغازی لکھی۔ فقہ پر امام ابو حنیفہ کی کتابیں بھی اسی زمانہ میں لکھی گئیں متذکرہ صدر کتابوں سے پہلے علماء اپنے حافظہ سے حدیث پڑھایا کرتے تھے یا بعض لوگوں کے پاس کچھ اپنے نوٹ کیئے ہوئے غیر مرتبہ نسخے ہوتے تھے۔ ذیل میں ہم مشہور محدثین کے نام اور تاریخ وفات درج کرتے ہیں جن سے ان کی کتابوں کے لکھے جانے کے زمانہ کا اندازہ ہوگا۔

اسمائے محدثین	سنہ وفات
ابن شہاب الزہری استاد امام مالک	سنہ ۱۲۵ھ
الکلبی صاحب التفاسیر	سنہ ۱۴۶ھ
امام مالک (مالک ابن انس) صاحب موطا پیدائش سنہ ۹۳ھ	وفات سنہ ۱۷۹ھ
عبداللہ بن مبارک	سنہ ۱۸۱ھ
امام شافعی (ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی) پیدائش سنہ ۱۵۰ھ	سنہ ۲۰۴ھ
ابوداؤد الطیالسی صاحب مسند	سنہ ۲۰۳ھ
الواقدی صاحب مغازی	سنہ ۲۰۷ھ
عبدالرزاق استاد امام احمد بن حنبل	سنہ ۲۱۱ھ
ابن سعد صاحب طبقات	سنہ ۲۳۳ھ
ابن ابی شیبہ استاد امام بخاری	سنہ ۲۳۵ھ
اسحٰق بن راہویہ صاحب مسند و تفسیر	سنہ ۲۳۸ھ
احمد بن حنبل (عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی) پیدائش سنہ ۱۶۴ھ صاحب مسند و زہود والمناقب	وفات سنہ ۲۴۱ھ
دارمی (ابی محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحمٰن الدارمی صاحب مسند) پیدائش سنہ ۱۸۱ھ وفات	سنہ ۲۵۵ھ
بخاری (ابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری صاحب صحیح) پیدائش سنہ ۱۹۴ھ	وفات سنہ ۲۵۶ھ

اسمائے محدثین	سنہ وفات
ابن اسحاق صاحب سیرت	سنہ ۱۵۱ھ
زبیر بن بکار	سنہ ۲۵۶ھ
ابی داؤد (ابی داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی صاحب السنن صحیح) پیدائش	سنہ ۲۰۲ھ
ترمذی (ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ الترمذی) صاحب صحیح پیدائش سنہ ۲۰۹ھ	سنہ ۲۷۹ھ
ابن ماجہ (ابی عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی صاحب صحیح) پیدائش سنہ ۲۰۹ھ وفات	سنہ ۲۷۵ھ
قاضی اسمٰعیل	سنہ ۲۸۲ھ
ابن ابی عاصم	سنہ ۲۸۷ھ
الحکیم الترمذی	سنہ ۲۸۵ھ
عبداللہ بن احمد بن حنبل	سنہ ۲۹۵ھ
البزار شاگرد امام بخاری	سنہ ۲۹۲ھ
نسائی (ابن عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی) صاحب خصائص و سنن و صحیح پیدائش سنہ ۲۱۴ھ	سنہ ۳۰۳ھ
ابو یعلی صاحب مسند والمعجم	سنہ ۳۰۷ھ
ابن جریر الطبری	سنہ ۳۱۰ھ
ابن خزیمہ	سنہ ۳۱۱ھ

مسلم (ابو الحسین

مسلم بن حجاج (القشیری) صاحب صحیح پیدائش سنہ ۲۰۴ھ

وفات سنہ ۲۶۱ھ

ابن ابی حاتم سنہ ۳۲۷ھ

المحاملی صاحب الامالی سنہ ۳۳۵ھ

ابن حبان سنہ ۳۵۴ھ

ابن عدی صاحب الکامل سنہ ۳۶۵ھ

ابن شاہین سنہ ۳۸۵ھ

دارقطنی (ابی الحسن علی ابن عمر دارقطنی) صاحب السنن

پیدائش سنہ ۳۰۵ھ وفات سنہ ۳۸۵ھ

الخطابی صاحب غریب الحدیث سنہ ۳۸۵ھ

الذہبی محمد بن عبدالرحمن سنہ ۳۹۳ھ

ابن مندہ صاحب معرفۃ الصحابہ سنہ ۳۹۵ھ

الحاکم صاحب مستدرک والتاریخ سنہ ۴۰۵ھ

ابوبکر ابن مردویہ المشہور بہ

طرز المحدثین صاحب تفاسیر والمناقب

والمستخرج علی البخاری سنہ ۴۱۵ھ

ابونعیم استاد خطیب بغدادی صاحب

حلیہ ومعرفۃ الصحابہ سنہ ۴۳۰ھ

ابن سمان اسمٰعیل بن علی بن حسین سنہ ۴۴۵ھ

الثعلبی صاحب تفسیر سنہ ۴۲۷ھ

بیہقی (ابی بکر رحمن ابن حسین

البیہقی) صاحب سنن وشعب الایمان پیدائش سنہ ۳۸۴ھ

وفات ـ سنہ ۴۵۶ھ

الخطیب بغدادی صاحب التاریخ والجامع سنہ ۴۶۳ھ

ابن عبدالبر صاحب کتاب الاستیعاب سنہ ۴۶۳ھ

ابوالقاسم البغوی سنہ ۳۱۷ھ

ابن المنذر سنہ ۳۱۷ھ

الطحاوی صاحب مشکل الآثار سنہ ۳۲۱ھ

ابن قتیبہ الدینوری صاحب کتاب المعارف سنہ ۳۲۳-۲۱ھ

ابوبکر الشافعی سنہ ۳۵۴ھ

الطبرانی صاحب معاجم ثلاثہ سنہ ۳۶۰ھ

الواحدی تلمیذ ثعلبی صاحب تفاسیر مشہورہ سنہ ۴۶۸ھ

امام محمد غزالی (زین الدین ابو حامد محمد

بن محمد بن محمد الغزالی سنہ ۵۰۵ھ

زرین (ابی الحسن زرین بن معاویہ عبدری سنہ ۵۲۰ھ

البغوی صاحب معالم التنزیل سنہ ۵۱۶ھ

الدیلمی صاحب فردوس الاخبار سنہ ۵۰۹ھ

الزمخشری صاحب تفسیر کشاف سنہ ۵۳۸ھ

السلفی صاحب التاریخ سنہ ۵۷۶ھ

ابن عساکر صاحب التاریخ سنہ ۵۷۱ھ

بیضاوی صاحب تفسیر

ابن جوزی (ابو الفرج بن علی بغدادی حنبلی صدیقی) پیدائش سنہ ۵۱۷ھ وفات سنہ ۵۹۷ھ

ابن اثیر الجزری صاحب کامل التاریخ سنہ ۶۳۱ھ

خازن صاحب تفسیر

الخوارزمی رہا ابن اخت ابی جعفر محمد بن جریر الطبری صاحب مناقب سنہ ۶۰۴ھ

محمد بن یوسف الکنجی الشافعی سنہ ۶۵۸ھ

امام محمد بن عمر فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر سنہ ۶۰۶ھ

امام نووی خزرمی محی الدین ابو زکریا یحیٰی بن شرف حنفی

علامہ عبدالرحمن بن ابوبکر جلال الدین سیوطی سنہ ۹۱۱ھ

صاحب تفسیر وتاریخ

صدیق حسن خاں صاحب تفسیر فتح البیان

مشہور اکابر و محدثین کے نام اور تاریخ وفات اوپر درج کئے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ حدیث کا جمع کیا جانا ۱۴۳ھ سے پہلے اور صحاح کا لکھا جانا ۲۰۰ھ سے پہلے شروع نہ ہوا۔ صاحبان صحاح ستہ میں سے محمد اسمٰعیل بخاری سب سے پہلے گزرے ہیں جو ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اگر یہ مانا جائے کہ پچیس برس کی عمر سے بھی انہوں نے اپنی صحیح کی تدوین شروع کی تو گویا ۲۰۹ھ میں ابتدا ہوئی۔

حضرت رسول خدا کا انتقال ۱۱ھ میں ہوا۔ اس طرح گویا وفات رسول اللہ سے تقریباً دو سو برس بعد ان احادیث کے جمع کرنے کی نوبت آئی۔ اس کا اندازہ کہ تمام حدیثیں سچی ہیں یا نہیں اور یہ کہ حقیقت ان میں کس حد تک محفوظ ہے اس امر سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ نماز جیسی چیز میں جس کو تمام صحابہ بعثت رسول کے بعد سے تقریباً تیئس سال تک دن میں پانچ مرتبہ روزانہ دیکھا کئے یہاں تک اختلاف ہے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے یا چھوڑ کر اور آیا ہاتھ باندھتے تھے تو ناف پر یا سینہ پر قنوت میں ہاتھ اٹھاتے تھے یا نہیں، رفع یدین فرماتے تھے یا نہیں آج تک بھی کھلے ہوئے اختلاف نماز جیسے اہم اور متواتر میں موجود ہیں اور خود کعبہ میں چار مصلے "حنفی" "شافعی" "مالکی" اور حنبلی کے بنے ہوئے ہیں اور چار طرح کی نماز علٰحدہ علٰحدہ ہوتی ہے۔ اور ہر فرقہ دوسروں کی نماز کو غلط ٹھہراتا ہے اور ذہن اس مشہور مصرعہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ بہرحال اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دیگر امور میں جو محض زبان سے ارشاد فرمائے ہوئے ہوں کس درجہ تغیر و تبدل و ترمیم و اضافہ و کمی کا امکان موجود ہے اور جھوٹی حدیثیں بنانے والے مطلب پرستوں کیلئے میدان کس قدر وسیع رہا ہے۔ اس امر پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ دو سو سال کا دور (یعنی وفات رسولؐ سے لیکر صحاح ستہ کی تدوین کے آغاز تک (اور یوں تو اس کے بعد بھی کئی سو سال) کس قسم کا طوفانی دور تھا۔ اور کس کس قماش کے خلفائے بنو امیہ و بنو عباس اس میں گزرے ہیں اور پھر خلفاء کی طرف سے اپنی حکومت کے استحکام اور خاندان رسول سے لوگوں کی نظروں کو ہٹانے۔ فضائل اہلبیت علیہم السلام کو مٹانے اور ان کے مقابل لوگوں کی تائید میں جھوٹی حدیثیں وضع کرانے کی کیا کچھ کوشش نہ کی گئی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے نام پر سب و شتم کئے جانے کا سلسلہ تو ۴۱ھ سے یعنی حضرت رسول کی وفات کے تیس سال کے اندر ہی امیر معاویہ کے زمانہ سے (یعنی تدوین حدیث کے سب سے ابتدائی کام کے سو برس پہلے سے) شروع ہو چکا تھا اور جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا آل رسولؐ سے مخالفت اور ان کی تنقیص شان تو حضرت رسول کے انتقال کے ساتھ ہی شروع ہو کر گھر پکڑتی جا رہی تھی اور مخالفت علی اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ جیسا کہ علامہ سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں اگر کسی بچہ کا نام علی ہوتا تو بنو امیہ اس کو قتل کر ڈالتے تھے۔ نواب صدیق حسن خاں حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے حکم دیا تھا کہ نماز عیدین کے موقعہ پر خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جائے جس میں علی کے نام پر سب و شتم کیا جاتا تھا۔ تاکہ لوگ نماز کے لئے رکے رہیں اور

وہ سب شتم سب کے کانوں تک پہنچے۔ زمانہ متذکرہ صدر میں بنو امیہ میں سے معاویہ، یزید بن معاویہ، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک، ولید بن یزید، مروان الحمار، سفاح عباسی وغیرہ وغیرہ متعدد خلفا گزرے ہیں جو سب کے سب دشمنان آلِ رسول تھے اور ۲۳۲ھ میں (یعنی صحاح ستہ میں سے اکثر کی تدوین سے قبل) متوکل عباسی کا وہ دور آیا کہ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے امام حسین علیہ السلام کی قبر اور اس کے گرد و پیش کے مکانات کو جن کے ساکنین محبانِ اہلبیتؑ تھے مسمار و تاراج کر کے مزروعہ بنا دیا اور لوگوں کو زیارتِ قبرِ حسینؑ سے منع کر دیا اور پرستارانِ آلِ محمدؐ کو چن چن کر قتل کرایا اور فدک کو جو درمیان میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز (۹۳ سال) نے آلِ رسولؐ کا حق تسلیم کر کے واپس کیا تھا۔ متوکل نے پھر چھین کر اپنے حجام کی جاگیر میں دیدیا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام عربیہ یعقوب بن سکیت متوکل کے بیٹوں معتز اور موئید کو پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن متوکل نے یعقوب سے پوچھا کہ تمہاری رائے میں میرے بیٹے اچھے ہیں یا حسنؑ و حسینؑ۔ یعقوب نے کہا کہ ان سردارانِ جنت کا تو کیا ذکر کرتا ہے۔ تیرے بیٹوں سے حضرت علیؑ کا غلام قنبر لاکھ درجہ بہتر ہے۔ یہ سن کر متوکل نے حکم دیا کہ یعقوب کو لٹا کر ان کے پیٹ کو اس وقت تک کھندلتے رہیں کہ وہ مر جائیں اور ان کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے۔ متوکل کے بیٹوں کو امام حسنؑ و حسینؑ سے بہتر نہ سمجھنے پر امام عربیہ کا یہ حشر ہوا۔ ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنو امیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں "حکمراں خاندان کے دماغ میں دنیاوی ترقیوں کے ساتھ ساتھ روحانی برتری کا خناس بھی سما گیا تھا۔ جس کے حصول و استحکام کے لئے قرآن کی نئی نئی تفسیریں اور احادیث کی ایجادیں کرائی جاتی رہیں۔ اور مذہب اسلام ایک مذاق بن کر رہ گیا۔ خود پیغمبر اسلام کی شخصیت اگر گروہِ باطلہ کی عینک سے دیکھی جائے تو انتہائی بھیانک اور خطرناک نظر آئیگی" صہ ۳۸ پر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں: "اسلام کے ماننے والوں کی دو تاریخیں ہیں۔ ایک تاریخ مومنین اسلام کی دوسری تاریخ مسلمین و منافقین اور ان کے ہمنواؤں کی"۔ مولانا ابوالکمال سید احمد صاحب شمسی کاظمی مفتی اعظم ٹونک اپنے مقالہ "مسلکِ اہل سنت اور عزاداری پر تحقیقی نظر شریعت اور طریقت کی روشنی میں" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۵ پر تحریر فرماتے ہیں "افسوس ہے کہ ملت اسلامیہ ہی میں بعض ایسے نام نہاد مسلمان پیدا ہوئے جنہوں نے اس واقعہ (شہادتِ کربلا) کی عظمت اور اہمیت کو گھٹانا چاہا۔ اس ناجائز مقصد کے حصول کیلئے اکاذیب و اباطیل کا ایک دفترِ بے معنی بصورت احادیث موضوعہ جمع کر دیا" جناب مفتی اعظم اسی مقالہ کے صہ ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں! "تاریخ ہند کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شاہانِ مغلیہ کے زمانہ میں علمائے اہل سنت کو بڑا عروج حاصل تھا۔ اکبر اعظم جیسے وسیع المشرب اور آزاد خیال بادشاہ کے دور میں سیکڑوں شیعہ مسلمان بہ جرم شیعیت قتل کئے جاتے تھے۔ تا آنکہ بہت سوں کی لاشیں قبروں سے نکال کر پھینک دیجاتی تھیں۔ زیادہ تر علمائے کرام کے

فتاوی ہی ان مظالم بیجا کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ اس قسم کے صدہا واقعات سے آئین اکبری اکبرنامہ ابوالفضل اور منتخب التواریخ از علامہ عبدالقادر بدایونی مملو نظر آتی ہیں۔ جب اکبر اعظم کے عہد میں یہ حال تھا تو کٹر اور متعصب سلاطین کا شیعوں کے ساتھ کیا رویہ رہا ہوگا۔

شہیدِ اوّل و ثانی و ثالث وغیرہ

شیعوں پر ہر زمانے میں مظالم ہوتے رہے اور محض اس بنا پر کہ یہ دوستداران اہل بیت ہیں بے قصور قتل کئے جاتے رہے۔

یوں تو ان مقتولین کی تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہنچتی ہے، مگر ان میں سے تین شہید باعتبار اپنے علم وفضل کے بطور خاص قابل ذکر ہیں جو شہید اول، شہید ثانی و شہید ثالث کے نام سے مشہور ہیں۔

ان میں سے پہلے شہید ابوعبداللہ محمد بن جمال الدین مکی عاملی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ شام کے دربار کے حامیوں برہان الدین مالکی اور عباد بن الجماعہ الشافعی کے فتوے کی بنا پر یہ شہید کرائے گئے۔ تشیع کے الزام میں پہلے یہ ایک سال تک قید رکھے گئے پھر ۱۹ جمادی اول ۷۸۶ھ کو تلوار سے قتل کئے گئے، اور پھر آپ کے جسم کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ پھر لوگوں سے سنگسار کرایا اور لاش اُتار کر آگ میں جلا کر خاکستر ہوا میں اڑادی۔

شہید ثانی اجل فقیہہ زین الدین ابن نورالدین علی بن احمد بن عاملی قدس سرہٗ ہیں۔ دسویں صدی ہجری میں یہ بلادِ شام میں رہتے تھے۔ ان کی تصنیفات سے دو سو سے زیادہ کتابیں ہیں۔ حسد کی بنا پر سنیوں کے بڑے قاضی صیدا نے پادشاہ آلِ عثمان سلطان سلیم کے پاس شکایت کی کہ آپ چاروں مذہبوں سے خارج بدعتی ہیں۔ سلطان سلیم نے حکم دیا کہ آپ کو پایہ تخت اسلامبول کی طرف روانہ کیا گیا۔ پھر ساحل دریا پر آپ کا سر کاٹ کر جسم دریا میں پھینک دیا گیا اور سر بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔

شہید ثالث قاضی سید نوراللہ شوستری اعلیٰ اللہ مقامہٗ ہیں جن کا مزار آگرہ (ہندوستان) میں شہر سے ۵/۴ میل کے فاصلہ پر بنا ہوا ہے جہاں ہر سال بالاہتمام شاندار مجالس منعقد ہوتی ہیں اور پورے ہندوستان بلکہ باہر سے بھی معتقدین حاضر ہوتے ہیں اور کئی دن مجالس کا سلسلہ تقریباً چوبیس گھنٹہ جاری رہتا ہے۔

ان کا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کی بیوی نور جہاں نے جو ایران کی لڑکی تھی اور شیعہ تھی۔ جہانگیر سے کہا کہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مذہب حق کونسا ہے وہ ایران سے صرف ایک عالم کو بلاتی ہے اور ہندوستان کے سارے سُنی علماء جمع ہو کر اُن سے مُباحثہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ نور جہاں کی طلبی پر علامہ قاضی سیّد نوراللہ شوستری ہندوستان آئے۔ جہانگیر نے بیسیوں بڑے سُنی علماء کو بُلایا اور مُباحثہ ہوا۔ اس جید عالم نے اپنے علم وکمال سے براہین قاطع پیش کر کے مذہب شیعہ کو حق ثابت کیا اور سارے سُنی علماء کی زبان بند کر دی۔ جب اس طرح بس نہ چل سکا تو ان علماء نے ایک سیاسی چال چلی اور یہ سوال کیا کہ اچھا شیخ سلیم چشتی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ تاریخی واقعہ ہے کہ شہنشاہ اکبر شیخ سلیم چشتی کا معتقد تھا

اور جب جہانگیر پیدا ہوا تو اس کا لقب شیخ سلیم کے نام پر شہزادہ سلیم رکھا۔ اس اعتبار سے جہانگیر کو بھی ان سے عقیدت تھی۔ قاضی نوراللہ شوستری کے سامنے جب اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے مقابلہ میں شیخ سلیم کا نام پیش کیا گیا تو اس بزرگ نے (ایک روایت ہے) جواب دیا کہ "ایں کہ خراست" یعنی یہ کون گدھا ہے۔ جس کو آلِ رسول کے مقابلہ میں لاتے ہو۔ سُنّی علماء نے جہانگیر کی کمزوری سے فائدہ اُٹھایا اور یہ کہکر کہ جس کے نام پر آپ کا نام رکھا گیا ہے اس کی تذلیل کر رہے ہیں قتل کا حکم حاصل کر لیا اور تلوار سے اُن کو شہید کروا دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ علاوہ اس مباحثہ کے چونکہ ان بزرگ کی بکثرت تصنیفات از قسم احقاق الحق وغیرہ فضائل اہلبیت علیہم السلام اور مذہب شیعہ کی تائید میں موجود تھیں۔ اس کو ان کے مستوجب قتل ہونے کی وجہہ قرار دیا گیا اور ۱۸ جمادی الآخر یوم جمعہ ۱۰۱۹ھ سٹر سال کی عمر میں دُرہ خالدار سے شہید کئے گئے۔ ان کے سنگ مزار پر حسب ذیل قطعۂ تاریخ کندہ ہے ؎

ظالمے اطفائے نوراللہ کرد | قرۃ العین بنی را سر بُرید
سال قتلش حضرت ضامن علی | گفت نوراللہ سیّد شد شہید

۱۰۱۹ھ

اُن کی شہادت کی ایک اور تاریخ ہے۔

عدن جائے میر نوراللہ شد

۱۰۱۹ھ

ان بزرگ کے مزار پر مجھے بھی حاضری کا موقعہ ملا۔ میرے نانا کے والد اور میرے دادا کے چچا مولوی سید امداد حسین الموسوی بھی اسی مزار کے ایک حصّہ میں مدفون ہیں جو سادات بہرسر کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ موصوف صدر تین شہید الملّتِ امامیہ کے جلیل القدر علماء ہونے کی وجہ سے زیادہ مشہور ہیں ورنہ ہر دور میں ہزاروں شیعہ مرد عورتیں اور بچے قید و شہید کئے جاتے رہے۔ چنانچہ حضرت رسول کے جلیل القدر صحابی حجر ابن عدی اور ان کے آٹھ ساتھی اور عمر بن حمق خزاعی، رشید ہجری، میثم تمار، عبداللہ بن عفیف اور قنبر غلام حضرت علی علیہ السلام بھی ان شہداء میں شامل اور مشہور ہیں۔ سلیمان ابن صرد خزاعی قاتلانِ حسین سے انتقام لینے والوں میں شامل تھے، ان کی زوجہ بھی راسخ محب اہل بیت تھیں، اور اہلبیت پر سب و شتم کرنے سے انکار کرنیکی علّت میں قتل کی گئیں۔

عبدالملک بن مروان جب ۶۳ھ ہجری میں خلیفہ بنا تو اس نے شعیان علی اور ان سے تعلق رکھنے والے صحابہ پر ظلم جور قید و بند کرنے حجاج بن یوسف ثقفی کو متعین کیا جسکا ظلم مشہور زمانہ ہے۔ حجاج کی قید میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں مریں جن میں سولہ ہزار ایسی عورتیں شامل تھیں جنھیں برہنہ قید کیا گیا تھا۔ حجاج کا قید خانہ بغیر چھت کی ایک چار دیواری تھی جس میں دیوار کا سایہ لینے پر بھی

درّے اور پتھر مار کر ہٹایا جاتا تھا۔ حجاج کی موت کے وقت کئی ہزار قیدی اس کی قید میں تھے۔ اسی طرح مصر میں صلاح الدین ایوبی نے شیعوں پر مظالم ڈھائے۔ شیعوں کو قتل کروا کر ان کے مکانات و جائداد اپنے جتھے کے لوگوں میں تقسیم کر دی اور روزِ عاشورا کو اس نے یوم عید قرار دیا جیسا کہ بنو امیہ اور حجاج کے زمانہ میں بھی دستور تھا۔ خفاجی اپنی کتاب الازہر فی الف عام میں لکھتے ہیں "ایوبین نے شیعوں کا نام و نشان مٹانے میں انتہائی غلو سے کام لیا۔ اس نے تین بڑے بڑے کتب خانے بھی جلا دیئے جنمیں لاکھوں نایاب کتابیں تھیں۔ حال ہی میں یعنی ۱۹۸۳ء میں صدام حسین حاکم عراق نے ایران کے فاضل کا جو عراق میں مقیم تھے علامہ باقر الصدر اور ان کی عالمہ بہن بنت الہدیٰ کو جو مذہب شیعہ پر کئی کتابوں کے مصنف تھے بے دردی سے شہید کرا دیا۔ ان علاوہ بھی کئی شیعہ علماء شہر بدر یا شہید کئے گئے۔ شہداء کے اس ذکر کے بعد اب ہم وضع احادیث کے سلسلۂ سابقہ کی طرف عود کرتے ہیں۔

علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں ابن عساکر سے روایت کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک زندیق کو گرفتار کروایا اور اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس نے کہا کہ ان ایک ہزار احادیث کو کیا کرو گے جو میں نے اپنی طرف سے لکھکر شائع کر دی ہیں۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ "امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی (صاحب صحیح سنن کبیر) دمشق میں گئے۔ لوگوں نے ان سے امیر معاویہ کے فضائل کی نسبت سوال کیا۔ امام نسائی نے جواب دیا مجھے ان کے فضائل کے متعلق کوئی حدیث سوائے اس کے معلوم نہیں کہ۔ خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے۔ اسپر لوگوں نے لاتیں مار کر ان کو مسجد سے باہر نکال دیا کیونکہ وہ شیعہ پن بیان کر رہے تھے" مظاہر حق ترجمہ مشکواۃ المصابیح میں مولوی قطب الدین خاں صاحب نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ امام نسائی نے ایک کتاب مناقب حضرت علی میں لکھی تھی اور ارادہ کیا کہ بیچ مسجد جامع دمشق میں مجمع کے وقت اس کتاب کو پڑھیں۔ چنانچہ تھوڑی سی وہ کتاب ایک دن مسجد کے مجمع میں انہوں نے پڑھی۔ مجمع میں ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت معاویہ کے مناقب میں بھی تم نے کچھ لکھا ہے۔ نسائی نے جواب دیا معاویہ کے مناقب میرے نزدیک صحیح نہیں ہوئے یہ بات سنتے ہی لوگوں نے ان کو خوب مارا زخمی حالت میں ان کے حسب وصیت مکہ میں لے گئے۔ وہاں پہنچکر وہ مر گئے۔ امام شافعی جن کا زمانہ ۱۵۰ھ سے ۲۰۴ھ تک کا ہے محبان اہل بیت سے تھے۔ ذیل میں ان کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں عام رواج اور لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ اہل بیت علیہم السلام کی تعریف کرنا فعل قبیح اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ کہتے ہیں ؎

لئن کان ذنب حب آل محمد فذالک ذنب لست منہ اتوب
ھم شفعائی یوم حشری وموقعی وحبھم الشافعی ذنوب

ترجمہ:- اگر آل محمدؐ سے محبت رکھنا گناہ ہے تو یہ ایسا گناہ ہے جس سے میں کبھی توبہ نہ کروں گا۔ یہی لوگ بروز حشر میرے شفیع ہیں ایسا ان سے محبت رکھنا شافعی کیلئے گناہ سمجھا جاتا ہے۔ غرض کہ اہل بیت رسولؐ کے فضائل و مناقب کو

دوست و دشمن سب ہی چھپاتے رہے۔ دوست اپنی جان کے خوف سے تو دشمن اپنی دشمنی کے سبب شیعوں میں سے جب کسی نے کھل کر کلام کیا اور تقیہ کو چھوڑ دیے وقفہ کے لئے بھی چھوڑا تو نوبت فوری قتل کی پہنچ گئی۔ شہید اول، شہید ثانی، شہید ثالث اور شہید رابع کے واقعات کچھ پردہ اخفا میں نہیں ہیں۔ مدح علی کی علت میں میثم تمار اور رشید دار پر چڑھائے گئے اور جلیل القدر صحابیٔ رسول حجر ابن عدی اور ان کے بارہ ساتھی تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان واقعات سے اس زمانہ کے حالات کا پتہ چلتا ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آل محمد کی شان میں جو حدیثیں ہوں گی ان کی کیا بے توقیری ہوئی ہوگی اور ان کو کس طرح چھپایا مٹایا اور مسخ کیا گیا ہوگا اور ان کی ضد میں آل رسول کے مد مقابل بننے والوں یا مخالفین آل رسول کی تائید میں کیا کیا نہ حدیثیں وضع کی گئی ہوں گی۔ مولانا سید عبدالوہاب صاحب بخاری ایم۔اے۔ ایل۔ٹی۔ پرنسپل نیو کالج مدراس اسلام کے متعلق اپنی تقاریر کے مجموعہ Islam& Modern Challenges کے نام سے طبع ہوا ہے صفحہ ۳۳ و ۳۴ پر فرماتے ہیں:

"Forged tradition in favour of ruling house, of the rival claim of caliphate, condemnation of certain political and Polemical theories and condemnation of certain others became the order of the day... Hadith was also forged to gain personal ends to strengthen party organisation......."

تاریخ میں متعدد روایات ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوبکر و عمر نے اپنے زمانہ میں احادیث رسولؐ بیان کرنے سے لوگوں کو روک دیا تھا۔ حالانکہ فقہی مسائل وغیرہ کے متعلق احادیث خود یہ حضرات لوگوں سے دریافت کرتے تھے اور ان پر کوئی امتناع نہ تھا۔ ذیل کی روایتوں سے ظاہر ہوگا کہ امتناع محض اہل بیت رسول کی فضیلت کی حدیثوں کے بیان پر تھا۔ تذکرۃ الحفاظ جزو اول صہ۳ پر ذہبی لکھتے ہیں "رسول خداؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ تم لوگ جناب رسول خداؐ کی احادیث میں اختلاف ہوجاتا ہے اور ہمارے بعد جو لوگ آئینگے انکا اختلاف احادیث میں اور زیادہ ہوجائیگا خبردار دیکھو جناب رسول خدا کی احادیث بیان نہ کیا کرو۔ اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہدو کہ ہمارے تمہارے درمیان کتاب اللہ کافی ہے اسکے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام جانو۔
ذہبی صہ۵ پر اور نیز شبلی الفاروق حصہ دوم صہ۲۲۵ پر لکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے ۵۰۰ احادیث جمع کی تھیں۔ اپنے زمانہ خلافت میں ان کو جلا دیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ صہ۱۴۰ پر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے تمام صحابہ سے فرمایا کہ گھر جاؤ اور احادیث کا تمام ذخیرہ اٹھا لاؤ۔ جب ذخیرہ جمع ہوگیا تو آپ نے تمام صحابہ کے سامنے اسے جلا دیا۔ تذکرۃ الحفاظ ج ا صے پر علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر حضرت ابی بن کعب جیسے جلیل القدر صحابی کو روایت احادیث کی بناء پر زد و کوب کرنے پر تل گئے تھے اور اس

حضرت عمر نے روایت حدیث کے جرم میں اصحاب رسول ابوذر غفاری، عبداللہ ابن مسعود، ابوداؤد اور ابن مسعود انصاری کو قید کر دیا تھا (مستدرک حاکم جلد ا ص۱۱۰ طبرانی بروایت (ابراہیم بن عبدالرحمٰن تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ا ص۷، مجمع الزوائد جلد ا ص۱۴۹ والمعتصر جلد ا ص۴۵۹)

جب حضرت عمر نے قرظہ بن کعب کو عراق کا حکم بنا کر بھیجا تو یہ ہدایت کی کہ احادیث رسول بیان نہ کیا کرو۔ جو فوجی عراق پہنچ گئے انھیں بھی یہی ہدایت کی گئی۔ (سنن ابن ماجہ جلد ا ص۱۶، سنن الدارمی جلد ا ص۸۵، مستدرک حاکم جلد ا ص۱۰۲، جامع البیان العلم عبدالبر جلد ۲ ص۱۲۰، تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۳)

حضرت عمر نے ابوہریرہ کو بھی حکم دیا تھا کہ احادیث رسول بیان کرنا ترک کر دو ورنہ شہر بدر کرکے قبیلۂ دوس کی سرزمین کی طرف بھیجدونگا۔ (کنز العمال جلد ۵ ص۲۲۹)

SAHIFA HAMMAM

حضرت عمر کے امتناع حدیث کے متعلق ڈاکٹر حمیداللہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۳ پر اسطرح رقمطراز ہیں:۔ (ہم اقتباسی ترجمہ درج کرتے ہیں اور بعض اہم انگریزی فقروں کو من وعن نقل کرینگے) "سنہ ۷ھ م سنہ ۶۲۸ء میں یمن سے ایک جہاز میں بھر کر بہت سے لوگ آئے اور اسلام قبول کیا۔ انمیں نوشت وخواند سے واقف لوگ بھی تھے جنکو قرآن کے کچھ سورے کاغذوں پر لکھکر زبانی یاد کرنے کیلئے دیئے گئے۔ اس کے بعد جب حضرت رسول نے خطبہ ارشاد فرمایا تو یہ لوگ خطبہ کے اجزاء انھیں کاغذوں کی خالی جگہ پر آیتوں کے ساتھ نوٹ کرنے لگے۔ اس پر حضرت رسول نے فرمایا قرآنی آیتوں کو حدیث سے الگ رکھو۔ ڈاکٹر حمیداللہ لکھتے ہیں:۔

"Naturally enough it was feared that these new converts might mix up the text and confound the Hadith with Qur'an".

اسی کتاب کے ص۱۴۹ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

"The caliph Umar intended to make official arrangements to collect the Hadith of the Prophet. He consulted the companions of the prophet and all of them were of the opinion that the traditions should be codified. But later Umar himself changed his mind!

ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی کتاب Introduction to Islam کے صفحہ ۲۳ پر سورۂ ۵۳ آیات ۳ و ۴ (وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی) کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"The teachings.of Islam are based primarily on the Qur'an and Hadith, and as we will presently see, both are based on Hivine Inspiration".

جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے بھی لکھا ہے فرمانِ رسول بھی وحی پر مبنی ہوتا ہے اور قرآن کے ساتھ حدیث بھی دین کی اساس ہے۔

حکم خداوندی من یُطِعِ الرَّسُوْلَ فقد اطاع اللہ اور اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرَّسُوْل بھی جا بجا آیا ہے۔ یہ توقع نہیں کیجا سکتی کہ حضرت عمر ان صریح احکامات اور قرآن کے ساتھ حدیث بھی دین کی اساس ہونے سے نابلد ہوں۔ اب لا محالا نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ انھوں نے اپنی خاص مصلحتوں سے روایت حدیث پر امتناع عائد کر دیا۔

حضرت عمر نے ایک طرف روایت حدیث کو روک دیا تو دوسری طرف ارشاد رسول کو ہذیان سے تعبیر کر کے حسبنا کتاب اللہ کا جو نعرہ انھوں نے لگایا تھا سو قرآن کا بھی یہ حشر کیا کہ لوگوں کو اس کے معنی سمجھنے بلکہ پڑھنے سے بھی منع کر دیا۔ متعدد محدثین مفسرین و مورخین اہل سنّت نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کا حکم تھا کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہ کرو (مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۵۱۴، ریاض النضرہ محب الدین طبری جلد ۲ صفحہ ۱۹ و تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری جلد ۳ صفحہ ۲۵۳، تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۳۷۴، تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۳۴، تفسیر ابو مسعود بر حاشیہ تفسیر الرازی جلد ۸ صفحہ ۳۸۹ و تاریخ بغداد خطیب بغدادی جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۸ و سیرت عمر ابن الخطاب ابن الجوزی صفحہ ۱۲ و ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی)۔

اگر کوئی شخص کسی آیت کے معنی پوچھتا تو حضرت عمر اسکو دُرّے لگایا کرتے اور قید کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب صبیغ نامی ایک شخص مدینہ آیا اور حضرت عمر سے" والذّاریات ذروًا فالحاملات وقرًا" کے معنی پوچھے تو حضرت عمر نے اسکو دُرّے مارنا شروع کئے اور ایک مکان میں

قید کر دیا اور روزانہ نکال کر اسکو سو کوڑے مارتے اور کئی دن بعد اس کو بصرہ جلاوطن کر کے حاکم بصرہ ابو موسیٰ کو لکھا کہ اس کا بائیکاٹ کیا جائے (سنن الدارمی جلد ۱ ص۵۴ و ص۵۵ تاریخ ابن عساکر، اتقان جلال الدین سیوطی جلد ۲ ص۵، درالمنثور سیوطی جلد ۲ ص۱۱۱، فتح الباری جلد ۸ ص۱۷، کنز العمال جلد ۱ ص۲۲۸ و ص۲۲۹، فتوحات الاسلامیہ جلد ۲ ص۴۴۵ وازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مقصد دوم ص۸۲ و ص۱۹۹)

ایک شخص نے الجوار الکنس کا مطلب پوچھا تو حضرت عمر نے ایک تیر اس کے عمامہ میں چبھویا کہ سر سے خون جاری ہوا (درالمنثور سیوطی جلد ۲ ص۳۲۱ و کنز العمال جلد ۱ ص۲۲۹)

جو کوئی اَبّا و فاکہۃ کے معنی پوچھتا حضرت عمر اسکو دُرّے لگاتے تھے (فتح الباری جلد ۱۳ ص۲۴۳، درالمنثور سیوطی جلد ۲ ص۳۱۷) تیسیر البخاری کتاب الخصومات ص۷۶ پر روایت ہے کہ حکیم بن حزام سورۂ فرقان پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر نے ان کے گلے میں رومال ڈالکر گھسیٹا۔ صحیح بخاری پارہ ۲۰ کتاب تفسیر ص۱۲۵ پر درج ہے کہ ایک شخص ہشام بن حکم کے سورۂ فرقان پڑھنے پر بھی حضرت عمر غصہ میں آگئے۔

اللہ تعالیٰ کا تو واضح حکم قرآن کو سمجھنے کیلئے ہے جیسا کہ سورۂ محمدؐ آیت ۲۴ میں ارشاد ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۔ یعنی قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں) اِدھر حضرت عمر کو یہ ضد تھی کہ فرمانِ خدا و رسول کی برابر نفی کرتے رہیں۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اہلبیتِ رسول کے مناقب فضیلت اور ان کی پیروی کیلئے حضرت رسول کے بے شمار اور مسلسل ارشادات کے ساتھ قرآن میں بھی اہلبیت رسولؐ آئمہ طاہرین اور بالخصوص حضرت علی مرتضیٰ کے گوناگوں فضائل یعنی طہارت، امامت اور مثلِ خدا و رسول کے لوگوں کا ولی و سرپرست قرار دیئے جانے اور ان صادقین کی پیروی کا حکم ہے۔ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ قرآن کی تین سو آیتیں علی مرتضیٰ کی شان میں ہیں اور حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ پورا قرآن علی کی تعریف سے بھرا ہوا ہے۔

صاحبانِ فکر سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ آخر حدیث پر امتناع اور قرآن کے معنی سمجھنے بلکہ پڑھنے سے بھی روک دینا کن باتوں کی غمازی کرتا ہے۔ منشا تو صاف یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سقیفہ میں مسندِ رسول پر قبضہ کرنے والوں کی بہت پہلے سے چلی آنے والی اسکیم کا یہ ایک

طے شدہ جز وتھا کہ لوگوں کو اہلبیت رسول کی پیروی کے احکام خدا اور رسول سے غافل رکھا جائے اور اُن سے تمسک اختیار کرنے سے روکا جائے۔

قابلِ غور ہے کہ قرآن شریف میں اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرّسُول کا حکم جا بجا آیا ہے۔ حضرت رسولؐ کے ارشادات نہ صرف اُس زمانہ میں بلکہ تا قیامت تمام لوگوں کے لئے واجب التعمیل ہیں۔ سیرت وسُنّت رسول سے لوگوں کا واقف ہونا ضروری ہے احادیث رسولؐ کے بیان کرنے پر امتناع عاید کر دینا اور حسبنا کتاب اللہ کہنا ایک طرفہ ماجرا ہے حضرات شیخین کے زمانہ سے اور اس کے بعد بھی کس قسم کی احادیث بیان کی جاتی تھیں اس کا اظہار بھی متعدد روایات سے ہوتا ہے۔ تاریخ فقہ اسلامی کے صہ ۲۲۹ پر خارجیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں " یہ لوگ قرآن مجید کے صرف ظاہری معنی کو لیتے تھے اور حدیثوں میں صرف اُنہیں احادیث کو قبول کرتے ہیں جن کی روایت ان لوگوں نے کی تھی جن کو یہ لوگ (خارجی) دوست رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی قابلِ اعتماد حدیثیں صرف وہی تھیں جنکی روایت حضرت ابوبکر و عمر کے دورِ خلافت میں کی گئی تھی" خارجی مسلمہ طور پر حضرت علی کے دشمن ہیں متذکرہ صدر عبارت سے ظاہر ہوا کہ حضرت علی کے دشمن جن کے راوی ہوں وہ حدیثیں حضرات شیخین کے دور میں بیان کیجاتی تھیں۔ یعنی فضائل علی و اہل بیت کی حدیثیں ان کے دور میں بیان نہیں کی جاتی تھیں۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۱۰۱ و تاریخ فقہ اسلامی عبدالسلام ندوی صہ ۱۶۹ پر درج ہے کہ مقدمات کے فیصلہ کیلئے حضرت ابوبکر و حضرت عمر صحابہ سے حضرت رسول کی احادیث دریافت کرتے تھے۔ الفاروق حصّہ دوم صہ ۲۱۷ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں جب کبھی کوئی صورت پیش آئی حضرت عمرؓ مجمع عام میں پکار کر کہتے تھے اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے۔ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔ تکبیر جنازہ غسل جنابت جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔ معلوم ہوا کہ ہر قسم کی حدیثیں تو دریافت اور بیان کی جاتی تھیں مگر امتناع صرف فضائل علی کی حدیثوں پر تھا۔ علاّمہ ابن ابی الحدید اور صاحب نصائح کافیہ نے لکھا ہے کہ امیر معاویہ اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے خلفائے ثلاثہ کے فضائل کی حدیثیں بنوایا کرتے تھے اور بنانے والوں کو مالا مال کیا کرتے تھے۔ صاحب خلاصۃ الکلام فی تاریخ خیر الانام نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ مولوی غلام احمد صاحب وکیل نظام آبادی

(سنی المذہب) اپنے کتاب "مسلمانوں کے فرقے" کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں "سیاست اقتدار عظمت" تقدس ذاتی" دینی و دنیوی برتری کے حصول کے خاطر پہلی صدی ہی میں قرآن کریم کی آیات چند رائج الوقت سکوں پر بکنے لگیں۔ اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اصحاب رسولؐ کے ناموں سے قال الرسول کہکر لاکھوں احادیث وضع کی گئیں جن کا انبار بخاری مسلم اور احمد ابن حنبل وغیرہ محدثوں کے حافظوں میں لاکھوں کی تعداد میں جگہ پایا اور آج تک ہماری کتابوں میں موجود ہے"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے حدیثیں ڈھالنے کے ٹکسال کھول رکھے تھے۔

بعض ایسے صحابہ جن کو حضرت رسول کی دو تین سال بھی صحبت نصیب نہیں ہوئی ہزاروں حدیثوں کے ناقل ہیں۔ جہاں ایسے صحابہ بھی جو تقریباً ۲۳ سال حضرت کے ساتھ رہے چار پانچ سو یا حد چھ سو سے زیادہ حدیثیں بیان نہ کر سکے تو پھر دو تین سال کی صحبت میں حدیثوں میں ایسی برکت قابل غور ہے۔ آدمی کے حافظہ اور حضوری کے مواقع میں کچھ فرق ہو سکتا ہے مگر اس کی بھی ایک حد ہے۔ مثال کے طور پر ابوہریرہ جو یہودی النسل تھے ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور صرف تین سال حضرت کی صحبت میں رہنے کا انکو موقعہ ملا ان کے مشاغل بھی زیادہ تر بلیاں پالنے شطرنج کھیلنے وغیرہ کے تھے حضرت کی خدمت میں ان کو کوئی رسوخ بھی حاصل نہ تھا کہ ہر وقت حضوری رہتی ہو۔ پھر بھی اکیلا انہوں ہی نے ۵۳۷۴ حدیثیں روایت کر ڈالیں۔

شرح ابن ابی الحدید جلد ا صفحہ ۲۲ پر قاضی ابو یوسف ناقل ہیں کہ میرے استاد (ابو حنیفہ) کہتے ہیں کہ اصحاب رسولؐ میں سب عادل تھے سوائے چند نفوس کے ان میں ابوہریرہ اور انس ابن مالک ہیں (یعنی یہ عادل نہیں ہیں) انس ابن مالک بھی راویان بخاری و مسلم وغیرہ میں شامل ہیں یہی وہ انس ہیں جن کا بیٹا سنان ابن انس قاتلان حسینؑ میں شامل تھا۔ سنن ابی داؤد میں ابن عمر سے روایت ہے کہ ابوہریرہ روایت بیان کرنے میں بڑی دلیری کرتے ہیں۔ صحیح مسلم جلد ۲ مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۵۰۹ پر یہ روایت بھی درج ہے کہ حضرت عائشہ جب نافلہ میں مشغول تھیں تو ابوہریرہ کچھ حدیثیں بیان کر کے چلدیئے۔ جب حضرت عائشہ نافلہ سے فارغ ہوئیں تو کہا کہ اگر وہ مجھے مل جاتے تو میں انکار کرتی۔ فیض الباری شرح بخاری میں سعید ابن مسیب سے روایت ہے کہ ابوہریرہ خود کہا کرتے تھے کہ لوگ ان کے زیادہ حدیثیں بیان کرنے پر طعن کیا کرتے تھے۔ الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۰۵ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر مجھکو درّے مارتے اس طرح ظاہر ہے کہ ابوہریرہ آتباعی مجرم ہیں اور ان کی روایت پر خود ان کے زمانہ میں لوگ اعتبار نہیں کرتے تھے۔ ان کے کردار یہ کیفیت ہے کہ عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۵ پر ہے کہ ابوہریرہ شطرنج کھیلا کرتے تھے حیواۃ الحیوان دمیری صفحہ ۱۷ پر ہے کہ ابوہریرہ جوا کھیلنے کے آلہ سدرہ سے کھیلا کرتے تھے۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ا صفحہ ۲۲ پر ہے کہ جھوٹی حدیثیں بنانے اور جناب امیر علیہ السلام کو بدعت کا مرتکب قرار دینے کے صلہ میں معاویہ نے ابوہریرہ کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا اور مدینہ کا گورنر بنا دیا۔ معاویہ نے جناب امیر علیہ السلام کی طرف سے لوگوں میں

نفرت پیدا کرنے صحابہ اور تابعین کی جو کمیٹی بنائی تھی اس کے ایک رکن ابوھریرہ بھی تھے۔ ابوجعفر اسکافی بھی اس امر کا ذکر کرتے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب کے مقدمہ ہدایہ اور تبصرہ مقدمہ ہدایہ مطبوعہ نول کشور صفحہ ۲۷ پر ہے کہ ابوہریرہ نماز میں حضرت علی کی اقتدا کرتے تھے اور کھانا معاویہ کے دستر خوان پر کھاتے تھے اور لڑائی میں علیحدہ رہتے تھے۔ اس قماش کے راوی سے کتب حدیث میں ۵۳۷۴ حدیثیں درج ہیں اور صحیح بخاری میں جس کو اصح بعد کتاب باری کہا جاتا ہے سینکڑوں حدیثیں ابوہریرہ سے روایت کی گئی ہیں۔ انس بن مالک کے متعلق بھی ابوحنیفہ کا قول اوپر درج ہو چکا ہے۔ ابوہریرہ اور ایسے بیسیوں مسلمہ ناقابل اعتبار اشخاص اور قاتلان حسین سے تک جہاں سینکڑوں حدیثیں صحیح بخاری میں روایت کی گئی ہیں تو ہمارے خیال میں تو اس کو صحیح کہنا غلط ہوگا۔ پھر اصح بعد کتاب باری کہنا تو ایک طرف تو ماجرا ہے۔ اب یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ علمائے اہل سنت کی حدیث کی قدیم کتابوں کے اب جو ایڈیشن طبع کئے جارہے ہیں ان میں انتخاب یا تجدید وغیرہ کے نام سے حدیثوں کی کانٹ چھانٹ اور کتر بونت کی ایک نئی جدوجہد آغاز کی گئی ہے اور بخاری و مسلم وغیرہ میں سے احادیث کو خارج کیا جارہا ہے۔ یعنی اس کا بیڑا اٹھایا گیا ہے کہ جو احادیث مفید مطلب نہ ہوں اور ان کے عقائد کے خلاف پڑتی ہوں ان کا وجود ہی کتابوں میں نہ رہے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ بعض بڑے کتب خانوں تک سے وہ قدیم کتابیں پراسرار طور پر غائب ہوتی جارہی ہیں مثلاً ہائیکورٹ حیدرآباد کی لائبریری سے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کے پورے سٹ غائب ہو چکے ہیں اور اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں تیسرالبخاری کے کئی پارے غائب دیکھنے میں آئے۔ یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ گزرے ہوئے اہل طریقت بزرگوں کے جو دیوان اب طبع ہو رہے ہیں ان میں وہ مسلمہ منقبتیں طبع نہیں کی گئی ہیں جو آل رسول کی شان میں ان بزرگوں نے لکھی تھیں۔ مثلاً حضرت خواجہ اجمیریؒ کا مشہور قطعہ "شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسینؑ" اور دیگر منقبتیں جواب بھی صوفیائے کرام عام طور پر سناتے ہیں حالیہ مطبوعہ دیوان میں موجود نہیں ہیں اور صرف قلمی نسخوں میں باقی رہ گئی ہیں۔ حضرت خواجہ ممدوح کا یہ مشہور قطعہ ان کے حسب وصیت ان کے مزار پر لگا ہوا تھا۔ مگر اب سننے میں آیا ہے کہ اس قطعہ کو بھی درگاہ سے نکال دیا گیا ہے۔ اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ پائنتی کی جانب لگا ہوا تھا اور اس میں سوء ادب کا پہلو تھا۔ اگر ایسا تھا تو کاش کہ سرہانے کے جانب لگا دیا جاتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ میں ان کے حسب وصیت حضرت سیدالشہدا امام حسین علیہ السلام کی ضریح مبارک کا نمونہ رکھا ہوا تھا۔ معلوم نہیں اب یہ بھی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوشش حق پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ بہرحال باوجود اس کتر بونت اور اخفائے حق کے یہ ایک معجزہ ہی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیت اطہار کے فضائل سے متعلق اب بھی سینکڑوں حدیثیں کتب اہل سنت میں موجود ہیں اور نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان کے متعلق اکابر محدثین کا یہ قول ہے کہ جیسی جید اسناد حضرت علیؑ اور اہل بیت علیہم السلام سے متعلق حدیثوں کی ہیں ویسی کسی ایک بھی صحابی سے متعلق حدیثوں کی نہیں۔ چنانچہ

امام احمد بن حنبلؒ قاضی اسمٰعیل بن اسحاق اور امام احمد بن شعیب نسائیؒ اور ابو علی نیشاپوری لکھتے ہیں کہ جس قدر جید سندوں کے ساتھ حدیثیں جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں روایت ہوئی ہیں ویسے کبھی ایک بھی صحابی کے حق میں نہیں ہوئیں۔ مولوی محمد قطب الدین صاحب شاہ جہاں پوری مترجم مشکوٰۃ اپنے ترجمہ کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۱۹ پر محدثین کی متذکرہ صدر رائے درج کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ "شیخ مجد الدین فیروز آبادی نے بیچ بعض حدیثوں کے کہ نقل کی گئی ہیں بیچ مناقب حضرت ابوبکر کے حکم وضعی ہونے کا کیا ہے اور کہا ہے کہ بطلان ان کا ساتھ بداہت عقل کے معلوم ہے۔ علامہ مجد الدین سفر السعادت میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی فضیلت کی مشہور حدیثیں موضوع اور مفتریات ہیں۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ (حصہ عثمان صـ۳۲) پر لکھتے ہیں کہ اصحاب سیر و محدثین نے (حضرت عثمان کے متعلق) بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں جنمیں صحیح بھی ہیں اور بہت موضوع بھی اور ان کا موضوع ہونا بالکل ظاہر ہے خود محدثین جو حدیثیں جمع کرتے تھے انہیں بار بار ردوبدل کے باوجود وہ ان کی صحت کے شبہ سے پاک نہیں ہوتے تھے۔ حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری اپنی کتاب مذہب اسلام کے صـ۳۵ پر لکھتے ہیں کہ امام مالک کہتے ہیں کہ انہوں نے ابتداء میں دس ہزار حدیثیں موطا میں جمع کی تھیں لیکن مسلسل اس کی تصحیح کرتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے انتقال تک بھی موطا مسودہ ہی رہا۔ کہا جاتا ہے کہ موطا کے سولہ مسودات مختلف تھے۔ مولوی عبد اللہ بسمل امرتسری ارجح المطالب میں لکھتے ہیں کہ خلفائے اربعہ کی مدح و ثنا میں جو حدیثیں وارد ہیں وہ باہم متعارض ہیں۔ جب حضرت علی علیہ السلام کے فضائل میں حدیثیں بہ اتفاق علماء اہل سنت ایسی جید اسناد کے ساتھ ہوں جو کسی ایک بھی صحابی کے متعلق نہ ہوں تو اب خلفائے ثلاثہ کے متعلق جو حدیثیں حضرت علی علیہ السلام کے متعلق حدیثوں سے متعارض اور خلاف ہوں تو اس کا تصفیہ عقل سلیم پر ہے کہ کونسی حدیثوں کو قابل قبول سمجھا جائیگا۔ بہر حال اصل اور موضوع کا پتہ چلانے میں خود صاحبان صحاح اور دیگر مستند محدثین اہل سنت اور علماء کے متذکرہ صدر مسلمات پیش نظر رکھنے کے قابل ہیں۔ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی جو کالج میں میرے دینیات کے پروفیسر تھے اپنی کتاب "تدوین حدیث" میں لکھتے ہیں "حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ پہنچکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق اپنی جن معلومات اور مسموعات کی اشاعت کی طرف توجہ فرمائی تھی ظاہر ہے کہ وہ معمولی معلومات نہ تھے۔ یوں بھی سوچنا چاہیے کہ حضرت علی آٹھ سال کی عمر سے آخر وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ رہے اور بقول شخصے اس وقت بظاہر علیحدہ ہوئے جب دیکھا گیا کہ دفن کرکے روضہ پاک سے وہ باہر نکل رہے ہیں۔ اس دوامی رفاقت اور استمراری محبت کے ساتھ ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ان کے جو گوناگوں روابط تھے اور ان روابط کی وجہ سے دین کے متعلق معلومات کا جو قیمتی سرمایہ ان کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ معلومات کا یہ سرمایہ جب وقف عام کردیا گیا تو اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے۔ بقول حافظ الدنیا

شیخ ابن حجر ہیثمی کے متعلق جس شخص کی معلومات کا یہ حال ہو کہ حضرت عائشہؓ جو رسول اللہ کی تمام بیبیوں میں سب سے زیادہ خصوصیت رکھتی ہیں۔ جب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالات کے متعلق کوئی کچھ دریافت کرتا تو فرماتیں کہ علیؓ سے پوچھو۔ حضرت علیؓ کے اس فرمودہ کو بھی لوگوں نے جعلی روایتوں سے مخلوط کر دیا" مولانا مناظر الحسن آگے چل کر لکھتے ہیں " خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد کا یہ حملہ اس حملہ سے کہیں زیادہ تباہ کن اور زیادہ سخت تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں علم حدیث پر کیا گیا تھا۔ ایسی گہری اشتباہی تاریکیاں پھیلا دی گئیں کہ حق و باطل میں امتیاز کی کوئی شکل باقی نہ رہی تھی اور قریب تھا کہ ہمیشہ اس علم کا جہاز غرقاب ہو جائے۔ پس لے دے کر یہی مرتضوی معیار رہ گیا تھا۔ لیکن بار بار عرض کرتا چلا آرہا ہوں کہ ہر عامی و خاص کہ و مہ میں اس معیار کے استعمال کا صحیح سلیقہ ہو یہ مسئلہ آسان نہیں " مولانا مزید لکھتے ہیں " روایتوں کے جس ذخیرہ کو کسی مذہب یا دین کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے اس وقت درایت کا یہی معیار دیکھا جاتا ہے کہ اپنی ساری قوت و طاقت کھو کر بے اثر بنا پڑا ہوا ہے۔ سچی بات تو یہی ہے کہ کہنے کے لئے جس کے جی میں آئے جو کچھ چاہے کہے۔ لیکن درایت کا یہ غریب عقلی و خرقی معیار ان مذہبی روایتوں کی رد و قبول کیلئے اگر کافی ہوتا تو آج دنیا کے اکثر مذاہب و ادیان کی پیٹھیں پتھالوجی یا دیومالا یا اساطیر الاولین جیسے خرافاتی اوہام کے ان پشتاروں سے جھکی اور دبی نظر نہ آتیں۔ خرافات اور اوہام کا وہی پشتارہ جس کی بدولت آج مذاہب و ادیان دیوار قہقہہ یا اضحوکۃ الاطفال بنے ہوئے ہیں "۔ حضرت مولانا کے اس اظہار خیال سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیثوں کے ساتھ کیا کیا تحریف کی گئی اور ان کو کس طرح خلط ملط کیا گیا ہے اور حقیقت کو پہنچنا کس قدر دشوار ہے۔ تہذیب الاخلاق مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور جلد دوم صفحہ ۱۷۴ پر علامہ سر سید احمد خاں تحریر فرماتے ہیں "کسی مسئلہ یا طریقہ یا عادت یا رسم و رواج پر بحث کرنے میں وہ اقوال انسان کو بڑی غلطی میں ڈالتے ہیں جو حدیث کے نام سے مشہور ہیں جو کہ اب تمام حدیثوں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں" صفحہ ۱۷۷ پر علامہ موصوف موضوع حدیثوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "حضرت علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے جو اکابر علماء و حدیث سے ہیں سفر السعادت میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے چند کو ہم بجنسہ درج ذیل کرتے ہیں:-

(۱) حضرت ابو بکر کی فضیلت کی مشہور حدیثیں موضوع اور مفتریات ہیں (۱۴) امام ابو حنیفہ اور شافعی کی بزرگی یا برائی میں جس قدر حدیثیں ہیں سب موضوع اور مفتری ہیں (۱۹) ڈاڑھی کا خلال اور کانوں اور گردن پر مسح کرنے میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے (۲۵) اسباب میں کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (۴۴) اس باب میں کہ اجماع حجت ہے کہ کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ (۴۵) اس باب میں کہ قیاس حجت ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے " اس کے بعد صفحہ ۱۸۱ پر سر سید تحریر فرماتے ہیں "یہ چند باتیں بطور مثال کے ہم نے لکھی ہیں مگر سفر السعادت میں اور بہت سی باتیں اسی قسم کی ہیں جن کی نسبت صحیح حدیثیں نہیں ہیں اس تمثیل سے ہماری غرض یہ ہے کہ جتنک

حدیث کی صحت کی بہ خوبی پرتال نہ کی جائے اس وقت تک اس کی صحت تسلیم کرنی نہ چاہیئے کیونکہ ایسا کرنے سے اسلام میں خلل آتا ہے اور صرف اس بات پر کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں مندرج ہے بھروسہ کرنا محض بیجا ہے گو کہ وہ کتاب صحیح بخاری ہی کیوں نہ ہو۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات کے باب مناقب شیخین میں لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں فضائل شیخین کی موضوع ہیں چنانچہ آخر سفر السعادت میں موضوعات فضائل شیخین درج ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بستان المحدثین میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت نے چودہ ہزار حدیثیں فضائل شیخین میں وضع کرائیں اور ابن جوزی نے ان موضوعات کو جمع کیا ہے۔ شرح ابن ابی الحدید کے ص ۱۹۴ پر ہے کہ معاویہ نے کچھ صحابہ اور تابعین کی ایک کمیٹی بنائی تاکہ حضرت علی کی مذمت میں حدیثیں وضع کریں۔ اس کے رکن ابوہریرہ عمر بن العاص مغیرہ عروہ اور زہری تھے۔ عروہ نے بروایت حضرت عائشہ بیان کیا کہ علی اور عباس بے دین مریں گے اور یہ دونوں ناری ہیں (معاذ اللہ) ڈاکٹر طٰہٰ حسین (سُنّی المذہب) اپنی کتاب فتنۃ الکبریٰ حصّہ دوم کے صفحہ ۴۹ پر لکھتے ہیں۔

"جن لوگوں نے اپنے لئے نبی اور صحابہ سے متعلق حدیثیں وضع کرنا مُباح کر لیا ہے ان کو اس میں کیا ہرج ہو سکتا ہے کہ عراقیوں اور شامیوں کے بارے میں اپنی طرف سے اضافہ کریں"۔ صحفہ ۸۳ و ۸۶ پر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو حضرت علی سے دشمنی میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں اور یہی بات ان کی گمراہی کا باعث بنی ان لوگوں نے مستند مورخین کے بیان کردہ تاریخی حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر کے وہ سب کچھ لکھ دیا جو حد سے بڑھے ہوئے بغض نے املا کرا دیا۔ یہ سب کچھ کھینچ تان بات کی ہیچ اور بکواس ہے اور اس کا سبب حد سے بڑھا ہوا بغض اور گرہ پڑی ہوئی دشمنی ہے ورنہ حضرت علی اور ان کے حامیوں کا معاملہ ایک سیدھی سی بات ہے، تکلف اور تصنع سے خالی۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب دو اسلام کے ص ۱۰۰ پر لکھتے ہیں:۔ "...... بعد میں آگئے ایسے مسلمان جو کعبہ کو گراتے آلِ رسول کو ذبح کرنے اور حرم نبوی معصوم بچوں کو گرم ریگستان میں تڑپا تڑپا کر ہلاک کرنے میں کوئی بار محسوس نہیں کرتے تھے۔ کیا ان حضرات کیلئے احادیث میں رد و بدل کوئی بڑی بات تھی"؟

المعلم ترجمہ: صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۵ پر ہے کہ محمدؐ بن یحییٰ بن سعید قحطان نے اپنے باپ یحییٰ بن سعید قحطان سے (جو حدیث کے بڑے امام مانے جاتے تھے) سُنا کہ ہم نے نیک آدمیوں یعنی درویشوں اور صوفیوں کو بھی اتنا جھوٹا کسی چیز میں نہیں دیکھا۔ جتنا جھوٹا حدیث کی روایت کرنے میں دیکھا۔ امام نسائی اور دوسرے محدثین حسن بصری جیسے بزرگوں میں تک تدلیس کا عیب تجویز کرتے ہیں (ملاحظہ ہو طبقات مدلسین ص ۳) تقریب ص ۸۶ پر ہے! حسن بصری ارسال بہت کرتے ہیں اور تدلیس بھی بہت کرتے ہیں۔ بزار کہتے ہیں کہ جن لوگوں سے حسن بصری نے سنا نہیں اُن سے روایت کرتے ہیں اور بطور تجوز حدثنا اور خطبنا کہہ دیا کرتے ہیں۔ مولانا شبلی سیرۃ النعمان ص ۸۶ پر لکھتے ہیں! امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے۔ حدثنا ابوہریرہ حالانکہ وہ ابوہریرہ سے کبھی نہیں ملے۔ جامع ص ۱۹۸ پر ہے کہ امام مالک ابن انس کے متعلق محمد بن اسحاق کہا کرتے تھے کہ وہ جھوٹا ہے اور امام مالک فرمایا کرتے تھے ابن اسحاق دجّال ہے۔ جامع ص ۲۰۱ و

کتاب فی الصنعا حافظ رزدی محمد بن الحسین موصلی میں ہے کہ یحییٰ بن معین امام شافعی کے متعلق کہتے ہیں :-
"ہو لیس ثقہ" یعنی ان کی روایات قابل اعتبار نہیں ہیں۔ الفرقان شاہ ولی اللہ حسینی صہ ۲۸۵ پر مولانا عبید اللہ سندھی کا یہ قول درج ہے کہ میں ایک نو مسلم یورپین کو کتاب بخاری کیوں نہیں پڑھا سکتا اس کی وجہ مجلس عام میں نہیں بتا سکتا۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب دو اسلام کے صفحہ ۶۲ پر لکھتے ہیں "یہ نہ سمجھئے کہ احادیث تراشی کا کام صرف یہود منافق اور زنادقہ ہی کیا کرتے تھے بلکہ بڑے بڑے قضاۃ وعلما بھی اس کارخیر میں شامل تھے۔ صہ ۵۵ پر ڈاکٹر برق کہتے ہیں "چونکہ ہمارے بعض اسلاف کہہ بیٹھے ہیں کہ صحیح بخاری کی ہر حدیث صحیح ہے اس لئے ہمارے علما بخاری کی حدیث کو ناقدانہ نقطۂ نظر سے دیکھنا یا معیار درایت پر پرکھنا کفر سے کم نہیں سمجھتے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی لاکھ چلائیں کہ صحاح میں انسانی اقوال کی آمیزش ہے علاّمہ حجر ہزار کہیں صحیح بخاری کی چالیس احادیث جھوٹی ہیں۔ شیخ حمید الدین فراہی کہتے پھریں ہیں نے صحاح میں ایسی احادیث دیکھیں جو قرآن کا صفایا کر دیتی ہیں لیکن ہمارے علما یہی کہے جائیں گے کہ حدیث وحیٔ خفی ہے جو شخص صحاح ستہ کی ہر شئے پر ایمان نہیں لائے گا وہ کافر ہے۔" صہ ۲۸۶ پر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں "میرا مقصد احادیث پر تنقید نہیں بلکہ یہ دکھانا ہے کہ احادیث کے جن مجموعوں کو صحیح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں بھی ایسے اقوال بھرے پڑے ہیں جنھیں سُن کر تہذیب کانوں پر ہاتھ دھرے عقل سلیم بلبلا اٹھے اور کتاب الہٰی کلیجہ تھام کر رہ جائے" جھوٹی احادیث وضع کرنے کے ساتھ ساتھ زمانہ پرستوں نے اپنی مقصد براری کے لئے قرآن کی بھی غلط تاویلیں شروع کیں جیسا کہ پروفیسر عبد العلی صاحب اپنی کتاب Caliph Ali کے صہ ۱۲ پر لکھتے ہیں۔

The weapon of coining false Hadis or traditions had served its purpose and sow the technique of the partisans was to interpret the Quran not in accordance with the original meaning given by Mohammed but according to their fancied purposeful meanings. It is till today the bane of Islam. Then it split Islam into two or three groups today it is split into seventy-three groups.

کسی حدیث کو جانچنے کا سب سے بنیادی معیار یہ ہے کہ اس کا راوی سچا اور ثقہ ہے یا ناقابل اعتبار۔ راویوں کے اعتبار کو جانچنے کیلئے علم الرجال پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں جنہیں ہزارہا راویوں کے متعلق تحقیق کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ کونسا راوی ثقہ اور اس کی روایت قابل قبول ہے اور کون راوی ناقابل اعتبار اور اس کی روایت ناقابل قبول ہے۔ اس طریقے پر عمل کرنے کے علاوہ جیسا کہ اس ناچیز نے اوپر عرض کیا ہے۔ سب سے کھلا ہوا اور سیدھا راستہ حدیثوں کی جانچ کے لئے یہ ہے کہ جو حدیثیں احکام قرآنی اور متفق علیہ بین الفریقین حدیثوں سے پورا میل کھاتی ہوں ان کو قبول کیا جائے اور جو متفق علیہ بین الفریقین احادیث کے مغائر یا ان کی ضد ہوں ان کو شواہد تاریخ کی روشنی میں عقل و درایت کے معیار پر پوری طرح پرکھا جائے۔ یہ امر اپنی جگہ بہرحال لائق غور ہے کہ اہل بیت اطہار کی مخالفت ہر زمانہ میں ہوتی رہی

اور تقریباً تمام حکومتیں مخالفین اہل بیت کی رہیں۔ ایسی حالت میں اہل بیت علیہم السلام کی تائید میں کون حدیث بناتا۔ ان کی شان میں جو حدیثیں تھیں البتہ وہ مٹائی گئیں اور ان کے مخالفین کے لئے حدیثیں گڑھی گئیں۔ اس لئے عقل سلیم یہ کہتی ہے کہ کتب اہل سنت میں جو حدیثیں اہل بیت علیہم السلام کی فضیلت کے باب میں ہوں وہ یقیناً صحیح ہوں گی۔ البتہ جو حدیثیں اہل بیت علیہم السلام سے تعرض رکھنے والوں کی فضیلت سے متعلق بیان کیجاتی ہوں انہیں کی جانچ پڑتال سب سے زیادہ ضروری ہوگی اور وہی حدیثیں مشتبہ ہیں اور فی الحقیقت بہت سی موضوع ہیں۔ علامہ خواجہ حسن نظامی یزید نامہ مطبوعہ جون ۱۹۳۰ء کے صفحہ ۱۰ پر آل رسول سے اہل زمانہ کی عداوت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔ "باوجود سالہا سال کی ان سخت کوششوں کے اہل بیت کا علمی چراغ ہر شہر میں ہر بستی میں ہر گھر میں ہر دل میں روشن رہا گو جبر و ظلم کے پردے اس شعاع حقیقت پر پڑے رہے اور علانیہ اسکے نور کو بعض لوگ نہ دیکھ سکے۔"

فلپ۔ کے۔ ہٹی اپنی کتاب ہسٹری آف عرب ہسٹری کے صفحہ ۳۹۴ پر لکھتا ہے:۔ "رسول اللہ کے بعد حدیثوں کا ایک کثیر انبار ابھر آیا جس میں صحیح، مشتبہ، متضاد اور جھوٹی ہر قسم کی حدیثیں شامل تھیں جب کبھی کوئی مذہبی، سیاسی یا معاشرتی معاملہ سامنے آتا تو رسول اللہ کے مبینہ اقوال یا عمل کی ایک نئی فصل کھڑی ہو جاتی۔ شیعوں کی انفرادیت نے ان کے مخالفین کو جھوٹی حدیثیں گڑھنے بے تحاشا طور پر آمادہ کر دیا۔" اصل انگریزی عبارت یہ ہے:۔

"After MOHAMMED an over-whelming avalanche of Hadith-valid dubious, contradictory, spurious had accumulated. Whenever a religious, political or Social issue arose, it yielded a new crop of sayings and deeds attributed to the Prophet. The Shiite schism offered almost an irresistible temptation to fabricate the stuff".

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد جلد اوّل کے صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں:۔ "حدیث جمع کرنے والے اگرچہ ناقابل اعتبار حدیثوں کو رد کرنے میں تامل نہ کرتے تھے لیکن اصل بات یہ تھی کہ قابل اعتبار حدیثوں کو جانچنے کا وہ کوئی عقلی معیار نہیں رکھتے تھے اور یہ اس وجہ سے کہ اسلام کے سیاسی عنصر نے آزادانہ تحقیق اور حقیقی تنقید کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا۔" اصل انگریزی عبارت یہ ہے:۔

"The Collectors though un-sparing in the rejection of untrustworthy traditions, did not discriminate those that were trust worthy by any intelligent canon, for the political element of Islam had extinguished free enquiry and real criticism."

سنہ ۱۹۵۴ء میں ڈاکٹر سید عبد اللطیف پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی نے (جنھوں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے) اکیڈیمی آف اسلامک اسٹڈیز کی کونسل کا منظورہ ایک پمفلٹ "افکار اسلامی کی تشکیل جدید" کے نام سے جاری فرمایا اور تمام دنیا میں اس کو گشت کرایا۔ اس کے ص۱۵ و ص۲۲ پر وہ تحریر فرماتے ہیں:۔ "بایں ہمہ یہ صحاح ستہ بھی آنحضرت صلعم کے صحیح ذہنی کیفیات تک رسائی حاصل کرنے میں کچھ زیادہ معاون نہیں ہیں اختلافات اور تضاد سے قطع نظر ان میں ہم ایسی روایات سے دوچار ہوتے ہیں جو نہ صرف قرآن کے اساسی رجحانات سے متصادم ہوتی ہیں بلکہ جو تصویر آنحضرت صلعم کی سیرت و کردار کی قرآن میں پیش کی گئی ہے اس کے یہ بالکل برعکس ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انتخاب کا معیار داخلی نوعیت کا تھا جس میں زیادہ تر راویوں کے ظاہری زہد و تقویٰ کو دیکھا جاتا تھا اور خارجی طریقہ کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ اگر ان پردوں کو اٹھایا جائے اور ہمارے افکار زندگی کی از سر نو ترتیب عمل میں لائی جائے تو اس کام میں پہلا قدم یہ ہوگا کہ جدید علمی اصولوں پر روایت کی از سر نو چھان بین کیجائے اور ان سے ایک واحد مستند مجموعہ تیار کیا جائے ان کے ساتھ ان روایات کے مجموعوں کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے جنکے حامل شیعوں کے مختلف فرقے ہیں۔ خاص کر وہ روایات جو اثنا عشری ذخیرہ موسومہ بحار الانوار میں محفوظ ہیں یا تفسیر صافی میں جن کے حوالے پائے جاتے ہیں یا فقہ کی کتابوں مثلاً بصائر الدرجات من لا یحضرہ الفقیہ اور کافی کلینی میں جنکا اندراج ہے"۔

بعض موضوع حدیثوں کی مثالیں

موضوع حدیثوں کا اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتب اہل سنت میں بعض روایتیں اس قسم کی بھی ہیں جن سے بعض صحابہ کی فوقیت حضرت رسول خدا پر بھی مستنبط ہوتی ہے۔ ایسی متعدد احادیث ہیں کہ رسول خدا خود کوئی کام کرنا چاہتے یا کوئی رائے ظاہر فرماتے مگر بعض صحابہ اس کے خلاف رائے دیتے یا اعتراض کرتے تو بالآخر قرآن کی آیتیں رسول خدا کی رائے کے خلاف اور صحابہ کی رائے کی تائید میں نازل ہوتیں۔ جس رسول کی یہ شان ہو کہ مصداق کنت نبیا آدم بین الماء والطین ہو روز آفرینش سے نبی ہو باعث ایجاد عالم ہو اور جس کی شان ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کی ہو وہ کام کرنا چاہے یا کوئی رائے دے اور صحابہ اس پر یہ اعتراض کریں اور خدائے تعالیٰ رسولؐ کی رائے کو رد کر کے دیگر لوگوں کے اعتراض کو واجبی قرار دیکر آیت اتارے۔ عقل اس کو ہرگز قبول نہیں کرتی۔ ایسے رسولؐ کی رائے اور بات کا اعتماد کیا رہے گا اور اس کے حکم کی وقعت کیا رہے گی۔ جس کی رائے ہر موقعہ پر اس کے پیروؤں کی رائے سے بحکم خدا مغلوب ہوتی جائے۔ اس قسم کی بعینہ حدیثیں تنقیص شان رسولؐ کا حکم رکھتی ہیں اور بلاشبہ دوسروں کی شان بڑھانے کی کوشش میں وضع کی گئی ہیں۔ بعض حدیثیں ایسی بھی کتب اہل سنت میں درج ہیں کہ حضرت رسول خدا نے گھر میں کتا پال رکھا تھا جس سے حسنین کھیلا کرتے تھے اور اس نجاست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کچھ عرصہ تک جبرئیل کو بھیجنا اور وحی نازل کرنا بند کر دیا تھا۔ جن رسولؐ اور حسنین کی طہارت کاملہ کی سند قرآن دے اور جو رسولؐ

سراپا طہٰ، پاک و طاہر ہو بھلا وہ کتے پال کر فرشتوں کو اپنے پاس آنے سے دور کر دیں اور وحی کا سلسلہ مسدود ہو جانے دیں یہ کوئی امر قیاس میں آسکتا ہے۔ اس کے معنی یہ نکلیں گے کہ یوم آفرینش سے نبی ہوتے ہوئے بھی اور باوجود بعثت ظاہری کے بھی رسول اللہ کو (معاذ اللہ) پاک و نجس کی تمیز نہ تھی۔ ایسی بے سر و پا باتیں کسی کی بھی عقل میں نہیں آسکتیں یہ بھی حدیثیں ہیں کہ رسول اللہ ابتدائے بعثت کے وقت فرشتہ کو دیکھ کر گھبرا گئے اور بخار چڑھ آیا۔ جو خلقت کا شاہد جس کے سامنے فرشتے خلق کئے گئے ہوں اور ان کی تخلیق سے پہلے سے حامل نبوت ہو کیا بعثت ظاہری کے وقت فرشتہ کو دیکھ کر ڈر جائیگا۔ حالانکہ اس کی شان مَازاغَ البَصَرُ وَمَا طَغیٰ کی ہے۔ صحیح مسلم مع فتح الملہم پر انس ابن مالک سے روایت ہے کہ رسول کریم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آپ کے پاس جبرئیل آئے اور آپ کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ سینہ چیر کر دل نکالا۔ پھر دل کو چیرا اور ایک ٹکڑے کے متعلق کہا یہ شیطان والا حصہ ہے۔ اس حصہ کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا پھر دوسرے ٹکڑے کے ساتھ جوڑ کر دوبارہ سینہ میں رکھ دیا۔ اس زخم کا نشان تا دم آخر میں باقی رہا۔ اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب دو اسلام میں لکھتے ہیں کہ حضرت انس کی عمر بوقت وفات حضرت رسولؐ ۲۵ سال کی تھی۔ حضرت رسولؐ کے بچپن کا یہ واقعہ انس کی پیدائش سے ۳۶ سال قبل کا ہے اور یہ روایت ظاہر بہ ظاہر موضوع ہے۔ حالانکہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بعض کتب اہل سنت میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کو بعض دعائیں شیطان نے تعلیم کی ہیں۔ چنانچہ ماہ مئی ۱۹۶۷ء میں ایک اہل سنت صاحب کا جمع کیا ہوا دعاؤں کا مجموعہ گنجینۂ اکبری کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے صفحہ ۲۹ پر دعائے بزرگوار ۲۱ کے ذیل میں درج ہے۔ ایک دن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شریف کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابلیس لعین آپ کی خدمت میں آیا۔ حضورؐ صلعم نے فرمایا اے بدبخت تو کہاں سے آیا۔ کہا یا رسول اللہ میں بدبخت ہوں اس واسطے کہ ایک ایسی دعا ہے کہ اُسے پڑھ کر جنّت میں جاتا ہوں۔ حضورؐ یہ بات سنکر متعجب ہوئے۔ پس جبرئیل علیہ السلام نے اللہ جل شانہٗ کے حکم سے آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ یہ بدبخت سچ کہتا ہے۔ اس دعا کو اس سے سیکھ لیجئے اور اُمت کو تعلیم کیجئے۔ چنانچہ وہ دُعا ابلیس نے آپ کو تعلیم کر دی" لیجئے شیطان کے بھی قسمت کھلے۔ کبھی معلم الملکوت کہلاتا تھا وہ بھی۔ راندہ درگاہ ہونے سے پہلے۔ اب تو لوگوں نے اُسے سردار انبیاء کا بھی معلم بنا دیا۔ کہیں یہ کہا جاتا ہے کہ شیطان آپ سے قرآن کی آیتیں بھلوا دیتا تھا کہیں کہا جاتا ہے کہ آپ پر جادو کر دیا گیا تھا اور آپ اس مغالطہ میں پڑ جاتے کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے۔ حالانکہ آپ وہ کام نہ کئے ہوتے اور بالفاظ روایت بینہٗ " اس کام پر قادر بھی نہ ہوتے " در منثور جلد ۴ صفحہ ۳۶۷ اور سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۱۷۷ پر درج ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا سورۂ والنجم مکہ میں پڑھتے تھے جب اس کی آیت ۱۹ و ۲۰ افرایتم اللات والعزیٰ ومنات الثالثۃ الاخریٰ تک پہنچے تو اس کے بعد شیطان نے قرآن میں تحریف کر دی اور حضرت کی زبان پر جملہ جاری کر دیا۔" ان ھن الغرانیق العلیٰ یعنی ان

بتوں سے شفاعت کی اُمید ہے حضرت رسولِ خدا نے بھولے سے یہ بات کہدی تھی جس پر کفار مکہ خوشی سے
پھول گئے۔ جب حضرت کو خبر ہوئی تو فرمایا تم لوگ سن رکھو یہ جملہ میری زبان پر شیطان نے جاری کر دیا تھا" ابن حجر
عسقلانی اس روایت کو اس طرح لکھتے ہیں آنحضرتؐ نے حرم میں ایک دفعہ نماز پڑھی۔ کفار بھی موجود تھے جب
آپ نے یہ آیت پڑھی ومنات الثالثۃ الاخریٰ تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے۔
تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی۔ یعنی یہ بت معظم و محترم ہیں اور اُن کی شفاعت
مقبول ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی۔ طبری ابن ابی حاتم ابن
المنذر ابن مردویہ" ابن اسحاق" موسیٰ بن عقبہ اور ابن المشعر نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔ درمنثور جلد ۶
صـ۲ پر درج ہے کہ حضرت رسول خدا نے ایک رات کو سورۂ حمعسق پڑھنا چاہا تو بار بار حم عسق پڑھتے رہے۔
اس پر فرمایا میمونہ تمہارے پاس یہ سورہ ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت نے فرمایا تو مجھے پڑھاؤ کیونکہ اس کے اول و آخر کے
درمیان بھول گیا ہوں۔ دوسری روایت میں ہے کہ میمونہ نے وہ سورہ پڑھا تو حضرت نے پھر پڑھا۔ درمنثور جلد ۶ صـ۲۳۹
پر ہے کہ حضرت رسولِ خدا بہت سی آیتیں بھول گئے جو نہ حلال سے تھیں نہ حرام سے۔ پھر حضرت جبرئیلؑ نازل ہو کر
تسکین دیتے رہے کہ آپ سے پہلے ہر نبی پر بھی ہو چکا ہے۔ حضرت موسیٰ پر تیرہ کتابیں اتری تھیں۔ مگر حضرت موسیٰ نے
تختیوں کو پھینک دیا حالانکہ وہ زمرد کی تھیں تو چار کتابیں ضائع ہو گئیں ۹ باقی رہیں۔

قابلِ غور ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ یہ فرمائے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ (سورہ اعلیٰ آیت ۶ یعنی (اے رسول)
ہم تم کو اس طرح پڑھائینگے کہ پھر تم بھول نہ سکو) اور پھر یہ فرمائے کہ وَمَا كَانَ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ۔
سورہ صبا آیت ۲۱ اور شیطان کا ان لوگوں (ایمانداروں کے گروہ) پر کچھ قابو نہیں تھا۔ اور نیز إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ
لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (سورۂ حجر آیت ۴۲) میرے نیک بندوں پر تیرا (شیطان کا) وار نہیں چل سکتا اور جہاں شیطان بھی
یہ اعتراف کرے کہ صالح پسندوں پر میرا قابو نہ چل سکیگا لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ
سورۂ ص آیت ۸۲ و ۸۳) وہاں حضرت ختم المرسلین رحمۃ للعلمین پر قابو پا کر آپ سے آیات قرآنی بھلا دے اور آپکی
زبان مبارک سے بتوں کی تعریف اور ان کی شفاعت کی اُمید ظاہر کروادے۔ یہ محالات عقلی سے ہے اور حضرت
رسولؐ کے مرتبہ کو گھٹانے کیلئے کی ہوئی کوششوں میں سے ہے یا تو پھر ان کفار کو سننے میں غلطی ہوئی ہوگی۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ
حضرت رسول ہمارے بتوں کی تعریف کر رہے ہیں۔ انبیائے سلف اور حضرت رسولِ خدا کے متعلق بعض اور روایتیں
بھی قابل غور ہیں جو ظاہر بظاہر جھوٹی ہیں۔ صحیح بخاری پارہ ۱۲ صـ۱۹ پر ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا
فرماتے تھے کہ ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹ لیا تو اس نبی نے اس چیونٹی کے گاؤں ہی میں آگ لگا دی۔ اس پر
خدا نے ان کی طرف وحی نازل کی کہ ایک چیونٹی نے کسی کو کاٹ لیا تھا تو تم نے اس کے عوض ایک امت ہی کو جلا دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی۔ بخاری پارہ ۱۳ صـ۲۳۲ پر ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم پیغمبر تین مرتبہ

زیادہ جھوٹ نہیں بولے۔ بخاری پارہ ۱۳ صفحہ ۲۴۷ پر یہ حدیث بھی درج ہے کہ حضرت ایوب برہنہ ہوکر نہایا کرتے تھے۔
بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۹۴ مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۸ مسند احمد ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ پر ابوہریرہ سے یہ حدیث درج ہے کہ حضرت
رسولؐ نے فرمایا حضرت موسیٰ نہاتے وقت لوگوں کے سامنے برہنہ نہ ہوتے تھے۔ لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ اُن کے اعضائے جنسی
میں کوئی نقص ہے پس ایک دن جب حضرت موسیٰ اپنے کپڑوں کو پتھر پر رکھ کر نہا رہے تھے تو وہ پتھر حضرت موسیٰ کے کپڑے
لیکر بھاگا اور حضرت موسیٰ برہنہ اس پتھر کے پیچھے راستہ پر او پتھر میرے کپڑے او پتھر میرے کپڑے کہتے بھاگے کہ سب بنی اسرائیل
آپ کو برہنہ دیکھتے رہے۔ بالآخر حضرت موسیٰ نے اس پتھر کو جالیا اور لگے اس کو زدوکوب کرنے۔ ابوہریرہ مزید کہتے ہیں۔ خدا کی قسم
اُن کی مار کا ایسا اثر پڑا کہ پتھر چھ بلکہ سات ٹکڑے ہوگیا۔ گویا اس طرح قدرت نے برہنہ دکھا کر لوگوں کو یہ اطمینان دلایا
کہ حضرت موسیٰ کے جنسی اعضاء میں کوئی نقص نہیں ہے۔ بخاری پارہ ۵ صفحہ ۱۶۹ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا
فرماتے تھے کہ خدا نے ملک الموت کو حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا جب وہ آئے تو حضرت موسیٰ نے ملک الموت کو پیٹنا شروع کیا۔
نتیجہ ہوا کہ ملک الموت کی آنکھ پھوٹ گئی اور ملک الموت واپس بھاگے اور خدا سے شکایت کی کہ واہ تو نے بھی ایسے شخص کے
پاس بھیج دیا جو ابھی مرنے پر تیار ہی نہیں ہیں۔ یہ سنکر خدا نے ملک الموت کی آنکھ پھر ان کے سر میں پیدا کردی۔ بخاری پارہ
۱۳ صفحہ ۲۵۶ پر روایت ہے اور ابن حجر کی شرح میں بھی درج ہے کہ جب ملک الموت حضرت موسیٰ کے پاس آئے اور
کہا کہ اب اپنے خدا کے پاس چلے چلئے تو حضرت موسیٰ نے ملک الموت کے منہ پر ایسا طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ پھوٹ گئی۔
صحیح بخاری پارہ ۹ صفحہ ۴۸۹ پر یہ روایت بھی درج ہے کہ حضرت رسولؐ ایک قوم کے خاک روبہ پر آئے اور وہاں کھڑے کھڑے
پیشاب کرنے لگے۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ مطبوعہ مصر پر یہ روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ
دوسرے جوان عمر لوگوں کی طرح زنا کے ارادہ سے مکہ میں گیا۔ ایک گھر کے پاس پہنچا جہاں ڈھول باجے آلات لہو و لعب
کی آواز تھی وہاں شادی کے جشن میں بیٹھ گیا۔ پس اللہ نے میرے دونوں کانوں پر ضرب لگائی اور میں سو گیا یہاں تک کہ
آفتاب کی کرنیں مجھ پر پڑیں تو اٹھا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ اور پھر اسی ارادہ سے نکلا اور ایک گھر پر پہنچا اور وہی
تماشہ دیکھا پھر خدا نے میرے کان پر ضرب لگائی۔ میں سو گیا یہاں تک کہ آفتاب کی کرنیں ستانے لگیں۔ بخاری پارہ ۵
صفحہ ۶۳۰ پر ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے نماز پڑھی تو شیطان نے میرے اوپر حملہ کیا تاکہ میری نماز کاٹ دے
میں نے اس کو اٹھا کر پٹک دیا پھر ارادہ کیا کہ ستون سے اس کو باندھ دوں تاکہ تم لوگ صبح کو آؤ تو اس کا تماشہ دیکھو مگر حضرت
سلیمان کا قول یاد آیا تو میں نے اس کو خائب و خاسر واپس کردیا۔ بخاری پارہ ۵ صفحہ ۲۲۴ پر یہ روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت
رسولؐ نے اپنا توشہ کھولا تو زید بن عمر بن نفیل نے اس میں سے کھانے سے یہ کہکر انکار کردیا کہ بتوں کے پتھر پر جن جانوروں
کو ذبح کرکے آپ لوگ کھاتے ہیں میں نہیں کھاتا۔ بخاری پارہ ۲۸ صفحہ ۲۲۶ کی روایت ہے کہ عکل یا عرینہ سے ایک جماعت
مدینہ آئی تو حضرت رسولِ خدا نے کچھ دودھ دینے والی اونٹنیوں کا حکم دیا۔ اور ان سے فرمایا کہ باہر جاکر ان اونٹنیوں کا پیشاب
اور دودھ پی لیں۔ وہ سب گئے اور اچھی طرح سیراب ہوگئے تو چرواہے کو قتل کر ڈالا اور اونٹنیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔

حضرت رسول خدان کو گرفتار کرکے۔ منگوایا اور سب کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا کے اور آنکھوں میں سلائیاں
پھروائیں اور پتھریلی زمین پر لٹوا دیا اور ان لوگوں نے پانی طلب کیا تو حضرت نے کسی کو پانی بھی نہیں پلوایا۔ بخاری پارہ
٢٨ صفحہ ١١٢ پر روایت ہے کہ چوری کی سزا میں حضرت رسول خدا نے لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے پھر آنکھوں میں سلائیاں
پھروائیں اور دھوپ میں ڈلوا دیا کہ سب مر گئے۔ کنز العمال جلد ٧ صفحہ ٦٢ پر روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے ایک
دعوت میں فضیخ (انگور کی شراب) پی اور حضرت کے داہنے جانب جو لوگ تھے ان کو بھی پلائی۔ صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ٣
صفحہ ١٩٨ پر فضیخ کی صراحت بھی موجود ہے کہ یہ شراب ہوتی ہے اور جب حرمت شراب کا حکم آیا تو مالک ابن انس ابو عبیدہ جراح
اور ابی بن کعب نے جو فضیخ پی رہے تھے اس کو زمین پر پھینک دیا۔ فتح الباری پارہ ٢٢ صفحہ ١٦٢ پر علامہ ابن حجر نے
لکھا ہے کہ نعمان ایک شخص نے حضرت رسول خدا سے کہا کہ اس وقت عرب میں جو بیوہ عورت سب سے زیادہ خوبصورت
ہے اس سے آپ شادی کرینگے۔ حضرت نے فرمایا ہاں اور ابو اسید کو اس کے لانے کے لئے بھیج دیا۔ ابن سعد کی روایت میں
ہے کہ حضرت نے اس کی طرف دست درازی کی وہ عورت نہایت ہی حسینہ جمیلہ تھی۔ صحیح بخاری پارہ ٢٢ جلد ٦ صفحہ ١٦١
مطبوعہ دہلی پر یہ روایت درج ہے کہ ابو اسید بیان کرتے ہیں کہ "حضرت رسول مدینہ سے باہر دو باغوں کے درمیان جہاں
ایک جونیہ لائی گئی اس کی دایہ حاضنہ بھی ساتھ تھی۔ حضرت اس جونیہ کے پاس پہنچکر کہنے لگے تو مجھے اپنا نفس بخش دے۔ اس نے
کہا کیا شہزادیاں بازاری لوگوں کو بھی اپنا نفس بخش سکتی ہیں۔ یہ سنکر آنحضرت نے اس جونیہ پر دست درازی کی کہ اس کو پکڑ کر
رام کریں۔ مگر وہ بگڑ گئی اور کہا میں تم پر خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ پھر حضرت وہاں سے نکل آئے اور مجھ سے فرمایا اس عورت کو
دو کپڑے دیدو اور اس کے گھر تک اس کو پہنچا دو"۔ ایک روایت صحیح ترمذی سے مشکوۃ کے صفحہ ٥٥٥ پر حضرت رسول خدا
مسجد میں ایک لڑکی کا گانا اور دف بجانا سننے کے متعلق درج ہے۔ جس کا ترجمہ مترجم مشکوۃ قطب الدین صاحب نے
مظاہر حق جلد چہارم صفحہ ١٠٣ پر اس طرح کیا ہے "روایت ہے بریدہ اسلمی سے کہ مشاہیر صحابہ سے ہیں کہ نکلے آنحضرت بیچ بعض
جہادوں کے پس جب پھرے آنحضرت جہاد سے آئی آپ کے پاس ایک لڑکی سیاہ کہ حبشیہ تھی یا رنگ اس کا کالا تھا پس
کہا اس نے یا رسول اللہ تحقیق میں نے نذر کی تھی پھیرے گا آپ کو اللہ تعالیٰ سفر سے فتحیاب تو بجاؤنگی آپ کے آگے دف
اور گاؤں گی میں بسبب خوشی آپ کے آنے کی فرمایا اس کو آنحضرت صلعم نے کہ اگر تو نے نذر کی ہے تو پس بجا دف اور اگر
نذر نہیں کی ہے تو پس نہ بجا دف۔ پس شروع کیا اس چھوکری نے بجانا دف کا پس آئے ابوبکر مسجد میں اس حال میں کہ وہ
چھوکری بجاتی تھی دف بعد ازاں آئے علی اور وہ چھوکری بجاتی تھی دف پھر آئے عثمان اور وہ بجاتی تھی دف۔ پھر آئے
عمر پس ڈالا دف اس لڑکی نے نیچے چوتڑوں اپنی کے پھر بیٹھی چوتڑوں پر تاکہ چھپائے عمر سے از راہ ہیبت کے ان سے
پس فرمایا آنحضرت نے کہ تحقیق شیطان البتہ ڈرتا ہے تجھ سے عمر" مشکوۃ کے اسی صفحہ پر صحیح ترمذی کی ایک اور روایت
اسی قسم کی حضرت عائشہ کی زبانی حضرت رسول ایک زن حبشہ کا ناچ دیکھنے اور حضرت عمر آکر زن حبشہ کو بھگا دینے
کے متعلق درج ہے۔ غور کا مقام ہے کہ حضرت رسول خدا مسجد میں حبشی لڑکی کا گانا اور دف بجانا سنیں۔ گانا اور

دف بجانا سُننے کے ناجائز ہونے کے متعلق اسی روایت میں مطلب واضح ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ اگر نذر نہیں مانی ہے تو دف مت بجا اور اگر نذر مانی تو دف بجا یعنی اس لڑکی کے ایک ناجائز امر کی نذر ماننے کی وجہ سے حضرت رسولؐ نے اس کو جائز فرمایا۔ یہ امر محالات عقلی سے ہے۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر موجود ہے کہ جہاں خود حضرت رسولؐ نے مصلحتاً اپنی بیبیوں کے آپس کے تعلقات کو اچھے رکھنے کی غرض سے بعض جائز چیزوں کو بھی بطور ایثار چھوڑ دینے کا خیال کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قسم کا کفارہ دیدو اور جو چیز جائز ہے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ یہاں تو معاملہ برعکس ہے کہ لڑکی نے نذر مانی تھی ایک ناجائز چیز کو اوّل تو کسی ناجائز بات کی نذر ماننا ہی غلط اور ناجائز ہے خود روزمرہ کا قانون اور عقل بھی ناجائز معاہدات کو تسلیم نہیں کرتا۔ مثلاً زید اور بکر یہ معاہدہ کریں کہ بکر خالد کو قتل کر دے تو زید اس کو ایک ہزار روپے دے گا بکر خالد کو مار کر زید سے رقم کا مطالبہ قانوناً نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ غرض معاہدہ ناجائز ہونے سے یہ معاہدہ کالعدم ہے۔ اسی طرح کسی ناجائز بات کی نذر ماننا ہی غلط اور شرعاً ناجائز ہے۔ یہ امر ناممکن ہے کہ حضرت رسول اس لڑکی کی (ناجائز) نذر کی وجہ سے فعل ناجائز کو جائز قرار دیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حضرت رسولؐ ایک طرف تو اس کو فعل شیطانی قرار دیں اور پھر خود بھی اس میں شرکت فرمائیں (معاذ اللہ) اسی طرح زن حبشہ کا ناچ دیکھنے کو بھی فعل شیطانی قرار دیں باوجود اس کے خود بھی اس میں شرکت فرمائیں حضرت عائشہ کو بھی دکھائیں یہاں تک کہ حضرت عمرؓ آ کر اس ناچنے والی عورت کو بھگا نہ دیں۔ بخاری پارہ ۴ صفحہ ۱۵ پر حضرت عائشہ سے اسی قسم کی ایک روایت یہ ہے کہ میرے پاس دو لونڈیاں گیت گا رہی تھیں۔ حضرت رسولؐ آئے اور منع نہیں فرمایا بلکہ اپنے فرش پر لیٹ رہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آ کر مجھے ڈانٹا اور کہا کہ یہ شیطان کا باجا رسول خدا کے سامنے حضرت رسولؐ نے کہا ان کو گانے دو۔ حضرت رسولؐ غافل ہوئے تو میں نے اشارہ کر کے دونوں لونڈیوں کو روانہ کر دیا۔ اسی طرح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۷۳ پر یہ حدیث درج ہے کہ فرمایا حضرت رسولؐ خدا نے اے ابن خطاب خدا کی قسم جس راہ سے تم کو جاتے ہوئے شیطان دیکھتا ہے اس کو چھوڑ کر وہ دوسرے راستہ سے چلنے لگتا ہے۔ اس کی شرح میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت عمر کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ شیطان کو ان کے پاس پہنچنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تھی۔ لیکن مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۱۴ میں حضرت رسولؐ خدا کے متعلق یہ حدیث درج ہے حضرت عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میرے اوپر کوئی شیطان ہے۔ فرمایا ہاں پوچھا کیا ہر شخص پر شیطان رہتا ہے تو فرمایا ہاں میں نے پوچھا آپ پر بھی شیطان رہتا ہے فرمایا ہاں۔ بخاری پارہ ۵ صفحہ ۶۳ پر یہ روایت بھی درج ہے کہ حضرت رسول کی نماز قطع کر دینے شیطان نے آپ پر حملہ کیا قابلِ غور ہے کہ حضرت رسولؐ کیلئے تو یہ روایت ہے کہ شیطان آپ پر بھی وارد رہتا اور آیتیں بھلوا دیتا اور عبادت میں بھی آپ پر حملہ کرتا ہے (معاذ اللہ) اور حضرت عمر کے لئے یہ روایت بنائی جائے کہ شیطان حضرت عمرؓ پر وارد رہنے کا تو ذکر ہی کیا حضرت عمر کو دیکھ کر راستہ چھوڑ کر دور نکل جاتا ہے۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۲ پر روایت ہے کہ ابوہریرہ بہ تعمیل حکم رسولؐ منادی کر رہے تھے کہ جو شخص کلمہ توحید پڑھے گا وہ جنت میں جائیگا۔ درمیان راہ حضرت عمر سے ملاقات ہوئی۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ناگاہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر ایسے زور کا دو ہتڑ لگایا کہ میں بیہوش ہو کر دانتوں کے بل گر پڑا اس کے بعد

مجھ سے فرمایا چلا جا۔ ابو ہریرہ روتے ہوئے حضرت رسولؐ کے پاس پہنچے پیچھے پیچھے عمر بھی پہنچ گئے۔ حضورؐ نے پوچھا اسے کیوں پیٹا۔ کہا کہ آپ نے صرف لا الٰہ الا اللہ کہنے پر جنت کی بشارت دی ہے۔ فرمایا ہاں۔ عمر نے کہا ایسا نہ کیجئے ورنہ لوگ تمام اعمال ترک کر دینگے۔ حضورؐ نے فرمایا بہت اچھا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب دو اسلام کے صہ۳ پر اس حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں "ذرا غور فرمایئے اس حدیث نے حضورؐ پرنور کی منزلت کو کتنا کم کر دیا کہ اُن کا ایک طفل مکتب انہیں سیدھا راستہ دکھا رہا ہے"۔ جو صاحبانِ نظر کتب حدیث کا مطالعہ فرمائیں ان کو صاف نظر آئیگا کہ ان کتابوں میں ایسی بے سرو پا احادیث کی کوئی کمی نہیں ہے حاکم اور صحاح ستہ میں سے ابن ماجہ کی روایت کردہ مندرجہ ذیل حدیث بھی قابل غور ہے "سب سے پہلے جس شخص سے اللہ تعالیٰ مصافحہ کرے گا اور ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کریگا وہ عمر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا مصافحہ کرنا اور ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرنا بھی قابل غور ہے اور پھر تمام پیغمبروں سے بھی اولیت حضرت عمر کو حاصل ہونا مزید محتاج فکر ہے۔ بخاری میں اسی قسم کی ایک حدیث یہ درج ہے کہ حضرت عمر سے بہتر کسی شخص پر کبھی آفتاب طلوع نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیائے سلف کی فضیلت بھی حضرت عمر کے آگے ہیچ ہو گئی۔ ایک اور حدیث ملاحظہ طلب ہے۔ دیلمی میں حضرت ابوبکر سے روایت کی گئی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اگر میں تم لوگوں میں نبی بنا کر نہ بھیجا جاتا تو عمر نبی ہوتے یعنی بالفاظ دیگر حضرت عمر خاتم النبیین ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو خاتم النبیین کے لئے ضروری ہیں اور گویا وہ اس منصب کے لئے تمام صفات سے آراستہ پیراستہ بالکل تیار تھے اور اگر حضرت رسولؐ کو یہ منصب نہ ملتا تو حضرت عمر خاتم النبیین بن ہی گئے تھے۔ یعنی اس طرح حضرت عمر تمام انبیائے سلف سے افضل قرار پائے ورنہ خاتم النبیینؐ افضل الانبیاء رحمت اللعٰلمین کا درجہ کیسے ملتا۔ اسی قبیل کی ایک روایت یہ کی جاتی ہے کہ حضرت عمر اپنے خرقہ کو بخیہ کر رہے تھے کہ بیٹھ پر سورج کی شعاعوں کی گرمی لگنے سے آپکو غصہ آ گیا اور پلٹ کر غیض کی نگاہ سے جو دیکھا تو سورج کی روشنی سلب ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا۔ حضرت رسولِ خداؐ سمجھے کہ قیامت آ گئی۔ جبرئیل نازل ہو کر حضرت رسول کو سمجھانے لگے کہ اے رسولؐ یہ قیامت نہیں ہے بلکہ سورج نے عمر سے گستاخی کی تھی تو اللہ کا حکم ہوا کہ سورج کی شعاعیں چھین لی جائیں جب تک عمر معاف نہ کرے حضرت رسولؐ نے حضرت عمر سے سورج کی شفاعت کی۔ حضرت عمر نے کہا مجھے غصہ تو بہت آ گیا تھا مگر آپ کہتے ہیں تو معاف کر دیتا ہوں۔ قابل غور ہے کہ حضرت عمر اندھیرا کر دیں اور حضرت رسول یہ سمجھ جائیں کہ قیامت آ گئی اور جبرئیل کو آ کر یہ فہمائش کرنی پڑے کہ آپ اس غلط تصور میں مت رہیے۔ کوشش تو یہاں تک بھی کی گئی ہے کہ حضرت عمر کی چھوکری کو بھی جناب مریمؑ کا ہم پلہ قرار دیدیا جائے۔ چنانچہ کشف المحجوب ابوالحسن علی ہجویری کے صہ۲۸۲ پر اس روایت کا حوالہ ہے کہ حضرت عمر کے گھر کی کنیز زائیدہ لکڑیوں کی تلاش میں صحرا کی طرف گئی۔ لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر پتھر پر رکھا اور اٹھانا چاہتی تھی کہ فرشتہ رضوان داروغہ جنت نمودار ہوا اور چھوکری کو سلام کیا اور کہا کہ میری طرف سے حضرت رسول خدا کو سلام پہنچانا اور خبر دینا کہ آپ کی اُمت کیلئے بہشت کے تین حصے کر دیئے گئے ہیں۔ ایک گروہ بہشت میں بے حساب جائیگا۔

ایک بے حساب آسان ہوگا اور ایک گروہ آپ کی شفاعت سے جنت میں جائیگا۔ یہ بات کہکر وہ فرشتہ آسمان پر جانے لگا اور جب زمین اور آسمان کے درمیان تھا اس نے چھوکری کی طرف دھیان کیا کہ گھٹے کو اٹھانے میں دقت محسوس کر رہی ہے۔ رضوان نے پھر اتر کر کہا کہ اے زائیدہ فکر نہ کر یہ پتھر خود لکڑیاں تیرے گھر پہنچا دے گا اور پتھر کو حکم دیا کہ لکڑیاں پہنچا دے۔ چنانچہ پتھر چلا اور وہ لکڑیاں حضرت عمر کے گھر پہنچا دیں چھوکری نے جاکر اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام حضرت رسول کو پہنچا دیا تب حضرت رسول خدا مع اصحاب حضرت عمر کے گھر آئے اور لکڑیوں کا گٹھا اور پتھر کا نشان دیکھا اور فرمایا الحمد اللہ کہ پروردگار عالم نے میری زندگی ہی میں رضوان بہشت کے ذریعہ میرے امتیوں کی نجات کی خبر مجھے پہنچا دی اور خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دُنیا سے اٹھانے سے پہلے میری امت میں سے ایک عورت کو مریم صفت والا بنایا اور مریم کے درجہ پر پہنچا دیا۔ قابل غور ہے اللہ تعالیٰ وحی اور جبرئیل یا فرشتہ کو ترک کرکے اپنا پیغام بھیجنے کے لئے حضرت عمر کی چھوکری کا توسط اختیار کرے اور حضرت رسولؐ فرمائیں کہ یہ چھوکری مریمی صفات والی اور مریم کی ہم پلہ ہے۔ اگر حضرت عمر ایسے ہی سب انبیاء سے افضل تھے اور حضرت عمر کی کنیز کا تک یہ درجہ تھا کہ جناب مریم کی ہم پلہ تھی تو حضرت ابوحنیفہ کا یہ لکھا کیا معنی رکھتا ہے کہ افضل البشر بعد پیغمبر ابوبکر ثم عثمانؓ ثم علی۔ پھر تو افضل البشر بعد پیغمبر حضرت عمر ہونے چاہیئے تھے۔ حضرت ابوبکر کو کس بناء پر حضرت عمر سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔ جب کہ حضرت ابوبکر کیلئے ایسی شاندار کوئی حدیث درج نہیں۔ آخر کوئی تو اصول ہونا چاہیئے۔ ارباب نظر غور فرمائیں کہ حضرت عمر سے بہتر کسی شخص پر آفتاب طلوع نہ ہوئے اور حضرت عمر سے اللہ تعالیٰ مصافحہ کرکے ہاتھ پکڑ کر سب انبیاء سے بھی پہلے جنت میں داخل کرنے اور خاتم النبیینؐ ہوتے ہوتے بچ جانے اور حضرت عمر کی کنیز بھی جناب مریم کی ہم پلہ ہونے کی حدیثیں کہاں تک عقل میں آسکتی ہیں۔ بعض کتابوں میں مثلاً کشف المحجوب صفحہ پر ایک حدیث یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ یا عمر انت الاحسنۃ من حسنات ابی بکر یعنی اے عمر ابوبکر کی تمام نیکیوں میں سے تو ایک نیکی کے مرتبہ پر ہے۔ یعنی حضرت عمر کا درجہ حضرت ابوبکر سے عشر عشیر ہے۔ اگر اس حدیث کو مانا جائے تو پھر حضرت عمر سے کئی گنا زیادہ نیکیاں رکھنے والے شخص کو چھوڑ کر حضرت عمر سے متعلق یہ کہنا کیا معنی رکھ سکتا ہے کہ حضرت رسولِ خدا نبی بنا کر نہ بھیجے جاتے تو حضرت عمر خاتم النبیینؐ ہوتے یا عمر سے بہتر کسی شخص پر آفتاب طلوع نہیں ہوا۔ غور کیا جائے تو متذکرہ ماقبل قسم کی حدیثوں کا وضع کیا جانا بلاشبہ اسی غرض پر مبنی ہے کہ جہاں کوئی خود اس قابل نہیں ہوسکے کہ رسول کی منزل کے قریب تک پہنچیں تو کوشش اس امر کی کیجائے کہ رسول کو اس درجہ پست کیا جائے کہ بالکل ان جیسا نظر آنے لگے۔ بعض لوگ یہ حجت پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ خود حضرت رسول نے فرمایا اور قرآن پاک میں بھی موجود ہے کہ " انا بشر امثلکمؐ یعنی میں بھی تمہارے مثل بشر ہوں۔ یہ حضرات آدھی بات تو پیش کرتے ہیں اور آدھی سے صرف نظر کر جاتے ہیں آپ نے صرف یہ نہیں فرمایا اور آیت قرآن پاک صرف اس قدر نہیں ہے کہ " انا بشر امثلکمؐ بلکہ یہ ہے کہ " انا بشر امثلکم یوحی الیّٰ یعنی میں تمہارے مثل بشر ہوں لیکن مجھ پر وحی آتی ہے۔ باالفاظ دیگر ادھر میں صورت بشری میں تم سے متصل ہوں تو ادھر میرا ربط اللہ تعالیٰ سے قائم ہے۔ کسی بھی عبارت کے

جملہ کی تعبیر کرنے کا اصول یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے وہ کس موقعہ (context) پر کہا گیا ہے۔ حضرت رسول پیغام خداوندی پیش فرمارہے تھے اور لوگ تھے کہ بھاگے جاتے تھے۔ کوئی کہتا آپ شاعر ہیں کوئی کہتا جادوگر ہیں تو کوئی کہتا مجنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا اس کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں سے کہو کہ میں کوئی اجنبی نہیں ہوں۔ مجھ سے ڈرو نہیں مجھکو کوئی اعجوبہ مت سمجھو میری بات پر دھیان دو میں تمہارے ہی میں رہتا سہتا ہوں بلحاظ بود وباش ورہائش تم ہی لوگوں میں کا ہوں تمہارے ہی مثل بشر ہوں یہ سب کہتے ہوئے بھی آپ نے یہ واضح فرمادیا کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور میرا ربط اللہ تعالیٰ سے قائم ہے۔ اس نکتہ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر پوری طرح واضح فرمادیا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴ میں ارشاد ہے لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم ؕ یعنی خدا نے مومنین پر بڑا احسان کیا کہ ان کے واسطے انہیں کی قوم میں کا ایک رسول مبعوث کیا۔ سورۂ انعام کی آیت ۸ میں فرماتا ہے ولو انزلنا ملکا لقضی الامر (یعنی حالانکہ ہم فرشتہ بھیجدیتے تو ان کا کام ہی تمام ہوجاتا) سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۹۵ میں ارشاد فرماتا ہے۔ قل لو کان فی الارض ملئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا (اے رسولؐ) کہدو اگر زمین پر فرشتے (ایسے ہوئے) ہوتے کہ اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان لوگوں کے پاس فرشتہ ہی کو رسول بناکر بھیجتے۔ یہ بھی عام اصول ہے کہ موقع کی مناسبت کے اعتبار سے کسی امر کے جس پہلو کو نمایاں کرنا ہو وہی سامنے لایا جاتا ہے۔ یہاں اجنبیت کے تصور کو لوگوں سے دور کرنا اور پیغام حق کی دعوت کے لئے لوگوں کو متوجہ کرنا مقصود تھا تو اس اعتبار سے (انا بشر مثلکم" کے الفاظ اور وہ بھی یوحیٰ الیّ کے ساتھ مشروط کرکے استعمال فرمائے گئے۔ ان تمام امور کے اسی موقعہ پر آیت میں یکجا کردینے کی ضرورت نہ تھی کہ آپ رحمۃ اللعالمین ہیں پاک و طاہر طٰہٰ ہیں" یٰسین ہیں بشیر ونذیر" سراج منیر" نور خدا ہیں محبوب کبریا مصطفےٰ و مجتبیٰ خاتم النبیینؐ سردار انبیاء سرور کائنات ہیں۔" بشر امثلکم" کے آدھے جملے کو لیکر ان تمام صفات قدسی و کمالات لم یزالی کو کیسے علیٰحدہ رکھا جاسکتا ہے۔ بھلا ما و شما آنا بشر امثلکم" کی رٹ لگا کر اس منزل میں داخل ہونیکا خواب کہاں دیکھ سکینگے اور کہاں حضرت رسولؐ سے اپنی مشابہت کا راگ الاپ سکیں گے۔

اب ہم صحاح ستہ کی دو ایک اور حدیثوں کا ذکر کرکے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ ایک متفق علیہ صحیح حدیث کے ساتھ ساتھ کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ" میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک صرف ان میں کا جنتی ہوگا اور باقی سب دوزخی" مزید ایک نام نہاد حدیث یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ" امت کا اس طرح تہتر فرقوں میں افتراق بھی ارحمت ہے" غور کیا جائے تو یہ حدیث محالات عقلی سے ہے ایک طرف تو رسول اللہ فرمائیں کہ تہتر میں سے بہتر فرقے دوزخی ہیں اور دوسری طرف امت کے انتشار اور تہتر کے منجملہ بہتر فرقوں یعنی تقریبًا ننانوے (۹۹) فیصد امتیوں کے دوزخ کا راستہ اختیار کرنے کو رحمت بھی فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ متذکرہ صدر حدیث ان اکثر کی تالیف قلوب کے لئے گڑھی گئی ہے جنکو اپنے جنتی ہونے کے متعلق بہ مصداق" چور کی داڑھی میں تنکا" شبہ تھا

انہوں نے کہا یہ تو بڑی بری آن پڑی کہ تہتر میں سے صرف ایک ہی فرقہ جنتی ہوا اور باقی کہیں ایمان کا دعویٰ کرتے کرتے اس بہتر کی بیٹ میں آکر دوزخ میں نہ ڈھکیلے جائیں ان کی پیٹھ تھپک کر ہمت افزائی یوں کی گئی کہ اس تہتر ۷۳ کی تفریق کو بھی رحمت قرار دیا جائے یعنی بالفاظ دیگر بہتر دوزخی فرقوں میں شامل رہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایک قسم کی رحمت ہے۔ واضعانِ حدیث کا یہ معاملہ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری کا مصداق ہے وہ بہتر فرقے تو بیچارے دوزخ میں جلے اور پھر رحمت کی رحمت رہی ایسی طفلی تسلیوں سے کیا کام چل سکتا ہے صحیح ترمذی میں جابر کی ایک روایت درج ہے جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تمس النار مسلما رانی او رای من رآنی ۔ ترجمہ۔ جابر سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ جہنم کی آگ کسی مسلمان کو جس نے مجھے دیکھا یا جس نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا ہو چھو نہیں سکتی (مشکوٰۃ المصابیح عربی صفحہ ۵۵۳) یعنی کسی مسلمان کا خواہ کیسی قماش کا ہو بجز حضرت رسولؐ کو دیکھ لینا حتیٰ کہ کسی صحابی رسولؐ کو دیکھ لینا بھی اس کو دوزخ کی آگ سے بری کر دیتا ہے۔ یعنی مثال کے طور پر گویا یزید اور قاتلان امام حسین علیہ السلام پر جو اپنے معاویہ صحابی رسولؐ کو دیکھ چکے تھے دوزخ کی آنچ حرام تھی اور وہ قطعی جنتی تھے۔ یعنے اس اعتبار سے مُبشرہ عشرہ مبشرہ کی ایک بہت طول طویل فہرست تیار کرنی ہوگی۔ جس میں ہر قسم کے فاسق و فاجر مُسلمان جنہوں نے کبھی ایک صحابی رسولؐ کو کبھی بہ نگاہ غلط انداز بھی دیکھ لیا ہو سب شامل ہوں گے۔ قابل غور یہ بھی ہے کہ حدیث میں الفاظ مومن کے بھی نہیں بلکہ مسلم کے درج کئے گئے ہیں اور مومن کا درجہ تو پھر بھی بڑا ہوتا ہے اور مسلم اور مومن کے فرق کو خود کلام پاک نے سورہ حجرات کی آیت ۱۴ میں واضح کر دیا ہے۔ قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا و لما یدخل الایمان فی قلوبکم ۔ یعنی اعراب آکر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اے رسولؐ) ان سے کہدو کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ اسلام لائے اور ایمان تو تمہارے دلوں میں ابھی داخل ہی نہیں ہوا۔ ذیل میں ہم اس موضوع کو کسی قدر تفصیل سے لکھیں گے کہ آیا ایک مرتبہ ایمان لانیکے بعد ایمان کے تحفظ اور عمل صالح کی شرط سے ہمیشہ کے لیے چھٹی مل جاتی ہے یا عمل صالح پر قائم رہنا بھی ایمان پر خاتمہ ہونا بھی نجات کے لئے ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہم کچھ آیات قرآنی کے بھی حوالے دینگے۔ ناظرین کو اس کے بعد متذکرہ صدر حدیث کے مالہ و ماعلیہ پر غور کرنے میں لطف آئے گا۔

کلام پاک کی آیتوں سے لوگوں کے ایمان لانیکے بعد پھر کافر ہونے اور پھر ایمان لانے کے بعد مکرر کافر ہونے اور کافر مرنے کا ثبوت

کلام پاک کی متعدد آیتیں اس بارے میں بالکل واضح ہیں کہ محض اسلام نہیں بلکہ ایمان لانا پہلے تو ضروری ہے اور پھر ایمان پر تا دم آخر ثابت قدم رہنا شرط ہے۔ ورنہ ایک دفعہ ایمان لاکر پلٹ جانے حتیٰ کہ کئی کئی مرتبہ ایمان و کفر کی رد و بدل اور بالآخر کافر مرنے کا ذکر بھی انہیں آیات میں موجود ہے۔ پھر عمل صالح کی اہمیت اس درجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں سے بھی مخاطب ہو کر فرماتا ہے۔ یا ایھا الرسل کلوا من طیبت واعملوا صالحا (سورۂ مومنون آیت ۵۱) یعنی اے میرے پیغمبرو

پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور صالح عمل کرو۔ خود پیغمبروں نے بھی موت کے وقت ایمان سلامت رہنے کی دعا کی ہے اور اس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے چنانچہ حضرت یوسف کی دُعا سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۱ میں یوں درج ہے فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصٰلحین ۝ یعنی اے آسمان اور زمینوں کو پیدا کرنے والے تو ہی میرا مالک سرپرست ہے دُنیا اور آخرت میں تو مجھے مسلمان اٹھائے اور نیکوکاروں میں شامل فرما۔ سورۂ نمل آیت ۱۹ حضرت سلیمان کی دُعا اس طرح ہے۔ وادخلنی برحمتک فی عبادک الصٰلحین ۝ یعنی (اے پروردگار عالم) تو اپنی رحمت سے مجھے نیکوکار بندوں میں داخل فرما۔ سورۂ البقرہ کی آیت ۱۲۸ میں حضرت ابراہیم کی دعا ہے۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک ۝ یعنی اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ (پیدا کر) جو تیرا فرمانبردار ہو۔ سورۂ ابراہیم آیات ۴۰ و ۴۱ میں بھی حضرت ابراہیم کی دعا اس طرح ہے رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب ۝ یعنی اے میرے پالنے والے مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا دے۔ اے میرے پالنے والے میری دعا قبول فرما۔ اے میرے پالنے والے روزِ حساب مجھکو اور میرے ماں باپ اور سارے ایمان رکھنے والوں کو بخش دے۔ سورہ ھود آیت ۴۷ میں بارگاہ رب العزت میں حضرت نوح کی یہ عرض درج ہے والا تغفرلی وترحمنی اکن من الخٰسرین ۝ یعنی اور اگر تو مجھے نہ بخشیگا اور رحم نہ فرمائیگا تو میں سخت گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا۔ کتب معتبرہ میں حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کی دُعا کے یہ فقرات درج ہیں کہ آنحضرت سربسجود ہو کر دُعا فرماتے تھے۔ اللھم اعوذ بعفوک من عقابک اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بک منک یعنی پروردگار تیرے عفو میں چھپا لے۔ تیرے انتقام سے محفوظ رکھ۔ تیری خوشی پسندیدگی نصیب کر۔ تیری ناراضی سے بچالے دوسرا کون ہے جو پناہ دے۔ سورۂ یونس آیت ۱۵ میں نبی خدا کا بارگاہ رب العزت میں یہ کہنا مذکور ہے۔ انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۝ ترجمہ:۔ میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جہاں پیغمبروں کی یہ کیفیت ہو اور عمل صالح پر قائم رہنے اور موت کے وقت سلامتی ایمان اور اپنی بخشائش کی دعائیں مانگتے ہوں اور سرکار دو عالم تک اس قسم کی دُعا فرماتے ہوں تو کسی شخص عاصی کا ایک دفعہ ایمان لالینا اس کے ہمیشہ مومن رہنے اور مومن دُنیا سے اٹھنے کی ہرگز ضمانت نہیں بن سکتا اس کے عمل سے یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ وہ مومن برقرار رہا اور مومن مرا اللہ تعالیٰ نے جو بخشش کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ تمام مومنین سے نہیں ہے بلکہ ان مومنین سے ہے جنھوں نے عمل صالح کئے چنانچہ سورۂ مائدہ آیت ۹ میں ارشاد ہے۔ وعد اللہ الذین آمنو وعملوا الصلحٰت لھم مغفرۃ واجر عظیم ۝ سورۂ توبہ کی آیت ۷۴ میں بعض لوگوں کے اسلام کے بعد کفر اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ ولقد قالو کلمۃ الکفر وکفرو بعد اسلامھم ۔ ترجمہ ان لوگوں نے ضرور کفر کا کلمہ کہا اور اپنے اسلام کے بعد بھی کافر ہو گئے۔ سورۂ نساء کی آیت ۱۳۷ قابل غور ہے۔ ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا۔ لم یکن اللہ

لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلاo ترجمہ:- جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد کافر ہوگئے پھر ایمان لائے اور پھر کافر ہوگئے اور پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے تو خدا نہ ان کی مغفرت کرے گا اور نہ انہیں راہ راست کی ہدایت ہی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی ارشاد بلا وجہ یا محض قیاسی نہیں ہوتا اور زوائد کی تعریف میں نہیں لایا جاسکتا بلکہ عین حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس آیۃ وافی ہدایہ میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو کئی کئی دفعہ ایمان لاتے گئے اور پھر کافر ہوگئے اور بالآخر مرتے وقت انتہائی کفر کی حالت میں دنیا سے اٹھے یہ آیت اس امر کی بین دلیل پیش کرتی ہے کہ محض ایک دفعہ کسی کے ایمان لا لینے سے ہمیشہ کے لئے چھٹی نہیں ہوجاتی اور یہاں تک بھی ہوتا ہے کہ لوگ کفر و ایمان کے درمیان قلابازیاں لگاتے رہتے ہیں اور پھر کافر مرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہچکولے کھانے والا ایمان رکھنے والوں کا بالآخر کافر ہی مرنا عین قرین فطرت ہے۔ اس قسم کے متنزلزل ایمان والوں کو جو بالآخر کفر پر مرے اللہ تعالیٰ صاف فرما دیتا ہے کہ نہ تو ان کی مغفرت کی جائے گی اور نہ ان کے ایک دو دفعہ مومن رہ چکنے کی وجہ سے پھر ان کو راہ راست دکھائی جائیگی بلکہ یہاں تک بھی ارشاد ہے کہ ان کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۹۰ ہے۔ ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتھم واولئک ھم الضالونo یعنے وہ لوگ جو ایمان لا چکنے کے بعد کافر ہوگئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ تو اللہ ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کرے گا اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔ سورۂ محمد کی آیت ۳۲ میں ان لوگوں کے اعمال حبط ہوجانے کا ذکر ہے جن کو دین کی راہ نظر آچکی تھی پھر کافر ہو بیٹھے اور پیغمبر کی مخالفت کی اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ کفروا وصدوا عن سبیل اللہِ وشاقوا الرسول من بعد ما تبین لھم الھدی لن یضروا اللہ شیئا وسیحبط اعمالھمo ترجمہ: بیشک جن لوگوں پر سیدھی راہ صاف ظاہر ہوگئی اس کے بعد انکار کر بیٹھے اور (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت کی تو وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکینگے اور وہ ان کا سب کیا کرایا اکارت کردیگا۔ سورۂ منافقون تو پورا ان ہی لوگوں کے متعلق ہے جو بظاہر ایمان لا چکے تھے اور اپنے کو مومن کہتے بھی تھے مگر ان کے دلوں کا حال کچھ اور تھا۔ ظاہر ہے کہ چہروں پر تو لکھا نہیں ہوتا اور ایسے منافقوں کے دلوں کا تو جاننے والا اللہ ہی ہے مگر ہاں ان کے عمل سے کچھ اندازے ضرور ہو جاتے ہیں۔

ہم ذیل میں سورہ منافقون کی چند آیتوں کا صرف ترجمہ درج کرتے ہیں (اے رسول) جب تمہارے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ یقیناً خدا کے رسولؐ ہیں اور خدا بھی جانتا ہے کہ تم یقیناً اس کے رسول ہو مگر خدا ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ لوگ ضرور جھوٹے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے تو لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ بیشک یہ لوگ جو کام کرتے ہیں برے ہیں۔ یہ اس سبب سے کہ ایمان لائے اور پھر کافر ہوگئے تو ان کے دلوں پر (گویا) مہر لگادی گئی ہے اب یہ سمجھتے ہی نہیں سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۱ ہے۔ وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھمo ترجمہ: (اے رسول) تمہارے اطراف دیہاتی عربوں میں سے بعض منافق ہیں اور خود اہل مدینہ میں سے (بعض منافق ہیں) جو نفاق پر جم گئے ہیں تم اونکو

نہیں جانتے ہم اُن کو (خوب) پہچانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے متعلق سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۴۵ میں مزید صراحت کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَ اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۔ یعنی اور جب (اے رسول) تم قرآن پڑھتے ہو تو تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے ہم ایک گہرا پردہ ڈال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُن منافقین کا ذکر فرمایا ہے جو حضرت رسول کے پاس بیٹھتے بھی تھے اور قرآن بھی سُنتے تھے مگر یہ ایسے نام نہاد مسلمان تھے جن کے پیشِ نظر دنیاوی اغراض تھے اور جو کہنے کی تو کہتے تھے مگر ان کو آخرت کا یقین نہ تھا۔ جب ان کی یہ کیفیت تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حسبِ حال یہ انتظام فرما دیا کہ جب حضرت رسول قرآن پڑھتے اور منافقین بیٹھے ہوئے سُنتے تو اللہ تعالیٰ حضرتِ رسول کے اور منافقین کے درمیان ایک گہرا پردہ ڈال دیتا۔ اس طرح یہ قرآن کے مطالب کو تو کیا پاسکتے ان کا سُننا بھی محض سطحی اور لاحاصل تھا۔

سورۂ توبہ کی آیات ۵۶ تا ۵۸ ہیں وَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِنَّھُمْ لَمِنْکُمْ وَمَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلٰکِنَّھُمْ قَوْمٌ یَّفْرَقُوْنَ۔ لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَیْہِ وَھُمْ یَجْمَحُوْنَ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّلْمِزُکَ فِی الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْھَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْھَا اِذَا ھُمْ یَسْخَطُوْنَ ؁ ترجمہ: اور لوگ تو خدا کی قسمیں کھائینگے کہ وہ تم میں ہی کے ہیں حالانکہ وہ لوگ تم میں کے نہیں مگر ہیں یہ لوگ بزدلے کہ اگر کہیں یہ لوگ پناہ کی جگہ یا غار گھس بیٹھنے کی کوئی (اور) جگہ پا جائیں تو اوس طرف رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ جائیں۔ اور (اے رسولؐ) ان میں سے کچھ تو ایسے بھی ہیں جو تمہیں خیرات (کی تقسیم) میں الزام دیتے ہیں پھر اگر ان میں سے انہیں کچھ (معقول مقدار) دیدیا گیا تو خوش ہوگئے اور اگر ان کی مرضی موافق) اس میں سے ان کو کچھ نہیں دیا گیا تو بس فوراً ہی بگڑ بیٹھے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۶۱ یہ ہے وَمِنْھُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَیَقُوْلُوْنَ ھُوَ اُذُنٌ (اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو رسول کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس یہ کان ہی کان ہیں سورہ توبہ کی آیت ۶۲ یہ ہے یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ؁ یہ لوگ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کرلیں حالانکہ اگر یہ لوگ سچے ایماندار ہیں تو خدا اور اس کا رسول کہیں زیادہ حقدار ہیں کہ اس کو راضی رکھیں۔ سورہ توبہ کی آیت ۶۶ ہے۔ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَۃٍ مِّنْکُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَۃً بِاَنَّھُمْ کَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ؁ باتیں نہ بناؤ (عذر تنگ پیش مت کرو) حق تو یہ ہے کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو بیٹھے اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کریں تاہم کچھ لوگوں کو ضرور سزا دینگے۔ اس وجہ سے کہ یہ لوگ ضرور مجرم ہیں سورۂ توبہ کی آیت ۶۷ ہے اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُھُمْ مِّنْ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْکَرِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَھُمْ نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؁ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں کہ بُرے کام کا تو حکم کرتے ہیں اور نیک کاموں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ (راہِ خدا میں) خرچ کرنے سے بند رکھتے ہیں یہ لوگ خدا کو بھول بیٹھے ہیں تو گویا خدا نے بھی انہیں بھلا دیا بے شک منافقین فاسق ہیں۔ وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ

وَالمنافقاتِ والکفار نارَ جہنّم خالدین فیھا ھی حسبھم لعنھم اللّٰہ ولھم عذابٌ مقیم ‌۔ (توبہ ۶۸) منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے خدا نے جہنم کی آگ کا وعدہ کر لیا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور یہی ان کے لیے کافی ہے اور خدا نے ان پر لعنت کی ہے اور انہیں کے لئے دائمی عذاب ہے۔ سورہ نساء کی آیت ۱۴۵ میں ارشاد ہے۔ ان المنافقین فی الدّرک الاسفل من النّار۔ یعنی اس میں تو شک نہیں کہ منافقین جہنم کے سب سے نیچے درجہ میں ہوں گے۔ اولئک حبطت اعمالھم فی الدّنیا والآخرۃ واولئک ھم الخٰسرون (توبہ ۶۹) یہ وہ لوگ ہیں جن کا سب کیا دھرا دنیا اور آخرت میں اکارت ہوا اور یہی لوگ گھاٹے میں ہیں۔ سورہ منافقون کی آیت ہے۔ سوآءٌ علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللّٰہ لھم ان اللّٰہ لا یھدی القوم الفٰسقین۔ ترجمہ: (اے رسولؐ) تم ان کی مغفرت کی دعا مانگو یا نہ مانگو ان کے حق میں برابر ہے۔ خدا تو انہیں ہرگز نہیں بخشے گا خدا تو ہرگز بدکاروں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ یہ نقشہ ان لوگوں کا ہے جو بظاہر ایمان لائے تھے مگر ان کے دلوں میں کھوٹ تھا اور عمل کی تہ میں زہر چھپا ہوا تھا اور مار آستین کی کیفیت رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ اگر پیغمبر خدا ان لوگوں کے قول ظاہری کو قبول فرما کر برسبیل تکمیل حجت ان کے لئے دعا بھی فرما دیں تو دعا کا کر دینا نہ کرنا ان کے حق میں یکساں ہے اور اپنے دل کی کھوٹ کی وجہ سے وہ بخشے جانے والے تو نہیں ہیں۔ ان کثیر آیات سے یہ امر صاف مستنبط ہوتا ہے کہ منافقین کی تعداد بہت کافی بڑی تھی۔ ورنہ کوئی صرف اکا دکا منافق ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو اتنی شرح و بسط کے ساتھ اور مختلف مقامات پر منافقین کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ یوں بقول شبلی کے تو مدینہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا۔ بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ کی صحبت میں بیٹھنے کے بعد پھر کیسے کوئی شخص راہ راست سے دور رہ سکتا ہے اور اگر صحبت رسولؐ کے بعد بھی کوئی گمراہ ہو جائے تو اس سے رسالتِ رسولؐ پر حرف آئے گا۔ یہ خیال بنیادی طور پر غلط ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس کو واضح فرما دیا ہے۔ اور سورہ منافقون کے علاوہ دیگر آیتیں بھی اس بارے میں صاف ہیں۔ چنانچہ سورہ نساء کی آیت ۸۰ ہے۔ من یطع الرّسول فقد اطاع اللّٰہ ومن تولّٰی فما ارسلنٰک علیھم حفیظاً ۝ ترجمہ: جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تو اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے (اطاعتِ رسول سے) روگردانی کی تو ہم نے (اے رسولؐ) تم کو کچھ ان کا پاسبان (مقرر) کر کے تو بھیجا نہیں ہے۔ سورہ شوریٰ کی آیت ۴۸ ہے فما ارسلنٰک علیھم حفیظاً۔ یعنی اے رسول ہم نے کچھ تم کو ان کا نگہبان تو بنا کر نہیں بھیجا۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۵۴ میں ارشاد ہے۔ وما ارسلنٰک علیھم وکیلا۔ یعنی (اے رسولؐ) ہم نے تم کو کچھ ان لوگوں کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ سورہ انعام کی آیت ۱۰۸ میں ہے۔ وما جعلنٰک علیھم حفیظاً وما انت علیھم بوکیل ۝ یعنی ہم نے تم کو ان لوگوں کا نگہبان تو بنایا نہیں ہے اور نہ تم ان لوگوں کے ذمہ دار ہو۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۱۹ ہے۔ انا ارسلنٰک بالحق بشیرًا ونذیرًا ولا تسئل عن اصحٰب الجحیم ۝ ترجمہ:

(اے رسولؐ) ہم نے تم کو دین حق کے ساتھ (بہشت کی) خوشخبری دینے والا (عذاب سے) ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور دوزخیوں کے بارے میں تم سے کچھ نہ پوچھا جائیگا۔ سورۂ یونس کی آیت ۴۱ ہے۔ فَقُلْ لِّی عَمَلِی وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْئُوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ. ترجمہ: (اے رسول تم کہدو) ہمارا عمل ہمارے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے۔ جو کچھ میں کرتا ہوں اس کے تم ذمہ دار نہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں بری ہوں۔ سورۂ یونس کی آیت ۱۰۸ ہے فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ۔ ترجمہ (اے رسول کہدو) جو شخص سیدھی راہ پر چلیگا تو صرف اپنے ہی دم کے لئے ہدایت اختیار کرے گا اور وہ تو بھٹک کر اپنا ہی کھوئے گا۔ اور (کہدو) میں کچھ تمہارا ذمہ دار تو نہیں ہوں۔ سورۂ نور کی آیت ۵۴ میں ارشاد ہے۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔ یعنی رسول پر تو صرف صاف صاف احکام پہنچا دینے کا فرض ہے اور بس۔ سورہ تغابن کی آیت ۱۲ ہے۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ترجمہ:۔ خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم نے روگردانی کی تو ہمارے رسول کا فرض تو پیغام کو صاف صاف پہنچا دینے کا ہے اور بس سورۂ رعد کی آیت ۴۰ ہے۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (یعنی اے رسول) تم پر صرف احکام پہنچا دینا فرض ہے اور ان سے حساب لینا ہمارا کام ہے۔ سورۂ انفال کی آیت ۶۴ ہے یٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی اے رسولؐ تم کو بس خدا اور جو مومنین تمہارے تابع فرمان ہیں وہ کافی ہیں۔ سورہ توبہ کی آیت ۶۱ میں ہے۔ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ۔ یعنی ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو رسول کو ستاتے ہیں اور پھر اسی آیت کی آخری جزو ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ یعنی جو لوگ رسول اللہؐ کو ستاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ کلیہ فطرت ہے کہ ابر باراں تو ہر زمین پر برستا ہے۔ جس زمین میں قابلیت ہو اس کے حق میں وہ بارش رحمت ثابت ہوتی ہے اور لالہ و گل پیدا ہوتے ہیں اور زمین شور پر اسی بارش کا کوئی اثر نہیں ہوتا حتیٰ کہ کاہ و گیاہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ ابر نیساں کا قطرہ صدف کے منہ میں گرتا ہے تو گوہر آبدار بنجاتا ہے اور بانس میں گرتا ہے تو تبلوچن بنتا ہے اور معمولی زمین پر گرتا ہے تو خاک ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح تعلیم رسول تو سب کے لئے وہی ہوتی ہے مگر ہر شخص بقدر اپنے ظرف کے اس سے اثر پذیر ہوتا ہے اور جو ظرف بالکل اُلٹا ہو گویا اس میں وہ تعلیم گراں بار سماتی ہی نہیں۔ اگر تبلیغ و تعلیم رسول کا اثر سب پر یکساں ہوتا تو آنحضرت کے زمانہ میں کوئی کافر ہی نہ رہتا۔ ابوجہلؐ ابولہب بھی مسلمان ہوتے۔ اس کے لئے تو اپنی نیت اپنے ظرف اور پھر توفیق ایزدی کی ضرورت ہے۔ نصارائے بنی نجران نے تو میدان مباہلہ میں رسولؐ و اہلبیت رسولؐ کے چہروں کو دیکھکر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ یہ بیشک صادقین ہیں اور اگر یہ دعا کریں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے اور ان سے مباہلہ کیا جائے تو روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھکر اور سمجھکر بھی وہ نصارائے بنی نجران مسلمان نہ ہوئے بلکہ عیسائی ہی رہے۔ یہ توفیق کا معاملہ ہے۔

ارشاد رسولؐ کہ میرے بعد لوگ حقدار پر غیر حقدار کو اختیار کریں گے اور صحابہ دولت پر مائل ہونگے اور بعض صحابہ حوض کوثر سے نکالے جائیں گے

سیوطی نے ابو قتادہ انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ لوگ حقدار پر غیر حقدار کو اختیار کرینگے۔ سرکار دوعالم نے متعدد مرتبہ اس کی خبر دیدی تھی کہ آپ کے بعد غیر مستحق اور ظالم لوگ حکمران ہو جائیں گے۔ چنانچہ ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے ص۲۹۷ پر صحیح نسائی کتاب البقیہ باب ۳۴ و ۳۵ کے حوالے سے حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد درج کرتے انہ ستکون بعدی امراء من صدقہم بکذبہم واعانہم علی ظلمہم فلیس منی ولست منہ یعنی" میرے بعد کچھ لوگ حکمران ہونیوالے ہیں جو کوئی ان کے جھوٹ میں ان کی تائید کرے اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کرے' وہ مجھ سے نہیں اور مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں" مولانا موصوف اسی صفحہ پر صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۲۰ کے حوالے سے یہ حدیث درج کرتے ہیں! " پھر ان کے بعد نالائق لوگ ان کی جگہ آئینگے۔ کہینگے وہ باتیں جو کرینگے نہیں اور کرینگے وہ کام جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس جو ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان کے خلاف دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس سے کمتر ایمان کا ذرہ برابر بھی کوئی درجہ نہیں ہے مولانا موصوف ص۲۹۸ پر کنز العمال جلد ۶ حدیث ۲۹۷ کو بہ ترجمہ ذیل درج کرتے ہیں۔ عنقریب تم پر ایسے لوگ حاکم ہونگے جن کے ہاتھ میں تمہاری روزی ہوگی۔ وہ تم سے بات کرینگے تو جھوٹ بولینگے اور کام کرینگے تو برے کام کرینگے۔ وہ تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی برائیوں کی تعریف اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرو۔ پس تم ان کے سامنے حق پیش کرو جب تک وہ اُسے گوارا کریں۔ پھر اگر وہ اُس سے تجاوز کریں تو جو شخص اس پر قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ آنجناب نے کئی مرتبہ اس خیال کا بھی اظہار فرما دیا تھا کہ میرے بعد صحابہ دولت کی طرف مائل ہو جائینگے (ملاحظہ ہو تیسیر البخاری مترجمہ وحیدالزماں صاحب پارہ ۵ ص۹۳) حضرت رسول خدا کا اس قسم کا ایک اور ارشاد تیسیر البخاری پارہ ۱۶ کتاب مغازی ص۲۶ پر درج ہے کہ آپ نے صحابہ کی نسبت فرمایا کہ کہیں تم دُنیا میں نہ پھنس جاؤ۔ فیض الباری ترجمہ صحیح بخاری مترجمہ مولوی فقیر اللہ صاحب پارہ ۱۳ و ص۱۵۹ پر عمر بن عوف سے روایت ہے کہ نماز فجر کے بعد صحابہ نے حضرت رسول سے مال مانگا تو آنحضرت نے فرمایا کہ میں تم پر خوف کرتا ہوں کہ دُنیا کی کشائش اور بہتات نہ جیسی اگلی امتوں پر ہوئی تم دنیا میں حرص و حسد کرو جیسے انہوں نے کیا اور تم کو دنیا ہلاک کرے جیسے ان کو ہلاک کیا۔ نیز حضرت رسولؐ نے فرمایا ہمارے بعد ایسے امام ہونگے جنکے دل شیطان کے اور جسم انسان کے ہونگے۔ (مسلم جلد ۲ ص...) حضرت رسولؐ خدا کا ایک اور ارشاد آپ کے بعد کے واقعات اور نیز روز حشر کے حالات کی خبر دیتا ہے جو لوگوں کے کان کھول دینے کے لیے بہت کچھ کافی ہے۔ تیسیر البخاری پارہ ۲۷ کتاب الرقاق کے صفحہ ۲۷ پر انس کی زبانی یہ روایت درج ہے۔ حضرت رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ حوض کوثر پر آئیں گے میں ان کو پہچان لونگا۔ لیکن اسی وقت وہ ہٹا دیئے جائینگے۔ میں کہونگا یا اللہ یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ ارشاد ہوگا تم نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد جو جو گن کیے ہیں۔ یہ حدیث صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث معتبرہ اہل سنت میں بے شمار مقامات پر مندرج ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری

باب الفتن میں عبداللہ ابن مسعود سہیل ابن سعد کی زبانی اور باب الحوض میں ابوہریرہ اور عقبہ کی زبانی اور کتاب بدء الخلق میں عبداللہ ابن عباس کی زبانی و نیز باب کیف الحشر میں عبداللہ ابن عباس کی زبانی اور کتاب التفسیر سورۂ مائدہ میں گیارہ طرق سے مندرج ہے۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم میں باب "اثبات حوض نبینا و صفاتہ" میں اسی کی ہم معنی ۸ احادیث عبداللہ ابن مسعود "عقبہ" انس سہل ابن سعد اور ابوسعید خدری و اسماء بنت ابوبکر اور ام سلمیٰ کی زبانی درج ہیں اور سنن ابن ماجہ کتاب المناسک میں عبداللہ ابن مسعود کی زبانی اور جامع ترمذی میں ابواب صفۃ القیامۃ اور ابواب التفسیر میں اور موطا امام مالک میں باب جامع الوضو میں اور مسند امام احمد ابن حنبل میں ابوہریرہ عبداللہ ابن مسعودؓ اور عبداللہ ابن عباس سے تو طرق پر درج ہے۔ ہم نمونتاً بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۸ طبع مصر کتاب الفتن کی ایک حدیث کے الفاظ درج کر دیتے ہیں۔ قال عبداللہ ابن مسعود قال النبی انا فرطکم علی الحوض لیرفعن الی رجال منکم حتی اذا اھویت لا ناولھم اختلجوا دونی فاقول ای رب اصحابی یقول لا تدری ما احدثوا بعدک۔ ترجمہ: عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ میرے پاس تم میں سے کچھ لوگ لائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب میں جھکونگا کہ انہیں اپنی طرف لے لوں تو وہ میرے پاس سے ہٹا دیئے جائینگے۔ تو میں کہوں گا کہ اے میرے پروردگار یہ تو میرے اصحاب ہیں ارشاد ہوگا تم کو معلوم نہیں انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا گل کھلائے ہیں حدیث حوض کنز العمال جز سادس احدیث ۹۷۶ میں بھی بالفاظ ذیل بیان کی گئی ہے۔ "کیا حال ہوگا اُن لوگوں کا جو گمان کرتے ہیں کہ میری رشتہ داری سے میرے رشتہ داروں کو کچھ فوقیت و فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میرا رشتہ دنیا و آخرت میں فضیلت پہنچاتا ہے۔ ہاں خبردار اے لوگو میں حوض کوثر پر قیامت کے دن موجود ہونگا۔ وہاں ایک جماعت لائی جائے گی۔ اس جماعت کا ایک نمائندہ مجھ سے کہیگا کہ اے رسول خدا میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ میں جواب دونگا کہ میں نے سب کو تو پہچان لیا ہے۔ لیکن تم تو میرے بعد اسلام سے ہٹ گئے تھے اور اُلٹے پھر کفر کی طرف رجعت کر گئے۔" اس فرمودہ رسول خدا سے جو آنحضرت نے خود اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا صاف ظاہر ہے کہ ایسے بھی صحابہ جن کے کوئی برے اعمال حیات رسول میں ظاہر نہ ہو سکے ہوں مگر جب حوض کوثر پر آئیں گے تو وہاں سے نکال دیئے جائینگے اور رب العزت حضرت رسول سے فرمائیگا کہ تم نہیں جانتے تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا کرتوت کئے ہیں۔ صحیح بخاری میں علا ابن مسیب سے مروی ہے کہ میں نے براء ابن عازب سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ خوشا حال تمہارا کہ تم نے رسول مقبول کی صحبت اور بیعت تحت شجرہ کا شرف حاصل کیا ہے۔ یہ سنکر براء نے کہا کہ لیکن اے بھتیجے تم نہیں جانتے کہ ہم لوگوں نے آنحضرت کے بعد کیا احداث کیا۔ صحیح بخاری میں ایک اور صریح حدیث خلافت کے لئے صحابہ کی حرص و طمع کے متعلق موجود ہے۔ چنانچہ بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۱ پر ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ تم لوگوں کو عنقریب حرص و طمع خلافت کی پیدا ہو گی اور اس فعل کے باعث تم لوگوں کو بروز قیامت ندامت و خجالت لاحق ہوگی۔ ترمذی نے ابو واقد سے روایت کی ہے کہ جب رسول مقبول بجانب حُنین روانہ ہوئے تو راہ میں اس درخت کے پاس سے گزر ہوا جس کو مشرکین ذات انواط کہتے تھے اور اسپر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ

یارسول اللہ ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک ذات انواط بنا دیجئے جیسا مشرکین کا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا سبحان اللہ یہ وہی بات ہے جو قوم موسیٰ نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ جیسے کافروں کے معبود ہیں ویسا ہی ایک معبود ہم کو بھی بنا دیجئے قسم بخدا تم بھی انہیں کا طریقہ اختیار کروگے۔ تیسیر البخاری پارہ ۱۸ کتاب مغازی ص۵ پر یہ حدیث درج ہے حضرت رسول خدا نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ کہیں ایسا نہ کرنا کہ میرے بعد کافر ہو جاؤ اور مسلمانوں کے گلے کاٹنے لگو۔ ظاہر ہے کہ حضرت رسولِ خدا کو اپنے بعض صحابہ سے اس قسم کا اندیشہ تھا کہ وہ خلافت کی حرص وطمع میں مبتلا ہوں گے دولت پر مائل ہوں گے اور ظلم کریں گے حتیٰ کہ بعض کافر بھی ہو جائیں گے۔

ورنہ آنحضرت بلاوجہ اس قسم کا اظہار خیال نہ فرماتے۔ حسب ذیل حدیث صحیح بخاری میں باب ایمان "باب العتیق" باب ہجرۃ النبی" باب النکاح" باب الایمان والنذر اور باب ترک الحیل جملہ چھ مقامات پر درج ہے اور متفق علیہ ہے اور ترمذی" ابوداؤد" احمد ابن حنبل دارقطنی" عبدالرحمٰن ابن مہدی" شافعی" نیقل بربطی" اور حمزہ کنانی کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ثلث ایمان ہے۔ (یعنی جو شخص اس حدیث پر صدق دل سے ایمان لائے اور عمل کرے اس کا ایک تہائی اسلام پورا ہو جاتا ہے) وہ حدیث یہ ہے۔

حضرت عمر کی زبانی روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ کو کہتے ہوئے کہ نہیں ہیں اعمال مگر ساتھ نیتوں کے اور ہر شخص کیلئے وہی ہے جو اس کی نیت ہے۔ پس جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہوگی کہ پائے اسے یا کسی کی عورت کی طرف کہ نکاح کرے اس سے پس ہجرت اس کی اسی طرف ہے جس طرف اس نے ہجرت کی" حضرت رسول کی اس مسلمہ حدیث سے یہ امر واضح ہے کہ محض ہجرت کرنے یا مہاجر کہلانے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی ہجرت خالصۃً لوجہ اللہ ہوئی ہے۔ جس نے حصول دنیا کی خاطر یا عورت کی خاطر ہجرت کی اس کی ہجرت انہیں اغراض کے لئے قرار پائے گی۔ بالآخر دیکھنا ہی پڑے گا مہاجرین میں سے کس کی نیت صادق تھی اور کون عمل صالح پر قائم رہا صحابی ہونے کی فضیلت جب ہی ہے جب وہ ایمان پر قائم رہے۔ ظلم سے پرہیز کرے عمل صالح کرتا رہے اور ایمان پر مرے یہ نہیں کہ فتقل محمد فار جعولی ادبا نکم کا مصداق ہو جائے (یعنے محمد مارے گئے اپنے اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ) جیسا کہ جنگ احد کے دن بعض اکابر صحابہ نے نعرے لگائے تھے۔ حضرت رسولؐ خدا کے چچا ابولہب کا عمل غلط تھا تو خدا تعالیٰ نے تبت یدی ابی لھب فرمادیا۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کی غرقابی پر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ تو نے میرے اہل کو طوفان سے بچانے کا وعدہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یا نوح لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح" اے نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کا عمل غیر صالح تھا۔ جہاں عمل غیر صالح سے پیغمبر سے رشتہ داری چچا بھتیجہ یا باپ بیٹے تک کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو محض نسبت صحابیت کیا چیز ہے اور غیر صالح عمل کے بعد وہ صحابیت کیا باقی رہ سکتی ہے۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ غزوات رسول میں بہت سے اکابر صحابہ پیغمبر خدا کو میدان جنگ میں چھوڑ چھوڑ کر کئی مرتبہ بھاگے معرکہ جہاد سے فرار اختیار کرنے والوں کی تباہی بروز قیامت کا نقشہ حق تعالیٰ نے سورۂ انفال کی آیت ۱۵ و ۱۶ میں ظاہر فرمادیا ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ؁ ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جھنم وبئس المصیر ؁ ترجمہ اے ایمان والو! جب تم سے کفار سے میدانِ جنگ میں مقابلہ ہو تو ان کی طرف پیٹھ نہ پھیرنا اور اس شخص کے سوا جو لڑائی کے

واسطے کترائے یا کسی جماعت کے پاس ا جاکر موقعہ پائے جو شخص بھی اس دن کفار کی طرف پیٹھ پھیریگا وہ یقیناً خدا کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیا برا ٹھکانہ ہے۔ جہاد سے پیٹھ پلٹا کر بھاگنے والے کا ٹھکانہ اللہ تعالیٰ صاف طور پر جہنم قرار دیتا ہے۔ یہ امر بہت سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے کہ جو صحابہ حضرت رسول کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر اور بعض دفعہ تو زخمی حالت میں چھوڑ کر بھاگ گئے ان کا ٹھکانہ رب العزت کے ارشاد متذکرہ صدر کی رو سے کہاں ہے؟ باب ششم میں ہم نے متعدد اور آیاتِ قرآنی کا حوالہ دیا ہے جن میں جہاد سے فرار کرنے والوں کو صراحتاً مومن کی تعریف سے خارج کیا گیا ہے۔

ملبیہ حدیث عشرۂ مبشرہ سعید بن عمر بن نفیل اور عبدالرحمٰن بن عوف کی زبانی یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ حضرت رسولؐ نے دس اشخاص کے جنتی ہونے کی بشارت دی ان کے نام اس قدوث کے متذکرہ صدر دو راویوں نے اپنے نام شریک کرکے اس طرح بیان کئے ہیں۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعد ابن ابی وقاص۔ ابو عبیدہ جراح۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعید بن عمر نفیل۔ حضرت عثمان کے زمانہ تک بھی اس حدیث کا نام و نشان کبھی کسی نے نہ سنا تو سقیفۂ بنی ساعدہ کے موقعہ پر حضرت ابوبکر یا حضرت عمر نے کبھی اس حدیث کا حوالہ دیا اور نہ حضرت عثمان نے بھی اپنے پر رعایا کے محاصرہ اور حملہ کے وقت کبھی یہ دعویٰ کیا کہ رسولؐ نے ہمارے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے اور ہم برسرِ خطا نہیں ہیں وادیٔ عقبہ میں حضرت رسول پر ستر منافقین کے حملہ کے بعد حضرت عمر حذیفہ سے ہمیشہ پوچھتے رہے کہ کیا حضرت رسول نے میرا نام بھی منافقین میں فرمایا ہے اور آخر میں تو یہ کہا کہ واللہ میں منافقین میں سے ہوں سب سے پہلے اس حدیث کا ادعا جنگ جمل میں کیا گیا جب طلحہ اور زبیر معہ حضرت عائشہ کے حضرت علی علیہ السلام سے برسرِ پیکار ہوئے۔ طبرسی نے کتاب احتجاج میں روایت کی ہے کہ حضرت علی نے زبیر اور طلحہ سے کہا کہ بخدا سوگند تم دونوں اور عائشہ اس سے واقف ہو کہ حضرت رسولؐ نے اصحاب جمل پر لعنت کی ہے۔ زبیر نے کہا ہم کیوں کر ملعون ہیں حالانکہ ہم اہل بہشت ہیں۔ زبیر نے پھر سعید بن عمر بن نفیل کی ملبیہ روایت سنائی کہ دس آدمیوں کے جنتی ہونے حضرت رسول نے بشارت دی اور یہ کہکر نو آدمیوں کے نام سنائے۔ حضرت علی نے فرمایا دسویں کا نام تو نے نہیں لیا۔ زبیر نے کہا وہ آپ ہیں حضرت علی نے جواب دیا۔ میرے جنتی ہونے کا جو تو نے اقرار کیا ہے۔ میں اس کو قبول کرتا ہوں اور باقی جو تو نے کہا ہے میں اُس سے منکر ہوں اور قبول نہیں کرتا۔ زبیر نے کہا کہ آپ کو یہ گمان ہے کہ سعید بن عمر بن نفیل نے حضرت رسول پر افترا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں گمان نہیں رکھتا بلکہ واللہ یقین رکھتا ہوں کہ اس نے آنحضرت پر افترا کیا ہے۔ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ حضرت علی سے کون کون اشخاص معترض رہے اور آپ کی مخالفت کی۔ طلحہ اور زبیر تو کھلم کھلا آپ سے برسرِ پیکار ہوئے اور کثیر روایات کے اعتبار سے یہ دونوں جنگ جمل میں حضرت علی کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے۔ ادھر طلحہ اور زبیر نے اور بالخصوص طلحہ نے کھلم کھلا حضرت عثمان کے قتل کی نہ صرف سازش میں حصّہ لیا بلکہ لوگوں کو حضرت عثمان کے قتل پر اکسایا اور پھر بوقت قتل بھی حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں میں طلحہ بذاتِ خود موجود تھے۔ جب طلحہ اور زبیر حضرت عثمان کے قتل میں شریک ہیں تو یا تو طلحہ اور زبیر ظالم اور حضرت عثمان مظلوم ہوں گے طلحہ اور زبیر حق پر تھے تو حضرت

عثمان لائق قتل ہوں گے۔ بہر حال یہ تینوں بیک وقت جنتی تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔ اسی طرح طلحہ اور زبیر حضرت علی سے لڑیں تو جہاں حضرت علی کے متعلق حضرت رسولؐ کا متفقہ ارشاد نہ صرف جنتی ہونے کا بلکہ قسیم النار والجنۃ یعنی جنت و دوزخ تقسیم کرنے والا ہونے کا ہو تو اب یہی بات منطقی اعتبار سے باقی رہ جاتی ہے کہ طلحہ اور زبیر جنتی نہوئے۔ روایت و درایت جس پہلو سے بھی دیکھا جائے عشرہ مبشرہ کی روایت ایک جھوٹی اور بنائی ہوئی حدیث ہے اور جن لوگوں کے پاس حضرت علی کی بات کا وزن ہے ان کے لئے تو یہ قول فیصل ہے کہ آپ اس مبینہ حدیث کو بالیقین جھوٹی اور حضرت رسولؐ پر افترا تصور فرماتے تھے۔

مبینہ حدیث الصحابہ کلہم عدول

ایک نام نہاد حدیث یہ بیان کی جاتی ہے "الصحابہ کلہم عدول فبایہم اقتدیتم اھتدیتم یا اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اھتدیتم یعنے صحابہ سب کے سب عادل ہیں یا میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں۔ جس کے ساتھ بھی تم اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے" خود متعدد سنی علماء نے اس حدیث کو جھوٹی اور موضوع قرار دیا ہے۔ مشہور محدث بزار کہتے ہیں کہ اسکو حدیث کہنا یا رسول خدا سے اس قول کی نسبت دینا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ مولوی عبد العلی صاحب بحر العلوم شرح مسلم میں اور ملّا نظام الدین صاحب صبح صادق شرح منار میں اس حدیث کو متعدد محدثین حزم و احمد و بخاری وغیرہ کی رائے کے مطابق باطل اور موضوع لکھتے ہیں۔ مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی بھی تحفۃ الاخبار میں اس حدیث کو موضوع ظاہر کرتے ہیں۔

ذرا بھی کوئی عدل سے کام لے تو یہ حدیث فی نفسہ غلط اور باطل ہے۔ قرآنی آیات بلکہ پورہ سورہ منافقون موجود ہے کہ حضرت رسولؐ کے بعض صحابی منافق بھی تھے۔ صحاح ستہ کی مندرجہ احادیث کے اعتبار سے حضرت رسولؐ کے وہ ارشادات بھی مسلمہ ہیں کہ صحابہ میرے بعد دین کو چھوڑ کر دنیا کی طرف مائل ہوں گے۔ حقدار کو چھوڑ کر غیر حقدار کو اختیار کرینگے۔ اور نوبت یہاں تک آئے گی کہ حوض کوثر سے بعض صحابہ ہنکال بھی دیئے جاینگے۔ ایسے واضح اور نصی ارشادات خداوندی و نبوی کی موجودگی میں یہ کہنا کیا معنے رکھتا ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں یا یہ سب ایسے ستارے ہیں کہ جس کسی کی بھی پیروی کی جائے گی۔ ہدایت مل جائے گی۔ ظاہر ہے کہ حوض کوثر سے ہنکائے جانے والے صحابہ کی پیروی دوزخ کا ہی راستہ دکھائیگی یہ حدیث منطقی اعتبار سے بھی بالکل بے معنی ہے۔ حضرت رسول کا یہ مبینہ ارشاد صحابہ سے اور جب صحابہ سے یہ خطاب ہے تو ان سے یہ کہنا تم میرے صحابیوں میں سے جس کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے یعنی اصحاب خود اپنی آپ اتباع کریں کوئی معنے نہیں رکھتا۔ اگر صحابہ کو چھوڑ کر کسی اور سے یہ فہمایش ہو تو کم از کم اس کے کچھ معنے نکالے بھی جا سکتے۔ مگر یہاں تو معنے ہی مفقود ہیں۔ مثال کے لئے متفق علیہ حدیث ثقلین پر غور کیا جا سکتا ہے۔ اس میں صحابہ سے حضرت رسولؐ کی یہ فہمایش ہے کہ تم کتاب خدا اور میرے اہل بیت کی پیروی کرو۔ آنحضرتؐ نے صحابہ اور کل امت سے اپنے اہل بیت کو الگ کرکے دکھا دیا ہے یہ ارشاد از روئے روایت و درایت ہر طرح مسلّمہ ہے۔ اس کے برخلاف یہ کہنا کہ تم اپنی آپ اقتدا کرو ایک بے معنے بات ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "لعالی مصنوعہ" (بنائے ہوئے موتی) میں بہت سی موضوع

حدیثوں کو یکجا کیا ہے جس میں اس حدیث اصحابی کالنجوم عدول یا اصحابی کالنجوم کو موضوع لکھا ہے۔ سنیوں کے بڑے عالم علامہ تفتہ زانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں "جو کچھ محاربات و مشاجرات درمیان صحابہ واقع ہوئے جیسا کہ کتب تواریخ و سیر میں جسطرح سے اور ثقات کی زبان پر مذکور ہے وہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے راہ حق سے عدول کیا اور حد ظلم و فسق تک پہنچے اور ان اُمور کا باعث بغض و عناد حسد دلداد تھا کہ طالب ملک و ریاست ہوئے اور لذات و شہوات کی طرف مائل ہوئے۔ کیونکہ نہ ہر صحابی معصوم ہے اور نہ ہر شخص جس نے رسولؐ کو دیکھا حسن و خوبی کے ساتھ متصف ہے۔ مگر چونکہ صحابہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں تو سب کی تاویل کرتے ہیں تاکہ کبار صحابہ خاصۃً مہاجرین و انصار کے بارے میں بدظنی نہ ہو جائے اور ان کے مبشر بالجنۃ ہونے میں فرق نہ آجائے۔"

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنی اُمیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۵، ۶ پر تحریر فرماتے ہیں:- "آج بنی اُمیہ کے پرستار چالاک مولوی بھی اس قسم کی دوسری الجھنیں کھڑی کرکے عام مسلمانوں کو صراط مستقیم سے کوسوں دور بھگا کر چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ اگر صحیح طور پر مسلمانوں کے بنیادی اختلافات اور آل محمدؐ کی بیخ کنی کے حالات معلوم کرنا ہو تو یہ جان لینا ضروری ہے کہ محمد صلعم کے ساتھی نہ صرف مسلم ہی تھے جنھوں نے زبان سے اقرار توحید و رسالت کیا تھا بلکہ منافق بھی تھے جن کا مطمح نظر صرف دُنیا طلبی تھی اور صرف مال و اقتدار کی خاطر رسول اللہ کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور یہ دونوں گروہ مومنین کے لئے دردِ سر بن گئے تھے۔ اول الذکر محض اپنی سادہ لوحی سے اور دوسرا گروہ خود غرضی اور مکاری نیز سازشوں سے اندر ہی اندر اسلام کو کھوکھلا کرنے میں لگا ہوا تھا۔ منافقوں کو صرف دُنیا سے مطلب تھا۔ دین سے مطلق سروکار نہ تھا۔ دین کو محمدؐ صلعم کے ساتھیوں میں (سچے) مومنین نے سمجھا اور اس پر عمل کیا اور زندگی کی آخری سانس تک اُسی دین پر قائم رہے وہی صحیح معنوں میں صحابۂ رسولؐ کہلانے کے مستحق ہیں۔ مگر عام طور پر ہر کلمہ گو صحابی رسولؐ کہا جانے لگا ہے۔ ہم کو اپنی عقل اور سمجھ سے پہلے چھانٹ کرنی ہوگی کہ کون صحابہ مُنافقوں کی حد میں آتے ہیں اور کون صحابہ مسلمین کی۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۳۱۶ و ۳۱۷ پر تحریر فرماتے ہیں "بعض واقعات کے ثبوت میں میں نے بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ کی مستند روایات بھی نقل کر دی ہیں۔ مگر اس ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے کہ کوئی شخص ہر اس بات کو غلط کہے جو اس کی خواہشات کے خلاف ہو خواہ وہ حدیث کی مستند کتابوں تک میں بیان ہوئے ہوں اور ہر اس بات کو صحیح کہے جو اس کی خواہشات کے مطابق ہو خواہ اس کی سند ان روایات کے مقابلہ میں بھی ضعیف تر ہو جنھیں وہ ضعیف قرار دے رہا ہے۔ ...... دُنیا کیا خود مُسلمانوں کی موجودہ نسلیں بھی اس بات کو ہرگز قبول نہ کرینگی کہ ہمارے بزرگوں کی جو خوبیاں یہ تاریخیں بیان کرتی ہیں وہ تو سب صحیح ہیں مگر جو کمزوریاں یہی کتابیں پیش کرتی ہیں وہ تو سب غلط ہیں .... آخر یہ مورخین اس درمیانی دور ہی کے معاملہ میں اس قدر کیوں بے احتیاط ہوگئے کہ انہوں نے متعدد صحابہ کے خلاف ایسا جھوٹا مواد اپنی کتابوں میں

جمع کردیا۔ مولانا مودودی صـ۳۰۴ و صـ۳۰۵ پر فرماتے ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلا اور تخییر کا واقعہ حدیث وفقہ و تفسیر کی کتابوں میں بیان نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے امہات المومنین پر یہ الزام آتا ہے کہ انہوں نے نفقہ کیلئے حضورؐ کو تنگ کیا تھا۔ حضرت ماعزؓ اسلمی سے زنا جیسا شدید گناہ صادر ہوگیا۔ یہ قطعی طور پر عدالت کے منافی تھا کیا ماعزؓ اسلمی اور غامدیہ کے واقعات کتابوں میں بیان نہیں کئے گئے ہیں۔ اس منگھڑت قاعدوں کی رو سے محدثین کو وہ تمام روایات رد کر دینی چاہئیں جن میں کسی صحابی یا کسی صحابیہ سے زنا جیسے گھناؤنے فعل کا ذکر آیا ہو۔ صـ۳۰۷ پر مولانا مودودی لکھتے ہیں۔ ان (صحابہ) سب نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حضورؐ کی تعلیم اور صحبت کا اثر کم و بیش قبول کیا تھا۔ مگر ان میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے تھے اور فی الواقع تھے جن کے اندر تزکیہ نفس کی ایسی بہترین تربیت کے باوجود کسی نہ کسی پہلو میں کوئی کمزوری باقی رہ گئی تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا" پس خدا بخش اپنی کتاب پالیٹکس ان اسلام صـ۱۵۱ پر بلاغ المبین کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ "عرب کی فطرت دو حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ اول قسم تو یہ ہے کہ جن میں آزاد جنگلی اور بدوی خصلت نمایاں ہے۔ اس کی خصوصیات حرص و طمع غارت گری عیش پسندی، نخوت و غرور ہیں۔ دوسری قسم مہذب اور علم والے لوگوں کی ہے۔ آپ کے صحابہ کی اکثریت قسم اول کے لوگوں کی تھی۔"

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں آیت ولو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبہم کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں "جب رسول اللہ نے ان کی دعوت اسلام کی طرف اور خدا کی عبادت کی طرف رغبت دلائی اور ترک خواہشات سے دنیا دمیل کی طرف آخرت کی ترغیب دی تو بغض و عناد یا خود کا دور ہوا اور مثل بھائی بند کے ہوگئے۔ لیکن جب رسول اللہ نے وفات پائی اور ابواب دنیا ان لوگوں پر کھل گئے اور اس کے خواہاں و جویا ہوئے تو پھر اپنی حالت سابقہ پر عود کر گئے اور آپس میں جنگ وجدال شروع کر دی۔ یہی سبب حقیقی ہے ان لوگوں کی تنازعات و جنگ وجدال وحرب و قتال کا" شمس العلما حافظ نذیر احمد خاں اپنی کتاب رویائے صادقہ کے صـ۱۵۵ پر لکھتے ہیں۔ "اس بات میں سُنی ان جھگڑوں کو جزو دین قرار دیتے ہیں اور مجبور ہو کر ان کو واقعات سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ان لوگوں میں کسی طرح رنجش اور کشیدگی اور رکاوٹ ہی نہ تھی۔ لیکن میرے نزدیک یہ انکار انکار بداہت ہے۔ میں کہتا ہوں تھی اور ضرور تھی اور ہونی چاہیئے تھی اور آخر کار وہ ظاہر ہوئی پر ہوئی اور بری طرح ہوئی" تاریخ نے صحابہ کے درمیان ٹکراؤ کی کثرت مثالیں پیش کیں۔ حضرت رسولؐ کا جہاں یہ ارشاد تھا کہ عنقریب میری امت میں فتنہ برپا ہوگا اور جب ایسا ہو تو تم ملازمت علی کی اختیار کرنا (ملاحظہ ہو دیلمی خوارزمی و ابن عبدالبر بروایت ابولعلی) تو رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی تجہیز و تدفین رسول سے قبل ہی سقیفہ بنو ساعدہ کی کاروائی نظر آئی اور جہاں اصحاب سقیفہ ایک صف میں تھے تو دوسری صف میں رسول کے غسل و کفن و دفن میں مصروف حضرت علی اور چند ان کے ساتھی نظر آئے جن کو بیعت پر مجبور کرنے جناب فاطمہ کے گھر پر آگ لیجا کر جلانے کی کاروائی کی گئی اور علی مرتضیٰ کو گلے میں رومال ڈالکر گھسیٹا گیا۔ ماننا پڑیگا کہ کسی ایک طرف عدل تھا تو دوسری طرف ظلم تھا۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر

حضرت علی کے مقابل صف آرا تھے۔ کہنا پڑے گا کہ کبھی ایک طرف عدل اور دوسری طرف ظلم تھا۔ جنگ صفین میں ایک طرف معاویہ تو دوسری طرف علی مرتضیٰ تھے۔ یہاں بھی کہنا پڑے گا کہ کوئی ظلم پر اور کوئی عدل پر تھا۔ جہاں معاویہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرتے تھے اور اپنے حکم سے بہتر ہزار منبروں سے حضرت علی کے نام پر سب وشتم کرواتے تھے وہیں حضرت رسولؐ کے مخلص صحابی حجر ابن عدی معاویہ کی تکذیب کرنے منبر پر جا کر حضرت علی علیہ السلام کے فضائل بیان کرنا شروع کرتے اور اسی بناء پر معاویہ نے حجر ابن عدی کو مع ان کے ۱۲ ساتھیوں کے قتل کرا دیا۔ اب یا تو معاویہ عدل پر تھے یا حجر ابن عدی اور ان کے ساتھی۔ معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوا دیا اور امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش مار رہا ہے یہ خون ضرور گرایا جائیگا۔ حسین کو قتل کرنے میں بہت سے صحابی رسول شامل تھے۔ کہنا پڑے گا کہ یہاں بھی ایک طرف ظلم اور ایک طرف عدل تھا۔ دونوں مقابل عدل پر نہیں ہو سکتے۔ ماننا پڑے گا کہ الصحابہ کلہم عدول کا نعرہ نصیّ، منطقی، تاریخی، واقعاتی ہر اعتبار سے غلط محض ہے اور سیاسی اغراض والوں کے ذہن کی پیداوار ہے۔

صحابہ کلہم رض کا یہ مطلب لئے جانے کہ جس صحابی کی بھی پیروی کیجائے ہدایت مل گی خود بہت سے مشہور علماء اہلسنت نے واضح تردید کی ہے۔

مولانا سعید احمد ایم۔اے فاضل دیوبند اپنی کتاب فہم قرآن کے صفحہ ۱۴۴ پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا یہ جملہ نقل کرتے ہیں:۔

"میرے والد مرحوم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسی لفظ کی حقیقت سے بحث کی تو یہ ثابت ہوا کہ اس موقعہ پر عدالت کے متداول معنی مراد نہیں ہیں بلکہ صرف عدالت فی روایت حدیث مراد ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں ہے"۔

مولانا مناظر احسن گیلانی "تدوین حدیث" کے صفحہ ۳۵۴ پر لکھتے ہیں، حضرت ماعز اسلمی نعمان بن عمر انصاری، عقیرہ ابن شیبہ، وحشی، عمر ابن عاص یا خود امیر معاویہ کی طرف حدیث وسیر و تاریخ کی کتابوں میں کونسی باتیں نہیں منسوب کی گئی ہیں اور یہ کہکر کہ واقعی ان لغزشوں میں وہ مبتلا ہوئے تھے۔ جرائم جنہیں ہم کبائر کہہ سکتے ہیں یہ واقعہ ہے کہ انکی شاید ہی کوئی قسم ہوگی جو اس فہرست میں نظر نہ آتی ہو"

مولانا عبدالشکور لکھنوی اپنی کتاب خلفاء راشدین صـ۱۱ پر جنگ صفین کے متعلق لکھتے ہیں!۔ "اس لڑائی کے متعلق اہلسنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ اور ان کے ساتھ والے باغی اور خاطی"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فتاویٰ عزیزی صـ۳۰۰ پر لکھتے ہیں: یہ حرکات

حضرت معاویہ سے وقوع میں آئے جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیے جائیں"۔

جیساکہ ہم نے اوپر لکھا ہے اول تو صحابہ کلھم عدول یا اصحابی کالنجوم کی ملبینہ حدیثیں موضوع اور مفتریات سے ہیں اور جنھوں نے انکو موضوع نہ بھی سمجھا تو خود ہی اس بات کو واضح کردیا کہ کلھم عدول کا مطلب ان کی پیروی سے صحیح راستہ ملنے کا نہیں ہے۔

سطور بالا میں ہم نے بعض آیات قرآنی اور ارشادات رسولؐ کے حوالہ سے ایمان و عمل صالح پر برقرار رہنے کے لزوم اور پھر حکم رسول سے روگردانی اور کوتاہی عمل کے بعض پہلوؤں کے عواقب اور اس ضمن میں حضرت رسول خدا کی پیشین گوئیوں کا ذکر کیا ہے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ محض صحابی ہونے سے جنت کا پروانہ نہیں مل جاتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جنھوں نے حضرت رسول کی صحبت کے باوجود کچھ نہ سیکھا یا سیکھ کر بھلادیا اور آخر میں حوض کوثر سے نکالے جانے کے مستوجب ہوئے تو ان سے کمتر اور گھٹیا وجود اور کفران نعمت کرنیوالا بدقسمت ہماری رائے میں تو کوئی اور نہ ہوگا۔ صحبت رسولؐ سے فیض حاصل کرکے درجات عالیہ حاصل کرنے کے بجائے جو کوثر سے نکالے جانے کے لائق بن جائے اس کے متعلق بجز اس کے اور کیا کہا جائے کہ ادنیٰ لک فاولیٰ۔ شیطان کی مثال بھی قرآن شریف میں بالکل اسی قسم کی ہے۔ شیطان خود فرشتہ تھا اور معلم الملکوت بھی کہا جاتا تھا لیکن ایک منزل وہ آئی جہاں شیطان نے آدم کو سجدہ کرنے کے حکم خداوندی سے انکار کردیا اور حضرت آدم کے مقابلہ میں اپنی فضیلت پیش کردی۔ اسی بات پر وہ بارگاہ ایزدی سے نکال دیا گیا اور اس پر تاقیامت لعنت قائم کردی گئی احکام خداوندی سے یہ واضح ہے کہ تعمیل حکم اور ایمان پر ثبات ہر نوبت پر لازمی ہے۔ عرصہ دراز تک بھی تعمیل کی مگر ایک مرتبہ بھی روگردانی کی تو سب عمل حبط ہے بقول ذوقؔ سے

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے میں اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

شیطان کا یہ واقعہ جو مندرجہ کتاب الہٰی ہے بڑی نصیحت کا حامل ہے۔ خواہ کوئی کتنا ہی نیک یا متقی کیوں نہ ہو۔ اس کا کوئی ٹھیک نہیں کہ کس وقت حق سے انحراف کرجائے۔ دُنیا سے مومن اٹھنا اور دعاقبت بخیر ہونا بڑی چیز ہے۔ بقول امیر مینائی سے

کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دُعا ہے کہ امیرؔ نزع کے وقت سلامت مرا ایمان رہے

کوئی اس بھرے میں نہیں رہ سکتا کہ ہم تو بڑے پکے مسلمان ہیں۔ قرآن مجید میں دو اشخاص کی واضح مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں عطا فرمائی تھیں اور اس کے بعد بھی وہ اپنی خواہشات نفسانی کا شکار ہو کر گمراہ ہو گیا اور ایک عابد و زاہد مومن تھا آخری عمر میں کافر بن بیٹھا۔ یہ اشخاص بلعم بن باعورا اور برصیصا عابد تھے۔ سورہ اعراف اور سورہ حشر میں انکا حشر درج ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ۱۷۵ ہے۔ واتل علیھم نبأ الذی اٰتینٰہ اٰیٰتنا فانسلخ منھا فاتبعہ الشیطان فکان من الغاوین یعنی (اے پیغمبر) ان لوگوں پر اس شخص (بلعم باعورا) کی حکایت بیان کرو۔ جس کو ہم نے اپنی نشانیاں عطا کیں پس اس نے ان آیات سے روگردانی کی چنانچہ شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں شامل ہو گیا۔ سورہ حشر کی آیت ۱۶ و ۱۷ ! کمثل الشیطان اذ قال الانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منک انی اخاف اللہ رب العلمین فکان عاقبتھما انھما فی النار خالدین فیھا ذالک جزاء الظالمین یعنی (یہ منافق) مثل میں شیطان کے مانند ہیں جس نے انسان (برصیصا عابد) سے کہا کفر اختیار کر اور جب وہ کافر ہو گیا تو اس سے کہا کہ میں تجھ سے بیزار ہوں کیونکہ میں پروردگار کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ پس ان دونوں (شیطان اور برصیصا) کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ یہی ظالموں کی سزا ہے۔ جن صحابہ نے حسب ارشاد رسول محولہ بالا حکم خدا و رسولؐ سے روگردانی کی اور حضرت رسولؐ کے دربار سے اور حوض کوثر سے نکالے جانے کے مستوجب ہوئے ان کی مثال بعینہ شیطان کی سی ہے۔ اس بحث کی روشنی میں جو متعدد آیات قرآنی اور ارشادات رسول کے حوالہ سے کی گئی ناظرین اب اس حدیث کی صحت پر غور فرمائیں کہ جس مسلمان نے کسی صحابی رسولؐ کو بھی دیکھ لیا وہ دوزخ کی آگ سے بری ہو گیا۔

جہاں صحاح ستہ میں تک جو حدیث کی معتبر ترین کتب اہل سنت مانی جاتی ہیں ایسی ایسی حدیثیں درج ہوں تو ظاہر ہے کہ ہر حدیث کو خواہ اس کے بیان کرنے والوں میں کسی راوی معتبر کا ہی نام کیوں نہ لکھ دیا گیا ہو آنکھ بند کر کے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر طہٰ حسین (اہلسنت) کا یہ اظہار خیال سنی بھائیوں کے لئے بہت کچھ قابل غور ہے جو انہوں نے فتنہ الکبریٰ صفحہ ۲۵۳ پر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "پس جب صحابہ خود ان اختلافات میں مبتلا ہو گئے کبائر (گناہ کبیرہ) کا ارتکاب کیا۔ بعضوں نے قتل خونریزی تک کی تو ہماری رائے ان کے متعلق خود ان کی رائے سے بہتر نہیں ہو سکتی اور ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم ان لوگوں کی راہ چلیں جو فتنہ و فساد کی زیادہ تر روایات کی جو ہم تک پہنچی ہیں تکذیب کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم بعثت نبویؐ سے لیکر اس وقت تک کہ پوری اسلامی تاریخ کو جھٹلاتے ہیں۔ کیونکہ جو لوگ ان فسادات اور فتنوں کی روایات کے راوی ہیں ان ہی لوگوں نے فتوحات اور غزوات کی روایات بھی کی ہیں۔ ان لوگوں نے نبی اور خلفا کی سیرت کا بیان کیا ہے اب یہ تو بالکل مناسب نہیں کہ ان کی جو باتیں ہم کو اچھی معلوم ہوں ان کی تصدیق کریں اور جو ناگوار معلوم ہوتی ہوں ان کی تکذیب اور یہ بھی غیر مناسب ہے کہ تاریخ کے بعض حصوں کو ہم محض اس لئے تسلیم کریں کہ ان سے ہم کو خوشی ہوتی ہے اور بعض کا

اس لئے انکار کردیں کہ وہ ہماری تکلیف اور ناراضی کا باعث ہیں یہ بھی نامناسب ہے کہ روایت میں جو کچھ ہے سب کا سب تسلیم کرلیا جائے یا سب کو جھٹلادیا جائے۔ یہ راوی بھی تو انسانوں ہی میں سے ہیں۔ ان سے صحت اور غلطی دونوں کا امکان ہے وہ سچ بول سکتے ہیں اور جھوٹ بھی۔" مولوی احسان اللہ صاحب عباسی وکیل گورکھپور تاریخ الاسلام کے ص۲۲۵ پر لکھتے ہیں:۔ "وہ بڑا امر جس میں سُنّیوں اور شیعوں میں اختلاف ہے کہ سنی تمام ان صحابہ رسول کے ذریعہ پیغمبر خدا کی حدیثیں لیتے ہیں جن کو اپنے نزدیک کسی وجہ سے ناقابل وثوق نہیں سمجھتے اور اہل تشیع زیادہ تر اہل بیت رسول کے ذریعہ جو حدیثیں منقول ہیں انہیں کو صحیح مانتے ہیں اور حجت یہ کرتے ہیں کہ اہل بیت کو ذریعہ واقفیت زیادہ تھا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب علی وصی رسول تھے اور جب صحابہ کرام نے وصیت رسول کا خیال نہ کیا تو ان آفتاب پر پردہ ڈالنے والوں کا کیا اعتبار کیا جائے"۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ صحابہ کی بیان کی ہوئی تمام حدیثوں کو شیعہ رد نہیں کرتے بلکہ سینکڑوں ایسی حدیثوں کو قبول کرتے اور ان پر استدلال کرتے ہیں جو صحابہ کے ذریعہ روایت ہوئی ہیں اور جن کا قرآن سے تضاد نہیں اور جو حضرت رسولؐ کی متفق علیہ حدیثوں سے مطابقت رکھتی ہیں۔ حدیث ثقلین' حدیث غدیر خم' حدیث سفینہ' حدیث منزلت اور آیت تطہیر اور آیہ مباہلہ اور آیہ اورثنا الکتٰب اور سورہ ہل اتیٰ محض پنجتن پاک اور اہل بیت رسول کے حق میں ہونے اور قرآن میں حضرت علی کے حق میں تین سو سے زیادہ آیات نازل ہونے اور آیت ولایت (انما ولیکم اللہ) اور من عندہٗ علمُ الکتاب اور یتلوہُ شاھد منہ اور صالح المومنین اور من الناس من یشری نفسہٗ اور وقفوھم انھم مسؤلون وغیرہ وغیرہ کے مصداق حضرت علی ہونے اور سینکڑوں احادیث فضائل اہلبیت کے راوی صحابہ ہیں اور شیعہ ان تمام احادیث کو قبول کرتے ہیں اور پھر شیعہ تمام صحابہ پر بھی اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کے ہدف تنقید وہی صحابہ ہیں جن کا عمل شیعوں کی نظر میں اہل بیت رسول کے خلاف تھا۔ جہاں اہل بیت علیہم السلام میں سے کسی کی روایت اور صحابہ کی روایت میں اختلاف یا تضاد ہو تو شیعہ اہلبیت علیہم السلام کی روایت ہی قبول کرتے ہیں۔

میں نے اس کتاب میں سینکڑوں حدیثوں کا حوالہ دیا ہے جن پر شیعہ استدلال کرتے ہیں اور وہ تمام تر صحابہ ہی کی روایت کردہ اور محدثین اہل سنت کی درج کردہ ہیں۔ بہرحال جب کتب احادیث میں ہر طرح کا مخالف و موافق مواد موجود ہو تو طالبان حق کا فرض ہو جاتا ہے کہ حد درجہ حزم و احتیاط سے کام لیں اور چند بنیادی حقیقتوں کو جو قرآن اور احادیث متفق علیہ بین الفریقین کی رو سے اٹل ہیں اور جن سے کسی کو انکار نہیں ہے اور جو عقل و ضمیر کی کسوٹی پر پوری اترتی ہوں بطور علوم متعارفہ (   ) کے سامنے رکھیں اور پھر اس کسوٹی پر ہر امر کی جانچ کریں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ غیر جانبدارانہ کدوکاوش میں توفیق ایزدی شامل حال نہ ہو جائے اور بمصداق الحق یعلی حق خود ابھر کر سامنے نہ آجائے۔ بنیاد صحیح ہونی چاہیے اگر تعصب کی نظر سے دیکھ کر پہلے ہی سے ٹیڑھا راستہ اختیار کرلیا گیا اور بنیاد میں خرابی آگئی تو وہ تا قیامت چلتی رہے گی ؎ خشت اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

باب سوم

آیاتِ قرآنی متعلقہ اہل بیت وائمہ طاہرین علیہم السّلام

باب اول میں ہم نے احکاماتِ قرآن ارشاداتِ رسول سے معین شدہ رسالت کی سات خصوصیات کا ذکر کیا تھا جو پیغمبروں کو عامتہ الناس سے ممیز کرتی ہیں۔ ہمارے رسول سردار انبیاء میں تو یہ صفات تمام انبیاء سے بڑھ چڑھ کر بدرجہ کمال موجود تھیں۔ ناظرین کی سہولت کی خاطر ہم ان صفات کو ذیل میں دھرا دیتے ہیں۔

(۱) رسول اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہوتا ہے (۲) رسول کو علم لدنّی حاصل ہوتا ہے اور اس کا کام ہدایت کرنا ہے۔ (۳) رسول خالق اور خلق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور اللہ سے اس کا ربط رہتا ہے۔ (۴) رسول اولیٰ بہ نفس مومنین ہوتا ہے اور اس کی محبّت فرض ہوتی ہے (۵) رسول معصوم اور ہر قسم کی خطا سے بری اور اعلیٰ ترین محاسن اخلاق کا حامل ہوتا ہے۔ (۶) رسالتِ رسول جن وانس اور سادی کائنات کیلئے ہے (۷) رسول صاحب معجزہ ہوتا ہے۔

رسولِ خدا کے حقیقی جانشینوں میں جو رسول کی جانب سے اس کے نائب یعنی خلیفہ اور اُمت کے لئے امام ہیں متذکرہ صدر صفات کا پایا جانا لازمی ہوگا اور ان میں سے کسی ایک صفت کی بھی کمی سے حق جانشینی رسول و امامتِ اُمّت ادا نہ ہوگا۔ رسالت کی ان سات صفات متذکرہ صدر کے اعتبار سے ہم ائمہ اہل بیت کے متعلق بھی حسبِ ذیل سات عنوان قائم کرکے ہر عنوان کے ذیل علٰحدہ علٰحدہ آیات قرآنی باب ہذا میں اور احادیث باب چہارم میں درج کرتے ہیں:۔

(۱) آئمہ اہل بیت کی امامت منصوص من اللہ ہے۔

(۲) امام کو علم لدنی عطا ہوتا ہے اور اس کا کام ہدایت کرنا ہے۔

(۳) امام خالق اور خلق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور اللہ سے اس کا ربط رہتا ہے۔

(۴) جس طرح رسول اولیٰ بنفس مومنین ہے اور اس کی محبت فرض ہے اسی طرح امام بھی اولیٰ بالتصرف ہے اور اس کی محبت بھی فرض ہے۔

(۵) امام معصوم ہوتا ہے اور اس کا کردار اور صفات مثل رسول کے بلند ہوتے ہیں۔

(۶) امامت جن وانس سب پر حاوی ہوتی ہے۔ (۷) امام صاحب معجزہ ہوتا ہے۔

اب ہم پہلے عنوان کے تحت قرآنی آیات درج کرتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

ائمہ اہل بیت کی اِمامت منصوص من اللہ ہے

(۱) فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ | فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ (سورۂ الم نشرح آیت ۷-۸)

(ترجمہ: جب تم فارغ ہوجاؤ تو مقرر کردو اور پھر اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو) اس سورہ کی پوری آیات کے مطلب کو مسلسل طور پر غور کیا جائے تو ان آخری آیات کا مطلب اور واضح ہوجاتا ہے۔ یعنی اے رسولؐ کیا ہم نے تمہارا سینہ (علم سے) کشادہ نہیں کر دیا اور تم پر سے وہ بوجھ اُتار دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی اور تمہارا ذکر بھی بلند کر دیا۔ تو مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے اور بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ تو جب تم فارغ ہوجاؤ تو مقرر کردو اور پھر اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے گویا حضرت رسولؐ کی زندگی کا خلاصہ پیش فرما دیا ہے اور فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے سینہ کو علم سے کشادہ کر دیا اور تمہارے کار تبلیغ کے اس زبردست بوجھ کو بھی تم پر سے ہلکا کر دیا۔ جس نے گویا تمہاری کمر توڑ رکھی تھی اور تمہاری ان محنتوں اور مشقتوں کے صلہ میں تمہارے نام اور تمہارے ذکر کو ہم نے کائنات عالم میں بلند کر دیا۔ لہٰذا اب جب تم اس کار تبلیغ کے آخری مرحلہ میں پہنچ چکے ہو تو اپنی جگہ پر نصب (یعنی قائم) کردو اور پھر اس کے بعد اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آنے کے لئے متوجہ ہوجاؤ۔

ابتداء سے سنت انبیاء (بلا استثنائے احدے) یہ ہوتی چلی آئی ہے کہ ہر نبی نے بحکم خدا اپنی زندگی ہی میں اپنے وصی کو مقرر کر دیا تاکہ اس کا مشن بند نہ ہوجائے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ اُمتوں اور انبیائے سلف کے واقعات اور مختلف مثالیں اسی لئے بیان فرمائی ہیں کہ لوگ اُن پر غور کریں اور اُن سے نتیجہ نکالیں اور دیکھیں کہ سنتِ الہٰی کیا رہی ہے۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے:- یضرب اللہ الامثال لعلہم یتذکرون ۝ یعنی خداوند عالم نظائر پیش کرتا ہے لوگوں کے لئے تاکہ وہ اس کو یادداشت کے طور پر محفوظ رکھیں۔

اسی طرح ارشاد ہے:-

فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ۝ یعنی (قرآن میں) مختلف قصے اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ لوگ اِن پر فکر کریں (اور نتیجہ نکالیں)

ذیل میں ہم انبیا علیہم السلام کا ایک شجرہ درج کرتے ہیں جس میں تقریباً تمام مشہور انبیاء کا سلسلہ نسب آگیا ہے۔

قصیٰ

عبد مناف
عبد الدار
عبد العزیٰ

حضرت ہاشم
اُمیہ (بنو امیہ)

حضرت عبد المطلب
حضرت اسد
جناب فاطمہ بنت اسد (والدہ حضرت علی)

حضرت عبد اللہ
حارث
عبیدہ (شہید بدر)
حضرت ابو طالب
حضرت حمزہ (شہید احد)
عباس
↓
عبد اللہ

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جناب فاطمہ زہرا
جناب قاسم
جناب ابراہیم

حضرت عقیل
مسلم (شہید کوفہ)
ابراہیم سات سالہ (شہید کوفہ)
محمد ۶ سالہ (شہید کوفہ)

جعفر طیار (شہید موتہ)
عبد اللہ (شوہر حضرت زینب)
محمد (شوہر حضرت ام کلثوم)

جناب علی مرتضیٰ

عباس علمبردار ۳۴ سال (از بطن ام البنین) شہید کربلا
عثمان بن علی ۲۶ سالہ (شہید کربلا)
جعفر بن علی ۲۴ سال شہید کربلا
عبد اللہ بن علی ۲۲ سال شہید کربلا

امام حسن
امام حسین
ام کلثوم زوجہ محمد بن جعفر طیار
زینب (زوجہ عبد اللہ بن جعفر طیار)
عون ۱۵ سالہ شہید کربلا
محمد ۱۴ سالہ شہید کربلا

ام عبد اللہ (زوجہ امام زین العابدین)
حسن مثنیٰ
↓
سادات حسینی
قاسم ۱۳ سالہ شہید کربلا
عبد اللہ ۱۰ سالہ (شہید کربلا)

امام زین العابدین
علی اکبر ۱۸ سالہ (شہید کربلا)
علی اصغر ششماہہ (شہید کربلا)
فاطمہ کبریٰ عروس قاسم ابن حسن (شہید کربلا)
فاطمہ صغریٰ (زوجہ حسن مثنیٰ فرزند امام حسن)
سکینہ (۴ سالہ شہید زندان شام)

امام محمد باقر
↓
امام جعفر صادق

زید
یحییٰ
محمد
عیسیٰ
(سادات زیدی)

امام جعفر صادق

امام موسیٰ کاظم ← امام علی رضا ← امام محمد تقی ← امام علی نقی

امام علی نقی: امام حسن عسکری ← حضرت حجۃ اللہ محمد مہدی آخرالزماں

امام علی نقی: جعفر تواب ← (سادات نقوی)

امام جعفر صادق: اسمٰعیل ← (خوجے و بوھرے وغیرہ)

تاریخ طبری و کامل ابن اثیر و روضۃ الصفا میں بصراحت درج ہے کہ کس نبی نے کس کو اپنا وصی مقرر کیا۔
ہم بخیال اختصار صرف چند زیادہ معروف انبیاء کے اوصیا کے نام درج کر دیتے ہیں۔ تاریخ طبری جلد ۱
ص۷۶ و تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱ ص۱۵ پر ہے کہ جب حضرت آدم کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے فرزند
شیث کو اپنے پاس بلایا اور ان کو اپنا وصی مقرر کیا اور وصیت نامہ لکھ کر حضرت شیث کے حوالہ کر دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ
اس کو قابیل کی اولاد سے چھپائیں کیونکہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔ حضرت شیث نے اپنے فرزند انوش
کو اپنا وصی مقرر کیا (طبری جلد ۱ ص۸۲) انوش نے اپنے فرزند قینان کو انہوں نے مہلائیل کو انہوں نے بارد کو انہوں نے خنوخ
یعنی حضرت ادریس کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ حضرت ادریس نے اپنا خلیفہ اپنے بیٹے متوشلخ کو بنایا (طبری جلد ۱ ص۸۷)
متوشلخ نے اپنے بیٹے لامخ (ملک) کو خلیفہ کیا۔ لامخ نے اپنے بیٹے حضرت نوح کو خلیفہ کیا۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے سام کو خلیفہ کیا۔
حضرت نوح کی اولاد سے کچھ پشتوں کے بعد حضرت ھود اور صالح پیغمبر ہوئے پھر حضرت ھود کی اولاد میں کچھ
پشتوں کے بعد حضرت ابراہیمؑ مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دو فرزند حضرت اسمٰعیل و اسحاق پیغمبر ہوئے
حضرت لوط حضرت ابراہیمؑ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ حضرت ابراہیم نے اپنا خلیفہ مکہ میں حضرت اسمٰعیل کو اور شام میں حضرت
اسحاقؑ کو مقرر کیا۔ حضرت اسمٰعیل نے اپنی وفات کے وقت شام میں اپنے بھائی اسحاق کو اپنا خلیفہ کیا اور اپنی بیٹی کی
شادی اسحاق کے بیٹے عیص سے کر دی (تاریخ طبری جلد ۱ ص۱۶۲)
حضرت اسمٰعیلؑ نے حجاز میں اپنا خلیفہ اپنے بیٹے قیدار کو مقرر کیا۔ تاریخ روضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۶) حضرت اسحاق کی
نسل سے کچھ پشتوں کے بعد ایوبؑ پیغمبر ہوئے۔ انہوں نے اپنے فرزند حومل کو اپنا وصی کیا۔ حضرت ایوبؑ کے دوسرے
بیٹے ذوالکفل خود پیغمبر ہوئے انھوں نے اپنے بیٹے عبدان کو وصی مقرر کیا (تاریخ طبری جلد ۱ ص۱۶۷) حضرت شعیبؑ

حضرت ابراہیمؑ کے فرزند مدین کے بیٹے میکائیل کے صاحبزادے تھے۔ حضرت اسحاقؑ نے اپنے بیٹے یعقوبؑ کو وصی کیا جو پیغمبر بھی ہوئے۔ روضۃ الصفا جلد ا ص۶۲) یعقوبؑ نے اپنے بیٹے یوسف کو (جن کے حقیقی بھائی ابن یامین تھے) وصی مقرر کیا جو خود بھی پیغمبر ہوئے۔ حضرت یعقوب کی چوتھی پشت سے (یعنی یعقوبؑ کے پوتے قاحاث کے پوتے) حضرت موسیٰ ابن عمران پیغمبر ہوئے انہوں نے اپنے بھائی ہارون کو اور ہارون کی وفات کے بعد یوشیع بن نون کو اپنا وصی مقرر کیا (روضۃ الصفا جلد ا ص۱۲۶) یوشیع بن نون نے کالب بن یوفنا کو اپنا وصی مقرر کیا (تاریخ کامل جلد ا ص۷۰) کالب بن یوفنا نے اپنے فرزند یوساقوس کو وصی مقرر کیا۔ اس کے بعد حزقیل مقرر ہوئے۔ حزقیل کے بعد حضرت الیاس پیغمبر ہوئے۔ تاریخ طبری جلد ا ص۲۲۰ پر ہے کہ حضرت الیاس زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ حضرت الیاس نے اپنا وصی اپنے چچازاد بھائی الیسع کو مقرر کیا جو خود بھی پیغمبر ہوئے۔ حضرت یسع نے انتقال کے وقت ذوالکفل کو طلب کرکے انکو اپنا خلیفہ بنا دیا (روضۃ الصفا جلد ا ص۱۴۰) حضرت یعقوب کی نسل سے کچھ پشتوں کے بعد حضرت داؤدؑ پیغمبر ہوئے۔ انہوں نے اپنے فرزند سلیمان کو اپنا خلیفہ کیا جو خود بھی پیغمبر ہوئے (تاریخ کامل جلد ا ص۷۷) حضرت سلیمان کی نسل سے حضرت ذکریا پیغمبر ہوئے۔ ذکریا کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ (حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی) کو سات سال کی عمر میں پیغمبری عطا ہوئی۔ حضرت یحییٰ کی پیدائش کے چھ مہینے بعد حضرت عیسیٰ ابن مریم پیدا ہوئے جب کہ حضرت مریم کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ ماں کی طرف سے حضرت عیسیٰ کا سلسلہ حضرت ابراہیم سے ملتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے جانے کے کچھ ہی دن قبل حضرت یحییٰ قتل کر دیئے گئے کیونکہ انہوں نے بادشاہ وقت کے خلاف فتویٰ دیا تھا جو اپنی حقیقی بھتیجی سے ازدواج کرنا چاہتا تھا۔ حضرت عیسیٰ کے بارہ حواری تھے۔ ان میں سے حضرت عیسیٰ نے شمعون کو اپنا خلیفہ بنایا اور دیگر حواریوں نے ان کی خلافت قبول کرلی روضۃ الصفا جلد ا ص۱۹۰) تمام انبیائے سلف کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ امر پورے طور پر مسلم ہو جاتا ہے کہ ہر نبی نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کہ انکی تبلیغ و مشن کو برقرار رکھنے کے لئے کسی وصی کا ہونا لابدی ہے اپنی زندگی ہی میں اپنا وصی مقرر کر دیا تھا۔

حضرت سرور کائنات خاتم الانبیاء کے لئے تو یہ ضرورت اور واضح اور شدید اور ناگزیر تھی کہ اب آپ کے بعد کوئی پیغمبر تا قیامت آنے والا نہ تھا۔ سنتِ انبیاء اور مصلحت پیغمبری کا یہ صاف تقاضا تھا کہ حضرت ختمی مرتبت اپنا وصی بلکہ قیامت تک کیلئے اپنے اوصیا مقرر فرما جاتے تاکہ استحکام دین کی ضمانت ہو جائے اور آپ کا مشن بے والی وارث ہو کر ابنائے وقت کے رحم و کرم پر موقوف اور زمانہ کے ہاتھوں کا کھلونا نہ ہو جائے۔
ان حالات میں جب کہ سورہ الم نشرح میں یہ واضح حکم خداوندی بھی آ گیا کہ اب جب کہ حضرت رسول کار تبلیغ تمام کر چکے رہے ہیں تو اپنی جگہ کسی کو نصب کر دیں۔ کیا یہ سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ سنت انبیاء اور مقتضائے عقل اور وقت کی شدید ضرورت کے سب تقاضوں کو ترک کر کے حضرت رسولؐ اپنے مشن کو بے والی وارث چھوڑ جائینگے۔ جب کہ صریح حکم خداوندی بھی آ چکا تھا اور پھر مزید صراحتی حکم "یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ

اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ" کا بھی آگیا۔ حضرت رسولؐ نے اس سنتِ انبیاء، وتقاضائے عقل و وقت وحکمِ خداوندی پر عمل کیا اور ضرور کیا اور نہ صرف حضرت علیؑ کو اپنے بعد کا وصی مقرر فرمایا بلکہ قیامت تک کیلئے اپنے بارہ اوصیا بحکمِ خداوندی مقرر کرکے اُن کے نام بھی از حضرت علی علیہ السلام تا حضرت محمد مہدی صاحب العصر علیہ السلام بہ تکرار واضح فرما دیئے۔ یہ امر بھی دھیان میں رکھنے کے قابل ہے کہ انبیائے سلف کے خاندانوں میں کہیں ایسا نہیں ہوا کہ تین چار پشتوں سے زیادہ نبوت وعصمت کا سلسلہ کہیں رہا ہو اور وہ بھی حضرت ابراہیمؑ کے خاندان میں جس کے سلسلہ میں خود سردار الانبیاء ہیں۔ مگر یہ خصوصیت قدرت نے سردار الانبیاء ہی کو عطا فرمائی کہ آپ کے سلسلہ میں بشمول آپ کے چودہ معصوم یکے بعد دیگرے مسلسل قرار دیئے اور ان کا بھی وہ شرف رکھا کہ بارھویں یعنی سب سے آخری چودھویں معصوم کے پیچھے حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتر کر نماز ادا کریں۔ اس امر کو بھی نظر میں رکھنا ضروری ہے کہ قدرت نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو نہ صرف رسول کا وصی مقرر فرمایا بلکہ آپ کی نبوت کے زمانہ میں بھی آپ کا وزیر شریک کارِ رسالت اور ولی خدا قرار دیا جس کی ولایت کا اقرار تکمیل ایمان کے لئے لازمۂ مُطلق قرار دیا گیا۔ قدرت نے ان معصومین کے سلسلہ کا انتظام کچھ اس طرح فرمایا اور رسالت اور ولایت کو کچھ اس طرح مربوط کر دیا کہ اولادِ علیؑ کو رسولؐ کی اولاد قرار دیدیا اور اس سلسلہ عصمت کی اہم ترین کڑی جس سے ولایت اور نبوت کا اتصال ہوجائے سیّدۃ النساء العالمین معصومہ عالم جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا کو قرار دیا۔ گویا اس حبل المتین کے قائم کرنے میں جو تا قیامِ قیامت دین کی ضامن ہے حضرت محمد مصطفٰےؐ حضرت علی مرتضیٰؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ برابر کے شریک ہیں:

۲۔ آیت بلّغ ما اُنزل الیک

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط

(سورۂ مائدہ آیت ۶۷) ترجمہ: اے رسول پہنچادو جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اس کی کوئی رسالت ہی انجام نہ دی اور اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھیگا۔ محدثین کے ایک گروہ کثیر نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت رسولؐ کے اپنی زندگی کا آخری حج کر کے واپس ہوتے وقت راستہ میں غدیر خم کے مقام پر ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی اور اس کے بعد حضرت نے لوگوں کو ٹھیرا کر مجمع کثیر میں خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ حافظ ابو عبداللہ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی نے اپنی کتاب کفایت الطالب میں ابو نعیم نے کتاب ما انزل فی القرآن فی علی میں اور نیز ابن ابی حاتم اور شیخ محی الدین نے النووی اور حافظ ابو بکر ابن مردویہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے اور عینی شرح بخاری میں اور علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اور امام ابوالحسن واحدی نے اسباب النزول میں علامہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں، سیوطی نے درمنثور میں اور ابن کثیر نے عبداللہ بن مسعود سے

اور نیز تفسیر ثعلبی میں براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ یہ آیت رسول اللہ کے حجۃ الوداع کی ادائی کے بعد واپسی میں غدیر خم کے مقام پر نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کے متعلق کچھ تصریحات ہم آیت مابعد کے ساتھ ملا کر درج کرینگے۔

(۳) آیت:۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورہ مائدہ آیت ۳) ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے دین اسلام سے راضی ہوا۔ اس آیت کے متعلق بھی محدثین کے گروہ کثیر نے روایت کی ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم پر حضرت رسول خطبہ ارشاد فرمانے اور مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ کا اعلان کرنے کے بعد یہ آیت غدیر خم پر ہی اسی تاریخ نازل ہوئی۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل ابو سعید خدری سے اور ابن مغازلی اور ابوالفتح محمد بن علی بن ابراہیم النطنزی نے ابو ہریرہ سے اور امام الثعالبی نے مجاہد سے اس کو روایت کیا ہے اور صحیح ترمذی اور سنن ابی داؤد میں بھی اس کا اندراج ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں حضرت رسول خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد نازل ہوئی امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت رسول نے فرمایا۔ الحمد للہ علی اکمال الدین و اتمام نعمۃ ورضاء برسالتی وولایت علی من بعدی یعنی شکر ہے اللہ کا دین کے مکمل ہونے پر اور اس کی نعمت تمام ہونے پر اور میری رسالت اور میرے بعد علی کی ولایت پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر۔ سیوطی درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ پر تاریخ کی صراحت کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو غدیر خم کی منزل پر رسول اللہ کے خطبہ ارشاد فرمائے اور مَن کُنتُ مولاہ فعلی مولاہ کا اعلان فرمانے کے بعد آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ نازل ہوئی۔

اب ہم ذیل میں حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور ان دونوں آیات کے تعلق سے کچھ تفصیلات درج کرتے ہیں اور مناسب سمجھتے ہیں کہ حدیث من کنت مولا کی کچھ اسناد درج کر دیں۔ تاکہ اس حدیث کا مسلم الثبوت ہونا واضح ہو جائے۔ آج بھی تمام مشائخین کی مجالس قوالی میں من کنت مولا فعلی مولا کی حدیث ایک ترانہ کی دھن میں ہر قوالی کے اختتام پر بطور لازمہ کے سنائی جاتی ہے۔ اس سے اس کی ہمہ گیریت اور متفق علیہ ہونیکا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علامہ عبد الحسین نجفی نے اپنی کتاب اسعدین میں ایک سو دس صحابہ چوراسی تابعین اور تین سو ساٹھ اکابر علمائے اسلام کی طویل فہرست تحریر کی ہے۔ جنہوں نے حدیث من کنت مولا کی روایت کی ہے۔ اس طرح تقریباً تمام کتب اسلام میں اس عظیم الشان واقعہ غدیر خم اور اس حدیث کو نقل کیا گیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ (۲) صحیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ (۳) مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۶۸۔
(۴) تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ (۵) تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۳۴۹ (۶) تاریخ بغداد جلد ۸ صفحہ ۳۹۰ (۷) تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی صفحہ ۱۱۴ (۸) اسنی المطالب صفحہ ۳ (۹) ہدایہ و نہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۴۹ (۱۰) مناقب خوارزمی صفحہ ۱۴

(۱۱) مستدرک حاکم جلد ۳ ص۱۰۹ (۱۲) خصائص نسائی ص۱۵ (۱۳) ینابیع المودۃ جلد ۱ ص۲۴۹ (۱۴) ریاض النضرہ محب طبری جلد ۲ ص۲۲۴ (۱۵) ذخائر العقبی ص۲۸ (۱۶) تذکرۃ الخواص الامہ سبط ابن الجوزی (۱۷) سیرت محمد بن اسحاق (۱۸) معارج النبوۃ (۱۹) روضۃ الصفا (۲۰) حبیب السیر۔

علاوہ متذکرہ صدر صحاح اور دیگر کتب کے حدیث غدیر خم کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن مغازلی شافعی نے کتاب المناقب میں مختلف طریق سے اور ابن عقدہ نے ایک سو پانچ طریقوں پر اسکو روایت کیا ہے۔ شیخ ابن الجزری الشافعی نے اپنے رسالہ اسنی المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب میں حدیث غدیر کے تواتر کو بطریق کثیرہ ثابت کیا ہے۔ شیخ ابن کثیر شامی الشافعی نے جہاں محمد بن جریر طبری شافعی کا ذکر کیا ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب ایسی دیکھی جس میں طبری نے احادیث غدیر خم جمع کئے اور وہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے ابن کثیر نے ابوالمعالی الجوینی سے نقل کیا ہے کہ وہ تعجب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے شہر بغداد میں ایک صحاف کے ہاتھ میں ایک مجلد کتاب دیکھی جس میں حدیث غدیر خم کی روایات درج تھے اور اس کتاب پر یہ درج تھا کہ یہ اٹھائیسویں جلد ہے طرق حدیث مَن کُنتُ مَولاَہُ فَعَلِیٌ مَولاَہُ کی اور اس کے بعد انتیسویں جلد ہے۔

دمشق کے ایک شافعی عالم شیخ احمد امین انطاکی نے جو شام کی اُمیہ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے اور ان کے چھوٹے بھائی شیخ محمد مرعی پیش نماز مسجد جامعہ نے بعد تحقیق بسیار مذہب شیعہ قبول کیا اور اول الذکر نے ایک کتاب WHY I BECANE A SHIA میں شیعہ کیوں ہوا کے عنوان سے اور دوسرے بھائی نے WHY I ADOPTED THE CREED OF AHLEBAIT میں نے مذہب اہلبیت کیوں اختیار کیا تحریر فرمائی۔ ان میں سے ثانی الذکر کتاب کو ۱۹۷۳ء میں پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ کراچی نے بھی طبع کرایا۔ اس کتاب کے ص۹۱ پر علامہ امین مرعی لکھتے ہیں کہ ہر کتاب کو جسکا حوالہ انھوں نے دیا ہے دونوں بھائیوں نے خود پڑھا اور یہ دیکھا کہ ایک سو پچاس صحابہ رسول بشمول بدری صحابہ اور چوراسی تابعین جملہ تین سو ساٹھ ۳۶۰ علمائے اہلسنت سے ان دونوں آیات قرآنی کا حضرت علی کے حق میں بمقام غدیر خم نازل ہونا لکھا ہے۔ انھوں نے جو کتابیں خود پڑھیں انمیں سے حسب ذیل مشہور کتب کا حوالہ دیا ہے:-

(۱) تفسیر اسباب النزول ابوالحسن واحدی ص۱۵۰ (۲) تفسیر منثور سیوطی جلد ۲ ص۲۹۸ (۳) المعارف قتیبہ دینوری (۴) ابو حاتم (۵) تفسیر ابن مردویہ (۶) ابن عساکر (۷) تفسیر مفاتیح الغیب جلد ۱۲ ص۵۰ فخر الدین رازی۔ (۸) شرح تفسیر ابن جریر نیشاپوری (۹) تفسیر شوکانی (۱۰) تفسیر ابو اسحاق ثعلبی ص۱۲ (۱۱) ینابیع المودۃ سلیمان ندوی۔ (۱۲) تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص۹۳ (۱۳) ابی معالی جوینی المعرف بہ امام الحرمین (۱۴) تفسیر المنار شیخ عبدہ ص۴۶۳ (۱۵) فرائد السمطین حموینی باب ۱۲ و ۱۳ (۱۶) شبلنجی نور الابصار ص۷۵ (۱۷) فصول المہمہ ابن صباغ مالکی ص۲۶ و ۲۷ (۱۸) تذکرۃ الخواص الامہ سبط ابن جوزی (۱۹) تفسیر ابن جوزی (۲۰) تفسیر ابن مسعود (۲۱) نزہت المجالس صفوری (۲۲) احمد بن حنبل

مسند جلد ۴ صفحہ ۲۸۰ و صفحہ ۳۶۸ و صفحہ ۳۷۲ (۲۲) صحیح ابن ماجہ قزوینی (۲۳) صحیح نسائی خصائص (۲۴) صحیح جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ (۲۵) تاریخ الخلفاء سیوطی (۲۶) جامع الصغیر سیوطی صفحہ ۱۶۹ و صفحہ ۱۸۱ (۲۷) کنوز الحقائق شرح جامع الصغیر جلد ۴ صفحہ ۱۱۷ (۲۸) نور الابصار (۲۹) اسعاف الراغبین (۳۰) ریاض النضرہ محب الدین طبری جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ و جلد ۴ صفحہ ۱۵۱ (۳۱) مصابیح السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ (۳۲) نثر اللآلی جلد ۴ صفحہ ۲۳ (۳۳) اشرف المیاد صفحہ ۱۱ (۳۴) تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۰ و جلد ۳ صفحہ ۲۳۱ (۳۵) تاریخ بغداد خطیب جلد ۷ صفحہ ۳۷ (۳۶) مطالب السئول محمد بن طلحہ شافعی (۳۷) مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۲۹۷ (۳۸) البدایہ والنہایہ (۳۹) حافظ کبیر ابو القاسم بن عساکر (۴۰) صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب اوّل حصّہ پنجم صفحہ ۲۷ (۴۱) شرف المصطفیٰ حافظ ابو سعید نیشاپوری (۴۲) روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۳ (۴۳) حبیب السیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ (۴۴) تفسیر طبرسی جلد ۳ صفحہ ۲۴ (۴۵) تفسیر بیہقی (۴۶) مناقب ابن مغازلی (۴۷) ملل والنحل عبدالکریم شہرستانی (۴۸) مناقب ابو الفرج جوزی (۴۹) تفسیر کبیر فخرالدین رازی جلد ۳ صفحہ ۶۰۶ (۵۰) کفایۃ الطالب گنجی شافعی (۵۱) ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۲۰۹ (۵۲) خطاط مقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ (۵۳) جمع الجوامع سیوطی (۵۴) کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۷ (۵۵) وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ (۵۶) خوارزمی مناقب (۵۷) تاریخ ابو الفدا۔

جب حضرت رسولِ خدا کا آخری زمانہ قریب آیا اور تبلیغ اسلام اپنے آخری مراحل میں داخل ہونے لگی تو اس آیت کا نزول ہوا۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ (سورۂ الم نشرح) ترجمہ:- (اے رسول) اب کہ تم تمام احکام الہیٰ کی تبلیغ سے فارغ ہو گئے اپنی جگہ مقرر اور نصب کردو اور اپنے پروردگار کی طرف چلے آؤ۔ اِس کے بعد حضرت اپنا جانشین مقرر کرنے کے اس حکم ایزدی کی تکمیل کی فکر میں لگ گئے۔ اس ضمن میں ہم درمنثور" نسائی" جامع الصغیر شرح مشکوٰۃ" روضۃ الصفا اور حبیب السیر کی روایات کا ایک خلاصہ درج کر دیتے ہیں۔

سنہ ۱۰ھ میں حضرت رسول خدا نے اپنی زندگی کا آخری حج فرمایا اور روانگی حج سے قبل عرب کے طول وعرض میں اعلان کروایا کہ ہم حج کے لئے جائینگے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان حج میں شریک ہوئے ازواج حضرت رسول بھی ساتھ تھیں اور جناب سیدہ بھی اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ تھیں۔ حضرت علی یمن سے آکر شریک ہوئے۔ جہاں آنحضرت نے آپکو تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ مراسم حج سے فارغ ہو کر آنحضرت ۱۴ ذیحجہ کو مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ۱۸ ذیحجہ کو غدیر خم کے چشمہ کے قریب رک گئے جو نواحی جحفہ میں ایک مقام ہے جہاں سے مختلف سمتوں میں راستے جاتے ہیں۔ یہاں چشمہ کے کنارے صرف چند ببول کے درخت اُگے ہوئے تھے۔ نہ گھاس تھی نہ چارہ نہ سایہ نہ ٹھیرنے کی سہولت دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ کی شدت عام طور پر حضرت کے منزل انداز ہونے کا یہ وقت نہ تھا۔ لوگ متعجب ہوئے کہ یہ چلتے چلتے رک جانے کی وجہ کیا ہے۔ حبیب السیر" کشف الغمہ" تفسیر کبیر" درمنثور اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ راستہ میں آیت يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ ..... الخ نازل ہوئی اور آنحضرت نے خس و خاشاک صاف کرا کے سب کو اترنے کا حکم دیا۔ جو

لوگ مڑ کر دوسرے راستوں پر جا چکے تھے ان کو واپس طلب کیا اور جو پیچھے تھے ان کا انتظار فرمایا۔ پالان شتر کا منبر بنوایا اور پھر آپ نے اپنی وفات کی خبر سناتے ہوئے خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اپنی رسالت اور قیامت کے برحق ہونے اور اپنے اولیٰ بہ نفس مومنین ہونے کا سب سے اقرار لیکر ارشاد فرمایا مَن کُنتُ مولاہ فھذا علی مَولاہ اَللّٰھُمَّ وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار (ترجمہ: جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ یا اللہ جو اس کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس کو دشمن رکھ اور جو اس کی مدد کرے تو اسکی مدد کر اور جو اس کو چھوڑ دے تو اُس کو چھوڑ دے اور پھیر تا جا حق کو ادھر جدھر علی پھرے) پھر آنحضرت نے حاضرین کو تین مرتبہ ہدایت کی کہ سننے والے یہ بات ان لوگوں تک پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں۔ احسان اللہ عباسی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں اس طور پر کی گئیں جیسے کوئی وصیت کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ منبر سے اتر آئے اور حضرت علی کو ایک خیمہ میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ اصابہ ابن حجر عسقلانی اور کنز العمال میں ہے کہ رسول خدا نے روز غدیر علی کے سر پر عمامہ باندھا اور اس کے دونوں کنارے ان کے دوش پر ڈال دیئے۔ خیمہ میں لوگ جوق در جوق آکر حضرت علی کو مبارکباد دیتے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے بہت کھل کر مبارکباد دی۔ مردوں کے بعد عورتوں نے خیمہ میں جاکر تہنیت و تبریک کی رسم ادا کی۔ ان میں امہات المومنین پیش پیش تھیں۔ حسان ابن ثابت نے جو حضرت رسول کے دربار کے شاعر تھے فی البدیہہ قصیدہ تہنیت سنایا جو سبط ابن جوزی کی خواص الائمہ اور عقدۃ الشعراء بہلولی میں مندرج ہے۔ ابھی لوگ متفرق نہ ہونے پائے تھے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم ...... الخ نازل ہوئی اور حضرت رسول نے دین کے کامل ہونے اور اپنی رسالت اور علی کی ولایت پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا شکر ادا کیا۔ اسی اثنا میں ظہر کا وقت آگیا اور حضرت نے نماز ادا کی اور پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

جسٹس امیر علی اسپرٹ آف اسلام میں لکھتے ہیں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ رسول نے کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا لیکن واقعات کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ اس کی کافی شہادت ہے کہ حضرت رسول نے اکثر مرتبہ ولی عہدی کے لئے علی کی نشاندہی کی اور بالخصوص حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت اس جگہ جسے خم کہتے ہیں ٹھہر گئے اور مجمع کو مخاطب کرکے جو الفاظ فرمائے ان سے ان کے ارادہ ولی عہدی میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ ہم جسٹس امیر علی کے اصل انگریزی الفاظ ہی نقل کر دیتے ہیں۔ ابن خلکان ۱ صفحہ ۳۸۳ کا حوالہ دیتے ہوئے صفحہ ۲۹۲ پر وہ لکھتے ہیں:

" It is generally supposed that the
prophet had not expressly designated any one as his
successor in thespiritual and temporal Government of
Islam, but this notion is founded on a mistaken appre-
hension of facts for there is abundant evidence that
many a time the prophet had indicated Ali for the
Vicegerency. Notably on the occasion of the return
journey from the performance of the farewell pilgri-
mage

during a halt at a place called Khumm he had convoked an assembly of the people accompanying him, and used words which could have little doubt as to his intention regarding a successor. Ali "said he to me is what Aaron was to Moses. Almighty God be a friend to his friends and a foe to his foes, help those who help him and frustrate the hopes of those who betray him.

اب ہم احمد ابن حنبل کی روایت زبانی زید ابن ارقم اور براؑبن عازب مندرجہ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۶۵ کا ترجمہ مولوی قطب الدین صاحب شاہ جہاں پوری کے ترجمہ مشکوٰۃ موسومہ مظاہر حق جلد چہارم تتمہ کے صفحہ ۱۲۵ سے درج ذیل کرتے ہیں۔ "روایت ہے براؑ ابن عازب اور زید ابن ارقم سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب اُترے غدیر خم پر حجتہ الوداع سے پھرتے وقت جب کہ صحابہ بہت کثرت سے آنحضرت کے ساتھ جمع تھے آنحضرت نے علی مرتضیٰ کا ہاتھ پکڑا اور ایک روایت میں ہے آنحضرت نے منبر بنایا اونٹوں کے پالانوں کا اس پر چڑھ کر فرمایا کیا نہیں جانتے ہو تم کہ میں نزدیک تر اور اولیٰ تر ہوں ساتھ مومنوں کے ان کے نفسوں سے یعنی جیسے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے ایک اور روایت میں ہے مکرر تین بار فرمایا۔ عرض کیا صحابہ نے کہ بیشک۔ فرمایا آنحضرت نے یعنی بعد اس کے کہ علی العموم مومنوں کو فرمایا ہر مومن کو بھی ذکر کر کے فرمایا کیا نہیں جانتے تم کہ میں اولیٰ اور اقرب تر ہوں ساتھ ہر مومن کے اس کے نفس سے کہا صحابہ نے مقرر آپ ایسے ہی ہیں پس آنحضرت نے فرمایا بار خدایا میں جس کا مولا ہوں علی اس کا مولا ہے۔ خداوندا دوست رکھ اس شخص کو کہ دوست رکھے علی کو اور دشمن رکھ اس کو کہ دشمن رکھے علی کو اور ایک روایت میں ہے احب من احبہ وابغض من بغضہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ اور الحق معہ من حیث دار یعنی دوست رکھ اس کو کہ دوست رکھے علی کو اور دشمن رکھ اس کو کہ دشمن رکھے علی کو اور مدد کر اس کی جو مدد کرے علی کی اور نہ مدد کر اس کی جو نہ مدد کرے علی کی اور پھیر دے حق کو ساتھ علی کے جس طرف کہ وہ پھرے۔ پس ملاقات کی حضرت علی سے حضرت عمرؓ نے بعد اس کے پس کہا عمرؓ نے واسطے علی کے خوشی ہے تمہارے لئے جیتے رہو یا جیتے رہنا گوارا رہے۔ بیٹے ابو طالب کے صبح کی تم نے اور شام کی تم نے یعنی ہوئے تم ہر وقت میں مولا ہر مرد مومن اور ہر عورت مومنہ کے"۔

من کنتُ مولاہ کی حدیث جن واضح الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور جس طرح پر حضرت رسول نے اپنے اولیٰ بہ نفس مومنین ہونے کا اقرار عمومی طور پر اور فرداً فرداً ہر شخص سے کروا کر فرمایا کہ میں جس کا مولا ہوں علی اس کا مولا ہے اس سے صاف معنی یہ نکلتے ہیں کہ جس طرح حضرت رسول ہر مومن کے نفس سے اولیٰ ہیں اسی طرح حضرت علی بھی ہر مومن کے نفس سے اولیٰ ہیں۔ حضرت رسول کا اپنے کو تمام مومنین کے مقابلہ میں مولا فرمانا تا ظاہر بہ ظاہر حاکم و ولی و سرپرست کے معنوں میں ہے۔ یہ ایک کلیہ ہے کہ الفاظ کے معنی نکالنے میں ہمیشہ Context کا خیال رکھا جاتا ہے۔

مولوی قطب الدین صاحب مترجم مشکوٰۃ نے بعض لوگوں کے اس خیال کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ لفظ مولا کے معنی غلام و عتیق کے ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ اس حدیث میں لفظ مولا کے معنی غلام کے بھی لینے کی کوشش کرتے ہیں اور اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کیلئے ہر قسم کے مہملات اور قلابازیاں روا رکھی جاتی ہیں۔ مولا کے صاف معنی سرپرست و حاکم کے ہیں لیکن جوشِ مخالفت نے ان کی آنکھوں پر یہاں تک پردہ ڈال دیا کہ وہ رسول اللہ کی طرف بھی (معاذ اللہ) غلام کی نسبت دینے آمادہ ہوگئے یہ امر واضح ہے کہ بہ مقابلہ لوگوں کے جو نسبت رسول اللہ نے اپنے کو دی ہے بالکل وہی نسبت حضرت علی کو دی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ اپنے کو مولا فرماتا ہے۔ سورۂ حج کی آخری آیت ہے واعتصموا باللّٰہ ھو مولاکم فنعم المولا ونعم النصیرہؕ بہر حال دشمنانِ اہلبیت کی اس مہمل معنی آفرینی پر خود ایک سُنّی عالم مولوی حسن علی صاحب سجادہ نشین جاٰسی نے اپنے ایک شعر میں ایک ضرب کاری لگادی اور اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عبث در معنی من کنت مولا می روی ہر سو   علی مولا بہ آں معنی کہ پیغمبر بود مولا

مولوی قطب الدین صاحب مترجم مشکوٰۃ کا تضادِ تحریر بھی قابل ملاحظہ ہے پہلے تو وہ لکھتے ہیں "بیشک یہ حدیث صحیح ہے۔ روایت کیا ہے اس کو ایک جماعت نے مانند ترمذی و نسائی و امام احمد بن حنبل کے اور طرق اس کے بہت ہیں اور روایت کیا ہے اسکو سولہ صحابیوں نے اور ایک روایت میں احمد بن حنبل کی آیا ہے کہ سنا اس کو آنحضرت سے اور گواہی دی تیس صحابیوں نے اس کی علی کیلئے اس وقت کہ نزاع کی خلافت میں ساتھ ان کے اور بہت اس کی اسنادوں میں صحیح اور حسان ہیں" یہ سب کچھ لکھکر مترجم موصوف لکھتے ہیں کہ "یہ دلیل امامت کے جب تک حدیث متواتر نہ ہو اس پر استدلال نہ کرنا چاہیے"۔ اتنی متواتر اسناد اور گواہیاں اس حدیث کے متعلق کتب اہلِ سنّت میں ہوتے ہوئے بھی اور خود بھی یہ کہتے ہوئے کہ بیشک یہ حدیث صحیح ہے" یہ جناب قطب الدین صاحب کا ہی حصّہ ہے کہ فرمادیں کہ اس حدیث پر استدلال نہ کرنا چاہیے۔ اپنی اس بے دلیل گفتگو سے مترجم صاحب خود کو بھی غیر مطمئن پاکر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو امامت کیلئے دلیل مانا بھی جائے تو اس سے بعد رسولِ خُدا ہی آپ کی امامت ثابت نہیں ہوتی اور چوتھے نمبر پر حضرت علی کو خلافت ملنے سے اس حدیث کا منشاء پورا ہو جاتا ہے۔ جب اس حدیث کو صحیح مانا جائے اور خلافت کے لئے قابل استدلال بھی قرار دیا جائے (جیسا کہ فی الواقعی قابل استدلال ہے بھی) تو پھر یہ امر مسلمہ ہو جاتا ہے کہ جس طرح حضرت رسول تمام مومنین بشمول خلفائے ثلاثہ کے مولا اور سرپرست ہیں اسی طرح حضرت علی علیہ السلام بھی خلفائے ثلاثہ کے مولا اور سرپرست ہیں۔ جہاں بزرگی اور اپنے درجہ عظمت کے اعتبار سے حضرت علی کی مولائیت تمام مومنین کے مقابلہ میں ویسی ہی ہو جیسی حضرت رسولِ خدا کی پھر کسی مومن کے لئے کیا تاب دم زدن باقی رہتی ہے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنی فضیلت یا استحقاق کو پیش کرے۔ جہاں رسول خدا کے بعد آپ کا ہم صفت مولا موجود ہو تو رسول کی جگہ بیٹھنے وہی مولا مستحق ہوگا یا اس کے مفضول اپنا کوئی حق جتا سکیں گے؟ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حضرت علی کیلئے تو یہ حدیث اور ایسی بکثرت حدیثیں موجود ہیں۔ جب ان سب کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ناقابل استدلال (محض ہٹ دھرمی سے) قرار دیا جاتا ہے تو خلفائے ثلاثہ کی امامت کیلئے آخر کونسی حدیث مترجم صاحب کو کسی کتاب میں ملی ہے۔ وہاں تو یہ مان لیا جاتا ہے کہ امامت یا خلافت کے لیے

حضرت رسول نے کسی کا نام نہیں لیا اور حضرت ابوبکر اجماع سے اور حضرت عمر استخلاف (حضرت ابوبکر کے نامزد کردینے) سے اور حضرت عثمان شوریٰ سے خلیفہ بنے۔ جہاں خلفائے ثلاثہ کی امامت کیلئے مسلمہ طور پر حضرت رسول کا ایک ارشاد بھی نہ ہو اور دوسری حضرت علی کی امامت کے متعلق کثیر مسلّمہ ارشادات موجود ہوں تو پھر حضرت علی کے مقابلہ میں دوسروں کو حق ترجیح کہاں سے حاصل ہو گیا۔ مترجم صاحب کا یہ کہنا بھی قابل غور ہے کہ چوتھے نمبر پر حضرت علی کو خلافت ملنے سے منشاء حدیث پورا ہو گیا تو حضرت رسول کے انتقال کے بعد اس حدیث کو معطل کر دینے اور معرض التوا میں ڈال دینے کی کیا وجہ ہے۔ جب ایک مولا یعنی حضرت رسولؐ کی جانشینی کا سوال ہو تو دوسرا مولا یعنی حضرت علی ہی اس جگہ پر بیٹھے گا۔ بقول حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ؂

امامت را کسے شاید کہ باشد ہمسر احمد چنیں رفعت کہ می بینی بجز حیدر کجا باشد

متذکرہ صدر ہر دو آیات قرآنی کے کئی مقامات غور کے قابل ہیں۔ آیۂ اولیٰ میں اللہ تعالیٰ حضرت رسول سے ارشاد فرماتا ہے کہ اگر یہ پیغام (مولائیت علی کا) نہ پہنچایا تو گویا کوئی کار رسالت ہی انجام نہ دیا۔ اس ارشاد سے صاف واضح ہے کہ یہ پیغام کچھ ایسی بڑی عظمت کا تھا کہ اس کا نہ پہنچانا گویا اب تک کی ساری رسالت سے جو پیغامات پہنچ چکے تھے ان کے بھی نہ پہنچنے کا مرادف ہو جاتا۔ حضرت رسول آخری حج فرما چکے تھے۔ بعثت ظاہری کو بھی لگ بھگ ۲۳ سال ہو چکے تھے اور اپنے سفر آخرت کی بھی اطلاع لوگوں کو فرما دی تھی اور یہ گویا آپ کی عمر کے آخری دو تین ماہ کا زمانہ تھا۔ ہر قسم کے احکام توحید نبوت نماز روزہ حج زکوٰۃ تفریق حرام و حلال نیک و بد امر بالمعروف و نہی عن المنکر سب مکمل طور پر آچکے تھے۔ باوجود ان کے کوئی ایسا امر اہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں باقی تھا جو گویا ان تمام امور کا ہم پلہ تھا اور اس امر کی تکمیل کے بغیر وہ سارے سابقہ امور نامکمل اور بیکار تھے۔ قادر مطلق کے اس ارشاد سے جو مطلق نوعیت کا ہے منطقی طور پر بجز اس کے اور کوئی نتیجہ نکالنا ممکن نہیں کہ ولایت علی متمم ایمان اور دین کا جزو اعظم ہے۔

طبرانی نے زید ابن ارقم سے جو روایت کی ہے اس میں یہ تشریحات موجود ہیں کہ حضرت رسول نے اولاً مجمع سے اس امر کا اقرار کرایا کہ کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ کوئی معبود نہیں سوائے معبود حقیقی کے اور کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ قیامت آنیوالی ہے اور اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور خدا قبروں سے مردوں کو نکالے گا اور کیا تم اقرار نہیں کرتے کہ میں تمہارے نفسوں سے اولیٰ ہوں۔ جب تمام مجمع سے بطور عام اور فرداً فرداً بھی ان باتوں کا اور بالخصوص اپنے اولیٰ بنفس مومنین ہونے کا اقرار کرا لیا تو اس وقت اعلان فرمایا مَن کُنتُ مولاہ فھذا علیٌ مولاہ ..... الخ یہ امر واضح ہے کہ حضرت رسول نے اُصول دین توحید رسالت اور قیامت کا اقرار لوگوں سے کرا کے اسی کے بالاتصال ولایت حضرت علی علیہ السلام کا اعلان فرمایا اور یہ سب کچھ حکم خداوندی کی بناء پر اور اس طرح ظاہر ہوا کہ ولایت امیر المومنین بھی اُصول دین سے ہے۔ اس بات کی مزید تصدیق آئیت ثانی الذکر سے ہوتی ہے جس کا تذکرہ ہم بعد میں کرینگے۔ دوسرا امر جو آیت صدر سے واضح ہے یہ ہے کہ اس امر کے متعلق

وحی الہٰی آچکی تھی اور رسولِ خدا کسی وجہ معقول کی بنا پر اس کے اعلان میں تامل فرما رہے تھے اور ظاہر بظاہر وہ امر یہی تھا کہ لوگوں سے خدشہ لگا ہوا تھا کہ حاسدین حضرت علی کے ایسے بڑے درجہ کے اظہار سے جواب تک ہی مختلف پیرایوں سے ظاہر ہو چکا تھا اور جلکر خاک ہو جائینگے اور قرائن غالب یہ تھے کہ وہ کوئی سنگین اقدام حضرت رسول خدا یا حضرت علی کی ذات کے خلاف کو بیٹھیں گے۔ چنانچہ رب العزت نے ایک طرف تو اس خدشہ کی واجبیت کا اظہار فرما دیا اور پھر یہ اطمینان بھی دلا دیا کہ لوگوں کے شر سے خدا محفوظ رکھے گا۔ الفاظ واللہُ یعصمک من النّاس ان دونوں باتوں کا پورا ثبوت ہیں۔ جہاں اس آیۃ وافی ہدایہ سے حضرت علی کی ولایت اور آپ کی مولائیت کا اقرار اہم جزو ایمان ہونا ثابت ہے وہیں یہ بھی ثابت ہے کہ ایسے منافقین بھی رسول اللہ کے ساتھ لگے ہوئے تھے جو حضرت علی کی عظمت کو دیکھ نہ سکتے تھے اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ گروہ مخالفین جس سے رسول اللہ کو خدشہ تھا کوئی ایسا بے اثر اور خطرہ میں نہ لانے کے لائق نہ تھا بلکہ یہ مخالفین واقعی ذی اثر تھے جن کے شر سے رسولِ خدا بھی اندیشہ محسوس فرما رہے تھے۔ چنانچہ اس خدشہ کی واجبیت اور حقیقت اور اللہ تعالیٰ حفاظت کا وعدہ کرنے کی ضرورت دونوں ثابت ہوگئے جب غدیرخم کے اعلان کے چند ہی روز گزرنے اور گھاٹیوں اور وادیوں والا حصہ راستہ میں آنے پر واقعہ لیلۃ العقبہ وقوع میں آیا اور سولہ سترہ منافقین نے فی الواقعی رسول اللہ پر حملہ کا اقدام کر دیا۔ لیلۃ العقبہ کا ذکر اس کتاب کے باب ہفتم میں آیا ہے۔

اب آیتِ ثانی کے بعض اجزاء پر غور فرمایئے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کی اور تمہارے دین اسلام سے آج راضی ہوا۔ واضح ہوا کہ اس دن سے قبل لوگوں کا دینِ اسلام نامکمل تھا اور مولائیت علی کو ماننے کے بغیر ایمان نامکمل تھا۔ یعنی مولائیت علی کا ماننا بطور سرسری یا استحساناً یا محض خوش عقیدگی سے یا رسمی اعتراف عظمت نہیں ہے بلکہ وہ مستقلاً دین و ایمان کا ایک رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی آیت میں ولایت علی کو اپنی نعمت سے تعبیر کرتا ہے اور اس کی تکمیل کے بعد ہی دینِ اسلام اس قابل ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مکمل طور پر راضی ہو۔ ان دونوں آیتوں سے مسلم الثبوت ہو گیا کہ جس طرح توحید" رسالت" قیامت پر ایمان لانا اصول دین میں سے ہے اسی طرح ولایت و امامت پر ایمان لانا بھی اصول دین میں سے ہے۔ حضرت رسول کا وہ ارشاد کہ شب معراج آپ کو علم کرایا گیا کہ تمام انبیاء سلف حضرت رسول کی رسالت اور حضرت علی کی ولایت کے اقرار پر پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے اس کتاب میں دوسرے مقام پر درج ہوا ہے۔ یعنی تمام انبیاء کے لئے بھی علی کی ولایت کا ماننا لازم تھا اور ان کی نبوت کی بنیاد ہی رسالت حضرت محمد مصطفیٰ و ولایت حضرت علی مرتضیٰ پر تھی۔ کسی کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ابتدائے اسلام ہی سے ولایت علی کا بھی یہ اعلان کیوں نہ کر دیا گیا جس طرح سے اکثر دوسرے احکام تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ طیبہ لا إلٰہ الا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ تک بھی بہ یک وقت ابتداء میں نازل نہیں ہوا۔ بلکہ کلام پاک میں لا إلٰہ الا اللّٰہ ایک علیحدہ جگہ آیا ہے اور محمد الرسول اللہ کے الفاظ دوسری جگہ آئے ہیں اور علیحدہ علیحدہ وقتوں میں نازل ہوئے ہیں اور آخر میں جاکر کلمہ طیبہ کی متذکرہ صدر شکل قرار پائی اور دیگر احکامات دینی بھی

چیدہ چیدہ وقفہ وقفہ سے آتے رہے اور یکے بعد دیگرے ان کی تکمیل سالہاسال میں جاکر ہوئی مثلاً نماز بھی اگرچہ کہ ابتدائے اسلام ہی سے فرض تھی مگر مکہ میں حضرت رسول کے بعد بعثت تیرہ برس قیام کے دوران میں بھی فجر و ظہر و عصر و عشا کی نماز صرف دو دو رکعت اور صرف مغرب کی نماز تین رکعت پڑھی جاتی تھی۔ بعد ہجرت سنہ ۱ھ میں نمازِ پنجگانہ کی ۱۷ سترہ رکعتیں مقرر ہوئیں اور اقامت کی اذاں کی شکل بھی اسی سال متعین ہوئی۔ ابن خلدون کے مطابق زکواۃ فرض کئے جانے کا حکم بھی آغاز اسلام سے تیرہ برس بعد سنہ ۱ھ میں آیا۔ بعثت سے ۱۴ چودہ سال بعد تک بھی روزے فرض نہیں ہوئے تھے اور سنہ ۲ھ میں روزے فرض کئے جانے کا حکم نازل ہوا۔ سنہ ۳ھ تک حرمت شراب کا کوئی حکم نہ تھا اور اکثر مسلمان برملا شراب پیتے تھے اگرچہ کہ حضرت رسول خدا اور حضرت علی مرتضیٰ نے کبھی شراب کو نہ چھوا۔ پھر حرمتِ شراب کے احکام بھی بتدریج آئے۔ سب سے پہلے سنہ ۴ھ میں شراب کے نقصان دہ ہونے کے متعلق آیت نازل ہوئی یعنی اس کی نوعیت محض ترغیبی تھی اس کے بعد بھی اکثر مسلمان شراب پیتے رہے۔ اِس کے بعد کا حکم لا تقربوا الصلواۃ وانتم سکاریٰ کا آیا کہ حالت نشہ میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ اِس کے بعد چل کر قطعی حرمتِ شراب کا حکم آیا۔ اس طرح آغاز اسلام کے ۱۷ برس بعد تین منزلوں میں جاکر حرمتِ شراب کا حکم قطعیت پایا۔ نماز خوف اور قصر نماز کے احکام سنہ ۴ھ سے قبل نہیں آئے تھے تیمم کا حکم سنہ ۵ھ میں آیا۔ اس سے قبل تیمم کا جواز نہ تھا۔ حج کے وجوب کا حکم بھی سنہ ۵ھ آیا۔ اس سے قبل حج فرض نہ تھا۔ پردہ کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا۔ اس طرح ظاہر ہے کہ دین کے اہم امور نماز "روزہ" حج "زکواۃ" اور نیز حرمت شراب" پردہ" تیمم قصر نماز وغیرہ ابتدائے اسلام سے ۱۸ اٹھارہ سال کی مدت میں جاکر تکمیل پائے۔

جب حضرت رسول کے دُنیا سے رخصت ہونے کا زمانہ قریب آیا تو اس وقت آپ کے بعد امور دین کے سنبھالنے کا سوال درپیش ہوا۔ کیونکہ ولایت و امامت علی اب عملاً کارفرما ہونے والی تھی۔ چنانچہ آخری حج کے بعد جب آنحضرت کی وفات کا زمانہ بالکل قریب تر آگیا تو اپنی وفات کی اطلاع کے ساتھ حضرت رسول نے بحکم خُدا حضرت علی کی مولائیت کا اعلان فرمایا اور پھر اس کے بعد دین کے مکمل ہونے کا اعلان رب العزت کی طرف سے آیت الیوم اکملت لکم دینکم .... الخ کے ذریعہ عمل میں آیا۔ یوں تو حضرت رسول نے علی کے اپنے خلیفہ و وزیر و وصی ہونے کا اعلان ابتدائے اسلام ہی کے زمانہ میں آیت انذر عشیرتک الاقربین کے نزول کے بعد دعوت اسلام دیکر فرمایا تھا مگر حکمت و مصلحت رسالت و منشائے الٰہی یہی تھا کہ جس طرح حضرت رسول ابتدائے آفرینش سے نبی ہوتے کے باوجود آپ کی بعثت کا اعلان چالیس ۴۰ برس کی عمر تک نہیں ہوا اور مقصد یہ تھا کہ اولاً آپ کے کردار و عمل کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا جائے اسیطرح علی کی ولایت کے متعلق بھی مقصود یقیناً یہی تھا کہ بارگاہ رب العزت کی طرف سے علی کی صفات کے متعلق احکامات قرآنی اور ارشادات رسول واضح ہوجائیں اور خود علی کے کارنامے اور صفات لوگوں کے دلوں پر نقش ہوجائیں تب کہیں مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوجانے کے بعد بڑے سے بڑے مجمع میں ولایت علی کا آخری اور مکمل اعلان کیا جائے تاکہ لوگوں کو اس امر اہم کے قبول کرنے میں ذرا سا بھی تامل نہ ہوسکے

اور حجت الٰہی با اسباب ظاہری بھی پوری طرح تمام ہوجائے۔ مکمل کلمہ کے عنوان سے ہم باب چہارم میں مزید کچھ لکھیں گے۔

۴۔آیت عذاب واقع

سَالَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ (سورہ معارج آیت ۱ و ۲) (ترجمہ:۔ مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب کو کہ ہونے والا ہے کافروں کیلئے نہیں کوئی اس کا دفع کرنے والا) امام ابو اسحاق ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب غدیر خم پر حضرت رسول خدا نے خطبہ ارشاد فرمایا اور مَنْ کُنْتُ مولاہ فعلی مولاہ فرمایا اور یہ حدیث سب تک پہنچ گئی تو حارث بن نعمان الفہری یہ سُن کر حضرت رسول کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور اپنی اونٹنی بٹھا کر کہنے لگا یا محمد آپ نے لا الٰہ الا اللّٰہ پر گواہی دینے کا حکم دیا۔ ہم نے مان لیا آپ اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور آپ نے اپنے ابن عم کے بازو کو پکڑ کر ان کو ہم پر آپ نے فضیلت دی اور مَن کُنْتُ مولاہ فعلی مولاہ فرمایا۔ آیا یہ حکم آپکی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے حضرت نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں یہ خدا کا حکم ہے۔ حارث بن نعمان یہ کہتا ہوا اپنی اونٹنی کی طرف لوٹا کہ اے خدا اگر جو کچھ محمدؐ کہتے ہیں سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ ہمیں دردناک عذاب پہنچا۔ ابھی وہ اپنی اونٹنی کے پاس پہنچا بھی نہ تھا کہ آسمان سے اس کے سر پر ایک پتھر گرا اور جسم کے آر پار نکل گیا اور یہ مر کر وہیں ڈھیر ہوگیا اس کے بعد ہی یہ آیت سَالَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ...... الخ نازل ہوئی۔

۵۔شاقوا الرسول

وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدٰی (سورہ محمد آیت ۳۲) (ترجمہ) اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب سیدھی راہ صاف ظاہر ہوگئی۔ حافظ ابوبکر ابن مردویہ نے روایت کی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جو حضرت رسول خدا سے حضرت علی کے امر میں تنازعہ کرتے تھے۔

۶۔عشیرتک الاقربین

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (سورہ شعرا آیت ۲۱۴) ترجمہ:۔اور اے رسول اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ۔ معالم التنزیل میں اس آیت کی شان نزول کے بارے میں ابن عباس کی یہ روایت درج کی گئی ہے کہ حضرت علی نے ابن عباس سے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا نے مجھ سے فرمایا خدا کا ایسا حکم ہے مگر چونکہ میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کو اس حکم کے سنانے سے سوائے رنج کے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس وجہ سے (بہتر موقعہ کے انتظار میں) ساکت تھا۔ مگر پھر دوبارہ حکم خداوندی آیا ہے تو تم کچھ روٹی بکرے کی ایک ران اور تھوڑے دودھ کا سامان کررکھو۔ جب شام ہوئی تو آپ نے قریش میں عباس" حمزہ" ابولہب" ابوطالب ایسے چالیس آدمیوں کو بلا بھیجا اور وہ کھانا ان کے سامنے رکھا گیا آپ نے پہلے اپنا ہاتھ لگا دیا اس کے بعد ان سے کھانے کو فرمایا۔ سب کے سب کھا کر سیر ہوگئے۔ حالانکہ بظاہر وہ کھانا دو تین آدمیوں سے زیادہ کے کھانے کا نہ تھا۔ اب آپ نے چاہا کہ کچھ باتیں کریں کہ ابولہب نے بات کاٹ کر کہا کہ تمہارے صاحب نے بڑا سخت جادو کیا ہے۔ (اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ تھوڑا سا کھانا اتنے بہت سے

آدمیوں کے لئے بھی کافی سے زائد ہوا) یہ سنتا تھا کہ سب کے سب چلے گئے۔ دوسرے دن پھر حضرت نے اسی سامان کا حکم دیا۔ اور کھانے کے بعد آپ نے فرمایا اے فرزندان عبدمناف میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی نیکی لیکر آیا ہوں۔ اور ایسی اچھی خبر لایا ہوں کہ اس کے قبل کوئی تمہارے پاس نہیں لایا اور مجھے خدا نے تمہیں اس کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا ہے۔ تو تم میں سے کون ایسا ہے جو میرا وزیر بنے اور میرے کام میں میری مدد کرے تاکہ وہ میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا خلیفہ تمہارے درمیان ہو کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر حضرت علی نے عرض کی "میں یا رسول اللہ" اسی طرح حضرت نے تین مرتبہ فرمایا اور بجز حضرت علی کے کسی نے جواب نہ دیا۔ تب آپ نے فرمایا "یا علی تو میرا وزیر" میرا وصی "میرا بھائی" میرا خلیفہ ہے" یہی روایت کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ متعدد کتب اہل سنت مثلاً مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۳۱ تفسیر درمنثور سیوطی" ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷ منتخب کنز العمال صفحہ ۴۱ تا ۴۳ و تفسیر ثعلبی دلائل النبوۃ و تاریخ کامل ابن اثیر و تاریخ ابوالفدا اور تاریخ طبری میں درج ہے نیز خصائص نسائی میں بروایت ربیعہ درج ہے کہ حضرت علی کے تین مرتبہ کہنے کے بعد حضرت رسول نے فرمایا وَرِثتُ ابن عمی دونَ عمی یعنی اپنا وارث کیا میں نے اپنے چچازاد بھائی کو بخلاف اپنے چچا کے۔ کارلائیل ہیروز اینڈ ہیرو شپ میں لکھتے ہیں "وہ مجمع جس میں علی کے باپ ابوطالب بھی تھے محمد کا دشمن نہیں ہو سکتا۔ مگر سب لوگوں کو ایک ادھیڑ عمر کے آدمی اور ایک چودہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنے کا منظر کہ وہ دونوں بلکہ تمام دنیا کے خیالات کے برخلاف جدوجہد کرینگے ایک مضحکہ خیز بات معلوم ہوئی اور تمام مجمع قہقہہ لگا کر منتشر ہو گیا مگر بعد میں ثابت ہو گیا کہ یہ ہنسنے کے لائق بات نہ تھی بلکہ بہت گہری تھی یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا کہ کسی کو بجز اس کو پسند کرنے کے چارہ نہیں ہے۔ ایک شریف مزاج انسان جیسا کہ وہ اپنے کو اس وقت اور اس کے بعد دکھاتا ہے" محبت سے بھرا ہوا "شجاعانہ شان والا" شیر کا سا بہادر مگر باوجود اس کے اس میں ایسی نرمی۔ سچائی اور محبت تھی جو ایک عیسائی نائٹ ہی کے شایان شان ہے۔"

حضرت رسول حضرت علی کو وزیر اور خلیفہ مقرر کرنے کا ذکر اور بھی متعدد یورپین مورخین نے کیا ہے۔ مثلاً گبن نے ڈیکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر میں ڈیون پورٹ نے اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن میں اور واشنگٹن ارونگ نے لائف آف سکسرز آف محمد میں اس کو بصراحت درج کیا ہے۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں اپنی کتاب Hazrat Ali As An Amir کے صفحہ ۷ و ۶ پر لکھتے ہیں:۔

At the historic meeting of the 'Asheera, held at the foot of the Mount Safa when the Holy Prophet started his open preaching of the faith of Islam and invited his nearest relatives, the veterans of his family to embrace the faith and invited any one among those present there to come forward to be his Assistant, his Vicegerent, his Heir and Caliph there was no response save from the young Ali who was then only about 18 years old who stood up and openly offered himself for

the task. (It shook all the elders though most of those present laughed, rediculing the invitation from the Holy Prophet and the offer from Ali) --- The Holy Prophet embraced Ali and made the historic declaration: "Look; Here is my brother, my Assistant my Vicegerent my Heir and my Galiph. Listen ye all unto him and obey him." (vide Tahari, Ibne Athir, Abul Fida and Gibbon).

گبن لکھتا ہے۔

From the first hour of his Mission tothe last rites of his funeral the apostle was never forsaken by a generous friend whom he delighted to name his brother his vicegerent and a faithful Aaron of a second Moses.

یہ امر کتب تاریخ و احادیث سے مسلمہ ہے کہ اعلان نبوت اور دعوتِ اسلام دینے کے وقت نوبت اول پر ہی حضرت رسول نے حضرت علی کو اپنا وزیر وصی اور خلیفہ بالاعلان مقرر فرما دیا تھا۔ حضرت علی نے نصرتِ رسول کا جو وعدہ کیا تھا دنیا جانتی ہے کہ کس طرح اس کو نبایا اور کن کن موقع پر اسلام کو بچایا اور بارہا اپنی جان پر کھیل کر حضرت رسول کی حفاظت اور اسلام کی نصرت کرتے رہے۔ یہ نصرت کا وعدہ کچھ اس شان کا تھا کہ نہ صرف حضرت علی نے اسکا ایفا کیا بلکہ آپ کی اولاد باصفا نے بھی اپنے خون سے جس اسلام کو سینچ کر اس کی تکمیل کو جاری رکھا۔ حضرت علی نے تو اپنا وعدہ نصرت یوں پورا کیا اور پھر کیا کوئی عقل سلیم تسلیم کر سکتی ہے کہ حضرت رسول جیسے صادق الوعد نے جو اعلان اسلام کی ابتداء میں حضرت علی کو اپنا وزیر وصی اور خلیفہ مقرر کرکے فرما دیا تھا۔ اس پر قائم نہ رہے ہوں یا اس میں کوئی تبدیلی فرما دی ہو۔ وہ امین صادق نہ تو کوئی تبدیلی کر سکتا تھا اور نہ تو کوئی تبدیلی کی۔ اس نے تو دعا بھی یہی مانگی کہ اللہ جس طرح تو نے موسیٰ کی دعا پر ان کے بھائی ہارون کو انکا وزیر مقرر کرکے مدد کی تھی اسی طرح میرے بھائی علی کو میرا وزیر بنا کر میری مدد فرما اور نہ صرف یہ کہا کہ علی کی نسبت مجھ سے ایسی ہی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ کے ساتھ بلکہ اپنی حیات کے زمانہ آخر میں حجۃ الوداع سے واپسی میں بحکم خدا علی کی ولایت اور اپنا جانشین ہونیکا آخری اور محکم اعلان بھی مسلمانوں کے اجتماع کثیر کے سامنے شد و مد سے فرما دیا۔ اب بحکم خدا و بہ فرمان رسول حضرت علی وصی و جانشین و خلیفۂ رسول ہونے میں کیا شبہ باقی رہ گیا اور اب کسی کے لئے یہ گنجائش ہی کہاں باقی رہی کہ جانشین رسول ہونے کا مدعی بن جائے۔ بقول حضرت خواجۂ اجمیری ؒ

دعوائے خلافت بہ سندے باید
مَن کُنتُ حدیث در مددے باید

ایں جائے نفاق و منکر و خائن نیست
ایں منزل شیر است اسدے باید

ناظرین ملاحظہ فرمائینگے کہ حضرت خواجہ صاحب نے اپنی اس رُباعی کے تیسرے مصرع میں ایک رازِ سربستہ کو اس طرح رکھدیا ہے کہ اعدادِ ابجد کی کلید سے بآسانی کھول لیا جاسکے۔

۷۔ وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ ؕ (سورۂ رعد آیت ۷) (ترجمہ) اے رسول تم تو صرف ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کیلئے ایک ہدایت کرنے والا ہے۔

آفرینشِ کائنات کے الٰہی اسکیم کے متعلق غور کیا جائے تو اسلامی عقیدے کے اعتبار سے حسبِ ذیل اہم سنگِ میل یا نشانات منازل نظر آتے ہیں۔ (۱) زمانہ قدم جب بجز ذاتِ وحدت الوجود کے اور کوئی نہ تھا (۲) تخلیق نورِ محمد و آلِ محمد (۳) تخلیق فرشتگان و عرش و کرسی و ارض و سما (۴) تخلیق حضرت آدم زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنائے جانے کی غرض سے (۵) حضرت آدم کا زمین پر اتارا جانا اور آغاز سلسلہ پیغمبران (۶) بعثت خاتم النبیئین تکمیل دین و اختتام سلسلۂ انبیاء (۷) زمانہ ہدایت ہادیانِ برحق (دوازدہ ائمہ اہل بیت) (۸) قرب قیامت اور بارہویں امام حضرت مہدی کا ظہور اور حضرت عیسٰے کا آپ کی نصرت کے لئے آسمانِ چہارم سے اترنا اور حضرت مہدی کا جہاد کرکے دُنیا کو کفر و نفاق و ظلم سے خالی کرکے ایمان و عدل و انصاف سے بھر دینا (۹) باعتبار بعض روایات شہادت حضرت محمدؐ مہدی صاحب العصر علیہ السّلام (۱۰) قیامت (۱۱) سوال و حساب حشر (۱۲) جنت و دوزخ (۱۳) حیاتِ دائمی تا ابدالاباد۔ اللہ تعالیٰ کا اسکیم (بروئے مسلمات اسلام) یہ نظر آتا ہے کہ مختلف پیغمبروں کے ذریعہ اپنے احکام بھجواتا اور مذہب اسلام ہی از شروع تا آخر پیش کرواتا رہا۔ ارشاد باری ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام ؕ یعنی دین تو اللہ تعالیٰ کے پاس بس اسلام ہی ہے۔ مدارج ارتقاء کے اعتبار سے شریعتوں کی تبدیلی و ترمیم کرتا ہوا خاتم النبیئین حامل شریعت آخر و مکمل کو آخر میں بھیجا اور دین کی تکمیل فرمادی۔ اب چونکہ کوئی رسول آنے والا نہ تھا لہٰذا خاتم النبیئین سے علی الاتصال تا قیامت تک کے لئے ہر زمانہ کی قوم کیلئے ہادی مقرر فرما دیئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسکیم کے گویا آخری منازل ہیں۔ چونکہ اور کوئی نبی آنے والا نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کی زندگی ہی میں آپکے ذریعہ ہادی و امام کی نشاندہی و اعلان کروادیا۔ (جس کے متعلق آیاتِ قرآن اور ارشادات حضرت رسول اور غدیر خم کا واقعہ شاہد ہیں) یہی وہ نکتہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آیت میں واضح فرمادیا کہ "اے رسول تم تو صرف ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہے"۔

ربُّ العزّت نے اس آیت میں حضرت رسول کی شخصیت سراپا ہدایت سے ایک اور ہادی کی شخصیت کو جدا کرکے دو علیحدہ علیحدہ شخصیتوں کا وجود ظاہر فرمایا۔ یعنی رسول علیحدہ ہے اور ہادی علیحدہ ہے۔ چنانچہ جب یہ آیت (انّما انت منذر ولکل قوم ھاد) نازل ہوئی تو حضرت رسول نے اپنے کو بتاکر فرمایا کہ میں منذر ہوں اور حضرت علی کو بتلاکر اعلان فرمایا کہ یہ ہادی ہے۔ ابن مردویہ اور ابن جریر اور ابو نعیم نے معرفت میں اور دیلمی اور ابن عساکر اور ابن نجار اور ثعلبی نے اپنی اپنی کتابوں اور تفاسیر میں عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا نے اپنے ہاتھ کو اپنے سینہ پر رکھا اور فرمایا انا منذر پھر اپنے ہاتھ سے علی کے شانہ کی طرف اشارہ کیا

اور فرمایا "انت الھادی یا علی بک یہتدی المتہدون بعدی" یعنی اے علی تم ہی ہدایت کرنے والے ہو اور میرے بعد تمہارے ہی ذریعہ سے ہدایت پانے والے لوگ ہدایت پائینگے۔ اسی روایت کو بہ اختلاف الفاظ ابن مردویہ اور سیوطی نے ابو حمزہ اسلمی سے اور ضیائی المختار نے ابن عباس سے اور عبداللہ ابن احمد نے زوائد مسند میں اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اوسط میں اور حاکم نے مستدرک میں بھی درج کیا ہے ابن مردویہ اور ابن عساکر نے خود حضرت علی سے بھی یہی روایت کی ہے۔ کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۳ پر یہ حدیث درج ہے۔ قال انا منذر و علیّ الھادی۔ بہرحال محدثین کے ایک گروہ کثیر نے اِس روایت کو درج کیا ہے۔ اِس آیت سے نہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی امامت وخلافت ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ دوازدہ آئمہ کی امامت بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر قوم کیلئے ایک ہدایت کرنے والا ہوا کرتا ہے۔ نیز اس آیت سے بارھویں امام علیہ السّلام کا وجود بھی ثابت قرار پاتا ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی اب جو قوم دنیا میں موجود ہے اس کا ہادی اور کون ہے۔

۸۔ آیت ولایت

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ۝ (سورۂ مائدہ آیت ۵۵)

ترجمہ:۔ بہ تحقیق کہ تمہارا ولی وسرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نماز پڑھتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں در آں حالیکہ وہ رکوع کئے ہوئے ہیں۔

ابو اسحاق الثعلبی نے عبداللہ ابن عباس سے اور انہوں نے ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ میں (ابوذر غفاری) ایک روز جناب رسالت مآب کے ساتھ مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا ایک سائل نے آکر سوال کیا کسی نے اُسے کچھ نہ دیا۔ سائل آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا اے خدا گواہ رہیو میں نے تیرے رسول کی مسجد میں سوال کیا تھا۔ مجھے کسی نے کچھ نہ دیا۔ جناب امیر رکوع میں تھے سائل کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی چھنگلی اشارتاً اٹھادی جس میں انگوٹھی تھی۔ سائل نے بڑھکر انگوٹھی لے لی۔ یہ ماجرا حضرت نے دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی۔ ابھی آنحضرت نے دُعا کو ختم نہیں کیا تھا کہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہنے لگے یا محمد صلعم پڑھئے اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ .... الخ۔

ابوبکر ابن مردویہ نے اور خوارزمی نے مناقب میں اور سبط ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص الامہ میں روایت کی ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ عبداللہ بن سلام اپنی قوم کے چند مسلمان بھائیوں کے ساتھ آکر حضرت رسول کی خدمت میں عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہمارے گھر بہت دور ہیں اور سوائے اس مجلس کے ہماری کوئی مجلس نہیں ہے جسمیں ہم بیٹھ سکیں۔ جب سے ہماری قوم نے دیکھا کہ ہم خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں انہوں نے ہم سے ملاقات چھوڑدی اور عہد کر لیا ہے کہ وہ نہ ہمارے پاس بیٹھتے ہیں اور نہ ہم سے نکاح کرتے ہیں اور نہ ہم سے بات چیت کرتے ہیں یہ بات ہم پر نہایت شاق گزر رہی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا سوا اس کے نہیں کہ تمہارا رفیق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ یہ فرما کر حضرت رسول مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور لوگ ابھی قیام و رکوع میں تھے۔ پس حضرت نے

ایک سائل کو دیکھا اور اس سے پوچھا تجھے کسی نے کچھ دیا ہے۔ وہ عرض کرنے لگا ہاں مجھے انگوٹھی دی ہے۔ آپ نے فرمایا کس نے دی ہے۔ اس نے جناب علی کی طرف اشارہ کرکے کہا اس کھڑے ہوئے شخص نے۔ آپ نے پوچھا کس حالت میں دی۔ وہ کہنے لگا رکوع کی حالت میں حضرت نے تکبیر پڑھی اور یہ آیت پڑھی اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ..... الخ

حسان بن ثابت نے برجستہ اشعار پڑھے (روایت میں پورے اشعار درج ہیں) امام واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول القرآن میں اور حافظ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں اور ابن جوزی اور امام نسائی نے عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے کہ بلال نے اذان کہی اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے ابھی لوگ رکوع و سجود ہی میں تھے کہ ایک سائل سوال کرنے لگا۔ جناب امیر رکوع کئے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں اسے اپنی انگوٹھی عطا کی سائل نے آنحضرت صلعم کو اس کی اطلاع دی۔ تب حضرت نے یہ آیت پڑھکر سنائی اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ...... الخ

علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں "اگر تو یہ کہے کہ یہ بات جناب علی کے لیے کیونکر صحیح ہوسکتی ہے کیونکہ آیت میں تو لفظ جمع کا استعمال ہوا ہے تو میں کہتا ہوں کہ لفظ جمع اس لئے مستعمل ہوا ہے کہ اگرچہ دراصل سبب اس میں ایک ہی آدمی یعنی جناب امیر ہیں (کیونکہ بجز آپ کے کسی اور شخص نے کبھی بحالت رکوع زکواۃ نہیں دی) مگر تاکہ لوگ انہیں کے ثواب کے موافق ثواب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ مومنین کی خصلت اسی درجہ پر چاہیئے اور ان کو احسان کرنے اور فقراء کے حال کی غمخواری پر اسی قدر حرص چاہیئے کہ ان کو نماز سے بھی اس میں تاخیر نہ ہو"۔

مشہور ہے کہ یہ وہ انگوٹھی تھی جو حضرت سلیمان کو قدرت سے عطا ہوئی تھی (جس پر نقش اسم اعظم تھا اور جس کی بدولت حضرت سلیمان کو جن وانس دد و دام ہوا و آب ہر چیز پر حکومت حاصل تھی۔ بطور ورثہ پیغمبری یہ انگشتری حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی اور جب سیدۃ النساء العٰلمین جناب فاطمہ زہرا کا عقد بحکم رب العالمین علی مرتضیٰ کے ساتھ ہوا تو حضرت رسول نے وہ خاتم سلیمانی علی مرتضیٰ کے ہاتھ میں پہنا دی اس شخص کی شان عطا کا کیا کہنا جو خاتم سلیمان سائل کو یوں دیدے کہ یہ تک خبر نہ ہو کہ کون سائل تھا کہاں سے آیا تھا۔ لینے والا آنکھ ملا کر ممنونیت کے احساس کی زحمت سے بھی بچ جائے اور پھر محتاج کی کار اجرائی بھی ہوجائے۔ نماز بھی باقی رہے۔ زکواۃ بھی ادا ہوجائے حقیقت یہ ہے کہ یہ عطا بجائے خود ایک معجزہ ہے کیوں نہ ہو کہ یہ اس خاندان کی عطا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ سورہ دہر میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ احسان کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَاءً وَّلَا شُکُوْرًا ۝ (ہم نہ تم سے بدلہ کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گذاری کے) بعض لوگ یہ اعتراض اٹھاتے ہیں علی کی نماز میں حضور قلب کہاں باقی رہا۔ جب سائل کی صدا پر متوجہ ہوگئے۔ حضور قلب کا معاملہ مسجود نماز جانے۔ اس نے تو اس نماز و زکواۃ کی بنا پر اس رکوع میں زکواۃ دینے والے کو اپنے اور اپنے رسول کیساتھ امت کا ولی و سرپرست قرار دیدیا۔ اب اعتراض کہاں باقی رہا۔ اللہ تعالیٰ نے امت و عامہ خلائق کے اعتبار سے ولی کی جو حیثیت خود اپنی ذات اور ذات رسول سے متعلق رکھی ہے وہی ذات علی سے بھی متعلق فرمائی ہے۔ ولی کے معنی سرپرست و حاکم کے ہوتے ہیں اور شرعاً و قانوناً بھی ولی نابالغ یا ناقص العقل کا ہوا کرتا ہے۔

اِس طرح ائمّت اور خلائق عامہ کی مثال جہاں شعور نہ رکھنے والے بچوں کی ہوئی وہاں علی مرتضیٰ ان کے اسی طرح ولی قرار پائے جیسے خود ذاتِ باری اور ذاتِ رسول ولی ہے۔ خشوع و خضوع کا عالم تو یہ ہوتا تھا کہ جب وضو فرماتے تو جلال ایزدی کے تصور سے زرد ہو جایا کرتے تھے۔ حالت نماز میں جسم ایسا ہو جاتا تھا جیسے سوکھی ہوئی لکڑی ایک جنگ میں آپ کو ایک تیر ایسا لگا کہ تیر ٹوٹ کر نوک سہ شعبہ جسم میں رہ گئی جب کبھی اس کو نکالنے کی کوشش کی جاتی اس قدر تکلیف ہوتی کہ آپ فرماتے ایسے ہی چھوڑ دو حضرت رسول نے فرمایا یوں نہیں جب علی نماز میں ہو تیر نکال لینا' چنانچہ جب آپ نماز میں تھے تو دو تین آدمیوں نے تیر کو کھینچ کر نکال دیا اور آپ کے ابرو پر بل تک نہ آیا اور نہ نماز ہی میں فرق آیا شیخ الاسلام تاج الاسلام سلیمانی داؤد الشفقی نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ جب بوقت وضو اس کی نسبت جناب امیر سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا رنگ زرد کیوں پڑ جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ پہنچا ہے کہ جس امانت کو خدا نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا انہوں نے اٹھانے سے انکار کیا اور انسان نے اپنی ناتوانی کے ساتھ اسے اٹھایا۔ علاّمہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ بحالت نماز آنجناب کو اپنے جسد عنصری سے بیخبری ہو جاتی تھی۔ کثرت نوافل سے آپکی جبین مبارک پر ایک گٹھا پڑ گیا تھا اور کئی دفعہ ایسا ہوا کہ آپ کے گھر سے ایک رات میں دو ہزار تکبیروں کی آواز آتی تھی شرح نہج البلاغہ میں روایت ہے کہ جنگ صفین میں لیلۃ الہریر میں نماز عشاء کے لئے دونوں صفوں کے درمیان آپکے لئے جا نماز بچھائی گئی۔ آپ امیر نماز پڑھنے لگے اور تیر آپکے سامنے سے آتے اور آپ کے کانوں کے پاس سے داہنے بائیں گزر جاتے اور آپ ان سے خوف نہیں فرماتے تھے۔ جب تک کہ اپنے وظایف سے فارغ نہیں ہوئے اب ایسے شخص کے خشوع و خضوع و حضور قلب پر کیا کوئی اعتراض کرے یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ یہ شرع کا حکم ہے کہ اگر نماز جماعت ہو رہی ہو اور کوئی شخص دیر میں آکر جماعت میں شریک ہونا چاہے تو جس وقت جماعت رکوع میں ہو وہ شخص امام کو متوجہ کرنے "یا اللہ" کہے تو امام جماعت کا یہ فرض ہے کہ ادھر ملتفت ہو اور رکوع میں تاخیر کرے اور اس شخص کو موقعہ دے کہ جماعت میں شریک ہو جائے۔ گویا رکوع کی حالت میں دوسری طرف توجہ کرنے کا جواز بھی شریعت نے رکھدیا ہے اور یہ حکم بجز رکوع کے کسی اور حالت کے لئے نہیں ہے۔ یوں تو حالت نماز میں فرشتوں کی پیغمبروں سے مخاطبت اور پیغمبروں کا ادھر توجہ دینا قرآنی آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت ۳۹ ہے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى ۔ یعنی فرشتوں نے حضرت زکریا کو آواز دی جب کہ وہ محراب (عبادت) میں نماز میں کھڑے ہوئے تھے کہ خدا تم کو یحییٰ (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دیتا ہے۔ عین حالت نماز میں حضرت زکریا نے فرشتوں سے یہ اپنے فرزند کے پیدا ہونے کی اطلاع حاصل کی یہ بھی مسلّمہ واقعہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے ادا کی جاتی تھی۔ من بعد حالت نماز جماعت میں حضرت رسول پر وحی نازل ہوئی کہ بجائے بیت المقدس کے کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرو۔ چنانچہ اس وحی کے ساتھ ہی آنحضرت نماز کو برقرار رکھتے ہوئے کعبہ کی طرف پھر گئے اور باقی نماز رو بہ کعبہ ہو کر تمام فرمائی۔ اس نص قرآنی کے بعد

حضور قلب کے متعلق کسی حیث بحث کی گنجائش نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر نص تو خود اسی آیت ولایت میں ہے۔ کہ حالت رکوع میں زکواۃ ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کا تمام لوگوں کا اسیطرح دنیٰ و سرپرست ہونا ظاہر فرمایا جس طرح حضرت رسول اور خود اللہ تعالیٰ ولی ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ انگشتری جو حضرت علی نے سائل کو دی (جسکے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ وہ سائل دراصل جبرئیل تھے) تو یہ خیرات نہ تھی بلکہ زکواۃ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زکواۃ کی لفظ رکھی ہے۔ زکواۃ کا ایک خاص نصاب شرع نے مقرر کیا ہے کہ وہ سرمایہ کا چالیسواں حصہ ہوا کرتی ہے اب غور فرمایئے کہ انگشتری سلیمان جس کی بدولت سارے عالم جن وانس دو ودام ہوا و آب پر حکومت ہوتی ہے وہ حضرت علی علیہ السلام کے لئے صرف چالیسویں حصہ کا درجہ رکھتی تھی۔

ذیل میں ہم ایت ولایت کے کچھ اسناد یکجائی طور پر درج کر دیئے ہیں:۔

(۱) سیوطی در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ بروایت ابن عباس، سلمہ بن سہیل و عمار یاسر (۲) خطیب المتفق بروایت عبداللہ ابن عباس سودی و عبداللہ بن حکم (۶) ابو شیخ بروایت سلمہ و ابن عباس (۷) ابن حاتم بروایت سلمہ (۸) ابن عساکر بروایت سلمہ (۹) کنجی شافعی کفایۃ الطالب صفحہ ۱۰۶ بروایت الحاق بن مالک (۱۰) فخرالدین رازی تفسیر کبیر صفحہ ۴۱۷ و تفسیر مفاتیح الغیب جلد ۳ صفحہ ۴۱۷ بروایت ابن عباس و ابوذر غفاری (۱۱) شبلنجی نورالابصار صفحہ ۱۰۵ (۱۲) واحدی اسباب النزول صفحہ ۱۴۸ بروایت ابوذر (۱۳) زمخشری تفسیر کشاف صفحہ ۴۲۳ (۱۴) ابن محمد عسقلانی اسکافی الشانی بحوالہ ابی حاتم بروایت کاہل و سلام (۱۵) ابوبکر احمد بن علی رازی حنفی احکام القرآن بروایت مجاہد، سدی، ابوجعفر و عتبہ بن ابو حاکم (۱۶) الجامع الاحکام القرآن جلد ۶ صفحہ ۲۲۱ قرطبی اندلسی بروایت مجاہد و سدی (۱۷) تفسیر المنار جلد ۶ صفحہ ۲۴۲ راشد رضا وہابی مصری متعدد راویوں کے حوالہ سے (۱۸) شہاب الدین آلوسی روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۱۶۹ مطبوعہ قاہرہ طبع ثانی (۱۹) محب الدین طبری ذخائر العقبیٰ صفحہ ۸۸ (۲۰) سبط ابن جوزی تذکرۃ الخواص الامیہ صفحہ ۱۸ (۲۱) امام بحرانی کے غایت المرام صفحہ ۱۰۳ پر ۲۴ اہلسنت راویوں کے حوالہ سے اور صفحہ ۱۰۷ پر ۱۹ شیعہ راویوں کی زبانی اسکو درج کیا ہے۔ (۲۲) امینی نے مشہور کتاب الغدیر میں ۶۶ سنی علماء و محدثین کے حوالے سے اسے درج کیا ہے۔

یہاں ایک دلچسپ بات بے محل نہ ہوگی۔ شیخ صدوق نے اپنی کتاب 'امالی' میں لکھا ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کے بحالت رکوع انگوٹھی کی زکواۃ دینے پر آیت ولایت نازل ہوئی تو حضرت عمر کو خیال ہوا کہ میں بھی تجربہ کرکے دیکھوں شاید میرے لئے بھی کوئی آیت نازل ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے چالیس انگوٹھیاں خریدیں اور فقیروں کو مقرر کیا کہ ہر روز ایک فقیر حالت رکوع میں ان کے ہاتھ سے انگوٹھی اُتار کرلے جائے۔ چالیس دن تک یہ عمل ہوتا رہا مگر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ صاحبان نظر غور کریں کہ بھلا ایکٹنگ اور اصل میں کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

۹- اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ | ھُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (سورہ انفال آیت ۶۲)۔

ترجمہ: (اے رسول) وہ خداوہ ہے جس نے تیری تائید کی اپنی مدد سے اور مومنوں سے ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں۔ ''سیوطی نے درمنشور میں اور سمعانی اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ سے نیز ابن عدی اور ابن عساکر نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے متعلق حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ محمد عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ اید تہ بعلی ابن ابی طالب

یعنی سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں محمد میرا بندہ ہے اور میرا رسول ہے میں نے علی ابن ابی طالب کے ساتھ اس کی مدد کی ہے۔

۱۰- آیت اعلان سورہ برات

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ (سورۂ توبہ آیت ۳) ترجمہ: اور پکار اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت علی ہیں۔ جب انہوں نے لوگوں کو مکہ میں جاکر پکارا۔ پہلے حضرت ابوبکر سورۂ برات لیکر چلے تھے۔ پھر حضرت رسول خدا نے ان کے پیچھے حضرت علی کو بھیجا کہ سورۂ برات حضرت ابوبکر سے لیکر مکہ والوں کو حج میں جاکر حضرت رسول کی طرف سے سنائیں۔ حضرت رسول نے فرمایا اس سورہ کو یا تو میں پہنچا سکتا تھا یا وہ آدمی جو میرے اہل سے ہو۔ آیت میں اس کی صراحت موجود ہے کہ وہ اعلان جو حج اکبر کے دن (حضرت علی علیہ السلام) نے کیا تھا وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تھا۔ رسول عقل کل اور حکمت کاملہ کا حامل ہوتا ہے۔ کوئی چیز ایک شخص کو دیکر واپس لینے اور علی کو تفویض کرنے سے یقیناً حضور رسول کو اس بات کی اہمیت کو جتا دینا مقصود تھا کہ اللہ اور رسول کی طرف سے کام بجز علی کے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی وقتی طور پر ایسے کام کا اقدام کرے بھی تو نتیجہ اور اس کو ہٹنا ہی ہوگا — اعلان سورۂ برات کا یہ واقعہ ۹ ذالحجہ ۹ھ کا ہے۔ جن امور کا اعلان ان آیتوں سے ہوا ان کا خلاصہ یہ ہے (۱) کوئی شخص برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین میں پہلے طریقہ تھا) (۲) آج کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے (۳) جس سے آنحضرت نے کوئی معاہدہ کیا ہو مدت مقررہ تک معاہدہ کا احترام کیا جائے گا۔ اس کے بعد چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس کے اندر جو مسلمان نہ ہوگا اس کا خون ہدر ہے (۴) مومن کے سوا، کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ اس کو سورۂ برات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اسکے مندرجہ احکام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس معاہدہ کی پابندی سے بری الذمہ کر دیا اور برات دیدی جو مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح حدیبیہ کے وقت ۶ھ میں ہوا تھا۔

۱۱- نبأ العظیم

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ (سورہ نبا آیت ۱) ترجمہ:- یہ لوگ کس کے متعلق پوچھتے ہیں ایک بڑی خبر کہ جس کے بارے میں لوگ آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ سدی نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ'' جس چیز کا لوگوں سے قبر میں سوال کیا جائے گا وہ علی ابن طالب کی ولایت ہے۔ تو کوئی مردہ شرق و غرب خشکی و دریا میں ایسا نہ ہوگا جس سے مرنے کے بعد منکر و نکیر علی کی ولایت کا سوال نہ کریں۔ چنانچہ میت سے پوچھیں گے تیرا دین کیا ہے۔ تیرا نبی کون ہے اور تیرا امام کون ہے''

عمرو بن العاص جو حضرت علی علیہ السلام کے سخت مخالفین میں سے تھا۔ بمصداق حق بر زبان جاری آپ کے متعلق کہتا تھا ھو النباءِ العظیم وفلک نوح وا باب اللہ وانقطع الخطاب یعنی یہی بناء عظیم سفینۂ نوح اور اللہ کا دروازہ ہے۔ لفظ بناء کے معنی قابل غور ہیں "نبی" کہتے ہیں، خبر دینے والے کو "نبا" کہتے ہیں اسکو جس کی خبر دی جائے۔ مثلاً حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰ کی خبر دی تو حضرت موسیٰ نبی اور حضرت عیسیٰ بنا ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ نے ہمارے رسول خدا کی خبر دی تو عیسیٰ نبی اور ہمارے پیغمبر بناء ہوئے۔ اسی طرح حضرت رسول نے حضرت علی کی ولایت وامامت کی خبر دی تو حضرت رسول نبی اور حضرت علی بنا ہوئے۔ اس آیت میں لفظ بناء کے ساتھ عظیم کا لفظ استعمال فرما کر خدائے بزرگ و برتر نے اس بناء کی عظمت واہمیت ظاہر فرمائی۔ آیت میں ہم فیہ مختلفون کے الفاظ بھی لائق غور ہیں۔ دُنیا بھر کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے بھی کوئی ہستی بجز حضرت علی علیہ السلام کے ایسی نہیں پائی جاتی جس کے متعلق لوگوں کے تصورات میں اتنا گوناگوں اختلاف ہو۔ اصل وجہ یہ تھی کہ آپ کی مظہر العجائب ہستی بالائے عقل وفہم تھی۔ چنانچہ حضرت رسول کا خود ارشاد تھا کہ علی کو بجز خدا کے اور میرے کسی نے نہ سمجھا اب جس جس کی سمجھ جس جس طرح رہنمائی کرتی گئی آپ کے متعلق خیال قائم کرتا گیا اور بعض لوگوں نے عمداً اپنی اغراض دُنیا کے لئے آپ کی ذات بابرکات سے اپنے کو وابستہ نہیں کیا۔ نصیریوں نے آپکو خدا سمجھا تو خارجی آپ سے بالکلیہ منحرف ہوگئے۔ رسول خدا کے انتقال کے بعد ہی سب سے پہلا اختلاف جو لوگوں میں پیدا ہوا وہ ذات علی کے تعلق سے تھا باوجود کثیر آیات قرآنی اور واضح ارشادات رسول کے آپ کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت قائم کر دی گئی۔ پھر حضرت علی علیہ السلام کے متعلق وہ اختلاف جس کا بیج سقیفہ میں بویا گیا تھا آج تک چلا آرہا ہے۔ گو کہ بعض اہلسنت حضرات علی کی افضلیت کے قائل ہیں مگر بہت سے حضرات ابو حنیفہ کے اس کہنے پر عمل کر کے کہ افضل البشر بعد پیغمبر ابوبکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ ثم علی .... باعتبار فضائل بھی حضرت علی کو رسول خدا کے بعد درجہ سوم کا بھی نہیں بلکہ درجہ چہارم کا افضل مانتے ہیں اور خلفائے ثلاثہ کی حضرت علی پر فضیلت کے قائل ہیں، حالانکہ خود کتب اہل سنت میں جابجا درج ہے کہ جتنی فضیلت حضرت علی کی ثابت ہوتی ہے صحابہ میں سے کسی ایک کی بھی نہیں ہوتی اور یہ بھی درج ہے کہ قرآن میں تین سو آیات حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف صحابہ پر عتاب فرمایا ہے مگر حضرت علی کا ذکر ہر جگہ خیر کے ساتھ کیا ہے۔ مگر ان سب تحریرات کو محض زیب کا غذ اور نقش ونگار طاق نسیان سمجھکر اُدھر دھیان بھی نہیں دیتے اور حضرت ابو حنیفہ کا بتایا ہوا سبق اندھا دھند پڑھے جاتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ حضرت علی سے افضل ہیں۔ حضرت شافعی کے جو واقعی مقلد ہیں وہ خلفائے ثلاثہ کی فضیلت حضرت علی پر نہیں مانتے اور حضرت شافعی کے وہ اقوال پیش نظر رکھتے ہیں کہ "مرتے دم تک شافعی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کا رب علی ہے یا اللہ ہے۔ اور یہ کہ علی کی محبت اگر رفض ہے تو سب سے بڑا رافضی میں ہوں اور یہ کہ میں آل محمد سے محبت رکھتا ہوں اور لوگ اسکو گناہ سمجھتے ہیں اور اگر یہ گناہ ہے تو ایسا گناہ ہے جس سے میں کبھی توبہ نہ کروں گا اور یہ کہ محبت اہلبیت قرآن سے فرض

کی گئی ہے اور جوان پر درود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں ہوتی پھر شافعی یہ بھی کہتے ہیں کہ علی کی محبت کی وجہ سے لوگ مجھ پر طعن کرتے ہیں مگر کوئی یہ تو بتا دے کہ کیا بجز علی کے سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ کا کوئی اور کفو بھی تھا اور کیا کسی اور کیلئے بھی سورہ ہل اتیٰ نازل ہوئی ہے"۔ اہل سنّت میں سے تفضیلیہ کے نام سے بھی کچھ لوگ یا ایک فرقہ مشہور ہے جو حضرت علی علیہ السلام کو بعد پیغمبر خدا سب سے افضل جانتا ہے۔ بعض سنّی حضرات اپنے آبا و اجداد سے حضرت علی کی افضلیت کے قائل ہونیکو ورثہ پاکر بخلاف قول حضرت ابوحنیفہ حضرت علی کی افضلیت کے قائل ہیں اور بعض ایسے بھی دیکھنے میں آئے جو کچھ کتابیں پڑھکر اور معلومات حاصل کر کے حضرت علی کی افضلیت کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعض شیعہ بھی ہوجاتے ہیں۔ اہل طریقت اور صوفیائے کرام تمام تر حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے بھی کوئی چالیس سال قبل اپنے اخبار منادی میں اعلان کیا تھا کہ وہ معہ اپنے کئی لاکھ مریدوں کے تفضیلیہ ہیں۔ یزید نامہ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۰ء کے صفحہ پر مولانا موصوف فرماتے ہیں۔ عالم تقریر کی کیفیت کچھ اور ہے۔ دیدن و فہمیدن کے بعد وہاں گفتن کی گنجائش نہیں۔ نظر فردانیت کی دید و فہمید علی کے سوا کچھ نہیں پاتی۔ جناب مولانا حکیم سید محمود گیلانی صاحب (سابق کارکن جماعت اہل حدیث) اپنی کتاب ایلیا علیہ السلام میں صحف انبیائے سلف و کتب سماویہ میں پنجتن پاک و ائمہ طاہرین علیہم السلام کے تذکرہ کا حال لکھتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کی مشکل کشائی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں: "حضرت ایلیا علیہ السلام بہا تمابدھ سے فرماتے ہیں۔ میرے اصلی اور حقیقی رنگ میں تمہارے سامنے آنے کی علامت یہ اور صرف یہ ہو گی کہ جب کبھی کسی مشکل مصیبت میں یاد کروگے تمہاری مدد کو فوراً پہنچ جاؤں گا"۔ اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں:- "علی سے عقیدت اور تولا رکھنے والا کون نہیں جانتا کہ آپ ہر دکھ کی دوا اور ہر مشکل میں حاجت روا ہیں۔ اگر خلوص دل سے حضور کا دامن پکڑا جائے تو انشاء اللہ بلا تاخیر مشکل کشائی ہوتی ہے اور مانگنے والے کو در علی سے سب کچھ ملتا ہے"۔ اس کتاب کے باب پانزدھم میں ہم نے بعض صوفیائے کرام کے خیالات کو درج کیا ہے۔ حضرات شیعہ تو حضرت علی کے نام پر جان دیتے ہیں اور ہر سانس میں علی کو یاد کرتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے ان کا یہی وظیفہ ہے اور بعض شیعہ ایسے بھی ہیں کہ نیند کی حالت میں بھی ہر کروٹ پر یا علی کہتے ہیں اور بعض نیند میں وقفہ وقفہ سے اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمد و آل محمد کہتے جاتے ہیں۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب Hazzarat Ali As An Amir کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں:-

The fact cannot be concealed that this great, divine and wonderful Mujahid has been greatly misunderstood and has been misrepresented by many with selfish ends, but the personal qualities and the native endowments in Ali are so wonderfully impressive that even the worst of his enemies could not help adorns and respecting him for the divinity that manifested from him.

The glory which manifested from the personal conduct and the character of Ali was so much and so strong that some weak in mind were even misled to hail him as God himself.

ایک یورپین سیاح رالف پیٹرسن گوبولڈ اپنی کتاب ہندھر موسٹ ایشیا کے باب ہفتم میں جس کا عنوان ہے" بارٹرنگ سے گزرتے ہوئے دلائی وام تک صـ۱۶۹ پر لکھتا ہے کہ وسطِ ایشیا کے اس کوہستانی علاقہ میں سے وہ بہ ہزار دقت گزر رہا تھا کہ اسکی نظر ایک بڑے مزار پر پڑی۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت علی پیغمبر اور ان کے دونوں صاحبزادوں حسنؑ اور حسینؑ کا مزار ہے۔ یہاں کے لوگ حضرت علیؑ کو پیغمبر جانتے ہیں اس مزار سے گزرتے وقت اس کو چھو کر اور اپنی داڑھی مَس کر کے تعظیم دیتے ہیں۔ علامہ مناظر احسن صاحب گیلانی (سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد) اپنی کتاب ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی میں حضرت علیؑ کے متعلق لکھتے ہیں" باوجود دیکھنے کے جو نہیں دیکھنا چاہتے انکو کیسے دکھایا جاسکتا ہے۔ حضرت علی پر تنقید کرنے والوں کی طرف سے جب اس قسم کی باتیں میرے کانوں میں پہنچتی ہیں تو ہمیشہ دل میں یہ خیال آیا کہ علی کی پچھلی زندگی پر تنقید کرنے والے ان کی زندگی کے ابتدائی خدمات سے اپنے آپ کو کیوں اندھا بنا لیتے ہیں۔۔۔۔ میں پوچھتا ہوں قادسیہ میں جو کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی کیا بدر کی فیصلہ کن کامیابی کے بغیر نصیب ہوسکتی تھی۔۔۔۔ یرموک کی فتح پر شادیانے بجانے والوں سے کون پوچھے کہ اے محسن کشور یرموک پر تم پہنچ بھی نہیں سکتے تھے اگر کھولنے والا آنم پر خیبر کے پہاڑی قلعوں کو کھول نہ دیتا لوگ یقیناً حافظہ کے کمزور ہوتے ہیں۔ لیکن کیا اتنے کمزور کہ ہر دوسرے قدم کو اٹھانیکے بعد دماغ سے یہ بات نکل جائے کہ دوسرا قدم اُٹھ ہی نہیں سکتا۔ اگر پہلا قدم نہ اُٹھتا۔ یہ فطرت کی انتہائی دنائیت اور گندگی ہے کہ جس نے سارے جسم سے کانٹوں کو نکالا۔ اس کے احسانوں کا صرف اس لئے انکار کردیا جائے کہ آنکھ جب کھلی تو اس وقت ہمارے سامنے صرف وہی تھا جس نے آخر میں آنکھ کے کانٹوں کو کھینچ لیا"۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کی وہ ذات ہے کہ جیسا اختلاف اس ذات کے متعلق لوگوں نے پیدا کیا ہے اس کی نظیر دُنیا میں نہیں ملتی۔ ان سب حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے۔ جب آیت عم یتسائلون عن النباء العظیم الذی ھُم فیہ مختلفون پڑھی جائے تو اس نباءِ عظیم کا مصداق جس کے متعلق لوگ اختلاف کرتے ہیں اور کوئی نظر نہیں آتا اور یہ امر ثابت ہوجاتا ہے کہ جس امر کے متعلق (بموجب متعدد دیگر آیات و روایات کے) قبر و قیامت میں سوال کیا جانے والا ہے وہ ولایت و امامتِ حضرت علی علیہ السلام ہے اور وہ نباءِ عظیم جس کی خبر حتمی مرتبت دے گئے ہیں حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

(۱۲) آیت سوال حشر

وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (سورہ صٰفٰت آیت ۲۴) ترجمہ:- ان کو ٹھیراؤ تو ان سے کچھ پوچھنا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن عباس نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خُدا نے فرمایا کہ علی ابن ابی طالب

ولایت کا اہلِ محشر سے سوال کیا جائے گا۔ نیز امام واحدی اپنی تفسیر میں اور ابوبکر ابن مردویہ اور دیلمی فردوس الاخبار میں ابو سعید خدری اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ "وقفوہم انہم مسئولون" جناب امیر کے حق میں وارد ہوئی ہے کہ ٹھہرا کر ان لوگوں کو ابھی ان سے پوچھنا ہے قیامت کے روز علی کی ولایت سے۔ احمد بن حنبل مناقب میں لکھتے ہیں کہ جب عبداللہ ابن عباس کی وفات کا وقت قریب آیا تو دعا مانگنے لگے اے پروردگار علی کی ولایت کے سبب سے تیرا قرب چاہتا ہوں۔ بعض علمائے اہلِ سنت کا خیال ہے کہ یہ سوال عمومی طور پر اہل بیتِ رسول کی محبت کے متعلق ہوگا یعنی مختص حضرت علی کی ولایت سے متعلق نہ ہوگا امام واحدی کہتے ہیں "حضرت علی اور اہل بیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیونکہ خدا نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا تھا کہ خلقِ خدا کو بتلا دیں کہ اپنی رسالت کی تبلیغ کی کوئی مزدوری اپنے اہل بیت کی مودت کے سوا نہیں چاہتے اس کا مطلب یہی ہے کہ ان سے قیامت میں پوچھا جائیگا کہ تم لوگوں نے نبی کی وصیت کے مطابق علی کی ولایت کو مانا یا یوں ہی معطل چھوڑ دیا۔ ان پر مواخذہ کیا جائے گا"۔ ابو سعید خدری کی روایت سے جو ابن حجر عسقلانی درج کی ہے واضح ہے کہ یہ سوال مختص ولایت حضرت علی کے متعلق ہوگا۔ کیونکہ ایسا سوال جو کسی امر اہم مثل الوہیت و نبوت کے سوال کے ساتھ کیا جائے یقیناً ایک اس کے مماثل امر اہم یعنی ولایت و امامت حضرت علی سے متعلق ہے۔

ابن ابی حاتم کی روایت زبانی سعید بن جبیر اس کتاب میں علیحدہ درج کی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ کچھ لوگ باوجود نماز پڑھنے روزہ رکھنے حج و عمرہ کرنے کے بھی منافق ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ اپنے امام کو نہیں مانتے حضرت رسول کے اس ارشاد کے اعتبار سے علی کی امامت کو تسلیم کئے بغیر روزہ نماز و حج سب نفاق کی تعریف میں داخل ہے۔ ابن مردویہ نے مناقب میں ابو ہارون عبدی سے روایت کی ہے کہ ابو سعید خدری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو کہتے سنا کہ لوگوں کو پانچ چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے چار چیزوں پر عمل کیا اور ایک چیز کو چھوڑ دیا وہ کونسی ہے کہا وہ علی ابن ابی طالب کی ولایت کا اقرار ہے۔ پوچھا کیا یہ ان چار چیزوں کے ساتھ فرض ہے۔ کہا ہاں۔ کیا اسکا مطلب یہ ہوا کہ لوگ کافر ہوگئے۔ کہا تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اس آیت قرآنی کے تیور بھی بطور خاص قابلِ غور ہیں کہ ان کو ٹھیراؤ تو ان سے تو ابھی پوچھنا ہے" یعنی انداز اس قسم کے ہیں اور اشارتاً یہ مطلب صاف نکلتا ہے کہ بعض اہلِ محشر ویسی ہی مہمل انکاری برتتے ہوئے جیسی ذاتِ علی سے دنیا میں برتتے رہے ایک دو سوالوں کا کچھ جواب دے کر یہ سمجھ کر کہ چلو چھٹی ہوئی آگے نکل جانے کی کوشش کرینگے مگر ارشاد داورِ محشر ہوگا "کدھر جاتے ہو ٹھیرو ابھی تو اصل بات پوچھنے کی ہے" واضح رہے کہ متذکرہ صدر سب سنی علماء کی روایتیں اور تفسیر ہے اور ساتھ ہی بڑی کان کھولنے والی تنبیہ ہے کہ روزِ محشر علی کی ولایت کے متعلق سوال ہونے والا ہے۔ ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول لے کہ علی کی ولایت کو مانتا ہے یا نہیں اور آیا روزِ حشر کے اس سوال کے جواب کے لئے تیار ہے اور پھر یہ بھی دیکھ لے کہ "ولایت" کے معنی وہ سمجھتا بھی ہے یا نہیں۔ اور اس کو اندازہ ہے یا نہیں کہ ولایت علی کو ماننے کا کیا مطلب ہوتا ہے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ منھ سے علی کو اور عمل سے کسی اور کو مانتا ہو۔ منھ سے کہنے اور دل میں راسخ ہو کر عمل اختیار کرنے میں بڑا فرق ہے۔ رسائی قسمت سے کوئی اس راستہ پر لگ بھی گیا تو۔ شعر:۔ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے۔

۱۶ ۔ سَوْفَ تُسْئَلُوْنَ

وَسَوْفَ تُسْئَلُونَ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا (سورۂ زخرف آیت ۴۴ و ۴۵) ترجمہ:۔ اور عنقریب ہی باز پرس کی جائے گی اور (اے رسول) ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے تھے ان سب سے دریافت کر دیکھو۔

تفسیر نیشاپوری جلد ۳ صفحہ ۳۲۹ پر عبداللہ بن عباس اور عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ شب معراج میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ اپنے قبل کے انبیاء سے پوچھئے کہ وہ کس بات پر پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے جب ان پیغمبروں سے پوچھا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپ کی رسالت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت کے اقرار پر ہم پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت رسول خدا کی نبوت کے ساتھ ساتھ حضرت علی مرتضیٰ کی ولایت کا ماننا بھی تمام انبیائے سلف پر لازم ہے بالفاظ دیگر ان انبیائے سلف کی نبوت کا دار و مدار ہی سردار انبیاء سرکار دو عالم کی نبوت اور حضرت علی مرتضیٰ مولائے کونین کی ولایت کے اقرار پر ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد حضرت رسول سے ہے کہ اپنے قبل کے پیغمبروں سے پوچھ دیکھو جو انبیاء گزر چکے ان سے اب دریافت کرنے کا حکم ظاہر بظاہر عالم روحانی یا موقع معراج سے تعلق رکھتا ہے ورنہ انبیائے پیشین سے اب حضرت رسول کے سوال کا موقعہ نہ تھا۔ چنانچہ حضرت رسول نے اس کی وضاحت فرما دی کہ آپ نے معراج میں انبیائے سلف سے دریافت فرمایا اور انھوں نے متذکرۂ صدر جواب دیا۔ پس معلوم ہوا کہ وہ امر اہم جس کے متعلق باز پرس کی جانے والی ہے وہ رسالت حضرت رسول اور ولایت حضرت علی ہے۔ اس آیت کی پوری تائید آئیہ نبا عظیم اور آیت وقفوھم انھم مسئولون سے ہوتی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

ان بلند مدارج کا فہم میں لانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں چونکہ ولایت علی پر ایمان رکھنا ہر شخص یعنی انبیائے سلف تک پر لازم ہے اس لئے شیعہ کلمہ میں الفاظ علی ولی اللہ بھی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے بعد موجود ہیں جن سے مومن کا مکمل عقیدہ ظاہر ہوتا ہے۔ گلبرگہ شریف میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینی کے روضہ خورد کے باب داخلہ پر بھی کلمہ اس طرح لکھا ہوا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔

۱۷ ۔ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ ؁ (سورۂ بقر آیت ۱۲۴)

ترجمہ:۔ میں تم (ابراہیمؑ) کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں (حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی) اور میری اولاد میں سے: فرمایا (ہاں مگر) میرا یہ عہد ظالمین سے متعلق نہیں۔ اس آیت کو ہم باب اول میں درج کر چکے ہیں۔ اس کا اعادہ بے فرور ہے۔ اتنا اشارہ کافی ہے کہ حضرت رسول اور اہل بیت رسول حضرت ابراہیم ہی کی ذریت ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قطعی وعدہ ہے کہ حضرت رسول کی ذریت میں امامت عطا ہوگی۔ اس ارشاد باری میں ایک امر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

۱۵۔ الف۔ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ (آل عمران آیت ۸۱)۔ ترجمہ: جس وقت خدا نے نبیوں سے میثاق لیا کہ جب میں تم کو کتاب و حکمت کے کچھ حصے عطا کروں پھر اسکے بعد وہ رسول آئے جو ان تمام امور کی تصدیق کرے جو تمہارے ساتھ ہیں تو تمہارا فریضہ ہے کہ اُس پر ایمان لاؤ اور اسکی نصرت کرو۔ رب العزت نے کہا کیا تم نے اقرار کیا اور ان باتوں پر جنکا ہم نے تم سے اقرار لیا ہے ہمارے عہد کا بوجھ اٹھالیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کر لیا۔ ارشاد ہوا تو تم اس قول و قرار پر آپس میں ایک دوسرے کے گواہ رہنا اور تمہارے ساتھ میں بھی گواہوں میں سے ہوں۔

حضرت ختمی مرتبت کے درجاتِ ارفع و اعلیٰ کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تمام انبیاء کو بتاکید پابند کیا گیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپکی نصرت اپنے اپنے زمانہ نبوت میں کرتے رہیں۔ حضرت ختم المرسلینؐ پر ایمان لانے کو اللہ تعالیٰ نے اتنی اہمیت دی کہ انبیاء سے اقرار لیکر حکم دیا کہ ہر نبی اس واقعہ پر ایک دوسرے کا گواہ رہے اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کو اس واقعہ کا گواہ قرار دیا۔ جب اس اقرار کی تفصیل حضرت رسولِ خدا سے پوچھی گئی تو معراج کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت سرور کائنات نے فرمایا کہ انبیاء سے یہ اقرار میری نبوت اور علی مرتضیٰ کی ولایت پر ایمان لانے اور ہماری نصرت کرنیکا لیا گیا تھا۔ حضرت رسول کے اس ارشاد کو تفسیر نیشاپوری جلد ۳ صفحہ ۳۲۹ پر بروایت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن مسعود تفصیل سے درج کیا گیا ہے۔ اس حکم ربانی و اقرارِ انبیاء کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر نبی حضرت خاتم النبیین کے آنے کی بشارت اور ان پر ایمان لانے کی تلقین کرتا رہا اور آپ کے ساتھ ایلیا (علی) کے آنے اور انکے قوتِ پروردگار ہونے کا اعلان کرتا رہا اور اپنی مصیبت کے وقت علی مرتضیٰ سے طالب امداد بھی ہوتا رہا۔ جیسا کہ سابقہ تمام کتب سماوی توریت و انجیل و زبور وغیرہ میں ان دونوں ذواتِ قدسیہ کے متعلق بشارتیں موجود ہیں اور پنجتن پاک سے استمداد اور بطور خاص علی مرتضیٰ کو مدد کیلئے پکارنے کا ثبوت لوحِ سلیمانی اور سفینۂ نوحؑ میں لگی ہوئی تختی کے مندرجات سے پوری طرح ملتا ہے جسکا ذکر اسی کتاب کے باب پنجم میں کیا گیا ہے۔ نیز حضرت رسول کا ارشاد کتب احادیث میں موجود ہے (جنکا حوالہ علیحدہ آیا ہے) کہ علی تمام انبیاء کی خفیہ طور پر مدد کرتے رہے اور میرے ساتھ ظاہر بظاہر کارفرما رہے۔

بود باد جملہ انبیاء در سر　　:　　بود با مصطفیٰ نبی جہرا　　(شمس تبریزؒ)

احادیث سے ثابت ہے کہ معراج میں بھی علی مرتضیٰ سرور کائنات کے ساتھ موجود تھے۔ جیسا کہ شمس تبریزؒ بھی فرماتے ہیں:

آں شاہِ سرافراز کہ اندر شبِ معراج　　:　　با احمدِ مختار یکے بود علی بود

اس آیت قرآنی (آل عمران ۸۱) کی مزید صراحت سورۂ زخرف کی آیات ۴۳ تا ۴۵ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ سے ہوتی ہے جسکو ہم نے اسکے بعد ہی کے سلسلہ پر درج کیا ہے۔

حضرت ابراہیم کی ذریت یعنی حضرت رسول اور ان کے خاندان کو امامت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور شرط صرف اتنی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ظالم ہو تو اس سے یہ وعدہ متعلق نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے امام نہیں بن سکتا اور تیسرے یہ کہ امام وہی شخص ہو سکتا ہے جس سے ظلم منسوب نہ کیا جا سکے یعنی جو معصوم ہو۔

۱۵- آتینا آل ابراہیم الکتاب

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا (سورۂ نساء ۵۴) ترجمہ:- ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی اور بہت بڑی سلطنت بھی دی۔" یہ امر مسلمہ ہے کہ آلِ ابراہیم محمد و آلِ محمد ہیں اور کتاب سے مراد قرآن اور ملک عظیم سے مراد امامت ہے جس کا اقتدار سارے عالم پر ہوتا ہے۔

۱۶- و من ذریتنا امۃ مسلمۃ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ (سورہ بقرآیت ۱۲۸) ترجمہ:- "اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ (پیدا کر) جو تیرا فرماں بردار ہو۔" اس آیت میں حضرت ابراہیم کی دعا درج ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کو اپنا فرماں بردار بنائے اور ان کی ذریت سے ایک گروہ پیدا کرے جو خدا کا فرماں بردار ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دعا حضرت رسول اور اہلِ بیتِ رسول ائمہ طاہرین ہی سے متعلق ہے کیونکہ حضرت رسول اور آل رسول حضرت ابراہیم ہی کی ذریت ہیں۔ اس آیت کی مزید توضیح سورۂ بقر کی آیت ۱۲۴ سے ہوتی ہے جو اوپر درج ہوئی۔

۱۷- ان اللہ اصطفیٰ

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (سورۂ آل عمران ۳۳) ترجمہ:- "بیشک خدا نے آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو سارے جہان سے برگزیدہ کیا ہے۔ بعض کی اولاد کو بعض سے۔" اس آیت میں رب العزت نے برگزیدگی کے اعتبار سے زیادہ زور بعض ذریتوں پر دیا ہے۔ آدم اور نوح کی آل کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ پروردگار عالم نے یقیناً پسر نوح (کنعان) اور پسر آدم قابیل (اپنے بھائی ہابیل کے قاتل) کے مدِ نظر آل آدم اور آلِ نوح کی برگزیدگی کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ صرف آدم و نوح کا ذکر فرمایا اور جن کی ذریت میں بطورِ خاص برگزیدگی عطا فرمائی گئی ہے ان کا ذکر فرمایا۔ یعنی آلِ ابراہیم اور آلِ عمران۔ قطع نظر ان روایتوں کے کہ اس آیت میں آلِ عمران کے بعد آلِ محمد کے الفاظ بھی موجود تھے حضرت رسول اور آلِ رسول حضرت ابراہیم کی ہی ذریت ہیں۔ خود ابراہیم کی برگزیدگی کا ذکر اس میں نہیں ہے بلکہ آلِ ابراہیم کا ذکر ہے۔ اس طرح عمران کا ذکر نہیں بلکہ آلِ عمران کا کہ مریم بنت عمران سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ پھر آیت میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ بعض کی ذریت کو بعض کی ذریت پر ترجیح حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ترجیح کا اشارہ حضرت ابراہیم کی ذریت یعنی محمد و آلِ محمد کی طرف ہے۔ مواہب لدنیہ اور درِ منثور میں ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت رسول آلِ ابراہیم ہیں اور محمد و آلِ محمد حضرت ابراہیم کے اہل بیت ہیں۔ تفسیر ثعلبی میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے جمع کئے ہوئے نسخہ

قرآن میں (جنھوں نے قرآن کا ایک حصّہ خود حضرت رسول سے اور ما بقی حصّہ حضرت علی سے پڑھا تھا) آل عمران کے بعد آل محمّد کے الفاظ بھی تھے۔ اِس سے ہم نے علیحدہ بحث کی ہے۔ محمد و آلِ محمد بہر صورت آلِ ابراہیم میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان لوگوں کا منتخب کیا جانا ثابت ہے جس کی تائید میں اور بھی کئی آیات ہیں جو اپنے موقعہ پر درج ہوئی ہیں۔ اصطفیٰ کے معنی انتخاب کر لینے کے ہیں اور اسی سے لفظ مُصطفیٰ ہے جو ہمارے رسول کا لقب ہے۔

۱۸- نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ (سُورۂ قصص آیت ۵)۔ ترجمہ: اور ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو اس زمین میں کمزور کر دیئے گئے ہیں احسان کریں اور ان کو امام بنائیں اور ان کو وارث قرار دیں۔ اِس آیت میں تین اُمور واضح ہیں (۱) پہلا یہ کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس دُنیا میں کمزور کر دیئے گئے (۲) دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان لوگوں کو امام بنایئے (۳) تیسرے یہ کہ ان کو وارث بھی قرار دے۔ پہلے امر کے متعلق یہ بات دُنیا پر ظاہر ہے کہ اہلِ دُنیا و مدعیانِ خلافت نے آلِ رسول پر کیا کیا مظالم ڈھائے اور دُنیا میں کس طرح ان کو کمزور کر دیا۔ بارہ اماموں میں سے (بجز صاحب عصر کے جو پردہ غیب میں ہیں) پورے گیارہ کے گیارہ کو یا تو تلوار سے شہید کیا گیا یا تیغ خنجر تیر و سنان سے یا پھر قید و بند میں مبتلا کر کے زہر سے شہید کیا گیا۔ حضرت رسول خدا کی حیات میں کیا شان حضرت علی مرتضیٰ کی تھی اور آپ کا کیا رُتبہ حضرت رسول کی آنکھوں میں تھا۔ اسی طرح شاہزادگان حسن و حسین کو کس طرح رسول خدا آنکھوں پر چلاتے تھے۔ رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی کیسی کا یا پلٹ ہوئی اور لوگوں کی کیسی آنکھیں پھر گئیں۔ فاطمہ کا گھر جلانے اور علی کے گلہ میں رومال ڈالکر کھینچنے کی نوبت آئی حقوق فاطمہ زہرا و آل محمد چھین کر ان کی گواہیوں کو بھی ناقابل اعتبار ٹھیرایا گیا اور ہر ہر طرح ان ذواتِ مطہرہ کی تنقیص شان کی گئی۔ حضرت پیغمبر خدا کو یاد کر کے حضرت علی کی یہ فریاد صفحۂ تاریخ پر آج تک موجود ہے کہ ان القوم استضعفونی وکادو یقتلوننی" یعنی اس امت نے مجھے کمزور کر دیا اور مجھے قتل کر دینا چاہتی ہے۔ پھر تو آپ کو مسجد میں حالت نماز میں شہید کرنے کی نوبت آئی امام حسن علیہ السلام سے خلع خلافت کروانے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ زہر بھی دیدیا گیا۔ امام حسین علیہ السلام کو کس طرح ظلم سے شہید کیا گیا۔ ہر مسلمان واقف ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو کس طرح پابجولان کر کے ایک مرتبہ اور پھر دوبارہ اسیر کیا گیا اور پھر زہر دیا گیا۔ اسی طرح ہر ایک امام کی قید و بند میں مبتلا کئے جانے اور پھر شہید کئے جانے کی داستان اپنی اپنی جگہ موجود ہے جس کا ذکر باب یازدہم میں آیا ہے۔ بعض آئمہ کا یہ حال رہا کہ "مولا پہ ہر بلائے اسیری گزر گئی کہ زندان میں جوانی و پیری گزر گئی"۔ بعد رسول اس زمین پر اس طرح ضعیف کر دیئے جانے کی تعریف بجز خانوادۂ رسول اور کہیں صادق نہیں آتی۔

جسٹس امیر علی اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام میں لکھتے ہیں:—

The story of the Imams of the house of Mohammed is intensely pathetic. The same fierce jealousy with which the Bani Omayya had pursued and persecuted Bani Fatima, characterised the conduct of the Bani Abbas towards the descendants of Mohammed.

چیمبرس انسائیکلوپیڈیا ۱۹۵۵ء ایڈیشن جلد ۱۲ صفحہ پر یہ درج ہے:-

"The Caliph's kept a strict watch on the Imam, several of whom were put to death"

غرضکہ بعد رسول خانوادہ رسول کا کمزور اور بے اثر کر دیا جانا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ امر دوم یعنی عطائے امامت کے متعلق متعدد آیات قرآنی اور ارشادات پیغمبر موجود ہیں جن کا ذکر علیحدہ آیا ہے کہ آل رسول ہی کو امامت عطا ہوئی ہے۔ اس آیت میں وارث قرار دیئے جانے کا بھی ذکر ہے۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ وارثان کتاب خدا اور وارثان اوصاف انبیا اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں۔ اس طرح یہ امر ظاہر ہو گیا کہ وہ لوگ جو دنیا میں کمزور کر دیئے گئے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے امامت عطا فرمائی اور وارث کتاب بھی قرار دیا وہ دوازدہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں اور یہ آیت ان ہی کی شان میں ہے۔

۱۹- کونو مَعَ الصّادِقِین يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (سورہ توبہ آیت ۱۱۹) ترجمہ:- اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین (سچوں) کے ساتھ ہو جاؤ۔ امام ثعلبی اور جلال الدین سیوطی نے تفسیر میں حافظ ابو نعیم اصفہانی نے ما نزل من القرآن فی علی میں محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ اور تاریخ محدث شام میں درج ہے کہ اس آیت سے پیغمبر اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام مراد ہیں۔ نیز ابو بکر ابن مردویہ اور خطیب نے مناقب میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ صادقین سے مراد علی ابن ابی طالب اور ان کی اولاد یعنی ائمہ ہیں نیز ابن عساکر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ صادقین سے مراد حضرت علی اور ہم آل محمد ہیں۔ امام مالک ابو یوسف اور جوینی نے بھی یہی لکھا ہے۔

۲۰- حَبْلُ اللّٰه وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (سورہ آل عمران آیت ۱۰۳) ترجمہ:- مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔

ثعلبی اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ خدا کی رسی ہم ہیں۔ نیز بریدہ اسلمی سے روایت ہے کہ حبل اللہ سے مراد علی اور آپ کے اہلبیت ہیں۔ اس آیت کا ذکر ہم نے باب اول میں بھی کیا ہے۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

۲۱- لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ (سورہ زخرف آیت ۶۱) ترجمہ:- "اور وہ تو یقیناً قیامت کی ایک روشن دلیل ہے" - ابن مغازلی فقیہ شافعی نے مناقب میں اپنی اسناد کے ساتھ

جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی و ان علی لعلم للساعۃ یعنی بیشک علی قیامت کی ایک روشن دلیل ہے۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ مقاتل بن سلیمان اور ان کے اتباع کرنے والے مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت مہدی موعود ابوالقاسم محمد بن حسن عسکری کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ سیوطی نے درمنثور میں بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔

۲۲۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى | وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (سورۂ والنجم کی ابتدائی آیتیں ا تا ۴)

ترجمہ:۔ ستارے کی قسم جب ٹوٹا کہ تمہارا رفیق (محمدؐ) نہ گمراہ ہوا نہ بہکا۔ اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ کلام ہی نہیں کرتا اور یہ تو بجز وحی کے اور کچھ نہیں جو اس پر بھیجی جاتی ہے۔ مناقب ملا ابوالحسن بن مغازلی شافعی اور شرف المصطفیٰ ابو حامد شافعی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ ہم ایک دفعہ بنی ہاشم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت رسول کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاقاً ایک ستارہ ٹوٹا یہ دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ یہ ستارہ جس کے گھر میں گریگا وہی میرے بعد میرا وصی ہوگا۔ یہ سنکر لوگ اس کے دیکھنے کے واسطے اٹھے تو دیکھا وہ علی ابن ابی طالب کے گھر میں گرا تو لوگ گستاخانہ کہنے لگے یا رسول اللہ آپ علی کی محبت میں گمراہ ہوگئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوبکر ابن مردویہ نے ابوالحمراء اور حبۃ العرنی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے حضرت علی کے سوا جتنے دروازے مسجد میں تھے سب بند کر دینے کا حکم دیا تو یہ لوگوں پر گراں گزرا حبۃ العرنی کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ حمزہ بن عبدالمطلب سرخ چادر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ کہہ رہے تھے کہ تم نے اپنے چچا کو اور ابوبکر و عمر اور عباس کو نکالا مگر اپنے چچازاد بھائی علی کو جگہ دی اس پر ایک آدمی بول اٹھا کہ اگر رسول نے اپنے چچازاد بھائی کا درجہ بلند کیا تو لوگوں نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ یہ خبر حضرت رسول تک پہنچی تو آپ نے سب لوگوں کو نماز کے وقت بلا بھیجا اور منبر پر تشریف لیجا کر ایک ایسا خطبہ فصیح و بلیغ ارشاد فرمایا کہ لوگوں نے کبھی نہ سنا تھا۔ جب خطبہ تمام ہو چکا تو فرمایا ایہا الناس میں نے اپنے جی سے دروازوں کو بند کیا اور نہ اپنے جی سے کھلا رکھا اور نہ اپنے جی سے تم لوگوں کو نکالا اور نہ اپنے جی سے علی کو جگہ دی ہے۔ اس کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئیں:۔ والنجم اذا ھوا.......

۲۳۔ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ | يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (سورۂ نساء آیت ۵۹) ترجمہ:۔ اے ایمان والو اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو تم رسول کی اور اس کی جو تم میں صاحب امر ہے“۔ محدث میر جمال الدین حسینی نے روضۃ الاحباب میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ..... نازل ہوئی تو میں نے حضرت رسول خدا سے عرض کیا کہ میں نے خدا اور رسول کو تو پہچانا مگر اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت کو خدا نے فرض کیا ہے۔ اس پر حضرت رسول نے ارشاد فرمایا کہ اولی الامر میرے بارہ خلفا علی ابن ابی طالب تا محمد مہدی بن حسن العسکری ہیں اور پورے

بارہ نام بھی فرمائے، اِس حدیث کا ذکر باب چہارم سلسلہ مرا پر کیا گیا۔ اولی الامر دوازدہ ائمہ اہل بیت اطہار ہونا متعدد دیگر احادیث سے بھی ظاہر ہے جن میں اُمت کے لئے اہل بیت اطہار کی پیروی کو حضرت رسول نے لازم گردانا ہے۔ کشف الغمہ میں بروایت جابر بن عبداللہ انصاری درج ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ اہلبیت اطہار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کوکب دری میں علامہ صالح کشفی ترمذی نے بھی یہی روایت درج کی ہے۔ مرزا محمد بدخشی نے اپنی کتاب مفتاح النجا میں اِسی روایت کو درج کیا ہے۔ شیخ سلیمان بلخی قندوزی نے ینابیع المودۃ میں ایک خاص باب اِس آیت کیلئے مختص کیا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ آیت جناب امیر علیہ السلام اور دیگر ائمہ اہلبیت کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ نیز سلیمان بلخی نے اپنی کتاب کے حصہ مناقب میں تفسیر مجاہد کے حوالہ سے درج کیا، کہ آیت اولی الامر منکم اس وقت نازل ہوئی جب غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت رسولِ خدا نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ نیز سلیمان بلخی نے حموینی، حسن بن صالح، سلیم بن قیس الہلالی اور ابن مغازلی کی روایتوں سے بھی اس آیت کا حضرت علی اور دیگر ائمہ اہلبیت کے حق میں نازل ہونا لکھا ہے۔

بعض لوگ اولی الامر کے معنی اپنے مقرر کردہ یا قہر و غلبہ سے قابض حکومت ہوجانے والے حاکم ظاہری کے لیتے ہیں جس میں کسی قماش کا بھی شخص داخل ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی بھی فاسق و فاجر ظالم و جابر بادشاہ یا حاکم وقت ہو اس کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے، اب ہم ذرا عقلی اور منطقی نقطہ نظر سے اِس آیت کے بعض پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔ اگر اولی الامر کے معنی یہ لئے جائیں کہ ہمارا انتخاب کردہ یا مقرر کردہ شخص ہے تو دراصل اولی الامر وہ نہ ہوا بلکہ ہم ہوئے، وہ اولی الامر کس طرح ہوگا جس کا عزل و نصب خود ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن پر اس کو امر کرنا ہے۔ صاحب امر تو وہ ہوگا جو اختیارات کا خود منبع ہو اور نہ صرف لوگوں میں سے انفرادی طور پر حکم کرسکتا ہو بلکہ لوگوں کے پورے اجتماع کی رائے کچھ اور بھی ہو تو اُسی اولی الامر کا حکم ان سب پر غالب ہو، یہ مسلّم ہے کہ جہاں جمہوریت کا سوال ہو اقتدار اعلیٰ جمہور کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور جمہور کی رائے کے خلاف ان کا مقرر کردہ شخص حکم چلانا چاہے تو جمہور جس وقت چاہے اس کو علیحدہ کرسکتی ہے ایسی صورت میں نہ تو وہ صاحب امر ہی باقی رہے گا اور نہ امر چلانے کا سوال ہوگا۔ لہٰذا حقیقی صاحب امر جمہور کا مقرر کردہ شخص نہیں ہوسکتا پھر اگر منصب اولی الامر صرف دنیوی بادشاہت سے متعلق ہوتا تو اور بات تھی کہ دنیاوی امور کو چلانے مصلحتاً یا مجبوراً اس بادشاہ کی بات مان لیجائے مگر جہاں امور دینی اور خلافت رسول کا سوال ہو جو درحقیقت خلافت الہیہ ہے اور حق و باطل ایمان و کفر کا سوال درپیش ہو تو اولی الامر ایسا ہی کوئی ہونا پڑے گا جو رموز الہیہ سے واقف ہو غلطی اور خطا سے بری ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام کا نفاذ کرے اور حق نیابت ادا کرسکے۔ جس شخص کو ہم اپنی مصلحتوں سے مامور کردیں وہ اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں اور اس کے احکام و منشاء سے کہاں واقف ہوجائے گا، ہماری اغراض اور ہیں اللہ تعالیٰ کے مصالح اور ہیں ہم جس کو مامور کردیں اس میں وہ عصمت و علم اور وہ قدرت کہاں سے آجائیگی جو نیابت الہیٰ کو

انجام دینے کے لئے ضروری ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نائب بندے کیسے مقرر کریں گے۔ یہ امر ہمیشہ ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ خلافت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے حکم انی جاعل فی الارض خلیفہ پر ہے اور خلافت رسول بھی درحقیقت نیابت الٰہی ہے جیسا کہ آنحضرت کا ارشاد ہے۔ انا سر الانبیاء والمرسلین ولسان الناطقین وخلیفہ رب العٰلمین۔ اولی الامر "یعنی" صاحب امر" کے معنی سمجھنے میں کلام پاک کی ایک اور آیت ہمارے لئے راستہ صاف کر دیتی ہے اس کے نزول کا محل یہ تھا کہ جب جنگ احد سے بہت سے صحابہ رسول بھاگ کر ادھر اُدھر جا چھپے اور بالآخر مدینہ پہونچے تو ان میں سے بعض کہنے لگے کہ ہماری تو پہلے ہی سے رائے تھی کہ باہر نکل کر لڑنے کا قصد نہ کیا جائے بلکہ گھروں کی آڑ لے کر لڑنا چاہیئے مگر رسول نے ہماری بات نہ مانی اور ناحق لوگوں کا خون کروا دیا۔ رسول ہم کو رازدار کیوں نہیں بناتے اور اپنے امر میں ہم کو دخل کیوں نہیں دینے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ساری گفتگو کا ذکر اور اس کا جواب سورہ آل عمران کی آیت ۱۵۴ میں اس طرح فرمایا ہے (اسی سورہ میں جنگ احد سے متعلق دیگر امور اور مسلمانوں کی جہاد سے فراری کا ذکر بھی ہے)۔ وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شیئ قل ان الامر کلہ للہ۔ یعنی ایک گروہ جن کو اس وقت (بھاگنے کی شرم سے) جان کے لالے پڑے تھے خدا کے ساتھ زمانہ جاہلیت کی سی بدگمانیاں کرنے لگے (اور) کہنے لگے کیا امر کرنے میں ہمارا ذرا بھی دخل نہیں (تو) (اے رسول) کہدو امر کا اختیار کل کا کل اللہ ہی کو ہے۔ جہاں لوگوں نے امر میں اپنا دخل قائم کرنا چاہا وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو واضح فرما دیا کہ امر کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ قرآنی اعتبارات میں امر گویا اللہ ہی سے متعلق ہے۔ اسی کی ہم معنی اور بھی کئی آیات قرآنی ہیں مثلاً ان الحکم الا اللہ (سورۂ یوسف آیت ۶۷) یعنی حکم خدا ہی کے واسطے ہے للہ الامر من قبل ومن بعد (سورہ روم آیت ۴) یعنی پہلے اور بعد (ہر زمانہ میں) امر کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ حضرت رسول تک بھی جب کوئی حکم فرماتے تو یہ نہیں فرماتے تھے کہ یہ میرا حکم ہے بلکہ فرماتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور میں اس کو پہنچا رہا ہوں۔ جب امر اللہ ہی کیلئے ہے تو صاحب امر وہ ہے جو امر الٰہی کو عوام تک پہنچائے۔ اللہ کا امر پہنچانے کیلئے مورد امر رب ہونا پڑیگا وہاں سے ربط نہ ہوگا اور حکم حاصل نہ کریگا تو پہنچائیگا کہاں سے۔ لہٰذا صاحب امر وہی ہے جسے اللہ مامور کرے۔ قرآنی معنوں میں ما و شما اولی الامر میں داخل نہیں ہو سکتے امر میں اپنا دخل سمجھنے والوں کے خیالِ خام کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جاہلیت کا گمان قرار دیا ہے۔

اس موقعہ پر ایک اشارہ بے محل نہ ہوگا کہ دین کے کسی معاملہ میں اگر کوئی کہے کہ یہ میرا حکم ہے یا میں فلاں چیز کو حرام کرتا ہوں تو خود بخود اس حکم دینے والے کی جہالت ثابت ہو جائیگی جب تک علّت خلقت ربط اشیاء ربط کائنات پیش نظر نہ ہو حلت و حرمت کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ علم دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ لدنی یا وہبی فرماتا ہے اسی کو علم حضوری بھی کہتے ہیں۔ دوسرا علم وہ جو سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے جس کو علم حصولی کہتے ہیں، علم حصولی رکھنے والا آثار کو دیکھ کر موثر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یعنی جزو سے کل کی طرف جاتا ہے۔ اس کے

برخلاف علم حضوری رکھنے والے کے سامنے سب نقشے عیاں ہوتے ہیں اس کو کہیں جانے کسی سے سیکھنے کی ضرورت نہیں وہ خود اپنی منزل پر اور کائنات اس کے سامنے ہوتی ہے وہ شاہد کائنات ہوتا ہے' خالق کو پہچان کر مخلوق کی طرف آتا ہے اور علت کو پہچان کر معلول کی طرف۔ ایسا ہی علم رکھنے والا ماہیت در ربط اشیاء ان کے خواص اور نفع وضرر کی کیفیتوں سے باخبر ہوتا ہے' اور تب کہیں حلت وحرمت کا حکم دینے کے موقف میں ہوتا ہے اس کے باوجود خاتمیت نبوت کی منزل پر مکمل علم کائنات رکھنے والے سردار انبیاء نے بھی جس کا قول انبیاء کے علم میں حرف آخر ہے جب حلال وحرام کا حکم دیا تو یہ نہیں فرمایا کہ یہ میرا حکم ہے بلکہ ان الامر کلہ للہ کے بموجب اللہ کے حکم کو پہنچایا تو اب اگر درمیان میں کوئی حلال کو حرام کرنے کی کوشش کرے تو ایک طرف تو بحکم قرآن اس پر جاہل کی تعریف صادق آئیگی اور دوسری طرف یہ ظاہر ہو جائیگا کہ وہ مقام خاتمیت سے بالکل واقف نہیں ۔اس جملہ معترضہ کے بعد پھر ہم اصل عنوان کی طرف رجوع کرتے ہوئے ایک اہل طریقت کے قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی مدیر ماہنامہ منادی دہلی اپنے مقالہ "علی مولی وہ جن کو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارا آقا بنایا" مطبوعہ محرم سنہ ۱۳۸۴ھ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "اگر اللہ رہنماؤں کے انتخاب کا حق انسانوں کو دے دیتا اور کہتا کہ تم اپنے میں سے ایک اچھے آدمی کو چن لو تاکہ میں اس کو نبوت کا منصب سونپ دوں تو یہ سمجھی کی ہنڈی بیچ چوراہے میں پھوٹتی کیونکہ ایک طرف تو لوگ یہ چاہتے کہ ان کا نمائندہ نبی ان کی مرضی کے موافق کام کرے اور دوسری طرف نبی کو بھی اللہ کے مقرر کردہ اصولوں کی پابندی سے زیادہ اپنے ووٹروں کی پسند کا خیال رکھنا ہوتا اس طرح نہ ہدایت کا کوئی معیار قائم ہونے پاتا اور نہ نبوت کو کوئی استقلال میسر آتا۔ عقیدہ توحید کی الگ مٹی پلید ہوتی۔ غرض یہ کہ پورا کام ایک تماشہ بن کر رہ جاتا۔" مولانا حسن ثانی نظامی مزید لکھتے ہیں۔ "جس طرح اللہ نے رسول کو اپنی مرضی کے موافق بنایا اسی طرح آخری رسول کے بعد اس کے نائبوں کے لئے بھی ضروری تھا کہ ان کا تقرر بھی عوام کی کج سمجھ کے مطابق نہ ہو بلکہ ان کو اوپر کی اتھارٹی یعنی اللہ و رسول کی طرف سے یہ ذمہ داری سونپی جائے تاکہ وہ ہر امت کے کام اور اپنے قول وفعل کو ووٹروں کی پسند ناپسند کا کھلونا بنانے کی بجائے ہمیشہ حق قائم رکھیں اور حق ہی کی تلقین کریں۔ ہم جب ایمان لائے تو اللہ کے ساتھ اس کے رسول کو بھی مانا اور قرآن کے اس فرمان کو بھی دل وجان سے قبول کیا کہ ہمارا رسول کوئی بات اپنے دل سے بنا کر نہیں کہتا۔ اس کا ہر قول وفعل اللہ کے حکم ومرضی کے موافق ہوتا ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق ہمارے لئے ان برگزیدہ ہستیوں کے سامنے سر اطاعت خم کرنا لازمی ہوگیا جن کو اللہ اور اس کے رسول نے نہ صرف یہ کہ اپنی پسندیدگی کی سند دی تھی بلکہ اپنی طرف سے اتھارٹی بھی عطا فرمائی تھی اور اس طرح ان کو ہدایت اور تزکیہ اور رسول کی نیابت کا حق پہنچا تھا۔"

علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں اولی الامر کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "خدا نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم لازمی طریقہ سے دیا ہے جس کی اطاعت کا حکم دے اس کا معصوم ہونا ضروری ہے اس لئے کہ خدا غیر معصوم کی اطاعت کا

حکم دے نہیں سکتا اور ایسا ہے تو ان کی معرفت بھی ضروری ہے اس لئے کہ اگر معرفت نہ ہوگی تو اطاعت کس کی کرینگے۔ یہ سب کچھ لکھ کر بھی علامہ رازی لکھتے ہیں کہ "اولی الامر سے مراد اجماع امت ہوگا یعنی جس پر اہل حل وعقد اجماع کرلیں۔" قابلِ غور ہے کہ لوگوں کے اجماع سے کسی شخص کے اگلے پچھلے گناہ سب دھل کر وہ معصوم کیسے ہوجائے گا اور خود علامہ رازی نے اولی الامر کے لئے معصوم ہونے کی جو شرط تسلیم کی ہے وہ اجماع سے کیسے پوری ہوجائیگی۔ مولانا شبلی الفاروق صد ۵۳ پر لکھتے ہیں:۔ "امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شائبہ ہے اور امامت کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ مولانا شبلی نے ازالۃ الخفا سے شاہ ولی اللہ صاحب کی حسبِ ذیل تحریر کا بھی حوالہ دیا ہے:" "اوازمیان امت جمعی ہستند کہ جوہر نفس ایشاں قریب بہ جوہر انبیاء مخلوق شدہ وایں جماعت دراصل فطرت خلفائے انبیاء اند در امت"۔ ناظرین غور فرمائیں کہ مولانا شبلی اور شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ تحریریں علامہ فخرالدین رازی کی تحریر سے کس درجہ مطابقت رکھتی ہیں کہ امت کے اجماع کر لینے سے کوئی شخص معصوم بن جاتا ہے۔ علامہ فخرالدین رازی تفسیر کبیر جلد ہشتم صد ۶۳۳ پر سورۂ قدر کی تفسیر میں لکھتے ہیں:" حضرت علی نے فرمایا کہ روح اور ملائکہ ہم پر نازل ہوتے ہیں اور سلام کرتے ہیں۔" سورۂ یونس آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ اپنے لئے یُدبر الامر فرماتا ہے سورۂ والنازعات آیت ۵ میں والمدبرات امرًا یعنی قسم ہے ان کی جو عالم کی تدبیر کرنے والے ہیں اور سورۂ ذاریات آیت ۴ میں فالمقسمات امرًا یعنی قسم ہے امر کی تقسیم کرنیوالوں کی فرماتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آخرالذکر دونوں آیتوں میں صیغہ جمع مدبرات و مقسمات استعمال ہوا ہے جو آیت اول الذکر میں یُدبر الامر کے صیغہ واحد سے الگ ہے اور اس طرح مدبرات اور مقسمات اللہ کے کوئی خاص بندے ہیں جو عالم کی تدبیر کرتے ہیں اور امر کی تقسیم کرتے ہیں۔ سورۂ انبیاء آیت ۲۶ و ۲۷ میں ارشاد ہے عباد مکرمون لایسبقونہٗ بالقول وہم بامرہ یعملون یعنی وہ ایسے مکرم بندے ہیں جو کبھی اس کی مرضی کے خلاف کام نہیں کرتے اور اس کے امر کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی اولی الامر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے امر کی تقسیم کرنے والے اور عالم کی تدبیر کرنیوالے بنایا ہے۔ اولی الامر منکم میں لفظ منکم سے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونیکا موقع نہیں ہے کہ ہم میں کا کوئی بھی اولی الامر بن جاسکتا ہے۔ بعثت رسول کے تعلق سے بھی کلام الٰہی کا انداز بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴ میں ارشاد ہے:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ۚ

یعنی اللہ نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہیں نفوس میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ انہیں نفوس میں سے رسول مبعوث کرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ان میں سے کوئی خود رسول بن جاسکتا ہے رسولاً من انفسھم اور اولی الامر منکم کا نہج بالکل ایک ہی ہے۔ جس طرح لوگوں ہی میں سے اللہ تعالیٰ رسول مقرر کرتا ہے۔ اسی طرح لوگوں ہی میں سے اولی الامر مقرر کرتا ہے۔ بعض لوگ اس قسم کا مغالطہ آمیز استدلال کرتے ہیں کہ آپس میں مشورہ کرنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۹ ہے۔ فاعف عنہم واستغفر لہم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ یعنی (اے رسول) ان لوگوں سے درگزر کرو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگو اور اُن سے

کام کاج میں مشورہ کر لیا کرو (مگر) اس پر بھی کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پہ بھروسہ رکھو۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ جب کسی امر کو حضرت رسول بہتر سمجھ کر ٹھان لیں تو پھر مشورہ کی پرواہ نہ کریں اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ اس سے خود مشورہ کی نفی نکل آتی ہے۔ سورہ شوریٰ کی آیت ۳۸ ہے والذین استجابوا لربہم واقاموا الصلواۃ وامرھم شوریٰ بینہم ومما رزقنٰہم ینفقون۔" یعنی جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔" اول تو ان آیات میں عام مومنین اور ان کے آپس کے مشورہ کا ذکر ہے اور پھر وہ جائز دنیوی کاموں سے متعلق ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ مشورہ دینی امور میں کیا جائے۔ مشورہ تو اس بارے میں تو نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کو مانیں یا نہ مانیں، رسول کو رسول سمجھیں یا نہ سمجھیں، نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، قیامت پر اعتقاد رکھیں یا نہ رکھیں، بدیہی بات ہے کہ امور دینی میں مشورہ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اسی طرح جہاں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ زمین پر اپنا خلیفہ میں بناتا ہوں، امام میں بناتا ہوں تو یہ تو نہیں ہو سکتا کہ لوگ باہم مشورہ کر کے اللہ کا کوئی خلیفہ مقرر کر دیں یا کسی کو امام بنا دیں۔

اللہ تعالیٰ کے واضح ارشادات ہیں کہ جمہور یہ بغیر علم کے اپنی نفسانیت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہیں اور جمہور کی پیروی مت کرو ورنہ وہ راہِ خدا سے بھٹکا دیں گے۔ چنانچہ سورۂ انعام کی آیت ۱۱۷ ہے۔ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ہم الا یخرصون۔" یعنی اگر تم دنیا کے جمہور کی پیروی کرو گے تو وہ لوگ تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ یہ (لوگ) تو صرف اپنے خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور یہ لوگ تو صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔" اسی سورہ کی آیت ۱۲۰ میں اسی امر کی اور وضاحت اللہ تعالیٰ نے فرما دی ہے۔ ان کثیرا لیضلون باھوائہم بغیر علم۔ "یعنی بیشک جمہور بغیر علم کے اپنی نفسانیت سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

ان آیات میں جن امور کی طرف واضح اشارہ ہے یہ ہیں کہ جمہور میں علم نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ وہ نفسانیت برتتے ہیں اور غرض ذاتی ان کے پیشِ نظر ہوتی ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ جمہور کو واضح طور پر بے علم نفس پرست اور گمراہ کنندہ فرما چکا ہو تو ایسے جمہور کی طرف سے امام و ہادی کے تقرر کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ علامہ اقبال اسی موقع کے لئے کہتے ہیں:-

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر عقلِ انسانی نمی آید

آیت اولی الامر منکم میں اطاعت کا حکم جس انداز سے دیا گیا ہے وہ بھی قابلِ غور ہے۔ "اطیعو" کا لفظ دو جگہ آیا ہے ایک تو اللہ تعالیٰ کے تعلق سے یعنی اطیعو اللہ اور پھر رسول اور اولی الامر کے تعلق سے یکجائی لفظ "اطیعو" استعمال ہوا ہے۔ یعنی اطیعوا الرسول واولی الامر۔ اطاعت باری تعالیٰ کے بعض مخصوص ابواب ہیں۔ مثلاً اس کی عبادت کی جاتی ہے اس کو سجدہ کیا جاتا ہے اس کی الوہیت کے لوازم مانے جاتے ہیں۔ رسول کی اطاعت اس سے الگ طرح کا انداز

رکھتی ہے رسول حامل شریعت ہوتا ہے اور مسائل شرعیہ کا حکم دیتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کس طرح کی جائے۔ حکم خدا سے ہدایت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کس طرح ادا کئے جائیں۔ اطاعت رسول بہرحال لازمی ہے اور بمصداق آیت من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (سورۂ نساء آیت ۸۰) اطاعت رسول بھی گویا اطاعت خدا ہی ہے۔ کیونکہ رسول جو کچھ حکم دیتا ہے وہ حکم خدا سے دیتا ہے "اطیعو" کا لفظ رسول اور اولی الامر کے ساتھ مشترکاً استعمال ہوا ہے جس کا مطلب صاف یہی ہے کہ اطاعت اولی الامر بھی اسی انداز کی ہے جیسے اطاعت رسول۔ لفظ اطیعو کا دو جگہ علیحدہ استعمال خود اس چیز کو واضح کر دیتا ہے کہ یہ حکم دیتے وقت اطاعتوں کی نوعیت کا لحاظ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر تھا اگر اولی الامر کا مفہوم امور دینی کے اولی الامر سے ہٹ کر امور دنیوی کے بادشاہ یا حاکم وقت سے متعلق ہوتا تو چونکہ بادشاہ کی اطاعت کا انداز رسول کی اطاعت سے علیحدہ نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس لئے لفظ "اطیعو" تیسری مرتبہ لفظ اولی الامر سے پہلے بھی آیت میں استعمال ہوتا' مگر ایسا نہیں ہے بلکہ رسول اور اولی الامر کے ساتھ مشترک لفظ "اطیعو" استعمال ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ اولی الامر کی اطاعت بھی اسی انداز کی ہے۔ جیسے رسول کی اطاعت جب ایسا ہے تو کیا کبھی بادشاہ دنیوی یا لوگوں کے مقرر کردہ امیر کی اطاعت پر بھی رسول کی سی اطاعت کا اطلاق ہو سکتا ہے عقل اسکا یہ صاف جواب دیتی ہے کہ ایسے امیر یا بادشاہ کی اطاعت رسول کی اطاعت کا مصداق نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ ظالم ہو سکتا ہے فاسق و فاجر ہو سکتا ہے۔ جب عصمت شرط خلافت قرار نہ دی جائے تو یزید اور اس کے ہم قماش لوگ بھی خلیفہ بن سکتے ہیں اور تخت خلافت پر ایسے بہت سے بیٹھ بھی گئے تو کیا ان جیسے کسی شخص کی اطاعت بھی وہی معنی رکھتی ہے جو اطاعت رسول کے معنی ہیں۔

علمائے اہل سنت کے نزدیک خلافت کئی طور پر قائم ہوتی ہے۔ یعنی اجماع سے جیسے حضرت ابوبکر کی خلافت استخلاف سے جیسے حضرت ابوبکر کے نامزد کر دینے کی وجہ سے حضرت عمر کی خلافت اور پھر چند افراد کے شوریٰ کی نامزدگی اور اس شوریٰ کے تصفیہ سے جیسے حضرت عثمان کی خلافت اور پھر قہر و غلبہ سے قابض ہو کر حکومت پر جم جانے سے جیسے امیر معاویہ کی خلافت۔ یزید میں تو یہ سب شرائط خلافت بیک وقت پورے جمع ہو گئے تھے۔ معاویہ نے یزید کو نہ صرف نامزد کیا تھا بلکہ اپنی زندگی میں اس کے ہاتھ پر لوگوں سے بیعت بھی کروائی تھی اس طرح استخلاف بھی ہوا اور بجز چند افراد کے سب نے اس سے بیعت کر لی تھی تو اجماع بھی ہو گیا اور پھر اس نے حکم دیدیا تھا کہ جو اس سے بیعت نہ کرے اسے قتل کرا دیا جائے اور نہ صرف ایسا حکم ہی دیا بلکہ اس کی تعمیل کروا کر رسول کے نواسہ کو معہ خاندان قتل بھی کرا دیا۔ اس طرح قہر و غلبہ سے بھی وہ اپنی حکومت پر متمکن تھا اس طرح جن معنوں میں علمائے اہل سنت اولی الامر کی تعریف کرتے ہیں یزید اس کا پورا پورا مصداق تھا اور ان کے فتویٰ کے اعتبار سے اولی الامر تھا۔ امیر معاویہ کے طرفدار یہی کہتے تھے کہ سنت ابوبکر و عمر کی پیروی میں یزید کی نامزدگی ہوئی ہے۔ چنانچہ امام بخاری و نسائی نے روایت کی ہے اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ مروان نے جو امیر معاویہ کی طرف سے

مدینہ کا حاکم تھا ایک روز خطبہ میں بیان کیا کہ امیر المومنین معاویہ کی رائے بالکل صحیح ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو خلیفہ بناتے ہیں جس طرح حضرت ابوبکر و عمر نے نامزدگی کی تھی اور سنت ابوبکر و عمر ہے" تیسیر البخاری پارہ ۲۰ کتاب تفسیر ص۲۳ پر یہ روایت درج ہے کہ جب مروان نے یزید کی طرف سے بیعت لینا شروع کی تو معاویہ نے اس کو ابوبکر و عمر کی نظیر قرار دیا۔ بہرحال اب یہ امر قابل غور ہو جاتا ہے کہ اگر یزید حسب فتویٰ علمائے اہل سنت اولی الامر تھا تو آخر امام حسین علیہ السلام نے اس اولی الامر کی اطاعت کیوں نہ فرمائی۔ رسول نے جس کو سردار جنت اور حسین منی و انا من الحسین کہا ہو وہ احکام قرآنی سے ایسا تو نابلد نہیں ہو سکتا کہ اولی الامر کے معنی نہ جانتے جن لوگوں نے اولی الامر کی تولیف بطریق صدر کی تھی جن میں بہت سے صحابی رسول اور حافظ قرآن بھی شامل تھے۔ انھوں نے امام حسین علیہ السلام کو خارجی اور باغی قرار دیا تھا اور یہ سب لشکر یزید میں برسر موقعہ موجود تھے اور حسین کے قتل کو جائز قرار دے رہے تھے، اور شریک قتل تھے۔ ابو شکور سلمی حاشیہ عقائد نسفی کے ص۱۲۲ پر لکھتے ہیں کہ "امام حسین پر تبعیت و اطاعت یزید کی واجب تھی۔ اس لئے کہ اس کی خلافت صحیح تھی"۔ اس ضمن میں ایک دو واقعات کا ذکر بے محل نہ ہوگا جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظر میں اولی الامر یا امام کے کیا معنی تھے۔ جب امام حسین علیہ السلام کا قافلہ عراق کی طرف روانہ ہو کر منزل ذو حسم پہنچا حر ابن یزید ریاحی نے مع ایک ہزار کے لشکر کے سد راہ ہو کر ایک بے آب و گیاہ مقام پر حضرت امام کو چلنے پر مجبور کیا اور آپ جب کربلا کے قریب نینوا کے مقام پر پہنچے تو حر کے پاس ابن زیاد کا قاصد یہ خط لایا کہ جہاں یہ خط پہنچے وہیں حسین کو اترنے پر مجبور کر دیا جائے امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ابوالشعثا کندی نے اس قاصد کو پہچانا کہ وہ مالک بن نشیر بدی کندی ہے اپنے قبیلہ کا ہونے کی وجہ سے ابوالشعثا نے اسے نصیحت کرنا ضروری سمجھا اور اس سے کہا تو نے غضب کیا کہ اس کام کے لئے تو آیا اس نے کہا میں نے اپنے امام کی اطاعت کے حق کو پورا کیا۔ ابوالشعثا نے کہا تو نے خدا کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت یقیناً اس طرح تو نے اپنے نفس کی ہلاکت کا سامان کیا اور ہمیشہ کے لئے ننگ و عار اور آتش جہنم کا مستحق بنا اس کے بعد قرآن کی آیت (وجعلناھم ائمۃ یدعون الی النار) پڑھتے ہوئے انھوں نے کہا خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ کچھ امام ایسے ہیں جو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور روز قیامت ان کی کوئی فریاد رسی نہیں ہوگی بے شک تیرا امام ایسا ہی ہے۔ خلاصہ اس واقعہ کا یہ ہے کہ فوج یزید کا شخص یزید کو اپنا امام سمجھتا تھا اور امام حسین علیہ السلام کو اس امام کا باغی سمجھتا تھا۔

ایک اور واقعہ یہ ہے کہ قرظۃ بن کعب انصاری کے دو بیٹوں میں سے علی بن قرظۃ یزید کی فوج میں تھا۔ اور اس کے بھائی عمر بن قرظۃ نے امام حسین علیہ السلام کا ساتھ اختیار کیا اور روز عاشورہ حسین کی نصرت میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے اس پر ان کا بھائی علی بن قرظۃ عمر سعد کی فوج سے باہر نکلا اور حضرت امام کو ناشائستہ ..... الفاظ میں مخاطب کر کے کہا "تم نے میرے بھائی کو صحیح راستہ سے گمراہ کیا اور ورغلا کر قتل کرا دیا" اس شخص کی نظر میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینا گمراہی اختیار کرنا تھا۔ کیونکہ وہ یزید کو حضرت رسول کا جانشین برحق خیال کرتا تھا ایک

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ روز عاشورہ جب بوقتِ نماز ظہر امام حُسین علیہ السلام کے ۷۲ ساتھیوں میں سے چالیس شہید ہو کر ۳۲ باقی رہ گئے تھے تو امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں میں سے ابو ثمامہ بن عبداللہ صائدی سے فرمایا ان لوگوں سے کہو اتنی دیر جنگ سے ہاتھ روک لیں کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ جب انھوں نے آگے بڑھ کر اجازت طلب کی تو لشکر یزید کا ایک سربرآوردہ آدمی حصین بن تمیم نکلا اور کہنے لگا: "حُسین تمہاری نماز قبول نہیں"۔ ظاہر ہے کہ یہ شخص یزید کو اپنا امام مانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ چونکہ حُسین نے یزید کی امامت سے انکار کیا ہے۔ اس لئے ان کی نماز قبول نہیں ہے۔ بہت سارے مشہور و معروف لوگوں نے بھی جو اولی الامر منکم معنی ظاہری حاکم وقت کے لیتے تھے امام حُسین کے متعلق کم و بیش ایسا ہی خیال کیا۔ چنانچہ سیوطی بہ روایت عطیہ بن قیس لکھتے ہیں کہ "حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ بن عمر نے امام حسین سے کہا کہ آپ یزید پر خروج نہ کریں اور کہا کہ خدا نے رسول اللہ کو دُنیا و آخرت کے اختیار کرنے میں مختار کیا تھا۔ حضرت نے آخرت کو اختیار کیا۔ آپ بھی چونکہ رسول اللہ کے لختِ جگر ہیں آخرت کو ہی اختیار کریں۔ مگر حسین نے نہ سنا"۔ ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر یزید کو اولی الامر اور اس کی اطاعت کو واجب سمجھتے تھے اور آپ نے امام حسین علیہ السلام کے عمل کو خروج اور دُنیا طلبی قرار دیا اور یہ مشورہ دیا کہ آپ آخرت کو اختیار کریں۔

قسطلانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۲ اور نیز صحیح بخاری میں نافع کی زبانی روایت ہے کہ قتل حسین اور واقعہ حرا کے بعد جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی تو عبداللہ بن عمر نے اپنی اولاد اور متوسلین کو جمع کر کے یہ تقریر کی کہ "ایہا الناس میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے کہ ہر عذر کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا۔ اور جب ہم یزید کی بیعت کر چکے ہیں تو پھر اس سے زیادہ کیا غداری ہو سکتی ہے کہ بیعت کرنے کے بعد اسی سے لڑائی ٹھائیں۔ پس تم میں سے جو شخص میری رائے کے خلاف یزید کی بیعت سے علیحدہ ہوگا میں بھی اس سے جدائی اختیار کر دوں گا"۔ تیسر البخاری پارہ ۲۹ کتاب فتن صفحہ ۲۵ پر یہ روایت بھی درج ہے کہ عبداللہ بن عمر نے یزید سے دو لاکھ روپیہ رشوت حاصل کی۔ بہرحال اولی الامر کی متذکرہ صدر تعریف کے اعتبار سے دیکھی جائے تو جو لوگ قتل حسین کو جائز جان رہے تھے یا قتل حُسین کے بعد بھی یزید کی بیعت پر جمے ہوئے تھے ان کے اپنے اصول کے اعتبار سے بالکل درست کر رہے تھے۔ کیونکہ کوئی اصول تو ہونا چاہیئے جب غیر معصوم اور لوگوں کا بنایا ہوا بھی اولی الامر ہو سکتا ہے تو محض یہ امر کہ کوئی کم یا کوئی زیادہ گناہ کرتا ہے یا شراب پیتا ہے اس کو اولی الامر کی تعریف سے خارج نہیں کر سکتا۔ اگر اولی الامر کی یہی تعریف ہے تو پھر امام حسین علیہ السلام کو باغی اور حکم خدا سے انحراف کرنے والا قرار دینا پڑیگا۔ کیونکہ اولی الامر کی اطاعت کا حکم تو قرآن میں موجود ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اولی الامر کے معنی بادشاہ دنیوی و حاکم ظاہری کے لیں اور پھر حُسین سے بھی ہمدردی رکھیں یہیں سے حق و باطل کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے اور حُسین نے اسی نکتہ کو واضح کر دینے اور حق و باطل میں تمیز کر دینے کے لئے اپنی اور اپنے سارے کنبہ کی قربانی بارگاہ ایزدی میں پیش کر دی حسین نے بتلا دیا کہ اولی الامر وہ نہیں ہوا کرتا جس کو لوگوں نے بنا دیا ہو یا جو خود بن جائے۔ ماننا پڑے گا کہ اولی الامر تو وہی ہے جس کو خدا نے یہ منصب

عطا کیا ہو اور صاحب امر بنایا ہو۔ چنانچہ اُس وقت کے اولی الامر خود امام حُسین علیہ السلام تھے اور ان کے حکم کی تعمیل سب پر واجب تھی نہ کہ خود ان سے بیعت طلب کرنا اس موقعہ پر علامہ اقبال کہتے ہیں؂

حقیقت ابدی ہے مقامِ شبیری — بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

ناظرین کو غور کرنا پڑیگا کہ یہ اُصول اور کہاں کہاں منطبق ہوتا ہے۔ شیعوں کا دعویٰ ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے حضرت علی علیہ السلام سے طلب بیعت پر بھی یہ اُصول چسپیدہ ہوتا ہے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام حسب احکام خداوندی و فرمودات رسول امام وقت اور اولی الامر خود تھے۔ مولانا خواجہ حسن نظامی محرم نامہ کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں:۔

"یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آخر اس کا سبب کیا تھا اور رسول کے قریب زمانے والے مسلمانوں کے دل ایسے سیاہ کیوں ہو گئے تھے کہ انھوں نے اتنا بڑا گناہ کیا اور ایسی سفاکی کو جائز رکھا جس کی مثال کسی قوم کی تاریخ میں موجود نہیں ہے"۔ صفحہ ۴ پر مولانا موصوف لکھتے ہیں:۔ "میں تو صرف چار خلافتوں کا وہ حال لکھنا چاہتا ہوں جو خلافت مقرر ہونے کے وقت پیش آیا کیونکہ انہیں خلافتوں کے باعث کربلا کا واقعہ ہوا تھا جس کے لئے میں کتاب محرم نامہ لکھ رہا ہوں"۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق دو اسلام کے صفحہ ۲۴۲ پر لکھتے ہیں:۔ "دنیائے اسلام میں لاکھوں مساجد ان میں لاکھوں ملّا اور ہر ملّا صبح و شام مسلمانوں کو مندرجہ ذیل اسباق دے رہا ہے ...... کہ ہر نتھو خیرا خواہ وہ چنگیز ہو یا ہٹلر اگر وہ ہم پر حکومت کر رہا ہے" تو وہ ہمارا اولی الامر ہے اور اس کی اطاعت ہم پر فرض ہے صفحہ ۲۹۵ پر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"اگر رسول کی اطاعت کا بھی یہی مطلب ہے کہ آپ کے تمام اقوال پر ایمان لاؤ تو پھر حاکم وقت کے اقوال پر بھی ایمان لانا پڑیگا کیونکہ اللہ نے اس کی اطاعت کا بھی ویسے ہی حکم دیا ہے کئی بادشاہ مصنف بھی گزرے ہیں۔ مثلاً بابر نے تزک بابری لکھی جہانگیر نے تزک جہانگیری لکھی اور اورنگ زیب کی بھی ایک آدھ کتاب موجود ہے یہ اپنے زمانے کے اولی الامر تھے تو کیا ہم تزک بابری و تزک جہانگیری پر بھی ایمان لاتے پھریں"۔ ناظرین غور فرمائیں اولی الامر منکم کی غلط تعبیر کی وجہ سے کس کس قسم کے خلجان پیدا ہوئے ہیں جن کی طرف ڈاکٹر برق صاحب نے بھی صحیح اشارہ کیا ہے۔

۲۴۔ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُوْنَ

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُوْنَ (سورۂ زخرف آیت ۴۱)

ترجمہ:۔ پس اگر (اے رسول) ہم تم کو (دنیا سے) لے گئے تو ہم کو ان سے بدلہ لینا ہے۔

دیلمی نے فردوس الاخبار میں، سیوطی نے درمنثور میں اور ابوبکر ابن مردویہ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ ناکثین اور قاسطین اور مارقین سے میرے بعد انتقام لیں گے نیز حافظ ابو نعیم نے حذیفہ بن الیمان سے روایت کی ہے کہ خدا کے کلام پاک میں ہے کہ ہم ان سے بدلہ لیں گے، یہ مراد ہے کہ بذریعہ علی کے ہم ان سے بدلہ لیں گے۔

۲۵۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ (سورۂ توبہ آیت ۷۳ و تحریم آیت ۹) ترجمہ:۔ اے رسول کفار اور منافقین سے جہاد کرو، بابتم

میں ہم نے اس آیت کے ضمن میں کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ ناظرین وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت رسول نے کفار سے جہاد کیا مگر منافقین سے کبھی جہاد نہ کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے اس حکم خداوندی کی تعمیل علی کریں گے ایسے حکم کی جو مختص ذات رسول کو دیا گیا ہو حضرت رسول کا تعیل نہ کرنا اور حضرت علی اس کی تعمیل کرنا صاف بتاتا ہے کہ ذات علی شریک کار رسالت تھی آیت ما قبل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۶- اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا | اَحسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ۝ (سورۂ عنکبوت آیت ۲) ترجمہ:- وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے کیا وہ یوں ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور آزمائے نہ جائیں گے۔ ابوبکر ابن مردویہ نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسی آزمائش ہے۔ حضرت نے فرمایا لوگ تیری جہت سے آزمائے جائیں گے اور قرآن کے ساتھ جھگڑیگا۔ پس جھگڑے کیلئے تیار ہو جا۔

۲۷- اَلْبَیِّنَۃ | حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ ۝ (سورہ بینۃ آیت ۱) ترجمہ:- "جب تک کہ پہونچے انکو کھلی بات"۔ ابن المنذر اور سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن جریج اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کھلی بات سے مراد حضرت رسول خدا ہیں اور من بعد ما جاءہم البینۃ سے آنحضرت صلعم کی آل مراد ہے۔

مخصوص آیات نسبت شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام

۲۸- ذَبْحٍ عَظِیْم | اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (سورۂ صٰفٰت ۱۰۶-۱۰۷) ترجمہ:- اس میں شک نہیں کہ یہ یقینی بڑا (سخت اور) کھلا ہوا امتحان تھا اور ہم نے ایک ذبح عظیم کے سبب سے اس قربانی کا فدیہ (دنبہ سے) کرا دیا۔

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت امام حسین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اس آیت کا ذکر ہم باب اول میں عنوان "آیات قرآنی کی روشنی میں خلافت و امامت" کے تحت آیت انی جاعلک للناس اماما کے ساتھ کر چکے ہیں اس لئے یہاں اعادہ نہیں کرتے۔ باب پنجم میں بھی حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کے واقعہ کے ضمن میں اس کا ذکر آیا ہے۔ یہاں اس حد تک لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس آیت کے متعلق ایک نکتہ خیال میں رکھنے کے قابل ہے آیت کے معنی کرنے میں بعض لوگوں کو یہ تسامح ہوتا ہے اور "فدیناہ بذبح عظیم" کا مطلب وہ یوں لیتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کا فدیہ امام حسین علیہ السلام قرار دیئے گئے یہ معنی قطعاً غلط ہیں۔ امام حسین علیہ السلام فدیہ نہیں قرار دیئے گئے۔ بلکہ بہ سبب یا بہ طفیل امام حسین علیہ السلام کی قربانی کے حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا فدیہ ایک دنبہ قرار دیا گیا۔ فدیہ تو ایک دنبہ ہی تھا۔ اور جب حضرت ابراہیم نے چھری چلائی تو بطور واقعہ ایک دنبہ ذبح بھی ہو گیا مگر التوائے قربانی یعنی حضرت اسمٰعیل کے ذبح نہ ہونے کا موجب ذبح عظیم یعنی ذبح امام حسین علیہ السلام تھا۔ آیت میں الفاظ "بذبح عظیم" میں "بائے سببیہ" یعنی

بہ سبب ذبح عظیم کے" امام حسین علیہ السلام کا تو وہ درجہ ہے کہ حضرت سرور کائنات سردار الانبیا فرماتے ہیں "انا من الحسین" (میں حسین سے ہوں) جو سردار الانبیا کی یعنی ان کے دین کی بقا کا ضامن ہوا اور جس نے سردار الانبیا کی جگہ علائی ہو یعنی قائم مقام سردار الانبیاء ہو یا بالفاظ دیگر خود انبیا کی سرداری کی شان رکھتا ہو اور حسب فرمودہ رسول یوں بھی سردار جنت ہو تو وہ دوسرے نبیوں سے کمتر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یوں تو کتب اہل سنت کی حدیثوں کے اعتبار سے امت محمدیہ کے علما بھی بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے ہم پلہ قرار دیئے گئے ہیں (گو کہ یہ بحث علیحدہ ہے کہ اس حدیث میں علما سے کون مراد ہیں) اور جمہور مسلمین بھی امت محمدیہ کے تمام علما سے امام حسین علیہ السلام کا درجہ بہر صورت بڑا ہوا مانتے ہیں۔ اس طرح انبیائے سلف سے امام حسین علیہ السلام کا درجہ بڑا ہوا ہونا مسلمہ امور کا ایک منطقی نتیجہ قرار پاتا ہے۔ باب پنجم میں ہم نے جو تفصیل درج کی ہے اس کا یہاں کچھ اجمال درج کر دیتے ہیں جو منہاج الطالبین قزوینی" روضۃ الشہدا و حبیب السیر وغیرہ کے اندراجات کا خلاصہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے نا تمام رہ جانے کا رنج ہوا تو اللہ تعالیٰ نے رفع حجاب فرما کر امام حسین علیہ السلام کی قربانی کا منظر ان کو دکھایا اور جب حضرت ابراہیم شدت گریہ سے بیتاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حسین کی مصیبت پر رونا اس ثواب کے برابر ہے جو اسمٰعیل کی قربانی کے مکمل ہو جانے سے ابراہیم کو حاصل ہوتا۔ حسین کی عظمت کا کیا ٹھکانا ہے جس کی مصیبت پر محض رونا ایک ممتاز پیغمبر کی قربانی کے برابر ہو۔ ایسا حسین اپنے سے کمتر کا فدیہ نہیں ہو سکتا۔ فدیہ تو ہمیشہ اصل سے کمتر چیز ہوتی ہے۔ یہاں آیت میں ظاہر بظاہر بائے "سببیہ" ہے اور بوجہ حسین کی اس ذبح عظیم کے جو آئندہ آنیوالی تھی حضرت اسمٰعیل کی قربانی روک دی گئی۔

حضرت اسمٰعیل کی نسل سے حضرت رسول اور حضرت حسین پیدا ہونے والے تھے۔ اگر حضرت اسمٰعیل کی قربانی عملاً ہو گزرتی تو باسباب ظاہر نہ حضرت رسول پیدا ہوتے اور نہ حضرت حسین۔ چونکہ مشیت ایزدی میں حضرت حسین کی ذبح عظیم واقع ہونا مقدر تھا اس سبب سے حضرت اسمٰعیل کی قربانی کو روک دیا گیا۔ اس طرح گویا حضرت رسول کی دنیا میں آمد کا سبب بھی حضرت حسین ہوئے اور اس معنی میں بھی آپ فرماتے تھے کہ "انا من الحسین" اس مضمون کو راقم نے ایک موقعہ پر نظم میں یوں ادا کیا تھا:۔

ٹھہرتی گر نہ مشیت میں تری ذبح عظیم	ذبح طفلی ہی میں ہوتا پسر ابراہیم
آئے دنیا میں تری وجہ رسول اکرم	تب تو فرماتے تھے ہر دم کہ ہیں شبیر سے ہم

۲۹۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (سورۂ بقر آیت ۱۵۶ و ۱۵۷) ترجمہ:۔ ہم تمہیں کچھ خوف سے اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں

اور اولاد کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور (اے رسول) خوشخبری دیدو ایسے صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑی تو بول اُٹھے ہم تو خدا کے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں' انہیں لوگوں پر ان کے پروردگار کی جانب سے صلوات ہے اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تاریخ بنی آدم میں وہ منفرد واقعہ کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی مقرب بندے کو کسی ایسی آزمائش میں مبتلا کیا ہو کہ جہاں وہ خوف و دہشت کے نرغہ میں گھرا ہوا ہو اور بھوکا پیاسا بھی ہو اور جس نے نہ صرف خود اپنی جان کی قربانی دی ہو بلکہ جس کی اولاد بھی اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوئی ہو اور اس کا مال و اسباب بھی لوٹا گیا اور جس کے اہل حرم بھی اسیر کرلئے گئے ہوں بجز افتخار انبیاء و اولیاء حضرت امام حسین علیہ السلام کے اور کسی پر نہ گزرا اور یہ آیت کسی اور پر حرف بہ حرف منطبق نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کی تاریخ سے قطع نظر دنیا کی کسی قوم و ملت میں اس کی مثال نہیں۔ یہ آپ ہی کی مقدس ذات تھی کہ اپنے اٹھارہ اعزائے بنی ہاشم اور ۵۴ انصار و فادار جملہ بہتر ۷۲، تن کے ساتھ دشمنوں کی ایک لاکھ یا باختلاف روایات اقل درجہ تیس ہزار کے لشکر کے نرغہ میں خوف و دہشت کے عالم میں ابتدائے محرم سے گھیر لئے گئے تھے۔ ان اٹھارہ بنی ہاشم میں حضرت علی علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے" امام حسن علیہ السلام کے چھ صاحبزادے امام حسین علیہ السلام کے تین صاحبزادے" آپ کی ہمشیرہ حضرت زینب علیہا السلام کے دو صاحبزادے شامل تھے۔ گو کہ تھوڑے فاصلہ پر نظروں کے سامنے دریائے فرات موجیں مار رہا تھا۔ مگر آپ کو اور آپ کے چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو ایک قطرہ آب بھی کربلا کی اس گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں تین دن سے میسر نہ تھا اور یہ لشکر خدا بشمول حضرت علی اصغر شیرخوار ششماہ معصوم تین دن کا بھوکا پیاسا اپنے آخری قطرہ خون تک مصروف جہاد رہا چھوٹے چھوٹے بچے اور حرم رسول قید کرکے بے مقنع وچادر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کوچہ وبازار میں تشہیر کراتے ہوئے دربار عام میں یزید کے سامنے سات سو کرسی نشینوں کے مجمع میں رسن بستہ لائے گئے اور امام زین العابدین علیہ السلام کو جو بحالت شدت مرض فریش تھے طوق گران و خاردار گردن میں پہنا کر سلاسل و زنجیر میں جکڑ کر پاپیادہ لے جایا گیا کئی بچے راستہ میں بے کجاوہ اونٹوں پر سے گر کر شہید ہوئے جنکی کربلا سے کوفہ و شام تک کے راستہ پر بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی قبریں اب بھی اس ظلم کی یاد دلاتی ہیں اور زندان شام میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی چہار سالہ صاحبزادی حضرت سکینہ علیہا السلام کا مزار ہے۔ حضرت اس صاحبزادی کو بے انتہا چاہتے تھے اور یہ شہزادی بھی باپ سے کچھ ایسی بے پناہ محبت رکھتی تھی جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی یہ شہزادی شدت غم سے باپ کو یاد کرتی تھی اور طمانچوں کے مار اور اپنے خون آلود کانوں کی تکلیف سے فریاد کرتی تھی جب اس صاحبزادی کی تسکین کی خاطر یزید سے مانگ کر سر بریدہ امام حسین علیہ السلام لایا گیا تو شہزادی نے سر کو گود میں لے لیا اور اس سر سے لپٹ کر سسکیاں بھرتی ہوئی جان بحق تسلیم ہوگئی اور اپنے بچھے ہوئے خون آلودہ کرتے میں زندان شام کے ایک کونہ میں دفن کردی گئی جس کی ننھی قبر اب بھی عاشقان حسین کی وہ زیارت گاہ ہے جس کی طرف زائرین کے دل سب سے زیادہ کھنچتے ہیں۔

بہرحال خوف، بھوک، پیاس، نقصان جان ومال اور اولاد کے ساتھ بہ یک وقت آزمائش کی جانیوالی ذات قدسی حضرت امام حسین علیہ السلام کی تھی اور آپ میدان کربلا میں ہر مصیبت اور ہر عزیز و دوست کے قتل پر صبر و شکر کے ساتھ انا للہ و انا الیہ راجعون فرماتے رہے اور وہ صبر دکھایا جو ازل سے لے کر ابد تک یادگار رہ گیا اور یہ وہی ذات بابرکات ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے بشارت دی اور نفس مطمئنہ فرمایا اور ہادی برحق ہونے کی تصدیق فرمائی۔

۳۰۔ لِمَن یُقْتَلُ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَموات | یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا استعینو بالصَّبرِ وَالصَّلوٰۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ وَلَا تَقُولُو لِمَن یقتل فی سبیلِ اللّٰہِ اَمواتٌ بل اَحْیَاءٌ وَّلٰکِن لَا تَشعُرُونَ ۝ (سورۂ بقر آیت ۱۵۳ و ۱۵۴) ترجمہ:۔ اے ایمان والو (مصیبت کے وقت) صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو بیشک خدا صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں کبھی مُردہ نہ کہنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اگرچہ کہ تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ اس آیت کو آیت مندرجہ ذیل کے ساتھ ملا کر غور کیا جائے۔

۳۱۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِینَ قُتِلُوا | وَلَا تحسبن الَّذِین قتلوا فی سبیلِ اللّٰہِ اَمواتًا بل اَحْیَاءٌ عِندَ رَبِّھِم یُرزَقُونَ ۝ (سورہ آلِ عمران آیت ۱۶۹) ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ موجود ہیں اور اپنے رب کے پاس سے رزق پاتے ہیں ان دونوں آیتوں کا مصداق کامل ظاہر بظاہر حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھی ہیں اس موقع پر ایک مشہور واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ جب نادر شاہ زیارت قبر امام حسین علیہ السلام کے لئے پہنچا تو بہت دور سے پاپیادہ ننگے پاؤں ننگے سر چلا اور اپنے کمانڈروں سے کہا کہ ایک کتے کو باندھنے کی زنجیر منگوا کر میرے گلہ میں ڈال کر ایک میخ سے باندھ دو۔ چنانچہ بارگاہ حسینی کے سامنے اپنے کو اس طرح بندھوا کر اس بارگاہ کا کتا ہونے یعنی شہادت اس نے اپنے لئے حاصل کی۔ اس کے بعد زار و قطار روتا ہوا شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر روضۂ مبارک کے سامنے صبح سے شام تک یہ کہتا ہوا تلوار کی بھینک کرتا رہا کہ یلیتنی کنت معکم فافوز معکم فوزًا عظیما مطلب یہ کہ اے میرے آقا کاش میں روز عاشورہ آپ کے ساتھ ہوتا تو آپ کے دشمنوں کو اس طرح مارتا اور بڑا رتبہ حاصل کرتا۔ اس کے بعد کے واقعہ کے متعلق بعض لوگوں نے نادر شاہ کا نام لیا ہے مگر زیادہ موثق طور پر یہ واقعہ ایران کے شاہ اسمٰعیل صفوی سے متعلق ہے جو واقعہ نادر شاہ سے منسوب ہے اسمیں کہا جاتا ہے کہ جب نادر شاہ حر ریاحی کی قبر پر پہنچا تو کہنے لگا مجھے ان سے ایک خلش لاحق ہے اسکی قبر کھود کر پھینک دو۔ واقعہ یہ تھا جیسا کہ تواریخ میں موجود ہے کہ عبداللہ ابن زیاد کے حکم سے حُر نے معہ اپنے لشکر کے منزل ذوحسم پر پہنچ کر حضرت امام کو روک دیا اور کربلا کی طرف چلنے پر مجبور کیا۔ اس موقع پر جب حُر نے امام علیہ السلام کے گھوڑے کی لگام پر ہاتھ ڈال دیا تو حضرت امام نے اس زمانہ کے محاورہ کے اعتبار سے فرمایا تیری یہ جرأت، تیری ماں تیرے

غم میں بیٹھے۔ حُر نے جواب دیا اگر آپکی ماں رسول خُدا کی بیٹی نہ ہوتیں تو میں بھی آپکی ماں کا نام لیتا۔ نادر شاہ نے کہا۔ حُر نے شہزادی کونین کے نام کی طرف اشارہ کیسے کیا میں اسکو کبھی معاف نہیں کرونگا اسکی قبر کھود کر پھینک دونگا۔ چند اہلِ علم جواس کے ساتھ تھے کہنے لگے کہ جب حر اپنی غلطی کو تسلیم کر کے صبح عاشورہ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت امام اور آپکے ساتھی سب قتل کر دیئے جائینگے اور ہزار ہا کے لشکر کے سامنے یہ بہتّر تن کچھ زیادہ دیر تک بچ نہ سکیں گے پھر بھی کفر کے مقابلہ میں ایمان اپنے دل میں قبول کرتے ہوئے لرزہ براندام اپنے ہاتھ قیدیوں کی طرح بندھوا کر اور گلہ میں رومال ڈلوا کر گردن جھکائے ہوئے اپنے بھائی اور بیٹے سے اپنے کو کھچواتا ہوا خدمت امام میں حاضر ہو کر پاؤں پر سر رکھدیا تو رحمۃٌ للعٰلمین کے اس قائم مقام نے حُر کو معاف کر دیا۔ پھر حضرت امام کی طرف سے لڑ کر مارا جانے والا پہلا شہید حُر ہے۔ نادر شاہ نے کہا کچھ بھی ہو حُر کے اس جملہ کو میں نہیں بھول سکتا اس کی قبر کھود دو۔ عالموں کو حُر کی معافی کا یقین تھا اور نادر شاہ جیسے صاحب دبدبہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل انھوں نے کرنی چاہی مگر ہاتھ پاؤں میں رعشہ پیدا ہو گیا۔ یہ دیکھکر نادر شاہ نے سبل لیکر قبر کو خود کھودنا شروع کر دیا۔ حر اپنے قبیلہ کے سردار مشہور بہادر اور ایک قدآور آدمی تھے۔ سب لوگوں نے دیکھا کہ ایک شیر جیسا تنومند آدمی گویا زندہ سو رہا ہے اور سر کے اطراف ایک رومال بندھا ہوا ہے۔ سینکڑوں سال بعد حر کی لاش کو تازہ دیکھ کر نادر شاہ کو حُر کی معافی کا یقین تو آگیا مگر پوچھا یہ رومال کیا ہے۔ عالموں نے کہا یہ حضرت فاطمہ زہرا سیدۃ النساء العٰلمین کا رومال ہے جو حضرت امام نے از راہِ مرحمت حُر کے سرِ شگافتہ پر باندھ دیا تھا۔ نادر شاہ نے کہا ایسی متبرک یادگار کو تو میں اپنے خزانہ میں رکھونگا۔ علماء نے کہا اس رومال سے خون رُکا ہوا ہے مت کھولئے۔ نادر شاہ نے نہ مانا اور آگے بڑھکر وہ رومال کھول لیا۔ رومال کا کھولنا ہی تھا کہ پیشانی سے خون تازہ جاری ہوا اور نوبت یہ پہنچی کہ قبر خون سے بھرنے لگی۔ نادر شاہ نے یہ دیکھ کر علماء کے کہنے سے رومال پھر باندھ دیا اور قبر بند کر دی اور توبہ کی۔ ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاءٌ کا عملی مظاہرہ سب لوگوں نے اسطرح دیکھ لیا۔

جو روایت بجائے نادر شاہ کے شاہ اسمٰعیل صفوی کے نام سے منسوب ہے اور زیادہ موثق ہے یہ ہے کہ جب یہ قبر حر کی زیارت کیلئے پہنچے تو علما سے معلوم ہوا کہ حر کے سر پر جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا رومال بندھا ہوا ہے۔ شاہ اسمٰعیل نے کہا کہ اسکو نکال کر میں تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھونگا۔ علماء نے منع کیا کہ اس رومال سے خون رُکا ہوا ہے۔ اسکو نکالنا نہیں چاہیئے۔ اسمٰعیل صفوی نے رومال حاصل کرنیکی فکر میں کس طرح قبر کو کھدوا کر رمال کھولا۔ اس کے ساتھ ہی سر سے خونِ تازہ جاری ہوا اور قبر خون سے بھرنے لگی۔ علما کی ہدایت پر اسمٰعیل صفوی نے رومال کو پھر باندھ دیا جسکے ساتھ ہی خون جذب ہو گیا اور قبر بند کر دی گئی۔ کچھ زمانہ بعد جب بادشاہ طیمور لنگ قبر حر کی زیارت کیلئے پہنچا اور رومالِ جناب فاطمہ زہرا کے حصول کا آرزومند ہوا تو علما نے ایک تدبیر بتائی کہ حضرت حُر کے ورثا سے اجازت طلب کیجائے اور راضی ہوں تو رومال کا ایک بہت چھوٹا ٹکڑا لینے کی کوشش کیجائے طیمور کی منت سماجت پر ورثائے حر نے اجازت دی اور طیمور نے بڑی احتیاط سے قبر کھلوا کر رومال کا ایک چھوٹا حصہ تقریباً ڈھائی انچ لمبا ڈھائی انچ

جوڑا حاصل کر لیا اور قبر پھر بند کر دیگئی۔ اب اس تبرک جناب سیدہ کی روئداد یہ ہے کہ طیمور سے یہ تبرک اس کی نسل کے بادشاہ ظہیر الدین بابر کو پہنچا جو ہندوستان میں خاندان مغلیہ کا پہلا بادشاہ تھا شاہان مغلیہ کے پاس سے یہ تبرک شاہانِ سلطنتِ آصفیہ کو حاصل ہوا۔ جواب ایک صندوقچہ میں محفوظ حضرت آصفجاہ سابع میر عثمان علیخاں کے بنوائے ہوئے امام باڑہ میں بمقام خلوت حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ اس صندوقچہ پر امیر طیمور گورگانی و سلاطین مغلیہ و سلاطین آصفیہ کی مہریں ثبت ہیں۔ صندوقچہ کے دونوں طرف ابرک جیسی کوئی شفاف شے لگی ہوئی ہے جسمیں سے صندوقچہ کے اندر رکھا ہوا ہے۔ تبرک نظر آتا ہے۔ جس کی زیارت ہر ماہِ محرم کی ۱۲ تاریخ کو خاص اہتمام کیساتھ کرائی جاتی ہے۔

عالمگیر کا فرمان | ۱۔ اس صندوقچہ کے ساتھ ابو ظفر محمد محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا ایک فرمان مصدرہٗ ۱۷ شوال ۱۳ سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۰۶۹ھ بھی رکھا ہوا ہے۔ اس فرمان کا مصدقہ ترجمہ امام باڑہ مذکور کے چھوٹے میز پہ فریم کر کے رکھدیا گیا ہے۔ ہم اس کا مختصر حصہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"یہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی چادرِ مطہر کا ٹکڑا ہے جو اعظم ترین نعمت و عظیم ترین دولت ہے۔ اسکو حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام نے حر ابن ریاحی رضی اللہ عنہ کو میدانِ کربلا میں عطا فرمایا تھا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کو امیر تیمور صاحب قران جنت مکان امام ہمام کی اجازت و ساداتِ کرام ذوی الاحترام کے اتفاق رائے و بالمواجہ حر ابن ریاحی کی قبر شریف سے نکال کر بطور تبرک لائے تھے۔ یہ تمام نعمتوں سے ارفع و اعلیٰ نعمت ہے...... اس بابرکت عطیہ کی نگرانی و حفاظت کیلئے سادات اور سادات کی اولاد اور اسکی آل اولاد کیلئے "کلودہ" کی جاگیر کی آمدنی علی الدوام دی گئی۔ اعلیٰ حضرت فردوس منزلت جب سریر آرائے سلطنت ہوئے تو وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح اس تبرک کی زیارت سے بہرہ مند ہو کر اپنی طرف سے اور اضافہ فرمایا۔"

اس مسئلہ میں شریعت پناہ قاضی الملک ملا احمد اور دوسرے شہروں کے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام سے استفتا کیا گیا اور اسکے متعلق دریافت عمل میں لائی گئی۔ ان سبھوں نے تحریر کیا کہ "تابوتِ سکینہ" کیلئے جو آلِ موسیٰ و آلِ ہارون کا ترکہ تھا اور اسکی شان میں ان ایا تہ فلکہ نازل ہے۔ یہ آل یٰسین (آل محمد) کا ترکہ ہے جو تابوت سکینہ پر بہت زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ یہ تبرک جس کے پاس ہو وہ اسے خیر و برکت کا نشان جانے اور فتح و نصرت کا علمدار سمجھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے الطاف و عنایات بے پایاں اس کے شامل حال رہینگے۔ جب ہم نے عنانِ حکومت سنبھالی جو طریقہ ہمیں یاد تھا نسب النساء تعلیم التعظیم سب سے پہلے اس تبرک کی زیارت کی پھر جب ہم نے جنگ سے فراغت پائی تو کامیابی کا شکریہ ادا کرنے اس نعمتِ عظیمہ کی زیارت کو آئے تاکہ سعادت اور زیادہ برکتیں حاصل کریں...... کمان الامر للہ پر ہم ہوں یا ہمارے بعد ہماری اولاد یا ہماری جگہ جو بھی ہوں جنکے ذمہ خلائق کے حقوق کی حیانت و حفاظت ہو انکی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کا تقاضہ ہے کہ للہ ہماری گفتار کا پاس رکھیں اور ہماری رفتار پہ چلیں۔ حق کو ناحق، ناحق کو حق نہ کریں اور ایسی نعمت کو غنیمت سمجھیں اور ہمیشہ اسکو پیشِ نظر رکھیں۔ وما علینا الا البلاغ؛

(ابو ظفر) محمد محی الدین (اورنگ زیب عالمگیر)
مورخہ ۱۷ شوال سنہ ۱۳ از جلوس مبارک ۱۰۶۹ھ

ایک اور تازہ مثال سامنے آئی بذائے ملت لکھنؤ میں ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو اور پھر اس کے بعد رسالہ اطلاع پندرہ روزہ حیدرآباد میں جس کے ایڈیٹر جناب محمد نعیم الدین صاحب عادل ہیں یکم اگست ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں ایک واقعہ کی اشاعت کی گئی جو ۱۹۳۲ء میں عید الضحیٰ کے دس دن بعد پیش آیا تھا واقعہ یہ تھا کہ بغداد سے تقریباً ۔ ۸ میل مدائن کے علاقہ میں حضرت سلمان فارسی کا مزار ہے اس کے نواح میں دریائے دجلہ سے قریب حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے مزار ہیں عراق کے شاہ فیصل کے خواب میں حضرت حذیفہ یمانی نے کہا کہ میرے مزار میں دریا کا پانی آگیا ہے اور جابر کے مزار میں بھی نمی آگئی ہے یہاں سے ہماری نعشوں کو دوسری جگہ منتقل کر دو۔ یہی خواب شاہ فیصل نے بہ تکرار دیکھا۔ پھر مفتی اعظم عراق کو بھی یہی خواب دکھائی دیا۔ انھوں نے شاہ فیصل سے ذکر کیا۔ بہرحال عید الضحیٰ کے دس دن بعد تاکہ ہزاروں حاجی بھی جو اس موقعہ پر حاضر رہنا چاہتے تھے شریک ہو سکیں، شاہ فیصل مفتی اعظم وزیر مختار ترکی اور پرنس فاروق ولیعہد مصر اور لاکھوں اشخاص کے مجمع کے سامنے یہ قبریں کھودی گئیں۔ جرمنی کے ایک ڈاکٹر نے ٹیلی ویژن کا پردہ لگا کر کثیر مجمع کے دیکھنے کی سہولت پیدا کی۔ بہرحال قبریں کھودی گئیں حضرت حذیفہ کی قبر میں پانی کچھ بلندی تک اور حضرت جابر کی قبر میں نمی آگئی تھی دونوں نعشیں ایسی تازہ تھیں جیسے ابھی کچھ گھنٹہ قبل انتقال ہوا ہو۔ دونوں بزرگ از ابتدا تا انتہا محب اہل بیت تھے اور حسب حدیث رسول جس کو حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے من مات علی حب آل محمد مات شہیداً شہید کی تعریف میں داخل تھے۔ اللہ کا وعدہ ہے شہید راہ حق زندہ ہیں؛ یہ اس کی زندہ مثالیں ہیں؛ ہم نے باب ہشتم میں عنوان؛ حضرت علی علیہ السلام کے جہاد نہ کرنے کے سبب" کے تحت ان مہاجرین و انصار کے نام درج کئے ہیں جو دوستداران علی میں شمار ہوتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت رسول کے انتقال کے بعد خلافت کی نزاع کے وقت اور اس کے بعد بھی اپنا آقا و مولا حضرت علی علیہ السلام کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ مختصر فہرست ۱۷٬۱۰ ناموں پر مشتمل ہے اسی میں حذیفہ بن الیمان اور جابر بن عبداللہ انصاری کے نام بھی ہیں ان میں سے حذیفہ یمانی صاحب سر النبی کے لقب سے مشہور ہیں جن کو حضرت رسول نے ان ۱۶، ۱۷ نابکار صحابیوں کے نام بتائے تھے جنھوں نے رات کے اندھیرے میں عقبہ کی گھاٹی میں حضرت رسول پر حملہ کیا تھا جب آنحضرت غدیر خم کے مقام پر من کنت مولا فعلی مولا والا خطبہ ارشاد فرمانیکے بعد مدینہ واپس ہو رہے تھے۔

جابر بن عبداللہ انصاری واقعہ کربلا کے بعد قبر حسین کے پہلے زائر ہیں جبکہ زیارت حسین حکومت کا جرم تھی۔ انھوں نے حضرت رسول کی وہ حدیث روایت کی ہے جس میں آنحضرت نے یہ بتایا کہ اولی الامر کون ہیں اور حضرت علی علیہ السلام سے لے کر بارھویں امام حضرت مہدی صاحب العصر علیہ السلام تک اپنے بارہ خلفاء کے نام ظاہر فرمائے اور یہ بھی فرمایا کہ میرے پانچویں خلیفہ محمدؐ بن علی سے تمہاری ملاقات ہوگی جو توراۃ میں باقر کے لقب سے معروف ہے اور فرمایا کہ جب ان سے ملاقات ہو میرا اسلام پہنچا دینا۔ جابر بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ بینائی بھی بہت کمزور تھی۔ حضرت رسول کے اس ارشاد کو یاد کرتے ہوئے مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے تھے اور اکثر اوقات باقر باقر کا وظیفہ زبان پر رہتا تھا۔ اس وقت

امام محمد باقر علیہ السلام (فرزند امام زین العابدین علیہ السلام کی عمر ۵ سال کی تھی وہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو جابر کی نظر پڑی اور چال ڈھال حلیہ سب حضرت رسول کا نظر آیا۔ جابر نے کہا میاں صاحبزادے ذرا قریب آنا۔ ذرا آگے جاؤ پھر میری طرف آؤ۔ آپکے ایک ایک قدم پر جابر کہتے جاتے وہی چال ڈھال وہی شباہت رسول اس کے بعد کہا ذرا اپنا نام بتانا۔ آپنے فرمایا محمد بن علی ابن الحسین جابر صاحبزادہ کے قدموں سے لپٹ گئے اور کمسن صاحبزادہ نے فرمایا جابر ہمارے جد کی امانت ہم کو پہنچا دو تو جابر نے عرض کیا سرکار دو عالم نے آپ کو سلام فرمایا ہے۔ بہر حال حذیفہ بن الیمان اور جابر بن عبداللہ انصاری شیعان علی میں سے تھے۔

۳۲۔ لبرز الذین کتب علیہم القتل

قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ (سورہ آل عمران آیت ۱۵۱)

ترجمہ :۔ اے رسول کہدو اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو گے تو کچھ پرواہ نہیں ضرور وہ لوگ جن کا قتل ہونا مقرر ہو چکا ہے بغرض جہاد اپنی خوابگاہوں (قتل ہو کر ابدی نیند سو جانے کے مقام) کو نکلیں گے" تاریخ عالم اس امر کی شاہد ہے کہ بجز امام حسین علیہ السلام کی جماعت کے اور کوئی جماعت بغرض جہاد گھر سے باہر نہیں نکلی جو میدان جنگ میں جا کر تمام و کمال قتل ہو گئی ہو۔ یہ آیت صاف طور پر ان حالات کی خبر دے رہی ہے جب یزید تخت پہ بیٹھ کر رسول اللہ کا جانشین برحق ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اگرچہ تمام مسلمانوں کو یزید کی بد اعمالیوں کا علم تھا مگر بہت سے اپنے زعم باطل میں اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی غلط تعبیر سے یزید کو بھی اولی الامر سمجھ کر اس کی اطاعت کو واجب سمجھے ہوئے تھے اور کچھ یزید کی مادی طاقت اور ظاہری اقتدار و شوکت کو دیکھ کر خاموش تھے۔ حضرت عمر کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر نے بھی جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بھی بیعت نہیں کی تھی اولاً تو بیعت یزید سے گریز کیا تھا مگر پھر نہ جانے کن مصالح کی بناء پر راتوں رات پہونچکر اس حدیث رسول کا حوالہ دیکر بیعت کر لی کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاہلیۃ (یعنی امام زمانہ کی بیعت کے بغیر جو مر جائے وہ کافر مرتا ہے) اور ادھر حضرت امام حسین کے اس جہاد کو خروج قرار دیکر آپ کو مشورہ دیا کہ حضرت رسول نے بھی دنیا و آخرت میں سے آخرت اختیار کی تھی۔ لہذا آپ بھی آخرت کو اختیار کریں اور یزید پر خروج نہ کریں۔

بہر حال مسلمان تماشہ دیکھ رہے تھے مگر امام حسین علیہ السلام اور ان کے اقرباء اور اصحاب کی مختصر جماعت نے جن کا حفاظتِ دین کی خاطر قتل کیا جانا مشیت ایزدی میں مقرر ہو چکا تھا۔ نصرت اسلام میں قدم بڑھایا تاکہ حق و باطل میں امتیاز ہو جائے اور اپنی جانیں اسلام پر نثار کر دینا پسند کیا۔ چنانچہ یہ گھروں سے باہر نکل کر اپنی خوابگاہ یعنی قتل گاہ کربلا میں پہنچ گئے اور اس بہتر کی جماعت نے ہزاروں دشمنانِ اسلام سے یوں جہاد کیا کہ ان میں کا ہر ایک حتیٰ کہ شیر خوار ششماہہ تک شہید ہو گیا۔ محمد کا بھرا گھر اُجڑ گیا۔ مگر باغ اسلام پر بہار آ گئی۔

۴۳- وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِہٖ | وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (سورہ حج آیت ۷۸) ترجمہ:- اور جو حق جہاد کرنے کا ہے خدا کی راہ میں جہاد کرو۔ اسی نے تم کو برگزیدہ کیا اور امور دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی تمہارے باپ ابراہیم کے مذہب کو تمہارا مذہب بنا دیا ہے) اسی (خدا) نے تمہارا پہلے ہی سے مسلمان (فرمانبردار بندے) نام رکھا اور اس قرآن میں بھی (تو جہاد کرو) تاکہ رسول تمہارے مقابلہ میں گواہ بنیں اور تم تمام لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو۔ ابو بکر ابن مردویہ نے عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کی ہے اور در منثور سیوطی جلد ۴ صفحہ ۳۷۱ مطبوعہ مصر میں بھی بیہقی کے حوالہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں جس جہاد کا ذکر ہے وہ اس زمانہ کا ہے جب بنو امیہ حاکم ہوں گے اور مغیرہ کی اولاد وزیر ہوگی۔ یہ زمانہ یزید کا قرار پاتا ہے اور اس طرح اس آیت کے مخاطب امام حسین علیہ السلام ہیں اور اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتخاب کر لیا اور دگروں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ قرار دیا۔ اور آپ کے مقابلہ میں حضرت رسول کو گواہ بنایا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کا ذکر علیحدہ آیا ہے) کہ حضرت رسول نے (عالم رویا میں) حضرت ام سلمیٰ سے فرمایا کہ میں واقعہ شہادت حسین دیکھنے گیا تھا جس کی شہادت بہ حالت فرمانبرداری کا میں گواہ تھا۔

۴۴- وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ | وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ (سورہ فجر آیت ۱ تا ۴) ترجمہ: صبح کی قسم اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب آنے لگے۔ بحار الانوار میں درج ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سورۂ فجر امام حسین علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی اور نفس مطمئنہ کے الفاظ جو اس سورہ میں آئے ہیں ان سے خاص مراد خدا کی حضرت حسینؑ ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی تفسیر فتح العزیز میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں محرم کے دس دن مراد ہیں۔ یہ بھی اشارہ کر دیا ہے کہ بعض لوگ رمضان کے دس دن یا ذی الحجہ کے دس دن بھی مراد لیتے ہیں۔ علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں قطعیت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ والفجر سے مراد فجر محرم ہے۔ یہ پورا سورہ ایک مسلسل عبارت کی نوعیت رکھتا ہے۔ صاحبان نظر اس کی پوری عبارت پر اور نفس مطمئنہ کے بارگاہ الٰہی میں لوٹ کر جانے کے ذکر پر غور کریں تو ظاہر ہوگا کہ یہ سورہ واقعہ محرم اور اس کی دس مصیبت بھری راتوں اور صبح عاشورہ اور پھر گیارھویں رات (جو اہل بیت رسول اسیر شدہ پر بڑی مشکل سے گزری) اور امام حسین علیہ السلام سے ہی متعلق ہے۔ کونسی دس راتیں ایسی بھیانک اور کونسی صبح عاشورہ کی صبح سے زیادہ قیامت خیز کہیں ہوئی ہے۔ ایسی اہمیت کونسے دس دن رات اور کس صبح کو حاصل ہے۔ قسم کسی اہم چیز کی ہی کھائی جاتی ہے اور جب صاف ذکر دس راتوں اور صبح اور پھر گیارھویں رات کا موجود ہے تو یہ سارا معاملہ ظاہر بظاہر عاشورہ محرم کا ہے۔

میرے تایا مولوی سید علی بشیر صاحب قبلہ مرحوم نے اپنی کتاب حیات سید الشہداء میں ان آیات کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے۔ "قسم ہے صبح عاشورہ کی (جس میں آل رسول اپنی جانوں سے مایوس ہو گئے) اور قسم ہے (غم کی) دس راتوں کی (جن میں اہل بیت نبوی طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے) اور قسم ہے (شب دہم) جفت کی وجو شہدائے کربلا کی زندگی کی آخری رات تھی جس کو امام حسین نے معہ اپنے رفقاء کے بھوکے اور پیاسے رہ کر بحالت خوف نماز و دعا میں گزارا) اور قسم ہے (شب یازدہم طاق کی (جسے خاندان رسالت نے جان و مال کا نقصان اٹھا کر کربلا کے دشت پرخطر میں چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ گریہ وزاری میں بسر کیا) اور قسم ہے (اسی) رات کی جب گزرنے لگے (جس میں اہل حرم کا لٹا ہوا قافلہ اپنے شہداء کو دفن کئے بغیر عالت اسیری سفر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ صاحبان ایمان کا دل گواہی دیتا ہے کہ اس صبح اور ان راتوں کی عظمت کے اعتبار سے خدائے تعالیٰ نے ان باتوں کی حقیقت کو بطور خبر کے بیان کر کے یقین دلانے کے لئے قسمیں بھی کھائی ہیں۔

(۳۵) سورہ عصر وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورہ والعصر) یعنی قسم ہے (نماز) عصر کی (جو امام حسین نے زیر خنجر ادا کی) بیشک انسان (جنہوں نے ایسے نمازی کے درپے آزار ہو کر سجدہ میں سر کاٹنے میں شرکت کی) صریح نقصان میں ہیں مگر وہ لوگ (شہداء) جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور (دین) حق کی (پیروی کرنے کی) ہدایت کی اور آپس میں ایک دوسرے کو (مصیبت میں صبر کی وصیت کی البتہ یہ نقصان میں نہیں ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں وہ قسم ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عصر کی نماز کی۔ یوں تو حضرت رسول خدا کی ہر نماز بلحاظ فضیلت و بزرگی اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی مگر تاریخی حیثیت سے رسول خدا کی نماز عصر کوئی ایسی خصوصیت نہیں رکھتی جس کی طرف اللہ تعالیٰ اپنی قسم میں بطور خاص اشارہ فرماتا۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ بروز عاشورہ محرم رسول کے نواسہ کی نماز کو جو اہمیت خاص حاصل ہوئی اور جس نماز میں حسین کی شہادت عظمیٰ سے خود رسول خدا کے فضائل پیغمبری کی تکمیل (بمصداق حسین منی و انا من الحسین لحمک لحمی و دمک دمی و نفسک نفسی و روحک روحی) ہوئی کیونکہ حضرت رسول خدا میں بجز شہادت اور کسی صفت کی کمی کسی پیغمبر کے مقابلہ میں باقی نہیں رہی تھی اور ذریعہ شہادت حسن و حسین یہ صفت بھی آپ کی ذات سے متعلق ہو گئی تو ایسی نماز عظیم القدر ہونے کے لحاظ سے ضرور اس قابل تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسم کھاتا اور اسی لئے اس نے اس کی قسم کھائی بھی۔ ضمیر کی آواز اور صاحبان ایمان کے دل کی گواہی بھی کوئی چیز ہے۔ حضرت والد مرحوم نے اپنے ایک نوحہ میں اسی قسم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قسم العصر میں کھائی کس کی حل اتی شان میں آئی کس کی
حق میں نازل ہوئیں کس کے آیات کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا

اس نوحہ کے کچھ اور شعر یہ ہیں :-

صاحب آیۂ تطہیر تھا کون کچھ خبر ہے تجھے شبیر تھا کون
کس پہ پڑھتے تھے ملائک صلواۃ کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا

جزو ایمان تھی محبت کس کی کفر تھی بغض و عداوت کس کی
کس کی اُلفت تھی رہ امن و نجات کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا

جھولا جبرئیل جھلاتے تھے کسے شافع حشر کہلاتے تھے کسے
کس کو لیتے تھے نبی ہاتھوں ہاتھ کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا

کون تھا سبط رسول عربی کس کو کہتے تھے حسین ابن علی
کس کی ماں تھی شرف موجودات کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا

کون تھا سید اہل جنت کس کی طاعت تھی خدا کی طاعت
خلد دلوانا تھا کسی کو اک بات کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا

کون تھا دوش پیمبر کا سوار زلف احمد تھی بنی کس کی مہار
کس نے پائے تھے یہ عالی درجات کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا

مجھ کو پہنچا دے اگر دامن تقدیر جا کے میں نہر کنارے شبیر
پوچھوں رو رو کے بتا مجھ کو فرات کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا

۳۶- اِنَّ اللّٰہَ اشتریٰ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۵ (سورہ توبہ آیت ۱۱۱ و ۱۱۲) ترجمہ :- بہ تحقیق اللہ نے مومنین سے ان کی جان و مال کو خرید لیا ہے بعوض اس کے کہ ان کو بہشت ملے یہ معاملہ اس طور پر ہوا ہے کہ مومنین راہ خدا میں جہاد کریں کفار کو قتل کریں اور خود بھی مقتول ہو جائیں۔ یہ وعدہ خریداری اور جہاد اور قاتل اور مقتول ہونیکا سچا ہے جس کا ذکر توریت اور انجیل اور قرآن میں ہے اور جسنے اپنے اس عہد کو پورا کیا جو خدا سے کر چکا ہے۔ پس بشارت ہو تم کو اس خرید و فروخت کی جو تم نے کی ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس کلام پاک سے امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت کی اور نیز آپ کی اور آپ کے اصحاب کے احوال کی جن کا ذکر کتاب توریت انجیل میں بھی ہے پوری تصدیق ہو جاتی ہے اور پھر کچھ چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ جن مومنین کے جان و مال کے مول لینے کا بہشت کے بدلے میں خداوند عالم نے ذکر فرمایا ہے وہ یہی شہدائے کربلا ہیں جن سب کے سب نے

جہاد کر کے قتل بھی کیا اور مقتول بھی ہو گئے اور جن کا مال و اسباب بھی لوٹا گیا۔ غرضکہ جو معاملہ خداوند عالم نے خرید و فروخت کا فرمایا ہے وہ کامل طور پر حرف بہ حرف واقعہ شہادت کربلا میں انجام پایا۔

متذکرہ صدر آیت کے بعد ہی کی آیات میں الفاظ توبہ کرنے والوں اور خدا کی حمد و ثنا اور رکوع و سجود کرنے والوں کے استعمال ہوئے ہیں وہ حضرت حر کے توبہ کر کے لشکر مخالف سے نکل کر امام حسین علیہ السلام کے قدموں میں حاضر ہونے اور پھر راہِ خدا میں جہاد کرنے اور قتل ہو جانے اور انصاران حسین کے ایک رات کی مہلت شب عاشورہ کو مانگ کر پوری رات عبادت میں بسر کرنے کی طرف صاف صاف اشارے موجود ہیں لاریب یہ آیت قرآن سوائے انصاران حسینی کے اور کسی پر اس طرح حرف بہ حرف چسپاں نہیں ہوتی۔

۳۷۔ **فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ** (سورۂ دخان کی آیت ۲۹ ہے) فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ۝ ترجمہ: تو ان لوگوں پر آسمان و زمین کو بھی رونا نہ آیا اور نہ انہیں مہلت ہی دی گئی۔ اس آیت شریفہ میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ باوجود بہت سی نعمات حاصل ہونے کے بھی بعض لوگوں پر آسمان و زمین نہیں روئے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ بہت ہی خاص الخاص بندے ہوتے ہیں جن پر آسمان و زمین روتے ہیں۔ چنانچہ سیوطی درمنثور جلد ۶ صـ۳۱ پر حسب ذیل روایت درج ہے۔ ابن ابی حاتم عبید کاتب سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا جب سے دنیا پیدا ہوئی آسمان صرف دو آدمیوں پر رویا۔ جب یحییٰ بن زکریا قتل ہوئے اور جب حسین قتل ہوئے۔

۲۔ امام کو علم لدنی عطا ہوتا ہے اور اس کا کام ہدایت کرنا ہے

۳۸۔ **آیت وارث کتاب** ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ (سورہ فاطر آیت ۳۲) ترجمہ:۔ پھر ہم نے وارث کتاب ان کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا کیونکہ بندوں میں سے کچھ تو نافرمانی کر کے اپنی جان پر ستم ڈھاتے ہیں اور کچھ ان میں سے (نیکی بدی) کے درمیان ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ خدا کے اختیار سے نیکیوں میں (اوروں سے) گوئے سبقت لے گئے ہیں یہی (انتخاب و سبقت) تو خدا کا بڑا فضل ہے۔

اس آیت کو بھی ہم نے باب اول میں درج کیا ہے۔ یہاں صرف وہ اسناد درج کر دیتے ہیں جو اس آیت کے حضرت علی علیہ السلام اور ائمہ طاہرین کی شان میں ہونے کے متعلق ہیں۔

حافظ ابوبکر ابن مردویہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں ہے۔ علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ جن لوگوں کا ذکر اس آیت میں ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو تا قیامت کتاب خدا کے

سچے وارث اور اس کے مطابق ہادی ہوں گے جن کو خدا نے اُمۃً وسطا لتکونو شہدا، علی الناس فرمایا ہے۔
شواھد التنزیل حاکم ابوالقاسم میں درج ہے کہ خدا کی حجت اور خلق خدا کے گواہ حضرت علی اور ان کی اولاد ہیں۔
اس کی تائید حدیث ثقلین سے بھی ہوتی ہے جس کا ذکر باب چہارم میں آیا ہے۔ ارشاد رسول ہے کہ میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کتاب خدا اور میری عترت اہل بیت۔ ان دونوں سے تم متمسک رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے معلوم ہوا کہ تاقیامت کتابِ خدا اہل بیت کے پاس رہے گی۔ یعنی وارث کتاب اہل بیت ہیں اور اس آیت کے اعتبار سے جن بندوں کا انتخاب کرکے اللہ تعالیٰ نے وارث کتاب بنایا ہے وہ اہل بیت رسول ہیں۔ ان تمام روایات کی روشنی میں حضرت علی علیہ السلام اور آپ کی اولاد طاہرہ کا بحکم خدا وارثِ کتاب ہونا پوری طرح ثابت ہے۔

۳۹۔ آیت علم و گواہی رسالت

وَیقول الّذین کفر ولست مُرسلاً قل کفی باللہ شھیدا بینی وبینکُمْ وَمن عندَہٗ علمِ الکتاب (سورہ رعد آیت ۴۳) ترجمہ:۔ کافر لوگ کہتے ہیں کہ تم ہرگز پیغمبر نہیں ہو تو (اے رسول تم (ان سے) کہدو کہ میرے اور تم لوگوں کے درمیان (میری رسالت کی) گواہی کے لئے خدا اور وہ شخص جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے کافی ہیں۔

حافظ ابونعیمؒ ثعلبی محدث خلیل اور نطنزی نے محمد حنفیہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یہ آیت حضرت رسول کی بعثت کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی جب لوگ رسول اللہ کو شاعر و ساحر و مجنون کہا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ آپ ہرگز خدا کے رسول نہیں ہیں۔ اس زمانہ میں علی مرتضیٰ کی عمر نو دس ہی سال کی تھی اور اسی عمر میں علی مرتضیٰ نے رسالت رسول کی تصدیق فرمائی تھی اور اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ صاحب اتقان نے اپنی تفسیر میں اور مرزا محمد بدخشی نے مفتاح النجا میں درج کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ علامہ صالح کشفی ترمذی نے بھی کوکب دری میں ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔ تفسیر ثعلبی میں عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ نیز ثعلبی و حافظ ابونعیم نے محمد حنفیہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے۔ ایک ناصبی طرز کے سنی عالم فضل ابن روزبہان نے ابطال الباطل میں لکھدیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام یہودی کے حق میں نازل ہوئی ہے، جب وہ مسلمان ہوا۔ حالانکہ خود عبداللہ بن سلام کی زبانی روایت دوسرے سنی محدثین نے درج کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں ہے۔ جلال الدین سیوطی نے روایت کی ہے کہ لوگوں نے ابن جبیر سے پوچھا کہ آیا من عندہ علم الکتاب عبداللہ بن سلام ہے۔ ارشاد فرمایا وہ کیونکر ہوگا حالانکہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا اور ابن سلام مدینہ میں مسلمان ہوا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی دھیان میں رکھنے کے قابل ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے بلا کسی قید یا دیگر قرینہ کے محض کتاب کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو اس سے مراد قرآن مجید ہے جیسے ذالک الکتاب، اور ثنا الکتب وغیرہ سب جگہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اہل کتاب کی ایک مستقل اصطلاح علیحدہ ہے کہ جس سے مراد سابقہ امتوں کے ہیں

وہ لوگ ہیں جنکے پیغمبروں کو اللہ کی طرف سے کتاب عطا ہوئی تھی۔ عبداللہ بن سلام یہودی جو بعد میں مسلمان ہوا اگر کچھ علم رکھتا بھی ہوگا تو کتاب توریت کا یا زیادہ سے زیادہ صحفِ سلف کا نہ کہ مسلمان ہونے سے قبل قرآن کا علم اور وہ بھی اس انداز میں کہ پوری کتاب کا علم اُس کو حاصل ہو جاتا۔ اگر اس آیت میں عبداللہ بن سلام کے مفروضہ علم کا ذکر ہوتا تو بلا قید علم الکتاب کے الفاظ نہ ہوتے بلکہ ایسی صراحت ہوتی جس سے صحفِ سلف کے علم کا مطلب نکلتا۔

ظاہر بظاہر یہ آیت اُسی ہستی سے متعلق ہے جس کو پوری کتاب خدا یعنی پورے قرآن کا علم ہو۔ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق بکثرت ارشاداتِ رسول کتب اہل سنّت میں بھی موجود ہیں کہ آپ کو نہ صرف قرآن کا بلکہ تمام صحفائے انبیائے سلف کا بھی علم حاصل تھا۔ متفقہ روایتیں ہیں کہ آپ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت ایک رکاب میں پاؤں رکھکر دوسری رکاب میں پاؤں ڈالنے تک پورے قرآن کا ورد فرماتے تھے۔ اِس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس آیت کو سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کسی اور سے چسپاں کیا جائے اس کے علاوہ قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت رسول کی رسالت کی گواہی کا ذکر ہے کہ ایک گواہ نے خود اللہ تعالیٰ ہے اور دوسرا گواہ وہ شخص ہے جس کے پاس پوری کتاب خدا کا علم ہے۔ اِس آیت کے سوا دیگر متعدد آیات ہیں جنکا ذکر میں نے اس کتاب میں دیگر مقام پر کیا ہے کہ رسالت رسُول کے گواہ حضرت علی علیہ السلام ہیں اور آپ کے سوا کوئی نہیں جو دوسرے گواہ سمجھے یا کہے جاتے ہیں وہ گواہ نہیں بلکہ صرف صرف رسولؐ کو رسول ماننے والے ہیں اور ان کو گواہ کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

خیال کرنے کی جگہ ہے کہ نو دس برس کا بچہ اور جبکہ ابھی پورا قرآن بھی باسباب ظاہر نازل نہیں ہوا تھا علم الکتاب یعنی پوری کتاب کا علم رکھے اور اس کی گواہی رب العزت خود دے تو اس کے علم کا کیا ٹھکانا جب ہی تو باب العلم قرار پائے۔ قرآن شریف میں جہاں اور پیغمبروں کے علم کا ذکر ہے وہاں من لدنا علم لدنی میں سے کچھ) اور کہیں علم من الکتاب یعنی کتاب کے علم میں کچھ آیا ہے۔ پیغمبروں میں سے حضرت خضر کے علم کا ذکر اللہ تعالیٰ سورہ کہف کی آیت ۶۵ میں اس طرح فرماتا ہے۔ فوجدا عبداً من عبادنا اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا و علمنٰہ من لدنا علماً۔ ترجمہ: تو دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (خضر) کو پایا جس کو ہم نے اپنی بارگاہ سے رحمت کا حصہ (نبوت) عطا کیا تھا اور ہم نے اسے علم لدنی میں سے کچھ سکھایا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس کو پورا علم الکتاب ہو اس کا علم علم میں سے کچھ حصہ پانیوالوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس طرح حضرت علی علیہ السلام کی مثال انبیائے سلف بھی پیش نہیں کرسکتے۔ علم لدنی کے متعلق حضرت غزالی رسالۃ الغزالی فی العلم لدنی میں تحریر فرماتے ہیں۔ العلم لدنی یکون لاھل النبوۃ والولایت کما حصل للخضر و کما حصل بعلی ابن ابی طالب علیہ السلام۔ یعنی "علم موہبی لدنی صاحبان نبوت و ولایت کو حاصل ہوتا ہے جیسا کہ خضر اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو حاصل تھا۔ خضر نبی تھے اور علی ولی اللہ۔"

حضرت عیسیٰ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اگرچہ بچپن ہی سے نبی بنایا تھا اور کتاب عطا فرمائی تھی جیسا کہ سورہ مریم کی آیت ۳۰ میں حضرت عیسیٰ کے کہے ہوئے کلمات درج ہیں۔ انی عبداللہ آتینی الکتاب و جعلنی نبیاً مگر یہ کتاب انجیل

تھی اور حضرت عیسیٰ کا علم کتاب انجیل تک محدود تھا۔

حضرت یحییٰ کو بھی بچپن میں سات برس کی عمر میں نبوت ملی تھی مگر ان کا علم بھی اپنے صحیفہ تک محدود تھا یہ مسلمہ ہے کہ قرآن شریف جو خاتم النبیین افضل الانبیا پر نازل ہوا مکمل ترین اور آخری کتاب ہے اور ان تمام صحف سالقہ کے علوم پر حاوی ہے جو انبیائے سلف پر نازل ہوئی تھیں۔ اس طرح جہاں حضرت رسول کی رسالت کی گواہی کے تعلق سے یہ بیان فرمایا جائے کہ علم الکتاب کسی کو دیا گیا ہے۔ یعنی پوری کتاب کا علم تو ماننا پڑیگا کہ یہ علم انبیائے سلف کے اس علم سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے جن کو اپنے زمانہ کے کتب سماویہ مثل توریت و انجیل و زبور وغیرہ عطا ہوئے تھے۔

ملا عبدالرحمن جامی نے شواہد النبوۃ میں درج کیا ہے کہ حضرت علی جس وقت گھوڑے پر سوار ہونے کو رکاب میں پیر دیتے تھے تو تلاوت قرآن شروع کرتے تھے اور جبکہ دوسرا پیر دوسری رکاب میں پہنچتا یا بقول پشت فرس پر راست ہو بیٹھتے تھے تو قرآن شریف ختم کر دیتے تھے۔

غور کیجئے تو ان ہستیوں کے تعلق سے اس میں حیرت کی بھی کچھ بات نہیں۔ جو لوگ زمان و مکان کی قید سے مبرا ہوں بلکہ خود صاحب عصر و صاحب امر ہوں ان کے سامنے وقت و مکان کا کیا سوال۔ رسول اللہ فرماتے ہیں اول ما خلق اللہ نوری اور پھر ساتھ ہی فرماتے ہیں انا و علی من نور واحد۔ مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ و علی مرتضیٰ کا نور اس وقت خلق ہوا جب نہ زمین و زمان تھے نہ افلاک نہ عرش و کرسی نہ فرشتے نہ جبرائیل نہ میکائیل نہ زمانہ تھا نہ وقت یعنی بغیر محل و مکان کے ان ہستیوں کا وجود قائم تھا اور بغیر وقت کے تعین و قیام گزر کے یہ ہستیاں برقرار رہیں۔ اب پھر ان کو زمان و مکان کی کیوں قید لاحق ہو۔ جب ہی تو ان کی حکومت زمان و مکان پر ہے۔ کہیں اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا تو کہیں وقت عصر کے لوٹا دینے کو ڈوبا ہوا آفتاب مغرب سے طلوع کر آیا کہیں سنگریزوں نے گواہی دی تو کہیں سوکھا ہوا درخت بارآور ہو گیا اور کہیں در خیبر نے قوت ربانیہ کی تصدیق کی۔ کسی جسم کا سایہ نہ تھا تو کوئی آن واحد میں چالیس مقامات پر شریک دعوت رہا۔ ناظرین کو بخوبی اندازہ ہوا ہوگا کہ حقیقی صاحب امر یا اولی الامر یا صاحب عصر کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ یونہی سرسری "سطحی رسمی یا اعزازی نہیں ہیں بلکہ عین حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اب یوں کہنے کو جو چاہے اپنے کو اولی الامر کی تعریف میں داخل کرنے کی کوشش نامشکور کر دیکھے۔

۱۰م۔ اوتوا العلم — وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۝ (سورہ سبا آیت ۶) ترجمہ:۔ (اے رسول) جن لوگوں کو ہماری بارگاہ سے علم عطا کیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔ یہ آیت بھی آیت ماقبل اور اس کے بعد درج کی ہوئی آیت یتلوہ شاہد منہ کی ہم معنی ہے اور وہی مطالب اس میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ رب العزت نے اس میں یرالذین' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں آتے ہیں یعنی ارشاد ہے کہ جن کو ہم نے علم عطا کیا ہے وہ اس امر کو کہ جو کچھ حضرت رسول پر نازل کیا گیا ہے حق ہے گویا اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ یعنی رسالت رسول اور نزول قرآن کے متعلق ان کے علم کی کیفیت عین الیقین کی ہے رب العزت نے

اس کی بھی صراحت فرمادی ہے کہ یہ ہستیاں وہ ہیں جن کو علم واہب العطایا نے عطا فرمایا ہے۔ یعنی ان کا علم کسبی نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے راسخون فی العلم، اہل الذکر، صاحبان خبر، رسالت رسول اور قرآن برحق ہونے کے گواہ اور وارث کتاب قرار دیا ہے۔

۴۱۔ یتلوہ شاھد منہ

اَفَمَن کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّن رَّبِّہٖ وَیَتلُوہُ شَاھِدٌ مِّنہُ (سورۂ ہود آیت ۱۷) ترجمہ:۔ تو کیا جو شخص (رسول) اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسی ہی میں کا ایک گواہ ہو (بہتر ہے یا کوئی اور)۔ ابن ابی حاتم، ابونعیم، ابن عساکر اور ابن مردویہ نے کئی طریقوں سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ایک مرتبہ منبر پر فرمایا کہ قریش میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کچھ نہ کچھ قرآن نازل نہ ہوا ہو۔ یہ سنکر ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا آپ کے بارے میں کیا نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا تو نے سورہ ہود کی یہ آیت افمن کان علی بینۃ ...... الخ نہیں پڑھی ہے تو وہ شخص جو دلیل روشن پر ہو حضرت رسول ہیں اور ان کے ساتھ ہی ساتھ گواہ سے مقصود میں ہوں۔ اس کے علاوہ ثعلبی نے ابوہریرہ سے اور کتاب الغارات میں ضحاک سے یہی روایت کچھ اضافہ کے ساتھ منقول ہے نیز حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور دیگر علماء اہل سنت میں سے بہت سے لوگوں نے اس کو بیان کیا ہے۔ آیت متذکرہ صدر میں "منہ" کا لفظ بطور خاص قابل غور ہے۔ اگر صرف لفظ شاہد ہوتا تو اس کے وہ معنی نہ ہوتے جو شاہد "منہ" کے ہیں۔ یعنی وہ گواہ حضرت رسول ہی کی جنس اور طبقہ کا ہے اور گویا اسی کا جزو ہے "منہ" فرما کر اللہ تعالیٰ نے گواہ کی عظمت کو ظاہر فرمایا ہے۔ جوینی، واحدی، طبری، ابن مغازلی، علی ہمدانی نے بھی لکھا ہے کہ شاھدٌ منہ علیؑ بحکم خدا رسالت کے گواہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ حضرت رسول نے اسی وجہ سے حضرت علی کو صدیق اکبر فرمایا ہے۔ آیت متذکرہ صدر کی گویا ہم معنی اور اضافہ مطالب کے ساتھ سورۂ رعد کی آیت ۴۳ ویقول الذین کفروا لست مرسلا ...... الخ ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رسالت رسول کی گواہی کے لئے ایک تو اللہ تعالیٰ اور دوسرا وہ شخص کافی ہے جس کے پاس کتاب خدا کا علم ہے۔

۴۲۔ جاء بالصّدق

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ المُتَّقُونَ (سورۂ زمر آیت ۳۳) ترجمہ:۔ اور وہ شخص کہ آیا ساتھ صدق کے اور جس نے تصدیق کی اس کی وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ سیوطی، محمد بن یوسف گنجی شافعی، ابن عساکر، حافظ ابونعیم، ابوبکر ابن مردویہ اور مغازلی لکھتے ہیں کہ حضرت مجاہد اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص کہ آیا ساتھ صداقت کے وہ جناب رسول خدا ہیں اور جس نے کہ تصدیق کی آپ کی رسالت کی وہ جناب امیرؑ ہیں۔ نیز حافظ ابن مردویہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ جو سچی بات لے کر آیا سے مراد میں ہوں اور جس شخص نے تصدیق کی سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں۔

۴۳۔ خیر اُمّۃ

کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنھَونَ عَنِ المُنکَرِ (سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰) ترجمہ:۔ تم کیا اچھے گروہ ہو کہ لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا

کئے گئے ہو۔ تم اچھے کام کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔

اس آیت کا ذکر باب اول میں بھی آچکا ہے اس لئے اعادہ مضمون کی ضرورت نہیں البتہ خیر اُمۃ کون ہیں اس کی نسبت حضرت رسول کے ارشاد سے متعلق ہم ایک روایت درج ذیل کر دیتے ہیں۔ سیوطی نے اپنی تفسیر جلد ۲ کے صفحہ ۶۴ پر اس آیت کے تحت درج کیا ہے کہ ابن حاتم نے ابوجعفر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ خیر اُمت سے مراد اہل بیت رسول ہیں۔ آیت کا مطلب صاف ہے کہ یہ گروہ پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ لوگوں کی ہدایت کرے۔

۴۴۔ رَاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ الرّاسخون فی العلم (سورۂ نساء آیت ۱۶۲) یعنی علم میں پکے اور راسخ۔ اس آیت کو باب اول میں درج کیا گیا ہے۔ اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۴۵۔ اھل الذکر فَسْئَلُوٓا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝ (سورہ نحل آیت ۴۳ و سورۂ انبیاء آیت ۷) ترجمہ:۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔

قرآن میں خدائے تعالیٰ نے لفظ ذکر سے رسول کو مراد لیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتا ہے۔ قد انزل اللّٰہ الیکم ذکرا رسولا ۝ ذکر سے حضرت رسول مراد ہیں تو اہل ذکر سے اہل بیت رسول ائمہ معصومین مراد ہوئے۔ شیخ سلیمان بلخی نے ینابیع المودۃ باب ۳۹ صفحہ ۱۱۹ پر امام ثعلبی کی تفسیر کشف البیان سے بہ روایت جابر بن عبداللہ انصاری نقل کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم خاندان رسالت اہل ذکر ہیں۔

فصول مہمہ میں معاذ ابن عمار ذہبی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کرکے فرمایا ہم اہل ذکر ہیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ باوجودیکہ نماز پڑھتے روزے رکھتے اور حج وعمرہ کرتے ہیں مگر پھر بھی منافق ہیں۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ایسے شخص پر نفاق کیونکر داخل ہوا۔ آپ نے فرمایا اس وجہ سے کہ وہ اپنے امام پر طعن کرتا ہے اس کو برا کہتا ہے اور اس کا امام وہ شخص ہے جس کو خدا نے فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝ سے یاد فرمایا ہے۔ اس روایت کو ابن مردویہ نے بھی انس بن مالک کی سند سے بیان کیا ہے درالمعرفت جلد ثالث مکتوبات شیخ احمد مجدد الف ثانی کے مکتوب چہارم میں درج ہے۔ " دریں مقام بفہم قاصری در آید آنست کہ لا یمسہ الا المطہرون مساس نکنند اسرار مکنونہ قرآن مگر جماعت کہ از لوث تعلقات بشریت پاک بودہ باشد۔ ہر گاہ نصیب پاکان مساس اسرار قرآن بود دیگراں راچہ رسد یعنی اس مقام پر میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے کہ اسرار پوشیدہ قرآنی کو مس نہیں کرتے مگر صرف وہ لوگ جو تعلقات بشریت کی گندگی سے پاک ہوں۔ پس جبکہ اسرار قرآنی مطہرین کا حصہ ہے تو غیروں کو اس سے کیا مل سکتا ہے۔ آیت تطہیر اس بات کی گواہ ہے کہ مطہرین اہل بیت رسول ہی ہیں۔

۴۶۔ فسئل بہ خبیرا الرحمن فسئل بہ خبیرا (سورۂ فرقان آیت ۵۹) ترجمہ:۔ رحمٰن کیا ہے صاحب خبر سے

پوچھو اس آیت کا ذکر باب اول میں آچکا ہے۔ یہاں اعادہ بےضرورت ہے۔

۴۷۔ لسان صدق واجعل لی لسان صدق فی الآخرین (سورۂ شعراء آیت ۸۴) ترجمہ:۔ اور بنا میرے لئے ایک سچ کی زبان پچھلوں میں۔"

حافظ ابوبکر ابن مردویہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ لسان صدق جناب علی ابن ابی طالب ہیں جب علی کی ولایت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دُعا کی کہ اے پروردگار ان کو میری ذریت سے بنا۔

۴۸۔ حسن اولئک رفیقا من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا (سورۂ نساء آیت ۶۹) ترجمہ:۔"جو لوگ کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں پس وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے وہ نبی اور صدیق اور شہیدا اور نیک بخت ہیں اور اچھے رفیق ہیں"۔ تفسیر ابن الحجاج میں ہے کہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جناب امیر نے حضرت رسول خدا سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم جنت میں بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ جس طرح دنیا میں ہوتے ہیں آنحضرت نے فرمایا ہر ایک نبی کیلئے اس کا ایک رفیق ہوتا ہے جو اس نبی کی اُمت میں سب سے پہلے اس پر ایمان لاتا ہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی من یطع اللہ والرسول..... الخ پس حضرت رسول خدا نے جناب امیر کو بلوا کر فرمایا علی تیرے سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور تجھے میرا رفیق بنایا ہے کیونکہ تو سب سے پہلے اسلام لایا ہے اور تو صدیق اکبر ہے۔

۴۹۔ والسابقون الاولون والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار (سورہ توبہ آیت ۱۰۰) ترجمہ:۔ کہ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے۔ ضحاک اور طبرانی اور ابوبکر ابن مردویہ نے لکھا ہے کہ عبداللہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یوشع بن نون موسیٰ علیہ السلام کی طرف اور الیاسین حواریوں کے دوست نے حضرت عیسیٰ کی طرف اور جناب امیر نے حضرت رسول خدا پر اسلام لانے میں سبقت کی ہے۔

۵۰۔ اذن واعیہ وتعیھا اذن واعیۃ (سورہ الحاقہ آیت ۱۲) ترجمہ:۔ اور یاد رکھے اس کو کان سننے والا امام واحدی نے اسباب النزول میں حافظ ابو نعیم نے ما نزل القرآن فی علی میں اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بریدہ اسلمی سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت رسول خدا کو جناب امیر سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یا علی ہم تمہیں تعلیم کریں تاکہ تم یاد رکھو اور خدا پر حق ہے کہ تمہیں یاد رکھائے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور

ابن مغازی نے مناقب میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے اور دیلمی نے مکول سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے دعا فرمائی اور یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت علی فرماتے تھے اس روز سے مجھے کوئی بات نہ بھولی اور کوئی کلام حضرت رسول خدا سے ایسا نہیں سُنا کہ مجھے یاد نہ رہا ہو۔

۵۱-وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ

واقیموا الصلوٰۃ واتوالزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین (سورۂ بقرہ آیت ۴۳) ترجمہ:- اور نماز ادا کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرو۔ طبرانی نے خصائص میں حافظ ابونعیم ابن مردویہ اور ابن مغازی نے مناقب میں اور سبط ابن الجوزی نے تذکرہ خواص الامہ میں مجاہد ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت جناب رسالت مآب اور جناب امیر کے حق میں خاص کر نازل ہوئی ہے اور انہیں دونوں صاحبوں نے اول نماز پڑھی ہے اور یہی دونوں پہلے جھکے ہیں۔

۵۲-آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهٖ

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ (سورۂ نساء آیت ۵۴) ترجمہ:- کیا لوگ حسد کرتے ہیں اس شخص پر کہ جس کو دیا ہے اللہ نے اپنے فضل سے۔ ابوالحسن المغازلی نے مناقب میں اور ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ہم اہل بیت رسول کی شان میں ہے۔

۵۳-ذی فضل

ویوت کل ذی فضل فضلہ (سورہ ہود آیت ۳) ترجمہ:- اور دی جائیگی ہر ایک فضیلت والے کو اس کی فضیلت۔ ابوبکر ابن مردویہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں ذی فضل سے مراد جناب امیر علیہ السلام ہیں۔

۵۴-اهدنا الصراط المستقیم

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ترجمہ:- (یا اللہ) تو ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت فرما۔ ان لوگوں کے راستہ کی جن پر نعمتیں نازل ہوئیں۔ مسلم بن حیان نے بریدہ سے روایت کی ہے جس راستہ کا اور جن لوگوں پر نعمتیں نازل ہونے کا ذکر ان آیتوں میں ہے وہ حضرت رسولِ خُدا اور ان کی آل ہیں اور وہ راستہ انہیں کا ہے۔

۵۵-القیانی جھنم کل کفارٍ عنید

القیانی جہنم کل کفارٍ عنید (سورۂ ق آیت ۲۴) یعنی تم دونوں ہر سرکش ناشکرے کو دوزخ میں داخل کرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی کا نام نہیں لیا ہے اور تم دونوں کہکر دو اشخاص سے خطاب کیا ہے۔ صاحبانِ عقل سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کونسی ذات ہے جو حضرت رسول سے ایسی متصل مشترک و مدغم اور بمنزلہ نفس اور گویا ایک دوسرے کے لازم وملزوم اور ایک دوسرے سے اور ایک ہی نور کے دو حصے ہیں کہ تم دونوں کہنے سے وہ دوسری ذات خود سمجھ میں آجائے ظاہر ہے کہ وہ نفسِ رسولؐ علیؑ مرتضٰی کی ذات ہے جس کو حضرت رسول نے اپنے سر سے مثال دی اور فرمایا ہم دونوں

ایک دوسرے سے ہیں (جس کے بکثرت اسناد اس کتاب میں درج ہوئے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے) حدیث منزلت اور اُس سے مربوط آیت قرآنی سے بھی اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے کہ یا علی تیری نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ کے ساتھ تھی ۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کتاب توریت کے متعلق فرمایا ہے۔ ولقد آتینا موسیٰ وھارون الفرقان ؕ سورۂ صٰفٰت آیت ۱۱۷ سورۂ انبیاء ۴۸ اور اسی کی آیت ۱۱۸ میں فرمایا وآتیناھما الکتاب المتبین یعنی ہم نے ان دونوں کو فرقان عطا کی اور ایک واضح المطالب کتاب عطا کی سورہ یونس کی آیت ۸۷ ہے۔ اوحینا الیٰ موسیٰ واخیہ یعنی ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی کی طرف وحی کی۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۴۲ میں فرمایا: اذھب واخوک بآیاتی یعنی تم (موسیٰ) اور تمہارے بھائی ہمارے معجزے لیکر چلو۔ سورۂ شعراء کی آیت ۱۵ ہے۔ فاذھبا بآیٰتنا انکم معکم مستمعون ؕ یعنی تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ سورۂ فرقان کی آیت ۳۵ ہے: وجعلنا معہ اخاہ ھارون وزیراؕ یعنی ہم نے ان کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو وزیر بنایا۔ اِس طرح مسلمہ ہے کہ جیسے حضرت رسولؐ نے دعا بھی فرمائی تھی حضرت علی مرتضیٰ حضرت رسولِ خُدا کے وزیر و شریک کار رسالت ہیں۔ تو اب آیت زیر نظر القیانی جہنم کل کفار عنید میں واضح ہوگیا کہ تم دونوں کہکر خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ کے مخاطب حضرت رسولِ خدا اور حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔ تاہم ذہنی تشفی کے لئے ہم ایک مستند حدیث کا حوالہ دے دیتے ہیں۔ مسند احمد ابن حنبل میں ابو سعید خدری کی زبانی روایت ہے کہ جب آیت القیانی جہنم نازل ہوئی تو حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جب دن قیامت کا ہوگا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے اور علی سے فرمائیگا اپنے دوستوں کو بہشت میں داخل کرو اور اپنے دشمنوں کو جہنم داخل کرو۔

۵۶۔ سَقَاھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا سورۂ دہر کی آیت ۲۱ ہے وسقاھم ربھم شرابًا طھورًاؕ یعنی (مومنین کو) اُن کا رب شراب طہور پلائیگا۔ حضرت رسولِ خدا کے متعدد ارشادات ہیں کہ قسیم النار والجنۃ علی ہے ساقیٔ کوثر علی ہے۔ صوفیائے کرام نے بھی آیت صدر میں رب سے مراد علی کو لیا ہے۔ چنانچہ مولانا جامی کہتے ہیں:۔

دز سقاہم ہر کہ درحق علی انکار کرد   از کفِ ساقی کوثر شربت کوثر نیافت

یعنی جس شخص نے آیت سقاھم ربھم حضرت علیؑ کی شان میں ہونے سے انکار کیا تو سمجھ لو کہ وہ ساقی کوثر کے ہاتھ سے جام کوثر پلنے سے محروم رہا۔

۵۷۔ واتبعو نورالذی اُنزل معہ سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۷ ہے: فالذین آمنو بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی اُنزل معہ ؕ ترجمہ:۔ پس وہ لوگ جو اس (نبی محمد) پر ایمان لائے اور اسکی عزت کی اور اس کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اس کے

ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ حضرت رسولؐ کا مسلمہ ارشاد ہے اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ یعنی میں اور علی ایک ہی نور سے ہیں۔ اس طرح اس آیت میں اس نور کی پیروی کرو جو رسول کے ساتھ نازل ہوا ہے سے مراد ظاہر بظاہر حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ بعض تراجم میں نور سے مُراد قرآن لیا گیا ہے مگر حدیث صحیح سے اُس کی تائید ہوتی ہے کہ وہ نور جو رسول اللہ کے ساتھ نازل ہوا علی ہیں۔ سورۂ تغابن کی آیت فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا میں بھی یہی مفہوم ہے۔
طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی کیلئے ہے۔

۵۸- وانزلنا الیکم نوراً مبینا

سورۂ نساء کی آیت ۱۷۵ ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ترجمہ! اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے دلیل آچکی ہے اور تمہارے پاس ایک چمکتا ہوا نور نازل کر چکے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت میں برہان سے مراد حضرت رسول اور نور سے مُراد حضرت علی ہیں۔ حدیث نور سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

۵۹- صراط علی مستقیم

سورۂ الحجر کی آیت ۴۱ ہے۔ قَالَ ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ۔ اس آیت کے لفظی معنی یہ ہیں کہ یہ راستہ جو میرے اُوپر ہے سیدھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مفسرین نے اسکو جائے تامل قرار دیا ہے کہ راستہ اللہ کے اوپر کیسے ہو سکتا ہے۔ مشہور و مستند محدث اہل سنّت خوارزمی نے اپنی کتاب مناقب کے صفحہ ۲۰۴ پر لکھا ہے کہ قرآن کی بعض کتابت میں صِرَاطُ عَلِیٍّ مُسْتَقِیْمٌ لکھا ہے۔ یعنی عَلَیَّ نہیں بلکہ عَلِیٍّ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ علی کا راستہ سیدھا ہے۔ بیضاوی نے بھی لکھا ہے کہ صِرَاطُ عَلِیٍّ کی جو کتابت پائی جاتی ہے وہ بجائے خود معنی نہیں رکھتی جب تک کہ ابھی ایک جملہ محذوف نہ سمجھا جائے۔ اور وہ یہ لکھتے ہیں کہ اصل اسکی یوں ہوگی "صراط علی حق علی ان راعیہ" مگر یہ توجیہ میں اس لئے قابلِ قبول نہیں کہ قرآن کا کوئی جملہ بے معنی اور ایسا نہیں کہ اس کے معنی کرنے میں ایک لمبا چوڑا جملہ محذوف خیال کیا جائے اور بغیر اس اضافہ کے آیت کے معنی ہی نہ نکل سکیں۔ حسن بصری کی روایت ہے کہ اصل آیت میں صِرَاطُ عَلِیٍّ مُسْتَقِیْم کے الفاظ تھے۔ اسکا حوالہ خوارزمی نے دیا ہے۔ لہٰذا جیسا کہ خوارزمی نے لکھا ہے صحیح الفاظ صراطُ عَلِیٍّ مستقیم ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ علی کا راستہ سیدھا ہے۔

مقطعات قرآن کے اعتبار سے علی علیہ السلام کا راستہ حق ہے

قرآنِ مجید کے حروفِ مقطعات سے ایک ایسی چیز برآمد ہوتی ہے جس کو مولائے متقیان کے نام کے ساتھ قرآنی معجزہ یا خود حضرت علی علیہ السلام کا معجزہ کہا جا سکتا ہے۔ قرآنِ مجید کے ۱۱۴ سوروں کے منجملہ ۲۹ سوروں کے شروع میں حروف مقطعات آئے ہیں۔ انمیں سے ا ل م چھ جگہ، ا ل ص ایک جگہ، ا ل ر ۵ جگہ ا ل م ر ایک جگہ، ک ھ ی ع ص ایک جگہ، طٰہٰ ایک جگہ، ی س ایک جگہ، ط س م دو جگہ، ط س ایک جگہ، ح م چھ جگہ، ح م ع س ق ایک جگہ، ص ایک جگہ، ق ایک جگہ اور ن ایک جگہ آیا ہے۔ یہ مقطعات رازِ سربستہ ہیں جنکو بجز راسخون فی العلم یعنی حضرت رسول اور آئمہ طاہرین کے یا ان کی طرف سے جس کو کچھ بتا دیا گیا ہو اور کوئی کچھ نہیں جانتا۔ یہ جملہ ۱۴ حروف ہیں

جنمیں سے بعض صرف ایک مرتبہ اور بعض ایک سے زیادہ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ وہ جملہ حروف یہ ہیں: ا ل م ر ک ھ ی ع ص ط س ح ق ن۔ مقطعات میں ان کے سوا اور کوئی حرف نہیں ہے۔ ان ۱۴ حروف کو ایک خاص ترتیب سے لکھا جائے تو ذیل کا مکمل جملہ برآمد ہوتا ہے جس کے معنی محتاجِ بیان نہیں۔ یہ جملہ "صراطُ علیٍ حقٌ نمسکہٗ" ہے جسکے معنی ہیں علی کا راستہ حق ہے اس سے تمسک اختیار کرو۔ اس جملہ میں وہی پورے ۱۴ حروف صرف ہوئے ہیں نہ ایک کم ہے نہ ایک زیادہ۔ ناظرین دیکھینگے کہ ذاتِ علی کا ہر ہر پہلو بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ کیوں نہ ہو جب مظہرِ خدا ٹھیرے اور خود خدا جسکو مظہر العجائب فرمائے۔ اس کے برخلاف ہم ایک ایسی قرآنی آیت پیش کرتے ہیں جس کے اعداد بقاعدہٗ ابجد نکالے جائیں تو ۱۲۰۲ ہوتے ہیں۔ اور یہ اعداد تین مخصوص ہستیوں کے ناموں کے اعداد کے مجموعہ ۱۲۰۲ کے بالکل برابر ہیں۔ یہ آیت ہے۔ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۃ (سورۂ سجدہ آیت ۲۲) یعنی ہم ان مجرمین سے ضرور انتقام لینگے۔ ہم ان تین ناموں کی صراحت ضروری نہیں سمجھتے مگر یہ وہی نام ہیں جنمیں سے ہر ایک کے نام کے اعداد بقاعدہ ابجد حضرت خواجہ اجمیریؒ کے ایک مشہور قطعہ کے تیسرے مصرعہ میں دیئے ہوئے تین ناموں میں سے ہر ایک نام کے اعداد کے بالکلیہ مساوی ہیں۔ یہ قطعہ اس کتاب میں ایک اور جگہ نقل ہوا ہے مگر یہاں فوری تقابل کیلئے ہم اسکو مکرر درج کردیتے ہیں ؎

دعوائے خلافت بسند مے باید — مَنْ کُنْتُ حدیث در مدد مے باید
ایں جائے نفاق و منکر و خائن نیست — ایں منزل شیر است اسد مے باید

اور یہ انھیں اشخاص کے نام ہیں جو ایک گروہ کی تحقیق کے مطابق رسول و آلِ رسول پر مظالم میں پیش پیش تھے۔

ارشادِ رسول ہے کہ قرآن کی ہر آیت کے ستر ظاہر اور ستر باطن ہیں اور ہر باطن کے پھر ستر باطن ہیں۔ اس طرح آیات کے محض ظاہری معنوں پر ہی انحصار کر لینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی تدبر یا غور کیا جائے تو ایک ایک آیت کے مختلف پہلوؤں سے مختلف باطنی معنی بھی نکلتے ہیں۔ یہی حال مقطعاتِ قرآن اور متذکرۂ صدر آیت کا ہے کہ جن میں مستور مکمل اور برجستہ معنی برآمد ہوتے ہیں۔

۳- امام خالق اور خلق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے

۶۰- آیت اُمّتہ وسط — وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (سورہ بقرآیت ۱۴۳)

ترجمہ:- اس طرح تم کو درمیانی گروہ بنایا تاکہ اور لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ بنو اور رسول تمہارے مقابلہ میں گواہ بنیں۔ اس عظیم الشان آیت کا ہر لفظ بتارہا ہے کہ یہ کسی بہت بلند اور اعلیٰ طبقہ کی شان میں ہے جس کو خداوند عالم نے کوئی خاص منصب عطا فرمایا ہے۔ الفاظ "ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے" منصب کی جلالت کی

طرف خود اشارہ کر رہے ہیں۔ یہ منصب کیوں عطا ہوا ہے۔ اس کی وجہ بھی اسی آیت میں بتا دی گئی ہے۔ یعنی تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پھر تمہارے مقابلہ میں رسول گواہ بنیں۔ یہ کوئی وہ طبقہ ہے جو خلق خدا اور رسول کے درمیان ہے۔ خلق خدا پر گواہ بننا کوئی آسان بات نہیں ہے اور ہر ایک کے بس کی نہیں۔ یہ کچھ اسی شان کی بات ہے جیسے حضرت رسول خود شاہد یعنی گواہ بنائے گئے ہیں جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت ۴۶ میں ہے۔ یاایھا النبی انا ارسلنک شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللّٰہ باذنہ وسراجاً منیراً ۔ یعنی اے نبی ہم نے تم کو گواہ اور نیکوں کو خوش خبری دینے والا اور (بروں کو) عذاب سے ڈرانے والا اور خدا کی طرف اسی کے حکم سے بلانے والا اور (ہدایت کا) روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ ائمہ طاہرین خلقت پر اور حضرت رسول ائمہ پر گواہ ہونے کی تائید ترمذی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سلمیٰ نے بیان کیا کہ میں حضرت ام سلمیٰ کے پاس گئی تھی تو کیا دیکھا آپ رو رہی ہیں میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا میں نے ابھی رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا سر اور ریش مبارک خاک آلودہ ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں یہ آپ کو کس حالت میں دیکھ رہی ہوں آپ نے فرمایا واقعہ قتل حسین دیکھنے گیا تھا جس کی شہادت یہ حالت فرمانبرداری کا میں گواہ تھا بعض علماء اہلسنت کا خیال ہے کہ شہید سے مراد رسول اللہ کی پوری امت یعنی پورے مسلمان ہیں۔ بقول شخصے آدمی کو اپنی پیٹھ تو نظر نہیں آتی وہ پوری خلق پر کیا گواہ بنے گا۔ خلق خدا پر گواہ تو کوئی وہی ہو گا جس میں وہ اوصاف ودیعت کئے گئے ہوں کہ حاضر وغائب سب کے اعمال اس کی نظر کے سامنے عیاں ہوں۔ اس طرح تو وہی دیکھ سکتا ہے جس کو پروردگار عالم نے علم لدنی عطا کیا ہو اور اس پر اسرار کائنات کے سب دروازے کھول دیئے ہوں۔ سورۂ توبہ آیت ۱۰۵ میں ارشاد ہے۔ قل اعملو فسیری اللّٰہ عملکم ورسولہ ۔ (یعنی کہدو اے حبیب کہ جو تمہارا دل چاہے عمل کرو خدا اور اس کا رسول تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں) چونکہ لفظ یری مکرر نہیں آیا ہے۔ اس لئے رویت خدا اور رویت رسول ایک ہی سی ہیں یعنی رویت خدا جس طرح بطور احاطہ ہے نہ بطور اخبار (یعنی سنی سنائی) اسی طرح پیغمبر کی رویت بھی ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ خدا بالذات شہید ہے اور پیغمبر بعطائے قوت نورانیہ دیکھتا ہے (سورۂ مائدہ کی آیت ۱۱۷ ہے۔ وکنت علیہم شہیداً مادمت فیہم ؕ حضرت عیسیٰ کہہ رہے ہیں میں امت کے لوگوں کے لئے گواہ تھا جب تک میں انہیں رہا۔ سورہ آل عمران کی آیت ۴۹ ہے (وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم) یعنی حضرت عیسیٰ اپنی امت سے کہہ رہے ہیں (جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جمع کرتے ہو وہ سب میں تم کو بتا دوں گا ناظرین کو چونک پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایسے حاضر وغائب کی خبر کسی بندے کو کیسے ہو سکتی ہے اور وہ سب کا گواہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حاضر وغائب اور دلوں کی کیفیت اور نیتوں سے وقوف کی طاقت تو پروردگار عالم نے شیطان کو بھی دی ہے کہ وہ یکہ وتنہا بقوت واحد پوری خدائی کے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے اور ان کو بہکانے کی کوشش کرتا رہتا ہے جس کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے جہاں شیطان کو یہ قوت دی گئی ہو تو "ہادی" کو حاضر وغائب کے اعمال سے وقوف اور ان کی ہدایت کی قوت عطا کیا جانا عقل میں نہ آنے کی کیا وجہ ہے۔ نہ صرف یہ کہ ایسے شاہد وحاضر وغائب ہادی کا وجود عین قرین عقل ہے

بلکہ اس قسم کے ہادی کے وجود کی ضرورت بھی عقل کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل نہ ہوتا کہ شیطان کو تو ایسی طاقت دیکر چھوڑ دیتا کہ دنیا کے ہر گوشہ میں ہر شخص کو بہکانے کی کوشش کر سکے اور کبھی ایسے ہادی کا وجود نہ رکھتا جو باسباب ظاہر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حجت ہو اور خلق خدا کے لئے ہدایت کا سرچشمہ بنا ہوا ہو اور اپنے وجود سراپا عصمت سے شیطان کے وجود ناپاک کے اثر کی روک تھام یا (COUNTERBALANCE) کیا ہوا ہو۔

بقول علمائے اہل سنت اگر پورے مسلمانوں کو درمیانی امت قرار دیا جائے تو پھر اس کے بعد کونسی امت ہے۔ رسول اللہ تو خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں۔ تاقیامت آپ ہی کی امت باقی رہیگی۔ اگر کہا جائے تو ہمارے رسول اللہ کی امت امت آخر کہی جا سکتی ہے۔ امت وسط کیسے قرار پائے گی اور پھر ایسی امت کے ہر فرد میں یا بہ حیثیت مجموعی پوری امت میں حاضر و غائب کے اعمال پر گواہی کی صلاحیت کہاں سے آجائے گی اس ضمن میں سب سے پہلے تو لفظ "امت" کے معنی قابل غور ہیں۔ عربی میں امت کے معنی گروہ جماعت یا بھیڑ یا طبقہ کے ہیں۔ بزبان اردو اصلاحی طور پر امت کے معنی کسی نبی کے پیروں کے لئے جاتے ہیں گویا کہ بغیر نبی کے تصور کے امت کے کوئی اور معنی ہی نہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ قرآن شریف میں امت کا لفظ کئی جگہ جماعت یا گروہ کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً سورہ نحل کی آیت ۹۲ میں ہے تَتَّخِذُونَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ یعنی اپنے عہدوں کو آپس میں اس بات کی مکاری کا ذریعہ بنانے لگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ دوسرے گروہ سے (خواہ مخواہ) بڑھ جائے۔ اسی طرح سورہ قصص کی آیت ۲۳ ہے وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ۔ یعنی جب (حضرت موسیٰ) مدین کے کوئیں پر پہنچے تو پانی لینے والوں کی امۃ یعنی بھیڑ دیکھی۔ بہرحال امت کے معنی صرف کسی رسول کی امت ہی نہیں بلکہ مجمع بھیڑ یا گروہ کے ہیں۔ لہذا امت وسط سے مراد درمیانی گروہ کے ہوئے۔ آیت کے معنی کے تسلسل کے اعتبار سے بھی اس گروہ کو درمیانی مقام حاصل ہے۔ یعنی اس گروہ کے ایک طرف خلق ہے جس پر یہ گروہ گواہ ہے اور دوسری طرف رسول اللہ ہیں جو اس گروہ پر گواہ ہیں۔ وسط کے معنی عادل کے بھی ہیں اور بعض تفاسیر میں امت وسط کے معنی گروہ عادل کے دیکھنے میں آتے ہیں۔ اگر امت وسط کے معنی گروہ عادل کے بھی لئے جائیں تو اصل مطلب میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو عادل گروہ بنایا ہے تاکہ تم خلق خدا کے مقابلہ میں گواہ بنو۔ حاکم ابوالقاسم نے شواہد التنزیل میں سلیم بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ امت عادل اور لوگوں پر گواہ ہم ہیں اور خاص ہم ہی اس سے مقصود خدا ہیں اور حضرت رسول ہم پر گواہ ہیں اور ہم گواہان خدا کی مخلوق پر۔ اس کی حجت ہیں زمین پر اور ہم ہی وہ ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے۔ کذالک جعلنکم امۃ وسطاً۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کی تکمیل اپنے آخری نبی کے ذریعہ فرما دی اور اب کسی نبی کے آنے کا سوال نہیں رہا اس لئے اوپر کا نبی حضرت رسول ہوئے اور پھر تاقیامت خلق خدا تو باقی رہے گی اس خلق خدا اور رسول خدا کے درمیان یہ گروہ قائم کیا گیا ہے کہ خلق پر گواہ رہے اور چونکہ یہ سلسلہ

تا قیامت ہے اس لئے یہ گواہی کا منصب کسی ایک فرد واحد پر ختم نہیں ہوا۔ بلکہ ایک گروہ یعنی ایک سے زائد اشخاص سلسلہ وار اس لئے مامور کئے گئے کہ تا قیامت ہر ہر آنیوالی نسل پہ گواہ رہیں۔ اس لئے اس گروہ کے کسی نہ کسی فرد کا تا قیامت برقرار رہنا بھی ضروری ہوا۔ تاکہ خداوند عالم کا وہ منشاء گواہی پورا ہو اس گروہ کی تعداد بھی رسولِ خدا نے اپنے ارشادات میں واضح فرمادی کہ میرے بارہ قائم مقام ہوں گے اور ان کے نام بھی بتادیئے اس لئے جب منزل بہ منزل گیارہ اپنی حیات مقررہ کو پہنچ کر اس دنیا سے اٹھ جائیں تو پھر لازمی ہوا کہ ان میں کا بارھواں تا قیامت باقی رہے اور اعمال خلق خدا کا ناظر اور گواہ رہے۔ لہٰذا یہ آیت قرآن بھی حضرت صاحب عصر علیہ السلام کے وجود کی دلیل پیش کرتی ہے۔

۶۱۔ فی کل امۃ شھیدا | وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ (سورہ نحل آیت ۸۹) ترجمہ: اور جس دن ہم ہر ایک گروہ میں سے انہیں کا ایک گواہ ان کے مقابل لاکھڑا کریں گے اور اے رسول، تم کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لاکھڑا کریں گے۔ یہ آیت سورۂ بقر کی آیت ۱۴۳ وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا...... الخ کی بہت کچھ ہم معنی ہے اور اس میں مزید صراحت یہ ہے کہ وہ گروہ عادل یعنی ائمہ طاہرین جن کو خدا نے اپنے اپنے زمانہ کا گواہ بہ مقابلہ اس زمانہ کے لوگوں کے قرار دیا ہے۔ یہ روز قیامت ان لوگوں کے مقابل گواہی ادا فرمائیگا اور ان ائمہ طاہرین پر حضرت رسول بروز قیامت گواہ قرار دیئے گئے ہیں۔ یعنی حضرت رسول اس کی گواہی دیں گے کہ آئمہ طاہرین نے حق امامت ادا کیا یا نہیں۔

اس ضمن میں ترمذی کی وہ روایت بھی (جسکا ذکر قبل ازیں آیا ہے) یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت رسول نے بعالم رویا حضرت ام سلمیٰ سے ارشاد فرمایا کہ واقعہ قتل حسین دیکھنے گیا تھا جس کی شہادت بحالت فرمانبرداری کا میں گواہ تھا۔ سلیم بن قیس کی روایت سے بھی جو حاکم ابوالقاسم کی کتاب شواہد التنزیل میں درج ہے واضح ہے کہ قیامت کے روز حضرت علی علیہ السلام اور تمام آئمہ طاہرین اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر گواہ ہوں گے۔

۶۲۔ من کل امۃ بشھید | فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (سورۂ نساء آیت ۴۱) یعنی کیا حال ہوگا جب ہم ہر گروہ کے گواہ طلب کریں گے اور (اے رسول) تم کو ان سب پر گواہ کی حیثیت میں طلب کریں گے یہ آیت بھی متذکرہ بالا تین آیتوں کی ہم معنی ہے۔

۶۳۔ کل اناس بامامھم | يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۱) ترجمہ:۔ اس دن (روز قیامت) کو یاد کرو جب تمام لوگ اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ اس آیت کا ذکر بھی باب اول میں آچکا ہے اور اعادہ غیر ضروری ہے ایک آدھ روایت کی طرف اشارہ کافی ہے۔ ابوبکر ابن مردویہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا اور یدعی کل قوم بامام زمانہم و کتاب ربہم وسنۃ نبیہم" یعنی ہر قوم اپنے زمانہ کے امام اپنے رب کی کتاب

اور اپنے نبی کی سنت کے ساتھ بلائی جائیگی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (جو خواجۂ اجمیری کے خلیفہ اور بابا فرید گنج شکر کے مُرشد ہیں اس حکم قرآن کے حوالہ سے فرماتے ہیں: چوں روزِ حشر ہر کس امامے طلب کنند ما و اہلبیت علی ولی مستقتدا یعنی جب روزِ حشر ہر شخص کو امام کی ضرورت ہوگی تو ہمارے امام علی مرتضیٰ ہی ہوں گے۔

تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۴ صفحہ ۱۹۴ میں بھی ایسا ہی درج ہے۔ اِس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام کا ہونا ضروری ہے اور اس بناء پر اس زمانہ میں بھی امام عصر کا موجود ہونا ضروری ہوا۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت رسول کا جو ارشاد ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ روز قیامت ہر شخص سے یہ سوال ہوگا کہ تیرا رب کون ہے، تیری کتاب کونسی ہے اور تیرا نبی کون ہے اور تیرا امام کون ہے۔ آیت وقفوھم انھم مسئولون سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

۲۴۔ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورہ مائدہ آیت ۳۵) یعنی اے ایمان والو خدا کا خوف دل میں رکھو اور (اس تک رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور (اس وسیلہ کی مدد سے) اس کی راہ میں جدوجہد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ خیال ہو سکتا ہے کہ دُنیوی معاملات میں جس طرح تعارفی چٹھیاں سفارشیں وسیلے یا بالفاظ دیگر اقربا پروری و دوست نوازی چلتی ہے اور بے ذریعہ آدمی بیچارہ کچھ نہیں کر سکتا خدائی معاملات میں تو ایسا نہ ہونا چاہیئے اور خدا تک رسائی بغیر کسی وسیلہ کے راست بآسانی ممکن ہونی چاہیئے۔ اس خیال کا پیدا ہونا بظاہر فطری ہے مگر غور کیا جائے اور مقصد تخلیق کائنات پر قرآن اور فرمودہ رسول کی روشنی میں نظر ڈالی جائے (کیونکہ اس کے سوا ہمارے پاس پروردگارِ عالم کی نیت اور اس کی غرض تخلیق سے واقف ہونیکا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے) تو واضح ہو جائیگا کہ فطری بات یہی ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لئے وسیلہ کی فی الواقعی ضرورت ہے۔ اگر عقلِ انسانی اس درجہ بلند ہوتی یا اگر اللہ تعالیٰ جسمانیت یا ہئیت مادی کا حامل ہوتا تو ممکن تھا کہ اس کو دیکھ کر یا چھو کر کسی نہ کسی طرح رسائی کی شکل نکالنے کی کوشش کی جاتی مگر ایسا تو نہیں ہے۔ اب آخر قربِ خدا حاصل ہو تو کس طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مشکل کو آسان کرنے اور خیالی بیچ و تاب کو رفع کرنے حرف آخر خود ہی فرما دیا کہ وسیلہ کی تلاش کرو۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ ترجمہ:۔ اگر ان لوگوں نے جب گناہ کئے تھے تو تمہارے پاس آکر خدا سے مغفرت کے طالب ہوتے اور تم بھی ان کی سفارش کرتے تو یقیناً وہ دیکھ لیتے کہ خدا بڑا مہربان درگزر کرنیوالا ہے۔ اگر توسل اور شفاعت کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ رسول کی سفارش کی شرط نہ لگاتا۔ خود ان کا استغفار قبول توبہ میں کافی ہوتا۔ ایک اور ارشاد واتخذ و عند اللہ الوسیلۃ میں بھی وسیلہ کی حقیقت کا پتہ دیدیا گیا ہے۔ احکم الحکمین کے حکم کو چیلنج تو نہیں کیا جاسکتا اور کوئی حکم اس کا بے ربط یا بے وجہہ یا بے دلیل ہوتا بھی نہیں۔ غور کرو تو اس کے وجوہ سمجھ میں آہی جاتے ہیں۔ تخلیق کائنات کی غایت پروردگار عالم خود بیان فرماتا ہے کہ ایک پوشیدہ خزانہ تھا اور جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے عالم کو خلق کیا۔ اس تخلیق کیلئے بھی

صورت یہ اختیار کی کہ اولاً نور محمد کو خلق کیا۔ جیسا کہ حضرت رسول کا ارشاد ہے اوّلُ ما خلق اللہ نوری پھر حضرت رسول فرماتے ہیں لولاک لما خلقت الافلاک یعنی اللہ مجھے پیدا نہ کرتا تو آسمان زمین کو پیدا نہ کرتا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ انا و علی من نور واحد یہ بھی ارشاد کیا کہ یا علی تم سب نبیوں کے ساتھ چھپے چھپے تھے اور میرے ساتھ ظاہر۔ پھر کہیں یہ فرمایا کہ آدم کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل میرا اور علی کا نور تسبیح و تقدیس الٰہی میں مصروف تھا۔ اِس وقت نہ آسمان زمیں خلق ہوئے تھے نہ عرش و کرسی نہ فرشتے۔ جب جبرئیل کی تخلیق ہوئی تو نور علی نے ان کو تعلیم دی۔ اسی وجہ سے استاد جبرئیل آپ کا لقب ہے اس نور واحد میں جس سے کہ حضرت رسول اور حضرت علی بنے ہیں چہاردہ معصومین یعنی حضرت رسولؐ جناب سیدہ اور بارہ امام سب کا نور مضمر تھا۔ نیت خداوندی یہ تھی کہ خود پہچانا جائے تو محمد و آل محمد کا نور خلق فرمایا اور ان کو اپنی صفات کا مظہر کامل اور آئینہ بنایا کہ صفات الٰہی ادھر سے اپنے میں لیتے جائیں اور ادھر منعکس کرتے جائیں۔ عقل کہتی ہے کہ کائنات جن کی بدولت خلق ہوئی ہے اور جو خدا کے مظہر کامل ہیں وہی اس کے پہچانے جانے اور اس تک رسائی کا وسیلہ بھی ہو سکتے ہیں اور کائنات اور خلق کے درمیان انہیں کا وجود ہے۔ اور اسی درمیانی وجود کا نام وسیلہ ہے۔ جو ادھر سے بھی جڑا ہوا ہو اور ادھر سے بھی ملا ہوا ہو۔ یعنی شکل و ہیکل انسانی ہو مگر صفات خدائی ہوں۔

جیسا کہ اس باب کی آیت مابعد نیز باب چہارم میں روایتیں درج ہوئی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو خلق فرمایا تو انھوں نے انوار محمد و آل محمد کو بظاہر اپنے جیسے جسم کے ساتھ رکوع و سجود کرتے دیکھ کر عرض کیا کہ بارالہا کیا تو نے مجھ سے قبل بھی مجھ جیسے انسان خلق فرمائے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ نہیں۔ تمہاری خلقت مٹی سے ہے اور وہ میرے ناموں سے مشتق ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں جنت و دوزخ عرش و کرسی آسمان و زمین فرشتے انسان جن انس کسی کو نہ پیدا کرتا پس میں محمود ہوں اور یہ محمد ہے اور میں عالی ہوں اور یہ علی ہے۔ میں فاطر ہوں یہ فاطمہ ہے۔ میں احسان ہوں یہ حسن ہے۔ میں محسن ہوں یہ حسین ہے۔ اے آدم جب تجھے کوئی حاجت پیش آیا کرے تو ان کی ذات کے ساتھ میری جناب میں وسیلہ پکڑا کر اس طرح یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ اس آیت وابتغوا الیہ الوسیلۃ میں جس وسیلہ کا ذکر ہے۔ وہ محمد و آل محمد ہی ہیں۔ حافظ ابونعیم نزول القرآن فی علی میں حافظ ابوبکر شیرازی مانزل من قرآن فی علی میں اور امام احمد ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیۃ شریفہ میں وسیلہ سے مراد عترت و اہل بیت رسول ہیں۔

مولانا ولی اللہ فرنگی محلی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :۔ "از انس ابن مالک آوردہ اند کہ گفت وسیلہ حجابے است میان بندہ و خدا و آں علی ابن ابی طالب است۔ چوں بندہ باں توسل کند حق تعالیٰ او را باں درجہ رساند"۔ یعنی انس ابن مالک سے روایت ہے کہ وسیلہ اللہ اور بندہ کے درمیان ایک پردہ ہے اور وہ وسیلہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

علامہ ابن شہاب زہری نے جو امام مالک کے اُستاد تھے اور امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سخت بیمار پڑا اور تکالیف میں مبتلا ہوا۔ اس بناء پر کہ امام زین العابدین اپنے زمانہ میں اللہ تک پہنچنے کا بہترین وسیلہ ہیں آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور خواستگار ہوا کہ آپکی دعا میری نجات و بخشش کا سبب ہو۔ امام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا خُدایا شہاب کا بیٹا میرے پاس آیا ہے اور میرا اور میرے آباؤاجداد کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے۔ اسکی حاجت پوری کر اور شفا عطا فرما۔ زہری لکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی میں بالکل اچھا ہو گیا اور کبھی کوئی مصیبت مجھ پر نہ آئی اور اُمید رکھتا ہوں کہ آپکی دُعا کے صدقے میں اللہ تعالیٰ مجھے آخرت کے عذاب سے بھی بخش دیا ہوگا۔

موٹی مثالیں یوں دی جا سکتی ہیں کہ مثلاً پانی آگ سے حرارت حاصل کرنا چاہے تو درمیان میں ایک ظرف رکھنا پڑیگا جو اتنا تحمل اور اتنی قوت رکھتا ہو کہ آگ سے مس کرکے بھی خود نہ جلے اور حرارت ادھر سے حاصل کرکے ادھر پانی کی طرف منتقل کرتا جائے اگر پانی راست آگ سے حرارت لینا چاہے تو وہ پانی کی حیثیت سے اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکے گا۔ اسی طرح کسی بڑی قوت کے بجلی کے خزانہ سے چھوٹی اور خفیف طاقت کے آلات یا قمقموں تک برق پہنچانی ہو تو درمیان میں ٹرانسفارمر لگایا جاتا ہے جو بڑی قوت کا متحمل ہو کر بجلی کے اونچے وولٹیج کو گرا کر کم تر طاقتوں تک ان کے ظرف کے موافق پہنچا دیتا ہے۔ اہل طریقت کو پیری مریدی کے سلسلہ میں یہ مثال دیتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ اگر کوئی چیونٹی حضرت رسول کے گنبد اقدس کا طواف کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ ناممکن سا امر ہے مگر یہی چیونٹی اگر گنبد مبارک کے کسی کبوتر کے پاؤں سے چمٹ جائے تو چند دقیقوں میں وہ گنبد کے ایک نہیں کئی طواف چیونٹی کو کرا دیگا۔ اسی طرح ہر شخص صرف اپنی طاقت کے بل بوتہ پر قرب الہٰی حاصل نہیں کرسکتا۔ اہل طریقت کے مرشدین کے جتنے بھی سلسلے ہیں وہ حضرت علی علیہ السلام تک پہنچتے ہیں۔ مثلاً آج کوئی شخص کسی مرشد کے حلقہ مریدی میں داخل ہو تو وہ مرشد خود کسی پہلے کے مرشد سے وابستہ ہیں اور وہ پہلے مرشد پھر اپنے پہلے والے سے کوئی مرشد بجائے خود کچھ نہیں ہے بلکہ اپنے مرشد کا مُرید ہونے ہی کی بناء پر یا اہل طریقت کی مثال کے الفاظ میں اوپر سے کرنٹ ملا ہوا ہونیکی بناء پر ہی سب کچھ ہے اور اس طرح سب کے سب حضرت علی علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہیں جو حضرت رسول کے وصی اور جانشین برحق ہیں۔ شیعہ گو کہ مرشدین اہل طریقت کو اپنی اپنی حد تک اچھے آدمی سمجھتے ہیں مگر رسول اور آل رسول کے سوا وہ کسی اور درمیانی وسیلوں کے قائل نہیں بلکہ حضرت رسول کے بعد دوازدہ ائمہ طاہرین کو ہی ایک کے بعد ایک وسیلہ مانتے ہیں۔ بہرحال اس مثال کی روشنی میں یا جس طرح بھی غور کیا جائے اللہ تعالیٰ تک رسائی کیلئے وسیلہ محمد و آل محمد ہی ہیں۔

۶۵۔ فتلقیٰ آدم — فتلقیٰ آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ (سورہ بقر آیت ۳۷) ترجمہ:۔ پھر آدم نے اپنے پرورد گار سے چند الفاظ سیکھے۔ خدا نے (ان الفاظ کی برکت سے) آدم کی توبہ قبول کرلی۔ صاحب معراج النبوۃ۔ امام ثعلبی تفسیر کشف البیان میں۔ شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودہ میں نیز سیوطی تفسیر در

منثور جلد اول صفحہ ۱۶۲ پر بروایت ابن عباس لکھتے ہیں کہ جب میں نے سوال کیا کہ وہ کلمات جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی توبہ قبول کی کون سے ہیں تو حضرت رسول خدا نے فرمایا "سئلہ بحق محمدؐ علیؑ فاطمہؑ والحسنؑ والحسینؑ فتاب علیہ وغفرلہ" بحوالہ ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد رافعی و ابراہیم بن الحموینی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بروایت ابوہریرہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے حضرت رسولِ خدا کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جب آدم پیدا کئے گئے تو انھوں نے پانچ تن پاک کو رکوع و سجود کرتے دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یہ کون ہے جو میری ہیئت و صورت میں ہیں۔ رب العزت نے فرمایا یہ اس طرح نہیں بنے ہیں جیسے تم مٹی سے بنائے گئے ہو۔ بلکہ یہ میرے ناموں سے مشتق ہیں اور یہ محمدؐ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ ہیں اگر انکو پیدا نہ کرتا تو عرش و کرسی زمین و آسمان جن و انس کچھ نہ پیدا کرتا۔ پس اے آدم جب تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو انکی ذات کے ساتھ میری جناب میں وسیلہ پکڑا کر۔

مولانا سید عبداللہ شاہ نقشبندی شہادت نامہ کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں کہ جب حضرت آدم نے پنجتن پاک کے صدقہ سے دعا کی تو حکم ہوا ہم نے تمہارا قصور معاف کیا۔ اے آدم یہ ایسے نام ہیں کہ اگر تم تاقیامت اپنی اولاد کیلئے انکا واسطہ دیکر دُعا کرتے تو ہم سب کو بخش دیتے۔

۶۶۔ وانت فیھم

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (سورہ انفال آیت ۳۳)۔

ترجمہ:۔ اور اللہ ان لوگوں پر عذاب نہیں کریگا حالانکہ تم ان کے درمیان ہو۔ علامہ ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ اس کے معنی کے وجود کی طرف جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت میں اشارہ کیا ہے کیونکہ وہ اہل زمین کے لئے امان ہیں جس طرح کہ آنحضرت ان کے لئے امان تھے چنانچہ احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ ستارے آسمان والوں کے لئے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کیلئے امان ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس آیت کے مصداق محمدؐ و آل محمدؐ ہیں۔ حضرت رسول کی ہستی رحمت اللعٰلمین کی تھی اور یہ بدیہی امر ہے کہ آپ کی موجودگی میں اُمت کے گناہوں کے باوجود عذاب کا نازل ہونا ممکن نہ تھا۔ اب اگر اس آیت کے منشاء میں تنہا حضرت رسول ہی مراد ہوتے تو آپ کے انتقال کے بعد تقریباً چودہ سو برس کے عرصہ میں جو بد اعمالیاں مسلمانوں نے کیں حتیٰ کہ دین کو بدلکہ تہتر فرقے بنادیئے تو عذاب کا نازل ہونا مشیّت الٰہی کے اعتبار سے ایک قدرتی اور لازمی امر تھا مگر باوجود ان سب بد اعمالیوں اور دین کے پرخچے اڑا دینے کے بھی عذاب نازل نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہی نکلا کہ کوئی وجود مثل رحمت اللعٰلمین دُنیا میں ایسا موجود ہے جو عذاب الٰہی کو روکے ہوئے ہے اور یہی وہ ہستیاں ہیں جن کے متعلق حضرت رسول کا ارشاد ہے اولنا محمد اوسطنا محمد آخرنا محمد کلنا محمد اور یہی اس آیت کا واضح منشاء ہے۔

۶۷۔ علی الاعراف رجال

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ (سورہ اعراف آیت ۴۶)

ترجمہ:۔ اور اعراف پر ایسے لوگ ہوں گے کہ ہر شخص کو اس کی علامت سے پہچان لیں گے۔ ابوبکر ابن مردویہ لکھتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب اعراف ہیں جس شخص کو اس کی علامت سے پہچانیں گے اس کو ہم جنت میں داخل کردیں گے۔ ثعلبی اپنی تفسیر میں عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اعراف ایک بلند جگہ ہے صراط پر اس پر علیؑ حمزہؑ جعفر ذوالجناحینؑ ہوں گے اپنے محبوں کو ان کے منہ کے گورے پن سے اور

اپنے دشمنوں کو ان کے منہ کی کالک سے پہچانیں گے۔ بقول راقم:

محبانِ علیؑ سب سرخرو دشمن کا منہ کالا ہو یہ جس دن ہونیوالا ہے قیامت اس کو کہتے ہیں۔

۶۸- حسن ماب

طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ (سورہ رعد آیت ۲۹) ترجمہ:- خوشی ہے ان کے لئے اور بازگشت کا اچھا ہے ابوبکر ابن مردویہ نے محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ طوبیٰ ایک درخت ہے۔ جنت میں جس کی جڑ جناب امیر علیہ السلام کے گھر میں ہے اور جنت کا کوئی گھر ایسا نہیں کہ اس میں اسکی شاخ نہ ہو۔ سیوطی نے در منثور جلد چہارم صفحہ ۵۹ پر درج کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے مرقد سنجی سے روایت کی ہے کہ خدا نے انجیل میں حضرت عیسٰی کے پاس وحی بھیجی کہ اے عیسٰی میرے کام میں سعی کرو اور لغو نہ سمجھو اور میری بات سنو اور میرا کہا مانو۔ اے بتول باکرہ کے بیٹے میں نے تم کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور تم کو اور تمہاری ماں کو سارے جہان کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنایا۔ تو تم میری عبادت کرو اور مجھ ہی پر بھروسہ رکھو اور کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ حضرت عیسٰی نے عرض کی خدایا میں کون سی کتاب مضبوطی سے پکڑوں حکم ہوا انجیل کو اور سریانیہ والوں کے سامنے اُس کو بیان کرو۔ اور ان کو خبر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں حیّ قیوم "بدیع دائم ہوں۔ کبھی فنا نہ ہونگا تو خدا اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو آخر زمانہ میں ہوگا ایمان لاؤ اور اس کی تصدیق کرو۔ اور اس نبی کی متابعت کرو جو اونٹ پر سوار بدن پر بال کے کپڑے ہاتھ میں عصا اور سر پہ تاج رکھے گا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں گی اور دونوں بھویں ملی ہوں گی صاحب کسا ہوگا۔ اس کی نسل اس مبارک عورت سے جاری ہو گی جس کا نام خدیجہ ہوگا۔ اس عورت کے واسطے خدا نے ایک موتی کا محل بنوایا ہے جس میں سونے کا کام کیا ہوا ہے۔ اس میں نہ کوئی تکلیف ہوگی نہ رنج اس کی ایک بیٹی ہو گی جس کا نام فاطمہ ہوگا اور اس کے دو بیٹے ہوں گے حسن و حسین جو شہید ہوں گے۔ جو شخص اس نبی کے زمانہ میں موجود ہو اور اس کی باتیں سنے اس کے لئے طوبیٰ ہے۔ حضرت عیسٰی نے عرض کی طوبیٰ کیا ہے۔ حکم ہوا۔ یہ بہشت کا ایک درخت ہے۔ جس کو میں نے اپنی قدرت سے بویا ہے اور میرے فرشتوں نے اسے قائم رکھا ہے۔ اس کی جڑ رضواں سے ہے اور اس کا پانی تسنیم ہے۔

۶۹- امتہ یھدون بالحق

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (سورہ اعراف آیت ۱۸۱) ترجمہ:- اور ہماری خلقت میں سے ایک گروہ ہے جو کہ حق کے ساتھ ہدایت پاتا ہے اور اسی کی طرف پھرتا ہے۔ ابن مردویہ نے ذاذان سے روایت کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام فرماتے تھے کہ یہ اُمّت عنقریب تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی بہتر ۷۲ دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنّت میں جائیگا اور وہ وہی لوگ ہیں جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے پھر جناب امیر نے فرمایا وہ میں ہوں اور میرے شیعہ نیز النطزی نے خصائص علویہ میں سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ جب کبھی میں حضرت رسول خدا کے حضور میں حاضر ہوتا آنحضرت جناب امیر کے کندھوں پر ہاتھ مار کر فرماتے کہ یہ اور اس کا گروہ رستگار ہونے والا ہے۔

۷۰۔ خیر البریہ ان الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت اولٰئک ھم خیر البریۃ (سورہ البینۃ آیت ۷) ترجمہ:- جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں وہ سب خلقت سے بہتر
ہیں ابن عساکر اور خوارزمی نے مناقب میں اور سیوطی نے درمنثور میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ جابر
کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم جناب رسالت مآب کے حضور میں بیٹھے ہوئے تھے جناب امیر تشریف لائے۔ حضرت رسول نے
ہم سے ارشاد کیا تمہارے پاس میرا بھائی آرہا ہے پھر آپ نے کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر اس پر ہاتھ مارا اور کہا قسم ہے اس ذات کی
جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں اور یہ اور اس کے شیعہ قیامت کے دن جنت تک پہونچنے والے ہیں۔
اور پھر آپ نے جناب امیر سے فرمایا بتحقیق تم سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے ہو اور تم سب سے زیادہ اللہ کے
عہد کو پورا کرنے والے ہو اور سب سے اللہ کے نزدیک فضیلت والے اور سب سے زیادہ پورا تقسیم کرنے والے ہو۔
پھر یہ آیت نازل ہوئی ان الَّذِیْنَ ...... خیر البریہ جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر جب حضرت امیر علیہ السلام
تشریف لاتے تو حضرت رسول کے اصحاب کہتے جو سب خلقت سے بہتر ہیں وہ تشریف لا رہے۔ حافظ ابو نعیم حلیۃ
الاولیاء میں اور دیلمی فردوس الاخبار میں عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت خیر البریہ نازل ہوئی
تو حضرت رسول نے جناب امیر سے ارشاد کیا کہ تو اور تیرا گروہ قیامت میں آئیں گے خوش اور خوش کئے گئے اور تیرے
دشمن آئیں گے خفگی میں گردن اٹھائے ہوئے خوارزمی ابوبکر ابن مردویہ اور سیوطی نے زید بن شراحیل الانصاری سے
بھی ایسی ہی روایت کی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت رسول نے حضرت علی سے فرمایا کہ وہ میں اور تو
اور تیرا گروہ ہیں۔ میرے اور تیرے وعدہ کی جگہ حوض ہے جبکہ قیامت کو امتیں حساب دینے کیلئے آئیں گی تو وہ لوگ سفید
منہ اور سفید ہاتھ پاؤں والے پکارے جائیں گے۔ نیز ابن عدی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام
خیر البریہ ہیں۔ ابو نعیم اصفہانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ خیر البریہ علی اور ان کے شیعہ ہیں۔

۷۱۔ تنزل الملٰئکۃ (تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر (سورۂ قدر آیت ۴) ترجمہ:- اس رات میں فرشتے اور جبرئیل (سال بھر کی) ہر بات کا حکم لے کر اپنے
پروردگار کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اس آیت کو باب یازدھم میں درج کیا گیا ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ جب شب قدر کو
ہر سال فرشتے اور جبرئیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر بات کا حکم لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں تو آخر یہاں وہ احکام کس کو
پہنچاتے ہیں اور یہاں کون ہے جو ان احکام الٰہی کو وصول کرتا ہے اور ان کا نفاذ کرتا ہے ظاہر ہے کہ یہ وہی وارث
علم الٰہی خالق اور خلق کے درمیان واسطہ اولی الامر امام زمانہ ہی ہوتا ہے جس کے ہر زمانہ میں بہ حیثیت حجت خدا زمین
پر موجود رہنے کے متعلق متعدد آیات دال ہیں اس کی مزید تائید سورہ دخان کی آیات اتا۵ سے ہوتی ہے۔
ارشاد ہے حٰمٓ والکتٰب المبین انا انزلنٰہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم امرًا من عندنا
انا کنا مرسلین ۵ ترجمہ: یہ واضح روشن کتاب گواہ ہے ہمنے اس کو ایک برکت والی رات میں نازل کیا۔ ہمارا کام آگاہ

کرتا ہے۔ اس رات تمام کام حکمت کے ساتھ تقسیم ہوتے ہیں ہمارے دربار سے کیونکہ ہم ہی بھیجنے والے ہیں تمام احکام کو لیجانے والوں (فرشتوں) کے ذریعہ۔

۴۔ جس طرح رسول اولیٰ بہ نفس مومنین ہوتا ہے اور اس کی محبت فرض ہے اسیطرح امام کی محبت بھی فرض ہے اور وہ اولیٰ بہ نفس مومنین ہے۔

۶۲۔ آیت مودت

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ (سورہ شوریٰ آیت ۲۳) یعنی، کہدو (اے رسول) کہ تم لوگوں سے انجام دہی رسالت کا اجر (معاوضہ) اور کچھ میں طلب نہیں کرتا بجز میرے اقربہ قریب کی مودت دلی اختیار کرنے کے انبیا سلف سے یہ طریقہ چلا آرہا تھا کہ امتی اپنے نبی سے پوچھتے تھے کہ پیغام حق پہونچانے میں جو مصیبتیں نبی نے برداشت کی ہیں اس کا اجر کیا ادا کریں۔ قرآن شریف میں متعدد جگہ آیا ہے کہ انبیاء فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا اجر تو بس اللہ پر ہے۔ اسی طرح لوگ ہمارے رسول سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت کی گوناگوں مصیبتوں اور مشقتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور دین کی اس دولت کے لئے جو حضرت نے عطا فرمائی اجر ادا کرنا چاہتے تھے اور ہر شخص اپنے اپنے خیال کے بموجب کوئی دنیوی دولت پیش کرنا چاہتا تھا۔ مگر رسول اللہ نے اس کو قبول نہ فرمایا اور بحکم خدا یہ جواب دیا کہ میرا اجر تو اللہ پر ہے۔ چنانچہ سورہ سبا' آیت ۴۷ ہے۔ قل ما سالتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللّٰہ وھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْد ۝ یعنی (اے رسول کہدو کہ (تبلیغ رسالت کی) میں نے تم سے کچھ اجرت مانگی ہو تو وہ تمہیں کو مبارک) ہو۔ میری اُجرت تو بس خدا پر ہے (اور وہی ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ باری تعالیٰ نے حضرت رسول سے امت کو یہ جواب دلوا کر اور اجر رسالت اپنے اوپر محول کروا کر پھر خود اس اجر کا تعین اس طرح فرمایا کہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ' احمد بن حنبل' ابی حاتم طبرانی' البغوی' الکلبی' طبری حاکم اور دیلمی یعنی ایک گروہ کثیر محدثان نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت قل لا اسئلکم...... الخ نازل ہوئی تو لوگوں نے حضرت رسولؐ خدا سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کی محبت کے لئے خدا نے ہم کو حکم دیا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے طبرانی نے ابو امامہ باہلی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا ارشاد فرماتے تھے بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو متفرق شجروں سے پیدا کیا ہے اور مجھ کو اور علی کو ایک شجرہ سے بنایا ہے پس میں اس کی جڑ ہوں اور علی اس کی شاخ ہیں اور فاطمہ اس کا پیوند ہیں اور حسنؑ اور حسینؑ اس کے پھل ہیں پس جس شخص نے اس کی شاخ کو پکڑا وہ نجات پا گیا اور جسنے اس کو چھوڑ دیا وہ سرنگوں گر پڑا اور اگر کوئی پندرہ ہزار برس صفا اور مروہ کے درمیان خدا کی عبادت کرے اور پھر ہماری محبت کو حاصل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ناک کے بل آگ میں گرائیگا پھر حضرت نے اس آیت کو پڑھا قل لا اسئلکم ..... الخ ابو شیخ نے زاذان سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اہل بیت کی شان کے

متعلق سورۂ حم سورہ شوریٰ کے ابتدائی الفاظ میں ایک آیت ہے۔ نہیں نگاہ رکھے گا ہماری دوستی کو مگر ہر ایک مومن
پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا۔ قل لا اسئلکم ...... الخ اس آیت کے مطلب میں مختلف نکات مضمر ہیں اور
ساتھ ہی ساتھ اس نے بہت سے مسئلے بھی حل کر دیئے۔ اصول فطرت و قانون ہے کہ آجر کی مزدوری ادا کرنے کے بغیر جو
خدمت اس سے لی گئی یا جو ثمر اس کی محنت سے حاصل کیا گیا۔ اس سے استفادہ جائز نہیں کسی سے زمین حاصل کی جائے
اور اس کی قیمت نہ دی جائے کسی مزدور سے مکان بنوالیا جائے اور اس کی مزدوری ادا نہ کی جائے تو وہ زمین و مکان
غصبی کہلائینگے۔ بروئے شرع غصب کی زمین پر بنائی ہوئی مسجد میں نماز بھی حرام ہے۔ فطرت کا تقاضہ ہے کہ اگر کسی نے
کوئی اچھی چیز عطا کی ہو تو اس کی دل سے قدر کی جائے اور اس کی نیکی کا عوض اپنے حسب بساط دیا جائے۔ جس شخص کو
اسلام اور ایمان عزیز ہوگا وہ اس دولت سرمدی کے عطا کرنیوالے کی خدمت کرنے ہی کو اپنا ایمان سمجھیگا اور کوئی
معاوضہ مقرر نہ بھی ہو تو خود اس فکر میں رہے گا کہ اس احسان عظیم کے بار کو کس طرح اتار کر شرافت کا ثبوت
دیا جائے چنانچہ فطرتاً بہت سے لوگ آ کر رسول اللہ سے خود خواہش کرتے ہی تھے کہ ہم اجر رسالت ادا کرنا چاہتے
ہیں یہ تو جب کی بات تھی جب کوئی اجر مقرر نہیں ہوا تھا یا مانگا نہیں جا رہا تھا مگر جہاں خود رب العزت نے اپنے
رسول کی جانب سے اجر مقرر فرما کر ایک طرف تو حضرت رسول کو حاجت سوال سے بری رکھا اور دوسری طرف امت پر
فریضہ عائد کر دیا کہ اجر رسالت اس طریقہ پر ادا کیا جائے اور فی الواقعی جو اجر رسالت ادا کرنے کے خود متمنی تھے ان کے لئے
اظہار احسان مندی اور ادائے اجر کی صورت نکال دی تاکہ ان کی بات دل کی دل میں نہ رہ جائے اور اجر ادا کر کے
اپنے اسلام و ایمان پر وہ فخر کر سکیں۔ پھر اس قسم کا اجر مقرر فرمانا جو دولت مند یا مفلس و نادار صحت مند یا بیمار و
اپاہج مقتدر یا معذور گھر میں یا سفر میں تنگی یا فراخی صحت و مرض نزاع و سکرات ہر حالت میں ہر آن ہر شخص
ادا کر سکے قدرت کا ایک معجزہ ہی ہے۔ اس نباض فطرت نے ایسا نسخہ تجویز کیا ہے جو دل کے ہر مرض کی دوا ہے جہاں
رسول و آل رسول کی محبت دل میں آئی تو جاء الحق و زھق الباطل کے مصداق نیکی نے گھر کر لیا اور بدی سے نفرت ہوگئی
یہ نکتہ بھی دھیان میں رکھنے کے قابل ہے کہ اجر محنت کی مناسبت سے ہوا کرتا ہے۔ غور کرو تو حضرت رسول کی رسالت کا
معاوضہ جس نے اسلام و ایمان و عرفان دیا دو جہان اور کائنات عالم بھی قرار نہیں پا سکتے مال غنیمت کے چند
سکوں سے بھلا یہ اجر کیسے ادا ہو سکتا تھا۔ اکثر مسلمان (خواہ نیک نیتی یا سادہ لوحی سے یا سیاست و تدبیر سے)
اس فکر میں تھے کہ حضرت رسول کو نقد پیسے ادا کر کے ہمیشہ کے لئے اس بار سے چھٹکارا حاصل کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے آگے
کس کی سیاست چل سکتی ہے۔ نباض حقیقی نے ایسا اجر مقرر فرمایا کہ محمد و آل محمد سے کبھی بے نیازی حاصل ہی نہ ہو سکے اور
اس طرح ایک طرف وابستگی ہادیان برحق کی وجہ سے دین کی حفاظت کی ضمانت بھی ہو جائے اور دوسری طرف
اس کا بھی انسداد ہو جائے کہ کوئی شخص اسلام کو بزعم خود اپنا زر خرید سمجھ کر اس میں تراش خراش کا ٹھیکہ حاصل کرے۔
دوسرا نکتہ جو اس آیت میں ہے وہ بھی بطور خاص قابل غور ہے محبت کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ باعتبار فطرت

محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہوجاتی ہے۔ جب محبت کرنا امر اختیاری نہو غور طلب یہ ہے کہ خالق فطرت حکیم حقیقی کسی غیر فطری یا غیر اختیاری امر کا حکم کیوں دیرہا ہے وہ ذات باری تو عادل ہی عادل ہے اس کی طرف سے کسی پر ایسی تکلیف عائد نہیں کی جاتی جو اس کے نفس کی بساط سے باہر ہو جیسا کہ ارشاد ہے۔ لا یکلف اللہ نفساً الاّ وسعہا۔ جب ان دونوں چیزوں کو ملا کر دیکھا جائے کہ ایک طرف خداوند تعالیٰ کا حکم بلاشک عدل پر مبنی ہے اور جائز ہے اور دوسری طرف اہل بیت رسول سے محبّت اختیار کرنا واجب ہے تو منطقی طور پر اس کے یہ معنی ہوئے کہ اہل بیت رسول درحقیقت ایسی ہستیاں ہیں کہ فطرتاً ان سے محبت ہو جائے مثلاً بقول حضرت شیخ احمد شطاری کامل مدظلہ

علیؑ کے لال پہ جس کی نظر نہ جم جائے قسم خدا کی اسے چشم انتخاب نہیں

ایک دفعہ جب میرے ایک تعلیم یافتہ سنی عزیز کے سامنے جو ایک ذمہ دارانہ عہدہ پر بھی مامور ہیں اس آیت کا ذکر آیا اور کہا گیا کہ اہل بیت رسول خدا کی محبّت کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے تو موصوف نے اعتراض کی شکل میں بیساختہ طور پر فرمایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اہل بیت رسول کی محبّت اختیار کریں جبکہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ مجھ ہی سے محبت کرو۔ اعتراض کی بیساختگی کی وجہ غالباً اُن کو خیال نہ رہا کہ یہ اعتراض خود قرآن شریف اور اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے۔ آیت مودت وقل لا اسئلکم علیہ اجرا ...... الخ بھی تو آخر اللہ تعالیٰ ہی کا ارشاد اور جزو قرآن ہے۔

حضرت سیّد شیخ احمد شطاری کامل مدظلہٗ فرماتے ہیں ؎

اگر ایماں ہے ارشادِ نبی پر اور قرآں پر محبّت فرض ہے آلِ نبی کی ہر مسلماں پر

اہل بیت کی محبت اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبّت کا تضاد واقع نہیں ہوتا۔ اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے۔ ایک بادشاہ اپنی رعیت کو یہ حکم دیتا ہے کہ میرے احکام کی تعمیل کرو۔ یہی بادشاہ دوسرے موقعہ پر رعیت کو حکم دیتا ہے کہ میرے عہدہ داروں کے احکام کی تعمیل کرو۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں احکام میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ بادشاہ کے مقرر کردہ عہدہ داروں کے حکم کی تعمیل بھی بہ منزلہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کے ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ یہ حکم دے کہ مجھ سے محبّت کرو اور پھر یہ حکم دے کہ اقربائے رسول سے محبّت کرو تو اس میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ اہل بیت رسول ہی اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ اور اس کی طرف سے پاک اور مُطہر بنائی ہوئی ذوات اس کے مقرر کردہ امام اس کی کتاب کے وارث اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ ان ذوات سے محبّت رکھنا اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے پر ہی منتج ہوتا ہے یہ ہستیاں صفاتِ عالیہ کا وہ مجموعہ ہیں کہ جہاں ہر صفت اپنے اوج کمال پر نظر آتی ہے۔ اللہ ورسول کے نائب وارثان کتاب جوہر عصمت سے آراستہ تطہیر کی سند اور تاج ھل اتیٰ و انّما رکھنے والے نفس کو بیع کرکے مرضئ خدا کو خریدنے والے ہیں تو یہی نفس رسول ابنائے رسول جسم وروح رسول جامع صفات انبیاء ہیں تو یہی جنت و دوزخ کی تقسیم کرنیوالے حبل المتین

عروۃ الوثقیٰ، صاحبانِ خبر" اھل الذکر" امت کے ولی و سرپرست اور تا قیامت پیشوا" ولی خدا" مشیت خدا" امر خدا" نورِ خدا" خالق و خلق کے درمیان واسطہ اور اول سے آخر تک محمد ہیں تو یہی وجہ اللہ، ید اللہ، عین اللہ" نفس اللہ" لسان اللہ" اذن اللہ، آیت اللہ ہیں تو انہیں میں علی مرتضیٰ" انہیں میں" فاطمہ زہرا انہیں میں حسن مجتبیٰ انہیں میں حسین شہید کربلا انہیں میں علی ابن الحسین زین العابدین اسیر کربلا انہیں میں محمد ابن علی باقر العلوم النبیین انہیں میں" وارث امانت نبی جعفر ابن محمد صادق" انہیں میں" موسیٰ ابن جعفر کاظم" انہیں میں علی ابن موسیٰ رضا محمد تقی علی النقی حسن العسکری اور وہ ہستی بھی جس کے پیچھے حضرت عیسیٰ آسمان سے اتر کر نماز پڑھیں گے یعنی حضرت مہدی آخر الزماں صاحب عصر محمد ابن حسن العسکری حجۃ المنتظر المہدی انہیں میں کیوں ایسی ہستیوں سے محبت نہ ہو جائے کیوں ان مجموعہ صفات خداوندی کا دل پروانہ نہ بن جائے۔ انہیں کی محبت دل کی راحت و تسکین ہے انہیں کی محبت سرمایہ ایمان انہیں کی محبت موجب نجات اور انھیں کی محبت ذریعہ عرفان اور انہیں کی محبت اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ بقول حضرت سعدی ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ — کہ بر قولِ ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من و دست و دامانِ آلِ رسول

آیت اجر رسالت نے بہت سے عقدے کھول دیئے اور بہت سے پردے آنکھوں سے اٹھا دیئے۔ اسلام و ایمان کو اپنانے کی ترکیب بتادی۔ یہ بتا دیا کہ یہ ہستیاں دستِ قدرت کی شاہکار اور صفاتِ الٰہیہ کے مکمل منظر اور خدا کی نشانیاں ہیں۔ پھر ان سے محبت کا حکم دیا اور اس کو اجر رسالت بھی قرار دیا۔ یعنی درد کو درماں بنا دیا۔ جس کی محبت میں دل خود گر نثار ہو اس سے محبت کرنے کو ادائی اجر و احسان قرار دیدیا۔ اے پُر درد کا تسکین دل کو راہ نجات بنا کر بلا احسان عطا کرنے والے یہ تیرے ہی لطف و کرم کی شان ہے۔

گوہرے بر سر بازار وجود آوردند — تا خریدار وے از کون و مکان برخیزد
ایں گراں مایہ متاع از دو جہاں مستغنی است — طالبے کو کہ ہم از جان و جہاں ہر خیزد

جن مفسرین و محدثین اہلسنت نے اس آیت میں قربیٰ سے مراد علیؑ فاطمہؑ حسن و حسین ہونا تسلیم کیا ہے۔ انہیں سے چند کا یکجائی حوالہ ہم ذیل میں درج کر دیتے ہیں:۔

(۱) صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص ۱۰۱ و ۱۳۵ (۲) مناقب احمد بن حنبل (۳) طبرانی اوسط میں بروایت ابو طفیل۔ (۴) مناقب حاکم (۵) تفسیر ابن ابی حاتم (۶) ابن منذر (۷) ابن مردویہ (۸) مقرطی (۹) بغوی (۱۰) ثعلبی (۱۱) واحدی اسباب النزول۔ جلال الدین سیوطی (۱۲) حافظ ابو نعیم حلیۃ الاولیا (۱۳) حموینی فرائد السمطین (۱۴) محب الدین طبری ذخائر العقبیٰ (۱۵) ابن مغازلی مناقب (۱۶) زمخشری تفسیر کشاف جلد ۳ ص ۳۳۹ و ص ۴۰۳ (۱۷) فخر الدین رازی تفسیر کبیر و تفسیر جلد ۱ ص ۲۵ (۱۸) تفسیر نیشا پوری (۱۹) ابن طلحہ شافعی مطالب السئول ص ۸ و ۲۱ (۲۰)

مفاتیح الغیب (۲۱) ابو مسعود تفسیر جلد ۷ صفحہ ۶۲۵ (۲۲) تفسیر نسفی جلد ۴ صفحہ ۹۹ (۲۳) تفسیر ابو حیان جلد ۷ صفحہ ۵۱۶ (۲۴) ابن صباغ مالکی فصول المہمہ صفحہ ۱۲ (۲۵) حافظ حنفی کفایت الطالب صفحہ ۳۱ (۲۶) قسطلانی مواہب لدنیہ (۲۷) زرقانی شرح مواہب جلد ۷ صفحہ ۳ و ۲۱ (۲۸) شبلنجی نورالابصار صفحہ ۱۱۲ (۲۹) تفسیر طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴ و ۱۵ بحوالہ سعید بن جبیر (۳۰) ابن محمد عسقلانی (۳۱) سلمان بلخی حنفی (۳۲) ابن طارق العمدہ صفحہ ۲۳ بروایت سعید بن جبیر و ابن عباس (۳۵) حجازی تفسیر الواضح جلد ۲۵ صفحہ ۱۹

۴۷۔ سیجعل لھم الرحمٰن ودا

اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورۂ مریم آیت ۹۷) ترجمہ:۔ بہ تحقیق وہ لوگ کہ ایمان لائے اور اچھے

کام کئے البتہ کریگا رحمٰن ان کے لئے مودت۔ امام ثوری اور ترمذی احمد بن حنبل نے اور ابو داؤد نے سنن میں حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں عبد ربہ نے جمع بین الصحاح میں صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ المصابیح میں حافظ ابو نعیم نے ما نزل فی القرآن فی علی میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ میں براء بن عازب سے اور خطیب نے مناقب میں عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے جناب علی سے ارشاد فرمایا یا علی دعا کرو اور کہو کہ اے میرے پروردگار اپنے پاس سے مجھے ایک عہد عطا فرما اور مومنوں کے دل میں میری محبت ڈال دے پس خدائے تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ان الذین آمنو...... الرحمٰن ودا۔ حافظ سلفی نے محمد حنیفہ سے اس آیت کے متعلق روایت کی ہے کہ کوئی مومن ایسا باقی نہ رہے گا جس کے دل میں علی کی اور علی کے اہل بیت کی محبت نہ ہو ثعلبی اپنی تفسیر میں اور نقاش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نزلت فی علی میں کہتے ہیں کہ یہ آیت جناب امیر علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ابن مغازی نے بھی مناقب میں عبدالمنذر ابن عباس کی روایت سے بہت تفصیل کے ساتھ حضرت رسولِ خدا کا چار رکعت نماز پڑھ کر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر دعا کرنا اور پھر اس آیت کا نازل ہونا درج کیا ہے یہ آیت وافی ہدایہ آیت مودت یعنی قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کی مزید تائید اور وضاحت کرتی ہے اور یہ امر مسلم ہو جاتا ہے کہ جہاں علی اور سب اہل بیت رسول کی محبت اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دی ہے اور اس کو ایمان کی قیمت ٹھہرایا ہے، وہیں حضرت علی سے عہد فرما کر ان کی محبت کو ہر مومن کے دل میں ڈال دیا ہے۔ لہٰذا بحکم قرآن مومن کی شناخت یہ قرار پائی کہ اس کے دل میں علی کی محبت ہو۔ ہر شخص اپنے اپنے مومن ہونے کا اندازہ خود کر سکتا ہے کہ اس کے دل میں حضرت علی علیہ السلام کی حقیقی محبت ہے یا نہیں کسی سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت رسولِ خدا کے وہ متعدد ارشادات سب اس آیت کی تائید کرتے ہیں کہ علی کی محبت ایمان ہے علی سے محبت مومن ہی رکھیگا اور جو علی کی محبت نہ رکھے وہ منافق ہے اور علی کی وہ ذات ہے کہ ہر اہل ایمان نے اس کو اپنے لئے کلمہ قرار دے لیا ہے۔

۴۸۔ من یقترف حسنۃ

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (سورۂ شوریٰ آیت ۲۳) ترجمہ:۔ جس نے کہ نیکی کا کسب کیا ہم اس کے لیے

نیکی زیادہ کر دیتے ہیں بیشک اللہ بڑا بخشنے والا قدر
آیت میں جس نیکی کا ذکر ہے وہ حضرت محمد مصطفیٰ ؐ
الفاظ آیت مودت قل لا اسئلکم علیہ اجرا
اس تسلسل سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جس نیکی کا ذکر او
ساتھ محبت ہے۔ یہ بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے ک
اس آیت میں بطور خاص اپنے قدردان ہونے کا تذکر
محبت اختیار کرے اس کی نیکی میں اللہ تعالیٰ اپنے
رسول کی محبت اللہ تعالیٰ کو کس درجہ پسند ہے۔

۷۵۔ من جاء بالحسنة

مَنْ جَآءَ بِالْحَ
وَمَنْ جَآءَ بِ

آیت ۸۹ و ۹۰) ترجمہ: جو کوئی نیکی کر کے آیا پس اس
اس میں ہے اور جو کوئی برائی کر کے آیا پس اوندھا گرا
ہیں کہ اس آیت میں جس نیکی کا ذکر ہے وہ ہماری محبت

۷۶۔ ولتعرفنهم في لحن القول

اَمْ حَسِبَ
اَضْغَانَ

فی لحن القول واللہ یعلم اعمالکم (سورۃ
مرض ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا (ان کے) دل کے کی
تم ان کی پیشانی ہی سے پہچان لیتے اور تم ان کے انداز گ
واقف ہے ابوبکر ابن مردویہ ابن عساکر اور سیوطی" ابو
مطلب یہ ہے کہ البتہ پہچان لوگے تم ان کو بات کے
عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ جناب ر
پہچان لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ صاف
کچھ کہتے ہیں اور دل میں کچھ اور ہے قول کچھ ہے اور عمل
اور منافق اس خیال میں نہ رہیں کہ ان کا یہ خبث
ان منافقوں کو ظاہر بظاہر بھی سب کو دکھلا دیتے مگر
ان کے انداز گفتگو سے ضرور پہچان لوگے کہ وہ منافق

منافق اس خیال میں نہ رہیں کہ ان کے دلوں کا کینہ ظاہر نہ کیا جائیگا اس کینہ کو اس طرح ظاہر فرمایا کہ ان منافقوں کے انداز گفتگو کو ان کے نفاق کی علامت قرار دیدیا آیت کے الفاظ سے یہ بھی واضح ہے کہ انداز گفتگو کوئی ایسی مشکل یا ناقابل شناخت علامت نہیں کہ کسی کو پہچاننے میں دقت ہو بلکہ ارشاد یہ ہے کہ تم انہیں ان کے انداز گفتگو سے ضرور پہچان لوگے حضرت علی علیہ السلام کے تعلق سے کس کس نے ایسی ہیر اپھیری کی گفتگو کی ہے اور کس کس نے کس موقعہ پر علی کے خلاف باڑہ باندھنے کی کوشش کی ہے اور کس کس کے قول یا عمل سے مخالفت علی ظاہر ہوئی ہے یہ امور تاریخ اور روایات میں پوری طرح محفوظ ہیں اور تھوڑی سی بھی سمجھ رکھنے والوں کے سامنے وہ منافق پوری طرح بے نقاب ہو جاتے ہیں اور سب پتے چل جاتے ہیں کہ یہ کون کون سے ذات شریف تھے لیکن بقول حافظ ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

۷۷۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ — اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ (سورہ احزاب آیت ۵۷) ترجمہ:- جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا میں اور آخرت میں شیخ الحافظ الزرندی اپنی کتاب دار السمطین میں ارطاۃ بن حبیب سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ابو خالد واسطی اپنی داڑھی کا بال پکڑ کر بیان کرتے تھے کہ مجھ سے زید بن خالد نے اپنی داڑھی کا بال پکڑ کر نقل کیا کہ مجھ سے جناب حسین علیہ السلام اپنی ریش مبارک کا بال پکڑ کر روایت فرماتے تھے کہ مجھ سے میرے والد ماجد جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنی ریش مبارک کا بال پکڑ کر ارشاد کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ریش اقدس کا بال پکڑ کر فرمایا کہ یا علی اگر کوئی شخص تجھے بال برابر تکلیف دے گا تو وہ مجھے تکلیف دے گا اور جو مجھے تکلیف دے گا وہ خدا کو تکلیف دیگا اور اللہ اسپر اپنی لعنت ڈالیگا۔ پھر آنحضرت نے اس آیت کو پڑھا ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ ...... الخ

۷۸۔ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ — فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ (سورہ قمر آیت ۵۵) ترجمہ۔ ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں (مقرب) ہوں گے۔ ابن مردویہ نے جابر اور ابو دجانہ سے دیلمی نے فردوس الاخبار میں جابر سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے ہمیں خبر دی ہے کہ جب تک آپ جنت میں تشریف نہیں لیجائیں گے تب تک جنت دوسرے انبیاء پر حرام ہوگی اور جب تک آپ کی امت اس میں داخل نہ ہو دوسری امتیں داخل نہ ہوں گی۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اے ابو دجانہ کیا تو نہیں جانتا کہ خدائے تعالیٰ کا ایک علم نور سے ہے اور یاقوت کا ایک عمود ہے۔ اسپر نور سے لکھا ہوا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ آل محمد خیر البریہ وصاحب اللوا امام یوم القیامۃ یعنی آل محمد خیر البریہ ہیں اور صاحب علم قیامت کے دن امام۔ پھر آپ نے جناب امیر کے کندھے پر ہاتھ مار کر اس کی تفسیر کی اور جناب امیر سے فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے تیری وجہ سے ہمیں کرامت اور شرف دیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا خوش ہو یا علی جو بندہ کہ تیری محبت

رکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ہمارے ساتھ اٹھائیگا پھر حضرت نے اس آیت کو پڑھا۔

۷۹۔ ضرب ابن مریم | وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ (سورہ زخرف آیت ۵۷) ترجمہ:- اور (اے رسول!) جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تمہاری قوم کے لوگ چیخ اٹھے بزار ابو یعلیٰ حاکم اور والنسطری جناب امیر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ یا علی تجھ میں بعینہ عیسیٰ کی مثال موجود ہے کہ ایک قوم نے ان سے محبت کی یہاں تک کہ اُن کو خدا مان لیا اور ہلاک ہوگئی اور ایک قوم نے ان سے بغض رکھا یہاں تک کہ وہ اس میں ہلاک ہو گئی۔ پھر آپ نے فرمایا کیا منافق راضی نہیں کہ اس کے لئے عیسیٰ کی مثال موجود ہے پس یہ آیت نازل ہوئی ولما ضرب ...... الخ

۸۰۔ تطمئن القلوب | أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (سورۂ رعد آیت ۲۸) ترجمہ:- ہوشیار ہو کہ اللہ ہی کی یاد سے چین پاتے ہیں دل۔ اس آیت کی تفسیر میں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ دِل ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول اور میرے اہل بیت سے سچی محبت رکھتے ہیں بغیر کسی جھوٹ کے۔

۸۱۔ آیت نعیم | ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (سورۂ تکاثر آیت ۸) ترجمہ: پھر نعمتوں کے بارے میں تم سے پوچھیں گے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ نعمتیں جن کا سوال کیا جائیگا ہم ذریت رسول ہیں۔

۵۔ امام معصوم ہوتا ہے اور اس کا کردار مثلِ رسول کے بلند ہوتا ہے۔

۸۲۔ آیۃ تطہیر | إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (سورۂ احزاب آیت ۳۳) ترجمہ:- بہ تحقیق کہ اللہ نے ارادہ کر لیا کہ ہر طرح کے لوث (برائی) کو تم سے دور رکھے اے اہل بیت اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا تم کو پاک و پاکیزہ رکھے۔

اس آیت کی شان نزول کے متعلق یہ مسلمہ ہے کہ اہل بیت رسول بشمول حضرت رسول یعنی محمد و علی و فاطمہ حسن و حسین علیہم السلام کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تمام صحاح کی متفق علیہ روایتیں بھی کہتی ہیں۔ اولاً ہم صحیح مسلم کی ایک روایت زبانی حضرت عائشہ مشکوٰۃ المصابیح ص۶۸ سے نقل کرتے ہیں۔ ترمذی، احمد بن حنبل، ابن شیبہ، ابن جریر، ابن حاتم، حاکم اور سیوطی نے بھی حضرت عائشہ سے بھی روایت کی ہے عائشہ قالت خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فدخل معہ ثم جاءت فاطمہ فادخلھا ثم جاء علی فادخلہ ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطہیرا۔ یعنی حضرت

عائشہ روایت کرتی ہیں کہ ایک روز حضرت رسولِ خدا صبح کو ایک سیاہ بالوں کی گلیم منقش اوڑھے ہوئے تشریف لائے
پس جناب حسن بن علی آئے۔ حضرت نے ان کو اس میں داخل کر لیا۔ پھر حسین آئے ان کو بھی آپ نے داخل کر لیا۔ پھر
فاطمہ آئیں حضرت نے ان کو بھی گلیم میں داخل کر لیا۔ پھر علی آئے ان کو بھی داخل کر لیا اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی انما
یرید اللہ...... الخ (نیز ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۳ و مستدرک جلد ۲ ص ۴۱۶ و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۳۱ و جلد ۳ ص ۲۵۹
و جلد ۴ ص ۱۰۷ و جلد ۶ ص ۲۹۲ و استیعاب جلد ۲ ص ۴۶۳ و ریاض النضرۃ جلد ۲ ص ۱۸۸ و اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۹ و ازالۃ الخفا
ص ۲۶۲) ترمذی، احمد، ابن جریر، طبرانی، ابوبکر ابن مردویہ اور سیوطی نے عمر بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا
پر آیت انما یرید اللہ...... الخ ام المومنین ام سلمیٰ کے گھر میں نازل ہوئی ہے اور میں بھی انہیں کے گھر میں تھا۔ حضرت نے
جناب فاطمہ، علی، حسن و حسین علیہم السلام کو بلا کر ان پر چادر ڈال دی اور پھر دعا کی کہ میرے پروردگار یہ میرے اہلبیت
ہیں ان سے نجاست کو دور رکھ اور پاک رکھ ان کو جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ ام سلمیٰ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی ان کے
ساتھ ہوں آپ نے فرمایا تو اپنی جگہ پر ہے اور تو بھی خیر پر ہے۔

احمد، ابو حاتم، ابن شیبہ، ابن
جریر، ابن منذر، سیوطی بیہقی دیلمی اور حاکم نے واثلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے کہ میں جناب امیر علیہ السلام کی
تلاش میں جناب فاطمہ علیہا السلام کی خدمت میں گیا۔ وہ فرمانے لگیں جناب رسالت مآب کے حضور میں گئے ہیں میں ان کے
انتظار میں وہیں بیٹھ گیا۔ آنحضرت جناب امیر اور حسنین علیہم السلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لائے اور حجرے
میں داخل ہو گئے اور بیٹھ گئے حسن علیہ السلام کو داہنے زانو پر اور حسین علیہ السلام کو بائیں زانو پر اور جناب امیر اور
جنابہ سیدہ کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور ان پر چادر ڈال کر اس آیت کو پڑھا۔ انما یرید اللہ...... الخ ابن جریر، ابن مردویہ
سیوطی اور حاکم نے سعد سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا پر جب یہ آیت انما یرید اللہ...... الخ نازل ہوئی حضرت نے
علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹوں کو اپنی چادر اڑھا کر فرمایا اے میرے پروردگار یہی میرے اہل بیت اور میرے
گھر کے لوگ ہیں۔ ابن مردویہ اور سیوطی نے ابو سعید خدری سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔ ترمذی، احمد، ابن شیبہ،
حسن ابن المنذر، حاکم اور سیوطی نے بھی انس ابن مالک سے ایسی ہی روایت کی ہے۔ طبرانی، ابن جریر، ابن مردویہ
اور سیوطی نے ابو الحمرا سے اور نیز ابن مردویہ اور سیوطی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ وہ ۹ مہینے تک حضرت
رسولِ خدا کو دیکھتے رہے کہ روزانہ صبح جناب فاطمہ کے دروازہ پر تشریف لے جاتے اور یہ آیت پڑھتے انما یرید اللہ...... الخ
البوخشی نے تنزل الابرار میں اور سیوطی نے در منثور میں ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ آیت تطہیر پنجتن پاک
رسولِ خدا علی مرتضیٰ فاطمہ زہرا، حسن مجتبیٰ اور حسین خامس آل عبا کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ
ابو سعید خدری راوی ہیں کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ شخصوں کے حق میں نازل ہوئی ہے یعنی
میرے علی، فاطمہ، حسن و حسین کے۔ انہیں کی ہم معنی دوسری روایت جابر ابن عبد اللہ انصاری سے یہ ہے کہ حضرت

رسول خدا اپنی صاحبزادی فاطمہ زہرا کے مکان تشریف لائے اور فرمایا کہ میں اپنے جسم میں ضعف محسوس کر رہا ہوں مجھے چادر اڑھا دو حضرت فاطمہ نے اپنی چادر اڑھا دی اور حضرت رسول چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تھوڑی دیر میں امام حسن جن کی عمر ۶ و ۷ سال کی تھی باہر سے تشریف لائے اور کہنے لگے۔ مادر گرامی گھر میں نانا جان کی خوشبو آ رہی ہے۔ جناب سیدہ نے فرمایا تمہارے نانا جان چادر کے نیچے لیٹے ہوئے ہیں۔ حضرت حسن نے نانا سے چادر کے اندر آنیکی اجازت طلب کی اتنے میں حضرت حسین آ گئے اور اجازت طلب کی اور نانا نے دونوں نواسوں کو سینہ پر سلا لیا فاطمہ زہرا علیہا السلام نے پدر بزرگوار سے اجازت مانگی اور چادر میں داخل ہوئیں۔ اتنے میں علی مرتضیٰ تشریف لائے اور رسول اللہ سے اجازت پا کر چادر میں داخل ہوئے۔ حضرت ام سلمیٰ نے جو اس وقت جناب سیدہ کے بیت الشرف میں موجود تھیں ان ذواتِ مقدسہ کو یکجا جمع ہوتے ہوئے دیکھ کر خود بھی چادر میں آنیکی اجازت چاہی مگر حضرت رسول نے فرمایا تم جہاں ہو وہیں خیر پر ہو الغرض جب یہ نور کے مجسمے ایک چادر میں جمع ہوئے تو زمین سے آسمان تک نور ساطع ہو نے لگا فرشتوں کی آنکھیں اس منبع نور کی طرف لگ گئیں اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ایسا نور تو پہلے کبھی نہیں دیکھا حضرت جبرئیلؑ جرات کر کے بارگاہِ رب العزت میں عرض کی "من تحت الکساء" یعنی کون ہے اس چادر کے نیچے ارشاد باری ہوا "ہم فاطمۃ وابوھا وبعلھا وبنوھا" یعنی اس چادر میں فاطمہ ہے اور اس کا باپ ہے اور اس کا شوہر ہے اور اس کے بیٹے ہیں۔

اللہ رے عظمت فاطمہ۔ رب العزت نے بتا دیا کہ فاطمہ کی کیا شخصیت ہے یہ نہیں فرمایا کہ چادر کے نیچے رسول ہیں اور ان کی بیٹی اور داماد اور نواسے بلکہ مرکزیت جناب سیدہ کو عطا فرمائی اور حضرت فاطمہ ہی کے ذریعہ سب کا تعارف کر دیا جناب فاطمہ کو مرکزیت عطا کرنیکا واضح منشاء ربانی یہی ہے کہ رب العزت نے انہی ذوات کو پاک اور مطہر بنایا ہے جو جناب سیدہ سے نسبت رکھنے والی ہیں نہ تو صرف حضرت رسول خدا سے نسبت رکھنے والے طاہر ہو سکتے ہیں اور نہ صرف حضرت علی سے یا حضرت حسن یا حضرت حسین سے نسبت رکھنے والے جناب سیدہ کے غیر کیلئے طہارت نصی کا دروازہ بند ہے ان ذوات قدسیہ کا اس طرح چادر میں جمع ہونا بھی یقیناً ایک خاص مشیت ایزدی پر مبنی تھا۔ ورنہ جہاں حضرت رسول ضعف محسوس کر کے چادر اوڑھ کر لیٹ گئے ہوں وہاں علاوہ نواسوں کے جناب سیدہ اور علی مرتضیٰ کا بھی چادر میں داخل ہونا طریقہ اور معمول سے ایک ہٹی ہوئی بات تھی اور ایک بیمار شخص کی چادر میں اس کے عزیز قریب بھی اس طرح داخل نہیں ہوا کرتے بہرحال جب یہ ذواتِ قدسیہ ایک جگہ جمع ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل کو حکم ہوا ہماری طرف سے اس آیت کا تحفہ پہنچا دو۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیرا۔ کتب سنی کی روایات کا اجماع اسی پر ہے اور کتب شیعہ کی روایات مختص ہیں کہ آیۂ تطہیر کا نزول جناب سیدہ کے بیت الشرف میں ہوا ہے جب کہ حضرت رسول خدا یہاں تشریف فرما تھے۔ اور جناب سیدہ کی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور "اہل البیت" یعنی اس گھر والوں میں "حضرت رسول، جناب علی مرتضیٰ، جناب سیدہ و شہزادگان حسن و حسین شامل تھے عربی ترکیب کے اعتبار سے کسی اسم عام سے پہلے "ال" اس وقت استعمال کیا

جاتا ہے۔ جب اس چیز کو مختص کرنا ہو جیسے "الیوم" یعنی یہ دن یا آج کا دن "الکتاب" یعنی یہ خاص کتاب اس طرح سے آئۂ تطہیر میں "البیت" خاص جناب سیدہ کے بیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں یہ ذوات قدسیہ جمع تھیں۔ اور جناب سیدہ کے بیت الشرف کی رفعت کا اندازہ حضرت رسول کے حسب ذیل قول سے ہو سکتا ہے۔ جب آیت فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ تسبح لہ فیہا بالغدو والآصال (سورہ نور آیت ۳۶) ترجمہ: (اللہ کے نور کی قندیل) ان گھروں میں روشن ہے کہ اللہ نے ان کے بلند کئے جانے اور ان میں اپنے نام کا ذکر کئے جانے کا حکم کیا ہے صبح و شام اس میں اس کے لئے تسبیح کرتے ہیں جو نازل ہوئی تو لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ان سے کون سے گھر مراد ہیں جن کے بلند کئے جانے کا اور جن میں صبح و شام اپنی تسبیح کئے جانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو آپ نے فرمایا انبیاء کے مکانات۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ اور یہ مکان (اشارہ سے بتا کر) یعنی علی مرتضیٰ و جناب فاطمہ کا گھر تو آنحضرت نے فرمایا بلکہ ان کے بہترین سے (یعنی ان میں سے بھی بڑھ چڑھ کر) غور کیا جائے تو انبیاء کے گھروں سے بھی بڑھ چڑھ کر ارشاد فرمانا بہت سی حقیقتوں کا اظہار کرتا ہے۔ انبیاء کے گھروں میں تو صرف ایک خود نبی ہی معصوم ہوا کرتا تھا اور اس کے گھر والے سب معصوم نہ ہوتے تھے یہاں اس گھر کی تو یہ کیفیت تھی کہ علی مرتضیٰ" فاطمہ زہرا حسن و حسین چار معصوم یہاں رہا کرتے تھے جن میں سے ہر ایک۔ قرآنی سند تطہیر رکھنے والا تھا اور پھر خود حضرت رسول کا بہت سا وقت اس بیت شرف میں اپنی پارہ دل اور نواسوں کے ساتھ گزرتا تھا سفر کو بھی جاتے تو سب سے آخر میں جناب سیّدہ سے رخصت ہوتے اور واپسی میں خود اپنے گھر نہ جا کر سب سے پہلے جناب سیدہ سے ملتے تاکہ آپ سے دوری کا زمانہ اقل ترین ہو ایسی محبت کی مثال بھی شاذ و نادر ہی دنیا پیش کر سکے۔ بہر حال جب اس طرح اس گھر میں پانچ معصوم (پنجتن پاک) رہا کرتے ہوں تو یہ گھر دیگر سارے انبیاء کے مکانات سے بلند تر ہوگا اور ضرور ہوگا۔ جہاں اس گھر کی رفعت حضرت رسول کے ارشاد متذکرہ صدر سے واضح ہوئی وہاں اس میں صبح و شام اللہ کا ذکر کیا جاتا اس طرح ثابت ہوا کہ ایک طرف جناب سیدہ محراب عبادت سے نکلنے کے بعد گھر کا کام کاج کرتے ہوئے اور چکی پیستے پیستے بھی تلاوت قرآن فرمایا کرتی تھیں بقول اقبال ؎

آں ادب پروردۂ صبر و رضا ؛ آسیہ گردان و لب قرآن سرا

اور یہ سب نو دس سال کی عمر سے لیکر ۱۸ برس کی عمر تک کی داستان ہے کیونکہ اسی عمر میں آپ دنیا سے رحلت فرما گئیں ادھر ایک ایک شب میں علی مرتضیٰ کی دو دو ہزار تکبیر نماز کی آواز اس گھر سے سنائی دیتی تھی۔ رحمۃ اللعالمین کا وجود بھی اکثر یہاں سایہ فگن رہا کرتا تھا۔ پھر دونوں ننھے شہزادے لوح محفوظ کی عبارت اپنے نانا کو سنایا کرتے تھے۔ ایسا ذکر خدا شاید ہی کسی اور گھر میں ہوا ہو بلکہ یقیناً نہیں ہوا جن ذوات کو اللہ تعالیٰ نے یوں پاک رکھا ہو جو پاک رکھنے کا حق ہے تو پھر ان کی عصمت و طہارت میں شبہ لانا خدا کے کلام پر شبہ کرنے کے مترادف ہے۔ یہ طہارت کاملہ و عصمت مطلقہ ہی تھی کہ جس کی وجہ سے حضرت رسول نے فرمایا تھا کہ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا نہ زوجہ پر شوہر کی اطاعت واجب ہے۔ جناب فاطمہ عصمت مطلقہ رکھتی تھیں کہ کوئی غیر معصوم

آپ کا کفو نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ غیر معصوم خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو خطا سے بری نہیں ہوتا اور خطا کا حکم سہواً بھی دے سکتا ہے زوجہ معصوم ہو تو احکام کی تعمیل میں تصادم لازم آئیگا شوہر کا حکم مبنی بر خطا بھی ہو تو اس کی تعمیل بہ حیثیت شوہر کے حکم کے لازم ہو گی اور بہ سبب معصوم ہونے کے اس سے کوئی فعل مبنی بر خطا سرزد ہونا بھی ناممکن۔ لہٰذا عقلاً یہ بات بدیہی ہوئی کہ معصوم عورت کا حقیقی کفو صرف معصوم ہی ہو سکتا ہے تاکہ شوہر کی طرف سے نہ کوئی حکم مبنی بر خطا دیا ہی جا سکے اور نہ زوجہ معصوم کو دو متضادوں کا سامنا کرنا پڑے۔ اب بطور واقعہ جن کو نص قرآن سے تطہیر کی سند ملی علاوہ جناب فاطمہ کے رسول اللہ تھے یا حسنین جو اسی تزویج نور کا نتیجہ تھے یا خود حضرت علی یعنی جناب سیدہ کا جس سے نکاح ہو سکتا تھا بجز حضرت علی کے کوئی سند طہارت رکھنے والا نہ تھا۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کوئی کفو نہ تھا۔ یہاں ایک امر کی طرف خیال جاتا ہے کہ علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا کے دو بیٹوں حسنین کے علاوہ دو صاحبزادیاں حضرت زینب اور حضرت کلثوم بھی تھیں بعض روایتوں کے اعتبار سے آیت تطہیر کے نزول کے وقت دونوں صاحبزادیاں تولد نہیں ہوئی تھیں دوسری روایت کے اعتبار سے جب آیت تطہیر نازل ہوئی یہ صاحبزادیاں بھی بیت الشرف میں موجود تھیں۔ جہاں باپ اور ماں دونوں ایسے ہوں کہ جن کو نص قرآنی سے طہارت کی سند حاصل ہو اور انہیں صاحبزادیوں کے دونوں بھائی بھی اسی طہارت کی سند رکھتے ہوں تو ان معصوم بچیوں میں کیا کوتاہی ہو سکتی تھی کہ ان کو شرف طہارت نصی عطا نہیں کیا گیا۔ ان شاہزادیوں کو تو باپ اور ماں دونوں معصوم ہونے کا وہ شرف حاصل تھا جو نہ خود جناب فاطمہ کو حاصل تھا نہ رسول اللہ کو نہ علی مرتضیٰ کو ہاں اگر تھا تو انہیں کے دونوں بھائیوں حسنین کو یہ شرف حاصل تھا۔ حضرت زینب و کلثوم کو تو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے یہ شرف حاصل ہے جس کی مثال بجز حسنین کے دنیا میں کوئی پیغمبر یا حضرت مریم بھی پیش نہیں کر سکیں۔ پھر زینب و کلثوم کا چادر تطہیر میں داخل نہ ہونا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ غور کیا جائے تو اس امر کی توجیہ حضرت رسول کے اسی قول میں مضمر اصول سے نکل آتی ہے کہ علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کوئی کفو نہ تھا۔ اگر زینب و کلثوم کو طہارت نصی حاصل ہوتی تو یا تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی معصوم کفو فراہم کرنا ہوتا یا پھر اس کے یہ معنی ہوتے کہ انکا زندگی بھر ازدواج نہ ہو یا پھر غیر کفو سے ہو اور معصوم عورت ظلم کا شکار ہو۔ دنیا میں صرف دو ہی عورتیں معصوم گزری ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے حضرت مریم اور بنی ہاشم میں سے جناب فاطمہ غالباً قدرت کو کسی معصوم عورت کو غیر معصوم کا تابع کرنا منظور نہیں رہا کہ حضرت مریم کو (اپنے حکم سے) فرزند عطا فرمانیکے باوجود آپ کو بلا شوہر رکھا چونکہ کوئی مرد آیت تطہیر میں ایسا داخل نہیں تھا جس کا ازدواج حضرت زینب یا حضرت کلثوم سے ہو سکتا لہٰذا ظاہر بظاہر یہی وجہ رہی کہ طہارت نصی میں ان دو پاک ہستیوں کو شریک نہ کیا جا سکا۔ اس ناچیز کے خیال میں ان کی عصمت کاملہ میں کوئی کلام نہیں اور یہ صرف بہ مصلحت ایزدی اس شرف سے محروم رہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جس طرح جناب امیر علیہ السلام

نبی نہیں ہیں کیونکہ نبوت حضرت ختمی مرتبت پر ختم ہو چکی مگر باوجود نبی نہ ہونیکے بھی آپ حضرت سرکار دو عالمؐ کے ہمسر اور دیگر انبیاء سے افضل ہیں اسی طرح جناب زینب و کلثوم باوجود نصی طہارت کے حامل نہ ہونے کے بھی بالکل چہاردہ معصومین جیسی طہارت رکھتی ہیں ـــــ آیت تطہیر کے معنی نکالنے میں بعض لوگوں کو نہ معلوم کس مصلحت کی بناء پر یہ کد ہے کہ "لیذھب عنکم الرجس" کے معنی رجس وہ گندگی دور کرنے کے لئے جائیں نہ کہ دور رکھنے کے یہ معنی نکالکر وہ اپنے دل کو یوں خوش کر لیتے ہیں کہ رسول اور آل رسول میں رجس تھا تو سہی جس کو خدا تعالیٰ کو دور فرمانا پڑا۔ یہ ناچیز کوئی عالم عربی نہیں مگر عالموں کے فیض کی خوشہ چینی اور تھوڑے سے علم کی بناء پر بھی یہ کہنے کے موقف میں ہے کہ جو لوگ اس طرح کے معنی نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ عربی کے محاورہ اور ترکیب الفاظ سے بالکلیہ نابلد معلوم ہوتے ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے یہ امر بالکل واضح ہو جائے گا۔ سورۂ الرحمٰن میں ارشاد باری ہے ؛ والسماء رفعھا" یا سورہ رعد میں آیا ہے اللہ الذی رفع السموات یعنی لفظی معنوں کے اعتبار سے آسمانوں کو بلند کیا آسمان کو بلند کیا کی عربی ترکیب کے معنی ظاہر بہ ظاہر یہی ہیں کہ آسمانوں کو بلند بنایا۔ یعنی ابتدائے خلقت ہی سے بلند بنایا یا کہا جائے کہ بلند رکھا۔ یہ تو نہیں ہے کہ آسمان پہلے پست تھا اور بعد میں اس کو بلند کیا گیا۔ آسمان کہتے اسی کو ہیں جو بلند ہو۔ پستی کا تصور اس سے متعلق نہیں ہے اور مثالوں پر غور فرمائیے۔ سورہ عبس کی آیت ہے فمن شاء ذکرہ فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطھرۃ (یعنی پس جو چاہے اسے (قرآن کو) یاد رکھے) معزز بلند مرتبہ اور پاک کئے گئے صحیفوں میں ہے" سورہ البینۃ آیت ۲ میں ہے رَسُولٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً یعنی خدا کا بھیجا ہوا رسول ایسی کتابوں اور صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے جو پاک کئے ہوئے ہیں سورۂ بقر میں ہے ولھم فیھا ازواج مطھرۃ (یعنی جنتی لوگوں کیلئے وہاں پاک کی ہوئی حوریں ہیں) ان تینوں آیتوں میں بھی قرآن پاک صحیفوں اور حوروں کے متعلق پاک کئے گئے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور دیگر کتب سماویہ (معاذ اللہ) نجس تھے اور بعد میں پاک کئے گئے یا اسی طرح جنّت کی حوریں نجاست میں لتھڑی ہوئی تھیں اور بعد میں ان کو صاف کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے معنی نکالنا مہمل اور سراسر غلط ہے۔ اللہ کے کلام سے یا اس سے جس کو خدا طاہر رکھنا چاہے۔ نجاست کا تصور کسی نوبت پر بھی متعلق نہیں کیا جا سکتا جس کے ارادہ اور خالقیت کی یہ شان ہو کہ "اذا اراد شیاً ان یقول لہ کن فیکون" (سورۂ یٰسین) اور جس کا یہ ارشاد ہو کہ وکان امر اللہ مفعولا (سورۂ نسا آیت ۴۷) یعنی خدا کا حکم کیا کرایا ہوا کام سمجھو تو ایسے قادر مطلق کے لئے پاک چیزوں کو وجود میں لانے کے لئے یہ کیا ضروری ہے کہ پہلے ان کو نجس پیدا کرکے اور اس کے بعد پاک کرے اسی طرح آیت تطہیر میں لیذھب عنکم الرجس کے معنی یہ عینہٖ ابتدا ہی سے رجس کو دور رکھنے کے ہیں یہ بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ عنکم الرجس میں لفظ عن سمت مخالف کی طرف دلالت کرتا ہے اور اس کے معنی نجاست دور رکھنے کے ہیں۔ یہ امر صاحبان عقل کو یوں بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ حضرت رسول کی کیا شخصیت ہے اور ان کے اہل بیت کی کیا شان ہے آیت تطہیر میں نہ صرف علی و فاطمہ حسن و حسین بلکہ

خود حضرت رسول بھی شامل ہیں کیونکہ ان پانچ ذوات قدسیہ کے ایک چادر کے اندر جمع ہونے کے بعد ہی آیۃ تطہیر نازل ہوئی ہے اور حضرت رسول کے ان متعدد ارشادات کا بھی اوپر ذکر آچکا ہے کہ ہم پانچ افراد کے حق میں آیۃ تطہیر نازل ہوئی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ رسول سے کسی نوبت پر بھی رجس متعلق تھا۔ رسول تو نور سے پیدا ہوا ہے اور اس وقت سے رسول ہے جبکہ حضرت آدم کی مٹی گوندھی جا رہی تھی۔ خلقت آدم کے چودہ ہزار سال قبل سے نور نبی و علی تسبیح و تقدیس میں مصروف تھا۔ اس نور سے رجس کیسے متعلق کیا جائیگا۔ تمام حضرات سنی بھی اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے کبھی بت نہیں پوجے اس وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ (یعنی اللہ کا نور ان کے چہرہ پر) کہتے ہیں۔ سینکڑوں ایسی آیتیں آپ کی شان میں ہیں اور سینکڑوں ہی ارشادات رسول آپ کی فضیلت کے باب میں ہیں (جن کا ذکر اپنے اپنے موقعہ پر آئیگا) بالفاظ مختصر آپ ولی خدا گواہ رسالت رسولؐ وارث کتاب خدا "باب العلم" مولائے مومنین سرپرست امت جانشین رسول امام برحق قسیم النار والجنۃ ہیں۔ اور حضرت رسول کے ساتھ ایک جان دو قالب اس طرح ہیں کہ حضرت رسول فرماتے ہیں کہ آپ دونوں کا گوشت پوست روح نفس سب ایک ہی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ علی منی وانا منہ یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں حاملان آیۃ تطہیر میں سے ایک ہستی تو حضرت رسول کی ہے اور دوسری حضرت علی کی ہے جنکی کیفیت اوپر درج ہوئی۔ تیسری ہستی سیدہ کونین حضرت فاطمہ زہرا کی ہے جو خاتون محشر سیدۃ النساء العلمین حسب ارشاد رسول ہیں اور عملی طور پر بھی حضرت رسول نے بیٹی کی تعظیم کے لئے جب کبھی وہ آئیں سروقد اٹھ کر اور اپنی جگہ بٹھا کر لوگوں پر یہ ظاہر فرما دیا کہ آپ کا کیا رتبہ ہے باعتبار بزرگی آپ کا لقب "ام ابیہا" ہے یعنی اپنے باپ کی والدہ بیٹی ہو کر رسول جیسے باپ کی ماں کہلانے کے شرف کا اندازہ حقیقی صاحبان ایمان اور صاحبان ولا ہی کر سکتے ہیں سیدۃ النساء العلمین کے علاوہ طاہرہ صدیقہ "بتول" خیر النساء "خیرۃ النسوان" آپکو رسول خدا فرمایا کرتے اور دو ہستیاں جو داخل اہلبیت ہیں حسنین علیہم السلام کی ہیں جو حسب ارشاد رسول جوانان اہل جنت کے سردار ہیں۔ اہل جنت کی سرداری کوئی کم وزن چیز نہیں ہے۔ پھر رسول کا ارشاد ہے حسین منی وانا من الحسین۔ علی جیسے باپ اور فاطمہ جیسی ماں کے بیٹوں میں جو بحکم خدا حضرت رسول کے بیٹے قرار پائے رجس کا بھلا کہاں پتہ ملیگا۔ وہ پسر نوح تھا کہ نوح کا بیٹا ہوتے ہوئے بھی حضرت نوح کے اہل سے بحکم قرآن خارج کر دیا گیا اور یہ علی و فاطمہ کے صاحبزادے ہیں کہ پہلے ہی سے ایسے والدین کے صاحبزادے ہونا ہی کیا کم شرف تھا کہ مستزاد برآں اللہ تعالیٰ نے بروئے آیۃ مباہلہ رسول کے بیٹے قرار دیکر ان شاہزادوں کے رتبہ کو اور نمایاں فرمایا۔ اب ان ذوات سے کوئی رجس متعلق کرے تو آخر کس نوبت پر کرے۔ ایک نکتہ یہ بھی قابل غور ہے معصوم بچہ یا معصوم بچے زبان زد خاص و عام ہوتا ہے کہ کم سن بچوں کو جو سن شعور کو نہ پہنچے ہوں دنیا معصوم کہتی ہے شرع و قانون کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ سن شعور کو پہنچنے سے پہلے تکلیف شرعی و ذمہ داری لاحق نہیں ہوتی اور کم سن بچوں کے افعال پر خطا یا گناہ کا حکم عاید نہیں ہوتا حسنین جو بوقت نزول آیت تطہیر تین چار یا بروایتے (۶-۷) سال کی

عمر کے تھے اور جس ماحول میں آغوشِ فاطمہ اور رسول کے سینہ پر پلتے تھے وہاں ان بچوں سے خطا کا کیا تصور پیدا ہوگا۔ آیت تطہیر کے معنی نکالنے میں یہ تو کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ ان کم سن بچوں میں رجس تھا اور پھر علٰحدہ کیا گیا۔ لہٰذا ماننا پڑیگا کہ آیت تطہیر میں ان کمسن بچوں کی شمولیت نے آیت کے معنی اور صاف کر دیئے اور یہ بتا دیا کہ مطلب ابتدائے آفرینش سے ہی رجس دور رکھنے اور ان ذوات قدسیہ کو پاک و مطہر رکھنے کا ہے یہ حق طہارت قادرِ مطلق نے ادا فرمایا ہے اب بھلا طہارت کا کوئی کیا اندازہ لگا سکے اور گندہ ذہنوں کے لئے طہارت کا یہ معیار کس طرح قابلِ فہم ہو سکے۔

آخر میں اس اشتباہ کے رفع کرنے کے سلسلہ میں ہم چند سطریں تحریر کر دیتے ہیں کہ آیت تطہیر میں ازواج بھی داخل ہیں

اول تو صریح ارشادات رسول نے اس کو واضح کر دیا ہے کہ اہل بیت میں ازواج داخل نہیں ہیں کیونکہ جیسا کہ ارشاد رسول ہے مرد طلاق دیدیتا ہے اور عورت اپنے گھر کی طرف لوٹ جاتی ہے اور آیۃ تطہیر صرف اہل بیت کے لئے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ اشتباہ اس لئے پیدا ہوا ہے بلکہ پیدا کیا گیا ہے کہ اس آیت کو ازواج رسول کے ذکر کی آیتوں کے درمیان درج کر دیا گیا ہے خواہ بے جوڑ طور پر ہی کیوں نہو۔ سورہ احزاب کی آیتیں ۳۲ '۳۳' ۳۴ اس طرح چلی ہیں۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ ...... (۳۲) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ...... وَاطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا) (۳۳) وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ ...... (۳۴) واضح ہے کہ آیت ۳۴ بھی آیت ۳۲ یا نساء النبی لستن کے تسلسل کے تحت ہی ہے اور ازواج نبی سے خطاب کر کے جمع مونث کے صیغے لَسْتُنَّ' قَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ استعمال ہوئے ہیں اور ان کے بیچوں بیچ ایک بے ربط ٹکڑا آیت تطہیر کا لا دیا گیا ہے جس کے مخاطب اہل بیت ہیں اور صیغہ کُم و عنکم یطہرکم استعمال ہوا ہے جو مذکر و مونث کو ملا کر جمع مخاطب کے لئے استعمال ہوتا ہے شروع کی آیات ۳۲ و ۳۳ میں (کُن) کا صیغہ اور پھر اسی تسلسل کی آیت ۳۴ میں بھی جو نساء النبی سے مخاطبت ہے کن کا ہی صیغہ استعمال ہونے کے بعد درمیان میں کم کا صیغہ نہیں آ سکتا۔ ورنہ یا نساء النبی کی مخاطبت سے واذکرن ما یتلی فی بیوتکن کا ربط باقی نہیں رہے گا اس کے برخلاف آیۃ تطہیر کے جزو کو چھوڑ کر آیات ۳۲ '۳۳' ۳۴ کو ایک ساتھ پڑھا جائے تو یہ ہر طرح مربوط و مسلسل ہیں اور ان کے درمیاں حرف و نحو کی بے قاعدگی کا شک پیدا نہیں ہوتا۔ ظاہر بظاہر یہ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ ازواج نبی کو اہلبیت رسول میں داخل کرنیکی فکر کیجائے اور آیۃ تطہیر ایسے مقام پر چسپاں کر دی جائے کہ بظاہر سرسری نظر میں یہ معلوم ہو کہ ازواج نبی کا ذکر ہو رہا ہے تو اہلبیت بھی یہی ہوں گے۔ مگر زبان عربی کی صرف و نحو سے جو تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتے ہیں ان کو یہ بے جوڑ پیوند صاف معلوم ہو جاتا ہے یہ امر مسلمہ ہے کہ جب حضرت عثمان کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کے جمع کئے ہوئے قرآن کو رد کر کے

زید ابن ثابت کے تحت کمیٹی کی رائے سے قرآن جمع کیا گیا تو صحیح ترتیب باقی نہیں رہی اور سورے اور آیات خلط ملط ہوگئے۔ مولانا حکیم سید محمود گیلانی صاحب (سابق رکن جماعت اہل حدیث) اپنی کتاب ایلیا علیہ السلام کے صفحہ ۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں "محمد رسول اللہ کے اہلبیت کی شان و منصب سے بیگانہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں اور فلاں بھی تو رسول کے تعلقدار قریبی رشتہ دار تھے پھر انہیں کیوں اہل بیت نبوت میں شامل نہیں کیا جاتا اور کیوں ان کے نام اغیار کی فہرست میں درج کئے جاتے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب خود معترضین کو سوچنا چاہیئے کہ رسول کے ذوالقربیٰ بننے کے لئے ایک شرط یطہرکم تطہیرا بھی تو تھی جو نجرانی مباہلہ میں پوری ہوچکی اور جس جس کو اہل بیت میں شریک ہونا تھا وہ اس وقت شامل ہوچکا پھر گنجائش کہاں رہی کہ زید عمر بکر وغیرہ کو بھی زبردستی اہل بیت میں سمجھ لیا جائے کسی کی مجال نہیں کہ وہ محمد اور علی کے رحمانی نور کو پھیلنے سے روکے اور کسی کی طاقت نہیں کہ نفوس قدسیہ خمسہ کے روشن چراغوں کو کفر کی پھونکوں سے بجھا سکے"۔

ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں بیان کیا ہے کہ اکثر مفسرین اس کے قائل ہوئے ہیں کہ آیت تطہیر علی و فاطمہ وحسنین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ بہ سبب ضمیر مذکر عنکم و یطہرکم کے اگر اس آیت کے مصداق جناب فاطمہ کے علاوہ حضرت امیر اور حسنینؑ نہ ہوتے تو ضمیر عنکم و یطہرکم استعمال نہ ہوسکتی تھی۔ اگر ازواج سے یہ آیت متعلق ہوتی تو ضمیر مونث عنکن استعمال ہوتی۔

صحیح مسلم میں زید ابن ارقم کی روایت کردہ حدیث اور سید المحدثین جمال الملت والدین عطاء اللہ حسینی کی کتاب تحفۃ الاحباب میں مندرجہ پانچ حدیثوں سے جس میں جامع ترمذی کی بھی حدیث ہے اور حدیث مندرجہ کتاب المصابیح مصنف ابوالعباس احمد بن حسن مفسر مزبر اسفرائینی سب سے یہ امر متحقق ہے کہ آیت تطہیر صرف اہلبیتِ رسول علی و فاطمہ و حسن و حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

قرآن میں انبیائے سلف کے متعلق معصوم ہونے کے واضح الفاظ کہیں نہیں آئے ہیں۔ جن آیاتِ قرآنی سے انبیاء کی عصمت کا استنباط کیا جاتا ہے وہ سورۂ بقر کی آیت ۱۲۴ حجر ۴۰ و ۴۲، بنی اسرائیل ۶۲ و ۶۵، انبیا ۲ ۷ و ۳ ۷، ۵ ۷ و ۸۶، سبا ۲۱ و ۲۲، ص ۴۸ اور سورۂ جن آیت ۲۳ ہیں۔ انہیں انبیاء کے متعلق صالحین، اخیار، مخلصین، ہدایت کرنے والے اور ظلم سے بچے رہنے والے کے الفاظ آئے ہیں۔ البتہ مکمل پاکی اور طہارت مطلقہ کا ذکر قرآن میں ہے تو وہ صرف خاتم النبیین اور ان کے اہلبیت کیلئے ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کو طٰہٰ کہکر خطاب فرمایا ہے۔ جس کے معنی انتہائی پاک اور طاہر مطلق کے ہیں۔ سورۂ احزاب آیت ۳۳ میں اہلبیت سے مخاطب ہوکر لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ارشاد فرمایا گیا ہے جسکے معنی رجس کو دور رکھنے پاک رکھنے کے ہیں جو پاک رکھنے کی حد ہے۔ یہ الفاظ انھیں ذواتِ مقدسہ سے

مخصوص ہیں اور ان کی عصمت مطلقہ پر دلالت کرتے ہیں اور یوں تو صالحین و اخیار وغیرہ کے عمومی الفاظ کے مقابلہ میں علی مرتضیٰ کے لئے خصوصی الفاظ "صالح المومنین" (سورۂ تحریم آیت ۴) خیر البریۃ (بینۃ آیت ۷) اور خیر امۃ (آل عمران ۱۱۰) آئے ہیں۔ یعنی تمام مومنین کا صالح، سب نیکی کرنے والوں میں زیادہ صاحب خیر، خیر مطلق۔ ان کے علاوہ بھی علی مرتضیٰ کی شان میں بے شمار قرآنی آیات موجود ہیں۔ مثلاً آیت ولایت (سورۂ مائدہ ۵۵) میں اللہ تعالیٰ نے علی مرتضیٰ کو سب لوگوں کا اسطرح ولی اور سرپرست قرار دیا ہے جیسے حضرت رسول اور خود اللہ تعالیٰ ولی و سرپرست ہیں۔ سورۂ رعد آیت ۴۳ میں رسول اللہ کی رسالت کی گواہی کیلئے اللہ تعالیٰ نے گواہوں کے زمرہ میں اپنے ساتھ صرف علی مرتضیٰ کو شامل کر کے علی کے مرتبہ کا پتہ دیا ہے۔ آیت بلغ و تکمیل دین (مائدہ ۶۷ و ۳) میں اعلان فرمایا ہے کہ علی کی ولایت کے اقرار کے بغیر دین مکمل نہیں۔ یہ تمام آیتیں جیسا کہ ارشاد رسول بھی ہے علی کو رسول کا نظیر (اور حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے الفاظ میں) مماثل، متشاکل اور متجانس ثابت کرتی ہیں۔ پھر آیت تطہیر تو خاص عصمت پر نص ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود بھی علماء اہلسنت صرف انبیا کی عصمت کے قائل ہیں اور اہلبیت رسول کو معصوم ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ ص۹۹ پر لکھتے ہیں: اہلسنت کے نزدیک عصمت انبیا کا خاصہ ہے" مولوی عبدالشکور لکھنوی اپنی کتاب "خلفاء راشدین" میں لکھتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے بعد کسی کو معصوم ماننا عقیدۂ نبوت کے خلاف ہے"۔ مولانا مناظر احسن گیلانی تدوین حدیث ص۲۷ پر لکھتے ہیں: یہ مسلّم تھا کہ پیغمبر کے سوا کوئی بشر معصوم پیدا نہیں کیا جاتا۔

ناظرین باتمکین کو الفاظ اور معنی کے اس فرق کو سمجھنے میں یقیناً کوئی دشواری نہ ہوگی کہ جہاں انبیا کیلئے صرف صالحین، اخیار یا مخلصین کے الفاظ آئے ہیں وہیں حضرت رحمت اللعلمین کیلئے طٰہٰ اور ان کے اہلبیت کیلئے لیذھب عنکم الرجس و یطہرکم تطہیرا کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ اس بناء پر شیعہ گو کہ بطور عام تمام انبیاء کی عصمت کے قائل مگر متذکرۂ صدر نص قرآنی کی بناء پر حضرت رسول اور ان کے اہلبیت کے لئے عصمت مطلقہ کے قائل ہیں جو گویا عصمت کا صیغۂ افضل التفضیل ہے۔ ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس نظریہ سے صرف وہی لوگ انکار کر سکتے ہیں جنکی عقل متذکرۂ صدر الفاظ کے بدیہی اور بنیادی فرق کو سمجھنے سے قاصر ہو۔

۸۳- آیت مباہلہ قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین ؁ ترجمہ:- تو کہو (اے رسول) کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو (بلائیں) اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو اس کے بعد ہم سب مل کر (خدا کی بارگاہ میں) گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

صحیح مسلم کی روایت سعد ابن ابی وقاص کی زبانی مشکوٰۃ المصابیح کے صـ۵۷۷ـ پر اس طرح درج ہے جب آیت قل تعالوا...... الخ نازل ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی و فاطمہ حسن و حسین کو بلایا اور فرمایا اللہم ہولاء اہلبیتی یعنی یا اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت۔

نسائی" ترمذی اور احمد نے بھی سعد ابن ابی وقاص سے اور حاکم نے جابر ابن عبداللہ انصاری سے اور

جاری بر صـ۲۶۴ـ

نوٹ:- (ذیل میں کچھ جگہ خالی رہ گئی تھی۔ اسمیں ہم چند اہم تواریخ درج کر دیتے ہیں)

تواریخ ولادت و شہادت چہاردہ معصومین علیہم السلام

اسم مبارک	تاریخ ولادت	تاریخ شہادت
حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۷ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل	۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ
مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام	۱۳ رجب سنہ ۳۰ عام الفیل	۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ
سیدۃ النساء العٰلمین جناب فاطمہ زہرا علیہا سلام	۲۰ جمادی الثانی سنہ ۵ بعثت	۳ جمادی الاول سنہ ۱۱ھ
حضرت امام حسن مجتبےٰ علیہ السلام	۱۵ رمضان سنہ ۳ھ	۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ
حضرت امام حسین شہید کربلا علیہ السلام	۳ شعبان سنہ ۴ھ	۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ
حضرت امام زین العابدین علیہ السلام	۱۵ جمادی الاول سنہ ۳۸ھ	۲۵ محرم سنہ ۹۵ھ
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام	یکم رجب سنہ ۵۷ھ	۷ ذالحجہ سنہ ۱۱۴ھ
حضرت امام محمد جعفر صادق علیہ السلام	۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ	۱۵ شوال سنہ ۱۴۸ھ
حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	۷ صفر سنہ ۱۲۸ھ	۲۵ رجب سنہ ۱۸۳ھ
حضرت امام علی رضا علیہ السلام	۱۱ ذیقعدہ سنہ ۱۵۳ھ	۱۷ صفر سنہ ۲۰۳ھ و بروایتے ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۲۰۳ھ
حضرت امام محمد تقی علیہ السلام	۱۰ رجب سنہ ۱۹۵ھ	۲۹ ذیقعدہ سنہ ۲۲۰ھ
حضرت امام علی النقی علیہ السلا	۵ رجب سنہ ۲۱۴ھ	۳ رجب سنہ ۲۵۴ھ
حضرت امام حسن العسکری علیہ السلام	۱۰ ربیع الثانی سنہ ۲۳۲ھ	۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ
صاحب عصر حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام	۱۵ شعبان سنہ ۲۵۶ھ	عجل اللہ فرجہ

دار قطنی نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ١٧ صفحہ ٧٧ صحیح مسلم جلد ٢ صفحہ ٢٧٨ و صحیح ترمذی جب ٢٦١ کنز العمال صفحہ ٣٣٤ پر معقل ابن یاسر نے حضرت ابوبکر سے یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت علی حضرت رسول کی عترت میں شامل ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ سنہ ١٠ھ آنحضرت نے نصارائے بنی نجران کو خط لکھا اور دعوت اسلام دی۔ بنی نجران نے اپنے چودہ آدمی منتخب کرکے بھیجے۔ ان ان راہبوں نے ریشمی لباس زیب تن کیا اور بڑے کروفر سے حضرت رسول کی خدمت میں آئے اور سلام کیا۔ آنحضرت نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور مخاطبت نہ فرمائی۔ یہ لوگ حضرت عثمان اور عبدالرحمن بن عوف کے پاس گئے اور کہا کہ تمہارے رسول کے اخلاق کا بڑا شہرہ تھا مگر انھوں نے ہمارے ساتھ یہ عمل کیا ہے۔ حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی علی ابن ابی طالب کے پاس جاؤ۔ چنانچہ راہبوں کا یہ قافلہ حضرت علی کی خدمت میں پہنچا اور واقعہ بیان کیا۔ حضرت علی علیہ السلام جو حضرت رسول خدا کے ہی خطوط پر سوچتے تھے فوراً سمجھ گئے اور فرمایا کہ تم نے اپنا عادتی راہبوں کا لباس ترک کرکے یہ دُنیاداروں کا ریشمی لباس کیوں پہنا کیا تم اس سے حضرت رسول کو مرعوب کرسکتے ہو۔ تم اپنی اصلی وضع میں حضرت رسول کی خدمت میں حاضر ہو۔ چنانچہ وہ راہب اپنا اصلی لباس پہن کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو خلق عظیم کا مجسمہ پاکر بہت شرمندہ ہوئے۔ جب اصل موضوع پر بحث شروع ہوئی تو راہب حضرت عیسٰی کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ حضرت رسول نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے آدم کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ عیسٰی کو بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا کرے۔ راہب اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اس وقت رب العزت نے آیت مباہلہ نازل فرمائی اور رسول خدا کو مُباہلہ کرنے کا حکم ہوا۔ ٢٤ ذالحجہ سنہ ١٠ھ تاریخ مُباہلہ ٹھہری مسلمانوں اور دیگر لوگوں کا کثیر اجتماع ہوا۔ تمام صحابہ رسول بھی جمع ہوئے اور ہر شخص بددعا کے نتیجہ کے سنسنی خیز منظر کو دیکھنے کا منتظر تھا۔ نصاریٰ کے بڑے بڑے پادری عبدالمسیح عرف عاقب "اسید" ابوالحارث" اور کرز اپنے اسقف اعظم عاقب کے ساتھ چودہ منتخب راہب مردوں اور عورتوں کو لئے ہوئے میدان مُباہلہ میں آئے۔ حضرت رسول خدا اس شان سے آئے کہ امام حسین علیہ السلام کو گود میں لئے ہوئے اور امام حسن علیہ السلام حضرت رسول کی انگلی پکڑے ہوئے اور ان کے پیچھے جناب فاطمہ چادر تطہیر اوڑھے ہوئے اور اُن کے پیچھے شیر خدا حضرت علی مُرتضیٰ۔

جب فریقین موقعہ پر جمع ہوگئے تو رسول اللہ نے علی و فاطمہ حسن و حسین سے فرمایا جب میں دعا کروں تم آمین کہنا سب نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائیے اور اس کے ساتھ ہی غضب الہٰی کے آثار نمودار ہوگئے آفتاب کی شعاعیں زرد ہوگئیں اور ہر طرف سیاہی چھاگئی۔ زمین کو زلزلہ محسوس ہونے لگا جب عیسائیوں کے اسقف اعظم اور پادریوں نے حضرت رسولؐ اور اہلبیت رسول کے چہروں پر نظر کی تو پادریوں کے تن بدن میں رعشہ شروع ہوگیا۔ اسقف اعظم نے اپنی

قوم والوں سے کہا کہ میں ان نورانی چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے دُعا مانگیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو بیشک ٹل جائے گا۔ اس لئے بہتر ہے ہم ان کے ساتھ مباہلہ نہ کریں ورنہ یاد رکھو روئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہ رہے گا۔ عیسائیوں نے صلح کی درخواست کی اور حضرت رسول نے جو شرائط عائد فرمائیے ان کو قبول کرنیکا اقرار کیا۔ اس آیت مباہلہ سے حقیقت کے کئی خدوخال نمایاں ہوئے۔ پہلے یہ کہ حسنین علیہم السلام بحکم خدا رسول اللہ کے بیٹے قرار پائے اور اسی وجہ سے ہمیشہ ابن رسول اللہ یا فرزند رسول کہلائے۔ یہاں ہم بعض لوگوں کے اس اعتراض کا اشارتاً جواب دیدینا مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت رسول کی تو کوئی اولاد نرینہ نہ تھی پھر آپ کی اولاد ذریت رسول کس طرح کہلا سکتی ہے۔ اول تو قرآن کی اس آیت کی رو سے حسنین علیہم السلام حضرت رسول کے بیٹے قرار پائے اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بھی حضرت ابراہیم کی ذریت میں قرار دیا ہے حالانکہ حضرت عیسیٰ بلاباپ کے پیدا ہوئے تھے اور آپ کی ماں مریم بنت عمران کا نسب حضرت ابراہیم سے ملتا تھا چنانچہ سورۂ انعام کی آیت ۸۴ میں ارشاد ہے:۔

ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذالک نجزی المحسنین وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس کل من الصلحین ہ ترجمہ:۔ اور ان ہی (ابراہیم) کی ذریت سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون اور نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ و الیاس (سب کی ہم نے ہدایت کی) بہرحال یہ جملہ معترضہ تھا دوسری چیز قابل غور یہ ہے کہ آیت میں نساء نا و نساء کم یعنی صیغہ جمع عورتوں کے الفاظ ہیں اور اس کا موقع حاصل تھا کہ حضرت رسول ایک سے زیادہ عورتوں کو اپنے ساتھ لیجاتے جس طرح نصرانی پادری اپنے ساتھ لائے تھے۔ حضرت رسول نے آخر یہ جناب سیّدہ کی تخصیص کیوں فرمائی۔ اپنی متعدد ازواج میں سے بھی کسی کو لیجا سکتے تھے۔ تاکہ نساء نا (عورتوں) کے الفاظ ظاہری کی بھی پوری تعمیل ہو جائے۔ باوجود اس کے تنہا جناب سیّدہ کا محل مباہلہ میں لیجانا اس کی دلیل کامل ہے کہ اس مقام مباہلہ پر وہی ہستیاں آسکتی تھیں جو برگزیدہ خدا اور پاک و مطہر ہوں۔ اس مقام تک ہر ایک کے قدم نہیں پہنچ سکتے تھے۔ باعتبار اس حکم قرآنی کے کاذبین یعنی جھوٹوں پر لعنت ڈالنا تھا تو یہ کام صرف صادقین ہی ہو سکتا ہے۔ جو کوئی فرد ایسی معصوم طاہر اور صادق کامل ہو جس سے کبھی کذب سرزد نہ ہوا ہو وہی جھوٹوں پر لعنت ڈالنے کے موقف میں ہو سکتی ہے ایسا شخص جو کبھی جھوٹ بول چکا ہو اگر جھوٹے پر لعنت ڈالے تو وہ رد ہو کر خود اسی پر پڑ جائے گی۔ حضرت رسول نے بتایا کہ صرف علی و فاطمہ حسن و حسین ہی وہ صادقین ہیں جو آیت تطہیر کی سند لئے ہوئے اس مقام بلند پر آسکتے ہیں اور یہ وہی ہستیاں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ کونوا مع الصادقین (صادقین کے ساتھ ہو جاؤ) یعنی صادقین کا دامن پکڑ لو انہیں کی پیروی کرو۔ اسی طرح ایک اور واضح امر یہ ہے کہ باوجود الفاظ انفسنا انفسکم کے آیت میں وارد ہونے کے حضرت رسول نے صرف

حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا نفس قرار دیا۔ جہاں متعدد صحابہ تھے اور بر سر موقعہ موجود بھی تھے اور قرآن کا حکم بھی نفسوں (یعنی ایک سے زیادہ نفس) کے تعلق سے تھا تو کیا امر مانع تھا کہ رسول اللہ ایک دو صحابہ کو بھی اپنے نفس کی حیثیت سے اپنے ساتھ مباہلہ میں شریک فرمالیتے۔ جو لوگ حضرت رسول کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے یا جو مدینہ میں آپ کی نصرت کر کے انصار قرار پائے تھے باعتبار ظاہری ہر قسم کے کرم و رحمت کے مستحق ہو سکتے تھے اور اگر اس امر کی ذرا بھی گنجائش ہوتی کہ ان میں کا کوئی ایک بھی نفس رسول کی تعریف میں آسکتا تو جہاں آیت نے واضح گنجائش رکھی تھی بلکہ آیت کی پوری تعمیل ہی جب ہوتی جب ایک سے زیادہ ،، اشخاص بطورِ نفسِ رسول کے لیجائے جاتے تو کم از کم ایک اور کو تو حضرت رسول ضرور مباہلہ میں شریک کر لیتے۔ یہاں بھی وہی نکتہ واضح ہوا کہ بجز علی مرتضیٰ کے کوئی اور حضرت رسول خدا کے نفسِ قدسیہ کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ رحمت اللعالمین سردار انبیاء ختم المرسلین کا نفس قرار پانا کوئی معمولی بات نہیں اور کوئی ایمان کی کہئے تو یہ ایک صفت ہی علی مرتضیٰ کو بعد رسول خدا تمام کائنات اور تمام پیغمبروں سے افضل قرار دینے کے لیئے ہر طرح کافی ہے۔

ایک اور بات جو لائق غور ہے یہ ہے کہ حضرت رسول نے اپنے اہل بیت سے آمین کہنے کی کیوں خواہش فرمائی۔ کیا تنہا رسول خدا کی دعا بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کرنے کا فی نہیں ہو سکتی تھی۔ کافی ہو سکتی تھی اور ضرور ہو سکتی .... مگر بتانا یہ مقصود تھا کہ یہ لوگ بھی شریک کار رسالت ہیں۔ اس لئے حضرت رسول خدا نے اپنی دعا کے ساتھ اپنے اہل بیت کا آمین کہنا بھی برمحل اور ضروری تصور فرما کر اپنی تائید کرنے کے لئے شریک دعا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ بارگاہِ ایزدی میں رسولِ خدا کی دعا کے ساتھ ساتھ اہلبیت علیہم السلام کی دعا یا تائید دعا کو بھی خود اپنا مقام حاصل ہے۔ نزول آیت تطہیر کے وقت تو یہ پنجتن پاک جناب سیّدہ کے بیت الشرف کے اندر تھے اور وہ بھی چادر کے نیچے مستور۔ مگر جب ایک کھلے میدان اور ہزاروں کے مجمع میں بھی کوئی تنت کا موقعہ آیا اور کفر و ایمان کا مقابلہ ٹہرا تو گو کہ عورتوں کیلئے ایسے موقعہ پر جانا بظاہر ممکن نہ تھا مگر رب العزت نے حکم دیکر اور جناب سیدہ کو چادر تطہیر میں مستور لا کر اور اس طرح وہی پانچ آلِ عبا کو ایک ساتھ جمع کر کے یہ بتا دیا کہ دین کی ہر مہم ان پانچ کے ملنے ہی سے سر ہوتی ہے جناب سیّدہ کو میدان میدان مباہلہ میں لانے سے قدرت کو غالباً یہ اشارہ بھی منظور تھا کہ سوچ لو میدان حشر میں بھی خاتون محشر کا کیا مقام ہوگا۔

۴۸۔ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہٗ | وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (سورۂ بقرآیت ۲۰۷) ترجمہ:۔ اور بعض لوگوں میں سے وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنے نفس کو خدا کی مرضی لینے کے لئے اور اللہ شفقت کرنیوالا ہے۔ بندوں پر اول لاہم واقعہ ہجرت کی

مختصر تاریخی کیفیت درج کرتے ہیں جس کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ واقعہ یکم ربیع الاول ماہ جون ۶۲۲ء کا ہے بعد بعثت مکہ میں تیرہ سال کا زمانہ حضرت رسول خدا نے کفار قریش کی آزار دہی کے باعث انتہائی تکلیف و مصیبت سے گزارا۔ اس میں وہ تین سال بھی شامل ہیں جو حضرت نے شعب ابی طالب میں گزارے۔ بعثت کے ساتویں سال کا ذکر ہے کہ قریش نے آپس میں تحریری معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم سے نہ صرف شادی بیاہ ترک کر دیا جائے۔ بلکہ تجارت و داد و ستد بھی بند کر دی جائے قتل کے منصوبے وقتاً فوقتاً الگ ہوا کرتے تھے چنانچہ یہ تین سال کا زمانہ حضرت نے ایک محصور قیدی کی طرح گزارا جہاں حضرت ابوطالب آپکی جان کی حفاظت کیلئے آپ کے بستر پر روزانہ اپنے کسی نہ کسی فرزند کو سلایا کرتے تھے کہ حضرت ابوطالب کا کوئی فرزند قتل ہو جائے تو مضائقہ نہیں مگر آنحضرت کی جان محفوظ رہے شعب ابوطالب سے نکلنے کے ایک سال بعد حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا ایک ہی سال میں انتقال ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت کو کمزور پاکر پھر مخالفت نے زور پکڑا اور اب تو قتل کا پکا منصوبہ بنا لیا گیا اور حضرت وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ واشنگٹن اروِنگ نے لائف آف محمدؐ میں لکھا ہے " اس وقت محمدؐ کی حالت بالکل اس شخص کی تھی جس کا خون مباح کر دیا گیا ہو کہ جس کا دل چاہے مار ڈالے۔ اگر محمدؐ کو دنیاوی فائدہ مدنظر ہوتا تو اس کا کوئی موقعہ نہیں رہا تھا اپنی نبوت کا اعلان کئے ہوئے دس برس سے زائد گزر چکے تھے۔ یہ طویل زمانہ لوگوں کی عداوت مصیبت اور سخت تکلیف میں گزرا تھا۔ پھر بھی انھوں نے ثابت قدمی سے کام لیا۔ زندگی کے اس زمانہ میں جب لوگ اپنی گذشتہ محنت کے ثمر سے مستفید ہو کر آرام لینا چاہتے ہیں اور آئندہ کیلئے نئی تجویزیں کرنے کے جوکھم میں نہیں پڑتے ہم دیکھتے ہیں کہ محمدؐ نے اپنا آرام اپنا مال اور اپنے دوست احباب سب کو قربان کر دیا اور بجائے اس کے کہ (تبلیغ) سے دست بردار ہو جاتے وہ اپنا وطن چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے " مروج الذھب اور حیات القلوب میں ہے کہ گو کہ حضرت نے ہجرت کے لئے ابھی کوئی دن مقرر نہیں فرمایا تھا مگر یثرب کو ہجرت کر جانے کا ارادہ فرما چکے تھے۔ اور سامان سفر درست کر لیا تھا۔ چار مہینے پہلے حضرت ابوبکر نے دو اونٹ چار سو درہم میں خریدے تھے اس میں سے ایک اونٹ آپ نے حضرت ابوبکر سے نو سو درہم میں خرید لیا مدارج النبوۃ جلد ا میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایک سو روپیہ کی قیمت کا اونٹ حضرت رسول کے ہاتھ نو سو درہم میں فروخت کیا۔ عبداللہ ابن ارقط نامی ایک رہبر بھی آپ نے اُجرت پر مقرر کر لیا تھا کہ تین دن بعد وہ غار ثور پر اونٹ لے آئے اور آنحضرت کو مدینہ پہنچا دے۔ طبری اور حیات القلوب میں ہے کہ سواری اور رہبر مقرر کرنیکا کام اور کھانا پہنچانے کا انتظام آپ نے حضرت علی کے سپرد کیا تھا۔

تاریخ طبری ابن ہشام اور تاریخ الخمیس میں ہے کہ مکہ کے ذی اثر مشرکین دارالندوہ میں مشورہ کے لئے جمع ہوئے جن میں اکابر قریش میں سے عتبہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان اور بنی نوفل میں سے طعیمہ و جبیر بن مطعم و حارث بن

عامر اور بنی عبدالدار میں سے نضر بن حارث اور بنی مخزوم میں ابو جہل اور بنی سہم میں سے تبینہ اور منبہ اور بنی جمع میں سے اُمیہ بن خلف شامل تھے۔ کسی نے کہا محمدؐ کو قید کر دو کسی نے کہا جلاوطن کر دو ابو جہل نے رائے دی کہ قید و بند و جلاوطنی میں خطرہ ہے بہتر ہے ان کا کام ہی تمام کر دو۔ مکہ کے سب برادر دہ قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی لے لو جو بیک وقت محمدؐ کے جسم پر ضرب لگائیں تاکہ انکا خون مختلف قبیلوں میں تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کسی ایک فرد خاندان سے بدلہ نہ لے سکیں۔ اس طرح معاملہ خون بہا پر ٹل جائے گا۔ جب حضرت رسولؐ کو یہ خبر معلوم ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا قطعی حکم آچکا تو آپ نے حضرت علی سے کہا یا علی میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ میں رات کو گھر سے نکل کر چلا جاؤنگا۔ حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ دشمنوں سے محفوظ رہیں گے۔ آپ نے کہا ہاں اور فرمایا لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس ہیں انکو ادا کر کے تم بھی میرے پیچھے یثرب چلے آنا حضرت علی حضرت رسول کی چادر اوڑھ کر آپ کے بستر پر سو رہے مشرکین گھر کا محاصرہ کر چکے تھے اور ننگی تلواریں لئے یہ منصوبہ بنا رہے تھے کہ یا تو سوتے میں آپ کو قتل کر دیں یا جب باہر نکلیں تو اس وقت حملہ کریں۔ آنحضرت بے خوف گھر سے نکلے ایک مٹھی خاک لے کر اس پر سورہ یٰسین کی کچھ آیتیں پڑھیں اور کافروں کے سروں پر پھینکی اور باعجاز رسالت مجمع کے سامنے سے صاف نکل گئے یہ واقعہ یکم ربیع الاول پنجشنبہ اور جمعہ کی درمیانی رات کا ہے جمعہ کے دن صبح ہونے سے کچھ پہلے آپ غار ثور میں داخل ہوئے یکشنبہ کے دن تک غار میں رہے چوتھے روز جب تعاقب کرنیوالوں کا جوش کچھ دھیما پڑا تو ۵ ربیع الاول بروز دوشنبہ غار سے نکل کر روانہ ہوئے۔ اُدھر کی کیفیت یہ رہی کہ کافر حضرت علی علیہ السلام پر (حضرت رسول سمجھ کر) پتھر مارتے رہے اس کے بعد بہت رات گئے قتل کے ارادہ سے گھر میں گھسے۔ دیکھا کہ سبز چادر اوڑھے کوئی سو رہا ہے سمجھے کہ آنحضرتؐ ہی ہوں گے۔ مگر حضرت علی چادر الٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے تو ان لوگوں نے گھبرا کر پوچھا محمدؐ کہاں ہیں۔ حضرت علی نے جواب دیا کیا میرے حوالے کر گئے تھے جو مجھ سے پوچھتے ہو جہاں ہوں گے خدا کی پناہ میں ہوں گے۔

حیات القلوب میں ہے کہ علی مرتضیٰ نے اپنی تلوار پر ہاتھ ڈالا کوئی مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا سب لوگ کھسیانے ہو کر منتشر ہو گئے۔ ڈیوں پورٹ نے اپنی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن میں اس واقعہ کو اس طرح قلمبند کیا ہے"۔ جب مخالفین رات کے آخر حصہ میں مکان کے اندر داخل ہوئے تو بجائے اپنے شکار کے نوجوان علی کو متانت اور تسلیم ورضا سے اس موت کا منتظر پایا جو ان کے سردار کے لئے تجویز کی گئی تھی۔ اخلاص و مروت کے اس مظاہرہ نے ان خونخواروں کے دلوں کو بھی نرم کر دیا اور انھوں نے علی سے تعرض نہ کیا۔ حضرت علی تین دن تک مکہ میں رہے اور لوگوں کو امانتیں واپس کرتے رہے حیات القلوب کے بیان کے اعتبار سے اس دوران میں علی رات کے وقت سب چیزوں کا انتظام کرتے اور اندھیرے ہی میں غار میں پہنچا آتے۔ چوتھے دن آپ

خاندانِ رسالت کے ارکان کو لے کر قبا کے مقام پر آنحضرت سے جا ملے۔ ازالۃ الخفاء میں ابن عباس سے روایت ہے کہ شبِ ہجرتِ رسول کے روانہ ہو چکنے کے بعد حضرت ابوبکر آئے اور یہ سمجھ کر کہ آنحضرت آرام فرما رہے یا رسول اللہ کہہ کر آواز دی علی نے کہا وہ چاہ میمون کی طرف گئے ہیں (یا طبری کے بیاں کے اعتبار سے) غار ثور کی طرف گئے ہیں۔

تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۴۴ و تاریخ الاسلام جلد ۲ صـ۶۸ و در منثور سیوطی جلد ۳ صـ۲۴۳ میں بھی درج ہے کہ:۔
حضرت ابوبکر پیچھے سے روانہ ہوئے اندھیری رات میں جب آنحضرت نے حضرت ابوبکر کی آہٹ سنی تو سمجھے مشرکین میں سے کوئی آ رہا ہے۔ حضرت ابوبکر نے کھنکار کر اپنی آواز سنائی حضرت ٹھیرے پھر ان کو ساتھ لیکر غارِ ثور کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ سے ڈھائی میل جنوب کی طرف واقع ہے اور صبح ہونے سے پہلے غار میں داخل ہوئے ادھر مشرکین عرب حضرت علی کے جواب سے جھنجلائے ہوئے حضرت کا سراغ لگانے روانہ ہوئے اور صبح ہوئی تو پاؤں کا نشان پہنچانتے ہوئے غار تک آ پہنچے یہاں قدرت خدا سے غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تان دیا تھا۔ غار کے سامنے ببول کا درخت اُگ گیا تھا جس پر کبوتر نے گھونسلا بنا کر انڈے دیدیئے تھے یہ حالت دیکھ کر کفار نے کہا یہاں کون چھپا ہوگا۔ دوسری طرف چلو ورنہ محمدؐ ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اِدھر کفار کی آہٹ سنکر حضرت ابوبکر خوف سے رونے لگے آنحضرت نے فرمایا کہ غم مت کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔
۵ ربیع الاول کو حضرت غار سے نکلے اور مقام قبا کی طرف روانہ ہوئے ادھر کفار قریش نے اشتہار دے رکھا تھا کہ جو شخص محمد کو زندہ یا مُردہ گرفتار کر کے لائے سو اونٹ انعام کا مستحق ہوگا۔ آنحضرت مقام قدیر پر پہنچکر ذرا دم لیکر آگے بڑھے تھے کہ سراقہ کھوج لگاتا ہوا آ پہنچا۔ حضرت ابوبکر پریشان ہوگئے۔ حضرت رسولؐ نے پھر سمجھایا اور سراقہ کے حق میں بد دعا کی اور اس کا گھوڑا گھٹنہ تک زمین میں دھنس گیا۔ دوشنبہ کے دن ۱۲ ربیع الاول زوال کے قریب آپ قبا پہنچے یہ مدینہ سے دو میل پر ایک شاداب اور زرخیز خطہ ہے تاریخ ابن خلدون و تاریخ الخمیس میں ہے کہ حضرت نے یہاں چار یوم قیام فرمایا۔ حضرت علی ارکان خاندان رسالت کو لے کر یہاں حضرت سے آملے۔ مگر یہ راستہ بھی اطمینان سے طے نہیں ہوا اور دشمنانِ رسول وقتاً فوقتاً مزاحم ہوتے رہے۔ حارث کے غلام جناح نے حملہ کیا مگر شیرِ خدا کی تلوار سے قتل ہوا۔ عورتیں اونٹوں پر سوار تھیں اور علی پیدل آئے تھے پاؤں پر ورم تھا اور پاؤں کے آبلوں سے خون بہہ رہا تھا جمعہ کے دن ۱۶ ربیع الاول کو آنحضرت کا جلوس مدینہ میں داخل ہوا جس محلہ سے گزرتے جس جس گھر کے سامنے سے نکلتے وہاں کے رہنے والے اھلاً و سہلاً کہکر آپ کو قیام کے لئے اصرار کرتے عورتیں کوٹھوں پر کھڑی ہوئی شرف زیارت حاصل کر رہی تھیں لڑکے اور لڑکیاں خوشی کے مارے تہنیت اور خیر مقدم کے شعر پڑھتے تھے۔ ہر شخص کی خواہش ہوتی کہ آپ اسکے گھر تشریف لائیں آپ نے فرمایا میرا ناقہ جس کے گھر کے سامنے ٹھیر جائیگا میں اس کے پاس اتر جاؤں گا۔ چلتے چلتے وہ بنی نجار کے محلہ میں پہنچا اور ابوایوب انصاری کے

مکان کے قریب اس جگہ ٹھیر گیا جہاں اب مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ ابوایوب انصاری شاداں و فرحاں حضرت کو اپنے گھر لے گئے جہاں آپ مسجد نبوی اور حضرت کے مکان کے حجرے تعمیر ہونے تک مقیم رہے جس میں بروایتے ایک مہینہ اور بروایتے چھ ماہ لگے۔ حضرت ابوایوب انصاری ایک مومن یہودی عالم شیموئیل کی اکیسویں پشت سے تھے۔ اس زمانے کے یمن کے بادشاہ اسد بن عکا عرف ابوایوب نے جو مومن تھا ایک خط حضرت رسول کے نام لکھ کر شیموئیل کو دیدیا تھا کہ حضرت رسول کو پہنچا دینا اور خود ان کا زمانہ نہ پائیں تو وصیت کرکے اپنی اولاد کے ذریعہ پہنچانا۔ چنانچہ ابوایوب انصاری نے وہ خط حضرت رسول کی خدمت میں پیش کیا۔

اب جہاں مسجد نبوی ہے اس زمانہ میں ایک خالی خطہ تھا ایک طرف کھجور کے چند درخت تھے اور دوسری طرف مشرکین کی کچھ قبریں تھیں یہ خطہ زمین مسجد کے لئے پسند کیا گیا سہل اور سہیل دو یتیم لڑکے اس کے مالک ہے انھوں نے بلاقیمت نذر کرنا چاہا مگر حضرت نے قبول نہیں فرمایا بلکہ دس مثقال سونا دیکر زمین خرید فرمائی پہلے ایک چبوترہ بنا کر اس پر کچی اینٹ کی دیواریں کھڑی کی گئیں۔ کھجور کے درخت کاٹ کر ستون بنائے گئے اور پتوں اور شاخوں کی چھت بنائی گئی مسجد کی دیوار سے لگے ہوئے چند حجرے تھے جو آپ نے اپنے خاندان اور ازواج کے لئے بنوائے تھے مدینہ کا نام پہلے یثرب تھا حضرت کے تشریف لانے کے بعد مدینۃ النبی نام پڑا اور پھر مدینہ کہلانے لگا۔

اب ہم واقعہ ہجرت کے دوسرے پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہیں جس سلسلہ میں کہ یہ آیت (ومن الناس من یشری نفسہ) نازل ہوئی حافظ ابونعیم اور ثعلبی اپنی تفسیر میں اور زمخشری تفسیر کشاف میں اور واحدی اسباب النزول میں اور حجۃ الاسلام امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ جب شب ہجرت جناب امیر علیہ السلام آنحضرت کے بستر مبارک پر سو رہے تو پروردگار عالم نے جبرئیل و میکائیل کی جانب وحی کی کہ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور تم دونوں میں ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ بنائی ہے تم دونوں میں سے کوئی ہے جو اپنی عمر کا حصہ اپنے دوسرے بھائی کو دیدے دونوں نے اپنی عمر کی کمی کو گوارا نہ کیا خدا تعالی کا ارشاد ہوا کہ تم دونوں علی کے مثل ہرگز نہیں ہو سکتے ہیں تے اس کو اپنے حبیب محمد مصطفیٰ کا بھائی بنایا ہے دیکھو وہ اپنے بھائی کے بستر پر سو رہا ہے اور اپنی جان کو میرے رسول پر نثار کر رہا ہے تم دونوں زمین پر جا کر اس کو اس کے دشمنوں سے بچاؤ جبرئیل جناب امیر کے سرہانے اور میکائیل پائنتی اترے اور تمام رات حفاظت کرتے رہے اور پکارتے رہے بخ بخ یا ابن ابی طالب یباھی اللہ لک الملائکۃ یعنی شاہ باش شاہ باش اے ابن ابی طالب خدا اور اس کے فرشتے تیرے اوپر فخر کرتے ہیں پس اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی ومن الناس من یشری .... الخ

دیگر متعدد کتب اہلسنت میں بھی اس آیت کا حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہونا مرقوم ہے۔

ملاحظہ ہوں :- روضۃ الاحباب جلد ۱ صـ۱۸۶ معارج النبوۃ رکن چہارم صـ۳ تفسیر کبیر فخر الدین رازی جلد ۲ صـ۲۵۳ تفسیر نیشاپوری جلد ۲ - تاریخ خمیس جلد ۱ صـ۳۲۵ تاریخ حبیب السیر - روضۃ الصفا - تاریخ طبری فارسی جلد دوم صـ۳۹ - حیات القلوب جلد ۲ صـ۲۷۵ -

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ شب ہجرت بستر رسول پر میں یوں سویا کہ ایسی چین کی نیند عمر بھر کبھی نہ سویا تھا۔ یقیناً سکون اور چین اسی وجہ سے حاصل تھا کہ حضرت رسول کی جان بچ جانیکا اطمینان تھا۔ حالات مذکورہ میں بستر رسول پر سونا نفسیاتی اعتبار سے بہت کچھ لائق غور و فکر ہے جبکہ قاتلان اسلحہ بستہ قتل کا پکا ارادہ کر کے دولت کدہ رسول کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور باسباب ظاہر قتل کیا جانا یقینی تھا رسول کی شکل بنائے ہوئے اور رسول کی چادر سر سے پاؤں تک اوڑھے ہوئے اور یہ جتلاتے ہوئے کہ گویا رسول سو رہا ہے بے خوف و خطر سونا یہ معراج کمال ہے کہ اپنی نیند کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس کی قیمت میں مرضی خدا کو خرید لیا اور جہاں بیدار جن و انس و فرشتے بھی عبادت میں گزار کر بھی وہ درجہ حاصل نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ سے نفس کی بیع و شریٰ کا معاملہ اگر ہو سکا تو اس شخص کی اس نیند کے بدلے جو سپردگی نفس و جان کے بعد اطمینان قلب کے ساتھ سوئی گئی۔ صاحبان عقل جتنا غور کریں گے اس نیند کو ایک معجزہ پائیں گے۔

بقول حضرت سعدی :- کس را چہ زور و زہرہ کہ وصف علی کند

جہاں اشرار غار کے منہ پر پہنچ چکے ہوں اور ذرا سی سن گن بھی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہو وہاں حضرت ابو بکر کا جزع فزع کرنا بھی قابل غور ہے کہیں کہا جاتا ہے کہ حضرت رسول کی گرفتاری کے اندیشہ سے رو رہے تھے کہیں کہا جاتا ہے۔ اس کیفیت کو یاد کر کے رو رہے تھے کہ حضرت رسول کے بستر پر تنہا نرغہ اعدا میں لیٹے ہوئے حضرت علی پر کیا گزر رہی ہوگی۔ کہیں کہا جاتا ہے کہ نرم دل آدمی تھے پریشان ہو کر رو پڑے کہیں کہا جاتا ہے۔ سانپ نے کاٹ لیا تھا تو رو رہے تھے تفسیر ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان جلد ۵ مطبوعہ مصر میں تو اس طرح درج ہے فجعل ابو بکر یجزع ان یطلع علیہم احد یعنی حضرت ابو بکر فریاد کرتے تھے تاکہ کوئی مطلع ہو جائے بہر حال وجہ خواہ کچھ بھی بیان کی جائے ہر چیز کا ایک محل ہوتا ہے جب شکاری گھات میں بیٹھتے ہیں تو سانس بھی آہستہ لیتے ہیں جہاں خاموشی ضروری ہو اور ذرا سی آہٹ بھی خطرناک ہو وہاں جزع فزع کرنا اور جاری ہی قدم پر کھڑے ہوئے دشمنوں کے اطلاع پا جانیکا اندیشہ پیدا کر دینا خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے کیوں نہ ہو بڑی نادانی کا فعل ہے حضرت سعدی اس موقع پر فرماتے ہیں ؎

ترا اژدہا گر بود یار غار   ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

اگر حضرت ابو بکر کا جزع و فزع کرنا کوئی نادرست عمل نہ ہوتا تو حضرت رسول لا تحزن کہکر منع نہ فرماتے پھر اولیاء اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ علامتیں مقرر فرمائی ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں کہ حادثات کے

مقابلہ میں خوف وحزن کا اظہار نہ کریں بلکہ صبر واستقامت اختیار کریں۔ چنانچہ سورۂ یونس آیت ۶۳ میں ارشاد ہے الا انّ اولیاء اللہ لا خوفٌ علیہم ولا ھم یحزنون ؁ یعنی آگاہ ہو کہ اولیاء اللہ کے دلوں میں (خطرہ کے حالات میں) نہ خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غم واندوہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تہدید رسول لاتحزن سے واضح ہے کہ حضرت ابوبکر پر حزن طاری ہو گیا تھا اور ان کے جزع وفزع کرنے سے ظاہر ہے کہ خوف بھی طاری تھا۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر اولیاء اللہ کی تعریف میں داخل نہیں ہو سکتے۔

سورۂ توبہ کی آیت ۴۰ میں غار کی کیفیت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظر نہ آنیوالے لشکر سے حضرت رسول کی مدد کا ذکر اس طرح ہے:۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ترجمہ:۔ اگر تم لوگ رسول کی مدد نہ کرو گے تو (کچھ پرواہ نہیں) اللہ نے تو اپنے رسول کی اس وقت (بھی) مدد کی جب اس کو کفار نے (گھر سے) نکال دیا اور دو میں سے ایک (حضرت رسول) تھے جب وہ دو آدمی غار میں تھے اپنے ساتھی (حضرت ابوبکر) کو (ان کے گریہ وزاری کرنے پر) سمجھا یا کہ غم مت کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس (حضرت رسول) پر تسکین نازل کی اور ایسی فوج سے اسکی مدد کی جس کو تم لوگوں نے دیکھا تک نہیں اور کافروں کی بات نیچی کر دکھائی۔

بعض لوگ اس آیت کے الٹے سیدھے معنی نکالکر حضرت ابوبکر کی فضیلت ظاہر کرنے اور یہ تسامح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انزل اللہ سکینتہ علیہ (اللہ نے اسپر تسکین نازل کی ضمیر حضرت ابوبکر کی طرف ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ قواعد صرف ونحو اور عبارت کی ترکیب کے اعتبار سے اس پورے جملہ میں مشار الیہ حضرت رسول ہیں یعنی لوگوں نے مدد نہ کی مگر اللہ نے رسول کی مدد کی اور خطرہ کے موقعہ پر لاتحزن ان اللہ معنا کہا تو اللہ تعالیٰ نے رسول پر تسکین نازل فرمائی اور ایسی فوج سے رسول کی مدد کی جو لوگوں کو نظر بھی نہ آئی اور کافروں کی بات نیچی کر دکھائی پس سکینتہ علیہ اور ایدہ کی ضمیروں کو حضرت ابوبکر کی طرف پھیرنا ایک بلاوجہ کی بات ہے جو جملہ کی ترکیب و معنی کے سراسر خلاف ہے اور ربط عبارت ہرگز اس کا متحمل نہیں۔

اگر حضرت ابوبکر پر اللہ تعالیٰ نے تسکین نازل فرمائی ہوتی تو تمام غزوات رسول میں جو اس واقعہ کے بہت بعد واقع ہوئے وہ دلجمعی اور سکون قلب کے ساتھ ثابت قدم رہتے اور اس تسکین کی بناء پر اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھتے ہوئے دشمنان خدا ورسول کا مقابلہ کشادہ دلی سے کر سکتے تھے مگر امر واقعہ بالکل اس کے خلاف رہا اور متعدد جنگوں مثلاً اُحد، خیبر وحنین میں حضرت ابوبکر میدان جہاد سے چلے گئے اور جنگ احد میں تو حضرت رسول کو زخمی حالت میں چھوڑ گئے۔ جس پر اللہ تعالیٰ تسکین نازل فرمائے اس سے جہاد میں پیٹھ نہ پلٹانے کے صریح احکام خداوندی کے خلاف ایسا عمل ناممکن تھا۔ بہر حال جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے اس آیت میں تسکین نازل

کرنے اور فرشتوں کے لشکر سے مدد کرنیکی ضمیر حضرت ابوبکر کی طرف نہیں پھیری جا سکتی اور ظاہر بظاہر یہ حضرت رسول سے متعلق ہے خود اکابر علمائے اہل سنت بھی ان ضمیروں کو حضرت ابوبکر سے متعلق قرار نہیں دیتے۔

یہاں ایک خاص نکتہ قابل غور یہ بھی ہے کہ جہاں مومنین حضرت رسول کے ساتھ موجود ہوں اور پریشانی کا موقعہ آیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے سکینہ حضرت رسول اور مومنین دونوں پر نازل فرمایا جیسا کہ جنگ حنین کے موقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد باری ہے :۔

ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین ۵

مگر غارِ ثور میں حالانکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر موجود تھے مگر اللہ تعالیٰ نے سکینہ صرف حضرت رسولؐ پر نازل فرمایا اور حضرت ابوبکر پر نازل نہ فرمایا۔ معنی تو یہی نکلے کہ حضرت ابوبکر مومن ہوتے تو ان پر بھی سکینہ نازل ہوتا جس طرح اور موقعوں پر

حضرت رسول کے ساتھ موجود دیگر مومنین پر نازل ہوا۔ بعض لوگ لفظ صاحب کے معنوں سے حضرت ابوبکر کی فضیلت نکالنا چاہتے ہیں حالانکہ اس لفظ کے معنی محض ساتھ موجود ہونے والے کے ہیں خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا قرآن شریف میں دیگر مقامات پر لفظ صاحب کمتر اور کم حیثیت بلکہ برے کردار والے اشخاص کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ یوسف کی آیت ۴۱ میں حضرت یوسف کا قید خانہ میں موجود دو زیر نظر بند اشخاص سے خطاب اس طرح درج ہے۔ یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ ۵ ترجمہ:۔ اے میرے قید خانہ کے دونوں صاحبو (ساتھیو) تم میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلانیکا کام کریگا دوسرا جو باورچی تھا خیانت کی وجہ) سولی پر چڑھایا جائیگا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں اشخاص جن کو حضرت یوسف نے بالفاظ قرآن صاحب سے خطاب کیا بہت گھٹیا قسم کے آدمی تھے اور بے دین بھی تھے جیسا کہ اسی سورہ میں مذکور ہے ایک ان میں باورچی تھا جو بعد میں بد دیانتی کی وجہ سولی پر چڑھایا گیا اور دوسرے کی بھی یہ کیفیت تھی کہ (شراب پلانے کے پیشے کے علاوہ) جب اس کی رہائی کے وقت حضرت یوسف نے اس سے کہا تھا کہ بادشاہ کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا کہ تعبیر خواب کا علم جانتا ہوں اور بے جرم قید ہوں (اذکرنی عند ربک ......) سورہ یوسف آیت ۴۲) تو باوجود اس فہمائش کے وہ شیطان کے بہکاوے میں آگیا اور بادشاہ سے تذکرہ نہیں کیا اور حضرت یوسف کو مزید کئی سال قید میں رہنا پڑا۔ ان دونوں اشخاص کو حضرت یوسف نے قید خانہ میں توحید کی تعلیم بھی دینے کی کوشش کی تھی جس کا ذکر اسی سورہ کی آیت ۳۹ میں اس طرح ہے:۔ یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۵ ترجمہ:۔ اے میرے قید خانہ کے دونوں صاحبو (ساتھیو) (ذرا غور تو کرو) بھلا جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یکتا زبردست۔ حضرت یوسف کے ساتھ محض قید خانہ میں موجود ہونے کی وجہ سے ایسے اشخاص کیلئے بھی

جو بے دین تھے اور ان کا کردار بھی برا تھا۔ صاحب کے الفاظ دو مقامات پر اسی سورہ میں آئے ہیں ظاہر ہوا کہ محض صاحب کا لفظ مطلقاً بھی کسی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا۔

واقعہ ہجرت کے ضمن میں یہ امر بھی لایق فکر ہے کہ حضرت رسول خدا علی مرتضیٰ کو نہ صرف اپنے بستر پر سلا گئے بلکہ اہل مکہ کی جس قدر امانتیں آپکے پاس تھیں وہ بھی سپرد کر گئے کہ ان امانتوں کو میری طرف سے ادا کر دینا۔ ایک امین صادق نے امانتوں کی ادائی کیلئے اس طرح دوسرے امین صادق کا انتخاب فرمایا اور اپنی سب سے بڑی امانت یعنی جناب سیدہ کو بھی اس امین صادق کے حوالہ فرمایا اور یہ وہ شیر ذوالجلال ہے کہ سینکڑوں مشرکین وکفار کے نرغہ میں یکہ وتنہا رہا اور ایک ایک کو تلاش کر کے مشرکین کی امانتیں ادا کیں اور پھر سیدہ عالم فاطمہ زہرا کو اونٹ پر بٹھا کر اور خود پا پیادہ مکہ سے مدینہ ڈھائی سو میل کا پورا راستہ دشمنوں کے درمیاں سے طے کرتا ہوا خدمت رسول میں پہنچا۔ نفس علی کی قیمت کے اندازہ کے لئے ایک تقابل نظر کے سامنے آتا ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۱ ہے ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنین کے نفسوں اور ان کے مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے یعنی جہاں مومنین صادق کے نفس بکے ہیں تو ان کی قیمت صرف جنت قرار پائی ہے اور جہاں نفس علی محل بیع میں آیا ہے تو جنت وسلسبیل وکوثر وطوبےٰ بلکہ ساری کائنات سب ہیچ ہو کر رہ گئے یہ کس شمار میں آتے جب علی خود قسیم النار والجنۃ ہے ہاں اس کی قیمت اگر قرار پائی تو خالق کائنات کی مرضی قرار پائی۔

مصرعہ:۔ بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

ایسے نفس اللہ کے سامنے کیا کوئی برابری کا دم مارے آفتاب کو کیا چراغ دکھائے۔

۸۵۔ یُوفُونَ بِالنَّذْرِ — یُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (سورۂ دہر آیت ۸ و ۹) ترجمہ:۔ یہ وہ لوگ ہیں نذریں پوری کرتے ہیں اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوگی اور اس کی محبت میں محتاج اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ ہم تو تم کو بس خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں ہم نہ تم سے بدلے کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے

امام واحدی نے اپنی تفسیر میں اور زمخشری نے الکشاف میں عبداللہ ابن عباس سے تفصیلی روایتیں درج کی ہیں کہ آیات یوفون بالنذر اور یطعمون الطعام ...... الخ اور پورا سورہ دھر جو ھل اتیٰ کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوا ہے۔ یہ واقعہ ذالحجہ ۵ھ اور بعض روایتوں کے بموجب ذالحجہ ۹ھ کا ہے تفسیر واحدی وتفسیر کشاف وغیرہ میں ان آیات کی شان نزول اس طرح درج ہے کہ ایک مرتبہ حسنین علیہم السلام بیمار پڑے۔ علی مرتضیٰ وجناب فاطمہ نے نذر مانی کہ صحت ہو جائے تو تین روزے رکھیں گے۔ حسنین کو اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی اور اب نذر پوری کی جانے لگی۔ ان چاروں ذوات قدسیہ اور فضہ

جناب سیدہ کی کنیز فضہ نے پہلا روزہ رکھا۔ حضرت علی مرتضیٰ شمعون یہودی کے کھیت میں مزدوری کیلئے گئے اور بجو جو خرید کر لائے جناب سیدہ نے آٹا پیسکر پانچ روٹیاں تیار کیں جس میں ایک فضہ کے لئے بھی تھی افطار کا وقت ہوا روزہ کھولنے سب بیٹھے کہ دروازہ پر کسی نے آواز دی مسکین اور بھوکا ہوں۔ یہ آواز سنتے ہی علی مرتضیٰ نے اپنی روٹی سائل کو دیدی اور اس کے ساتھ ہی جناب سیدہ اور حسنین نے حتیٰ کہ فضہ نے بھی اپنی اپنی روٹی سائل کو دیدی۔ پانی سے افطار ہوا پھر پانی سے سحر ہوئی دوسرا روزہ شروع ہوا پھر علی مرتضیٰ کھیت میں مزدوری کو گئے جو خرید کر لائے جناب سیدہ نے چکی پیس کر آٹا بنایا اور پانچ روٹیاں تیار کیں افطار کا وقت ہوا اور سب بیٹھے ہی تھے کہ کسی نے دروازہ پر آواز دی یتیم اور بھوکا ہوں چاروں ذوات قدسیہ اور فضہ نے بھی اپنی اپنی روٹی دیدی۔ پھر پانی سے افطار اور پانی سے سحر ہوئی۔ تیسرا روزہ شروع ہوا۔ پھر علی مرتضیٰ تین دن کی بھوک اور روزہ کی حالت میں مزدوری کے لئے گئے جو خرید کر لائے جناب سیدہ نے اس حالت ضعف میں آٹا پیسکر پانچ روٹیاں تیار کیں افطار کو بیٹھے ہی تھے کہ کسی نے دروازہ پر آواز دی قید سے چھوٹا ہوا بھوکا اسیر آیا ہے پھر سب نے اپنی اپنی روٹی سائل کے حوالہ کی اور پانی سے افطار فرمایا۔ اس نوبت پر رسول خدا تشریف لائے اور حسب عادت دروازہ پر سے فرمایا سلام علیکم یا اہل بیت النبوۃ و معدن الرسالۃ اور اندر تشریف لائے دیکھا کہ ضعف و کمزوری سے شاہزادے حسن وحسین مثل چوزہ مرغ کے کانپ رہے ہیں اپنی صاحبزادی جناب سیدہ کو محراب عبادت میں دیکھا تو آنکھوں میں سیاہ حلقے پڑے ہوئے ہیں اور پیٹ پیٹھ سے لگ گیا ہے۔ رسول اللہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے صاحبزادوں، دختر اور علی مرتضیٰ کو گلے لگالیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تحفہ سلام دورد بھیجا ہے اور یہ سورہ ھل اتیٰ تمہارے لئے نازل فرمائی ہے۔ وہ جبرئیل تھے جو بصورت مسکین و یتیم و اسیر تمہارے دروازہ پر آئے تھے اور بحکم خدا تمہارے گھر سے خیرات لے گئے یہ فرما کر سورہ ھل اتیٰ کی تلاوت فرمائی۔ اس سورہ کی آیت ۲۲ ہے۔ ان ھذا کان لکم جزاء وکان سعیکم مشکورا یعنی یہ یقیناً تمہارے کاموں کے صلہ میں ہے اور تمہاری کوشش قابل شکر گزاری ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں ؎

الام الام حتیٰ متیٰ ٭ اعاتب فی حب ہذا الفتیٰ
فھل زوجتہ فاطمہ غیرہ٭ وفی غیرہ ھل اتیٰ ھل اتیٰ

ترجمہ: میں کہاں تک اور کب تک اس جوان (علی) کی محبت پر ملامت کیا جاؤنگا تو کیا فاطمہ جیسی بی بی کسی اور کو بھی ملی ہے اور کیا ھل اتیٰ کسی اور کی شان میں بھی نازل ہوئی ہے۔

فریدالدین عطار رح کہتے ہیں ؎

ازسنانش لافتیٰ آمد پدید ازسنانش ھل اتیٰ آمد پدید

یعنی اس کی ضرب و حرب سے لافتیٰ نازل ہوا تو اس کی تین روٹیوں نے سورۂ ھل اتیٰ اتروائی۔ صحیح بخاری باب[12]

ص۲۴۲ ص۲۵۹ ص۲۶۵ و باب ۱۲ ص۱۹ پر درج ہے کہ اہل بیت رسول میں سے کبھی کسی نے ایک تسلسل میں تین دن سے زیادہ تک پیٹ بھر کھانا نہ کھایا۔

۸۶- آیت سلام سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ (سورہ صفّٰت آیت ۱۳۰) یعنی آل یٰسین پر سلام۔

محدثین کا اس پر اجماع ہے آل یٰسین سے مراد آل محمد ہیں۔ قرآن شریف کی بعض کتابوں میں بجائے آل یٰسین کے "اِل یٰسین" درج کر دیا گیا ہے۔ مگر اس تبدیلی کتابت کے باوجود محدثین علمائے اہل سنت کی ایک کثیر جماعت مثلاً امام فخرالدین رازی نے اربعین میں اور سمہودی الشافعی نے فضل الشریفین میں، سیوطی نے در منثور میں اور نیز کلبیؒ ابن حاتم ابو بکر ابن مردویہ طبرانیؒ ابن حجر عسقلانی اور فضل الشریفین میں اور فضل بن روزبہان نے بروایت عبداللہ ابن عباس اور نیز ابن مردویہ نے بروایت ابن سائب صاف طور پر لکھا ہے کہ ان الفاظ سے آل محمد مراد ہیں کیونکہ یٰسین حضرت رسولؐ کا لقب ہے اور اس طرح آل یٰسین آل محمدؐ ہیں اور اللہ تعالیٰ آل محمد پر سلام بھیجتا ہے۔ قرا سبعہ میں سے ابن عامر نافع یعقوب کی قرات میں آل یٰسین لکھا ہوا ہے۔

سورۂ صفّٰت کی متعدد آیات میں پروردگار عالم نے ایک جماعت انبیاء کو سلام مخصوص فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے "سلام علیٰ نوح فی العالمین (آیت ۷۹) سلام علیٰ ابراہیم (آیت ۱۰۹) سلام علیٰ موسیٰ و ہارون (آیت ۱۲۰) سلام علیٰ آل یٰسین (آیت ۱۳۰) اور پھر آخر سورہ میں سلام علی المرسلین (آیت ۱۸۱) ظاہر ہے کہ آل محمد پر بہ حیثیت ایک جماعت کے سلام کرنا اثنائے سلام انبیاء مرسلین کے دلیل صریح ہے اس بات پر کہ آل محمد کی کل کی کل جماعت (یعنی جن جن پر بھی آل محمد کا اطلاق ہوتا ہو) درجہ انبیاء المرسلین میں ہے اور انبیاء و مرسلین کے مرتبہ کے مثل کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ امام معصوم ہو پھر آیۂ تطہیر بھی ان ذوات کی تطہیر کاملہ کی سند میں ہے فضل ابن روزبہان، جو ایک ناصبیانہ خیالات کے عالم ہیں اس طرح تسلیم کرتے ہیں "میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ اس آیت سے مُراد آل محمد ہیں اور علی انہیں آل میں سے ہیں اور آل محمد پر سلام بھی ہے" اس کے بعد شیپ کا بند وہ یہ لکھتے ہیں۔ مگر یہ آیت دلیل امامت نہیں ہے اہل بصیرت غور فرمائیں کہ جہاں حضرت علی علیہ السلام نے اپنے امام ہونے اور اپنے حق خلافت کا ادعا کیا ہو اور دوسرے لوگ آپ کے مقابلہ میں خلیفہ و امام بننے کے لئے کھڑے ہو گئے ہوں تو حضرت علی علیہ السلام کا انبیاء مرسلین کے مثل معصوم اور صاحب مرتبت ہونا ان لوگوں کا مقابلہ میں جنکی عمر کا بڑا حصہ کفر و ضلالت میں گزرا ہو اور جنکو عصمت سے کوئی تعلق نہ ہو کس طرح اور آخر کیوں دلیل امامت نہیں ہے؟

۸۷- رحمت اللہ و برکاتہ علیکم اھل البیت رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (سورہ ہود آیت ۷۳) ترجمہ: اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں، اس میں شک نہیں وہ قابل حمد بزرگی والا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت حضرت ابراہیم کے اہل بیت سے متعلق ہے مگر اس آیت کے پہلے اور بعد کی آیتوں کو دیکھنے سے یہ صاف

ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ آیت یہاں بے جوڑ ہے اس کی بحث ہم نے علٰحدہ موقعہ پر کی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں ترتیب قرآن کے وقت بہت سی آیتیں ادھر کی اُدھر، اُدھر کی اِدھر کر دی گئی ہیں متذکرہ صدر آیت کی اوپر کی آیت میں اس کا ذکر ہے کہ فبشرناها باسحٰق یعنی حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ کو فرشتوں کے ذریعہ اسحٰق کی خوشخبری دی گئی۔ اس آیت میں واحد مونث حاضر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ ایسی صورت میں یکایک کم کا صیغہ یعنی جمع مخاطب کسی طرح حضرت سارہ کی طرف خطاب تصور نہیں کیا جا سکتا بلکہ صاف ظاہر ہے کہ اس آیت رحمتہ اللہ و برکاتہ علیکم اہل بیت کے مخاطب حضرت سارہ نہیں بلکہ کوئی اور لوگ ہیں اور سوائے اہل بیت رسول کے کوئی اور اس آیت کا مصداق نہیں ہیں جس کی تائید متعدد آیاتِ قرآنی اور ارشادات حضرت رسول سے ہوتی ہے۔

۸۸۔ آیت دُرود اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥ (سورہ احزاب آیت ۵۶) ترجمہ :۔ بیشک خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو تم بھی درود بھیجتے رہو۔

تمام شیعہ مفسرین و محدثین اور بکثرت اہلسنت مُفسرین و محدثین اس امر پر متفق ہیں کہ یہ آیت حضرت رسول اور آلِ رسول کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جب کبھی کسی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اس آیت کے اعتبار سے ہم کو درود کس طرح پڑھنا چاہیے۔ تو آنحضرتؐ نے ہر شخص کو جواب دیا کہ مجھ پر اور میری آل پر درود بھیجنا واجب ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کعب بن عجرہ سے اور سنن ابی داؤد میں ابن شیبہ سے روایت ہے اور اس کی توثیق صحیح بخاری باب ۱۹ صـ۳۰۵ و باب ۲۶ صـ۵ و سنن ابن ماجہ صـ۶۵ و سنن نسائی جلد ا صـ۱۸۹ صحیح ترمذی صـ۶۶ و صـ۳۹۵ "حاکم" ابوالقاسم ابن حزیمہ" ابن سعود بدری سے کی ہے کہ ہم لوگوں نے حضرت رسول سے پوچھا کہ آپ کو سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں مگر ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں آپ نے فرمایا یوں کہو اللھم صل علی محمد و آل محمد کما صلیتَ علی ابراہیم و آل ابراہیم مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت رسول نماز میں یوں فرماتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ محمد کما صلیت علیٰ ابراہیم و آل ابراہیم طبرانی کی روایت ہے کہ بشیر بن سعد نے پیغمبر خدا سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ خدا نے آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے پس ہم کس طرح آپ پر درود پڑھا کریں۔ یہ سُنکر آپ خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ خدا کی جانب سے وحی نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ تم یوں درود پڑھا کرو۔

اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و آلِ ابراہیم انک حمیدٌ مجید۔ ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں درج کیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ لاتصلوا علی صلوٰۃ البتیر یعنی مجھ پر ناقص درود نہ بھیجا کرو لوگوں نے عرض کی ناقص درود کیا ہے۔ آپ نے فرمایا صرف مجھ پر درود بھیجنا اور میری آل پر درود نہ بھیجنا ناقص درود ہے بلکہ یوں کہو اللھم صلی علی محمد و آل محمد ان تمام روایات کی مزید توثیق آیت قرآنی سلام علی آلِ یٰسین سے ہوتی ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے امام شعبی کہتے ہیں جس شخص نے تشہد میں رسول خدا اور ان کی آل پر درود نہ پڑھا اس کو چاہیے نماز کا اعادہ کرے جامع صغیر صـ۱۱ اور منتخب کنزالعمال جلد ۲ صـ۶ پر حضرت رسول کا یہ ارشاد ہے

کہ جو شخص نماز میں مجھ پر اور میری آل پر درود نہ پڑھے اس کی نماز قبول نہیں۔ حضرت شافعی کہتے ہیں:۔

یا اہل بیت رسول حبکم — فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم — من لم یصل علیکم لاصلوۃ لہ

یعنی اے اہل بیت رسول تمہاری محبت قرآن میں اللہ نے فرض کر کے اتاری ہے تمہارے بڑے مرتبہ کیلئے صرف اس قدر کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

علامہ کشفی ترمذی حنفی نے کوکب دری کے ص۳۱۶ پر بحوالہ کتاب احسن الکبار ابوزبیر سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھا کہ تمکو امیر المومنین کا کوئی خرقِ عادت بھی یاد ہے۔ جابر نے کہا ایک روز میں چند صحابہ کے ساتھ جناب امیر کی ہمراہی میں جا رہا تھا فرمایا سب جاؤ میں اس بیری کے درخت کے نیچے دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ جب ہم ہٹ گئے تو حضرت مشغول نماز ہوئے۔ ہم نے دیکھا رکوع و سجود میں درخت حضرت کا ساتھ دیتا تھا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ درخت کی شاخیں بھی درود پڑھتی تھیں۔ بعد ازاں فرمایا۔ اللھم اللعن مبغض محمدٍ و آل محمد وارحم شیعۃ محمد و آل محمد (یعنی اے خدا محمد و آلِ محمد کے دشمنوں پر لعنت کر اور محمدؐ و آل محمد کے شیعوں پر رحم فرما) درخت کی ٹہنیاں کہتی تھیں۔ آمین آمین!

مولانا خواجہ حسن نظامی اپنی کتاب فاطمی دعوتِ اسلام کے ص۱۲۵ پر لکھتے ہیں:۔ شیعوں کے پاس اَللّٰھم صل علی محمد و آلِ محمد صحیح درود ہے۔ اس کی صحت کی دلیل میں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فصل بینی وبین آلی بعلی لم ینل شفاعتی۔

یعنی:۔ جس شخص نے محمد اور میری آل میں لفظ علیٰ کے ساتھ فاصلہ ڈال دیا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔

جن مفسرین و محدثین اہلسنت نے آیت صلوٰۃ کو رسول اور آلِ رسول کے حق میں ہونا تسلیم کیا ہے۔ انہیں سے چند کا حوالہ ہم ذیل میں دیتے ہیں:۔

(۱) مسند امام شافعی ص۹۷ بروایت ابوہریرہ (۲) صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۱۴۴ (۳) قرطبی تفسیر جامع القرآن (۴) ابنِ عربی اندلسی احکام القرآن (۵) صحیح بخاری جلد۶ ص۱۲ (۶) اسباب النزول واحدی ص۲۷۱ (۷) تفسیر معالم التنزیل بغوی جلد۵ ص۲۲۵ (۸) مستدرک حاکم جلد۳ ص۱۴۸ (۹) تفسیر کبیر فخر الدین رازی جلد۵ ص۲۲۶ (۱۰) اخبار اصفہان حافظ ابونعیم جلد۱ ص۱۳۱ (۱۱) تاریخ بغداد حافظ ابوبکر الخطیب ص۲۱۶ (۱۲) تجرید التمہید عبدالبر اندلسی ص۱۰۳ (۱۳) تفسیر نیشاپوری جلد۲۲ ص۳۰ (۱۴) روح المعانی آلوسی جلد۲ ص۲۰ (۱۵) ذخائر العقبیٰ محب الدین طبری ص۱۹ (۱۶) ریاض الصالحین نووی ص۵۰۴ (۱۷) تفسیر ابن کثیر جلد۳ ص۵۰۶ (۱۸) تفسیر طبری جلد۲۲ ص۲۷ (۱۹) تفسیر خازن جلد۵ ص۲۱۵ (۲۰) تفسیر درمنثور سیوطی جلد۵ ص۲۱۵ و ۲۱۶ (۲۱) فتح القدیر شوکانی جلد۴ ص۲۹۳ (۲۲) رشفۃ الصادی

ابوبکر حضرمی ص۲۴ (۲۳) کتاب البیان سید ابراہیم جلد ۲ ص۱۳۴ (۲۴) تلخیص الصحیح فی شرح مصابیح محمد ادریس حنفی جلد ا ص۱۰۱ و ص۲۰۲ (۲۵) دار قطنی (۲۶) بیہقی۔

۸۹۔ بیوت اذن اللہ

فِی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (سورہ نور آیت ۳۶)

ترجمہ:۔ اللہ کے نور کی قندیل ان گھروں میں (روشن ہے) کہ اللہ نے ان کے بلند کئے جانے اور ان میں اپنے نام کے ذکر کئے جانے کا حکم کیا ہے صبح و شام اس کے لئے تسبیح کرتے ہیں۔ ابن مردویہ نے مناقب میں انس ابن مالک اور بریدہ اسلمی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول خدا نے اس آیت کو تلاوت فرمایا تو ایک شخص عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ان سے کون سے گھر مراد ہیں آپ نے فرمایا انبیاء کے مکانات۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ اور یہ گھر یعنی جناب علی مرتضیٰ اور جناب فاطمہ کا گھر ان مکانوں میں سے ہے۔ آنحضرت نے فرمایا بلکہ ان کے بہترین سے

۹۰۔ اجعلتم سقایۃ الحاج

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (سورہ توبہ آیت ۱۹، ۲۰)

ترجمہ: کیا تم لوگوں نے حاجیوں کی سقائی اور مسجد الحرام (کعبہ) کی آبادی کو اس شخص کے ہمسر بنا دیا ہے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں ہیں اور خدا ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا ہے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور (خدا کے لئے) ہجرت اختیار کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ خدا کے نزدیک درجہ میں بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے والے ہیں ابوحاتم، حافظ ابونعیم ابو الشیخ عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن جریر ابن مندہ اور ثعلبی اپنی تفسیر میں اور امام واحدی اسباب النزول میں اور قرطبی اور ابن اثیر جامع الاصول میں اور نسائی سنن میں اور سیوطی در منثور میں روایت کرتے ہیں کہ یہ آیتیں حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک دن حضرت عباس اور طلحہ بن شیبہ باہم فخر کر رہے تھے اور ہر ایک اپنے کو افضل کہہ رہا تھا طلحہ نے کہا کہ میں تم سے زیادہ فضیلت رکھتا ہوں کیونکہ خانہ کعبہ کی کنجی میرے پاس ہے۔ حضرت عباس نے کہا میں تم سے افضل ہوں کیونکہ میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں۔ اس طرف حضرت علی تشریف لائے اور یہ گفتگو سنکر فرمایا کہ تم سب سے افضل تو میں ہوں کیونکہ میں تمام عالم سے پہلے ایمان لایا اور رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ یہ صاحبین جب رسول اللہ کے سامنے آئے اور اس گفتگو کا علم کرایا تو اس وقت یہ آیت اجعلتم سقایۃ الحاج .... الخ نازل ہوئیں اور حضرت رسول نے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ علی سب سے افضل ہیں۔

۹۱۔ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً | اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ؕ

(سورۂ بقر آیت ۲۷۴) ترجمہ:۔ جو لوگ رات کو دن کو چھپا کے یا دکھا کے خرچ کرتے ہیں (خدا کی راہ میں) تو ان کے لئے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور نہ ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ آزردہ خاطر ہوں گے۔ امام واحدی تفسیر کشاف ص ۲۲۶ پر سیوطی در منثور جلد اول ص ۳۶۳ پر اور نیز ابوبکر ابن مردویہ اور طبرانی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی کے پاس کل چار درہم تھے آپ نے یہ سوچکر کہ خدا کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی کس طرح حاصل کی جائے ایک درہم رات کو چھپا کر اور ایک دکھا کر اور ایک درہم دن میں دکھا کر اور ایک چھپا کر خیرات کیا اسی وقت یہ آیت آپ کی شان میں نازل ہوئی جناب امیر علیہ السلام کا بہتر سے بہتر نیکی حاصل کرنے کے لئے اس قسم کی کوشش اور فکر کی اہمیت اور اس کے حقیقی جذبہ کو سمجھنے کے لئے اس سورہ کی آیت ۲۷۳ پر غور کیا جانا ضروری ہے جس میں ارشاد ہے للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف تعرفہم بسیمٰہم لا یسئلون الناس الحافا ترجمہ: (یہ خیرات خاص ان حاجتمندوں کے لئے ہے جو خدا کی راہ میں گھر گئے ہوں اور دا گر) روئے زمین پر (جانا بھی چاہیں) تو چل نہیں سکتے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف ان کو غنی سمجھتے ہیں لیکن تم (ان کو دیکھو تو) ان کی صورت سے تاڑ جاؤ (اگرچہ) یہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے غیرتمند حاجتمندوں کا جو نقشہ اس آیت میں کھینچا ہے اور جو ان کی مجبوریوں کا ذکر فرمایا ہے اور منہ سے سوال نہ کرنے یا چمٹ کر کسی سے نہ مانگنے ان کی غیور فطرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ ہر شخص کو لرزہ براندام کر دینے کیلئے کافی ہے۔ حضرت امیر کی یہ جدوجہد کہ اس قسم کے حاجتمندوں کو کچھ نہ کچھ پہنچا دینے کی فکر میں ایک ایک درہم کو کیسی احتیاط سے صرف فرمایا صاحبان بصیرت کے لئے مشعل راہ ہے یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ اس شخص کی تگ و دو ہے۔ جس نے روٹی کے سائل کو اونٹوں کی قطار دیدی اور سائل کی شکل بھی نہ دیکھکر خاتم سلیمان خیرات کردی اور جہاں اللہ تعالیٰ کے متذکرہ صدر ارشاد کی عملی تفسیر پیش کرنی تھی تو چار درہم کی خیرات کے لئے جدوجہد دن رات ایک کر دیئے پروفیسر عبدالعلی اپنی کتاب (Caliph Ali) کے صفحہ ۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

In Ali's life we see the ideal of Quran take a concrete shape.

رات کے وقت ایک درہم چھپا کر دے کر ایسے لوگوں کی تلاش کر کے ان کو دینے کا درس دیا جو رات کے اندھیرے میں بھی اپنی حاجتمندی کا افشا نہیں چاہتے۔ رات کو دکھا کر (یعنی اتنی رازداری کے ساتھ نہیں) دینے میں یہ نکتہ پیش فرمایا کہ لوگوں کا خیال ادھر جائے کہ حاجتمندوں کی تلاش کر کے خیرات دینی چاہیئے اور لوگوں کو تشویق ہو دن میں چھپا کر دیکر یہ بتایا کہ بعض حاجتمند وہ ہیں جو نکل تو آتے ہیں مگر سوال نہیں کرتے

اور پھر کسی سے لینے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ ایسوں کی تلاش دن میں فرما کر پوشیدہ طور پر ان کو خیرات عطا فرمائی اور پھر خیرات کے عام طریقہ سے بھی صرف نظر نہ فرمایا کہ جو بظاہر حاجتمند معلوم ہو اس کو بلا رازداری بھی دیدیا جانا چاہیئے۔ دن میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی نظر پڑ سکتی ہے اور اس سے مقصود یہ تھا کہ عام طور پر لوگوں کا دھیان خیرات کی طرف جائے۔ خیرات تو صرف چار درہم کی تھی مگر اس خیرات کے جذبہ نے اس کو ایسا گراں بار بنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ اس کو تاقیامت یادگار بنا دیا۔

۹۲۔ مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ | یَاأَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ یُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ۔ (سورہ مائدہ آیت ۵۴) ترجمہ:- اے ایمان والو تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا عنقریب ہی خدا ایسے لوگوں کو دکھا دیگا جنھیں خدا دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ ایمانداروں کے ساتھ منکسر اور کافروں کے ساتھ کڑے خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی کچھ پروانہ کریں گے۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا تو بڑی گنجائش والا واقف کار ہے۔ ابو اسحاق امام احمد ثعلبی تفسیر کشف البیان میں کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے اس آیت میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ بہت کچھ انہیں الفاظ کے مماثل اور بعض تو بالکل وہی ہیں جو حضرت رسول خدا نے جنگ خیبر کے موقعہ پر حضرت علی علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمائے تھے۔ صریحاً اس آیت کا مصداق حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جو دین سے پھر جائیں اور پلٹ جائیں وہیں یہ بھی فرما دیا ہے کہ ایسے پلٹ جانے والوں کی کچھ پرواہ نہیں کیونکہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اللہ کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کی راہ میں جہاد کرینگے اور وہ کافروں کے ساتھ کڑے ہیں جب قلعہ خیبر کسی طرح فتح نہ ہوتا تھا اور محاصرہ خیبر کو چالیس روز ہو چکے تھے حضرات شیخین شکست کھا کر لوٹ آئے تھے حضرت علی کو بحالت بیماری طلب فرما کر رسول خدا نے علم عطا فرمایا اور اس سے ایک دن قبل فرما دیا تھا۔ لاعطین الرایۃ غدا رجل کرار غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علی یدیہ اس ارشاد رسول کو آیت کے الفاظ سے ملا کر دیکھا جائے اور جنگ خیبر میں دوسروں کا پلٹ آنا اور حضرت علی مرتضیٰ کا تابڑ توڑ حملہ کرکے در خیبر کو اکھیڑ ڈالنا اور حضرت رسول کا یہ فرمانا کہ وہ اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں سب چیزوں پر یکجائی نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کے مطالب مماثلت تامہ رکھتے ہیں اور یہ آیت صریحاً حضرت شیر خدا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

۹۳۔ صَدَقُوۡا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ | مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیۡہِ فَمِنۡھُمۡ

مَن قَضٰی نَحْبَهُ وَمِنهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (سورۂ احزاب آیت ۲۳)۔
ترجمہ:۔ اور بعض مومنوں میں سے وہ مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جو عہد کہ خدا سے انھوں نے باندھا تھا پس ایک ان میں سے وہ ہے کہ پورا کر چکا اپنا کام اور ایک ان میں سے وہ ہے کہ انتظار کرتا ہے اور ان لوگوں نے (اپنی بات) ذرا بھی نہیں بدلی۔ ابوبکر ابن مردویہ، سبط ابن الجوزی اور ابن حجر عسقلانی نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام ایک مرتبہ کوفہ کے منبر پر تشریف رکھتے تھے کہ ان سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا کہ یہ کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔
جناب امیر نے فرمایا اے خدا بخشیو یہ آیت میرے چچا زاد بھائی عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب اور میرے چچا حمزہ اور میرے حق میں نازل ہوئی ہے پس میرا چچا زاد بھائی عبیدہ بن الحارث جنگ بدر کے دن اپنا کام پورا کر چکا اور احد کے روز میرے چچا حمزہ اپنا کام کر گئے۔ اب میں امت کے اس بدبخت کے انتظار میں ہوں پھر آپ نے اپنے سر اور داڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ اس کو خون سے رنگین کریگا میرے پیارے ابوالقاسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پختہ عہد کیا ہے۔

۹۴۔ بنیان مرصوص

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (سورۂ صف آیت ۴) ترجمہ: یقیناً خدا ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھ کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ مختلف کتب تاریخ وحدیث میں درج ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ہر جنگ میں اس طرح لڑے کہ کبھی آپ کا قدم ایک بال برابر بھی پیچھے نہ ہٹا آپ کی زرہ بھی صرف سامنے کی طرف ہوتی اور پشت پر کوئی زرہ نہ ہوتی تھی بغیر مقابل کو مارے آپ کبھی نہ پلٹے خواہ وہ سردار فوج ہو یا بڑے سے بڑا آزمودہ کار پہلوان بجز بنی ہاشم کے صحابہ کبار میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو کئی کئی بار میدان جنگ سے پلٹ کر نہ بھاگا ہو وہ شخص جس کا قدم کبھی بال برابر بھی پیچھے نہ ہٹا صرف حضرت علی ہیں سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت شیر خدا شاہ لافتی علی مرتضیٰ کی مدح میں ہے۔

۹۵۔ وکفی اللہ المومنین القتال

وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (سورۂ احزاب آیت ۲۵) ترجمہ:۔ اور کفایت کرتا ہے اللہ مومنین کے لئے لڑائی میں (علی سے) اور اللہ زور آور زبردست ہے۔ ابن مردویہ، ابن ابی حاتم، ابن عساکر اور سیوطی نے روایت کی ہے۔ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود نے جو قرآن جمع کیا تھا اس میں اس آیت میں حضرت علی کا نام بھی موجود تھا اور عبداللہ ابن مسعود (جنہوں نے ستر سورتیں حضرت رسول خدا سے اور باقی قرآن حضرت علی علیہ السلام سے پڑھا تھا اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے وکفی اللہ المومنین القتال بعلی وکان اللہ قویا عزیزا۔ اس کتاب کے ایک دوسرے مقام پر ہم نے اس آیت کے متعلق مزید بحث کی ہے۔ صاحب نزہتہ الارواح تحریر فرماتے ہیں۔ وہ شیر مرد جس نے کسی جنگ میں کسی حال میں پیٹھ نہ پھیری وہ

شیر جس نے کبھی پیٹھ کی طرف رخ نہ کیا (یعنی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا) وہ بزدل جو ایک نعرہ میں ایک لشکر عظیم کو دہ پارہ کر ڈالتا تھا اور وہ صفدر جو ایک حملہ میں نو قلعوں کو پارہ پارہ کر کے پھینک دیتا تھا وہ علی تھا آیۃ کریمہ کفی اللہ المومنین القتال جنگ خندق کے بعد علی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔"

۹۶- یحلون فیھا من اساور

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ (سورۂ حج آیت ۲۳) ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے اچھے کام بھی کئے ان کو خدا بہشت کے ایسے باغوں میں داخل کریگا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی انہیں وہاں سونے کے کنگن اور موتی سے سنوارا جائیگا اور ان کا لباس وہاں ریشمی ہوگا۔ صحیح بخاری میں قیس بن عبادہ اور حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ آیت بھی جنگ بدر کے متعلق حضرت علی اور حمزہؑ عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اسی کے اوپر کی آیت ان خصمن ...... الخ جھگڑنے والوں کا اشارہ عتبہ شیبہ اور ولید کی طرف ہے۔

۹۷- افمن کان مومنا

اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَا یَسْتَوٗنَ ۝ (سورہ سجدہ آیت ۱۸) ترجمہ:- آیا وہ شخص کہ مومن ہے کیا ہو سکتا ہے مثل اس کے کہ فاسق ہے امام واحدی اور ابن عساکر نے سعید بن جبیر کے طریق سے ابن عباس سے اور علامہ ابن جریر اور حافظ السلفی نے عطار ابن یسار اور ابن عدی اور خطیب نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت امیر کے حق میں نازل ہوئی ہے جب ولید بن عتبہ آپ سے لڑنے آیا تھا امام واحدی کی تفسیر کشاف میں ابن عباس سے یہ مزید صراحت ہے کہ ولید جناب امیر سے کہنے لگا کہ میں تم سے تیز نیزہ والا ہوں اور تیز زبان ہوں اور بھاری تلوار والا ہوں جناب امیر نے اس سے فرمایا خاموش رہ اے فاسق۔ پس خدا نے حضرت امیر کی تصدیق کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ جنگ بدر میں ولید بن عتبہ حضرت شیر خدا سے لڑنے آیا تھا اور ولید کا باپ عتبہ بن ابی محیط حضرت حمزہ سے لڑنے نکلا تھا اور عتبہ کا بھائی شیبہ بن ابی محیط عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب سے لڑنے نکلا تھا۔ شیر خدا نے ایک وار میں ولید کا اور حضرت حمزہ نے عتبہ کا کام تمام کر دیا شیبہ نے عبیدہ بن الحارث کو زخمی کر دیا تھا جس سے وہ جانبر نہ ہوئے پھر یہ شیبہ بھی شیر خدا کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا۔

۹۸- ام حسب الذین اجترحوا السیات

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً (سورۂ جاثیہ آیت ۲۱) ترجمہ:- کیا گمان کرتے ہیں وہ لوگ کہ کرتے ہیں برائیاں کہ کر دیں ہم ان کو مانند ان لوگوں کے کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے سبط ابن الجوزی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ

اور عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور برائیاں کرنے کا جو ذکر ہے وہ عتبہ شیبہ اور
اور ولید سے متعلق ہے جو جنگ بدر کے دن آپ سے لڑے تھے۔

۹۹۔ ام نجعل الذین آمنو | اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ (سورہ ص آیت ۲۸) ترجمہ:- کیا ہم ایمان والوں کو جو عمل صالح کرتے ہیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ ابن عساکر اور نیز سیوطی درمنثور میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جنگ بدر کے تعلق سے حضرت علی حمزہ اور عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب کی شان میں نازل ہوئی ہے اور برائی ڈالنے والوں سے ولید عتبہ اور شیبہ مراد ہیں جو لڑنے نکلے تھے ولید حضرت علی کے ہاتھ سے اور عتبہ حضرت حمزہ کے ہاتھ سے اور شیبہ جس نے حضرت عبیدہ ابن الحارث کو زخمی کر دیا تھا حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

۱۰۰۔ فاستویٰ علیٰ سُوْقِہٖ | فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ (سورہ فتح آیت ۲۹) ترجمہ:- پھر کھڑا ہوا اپنے نال پر النطزی خصائص علویہ میں امام حسن علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کھڑا ہوا حضرت علی السلام کی تلوار سے

۱۰۱۔ کلمۃ طیبۃ کشجرۃ | کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا (سورہ ابراہیم آیت ۲۴ و ۲۵) ترجمہ:- گویا ایک پاکیزہ درخت ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمہ وقت پھلا پھولا رہتا ہے۔ ایک حدیث میں حضرت رسول خدا فرماتے ہیں کہ اس شجر طیبہ کی جڑ میں ہوں۔ علی اس کی ڈال اور ائمہ اس کی شاخیں اور ہمارا علم اس کے پھل ہیں اور مومنین صادق اس کے پتے ہیں۔

۱۰۲۔ صنوان وغیر صنوان | وَجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ (سورہ رعد آیت ۴) ترجمہ:- اور باغ انگوروں سے اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں ایک جڑ میں کی اور بن ملی جڑیں یعنی ایک تھال میں ایک کھجور پلائی جاتی ہے۔ ایک پانی سے ابوبکر ابن مردویہ نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے اور حاکم نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت علی سے فرمایا کہ لوگ متفرق شجروں سے ہیں اور میں اور تو یا علی ایک شجرہ سے ہیں۔ پھر حضرت نے اس آیت کو پڑھا۔

۱۰۳۔ نسباً وصھراً | وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا (سورہ فرقان آیت ۵۴) ترجمہ:- اور وہ (اللہ) وہ ہے جس نے پیدا کیا آدمی کو پانی سے اور پھر بنایا اس کے لئے جد اور سسرال۔ عبداللہ ابن یوسف الکنجی الشافعی اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں لکھتے ہیں کہ محمد بن سیرین

اس آیت کی شان نزول میں کہتے ہیں کہ یہ جناب رسالت مآب اور حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ وہ نسب کی وجہ سے آنحضرت کے ابن عم ہیں اور جناب فاطمہ علیہا السلام کے شوہر ہونے کی وجہ سے حضرت ان کے لئے فخر کا رشتہ رکھتے ہیں۔

۱۰۴- اولوا الارحام | وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ ۝ (سورہ احزاب آیت ۶) ترجمہ:- اور قرابت والے بعض بعض سے نزدیک ہیں خدا کی کتاب میں مومنین اور مہاجرین میں سے ابوبکر ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ مومن مہاجر اور حضرت رسول خدا کے صاحب قرابت بھی تھے۔

۱۰۵- آیت نور | مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْکٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَکَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ یَّکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (سورہ نور آیت ۳۵) ترجمہ: اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چراغ دان (سینہ) ایک روشن چراغ (علم شریعت) ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل (دل) میں ہو اور قندیل (اپنی چمک میں جگمگاتا ہوا روشن ستارہ (وہ چراغ) زیتون کے ایسے مبارک (تیل) سے روشن کیا جائے جو نہ پورب کی طرف سے ہو نہ پچھم کی طرف سے اس کا تیل (ایسا شفاف ہو کہ) اگرچہ آگ اسے چھوئے بھی نہیں تاہم ایسا معلوم ہو کہ آپ ہی روشن ہو جائیگا (غرض ایک نور نہیں بلکہ) نور پر نور خدا اپنے نور کے ذریعہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ ابن مغازی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں چراغ سے مراد جناب فاطمہ ہیں اور شجر مبارک سے حضرت ابراہیم اور لا شرقیہ اور لا غربیہ سے مراد ہے کہ جناب فاطمہ نہ تو یہود سے تھیں نہ نصرانیہ سے اور نور علیٰ نور سے یہ مراد ہے کہ ان سے امام کے بعد امام پیدا ہوگا اور اللہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور سے جسے چاہے سے امر کردہ ہے کہ اللہ ہماری ولایت سے جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے۔

۱۰۶- مرج البحرین | مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (سورہ رحمن آیت ۱۹ و ۲۲) ترجمہ:- (ہم نے) دو دریا جاری کئے جو آپس میں مل جاتے ہیں اور نکلا ان سے موتی اور مونگا۔ انس ابن مالک اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں وہ دو دریا جناب علی مرتضیٰ اور جناب فاطمہ زہرا ہیں اور موتی اور مونگا سے مراد امام حسن و امام حسین ہیں نیز تفسیر شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور تفسیر عمدہ دلدار میں سعید بن جبیر اور سلمان فارسی کی روایت سے سفیان ثوری کی اسناد سے منقول ہے کہ بحرین علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا ہیں۔ برزخ سے مراد محمد مصطفیٰ اور لو لو و مرجان حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔

۱۰۷- آیت لھم قدم صدق | وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (سورہ یونس آیت ۲) ترجمہ:- اور ایمان والوں کو اس کی خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کی بارگاہ میں بلند درجہ ہے۔ ابوبکر ابن مردویہ نے جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت جناب امیر علیہ السلام کی نسبت نازل ہوئی۔

۱۰۸- وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ | وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ (سورہ واقعہ آیت ۱۰ و ۱۲) ترجمہ:- اور جو آگے بڑھ جانے والے ہیں (واہ کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے تھے یہی لوگ (خدا کے) مقرب ہیں آرام و آسائش کے باغوں میں۔

ابوبکر ابن مردویہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا مجھے جبرئیل نے کہا کہ یہ علی ہیں۔ نیز خطیب اور ابن مغازلی مالکی اپنے مناقب میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ اس سے مراد علی ہیں۔

۱۰۹- وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ | منتخب کنز العمال صـ۳۲ پر حضرت رسول کا یہ ارشاد درج ہے کہ تم سب لوگوں میں سے ہجرت میں سبقت کرنیوالا علیؑ ہے۔ اور سورہ توبہ کی یہ آیت (۱۰۰) علیؑ کے حق میں ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ تفسیر در منثور سیوطی، صواعق محرقہ۔ ابن حجر و فصول المہمہ۔ ثعلبی،

۱۱۰- اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ | اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ سورۂ زمر آیت ۲۲) ترجمہ:- پس جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا سو وہ اجالے میں ہے اپنے رب کے۔ امام واحدی اسباب النزول القرآن میں اور علامہ ابوالفرج ابن جوزی بھی لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی اور حضرت حمزہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

۱۱۱- وَعْدًا حَسَنًا | اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ (سورہ قصص آیت ۶۱) ترجمہ:- پس جس کے ساتھ ہم نے نیک وعدہ کیا ہے پس وہ اس کو ملیگا محب طبری ریاض النضرہ میں مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی اور حضرت حمزہ کی شان میں نازل ہوئی ہے:

۱۱۲- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ | يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (سورہ تحریم آیت ۸)۔ ترجمہ:- جس دن اللہ رسوا نہ کریگا نبی کو اور جو ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ ساتھ۔

حافظ ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ قیامت کے روز سب سے اول حضرت ابراہیم اور حضرت رسول خدا اور حضرت علی جنت کے لباس سے ملبوس ہوں گے اور علی ان دونوں کے درمیان میں ٹہلتے ہوں گے پھر حضرت نے اس آیت کو پڑھا۔ قابل غور ہے کہ اس آیت میں نبی کی بعثت کے بعد ایمان لانیکا ذکر نہیں ہے بلکہ نبی کے ساتھ ساتھ ایمان لانا بیان کیا گیا ہے۔ دیگر آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مومنین سے یاد کیا ہے

یعنی انبیاء اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہذا اس آیت میں ان کا ذکر ہے جن کے ایمان کی منزل وہی ہے جو حضرت رسول کی ہے۔ آنحضرت نے اس کی صراحت فرما دی کہ اس آیت میں علی کا ذکر ہے۔

۱۱۳۔ سرر متقابلین | اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ (سورہ حجر آیت ۴۷) ترجمہ:۔ بھائی برابر کے تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔ امام احمد بن حنبل نے زید بن ابی اوفیٰ سے روایت کی ہے اور ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۲۰۹ پر بھی ہے کہ حضرت رسول خدا نے جناب امیر سے ارشاد فرمایا کہ تو قیامت کے روز جنت میں میرے ساتھ میرے گھر میں میری بیٹی فاطمہ کے ساتھ ہوگا اور تو میرا بھائی اور رفیق ہے پھر حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اخوان علی سرر متقابلین۔ ابو بکر ابن مردویہ نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ مجھے علی سے زیادہ پیاری ہے اور علی مجھے فاطمہ سے زیادہ عزیز ہیں اور آنحضرت نے جناب امیر سے ارشاد فرمایا کہ میں اور تم حوض کوثر پر اکٹھے ہوں گے تم لوگوں کو اس سے ہٹاؤ گے اور اس پر آسمان کے ستاروں کی تعداد کے موافق پیالے ہوں گے اور تو اور تیری اولاد حسن حسین اور عقیل و جعفر برابر کے تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔ ریاض النضرہ جلد ۱ ص ۲۵ پر درج ہے کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا یا علی کیا تم راضی نہیں ہو کہ بہشت میں میرا اور تمہارا مکان ایک دوسرے کے مقابل ہوگا دو بھائیوں کے مکانات کی طرح۔

۱۱۴۔ صدیقون و الشہداء | وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ

(سورۂ حدید ۱۹) ترجمہ:۔ اور وہ لوگ کہ ایمان لائے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ پس وہی لوگ صدیق ہیں اور شہید ہیں اور ان کے لئے ان کے رب کے پاس انکا اجر اور انکا نور امام احمد نے مسند میں مغازلی نے مناقب اور ثعلبی اور سیوطی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور آپ ہی صدیق اکبر ہیں۔

۱۱۵۔ ربک فترضیٰ | وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی (سورۂ والضحیٰ آیت ۵) ترجمہ:۔ اور البتہ عنقریب عطا کریگا تیرا رب (اے محمد) پس راضی ہوگا تو ثعلبی اور ابن مغازلی نے مناقب میں اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اور سیوطی نے احیاء الملت میں لکھا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہو گئے کہ ان کے اہل بیت میں سے ہر ایک اہل جنت ہوگا۔

۱۱۶۔ آیت نجویٰ | یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ (سورۂ مجادلہ آیت ۱۲) ترجمہ:۔ اے ایمان والو جس وقت تم لوگ رسول سے راز کہو تو راز کہنے سے پہلے صدقہ دو تمہارے لئے یہ بہتر ہے۔

امام نسائی، ثعلبی "سبط ابن الجوزی اور امام واحدی نے حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ "جب یہ آیت نجویٰ نازل ہوئی جناب رسول خدا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو جاکر کہو کہ صدقہ دیا کریں۔ پھر حضرت امیر فرماتے ہیں میرے پاس دس درہم تھے دس دن تک ہر روز ایک درہم صدقہ دیتا رہا اور ایک ایک مسئلہ کے متعلق حضرت رسول سے سرگوشی کرتا رہا۔ اس آیت پر نہ کسی نے مجھ سے پہلے عمل کیا اور نہ میرے بعد کیونکہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے دس دن بعد منسوخ فرما دیا" ابن مردویہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کہتے تھے کہ حضرت علی میں تین باتیں ایسی تھیں کہ ان میں سے ایک بھی مجھے مل جاتی تو ہر چیز سے بہتر ہوتی۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ آیت نجویٰ پر بجز حضرت علی کے کسی نے عمل نہیں کیا۔ بات بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہے۔ مگر غور کرو تو انتہائی اہم ہے اور اس میں مشیت کے راز پنہاں معلوم ہوتے ہیں آیت کا نازل ہونا اور حضرت علی کے پاس دس درہم ہونا اور ہر روز ایک درہم صدقہ دیکر دس دن تک حضرت رسول سے سرگوشی کرنا ادر ادھر حضرت علی کے پاس درہم ختم ہونا ادھر آیت کا منسوخ ہوجانا قدرت کے کچھ محیر العقول اسرار ہیں۔ گو کہ آیت نجویٰ تمام مومنین کیلئے تھی اور اس کا اعلان بھی کیا جا چکا تھا مگر تنہا ذات علی کا اس آیت پر عمل کرنا بتاتا ہے کہ رب العزت کا منشا لیس یہ تھا کہ اس آیت پر عمل کی فضیلت میں حضرت علی کا کوئی شریک ہی نہ ہو۔ علامہ صالح کشفی حنفی اپنی کتاب مناقب مرتضوی میں لکھتے ہیں۔ جب اغنیا نے آنحضرت کی مناجات پر مال دنیا کو ترجیح دی اور بجز جناب علی کے اور کوئی نجویٰ کرتے نہیں آیا تو ان لوگوں پر بطور ملامت کے آیت نجویٰ کو نسخ کرنے والی آیت ءَاَشْفَقْتُمْ اَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ مجادلہ آیت ۱۳ نازل ہوئی یعنی کیا تم لوگ اپنے راز کہنے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے۔

۱۱۷- اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ | وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (سورۂ بقرآیت ۱۴)

ترجمہ:۔ جب وہ ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب وہ اپنے شیطانوں سے جا ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ہنسی کرنے والے ہیں۔ ابو بکر ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ ابن ابی نے اپنے دوستوں کے ساتھ آتے ہوئے منافقت کے پیرایہ میں حضرت علی علیہ السلام سے آپ کی تعریف کی۔ حضرت نے فرمایا عبداللہ خدا سے خوف کر اور منافقت مت کر عبداللہ کہنے لگا۔ ابوالحسن چھوڑو ہمارا ایمان تو تمہارے ایمان کی طرح ہے یہ کہکر اپنے دوستوں میں چلا گیا اور ان سے کہنے لگا تم لوگوں نے دیکھا میں نے ان کے ساتھ کیا کیا۔ اس کے ساتھی اس کی تعریف کرنے لگے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۱۸- وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ | وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (سورۂ احزاب آیت ۵۸) ترجمہ:۔

جو لوگ کہ اذیت دیتے ہیں مومنین اور مومنات کو بغیر کسی قصور کے وہ لوگ اٹھاتے ہیں بہتان اور گناہ ظاہر۔

ابوبکر ابن مردویہ نے سلیمان بن مقاتل سے روایت کی ہے اور مولانا عبیداللہ بسمل نے اس کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے کہ یہ آیت جناب امیر کی شان میں نازل ہوئی ہے چند لوگ منافقوں میں سے آپ کو ایذا دیا کرتے تھے اور آپ جھٹلایا کرتے تھے۔

۱۱۹- سبقت لهم منا الحسنی | اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (سورہ انبیا آیت ۱۰۱) ترجمہ:- البتہ جن لوگوں کے واسطے ہماری طرف سے پہلے ہی سے بھلائی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے وہ لوگ (دوزخ سے) دور ہی رکھے جائیں گے۔

ابوبکر ابن مردویہ نے نعمان بن بشیر سے روایت کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ میں انہیں میں سے ہوں۔

۱۲۰- آیت کتاب | فاما من اوتی کتابہ بیمینہ (سورۃ الحاقہ آیت ۱۹) ترجمہ:- جس کو ملا اسکا لکھا داہنے ہاتھ میں ابوبکر ابن مردویہ عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت جناب امیر علیہ السلام کی شان میں ہے۔

۱۲۱- حسبك الله | یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۂ انفال آیت ۶۴) ترجمہ:- اے نبی کافی ہے تم کو اللہ اور جو مومنین میں سے تمہارے فرمانبردار ہیں۔

النطنزی خصائص علویہ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ حافظ ابو نعیم نے النزول القرآن اور حلیۃ الاولیاء میں اور علامہ سمعانی فضائل الصحابہ میں لکھتے ہیں یہ آیت حضرت علی کی شان میں ہے۔

۱۲۲- محمد رسول اللہ والذین معہ | مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ (سورۂ فتح آیت ۲۹) ترجمہ:- محمد خدا کے رسول ہیں اور وہ لوگ کہ ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں اور کافروں پر اور آپس میں نرم دل ہیں دیکھے تو ان کو رکوع کرتے ہیں — سجدہ کرتے ہیں چاہتے ہیں اپنے اللہ کا فضل اور اس کی خوشی ان کی نشانی ان کے منہ پر ہے سجدہ کے نشان سے یہ کہاوت ہے ان کی توراۃ میں اور کہاوت ہے ان کی انجیل میں۔

حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں (یہ روایت بھی کتب اہل سنت کی ہے) کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں ہے جن کا ذکر توراۃ اور انجیل میں بھی موجود ہے۔ اکثر علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کے علاوہ اس آیت میں خلفائے ثلاثہ کی طرف بھی اشارہ ہے اور تاویل یوں کی جاتی ہے کہ والذین معہ سے مراد حضرت ابوبکر ہیں اور اشداء علی الکفار سے مراد حضرت عمر ہیں اور رحماء بینھم سے مراد حضرت عثمان ہیں اور رکعا سجدا سے مراد حضرت علی ہیں مگر آیت کے الفاظ کو دیکھنے سے یہ صاف ظاہر ہے اس لیے

ایک ایک مختص صفت کسی علیٰحدہ علیٰحدہ شخص کی نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ ایک ہی شخص یا چند اشخاص ہیں وہ جملہ صفات مجتمعاً ہونا مذکور ہے اور پھر یہ بھی شرط ہے کہ وہ ایسے ہیں جن کا ذکر توریت وانجیل میں بھی موجود ہے یہ نہیں ہے کہ والذین معہٗ سے ایک علیٰحدہ شخص اشداء علی الکفار سے دوسرا شخص اور رحماء بینہم سے کوئی اور شخص مُراد ہو۔ اس آیت کا واضح مطلب یہ ہے کہ جو رسول خدا کے سچے ساتھی ہیں ان کے یہ صفات ہیں کہ کفار کے ساتھ تو کڑے ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم دل ہیں اور کثرت سے عبادت کرتے ہیں ان کا ذکر توریت وانجیل میں بھی آچکا ہے۔ لفظ معہ سے حضرت ابوبکر اس وجہ سے مراد لے جاتے ہیں کہ وقت ہجرت غار میں رسول خدا کے ساتھ تھے معہ کے ساتھ کوئی خاص موقع غار یا ہجرت وغیرہ کا آیت میں مذکور نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ حضرت رسول کے ساتھ دینے والے ہوں عمومی طور پر انکا ذکر ہے۔ رسول کے ساتھ حقیقی معیت کے معنی یہ ہیں کہ دل وجان سے قول وعمل میں ہر نوبت پر حضرت رسول کے ساتھ رہے۔ ساتھ کا مطلب محض جسمانی طور پر سامنے بیٹھے ہوئے ہونا نہیں ہے بلکہ آپ کے ہر خیال اور ہر تجویز میں آپ کے ہم خیال مؤید اور فرمانبردار رہنا ہے۔ مثال کے طور پر جیسے غلام اپنے آقا سے یا مُرید اپنے مُرشد سے کہتے ہیں کہ آپ جو کچھ فرمائینگے جو کرنا چاہیں ہم آپکے ساتھ ہیں محض ساتھ آجانے یا ساتھ بیٹھے رہنے سے یہ منشار پورا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن شاہد ہے کہ منافقین بھی حضرت رسول کے قریب موجود تھے ان ظاہر بظاہر منافقین کے قطع نظر جو کوئی حضرت رسول کے ساتھ بیٹھنے والا حضرت رسول کی نافرمانی کرے یا آپ کے ارادوں کے خلاف اپنی نیت رکھے اور عین تنت کے موقعہ اور مصیبت کے وقت حضرت رسول خدا کو چھوڑ کر میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرے تو وہ والذین معہ کی تعریف میں ہرگز نہیں آسکتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہ جنگ احد اور جنگ حُنین کے موقعہ پر میدان جنگ سے فرار ہو گئے تھے اور جنگ خیبر کے موقعہ پر بھی واپس بھاگ آئے تھے اور احد کے دن بعض صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر و عمر نے حضرت رسول کا شہادت پانا خیال کر کے یہ بھی نعرے لگائے تھے "قتل محمد فارجعوالی ادیانکم" یعنی محمد قتل ہوئے لہٰذا اپنے اپنے سابقہ دین کی طرف لوٹ جاؤ جو مومن حقیقی تھے ان کا ذکر بھی انہیں روایتوں میں ہے۔ مثلاً انس بن نظر نے جب یہ نعرہ سُنا تو یہ کہتے ہوئے کہ محمد شہید ہوئے تو کیا اللہ تو زندہ ہے مشرکین پر حملہ آور ہوئے اور شہادت پائی۔ جنگ احد کے دن جو حقیقی مومن تھے یا تو انتہائی زخمی ہو کر بھی حضرت رسول کے گرد پروانہ بنے رہے حضرت شیر خدا ستر کاری زخم کھا کر بھی حضرت رسول کے گرداگرد ذوالفقار شعلہ بار کا ہالہ بنائے رہے جو زخمی ہو کر بچ نہ سکے وہ میدان ہی میں شہید ہو گئے جیسے حضرت رسول کے چچا حضرت حمزہ اور دیگر کئی بنی ہاشم اور کئی انصار رہا جن کو زخم نہ آئے وہ وہی تھے جو میدان جنگ سے جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو نہ تو ان دو جنگوں میں نہ تو اور بھی کسی جنگ میں کوئی ہلکے سے ہلکا زخم بھی کبھی آیا۔ بمصداق "گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں" زخم آتا سکو ہے

جو مقابل میں آکر لڑے، جو زخم کا موقعہ آنے سے پہلے ہی بھاگ جائے اسے زخم آ بھی کیسے سکتا ہے اور بہادر کبھی بھاگنے والے کا پیچھا بھی نہیں کرتے۔ المختصر اگر کوئی شخص عین ضرورت کے موقعہ رسول کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے علٰحدہ ہو جائے تو عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ اس کو رسولِ خدا کی معیت حقیقی کی تعریف میں لایا جائے۔ پھر غارِ ثور میں حضرت رسول کے ساتھ حضرت ابوبکر کے جانے کے متعلق بھی مسلّمہ روایات یہ ہیں کہ حضرت ابوبکر ابتداءً رسولِ خدا کے ساتھ نہیں گئے تھے بلکہ پیچھے سے پہنچے۔ چنانچہ ترمذی نسائی "حاکم" امام احمد بن حنبل اور سیوطی نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا جس وقت مکان سے باہر آئے اور غارِ ثور کے قریب پہنچے تو آپ کے پیچھے حضرت ابوبکر پہنچے حضرت رسولِ خدا کو خیال گزرا۔ شاید مشرکین میں سے کوئی تعاقب میں آیا ہے۔ حضرت ابوبکر نے کھنکارا تو حضرت ان کو پہچان کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رسولِ خدا کے ساتھ غار میں داخل ہوئے۔ غار میں حضرت ابوبکر کا ڈرنا اور غم کرنا خود آیت قرآن میں دوسری جگہ درج ہے۔ یہ بھی قابلِ غور ہے کہ یہ کوئی رونے اور جزع و فزع کرنے کا محل ہو سکتا ہے یا پامردی اور مستقل مزاجی کو کام میں لانے کا محل تھا۔ اس معاملہ کا مقابلہ حضرت علی علیہ السلام کے اسی شبِ ہجرت حضرت رسول کے بستر پر نرغہ اعداء میں سونے سے کیا جائے (جس کا ذکر اس کتاب میں بحوالہ آیت قرآن علٰحدہ آیا ہے) تو ہمت اور پامردی کے متعلق صحیح حقیقت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس طرح اشداء علی الکفار سے حضرت عمر کو جو مراد لیا جاتا ہے تو اول تو آیت کے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کرنا کسی منطق پر مبنی نہیں اور پھر حضرت عمر کو اس صفت سے موصوف سمجھنا بھی مشکل ہے۔ کفار سے سخت اور کڑا ہونے کی تعریف تو یہ ہے کہ کفار کے سامنے کوئی شخص ڈٹا ہوا ہے اور ان کے مقابل اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اگر کفار کے مقابل سے کوئی شخص حضرت رسول خدا کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے بھاگ جائے یا کفار کی طرف سے مبارز طلبی کے باوجود سامنے جانے کی ہمت نہ کرے بلکہ اس کافر پہلوان کی بڑھائی اور طاقت بیان کر کے مرعوب ہو جائے اور پست ہمتی کا اظہار کرے تو ایسا کرنے والوں کو اشداء علی الکفار کیسے کہا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر متعدد معرکہ ہائے جنگ سے حضرت رسول کو چھوڑ کر فرار ہو گئے اور جنگ خندق میں بھی عمرو ابن عبدود کے مقابل باوجود حضرت رسول کے ایما کے نکلنے کی ہمت نہ کی اور عمرو ابن عبدود کی بہادری کی ہی داستان سناتے رہے۔ جنگ خیبر میں بھی ایک دن علم لیکر گئے تھے مگر بلا کسی کو زخم پہنچائے یا خود زخم کھائے بے پسپا ہو کر آ گئے جنگِ بدر میں تو آپ نے حصہ لینے ہی سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ فوج مخالفت میں ان کے ماموں ابوجہل موجود ہیں۔ البتہ جنگ خندق میں شیرِ خدا کی بھگائی ہوئی فوج مشرکین بھاگی جا رہی تھی تو اس میں ایک زخمی ضرار بن خطاب بھی لنگڑاتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ حضرت عمر نے اس بھاگتے ہوئے زخمی پر حملہ کرنا مناسب سمجھا اور تلوار لے کر اس کے پیچھے بھاگے اب جو زخمی نے دیکھا کہ حضرت عمر آ رہے ہیں تو نیزہ لے کر پلٹ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمر پلٹ کر بھاگے مگر زخمی نے پھر بھی نیزہ کا ایک اچٹتا ہوا وار آپکی پیٹھ پر کر ہی دیا۔ تمام جنگوں میں یہی ایک چرکا تھا جو حضرت عمر کو لگا اس کے برخلاف جیسا کہ اوپر ذکر ہوا جنگِ بدر میں تو

آپ نے کوئی حصّہ نہیں لیا مگر جب قیدی گرفتار ہوکر آئے اور جہاں حضرت رسول نے نظریہ ترحم اختیار فرمایا تو وہاں البتہ حضرت عمر نے تشدد دکھایا اور تلوار لے کر ان بے بس قیدیوں کا گلا کاٹنے تیار ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہر شخص اپنے اپنے عزیز قیدی کا گلہ کاٹے میں اپنے عزیز کا گلہ کاٹتا ہوں' تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ حضرت رسول نے حضرت عمر سے فرمایا کہ قریش کو مطلع کردو کہ ہم لڑنے کے قصد سے نہیں آئے بلکہ زیارت خانۂ کعبہ کو آئے ہیں۔ حضرت عمر نے خوف سے جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے ماموں ابوجہل زندہ نہیں ہیں مکہ میں جاؤنگا تو اہل مکہ مجھے قتل کردیں گے اس موقع پر یہ اشارہ بے محل نہوگا کہ بعض متبعین حضرت عمر یہ کہتے ہیں کہ آپ ایسے بہادر تھے کہ حضرت رسول اور سب لوگوں نے تو چھپ کر ہجرت کی اور حضرت عمر نے علانیہ ہجرت کی۔ یوں تو علانیہ ہجرت علی نے بھی فرمائی اور وہ بھی ایسے وقت جب رات کو بستر رسول پر سونے کی وجہ آپ یکہ و تنہا رہ گئے تھے مگر حضرت عمر کی علانیہ ہجرت کا اصل راز یہ تھا کہ آپ کے ماموں ابوجہل نے آپ کو امان دے رکھی تھی اور کوئی آپ سے متعرض ہونیوالا نہ تھا۔ اس بہادری کی حقیقت تھوڑے ہی دن میں اس وقت کھل گئی جب آپ نے بطریق مذکورہ بالا مکہ جانے سے یہ کہکر انکار کردیا کہ اب میرے ماموں ابوجہل زندہ نہیں ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عمر اپنی مطلقہ بیوی جمیلہ بنت عاصم بن ثابت کے گھر سے دودھ پیتے بچہ عاصم کو لیکر چل دیئے۔ ماں کی فریاد پر بحکم قاضی بچہ ماں کو واپس دلایا گیا۔ ایک دفعہ حضرت عمر کے لڑکے نے سر میں کنگی کی تو اس کو دُرّے لگوائے۔ قبل اسلام اپنی بہن کو جو مُسلمان ہوگئی تھیں قرآن پڑھتے سُنا تو ہاتھ میں جو چیز تھی چہرہ پر اس طرح کھینچ ماری کہ مُنہ زخمی ہوگیا۔ بہنوئی بیچ میں آئے تو ان کو بھی زدوکوب کیا۔ حضرت عمر کی لونڈی لبنیہ مسلمان ہوگئی تھی۔ اِس مسلمانی کی علّت میں لونڈی کو پیٹا کرتے تھے۔ جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو اور مارونگا۔

بعد اسلام کے بھی اس قسم کے واقعات کی متعدد روایتیں بخاری میں موجود ہیں۔ چنانچہ تیسرالبخاری پارہ ۵ کتاب الجنائز صفحہ ۹۷ پر درج ہے کہ ایک مردہ پر اس کے عزیز رو رہے تھے تو حضرت عمر نے ان کو لاٹھی اور پتھر سے مارا اور ان کے مُنہ پر خاک جھونکی۔ پارہ ۹ کتاب الخصومات صفحہ ۷۶ پر روایت ہے کہ حکم بن حزام سورہ فرقان پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر نے ان کے گلہ میں رومال ڈالکر گھسیٹا۔ بخاری پارہ ۲۰ کتاب تفسیر صفحہ ۱۲۵ پر درج ہے ایک شخص ہشام بن حکم کے سورۂ فرقان پڑھنے پر بھی حضرت عمر غصّہ میں آگئے۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۵ پر روایت ہے کہ درمیان راہ حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ کی ملاقات ہوئی ابوہریرہ بتعمیل حکم رسول منادی کر رہے تھے کہ جو شخص کلمہ توحید پڑھیگا وہ جنت میں جائے گا ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ناگاہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر ایسے زور سے دو ہتڑ لگایا کہ میں بے ہوش ہوکر دانتوں کے بل گر پڑا۔ اس کے بعد مجھ سے فرمایا چلا جا۔ بخاری پارہ ۵ کتاب الجنائز صفحہ ۹۰ پر ہے کہ کچھ معمولی سی بات پر حضرت عمر نے ایک شخص ابن صیاد کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ الفاروق صفحہ ۹۵ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں :-

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب سے جو بڑے درجہ کے صحابی تھے ملنے گئے۔ جب وہ مجلس سے اٹھے تو ادب و تعظیم کے لیے لوگ ان کے ساتھ چلے اتفاق سے حضرت عمر ادھر آنکلے یہ حالت دیکھ کر ابی بن کعب کو ایک کوڑا لگایا۔ ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ یہ وہی ابن کعب ہیں جن کے متعلق مولانا شبلی صـ۵۳۱ پر لکھتے ہیں۔ حضرت عمر ابی بن کعب کی بہت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے ابی نے جب انتقال فرمایا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا صـ۵۲۶ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

"ازالۃ الخلفا میں ابو بکر بن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم الدھر ہے تو (حضرت عمر نے) اس کے مارنے کیلئے درہ اٹھایا" مولانا شبلی الفاروق صـ۲۸۳ پر لکھتے ہیں: حضرت عمر نے عیاض بن غنم کو جو مصر کے عامل تھے۔ باریک کرتہ پہننے کی علت میں کمبل کا کرتا پہنوا کر بکریوں کا گلہ منگوا کر جنگل میں ان سے چروایا گیا۔ اس کے بر خلاف امیر معاویہ وغیرہ کے ساتھ ان کا طریقہ کچھ اور تھا۔ مولانا شبلی الفاروق صـ۱۸۷ پر لکھتے ہیں:۔

اطلاع کے مطابق یزید ابن ابی سفیان (معاویہ کے بڑے بھائی) اور خالد بن ولید وغیرہ نے ہیں استقبال کیا۔ شام میں وہ گران افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی۔ حضرت عمر کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے حلے اور پر تکلف قبائیں تھیں۔ زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے"۔ صـ۲۸۵ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں!"امیر معاویہ شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے اور حضرت عمر ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے" تاریخ میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جہاں حضرت عمر زوردار کی حمایت اور کمزور کی مخالفت کرتے تھے۔ امام ثعلبی تفسیر کشف البیان میں سورہ انعام کی آیت ۵۲ ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی..... الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسول خدا حضرت ابو طالب کی پناہ میں تھے تو کفار قریش میں چند سربرآوردہ لوگ بشمول عتبہ، شیبہ بن ربیع، مطعم بن عدی، حارث بن نوفل، نوطہ بن عبید و عمر بن نوفل حضرت ابو طالب کے پاس آکر کہنے لگے کہ آپ اپنے بھتیجے سے کہئے کہ وہ کم رتبہ اور غلام لوگوں کو جو ان کے پاس ہیں نکال دیں تو ان کی وقعت سب لوگوں کے دلوں میں زیادہ ہو جائے گی۔ جب کفار کی یہ خواہش حضرت رسول کو معلوم ہوئی تو اس وقت حضرت عمر بھی موجود تھے اور کہنے لگے کہ ضرور ان کم حیثیت اور غلاموں کو نکال دینا چاہیے۔ اس وقت متذکرہ صدر عتاب آمیز آیت نازل ہوئی کہ اس قسم کے غریب مومنین کو نکال دینا جائز نہیں۔

بخاری کتاب الوضوء صـ۲۷ پر روایت ہے کہ (پردہ کا حکم آنے سے پہلے اور قبل اس کے کہ ازواج نبی کے مکانات کے ساتھ بیت الخلاء تعمیر کئے جائیں) ایک مرتبہ زوجہ رسول حضرت سودہ رات کو رفع حاجت کے لئے باہر جا رہی تھیں تو حضرت عمر نے ان پر آوازے کسے سودہ نے اس کی شکایت حضرت رسول سے کی۔ پارہ ۱۹ کتاب تفسیر صـ۱۱۸ پر بھی درج ہے کہ

زوجہ رسول حضرت سودہ پر حضرت عمر نے آوازے کسے۔ پارہ ۱۲ کتاب بدء خلق صـ۳۸ اور نیز پارہ ۱۴ کتاب مناقب صـ۸۶ پر درج ہے کہ حضرت رسول کی ازواج حضرت عمر سے خائف تھیں۔

پارہ ۱۶ کتاب مغازی صـ۳۲ پر ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسول نے قتیلان بدر کو پکارا تو حضرت عمر نے حضرت رسول پر اعتراض کر دیا۔ اسلام لانے سے قبل تو حضرت رسول کو قتل ہی کرنے کی نیت سے تلوار لے کر گھر سے چلے تھے اور پھر بعد اسلام جیسا کہ پارہ ۲۰ کتاب تفسیر صـ۲۹ پر درج ہے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت عمر کو نہ صرف حضرت رسول کی رسالت پر قوی شبہ ہوا بلکہ حضرت رسول پر غصہ بھی آیا۔ بخاری عینی کتاب عمدۃ القاری و تاریخ الخمیس و در منثور سیوطی و مدارج النبوۃ میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ ایسا قوی شبہ رسالت رسول کے متعلق مجھے کبھی نہیں ہوا تھا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے دن ہوا۔ مشکواۃ کتاب العلم صـ۲۱ پر جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ حضرت عمر ایک نسخہ توریت کا لیکر حضرت رسول خدا کے پاس آئے اور بولے کہ رسول اللہ یہ نسخہ تورات کا ہے۔ حضرت رسول خدا یہ سنکر خاموش رہے مگر حضرت عمر نے اسے پڑھنا شروع کر دیا حضرت رسول خدا کا چہرہ متغیر ہونے لگا اور متغیر ہوتا چلا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ کاش تو مر جاتا کہ تیری ماں تجھے رونے کو بیٹھتی۔ حضرت عمر رسول کے چہرہ کی طرف دیکھ کر بولے میں پناہ مانگتا ہوں غضب الہٰی اور غضب رسول سے اس پر حضرت رسول نے فرمایا قسم بخدا اگر اس وقت موسیٰ ہوتے تو وہ میری اطاعت کرتے مگر تم مجھے چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے۔

تاریخ کامل میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اصحاب کے دل میں ایسی سخت بدگمانی پیدا ہوگئی تھی کہ قریب تھا وہ ہلاک (گمراہ) ہو جائیں۔ پس جب ابو جندل کو جو مسلمان ہو گئے تھے مشرکین گرفتار کر کے لیجا رہے تھے ان کے باپ سہیل نے جناب رسالت مآب سے ان کو کفار سے چھڑا لینے کی استدعا کی۔ ابوجندل نے غل مچایا کہ اے گروہ اسلام کیا میں مشرکین کی طرف اس لئے واپس کیا جا رہا ہوں کہ وہ مجھے پھر بیدین کریں۔ آنحضرت نے ابوجندل سے ارشاد فرمایا کہ صبر کرو اور بے قرار نہ ہو اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے ساتھیوں کیلئے کشائش اور مخلصی کی راہ نکالنے والا ہے چونکہ قوم مخالف سے معاہدہ ہو چکا ہے اس لئے میں اس کے خلاف کرنا نہیں چاہتا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضرت عمر نے یہ مشاہدہ کیا تو اپنی جگہ سے جست کر کے ابوجندل کے پاس پہنچے اور سہیل (جس سے حضرت رسول کا صلحنامہ ہوا تھا) کے قتل کی ترغیب دینے لگے تاکہ اگر ابوجندل سہیل کو قتل کر ڈالے تو معاملہ صلح درہم برہم ہو جائے۔ مگر ابوجندل نے اس فعل کو گوارا نہ کیا۔

تاریخ طبری، روضۃ الاحباب اور مدارج النبوۃ میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ ایہا الناس جو شخص اپنے نفس سے کسی امر میں خائف ہو وہ ظاہر کرے تاکہ میں اس کے لئے دعا کروں۔ یہ سنکر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ میں جھوٹا اور بدکردار ہوں اور نیند کے غلبہ سے بہت سوتا ہوں آنحضرت نے دعا فرمائی کہ الٰہی اس کو اس کو راستبازی اور ایمان کی توفیق دے اور اس کے غلبہ نیند کو دور کر دے۔ پھر ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر

عرض کیا یا رسول اللہ میں کذاب ہوں اور منافق بھی۔ حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور بولے کہ اے شخص تو نے اپنی رسوائی کی رسول مقبول نے فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے آسان اور کمتر ہے۔ پھر اس کھڑے ہونے والے شخص کے لئے دعا کی کہ الٰہی اس کو صدق اور ایمان عطا کر بہر حال جہاں نرمی کا موقعہ ہوتا تھا حضرت عمر وہاں شدت دکھاتے تھے اور اعتراض کرتے تھے۔

تاریخ میں ایسی روایتیں موجود ہیں کہ جب کوئی شخص فی الواقعی مقابلہ میں آجاتا تو حضرت عمر ہمیشہ دب جاتے تھے اور اپنے بچاؤ کی راہ پہلے سے دیکھ کر ہی تیزی دکھاتے تھے ایسے ہی موقعہ پر ضرار ابن خطاب کے سامنے سے آپ کا بھاگنا اوپر درج ہو چکا ہے۔ تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت میں جب خالد بن ولید مالک ابن نویرہ کو قتل کر کے ان کی بیوی کو اپنے تصرف میں لا کر واپس آئے اور مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمر نے خالد سے کہا تو نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اس کی عورت پر بھاند پڑا واللہ میں تجھ کو سنگسار کر دونگا خالد نے کچھ جواب نہیں دیا اور حضرت ابوبکر کے پاس جا کر ان کو راضی کر لیا اب خالد باہر نکلے تو مسجد میں حضرت عمر کو دیکھ کر کہنے لگے "ادھر آ اے ام شملہ کے بیٹے" یہ سنکر حضرت عمر صورت حال کو سمجھ گئے اور چپ چاپ اٹھ کر اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ خالد بن ولید کو معزول کر دیا۔ مولانا شبلی الفاروق صـ۱۹۳ پر لکھتے ہیں کہ قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان (خالد) کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا کے لئے ان ہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی۔

Historians History of the World پچیس ضخیم جلدوں میں لکھی ہوئی دنیا کی تاریخ ہے۔ جس کو لندن کے ڈاکٹر ہنری اسمتھ ویلیس ایل ایل ڈی نے متعدد ماہرین تاریخ کی مدد سے مدون کیا ہے۔ اس کے ۱۹۰۷ء ایڈیشن کی جلد ۸ پر یہ عبارت درج ہے۔

"In remote antiquity the Semites like many other nations, reckmned consanguinity only by the surest guarantee, that of a commom mother. Among the Arbs and other peoples we find a relic of this view, otherwise abandoned long since, in the fact that a man might regard his stepmother as part of his inheritence and take herto wife. The father of the great Omar was the issue of such marriage.

حضرت عمر کے دادا کے متعلق بھی ابو المنذر ہشام ابن سائب الکلبی (جنکو ترمذی اور ابن ماجہ بھی اپنا شیخ مانتے ہیں) اپنی کتاب مثالب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے دادا نفیل ایک کنیز حبشیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ جس کا نام صہاک تھا یہ کنیز یکے بعد دیگرے دو اشخاص کے تصرف میں آئی جن کے نام فضل بن ہاشم اور عبد العزیٰ

بن رباح ہیں مناقب میں تذکرہ صدر امور درج ہیں مگر یہ درج نہیں ہے کہ نفیل نفلہ بن ہاشم یا عبدالعزیٰ ابن رباح میں سے کس کی اولاد ہے' صرف صحاک کنیز کے بطن سے ہونا درج ہے تذکرہ بالا ہسٹری آف ورلڈ کی جلد ۸ صفحہ ۵۱ پر عبارت درج ہے۔

He (Omar) had been originally a camel herd and never became quite free from the coarseness and rusticity incident to his humble origin. At first a zealous idolater he proposed to extripate all the followers of Mohammed; when he became afterwards a Mussalman he was just as eager to massacre all who would not believe in the Prophet. Violent on every occasion he breathed nothing but slaughter and countless anecdotes are related of his unrelenting temper.

شبلی نعمانی حضرت عمر کے متعلق مزید لکھتے ہیں:- زمانہ جاہلیت میں تو قہر مجسم ہی تھے۔ اسلام لانے کے بعد بھی مدتوں یہ رنگ انکی طبیعت سے نہ گیا۔ اپنے عزیزوں کے ساتھ بھی ان کا محل رحم اور محبت کے اس درجہ پہ نہ تھا جیسا اور بزرگوں کا ہوتا ہے"۔ اسلام لانے سے قبل تو حضرت رسول کو ہی قتل کرنے تلوار لیکر گئے تھے ابوجہل نے خانۂ کعبہ کے پاس کھڑے ہوکر اعلان کیا تھا کہ جو شخص محمد کا سر کاٹ کر لائے اُسے سو اونٹ اور چالیس ہزار درہم دونگا حضرت عمر نے کہا یہ کام میں کرسکتا ہوں اور تلوار لیکر قتل کے ارادہ سے نکلے۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت حمزہ کو دیکھ کر صورت حال بدل گئی) وہ حضرت عمر ہی تھے کہ مرض الموت میں حضرت رسول کے ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کرکے آپ کے حکم کی تعمیل کو روک دیا اور آپکے روبرو کہہ دیا حسبنا کتاب اللہ کہنے لگے اور بعد وفات رسول جناب سیدہ کے گھر کو جلانے آگ لیکے اور شیر خدا کو مجبور پاکر بیعت کرنے گلے میں رومال ڈالکر گھسیٹا گیا اور جناب سیدہ کے پہلو پر دروازہ گراکر آپکو مجروح کیا گیا (جس کی روایتوں کا حوالہ اسی کتاب میں دوسری جگہ آیا ہے۔ بہر حال کفار کے مقابل سے بھاگ کر جہاں شدت دکھانیکا اصل مقام تھا بس قیدیوں کمزوروں عورتوں لونڈیوں اور بچوں کے ساتھ تشدد حتیٰ کہ سرورِ کائنات اور آپکی صاحبزادی سیدہ عالم اور مولا مومنین کے ساتھ برعمل اشدا علی الکفار رحماء بینھم کی تعریف بن نہیں لاسکتا۔

یہاں ہم سورۂ بقرکی آیات ۲۰۴ و ۲۰۵ و ۲۰۶ ارباب عقل کے غور و فکر کیلئے پیش کرتے ہیں تاکہ خود دیکھ لیں کہ یہ آیات کس پر چسپاں ہوتی ہیں اور ان سے کون شخص مراد ہے۔ آیتیں اور انکا لفظی ترجمہ یہ ہے:-

ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوٰۃ الدنیا ویشھد اللّٰہ علیٰ مافی قلبہٖ وھو الدّ الخصام ﴿۲۰۴﴾ واذا تولّیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللّٰہ لا یحب الفساد ﴿۲۰۵﴾ واذا قیل لہ اتق اللّٰہ اخذتہ العزۃ بالاثم فحسبہ جھنم ولبئس المھاد ﴿۲۰۶﴾ ترجمہ:-

(اے رسول) لوگوں میں سے ایسا بھی ہے جس کی باتیں اس دنیوی زندگی میں تمہیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اسکے دل میں جو کچھ ہے وہ اسپر خدا کو گواہ بھی کرتا ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ اور جہاں اُسکو

اقتدار حاصل ہوا (جہاں تمہاری طرف سے منہ پھیر لیا) تو ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرنے لگا تاکہ ملک میں فساد پھیلائے اور زراعت اور نسل کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جب اس شخص سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈر تو اُس کو غرور گناہ پر اُبھارتا ہے پس ایسے شخص کیلئے جہنم ہی کافی ہے اور بہت برا ٹھکانا ہے"

واضح رہے کہ عربی میں لفظ تَوَلّیٰ کے کئی معنی ہیں جن میں ایک معنی اقتدار حاصل ہونے کے ہیں اور ایک معنی مُنہ پھیر لینے کے ہیں۔ ہم نے اوپر دونوں معنی درج کر دئے ہیں اور غور کرو تو ان دونوں معنوں سے بھی آیت کا اصل مطلب نہیں بدلتا اور نہ واقعات ہی سے کوئی تضاد واقع ہوتا ہے۔

ان آیات میں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو رسول اللہ کے دشمنوں میں سے سب سے زیادہ جھگڑالو تھا۔ تاریخ میں ایسے صاحب کا ذکر ملتا ہے جو اسلام لانے کی علت میں اپنے رشتہ داروں اور چھوکری تک کو زدوکوب کیا کرتے تھے اور بالفاظ شبلی نعمانی جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو اور ماروں۔ یہ صاحب بالآخر رسول اللہ ہی کو قتل کرنے کے ارادہ سے تلوار لٹکا کر چلے تھے۔ رسول اللہ کے دروازہ پر حضرت حمزہ جیسا شیر بیٹھا ہوا تھا۔ ان کو دیکھ کر ان صاحب کا نقشہ بدل گیا اور کہنے لگے میں اسلام لانے آیا ہوں۔ اسلام اسطرح لانے کے بعد بھی انکو رسول کی رسالت پر شک ہوا کرتا تھا اور انکا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر تو یہ شک حدِ آخر کو پہنچ گیا اور انھوں نے رسول اللہ پر رد و قدح شروع کردی کہ کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ اور کیا آپ نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم کو حج کرائینگے۔ رسول اللہ کے سمجھانے پر بھی انکو یقین نہیں آیا اور پھر آپ نے ایک ساتھی سے جاکر وہی باتیں دہرائیں کہ کیا یہ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ منافق کے جنازہ پر نماز کے موقعہ پر اعتراض کرکے انھوں نے دامنِ رسول پر ہاتھ ڈال دیا۔ انہیں صاحب نے پردہ کا حکم آنے سے پہلے رسول کی ایک زوجہ پر رفع حاجت کیلئے باہر جاتے وقت آوازے کسے جسکی شکایت انھوں نے رسول اللہ سے کی اسامہ بن زید کی ماتحتی میں لشکر میں جانے کے حکم رسول سے رسول کے اس زمانے کے بعد بھی سرتابی کی کہ تخلف جیش اُسامہ کرنے والے پر خدا کی لعنت۔ بہ مشکل کچھ فاصلہ تک گئے بھی تو واپس آگئے۔ حالت مرض میں رسول اللہ کے ارشاد کو ان الرجل ہجر ہجر (اس آدمی کو ہذیان ہو رہا ہے) کہکر ایک نوشتہ لکھوانے سے روک دیا جو حضرت رسول اس صراحت کے ساتھ لکھوانا چاہتے تھے کہ یہ گمراہی سے بچانے والا ہدایت نامہ ہے۔ ان صاحب نے یہ کہکر حضرت رسول سے بھی برات حاصل کرلی کہ ہمکو تو اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اور اس طرح۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اطیعوا الرسول اور من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰه یعنی حکم خُدا کو بھی رد کردیا۔ یہ بھی بھول گئے کہ رسولؐ کی آواز پر صرف آواز بلند ہونے پر اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ حضرت رسول نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو تین مرتبہ قوموا عنی کہکر اپنے سامنے سے نکلوا دیا اور پھر ان کو رسول کے سامنے حاضری نصیب نہیں ہوئی یہی صاحب پھر رسول اللہ کے انتقال کے بعد مسجد میں تلوار گھماتے ہوئے کہنے لگے کہ جو کہے کہ رسول کی موت واقع ہوئی ہے اسکو قتل کردونگا۔ مگر فوراً ہی جب

ان کے ایک دوست پہنچ گئے تو دونوں ہاتھ میں ہاتھ ملا کر سقیفہ پہنچ گئے جو چوروں کے خفیہ مشوروں کا مقام تھا۔ اس موقعہ پر اپنے ساتھی کو خلیفہ بنانے بالفاظ شبلی نعمانی ایک عمدہ تقریر بھی تیار کر کے ساتھ لے گئے تھے۔ یعنی یہ سب تیاری پہلے ہی سے تھی۔ انھوں نے رسول اللہ کے جنازہ میں شرکت بھی ضروری خیال نہ کی انھوں نے اپنے ساتھی کو مشورہ دیا کہ علی بیعت نہ کریں تو ان سے قتال کرو۔ جناب فاطمہ زہرا کا گھر جلانے آگ لیکر پہنچ گئے۔ اور آپکے پہلو پر دروازہ گرا دیا۔ فدک کی سند پر تھوکا اور پھاڑ کر پھینک دیا۔ انکو خود اقتدار حاصل ہوا تو احکام دین میں ترمیمیں شروع کر دیں اور لا اکراہ فی الدین کے حکم خدا کو پس پشت ڈالکر اطراف کے علاقوں پر ملک گیری کیلئے حملے شروع کر دیئے۔ مولانا شبلی کے الفاظ میں اس کا بندوبست یہ تھا کہ فوجیں آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس و غلہ لوٹ میں لائیں البتہ گوشت کا بندوبست یہ صاحب دار الخلافہ سے کرتے تھے۔ کمال یہ کہ یہ صاحب خود کبھی تلوار لیکر میدان میں نہیں آئے۔ مگر مردوں اور عورتوں سب کو ملا کر زمینوں اور مال غنیمت پر قبضہ کرنے فوج بھیجا کرتے تھے یہی صاحب حذیفہ یمانی سے باربار پوچھا کرتے تھے کہ آیا عقبہ کی گھاٹی میں رسول اللہ پر پتھر پھینکنے والوں میں حضرت رسول نے میرا نام تو نہیں بتایا تھا۔ آخر میں حذیفہ سے خود ہی کہہ دیا کہ انا من المنافقین اب ہم اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ ارشاد باری ہے۔ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ یعنی اسمیں تاڑ جانے والوں کیلئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ تاڑ جانے کیلئے اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ الف سے والسلام تک سارا ریکارڈ لاکر سامنے رکھ دیا جائے عقلمند کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں ناظرین خود تصفیہ کرلیں کہ آیات متذکرہ صدر ان صاحب پر منطبق ہوتی ہیں یا نہیں۔

رحماء بینہم میں حضرت عثمان کو لایا جاتا ہے حضرت عثمان کے بھی مومنین کے ساتھ رحم کی کوئی مثال نہیں ملتی البتہ یہ ضرور تھا کہ باغ فدک جو خلافت اولی کے زمانہ میں جناب سیدہ سے چھین لیا گیا تھا اس کو حضرت عثمان نے اپنے سالے مروان کی جاگیر میں دیدیا اور ملک آفریقہ کا خمس بھی مروان کو بخش دیا اور حضرت رسول کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ذر غفاری کو حق گوئی کی علت میں مجنون اونٹ کی پیٹھ پر بٹھا کر شہر بدر کر دیا۔ اور وہ اپنی سات آٹھ سالہ صاحبزادی کو لیئے ہوئے کسمپرسی کے عالم میں صحرائے ربذہ میں گزارنے لگے۔ ادھر حضرت عثمان نے عمار بن یاسر اور عبداللہ ابن مسعود بزرگ صحابیوں کو بھی زدوکوب کیا۔ پورے عہدے اور گورنریاں اپنے قریبی رشتہ داروں کے حوالہ فرمائیں جو مومنین کا مال کھا جاتے تھے اور جن میں سے بعض نماز کے وقت میں تبدیلیاں کرتے اور بحالت نشہ فجر کی نماز چار رکعت بھی پڑھا دیا کرتے تھے اور شکایت کرنیوالوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ ایسے حالی موالی کوئے ہوئے حضرت عثمان بارہ سال خلیفہ رہے۔ جب بعض بوڑھے اور بدری صحابہ نے حضرت عثمان کے اس عمل پر اعتراض کیا تو یہ جواب دیا کہ قرآن میں صلہ رحم کا حکم ہے اور میں اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحم کرتا ہوں۔ مومنین کو زدوکوب کروا کر ان کا مال اپنے رشتہ داروں کے حوالہ کرنا ہی صلہ رحم ہے اور اسی کا نام رحماء بینہم ہے تو

اور بات ہے۔ ہاں نیک صفات و بلند کردار صحابی جو تادم مرگ رسول و خانوادہ رسول کے مطیع و شیدا رہے وہ اپنی حدوں کے اندر اس آیت کے مشار میں بیشک داخل ہو سکتے ہیں جیسا کہ فارسی کا مقولہ ہے۔ دوران باخبر نزدیک و نزدیکان بے خبر دور" کوئی قریب رہ کر بھی اپنے مقتدیٰ کے احکام کے صحیح منشا اور اسپرٹ سے ناواقف رہ کر یا اس سے تعرض کر کے سورہ منافقوں کی زد میں آسکتا ہے اور کوئی دور رہ کر بھی اپنی مرضی کو مقتدی کے منشار میں ضم کر کے یا بالفاظ دیگر جیسا کہ اسلام کے حقیقی معنی ہیں اپنے کو تسلیم کر کے اویس قرنی ہو سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان سے غور کرے تو معیَّہ کی صفت اور اشداء علی الکفار کی صفت رحماء بینہم کی صفت اور عبادت کرنے کی صفت بدرجہ کامل ذات حضرت علی علیہ السلام میں مرکوز نظر آتی ہے اور ان آیات میں جن جن صفات کا ذکر ہے ان کا انتہائے کمال پر پہنچا ہوا نمونہ آپ ہی کی ذات ہے غیر قوموں کے لوگ تک آپ کی عظمت اور صفات کے معترف ہیں۔ کارلائل ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ میں لکھتے ہیں "یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا کہ کسی کو بجز اس کو پسند کئے کہ چارہ نہیں ہے۔ ایک شریف مزاج محبت سے بھرا ہوا شجاعانہ شان والا شیر کا سا بہادر مگر باوجود اس کے اس میں ایسی نرمی" سچائی اور محبت تھی جو ایک عیسائی نائٹ کے ہی شایان شان ہے"۔

علامہ سید صالح کشفی ترمذی حنفی اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے صفحہ پر لکھتے ہیں " آیۃ کریمہ محمد رسول اللہ والذین معہ میں اہل تسنن اور اہل تشیع کے درمیان اختلاف ہے بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ آیۃ مذکور خلفائے اربعہ کی شان میں نازل ہوئی ہے بلکہ اس کو خلافت ظاہری کی ترتیب پر حجت جان کر کہتے ہیں کہ والذین معہ سے حضرت ابوبکر اشداء علی الکفار سے حضرت عمر رحماء بینہم سے حضرت عثمان اور رکعا سجدًا سے حضرت مرتضیٰ علی مراد ہیں۔ اہل تشیع کے اعتقاد میں والذین معہ سے لیکر مثلہم فی الانجیل تک تمام آیت امیر المومنین حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے (نیز شیعوں نے) کتب معتبرہ اہل سنت سے حجتہائے ظاہرہ اور دلائل باہرہ سند کے طور پر لا کر ثابت کر دیا ہے کہ والذین معہ سے جناب امیر کی ذات والا صفات مراد ہے۔ (علامہ صالح کشفی نے متعدد مستند روایتیں درج کر کے ازعہد تا لحد حضرت علی کی حضرت رسول سے معیت ثابت کی ہے اس کے بعد لکھتے ہیں) اشداء علی الکفار بھی اسی بزرگوار کی ذات فائض البرکات کی صفت ہے کیونکہ آیۃ مذکور جنگ خیبر کی فتح کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کے نزول کا سبب تمام تفسیروں اور صحاح ستہ اور مشکوٰۃ وغیرہ میں اسی طرح منقول ہے (یہاں بھی علامہ صالح نے شجاعت حضرت علی علیہ السلام کی مستند روایتیں درج کی ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں) رحماء بینہم بھی جناب امیر کی ذات والاصفات کی توصیف ہے نہ کہ حضرت عثمان کا وصف کیونکہ حضرت عثمان کی صلہ رحمی کی زیادتی کے سبب صحابہ اور مومنوں کے درمیان اس درجہ کی مخالفت اور منازعت پھیلی کہ یزید پلید لعین اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کا دعویٰ کیا اور اس نے اہل بیت مصطفیٰ پر کیا کیا ظلم و ستم نہ کئے اور یہ تمام خرابی مروان بن حکم کی دوستی کے سبب وقوع پذیر ہوئی جس کو سید الثقلین اور حضرات

شیخین نے جلاوطن کر دیا تھا حضرت عثمان نے اسکو حضرت رسالتماب ہی کی خلافت کے امور کا وزیر بنایا اور معاویہ کو شام کا حاکم اور ولید بن عقبہ کو جو شراب خواری اور فسق و بدکاری میں مشغول رہتا تھا کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور مروان نے بدعتیں اختیار کیں اور محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قتل کا اقدام کیا اور بہت سے فسادات برپا کئے آخر کار یہاں تک نوبت پہنچی کہ اکثر صحابہ مخالف ہو گئے اور انھوں نے خلیفہ کو قتل کر دیا جیسا کہ مشہور و معروف ہے۔ اور کتب معتبرہ متداولہ میں مذکور و مسطور ہے۔ پس اس لحاظ سے رحماء بینھم وحضرت عثمان کا نہیں بلکہ خاصکر امیرالمومنین کا وصف ہے (علامہ صالح نے یہاں حضرت علی علیہ السلام کے جود و سخا کرم و رحم کی مستند روایات درج کی ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں) اور جب ہم آیۃ رکعاً سجداً الخ کے معنی میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں تو صاف واضح اور روشن ہو جاتا ہے کہ والذین معہ سے لے کر مثلھم فی الانجیل تک ساری آیت امیرالمومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ صفات مذکور (الصدر) توریت و انجیل میں ان کی صفات بیان کی گئی ہیں توریت اور انجیل میں صحابہ عظام میں سے شاہ اولیا کے نام نامی کے سوا اور کسی کا نام ثبت نہیں ہے۔ توریت میں آپ کا نام ایلیا ہے اور انجیل میں شنطیا ہے اگر کوئی معترض یہاں یہ اعتراض کرے کہ والذین معہ سے لیکر آخر تک سب جمع کے صیغہ واقع ہوئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے تعظیم کی وجہ سے اپنے ولی کو اس طرح یاد فرمایا ہے۔ الکنایۃ ابلغ من التصریح (کنایہ میں صریح کی نسبت زیادہ بلاغت ہے) عرب کا دستور ہے اس لئے خالق بیچوں نے بھی انہیں کے محاورہ کے موافق کنایہ اور اشارہ میں کلام فرمایا تاکہ جو سعید ازلی ہو وہ مقصد اصلی پر فائز ہو جائے اور کلام ربانی کے حقائق و دقائق و نکات معلوم کرے اور جو شقی الاصل اور بدبخت ہو وہ اسرار ربانی کے مطالب سے واقف نہ ہونے پائے اور شقاوت میں مبتلا رہ کر نفس کے ظلمانی حجابوں میں گرفتار رہے اور اگر باوجود دلائل مذکورہ کے بھی صیغہ جمع کی رعایت رکھنا چاہیں تو اس تقدیر پر بھی امیرالمومنین سے بالاصالتہ نسبت ہوگی اور دیگر صحابہ سے جو اس غزا میں شریک ہوں بالتبع۔ کیونکہ حق تعالیٰ اشداء علی الکفار فرماتا ہے اور اس غزا میں اکثر صحابہ نے فرار اختیار کیا اور خیبر اور تمام جنگیں امام الاشجعین کے دست حق پرست پر فتح ہوئیں اور اس امر میں کسی کو شہادت اور ثبوت کی گنجائش نہیں کہ عیاں را چہ بیاں۔ یہ پوری عبارت علامہ صالح کشفی ترمذی کی ہے۔

۱۲۳۔ آیت صالح المومنین اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا (سورہ تحریم آیت ۴ و ۵) ترجمہ: اے رسول کی دو بیویو (عائشہ و حفصہ) توبہ کرو کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہیں۔ اگر تم رسول کی مخالفت میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہو گی تو پرواہ نہیں۔ اللہ جبرئیل اور صالح المومنین (علی) ان کے مددگار ہیں اگر رسول تم کو طلاق دیدیں تو عنقریب ہی ان کا

پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیبیاں عطا کریگا جو فرمانبردار" ایماندار" مطیع توبہ کرنیوالیاں عبادتگزار" روزہ رکھنے والیاں بیاہی ہوئی اور بن بیاہی ہوئی کنواریاں ہوں۔ مسند احمد ابن حنبل میں مجاہد سے تحفہ اور مشارق میں عمر عاص سے اور مناقب ابن مردویہ میں ابن عباس اور اسما بنت عمیس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ صالح المومنین علی ہے نیز مختلف تفاسیر اور پروفیسر محمد پکتھال صاحب کے ترجمہ قرآن و توضیحی نوٹ سے بھی یہ امر واضح ہے کہ اس آیت میں حضرت علی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صالح المومنین کا لقب عطا فرمایا ہے انہیں آیتوں میں حضرت عائشہ اور حفصہ پر عتاب بھی فرمایا ہے۔ ان آیات عتاب الہٰی کا نزول ۹ھ میں ہوا جبکہ ان ازواج رسول کو آنحضرت کے ساتھ رہتے ہوئے سالہا سال گزر چکے تھے اور حقیقتاً رسولؐ کی حیات کا یہ آخری زمانہ تھا۔ کیونکہ ۱۱ھ کے ابتدائی مہینوں میں تو حضرت کی وفات ہی ہو گئی گویا ایک ہی سال بیچ میں گزرا۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رحمۃ اللعلمین کی خدمت میں سالہا سال کم و بیش آٹھ پہر رہنے کے باوجود بھی ان ازواج کی طبیعتوں پر آنحضرت کے فیض صحبت کا کس حد تک اثر پڑا تھا۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں" حافظ ابونعیم اور ابن ابی حاتم نے اپنی کتابوں میں اور سیوطی نے درمنثور میں اور متقی نے کنز العمال میں اسما بنت عمیس سے اور حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب ما نزل فی القرآن فی علی میں اور امام فخرالدین رازی نے اربعین میں اور نیز ابن مردویہ اور ابن عساکر نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ صالح المومنین حضرت علی ابن ابی طالب ہیں۔ ان آیات کے دوسرے حصّہ کے متعلق تفاسیر اور نیز پروفیسر محمد پکتھال کے توضیحی نوٹ میں مختلف روایات درج ہیں جن میں حضرت رسول کے ساتھ حضرت عائشہ اور حفصہ کے طریقۂ عمل کا ذکر ہے اس آیت کی تفسیر میں علامہ سیوطی تفسیر درمنثور میں بحوالہ روایات بخاری و مسلم لکھتے ہیں کہ ابن عباس حضرت عمر سے ہمیشہ دریافت کرتے تھے کہ وہ دو عورتیں کونسی ہیں جن کے متعلق قرآن شریف میں ہے کہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ حضرت عمر نے جواب دیا اے ابن عباس تعجب ہے کہ تم نہیں جانتے وہ عورتیں عائشہ اور حفصہ ہیں۔ مولوی قطب الدین صاحب مترجم مشکوٰۃ اپنے ترجمہ مظاہر حق جلد چہارم کے صفحہ ۱۶۵ پر لکھتے ہیں کہ۔ "بیویاں آنحضرت کی دو گروہ تھیں کہ متفق تھا مزاج ہر گروہ کا پس ایک گروہ تھا کہ اس میں حضرت عائشہ" حفصہ" صفیہ اور سودہ تھیں اور حضرت عائشہ انکی سردار تھیں۔ عائشہ و حفصہ آپس میں موافق اور رفیق ایک دوسرے کی تھیں جیسا کہ حضرت ابوبکر و عمر متفق و متحد تھے۔ دوسرے گروہ کی سردار ام سلمیٰ تھیں۔"

مسٹر پکتھال کی نقل کی ہوئی روایتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب رسول خدا کو ماہ ذیحجہ ۸ھ میں ماریہ قبطیہ کے بطن سے فرزند (حضرت ابراہیم) عطا ہوا تو حضرت عائشہ اور حفصہ کو برا معلوم ہوا۔ ایک دفعہ حفصہ کی باری کے دن ان کی عدم موجودگی میں حضرت رسولؐ نے ماریہ قبطیہ کو اپنی خدمت میں طلب فرمایا اس سے حفصہ کو برا معلوم ہوا اور یہ کہتی رہیں کہ اس لڑکے کو آپ کا ندھے پر بہت چڑھائے رہتے ہیں حالانکہ نہ وہ صورت میں آپ سے ملتا ہے۔

نہ شباہت وجسم میں ۔ دفع نزاع کے لئے رسول خدا نے فرمایا کہ میں ماریہ قبطیہ کے پاس نہ جاؤں گا مگر کسی سے نہ کہنا
مگر حفصہ نے حضرت عائشہ سے بیان کر دیا بخاری کی متعدد روایتوں میں مذکور ہے (ملاحظہ ہو تیسر البخاری پارہ ۲۰
باب تفسیر حصہ ۲۹ پارہ ۲۷ کتاب ایمان ص۲۲ و پارہ ۲۸ کتاب حیل ص۴۳) کہ اس کے بعد ہی ایسا ہوا کہ رسول خدا کے پاس کچھ
شہد آیا جسے آپ نے اپنی ایک زوجہ ام سلمٰی یا میمونہ بنت حارث بن عبد المطلب خواہر ام الفضل زوجہ عباس عم
رسول کے پاس رکھا دیا تھا۔ کبھی آپ وہاں جاتے وہ شہد کھا آتے۔ حضرت عائشہ و حفصہ کو یہ ناگوار گزرا کہ
آپ ام سلمٰی یا میمونہ کے گھر بیٹھا کریں چنانچہ دونوں نے آپس میں ایک بھید بنایا جب رسول خدا ام سلمٰی کے پاس سے
حضرت عائشہ کے پاس آئے تو حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ کے منہ سے مغافیر (ایک بدبودار گوند) کی بو آرہی ہے۔
رسول خدا نے فرمایا کہ میں نے تو سوائے شہد کے کچھ نہیں کھایا۔ تو حضرت عائشہ نے کہا کہ شاید شہد کی مکھیوں نے
مغافیر کے پھول چوسے ہونگے۔ اس کے بعد رسول خدا جب حفصہ کے گھر پہنچے تو انھوں نے بھی یہی کہا کہ آپ کے منہ سے
بدبو آرہی ہے آپ نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ میں نے تو صرف شہد کھایا تھا۔ مگر اب وہ شہد بھی نہ کھایا کرونگا مگر تم کسی
کہنا نہیں یہ اس خیال سے فرمایا کہ ام سلمٰی یا میمونہ کو برا نہ معلوم ہو مگر حضرت عائشہ و حفصہ نے تو بھید بنایا تھا انھوں نے
ایک دوسرے سے کہا کہ اب ہماری اسکیم کامیاب ہوگئی ان لوگوں کی اس گفتگو کی خبر اللہ تعالیٰ نے رسول خدا کو
فرمائی اور آپ نے جب ان دونوں سے پوچھا کہ تم نے ایک دوسرے سے کیوں کہدیا تو انھوں نے کہا آپ کو کسنے کہا
(یہ پورا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے) حضرت رسول نے فرمایا (تحریم آیت ۳) ما قال نبانی العلیم الخبیر یعنی جاننے
اور خبر رکھنے والے پروردگار نے مجھے خبر دی ہے اس کے بعد حضرت عائشہ و حفصہ کے متعلق وہ عتابی آیتیں نازل ہوئیں
جو اوپر درج کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرماتا ہے کہ اگر رسول خدا اپنی ان دو بیبیوں کو طلاق دیدیں تو
فوراً ہی ان سے بہتر صفات والی عورتیں مل سکتی ہیں۔ اگر عین اسی زمانہ میں ان سے بہتر صفات والی عورتیں جو
حضرت رسول کے نکاح میں آسکتی ہوں موجود نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ ابھی ان سے بہتر بیبیاں حضرت کو
مل سکتی ہیں۔ ان آیات میں اس کا بھی صاف اظہار ہے کہ حضرت رسول خدا کو اس قسم کی سازشوں اور طریقہ عمل سے
سخت تکلیف لاحق ہی ورنہ اللہ تعالیٰ محض کسی معمولی سی ایذا رسانی پر یہ نہ فرماتا کہ اگر تم رسول کی مخالفت کرتی
ہوئی تو کچھ پروہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جبرئیل صالح المومنین اور فرشتے حضرت رسول کے مددگار ہیں۔ ظاہر ہے کہ
آپ کی حساس اور نیک طبیعت پر اس قسم کی سازشیں انتہائی گراں گزرتی ہوں گی۔

فلپ ہٹی کا خیال حضرت عائشہ و حفصہ سے متعلق

فلپ۔کے۔ ہٹی اپنی کتاب ہسٹری آف عرب ہسٹری کے ص۲۷ پر یوں رقم طراز ہے:۔

"جب ماریہ قبطیہ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا اور محمد (صلعم) اسکو چاہنے لگے تو حفصہ و عائشہ نے ایک لڑائی کھڑی
کر دی جس کے نتیجہ میں ان کو طلاق ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اتنا اہم سمجھا کہ رسول کی ان

دونوں ازواجگان کی سرزنش کے لیے ایک آیت اُتارنے کی ضرورت داعی ہوئی"۔
نوٹ:۔ سورۂ تحریم کی آیات ۱ تا ۵ اسی سرزنش کی بابت ہیں۔

"When Mariya the Copt gave birth to a son and began to be favoured by Mohammed Hafsa and Aiysha put up a fight that almost led to divorce. The episode was considered important enough to warrant a revelation".

پروفیسر محمد یکتھال نے حضرت حفصہ کے متعلق یہ روایت بھی درج کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر سے ان کی بیوی نے سخت لہجے میں کلام کیا جو حضرت عمر کو ناگوار گزرا اور وہ خفا ہوئے حضرت عمر کی بیوی نے کہا کہ آپ مجھے کیا کہتے ہیں خود آپ کی بیٹی وغیرہ رسولِ خدا کی بیویاں اس سے زیادہ سخت گفتگو رسول خدا کے ساتھ کرتی ہیں۔ یہ سنکر حضرت عمر غصہ میں بھرے ہوئے اپنی صاحبزادی حفصہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا تم لوگ رسول اللہ کے ساتھ ایسے ہی درشت طریقہ سے پیش آتی ہو۔ حضرت عمر کو جو جواب دیا گیا اس کو پروفیسر محمد یکتھال نے اس طرح درج کیا ہے:۔

He was told to mind his own business which increased his horror and dismay.

مشکواۃ المصابیح ترجمہ کے صفحہ ۱ پر صحیح ترمذی اور صحیح نسائی کی روایت بزبانی انس ابن مالک اس طرح درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت حفصہ نے حضرت رسول کی زوجہ حضرت صفیہ سے کہا کہ تو یہودی کی بیٹی ہے۔ صفیہ رونے لگیں۔ حضرت رسولِ خدا تشریف لائے تو وہ ابھی رو رہی تھیں۔ حضرت رسول نے پوچھا تم کو کس نے رلایا۔ صفیہ نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت رسول نے فرمایا کہ صفیہ ایک نبی کی بیٹی ہے اور ایک نبی کی بھتیجی (اشارہ حضرت موسیٰ وہارون کی طرف تھا) ایک نبی کی بیوی ہیں پس کس چیز میں اور بہ سبب کونسی فضیلت کے فخر کرتی ہے حفصہ صفیہ پر۔ پھر فرمایا اے حفصہ ڈر تو اللہ سے ایک روایت اور درج ہے کہ حضرت رسول کی خدمت میں ایک کنیز آئیں جو زبان عربی سے پوری طرح واقف نہ ہوئی تھیں حضرت حفصہ نے ان سے کہا جب حضرت رسول تمہارے قریب آئیں تو تم یہ الفاظ کہنا (جن کا مطلب یہ تھا کہ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں) جب ان کنیز کو حضرت رسول نے اپنی خدمت میں طلب کیا تو انہوں نے حضرت حفصہ کے سکھائے ہوئے الفاظ یہ سمجھ کر دہرائے کہ یہ کوئی اچھی بات ہے حضرت رسول وہاں سے فوراً ہٹ گئے بعد میں وہ کنیز رونے لگیں۔ تب حضرت رسول کو اطلاع ہوئی کہ حفصہ نے یہ فریب بنایا تھا۔ تیسر البخاری پارہ ۱۹ باب تفسیر صفحہ ۱۱۴ پر حفصہ و حضرت عائشہ کے متعلق یہ روایت بھی درج ہے کہ ماہ رمضان سنہ ۳ ھ میں جب حضرت رسول حفصہ کے گھر تشریف رکھتے تھے قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت ام شریک بنت جابر

حضرت رسول کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ میں نے نہ کسی سے نکاح کیا ہے اور نہ کبھی زنا کیا ہے۔ میں اپنا نفس آپ کو بخشتی ہوں اگر آپ قبول فرمائیں۔ حضرت رسول نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حکم انتظار کرونگا حفصہ نے کہا اے عورت تو کس قدر بے حیا اور دلیر ہے کہ مردوں پر گری پڑتی ہے۔ حضرت رسول نے فرمایا کہ یہ تم سے بہتر ہے کہ اس نے خدا کے رسول کی رغبت کی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَامْرَاَۃً مُّؤْمِنَۃً اِنْ وَّھَبَتْ نَفْسَھَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَھَا (سورہ احزاب آیت ۵۰) (یعنی اور ہر ایماندار عورت بھی (حلال کردی) اگر وہ اپنے کو (بغیر مہر) نبی کو دیدے اور نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہتے ہوں۔

تیسر البخاری پارہ ۱۹ کتاب تفسیر صفحہ ۱۲۱ پر درج ہے کہ اس پر حضرت عائشہ نے کہا آپ کی جیسی خواہش ہوتی ہے خدا جلدی ہی ویسی کوئی آیت نازل کر دیتا ہے۔ حضرت رسول نے حضرت عائشہ سے فرمایا اگر تم بھی خدا کی فرمانبرداری کرو تو تمہاری خواہش کے موافق بھی جلدی کرے۔ حضرت رسول نے اس عورت سے نکاح فرمایا جس کے تین مہینہ بعد اس زوجہ رسول کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عائشہ نے بعض دفعہ حضرت رسول کی نبوت سے بھی انکار کیا اور کہا کہ اگر آپ نبی ہوتے تو ایسا ایسا نہ کرتے جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے جو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینیؒ نے یازدہ رسائل مطبوعہ میں سے رسالہ رویت وکرامات اولیائے صفحہ ۶ پر درج فرمائی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غنائم را قسمت می کرد ایک دامنی ازاں عائشہ گفت مرا بدہ۔ رسول اللہ صلعم در قسمت انداخت عائشہ گفت و کنت نبیا لعاطنی کما تعامل الانبیاء مع نسائھم یعنی اگر تو پیغمبری بودی بامن آن معاملہ می کردی کہ انبیا بازنان خود کردند۔ ابوبکر کہ پدر او ست طپانچہ زود گفت ھو النبی۔ او پیغمبر است!

اسی قسم کی ایک روایت امام غزالی احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۲۱ مطبوعہ نولکشور پر درج کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ حضرت رسول سے کہتی تھیں ولا تقل الا الحق فلطمھا ابوبکر حتی دمی فوھا وقال یا عدوۃ نفسھا او یقول غیر الحق" یعنی حضرت عائشہ حضرت رسول سے کہتی تھیں سچ ہی بولا کیجئے۔ حضرت ابوبکر نے عائشہ کے منہ پر طمانچہ مارا کہ خون نکلنے لگا اور کہا اے اپنے نفس کی دشمن کیا رسول خلافِ حق بھی کبھی فرما سکتے ہیں۔ تاریخ ابوالفدا اور صحیح بخاری کی یہ روایت بھی قابل ملاحظہ ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب میرے یہاں تشریف لائے۔ میں اس وقت دردِ سر کی شدت سے وا راساہ کہہ رہی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ کاش اسی دردِ سر میں میرے سامنے تم مرجاتیں میں تمہارے لئے استغفار کرتا اور نماز پڑھ کر تم کو دفن کرتا۔ حضرت نے پھر فرمایا اے عائشہ میں خود دردِ سر میں مبتلا ہوں۔ میں نے کہا واللہ میرا تو یہ گمان ہے کہ میری تجہیز وتکفین سے فارغ ہوتے ہی آپ میرے گھر میں کسی دوسری بی بی سے ہم صحبت ہوں گے۔ حضرت عائشہ وحفصہ رسول خدا کی دوسری بیویوں پر بھی اعتراض کیا کرتی تھیں صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت رسول خدا ہمیشہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ بنت خویلد حضرت رسول کے گھر آئیں حضرت رسول ان کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا یا اللہ یہ تو ہالہ ہیں

اس پر حضرت عائشہ نے جناب رسولِ خدا سے کہا کہ قریش کی بوڑھیوں میں سے اس بڑھیا کو آپ یاد ہی کرتے رہیں گے جس کے دانت گر گئے تھے اور جس کے گالوں کی سُرخی جاتی رہی تھی اور جس کی رانیں سوکھ گئی تھیں حالانکہ خدا نے آپ کو اس سے بہتر عورت (یعنی خود حضرت عائشہ) دی ہے۔ حضرت رسول نے فرمایا تم کو نہیں معلوم وہ تھیں ہی ایسی اور وہ دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہیں۔ بخاری نے بھی حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت رسول کی بیویوں میں سے خدیجہ سے بڑھکر کسی بیوی پر رشک نہیں کیا حالانکہ خدیجہ مر چکی تھیں اور میں نے ان کو دیکھا تک نہیں تھا۔ طبقات ابن سعد جلد ۸ ص۶۵ پر ابن عون سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں اور صفیہ گالیاں دیا کرتی تھیں میں نے صفیہ کے باپ کو گالی دی صفیہ نے میرے باپ کو گالی دی۔ پروفیسر محمد یکتھال بحوالہ روایات لکھتے ہیں کہ آپ کی زوجگان کی طرف سے ایذا رسانی کے واقعات ہونے پر حضرت رسول اپنی بیویوں سے کچھ عرصہ کیلئے علیٰحدہ ہو گئے اور یہ خیال کیا گیا کہ آپ اپنی بیویوں کو طلاق دے رہے ہیں۔ حفصہ کو طلاق رجعی دینے کا واقعہ صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین نے بھی لکھا ہے اور استیعاب اور تاریخ الخمیس میں ہے کہ حضرت نے حفصہ کو طلاق دیدی اور تنگ آ کر قسم کھائی کہ ایک ماہ تک بیویوں سے تعلق نہ رکھونگا اور ایک حجرہ میں علیٰحدہ سکونت گزیں ہو گئے اور پورے ایک ماہ اپنی بیویوں سے علیٰحدہ رہے۔ یہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا اور یہ سنہ ۹ھ کے واقعات ہیں۔ قابل غور ہے کہ حضرت رسول خدا جیسی متحمل مزاج خلق مجسم رحمت عالم ہستی کا کسی بیوی کو طلاق دے دینا یا بیویوں سے کنارہ کشی اختیار فرمانا اور وہ بھی اپنی حیات کے آخری زمانہ میں کوئی بلا سبب واقعہ نہیں ہو سکتا۔

ولیم میور اور ڈیون پورٹ کا بیان

سر ولیم میور اپنی کتاب محمدؐ اینڈ اسلام کے ص۲۲۶ پر حضرت رسول کے مرض موت کی حالت میں حضرت عائشہ سے یہ کہنے پر کہ کاش تم میری زندگی ہی میں مر جاتیں عائشہ نے جواب دیا "مرے کوئی اور میں کیوں مروں۔ عائشہ نے تنک کر کہا۔ ہاں اب مجھے معلوم ہوا آپ تو میرا مرنا ہی چاہتے ہیں۔ میں تو صاف دیکھ رہی ہوں کہ جب سب ختم ہو جائے تو سیدھے اسی کمرہ میں واپس آ کر آپ کسی اور خوبصورت عورت کے ساتھ گلچھرے اڑائینگے" محمد (صلعم) مسکرائے مگر شدتِ مرض کے سبب جواب دینے کے قابل نہ تھے۔ اصل عبارت یہ ہے:-

'That happen to another and not to me', said Aiyesha archly adding 'Ah that I see is what thou wishest for truly I can see thee, when all was over, returning straight way hither and sporting with a new beauty in my chamber here'. He smiled but was too ill for a rejoinder'.

ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ کا عائشہ سے یہ فرمانا کہ کاش تم میری زندگی میں ہی مر جاتیں ان تمام وجوہات کی

بناء پر تھا جو یہ چشم رسالت آپ دیکھ رہے تھے کہ خدا و رسول کے حکم کے خلاف حضرت عائشہ وصی رسول سے جنگ کرنے طلحہ وزبیر کے ساتھ کئی سو میل کا سفر طے کر کے میدان میں اتر رہی ہیں اور شکست کھانے کے بعد بھی جنگ حضرت علی کی طرف سے طلاق جاری کرنیکی تہدید نہ ہو واپس جانے تیار نہیں ہیں ادھر حضرت رسول کے پیش نظر تو یہ امور تھے اُدھر حضرت عائشہ آنحضرت کے مرض الموت میں جبکہ باسباب ظاہر آپ جواب دینے کے بھی قابل نہ تھے یہ کہتی ہیں کہ مجھے دفن کرنے کے ساتھ ہی آپ کسی اور عورت کے ساتھ وقت گزار ینگے ۔

جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب این اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن کے صـ۲۹ پر معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :- "حضرت عائشہ نے ادعا کیا کہ یقیناً حضرت رسول نے کوئی خواب دیکھا ہوگا کیونکہ وہ اس رات جبکہ معراج کا سفر بیان کیا جاتا ہے ان کے ساتھ بستر ہی میں تھے" اصل عبارت یہ ہے :-

"Ayesha declared that It (Me-raaj) must have been a dream, Mohammed having been in bed with her throughout the night on which the journey was said to have been performed'.

ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رسول اللہ کے معراج کے واقعہ کو محض ایک خواب سمجھتی تھیں اور نہ صرف حضرت رسول کی بات پر یقین نہ تھا بلکہ جیسا کہ دیگر مقام پر درج کیا گیا آپ کی رسالت میں بھی حضرت عائشہ کو شک تھا بلکہ اللہ پر بھی شک تھا کہ وہ حضرت رسول سے کہتی تھیں کہ کسی عورت کو بیوی بنانے سے متعلق آپ کی جیسی مرضی ہو اللہ جلدی ہی ویسی آیت اتار دیتا ہے (ان واقعات کی تفصیل اس کتاب میں علیحدہ آئی ہے)

صحیح بخاری میں یہ روایتیں بھی موجود ہیں کہ حضرت رسول خدا نے حضرت عائشہ اور حفصہ کو یوسف کی ہمنشیں عورتوں سے تشبیہ دی اور حضرت عائشہ سے فرمایا کہ کاش اسی درد سر میں میرے سامنے تمہارا انتقال ہو جاتا اور میں تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتا۔ یہ بھی بخاری ہی کی روایت ہے کہ حضرت رسول نے حضرت عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا کہ اسی گھر سے فتنے اٹھیں گے اور شیطان کا سر یہیں سے نمودار ہوگا۔

فضل الباری ترجمہ صحیح بخاری مترجمہ مولانا فقیر اللہ صاحب پارہ ۱۲ صـ۱۰۸ پر باب ما جاء فی بیوت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما نسب من البیوت الیہن (یعنی بیان میں اُن حدیثوں کے کہ وارد ہوئی ہیں متعلق گھروں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور جو گھر کہ نسبت کئے گئے ہیں طرف ہر ایک کی ان میں سے) کے تحت عبداللہ بن عمر سے حسب ذیل روایت درج ہے۔ عن عبداللہ بن عمر قال قام النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطیبا فاشارہ نحو مسکن عائشہ فقال ھنا الفتنۃ ثلاثا من حیث یطلع قرن الشیطان ۔ ترجمہ عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ

حضرت رسول خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے پس عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کیا اور تین بار فرمایا کہ اس جگہ سے فتنہ پیدا ہوگا اس جگہ سے ہی شیطان کا سینگ نکلے گا۔ تیسر البخاری ترجمہ صحیح بخاری ترجمہ وحید الزماں صاحب پارہ ۱۲ باب جہاد و سیر ص۶۸ پر بھی روایت درج ہے بعض روایتوں میں آخری الفاظ قرن الشیطان (شیطان کا سینگ) کی بجائے "راس الشیطان" (شیطان کا سر) پائے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم جلد ۲ مطبوعہ کلکتہ ص۳۷۷ اور تیسر البخاری ترجمہ صحیح بخاری مولوی وحید الزماں پارہ ۱۸ کتاب مغازی ص۳۲ و پارہ ۲۳ کتاب طب ص۸۰ کی ایک اور روایت بھی قابل ملاحظہ ہے جو حضرت عائشہ ہی کی زبانی ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے پیغمبر خدا کو ان کے مرض (موت) میں دوا پلانی چاہی۔ حضرت نے اشارہ سے منع کیا کہ مجھ کو یہ دوا نہ پلائیے میں نے کہا جس طرح مریض کو دوا سے نفرت ہوتی ہے (حضرت کو بھی نفرت ہوگئی) میں نے وہ دوا منہ کھول کر ڈال دی (حضرت کو اس کے بعد غش آگیا) جب غش سے افاقہ ہوا تو فرمانے لگے میں نے منع کیا تھا پھر کیوں پلائی پھر حکم دیا کہ سب کو یہی دوا پلائی جائے۔ سوائے عباس کے کہ وہ تم لوگوں میں شریک نہ تھے۔

اس روایت سے یہ امر صاف طور پر مترشح ہے کہ حضرت رسول کو شبہ تھا کہ آپ کو کوئی زہریلی شئے دی جا رہی ہے ورنہ نہ تو اس دوا کے پلانے سے جو حضرت عائشہ پلا رہی تھیں منع فرماتے اور نہ پھر غش سے افاقہ ہونے کے بعد یہ فرماتے کہ باوجود منع کرنے کے کیوں پلائی اور نہ یہ حکم فرماتے کہ تم سب جو دوا پلانے میں شریک تھے اس دوا کو پیو اور حضرت عباس کو اس حکم سے مستثنے کر دیتے کیونکہ وہ دوا پلانے میں شریک نہ تھے۔ بہرحال متعدد روایتیں ایسی ہیں جو صاحبان فکر کو بین السطور پڑھنے کی دعوت دیتی ہیں۔

جو روایت حضرت عائشہ کی فضیلت سے متعلق بخاری میں درج ہے وہ یہ ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ "فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الاطعمۃ" یعنی عائشہ کو دوسری عورتوں پر ایسی ہی فضیلت ہے جس طرح شوربہ میں بھیگی ہوئی روٹی (ثرید) کو دوسری غذاؤں پر ہوتی ہے"۔ ظاہر ہے کہ حضرت رسول خدا کا اس طرح فرمانا حضرت عائشہ کی کم عمری یا حسن ظاہری کی وجہ سے محض آپ کی جسمانی تعریف سے متعلق تھا روحانی صفات یا نیکی مزاج یا فضیلت دینی کا اس میں مطلقاً کوئی پہلو نہیں ہے جیسے کہ حضرت رسول نے ہمیشہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی نیکیوں کی تعریف کی اور دنیا و آخرت میں ان کو اپنی بیوی کہا اور واضح ارشادات اس بارے میں فرمائے کہ حضرت فاطمہ زہرا تو سیدۃ النساء العلمین ہی ہیں مگر آپ کی والدہ جناب خدیجہ کا درجہ بھی اس امت میں ایسا ہے جیسا مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کا اپنے زمانہ کی امت کی عورتوں میں تھا۔ بجز جناب خدیجہ کے اپنی کسی ایک بیوی کی اس کی عشر عشیر تعریف بھی حضرت رسول نے نہیں فرمائی۔ اب ذرا اس سے ہٹ کر غور فرمائیے کہ اپنی صاحبزادی جناب فاطمہ زہرا کے متعلق رسول خدا نے کیا فرمایا اور کس طرح اپنی صاحبزادی کی تعظیم ہمیشہ سروقد اٹھ کر فرماتے رہے اور پھر قرآن میں ان کے متعلق کیا نازل ہوا اس کا ذکر اس کتاب میں اپنے مقام پر

علیحدہ آیا ہے لایق غور ہے کہ جناب سیدہ عالم کی ان مسلمہ عظمتوں کے باوجود بھی حضرت عبدالقادر جیلانی اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت عائشہ کو افضل النساء تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں یہ بھی لکھتے ہیں یوم عاشورہ فرح اور سرور کا دن ہے بروز عاشورا غم نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ یہ فعل روافض کا ہے۔ اس روز خوشی اور شادمانی کرنی چاہیئے ایسا کرنے سے اہل سنت کو ثواب ملے گا۔ یہاں یہ اشارہ کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ حضرت عبدالقادر جیلانی سے عقیدت کا اظہار کرنے والے بہت سے بزرگ خود اس امر میں حضرت عبدالقادر جیلانی سے اختلاف رکھتے ہیں اور غم حسین کو سنت رسول اور ایمان کی نشانی جانتے ہیں جیسا کہ ہم نے بہت سے اہل طریقت کے اشعار اس کتاب کے دوسرے مقام پر نقل کئے ہیں۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ جس بزرگ سے عقیدت ہو وہ کہے یوم شہادت حسین سرور اور شادمانی کا دن ہے اور اس دن خوشی منانی چاہیئے اور اسکے عقیدت مند کہیں کہ خوشی کا کیا ذکر غم منانا چاہیئے خیالات میں یہ بعد المشرقین قابل غور ہے۔

اصلی بات تو یہ ہے کہ اگر حضرت عبدالقادر جیلانی سے کسی کو عقیدت ہے تو وہ رسول کے نواسہ کے تین دن کا بھوکا پیاسا قتل کئے جانے پر سرور و شادمانی منائے اور اس کو ذریعہ ثواب سمجھے اور بجائے اس کے اگر غم حسین منانے کو سنت رسول اور نشانی ایمان سمجھے تو پھر حضرت عبدالقادر جیلانی سے عقیدت کے کیا معنی۔ یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ بعض کم علم یا متعصب لوگ یہ کہتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ہی نہیں ہے مگر اہل سنت کی کتب معتبرہ مثلاً کشف الظنون و شرح فقہ اکبر و ترجمہ فتوح الغیب و مکتوبات شیخ سرہند مجدد الف ثانی و تفہیمات الٰہیہ وغیرہ میں قطعی طور پر محقق کر دیا گیا ہے کہ یہ تصنیف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی ہے۔

۶۔ امامت جن و انس سب پر حاوی ہوتی ہے۔

۱۲۴۔ آیت امام مبین وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ (سورہ یٰسین آیت ۱۲) ترجمہ:۔ "اور پھر ہر چیز کو ہم نے ایک روشن امام کے احاطہ (اقتدار) میں گھیر دیا ہے۔"

روایت میں ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابوبکر و عمر نے حضرت رسول خدا سے پوچھا کہ امام مبین توریت ہے فرمایا نہیں پھر پوچھا انجیل ہے فرمایا نہیں پھر پوچھا قرآن ہے فرمایا نہیں۔ اتنے میں حضرت علی سامنے سے تشریف لائے تو رسول خدا نے فرمایا یہ امام مبین ہے اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو علامہ جلال الدین سیوطی نے بیان کی ہے کہ عبد بن حمید ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ سے اس بارہ میں کی ہے کہ ہر چیز ایک پیشوا امر میں خدا کے نزدیک محفوظ ہے (دیکھو درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۶۱) اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام ہوتا ہے جس کے حیطہ اقتدار میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو گھیر دیا ہے۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں سورہ احقاف (سورہ جن کی آیات جن کا ذکر کتاب ہذا کے باب اوّل میں کیا گیا ہے)

باب چہارم

احادیث متعلقہ اہل بیت و ائمہ طاہرین علیہم السلام

اس باب میں ہم ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی مختلف خصوصیات کی نسبت جن کا ذکر ہم نے باب سوم کی ابتدا میں کیا ہے علٰحدہ علٰحدہ عنوان کے تحت احادیث درج کرتے ہیں۔

۱۔ احادیث متعلقہ امامت ائمہ اہل بیت علیہم السلام

۱۔ حضرت رسول خدا کا اپنے بارہ خلفاء کے نام ظاہر فرمانا

کتاب روضۃ الاحباب میں محدث میر جمال الدین حسینی نے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ جب آیت یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم نازل ہوئی تو میں نے حضرت رسول خدا سے عرض کیا کہ میں نے خدا اور رسول کو تو پہچانا مگر اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت کو خدا نے فرض کیا ہے۔ اس پر رسول خدا نے ارشاد فرمایا:۔ ھُم خلفائی من بعدی اولھم علی ابن ابی طالب ثم حسن ثم حسین ثم علی ابن الحسین ثم محمد ابن علی المعروف فی التوراۃ بالباقر وستدرکہ یا جابر فاذا لقیتہ فاقرءہُ منی سلام ثم الصادق جعفر ابن محمد ثم موسی ابن جعفر ثم علی ابن موسیٰ ثمَّ محمد ابن علی ثم علی ابن محمد ثم حسن ابن علی ثم حجۃ اللہ فی الارضؑ

یعنی میرے خلفاء میرے بعد یہ ہیں ان میں سے اول علی ابن ابی طالبؑ پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر علی ابن الحسینؑ پھر محمد ابن علی جو توراۃ میں باقر کے نام سے موسوم ہیں اور سمجھ رکھو اے جابر جس وقت تمہاری ان سے ملاقات ہو تو میری طرف سے ان کو سلام کہنا۔ پھر صادق جعفر ابن محمد پھر موسیٰ ابن جعفر پھر علی ابن موسیٰ پھر محمد ابن علی پھر علی ابن محمد پھر حسن ابن علی اور پھر محمد ابن حسن (مہدی) زمین پر اللہ کی حجت۔

۲۔ روایت عبداللہ ابن عباس نسبت دوازدہ خلفاء

اخطب خوارزمی، حموینی جوینی و ابن بجارہ عبداللہ بن احمد نے اپنی اپنی کتابوں میں اور شعبی نے کشف الغمہ میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی نعثل نامی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد تین باتوں کی جستجو میں مجھے خلش لاحق ہے۔ اگر آپ ان کا جواب دیں تو میں اسلام قبول کروں گا وہ یہ کہ ہمارے پیغمبر موسیٰ عمران کے بارہ نقیب تھے اور یوشع بن نون کو ہمارے پیغمبر نے

اپنا وصی کیا تھا۔ پس خبر دیجئے کہ آپ کا وصی کون ہے اور ان کے بعد حاکم کون ہیں۔ رسولِ خدا نے فرمایا کہ ہاں میرے مرنے کے بعد وصی اور خلیفہ میرے علی ابن ابی طالب ہیں اور ان کے بعد ان کے دونوں فرزند حسنؑ و حسینؑ اور ان کے بعد علیؑ ابن الحسینؑ اور ان کے بعد محمد باقر اور ان کے بعد جعفر صادقؑ اور ان کے بعد موسیٰ کاظم اور ان کے بعد علی الرضاؑ اور ان کے بعد محمد جواد اور ان کے بعد علی الہادی اور ان کے بعد حسن عسکریؑ اور ان کے بعد محمد حجت اللہ مہدی۔ پس یہ بارہ امام ہیں نقبائے بنی اسرائیل کے برابر۔ یہودی نے پوچھا مسکن ان کا کہاں ہوگا حضرت نے فرمایا جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں۔ یہ سن کر یہودی نے کہا بیشک یہ اوصیائے برحق ہیں ایسا ہی میں نے توریت میں پڑھا ہے۔ کہ نبی آخر الزماں پیدا ہوں گے اور نام ان کا احمد ہوگا اور بعد ان کے نبوت نہ ہوگی اور ان کی نسل سے ائمہ ابرار پیدا ہوں گے۔

۳۔ روایت سلمان متعلقہ ائمہ طاہرین

اخطب خوارزم نے مناقب میں اور سید علی ہمدانی الشافعی نے المودات میں حضرت سلمان سے روایت کی ہے کہ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جناب حسینؑ آپ کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور ان کی آنکھوں اور منہ کو چوم رہے ہیں اور فرماتے ہیں تو سید ہے اور سید کا بیٹا ہے اور تو امام کا بیٹا امام ہے اور حجت کا بیٹا حجت ہے اور تو (۹) حجتوں کا باپ ہے اور نواں ان کا قائم آل محمد ہے۔

۴۔ روایت عبداللہ ابن مسعود نسبت دوازدہ خلفاء

احمد و بزار نے لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا کہ اس اُمت کے کتنے خلفاء ہوں گے۔ ابن مسعود نے کہا میں نے حضرت رسولِ خدا سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا بارہ جتنے بنی اسرائیل کے نقیب تھے۔

حضرت عیسیٰ کے بھی بارہ حواری تھے جن کا ذکر سورۂ آل عمران کی آیت ۵۲ میں اس طرح ہے۔ قال الحواریون نحن انصار اللّٰہ اٰمنا باللّٰہ واشھد باَنّا مسلمون ۝ یعنی حواریوں نے کہا ہم خدا کے انصار ہیں اور ہم خدا پر ایمان لائے اور (عیسیٰ سے کہا) آپ گواہ رہیئے کہ ہم مسلم (فرمانبردار) ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے بارہ نقیب مقرر کئے جانے کا ذکر قرآن شریف میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیت ۱۲ ہے۔ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا (ترجمہ) اور ہم نے ان میں (بنی اسرائیل) سے بارہ نقیب مبعوث کئے۔ واضح رہے کہ باری تعالیٰ نے اپنی جانب سے بارہ نقیب مبعوث کرنے کے ارشاد میں "بعثنا" کے وہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو قرآن شریف میں پیغمبروں کے مبعوث کئے جانے کے متعلق آئے ہیں۔ جیسا کہ سورہ یونس کی آیات ۷۵، ۷۴ میں آیا ہے "ثم بعثنا من بعدہ رسلاً الیٰ

قومھمُ یا بعثنا من لبعدھم موسیٰ وھارون ؕ اس طرح یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ بارہ نقیب لوگوں کے مقرر کردہ یا خود حضرت موسیٰ کے بھی مقرر کردہ نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے مبعوث فرمائے ہوئے تھے۔ حضرت رسول نے اپنے بارہ خلفاء کی مثال اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ ان ہی بارہ نقباء سے دی ہے۔ جس کا صاف منشاء یہی ہے کہ حضرت رسولؐ کے بارہ خلفاء بھی اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ ہیں۔ یہ امر اس سے بھی واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے نہ صرف حضرت علی اور شہزادگان حسنؑ حسینؑ کو جو آپ کے سامنے موجود تھے اپنے خلفاء فرمایا بلکہ ایسے مزید ۹ خلفاء کے نام ظاہر فرمائے جو بعد وفات حضرت رسولؐ حضرت حسینؑ کی نسل سے آئندہ پیدا ہونے والے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت رسول خدا نے اپنے بارہ خلفاء کے یہ نام علم وہبی اور اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کی بناء پر ہی فرمائے تھے۔ آپ کے کلام کی شان ہی یہ ہے کہ ما ینطق عن الھوا ان ھوا الّا وحی یوحیٰ۔

۵۔ حدیث من کنتُ مولاہ فعلی مولاہ

حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ۱۸ ذالحجہ ۱۰ھ کو بمقام غدیر خم حضرت رسولِ خدا نے مسلمانوں کے ایک یادگار عظیم الشان مجمع میں کہ جتنا مجمع آپ کے کسی اور خطبہ کے وقت کبھی نہ ہوا تھا میدان میں چلچلاتی دھوپ میں اونٹوں کے کجاؤں کا منبر بنا کر الست اولیٰ بکم من انفسکم فرما کر پورے مجمع سے اپنے اولیٰ با لتصرف ہونے کا اقرار لینے کے بعد حضرت علیؑ کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے فرمایا:۔

من کنتُ مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ وعادِ مَن عاداہُ وانصر من نصرہٗ واخذل من خذلہ وادرِ الحق معہ حیث دار ؕ ترجمہ:۔ جس کا میں مولا ہوں پس اس کا یہ علیؑ مولا ہے یا اللہ جو اس کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس کو دشمن رکھ اور جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو اس کو چھوڑ دے تو بھی اسے چھوڑ دے اور پھیر تا حق کو اس طرف جدھر علیؑ پھرے۔

اس حدیث کو جو متفق علیہ ہے ہم نے باب سوم میں آیات یا ایھا الرسول بلغ ما اُنزل الیک.....الخ اور الیوم اکملت لکم دینکم...... الخ کے ساتھ کسی قدر تفصیل سے درج کیا ہے ناظرین وہاں ملاحظہ فرمائیں بایں ہمہ اس نکتہ کو دہرا دینا بے محل نہ ہوگا کہ حضرت رسولؐ نے الست اولیٰ بکم من انفسکم فرما کر سب مومنین پر اپنے اولیٰ با لتصرفِ ہونے کا جو اقرار لیا اس میں اپنے اسی حق و اقتدار کی طرف اشارہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو النبی اولی بالمومنین من انفسھم (سورۂ احزاب آیت ۶) (یعنی نبی سب مومنوں پر خود اُن سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے) فرما کر عطا فرمایا ہے۔ حضرت رسول نے اس آیت ہی کے الفاظ کو دہرا کر اس امر کو واضح فرما دیا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں آپ نے لفظ مولا سرپرست حاکم اور اولیٰ با لتصرف ہی کے معنوں میں استعمال فرمایا ہے نہ کہ کسی اور معنوں میں جیسا کہ بعض مخالفین علی معنی

نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں ہم مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۴۱۹ کی ایک روایت کا بھی حوالہ دے دیتے ہیں جو اسی سلسلہ کی ہے ایک مرتبہ جب حضرت علی علیہ السلام کوفہ سے قریب رُجبہ کے میدان میں تشریف فرما تھے چند سرداران قبیلہ بشمول ابوایوب انصاری حاضر خدمت ہوئے اور اسلام علیک یا مولا کہکر سلام کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا آپ لوگ مجھے مولا سے کس بنا پر مخاطب کرتے ہیں۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے حضرت رسول کے غدیر خم کے خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ و ریاض النضرۃ جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ و اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۸ پر اسی کی ہم معنی حدیث اس طرح روایت ہوئی ہے کہ حضرت رسول خُدا نے فرمایا میں جس کا ولی ہوں علیؑ اس کا ولی ہے۔ یا اللہ دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے علیؑ کو اور دشمن رکھ اس کو جو مخالفت کرے علیؑ کی کنز العمال صفحہ ۲ ۳ پر روایت اس طرح آئی ہے جو شخص میری رسالت پر ایمان رکھتا ہے اور میری اطاعت کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ علیؑ کو اپنا ولی جانے کیونکہ علیؑ کی ولایت میری ولایت ہے اور میری ولایت اللہ کی ولایت ہے۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۰ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ و اُسدُ الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۸ پر اس طرح روایت ہے۔ یا علی تم میرے بعد مومنین کے سرپرست اور آقا ہو۔ ازالۃ الخفاء میں بروایت عبداللہ ابن عباس یہ حدیث اس طرح درج ہے:۔ قال لہٗ (بعلی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت ولی کل مومن بعدی و مومنۃ یعنی یا علی میرے بعد تم جملہ مومنین اور مومنات کے سرپرست و آقا ہو فضل ابن روزبہان اُن علمائے اہلسنت میں سے ہیں جنہوں نے مناقب اہل بیت رسول علیہم السلام پر پردہ ڈالنے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔ چنانچہ علامہ حلی کی کتاب کشف الحق و نہج الصدق کے جو ولایت وامامت جناب امیر علیہ السلام کے ثبوت میں لکھی گئی ہے فضل ابن روزبہان نے ابطال الباطل کے نام سے کتاب لکھی ہو گویا امامت جناب امیر علیہ السلام کو باطل ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے مگر بمصداق حق برزبان جاری ابن روزبہان بھی صاف صاف اس طرح تسلیم کرتے ہیں "یہ جو روایت کی ہے کہ رسول خدا صلعم نے اس حدیث (من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ) کو بروز خم غدیر اس وقت فرمایا جب کہ جناب علیؑ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اور کہا الست اولیٰ بکم پس یہ روایت صحاح میں ثابت ہے بہ تحقیق کہ ہم نے اس کا ذکر شرح کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں بھی کیا ہے جس کا مجمل یہ ہے کہ واقعۂ غدیر خم بوقت آخری رسول خدا صلعم واقع ہوا اور چونکہ مقام غدیر خم قبائل عرب کے علٰحدہ ہونے کی جگہ تھی اور آنحضرت جانتے تھے کہ آپ کی عمر آخر ہے اور اب اس کے بعد پھر آپ کے پاس اس قدر قبائل کبھی جمع نہ ہوں گے پس آپ نے یہ قصد فرمایا کہ اہل عرب کو اس امر کی وصیت کر دیں کہ وہ آپ کے اہلبیت و قبیلہ سے محبت قائم رکھیں اور اس امر میں کچھ شک نہیں ہے کہ علی بعد رسولِ خدا سید بنی ہاشم و بزرگ ترین اہل بیت رسول تھے پس اسی وجہ سے آنحضرت نے علیؑ کے فضائل بیان کئے اور ان کو اپنے نفس کا مساوی قرار دیا ولایت و نصرت و محبت میں تاکہ عرب ان کو اپنا سردار مانیں اور اُن کے فضل و کمال کا اعتراف کریں"۔

یہ سب کچھ لکھتے ہوئے بھی ابن روزبہان لکھتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کے الست اولیٰ بکم کا اقرار لوگوں سے

یعنی بعض کنت مولاہ فھذا علی مولاہ فرمانے کی بنا پر علی کی خلافت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ سب کچھ اقرار کرتے ہوئے بھی یہ سمجھ سے باہر ہے کہ آخر یہ لوگ انکار کس چیز کا کرتے ہیں۔ کہنا پڑتا ہے کہ تمام باتوں کا اقرار کرتے ہوئے جن سے انکار کی کوئی گنجائش نہ ہو پھر بھی انکار کا لفظ زبان یا قلم سے نکالنا بجز جناب امیر علیہ السلام سے اپنے دل کی کد اور بغض کے اظہار کے اور کچھ نہیں ہے۔

۶۔ حدیث ثقلین

حدیث ثقلین صحاح ستہ اور دیگر متعدد کتب حدیث میں روایت ہوئی ہے اور متفق علیہ بین الفریقین ہے۔ یہی حدیث الفاظ کے ذرا ذرا فرق کے ساتھ جس سے اصل معنی میں کوئی فرق نہیں آتا مختلف طریقوں پر مندرج ہے۔ چنانچہ احمد ترمذی، حاکم اور نسائی نے زید ابن ارقمؓ طبرانی نے زید ابن ثابت سے، احمد طبرانی اور ابویعلی نے ابوسعید خدری سے ترمذی نے جابر بن عبداللہ انصاری سے احمد اور بزانی نے زید بن اسلم سے، اسحاق بن راہویہ، بزار اور الدولابی نے حضرت علی سے ترمذی نے ابوذر غفاری سے ابن مندہ نے ابورافع ابوطفیل اور ام سلمیٰ سے بزار نے ابوہریرہ سے اور نیز ام ہانی بنت ابی طالب سے اور ابن مندہ وابوموسیٰ المدائنی اور طبرانی نے عامر بن ابی لیلیٰ، حذیفہ بن اسید اور زید بن ارقم سے اور ابوالحسن یحییٰ نے اخبار المدینہ میں محمد بن عبدالرحمٰن سے حدیث ثقلین کو مختلف تفصیلات کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ پر بھی یہ حدیث روایت ہوئی ہے۔ اس حدیث کے مزید بے شمار حوالے ہیں جن میں سے ہم چند کو یہاں درج کر دیتے ہیں:۔ صحیح مسلم جلد ہفتم ص۱۲۲ سنن ابی داؤد جزو دوم ص۲۰۷ مستدرک حاکم جلد سوم ص۱۰۹ حلیۃ الاولیا حافظ ابونعیم جلد اول ص۳۵۵ تذکرۃ الخواص الامہ سبط ابن جوزی ص۳۲۴ اسد الغابہ ابن اثیر جزری ص۱۲ و ۱۴۷ جمع بین الصحیحین حمیدی، جمع بین الصحاح رزین، تلخیص مستدرک ذہبی عقد الفرید ابن عبدربہ ص۱۵۸ و ۳۴۴ فرائد السمطین حموینی مناقب سمعانی و ابن مغازلی، طبقات ابن سعد جلد ۴ ص۸ تفسیر کشف البیان ثعلبی تفسیر کبیر فخرالدین رازی تحفہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، کفایت الطالب محمد بن یوسف کنجی، مطالب السئول محمد ابن طلحہ شافعی، ینابیع المودہ سلیمان بلخی حنفی ص۳۲ نورالابصار شبلنجی ص۲۹ فصول المہمہ نورالدین صباغ مالکی ص۲۵، مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی، صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۷۵۔ صحیح ترمذی بروایت جابر بن عبداللہ انصاری وابوذر غفاری و ابوسعید خدری و زید ابن ارقم و حذیفہ بن اسید۔ مسند احمد ابن حنبل جلد ۲ ص۱۷ کنزل العمال جلد ۷ ص۱۱۲ طبری ذخائر العقبیٰ ص۱۶ و ۲۳ ذہبی تلخیص مستدرک سنن دارمی جلد ۲ ص۴۳۲ خصائص النبوۃ نسائی ص۳۰ صحیح ابن ماجہ قزوینی باب ۲۱ ص۱۳۰ عقد الفرید ابن عبدربہ جلد ۲ ص۱۵۸ و ۳۴۶ رزین الجامع بین الصحیح۔ انسان العیون حلبی شافعی جلد ۳ ص۳۰۸ تفسیر نیشاپوری جلد ۱ ص۳۴۹ تفسیر خازن جلد ۱ ص۲۵۷ بضمن آیہ مودت و واعتصموا بحبل اللہ و استغفر لکم ایہا الثقلان تفسیر ابن کثیر حصہ ہفتم ص۱۱۳ بضمن آیہ مودت و حصہ سوم ص۴۸۵ بضمن آیہ تطہیر و حصہ پنجم و ششم بضمن حدیث غدیر شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید بضمن معنی عترت۔ مصابیح السنۃ۔ بغوی شافعی جلد ۲ ص۲۰۵ و ۲۰۶

حجۃ الوداع کے مناسک ادا کرنے کے بعد مکہ میں بروز عرفہ (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ) حضرت رسولِ خدا نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اسی خطبہ میں یہ حدیث ثقلین ارشاد فرمائی۔

ہم صرف چند مختصر الفاظ والی حدیثوں کو درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں یہاں ہم اصل عربی عبارت درج کردیتے ہیں اور بعد میں ان کے مطالب پر یکجائی نظر ڈالیں گے۔ صحیح ترمذی میں جابر بن عبداللہ انصاری سے یہ حدیث اس طرح منقول ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۶۹) عن جابر رایت رسول اللّٰہ صلعم فی حجۃ یوم العرفۃ وھو علیٰ ناقتہ القصوی یخطب فسمعتہ یقول یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلو کتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی ؎

ترمذی نے سعد ابن ابی وقاص سے بھی ان ہی الفاظ میں روایت کی ہے احمد اور طبرانی نے زید بن ارقم سے ان الفاظ میں روایت کی ہے: انی تارک فیکم خلیفتین کتاب اللّٰہ عز وجل حبل ممدود ما بین السماء والارض وعترتی اھل بیتی وان ھما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض۔

اس حدیث میں "ثقلین" کی بجائے خلیفتین کے الفاظ آئے ہیں یعنی حضرت رسولِ خدا فرماتے ہیں کہ تم لوگوں میں میرے دو خلیفے قرآن اور اہل بیت چھوڑے جاتا ہوں جو ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ کے صفحہ ۲۰۱ پر ترمذی سے اس طرح روایت درج کی ہے۔ انی تارک فیکم الثقلین ان تمسکتم بھما لن تضلو بعدی کتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی۔ شاہ صاحب نے اس حدیث کو بالفاظ ذیل بھی درج کیا ہے انی تارک "فیکم الثقلین ان تمسکتم بھما لن تضلو بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللّٰہ وعترتی۔ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۶۸ پر صحیح مسلم کی روایت زبانی زید ابن ارقم ان الفاظ میں درج ہے۔ زید ابن ارقم قال قام رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فینا خطیبا بماء یدعی خما بین مکۃ والمدینۃ فحمد اللّٰہ واثنی علیہ ووعظ وذکر ثم قال اما بعد الا یا ایھا الناس انما انا بشر یوشک ان یاتینی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللّٰہ فیہ الھدی والنور فخذو بکتاب اللّٰہ واستمسکوا بہ فحث علی کتاب اللّٰہ ورغب فیہ ثم قال واھل بیتی اذکرکم اللّٰہ فی اھل بیتی اذکرکم اللّٰہ فی اھل بیتی۔

ترجمہ:۔ (بروئے مظاہر حق مولوی قطب الدین صاحب) زید ابن ارقم نے روایت کی کہ کھڑے ہوئے حضرت رسولِ خدا ایک روز درمیان ہمارے خطبہ فرماتے ایک موضع میں کہ اس میں پانی تھا نام اس کا خم درمیان مکہ اور مدینہ کے پس تعریف کی اللہ کی اور ثنا کی اس پر اور نصیحت کی لوگوں کو ساتھ اس چیز کے نفع دے ان کو یاد دلایا ان کو ثواب و عذاب خدائے تعالیٰ کا اور متنبہ کیا ان کو خواب غفلت سے پھر فرمایا آنحضرت نے بعد حمد وثنا کے آگاہ ہو اے لوگو میں بھی بشر ہوں۔ لیکن امتیاز میرا یہ ہے کہ وحی بھیجی جاتی ہے طرف میرے۔ قریب ہے آئے میرے

پاس بھیجا ہوا میرے پروردگار کا۔ پس قبول کروں میں امر پروردگار کو اور میں چھوڑنے والا ہوں درمیان تمہارے دو چیزیں بھاری۔ ان میں سے ایک کتاب خدا کہ اس میں بیان ہدایت کا ہے اور نور ہے۔ پس پکڑو تم اللہ کی کتاب کو پس برانگیختہ کیا لوگوں کو کتاب خدا پر اور رغبت دلائی اس میں پھر فرمایا آنحضرت نے اور اور دوسری چیز بھاری اور نفیس میرے اہل بیت ہیں۔ یاد دلاتا ہوں میں تم کو خدا کے تئیں اور ڈراتا ہوں میں اس کے عذاب سے اوپر قصور کرنے تمہارے کے بیچ حق اہل بیت میرے کے (آخری جملہ دو مرتبہ فرمایا)

مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۶۹ پر ترمذی کی ایک روایت زید ابن ارقم سے اس طرح درج ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اھل بیتی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔ ترجمہ:۔ روایت ہے زید ابن ارقم سے کہ فرمایا حضرت رسول خدا نے کہ تحقیق میں چھوڑتا ہوں تم میں وہ چیز کہ اگر پکڑے رہے اس کو تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے میرے بعد انہیں کی ہر ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے۔ کتاب اللہ کو اور وہ مانند رسی کے ہے جو زمین سے آسمان تک دراز کی گئی اور میری عترت میرے اہل بیت کو یہ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہونگے یہاں تک کے حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ پس نظر میں رکھو میرے بعد ان دونوں سے کس طرح سلوک کرتے ہو۔

خصائص نسائی میں زید ابن ارقم سے روایت ہے کہ غدیر خم پر حضرت رسول خدا نے برسر منبر فرمایا (اللہ کی طرف سے) میری طلبی ہوئی ہے اور میں نے اس کو قبول کر لیا ہے۔ میں تمہارے پاس دو عظیم القدر چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری عترت اہل بیت ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہنچ جائیں۔ دیکھنا میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔ بہر حال صحاح اور دیگر کتب حدیث اہل سنت میں یہ حدیث متواتر ہے اور مختلف جلیل القدر صحابہ کی زبانی روایت ہوئی ہے اور متفق علیہ ہے ماحصل ان احادیث کا یہ ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اے لوگو! بہ حیثیت بشر میں دنیا سے مفارقت کرنے والا ہوں پس تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑ جاتا ہوں۔ کتاب اللہ اور میرے اہل بیت کہ ان میں کا ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے حتی کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے اور ان میں کبھی تم ایک دوسرے سے اختلاف نہ دیکھو گے اور اگر تم ان دونوں سے متمسک ہو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے اور نظر میں رکھو یعنی متنبہ رہو کہ میرے بعد ان دونوں سے تم کیا سلوک کرتے ہو اور تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں اگر تم میرے اہل بیت کے حق کے بارے میں قصور کرو۔ ان میں کی بعض حدیثوں کے اعتبار سے رسول اللہ نے ایک ہی وقت دو دو مرتبہ الفاظ دھرا کر لوگوں سے فرمایا کہ "میں اپنے اہل بیت کے متعلق تم کو اللہ کو یاد دلاتا ہوں" ظاہر ہے کہ حضرت رسول کے اسطرح بہ تکرار فرمانے اور اہل بیت کے

تعلق سے اللہ کا واسطہ دینے سے اہل بیت علیہم السلام کی عظمت و اہمیت کو ظاہر کرنا تھا۔اس کے بعد یہ فرمانا کہ ان دونوں سے متمسک رہوگے تو میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔یہہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اپنی زندگی میں تو رسول خدا خود ہدایت کیلئے موجود تھے اور قرآن بھی موجود تھا اور اپنے بعد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن اور اہل بیت دونوں سے متمسک رہو۔قرآن دونوں زمانوں میں مشترک رہا۔ لہذا یہہ صاف فہمائش ہے کہ ہدایت کیلئے میری جگہ میرے اہل بیت موجود ہیں۔اس طرح حضرت رسولؐ نے جن کو ہدایت کے لئے اپنے پیچھے چھوڑا ہے وہی رسولؐ کے سچے جانشین ہوں گے۔یہہ نہیں ہوسکتا کہ ہدایت کیلئے اپنے اہل بیت کو چھوڑیں اور خلافت کے لئے کوئی اور آجائے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت رسول نے اپنے ایک ارشاد میں قرآن اور اہل بیت کو اپنے دو خلیفے قرار دیا ہے۔ ایک اور امر جو اس ارشاد رسول سے واضح ہے یہہ ہے کہ قرآن اور اہل بیت کبھی ایک دوسرے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر حضرت رسول سے ملیں گے یعنی تاقیام قیامت قرآن اور اہل بیت ساتھ ساتھ رہیں گے۔ہدایت تاقیامت ہوتی رہنا ضروری ہے اور جہاں ہدایت کیلئے قرآن و اہل بیت لازم و ملزوم ہوں تو لازم ہوا کہ تاقیامت اہل بیت کی کوئی نہ کوئی فرد قرآن کے ساتھ موجود رہو۔ بجائے خود یہہ امر بھی ایک بین دلیل بارھویں امام اہل بیت حضرت مہدی آخری الزماں علیہ السّلام کے زندہ موجود رہنے کی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ قرآن اور اہل بیت ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے حتیٰ کہ امام حسینؑ علیہ السّلام کا سر بریدہ بھی نوک نیزہ پر سورہ کہف کی تلاوت فرماتا رہا۔ بعض لوگوں کو اس حدیث کے الفاظ احدھما اکبر من الآخر کے معنوں کے متعلق تسامح ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت معنی بالکل واضح ہیں۔تیس برس پہلے سیزدہ صد سالہ جلسہ یادگار حسینی منعقدہ حیدرآباد ۱۳۶۱ھ میں جناب شیخ الشیوخ جامعہ نظامیہ دہلی نے ان الفاظ کے معنوں کی وضاحت یوں فرمائی تھی کہ کتاب اللہ اور اہل بیت ان میں کا ہر ایک دوسرے سے بزرگ ہے۔ یعنی نہ کوئی گھٹا ہوا نہ کوئی بڑھا ہوا۔ دونوں بالکل ہم پلہ ہیں۔اس حدیث سے اہل بیت علیہم السلام کا معصوم ہونا بھی بدرجہ اتم ثابت ہے۔ قرآن تو اللہ تعالیٰ کا کلام اور ایک (Abstract) چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بجز پاکی اور طہارت مطلقہ کے اور کس چیز سے نسبت دیجاسکتی ہے۔ بیشک کلام خدا پاک اور منزہ ہے۔اب اہل بیت علیہم السّلام پر غور فرمائے کہ باوجود ہیکل بشری میں ہونے اور عوارض جسمانی از قسم صحت و مرض و تعلقات بشری طہارت و پاکی میں وہ درجہ رکھتے ہیں جو مجرد قرآن پاک کا ہے۔اگر یہ ہستیاں عصمت مطلقہ کی حامل نہ ہوتیں تو ہرگز قرآن کے ہم پلہ نہ قرار دیجاتیں۔

حدیث ثقلین کے الفاظ و معنی منطقی اعتبار سے بھی بہت کچھ لائق غور ہیں۔خطاب کرنیوالے حضرت رسول ہیں۔جن کو مخاطب کیا جارہا ہے وہ عامۃ المسلمین ہیں۔ان عامۃ المسلمین کے لئے جو چیزیں چھوڑی جارہی ہیں وہ قرآن اور اہل بیت ہیں۔اس طرح تین فریق علٰحدہ علٰحدہ قائم ہوئے۔

(۱) ایک طرف رسولؐ جو خطاب کر رہا ہے۔ اور قرآن و اہل بیتؑ کو چھوڑ رہا ہے۔
(۲) عام لوگ جن سے خطاب کر کے اور جن کی ہدایت کیلئے رسولؐ "قرآن و اہل بیت" کو چھوڑ رہا ہے۔
(۳) خود "قرآن و اہل بیتؑ" جن کو لوگوں کی ہدایت کیلئے رسولؐ چھوڑ رہا ہے۔ جن لوگوں سے بھی رسول کا یہ خطاب تھا اور ظاہر ہے کہ سب مسلمانوں سے تھا خواہ وہ اصحاب رسول و ازواج رسول ہوں یا کوئی بھی مسلمان ہوں۔ جتنے بھی مسلمان تھے اور ہیں سب پر "قرآن اور اہل بیت رسولؐ یعنی علیؑ و اولاد علیؑ و فاطمہؑ کا تمسک اختیار کرنا اور ان کی پیروی کرنا واجب تھا اور ہے۔ یہاں پر یہ امر قابل غور ہے کہ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ جس کا تمسک اور پیروی رسول واجب کر دے وہ تو رسولؐ کا خلیفہ نہ ہو بلکہ جس سے کہا گیا کہ تم اہل بیت کی پیروی کرنا وہ خود خلیفہ رسول بن جائے اور اس طرح محکوم حاکم بن کر حاکم کو محکوم بنا دے اور اس طرح رسول اللہ کی بچھائی ہوئی بساط کو سرے سے الٹ ہی دے۔ باب ہشتم میں ہم نے اس ضمن میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی ماہنامہ منادی جلد ۳۹ سنہ ۱۹۶۴ء شمارہ ۱۱ کے صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں:۔
بعض حضرات پوری امت کو اہل بیت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ مہمل بات ہے۔ امت کے لئے امت کو چھوڑنا کوئی معنی نہیں رکھتا اہل بیت دراصل وہی حضرات ہیں جن کو واقعہ مباہلہ کے وقت رسول اللہ اپنے ساتھ لے کر چلے تھے اور فرمایا تھا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں یعنی حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ حضرات حسنینؑ۔ قرآن کے ساتھ ان کا دامن پکڑنا ہدایت کیلئے ضروری ہے۔ اس موقعہ پر حضور ازواج مطہرات اور دیگر گھر والوں میں سے کسی کو ساتھ نہیں لے گئے۔ اس خاص طرز عمل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن کے ساتھ جن اہل بیت کو امت کیلئے ہدایت کا ذمہ دار قرار دیا گیا وہ یہی حضرات یعنی حضرت علیؑ حضرت فاطمہ اور حسنین علیہم السلام ہیں۔"

زمخشری اور فخرالدین رازی نے اپنی تفسیروں میں لکھا ہے کہ علیکم بالسواد الاعظم (یعنی تم پر سواد اعظم کی پیروی لازم ہے) سے مراد کتاب خدا اور عترت رسول کی پیروی لازم ہونا ہے۔ یہ دونوں مفسرین جو اُذن داعیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کم یاد رکھنے والے کان کم ہیں۔ قول باری تعالیٰ میں دلالت ہے اس امر پر کہ ایک کان جبکہ ایسا ہو کہ جو کچھ سماعت کرے اسکو یاد رکھے پس وہی سواد اعظم ہے اور جو اس کے ماسوا ہے اس پر التفات نہ ہوگا اگرچہ نہ سننے والوں کی تعداد سے عالم مملو ہو جائے۔

ایک اہل طریقت عالم مولانا ابوالمکارم عزیزالدین احمد چشتی انصاری مولوی فاضل اپنے مضمون "مناقب اہل بیت طاہرین رضوان اللہ علیہم اجمعین" مطبوعہ رسالہ الکرار حیدرآباد مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۲ء میں حدیث ثقلین کے تحت آیت تطہیر آیت مودت "آیت مباہلہ اور آیت درود کا حوالہ معہ اسناد صحیح مسلم و بخاری وغیرہ دیتے ہوئے جو تحریر فرماتے ہیں ہم انہیں کے الفاظ بجنسہ درج ذیل کر دیتے ہیں "ان آیات و احادیث سے

اس امر کا تعین کہ اہل بیت کون ہیں ان کی محبت کا وجوب اور ان پر درود بھیجنا فرض کیا جانا اور ان کے طاہر مطہر ہونے کی شہادت دیا جانا ثابت ہے۔ ان عظیم الشان ہستیوں سے ایک عظیم الشان کام متعلق کرنا تھا اسی لئے یہ سارا بندوبست کیا گیا عترت کو کتاب خدا کے ساتھ لانے کا مقصد یہ ہے کہ اہل بیت طاہرین عالم و عارف کتاب اللہ و سنّت رسول ہیں۔ مصدق علم دین و منبع اسرار حکمت ہیں۔ امّت کو اس کی اقتداء و تمسک کے لئے مامور کرنا تھا اس لئے یہ سب کچھ انتظام کیا گیا در اصل یہ مقتدائے مطلق تھے۔ سارے علوم و اشارات سے واقف تھے تمام مشائخین کے پیشوا ہو سارے اہل سلوک کے سردار اور عارفین کے امام ہیں۔ یہ حبل اللہ اور حبل المتین ہیں۔ اس لئے ان کو خلافت باطنی و روحانی کے لئے مختص کیا گیا۔ چنانچہ سارے سلاسل اہل طریقت انہیں پر منتہی ہوتے ہیں حتیٰ کہ سلسلہ نقشبندیہ میں بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا نام نامی موجود ہے۔ یہاں اس امر کی طرف اشارہ ضروری ہوگا کہ خلافت و امامت کے متعلق اہل سنّت والجماعت کا عام نظریہ جس کا ذکر ہم نے باب اول میں کیا ہے۔ یہ ہے کہ خلیفہ و امام روحانی اور مادی دونوں اختیارات سے ایک ہی شخص واحد ہوتا ہے اور روحانی امام علٰحدہ اور ظاہری حکومت پر خلیفہ علٰحدہ نہیں ہوتا جیسا کہ دار المختار کا حوالہ دیتے ہوئے جسٹس امیر علی نے لکھا ہے۔

The Imam-ul Kabir, the supreme Pontiff is the Caliph of the Sunni world. He combines in his person the spiritual and temporal authority which devolves on him as the vicegerent of the Master. They also hold that Imamate is indivisible and that it is not lawful to have two Imams at one and the same time.

اس نظریہ کے اعتبار سے عام اہل سنّت خلفاء ثلاثہ کو حضرت رسول کا خلیفہ روحانی و ظاہری ہر اعتبار سے مانتے ہیں اور ائمہ اہل بیت کو حضرت رسول کا روحانی و باطنی خلیفہ بھی نہیں مانتے۔ مگر اس کے برخلاف جیسا کہ ہم نے اوپر ایک محترم اہل طریقت کی عبارت درج کی ہے اہل طریقت صرف اہل بیت رسول کو ہی حضرت رسول کا باطنی اور روحانی خلیفہ مانتے ہیں اور کسی اور کو روحانی خلیفہ نہیں مانتے یہ امر قابل غور ہو جاتا ہے کہ جہاں حضرت رسول مسلمانوں کے روحانی اور ظاہری ہر اعتبار سے حاکم تھے تو اہل بیت رسول کو حضرت رسول کا روحانی اور باطنی خلیفہ بلا شرکت غیرے تسلیم کرتے ہوئے یہ کہاں تک جائز ہو سکتا ہے کہ حضرت رسول کی متعدد و دیگر حدیثوں کے باوجود علی اہلبیت رسول کو خلیفہ ظاہری بھی تسلیم نہ کیا جائے اور آپ کو اس منصب ظاہری سے ہٹا کر کسی اور کو قائم کیا جائے اس کے متعلق ہم نے علٰحدہ موقع پر بحث کی ہے۔ یہاں محض اشارہ کرنے پر اکتفاء

کرتے ہیں۔ بہرحال حدیث ثقلین بلا استثناء تمام مسلمانوں کی مسلمہ ہے۔ حکیم سنائی نے اس حدیث کا خلاصہ ایک شعر میں اس طرح کیا ہے ؎ جز کتاب اللہ و عترت ز احمد مرسل نماند : یادگارے کو تواں تا روز محشر داشتن

شاہ عبدالعزیز تحفہ صفحہ ۱۳۹ پر لکھتے ہیں : باتفاق شیعہ و سنی ثابت است کہ پیغمبر فرمود انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی

خطیب محی الدین شیرازی جو علماء شافعیہ و صوفیا سے ہیں حدیث ثقلین کے تعلق سے اپنے مکاتیب میں کہتے ہیں کہ راہ بغیر راہنما کے طے نہیں کر سکتے۔ اور یہ کہنا کہ کتاب خدا اور سنت رسول ہمارے درمیان موجود ہے پھر رہنما کی کیا حاجت ہے غلط ہے۔ عالم مذکور نے اپنے اس قول کی اور بھی صراحت مثالوں کے ذریعہ کی ہے۔ اور آخر میں اپنی دلیل میں حضرت امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:۔ انا کلام اللہ الناطق و ھذا کلام اللہ الصامت ۔ یعنی میں قرآن ناطق ہوں اور قرآن خاموش کتاب ہے۔

یہاں ایک نکتہ سمجھنے کے لائق ہے کہ جہاں تک بھی غور کیا جائے حدیث ثقلین اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعبیر اور اسی کے نفاذ میں ہے جو سورۂ الحدید کی آیت ۲۸ میں وارد ہوا ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و آمنوا برسولہ یؤتکم کفلین من رحمتہ و یجعل لکم نوراً تمشون بہ و یغفر لکم یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو خدا تمکو اپنی رحمت کے دو حصے عطا کریگا اور تمکو ایسا نور عطا کریگا جس میں تم چلوگے اور تمکو بخش دیگا۔

اس آیت کے کئی گوشے غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ آیت میں خطاب ایمان والوں سے ہے یعنی عامۃ الناس سے نہیں اور ایمان والوں کو پہلے تو متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو پھر رسول پر ایمان لانے کی مکرر ہدایت قابل غور ہے۔ بغیر رسول پر ایمان لائے کوئی مومن ہی نہیں ہو سکتا۔ مومن سے پھر یہ فہمائش کہ رسول پر ایمان لاؤ صاف بتاتی ہے کہ رسول اللہ کے آخری زمانہ میں (جبکہ آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی) حالات ہی ایسے تھے کہ رسول کے خلاف سازشیں ہو رہی تھیں۔ کبھی پتھر پھینکے جا رہے تھے، کبھی جیش اسامہ کی معیت کے تاکیدی حکم سے روگردانی کیجا رہی تھی اور کبھی آپ کے ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا جا رہا تھا اور حسبنا کتاب اللہ کہکر حضرت رسول کے رو در رو یہ کہدیا جا رہا تھا کہ آپکے کچھ کہنے سننے کی ہمکو ضرورت نہیں۔ ان حالات کو پیش نظر رکھکر اللہ تعالیٰ کا اپنے سے ڈرنے کی تنبیہ دیکر مومنین سے بھی رسول پر ایمان لانیکی فہمائش کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ گو کہ اطیعوا الرسول کا حکم متواتر آیا ہے مگر اس تہدید مکرر سے یہ مختص استنباط بھی ہوتا ہے کہ اگر رسول کا یہ ارشاد نہ سنا گیا تو مومنین سے خارج ہو جائینگے ان تمام احتیاطوں اور شرائط کے ساتھ حکیم خداوندی ہے کہ اگر رسول پر ایمان برقرار رکھو گے اور اس کے ارشاد کی تعمیل کروگے تو اللہ تعالیٰ تمکو اپنی رحمت کے دو حصے (کفلین) عطا کریگا اور ایسا نور دیگا جس کی روشنی میں تم اطمینان سے صحیح عمل کر سکو گے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم بخشش کے لائق ہو جاؤ گے۔ اب ان ارشادات خداوندی کے تقابل میں ارشاد

رسول کو ملاحظہ فرمائیے کہ میں تم میں دو گراں بہا چیزیں (ثقلین) قرآن اور میرے اہلبیت چھوڑے جارہا ہوں ان دونوں سے متمسک رہوگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ رحمت کے دو حصوں کفلین سے ثقلین کا توازن فرمائیے۔ قرآن بفحوائے آیات ذیل مومنین کیلئے ہدایت و شفا و رحمت ہے۔ وَ ننزل مِن القرآن مَا ھُوا شفاءٌ و رحمۃٌ للمومنین (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۲) و نزلنا علیک الکتٰب تبیاناً لکل شئیٍ وھدیً و رحمۃً و بشریٰ للمسلمین (سورۂ نحل آیت ۸۹) اب ادھر رسول بمصداق و مَا ارسلنٰک الاّ رحمۃً للعٰلمین (سورۂ انبیا آیت ۱۰۷) سراپا رحمت ہیں اور آپکے متواتر ارشادات کی بناء پر آپکے اہلبیت بھی ہدایت و شفا و رحمت میں آپکے ورثہ دار و حصہ دار ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت رسول و اہلبیت رسول کے مجسم شفا ہونے کے متعلق ایک دو مستند واقعات توضیح کا باعث ہوں گے۔ مولانا سید صالح کشفی ترمذی کی کتاب مناقب مرتضوی کے صفحہ ۱۸۰ پر نیز کفایۃ المومنین میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سرور کائنات کو سخت قسم کا تپ محرقہ عارض ہوا جس کی شدت کا آنحضرت نے حضرت علی سے ذکر فرمایا۔ پس حضرت علی نے اپنا ہاتھ حضرت رسول کے سینہ پر رکھا اور زیر لب کچھ کلمات ارشاد فرمائے جس کے ساتھ ہی حضرت رسول شفایاب ہو کر اُٹھ بیٹھے اور فرمایا یا علی اللہ تعالیٰ نے جو فضائل تمکو عطا فرمائے ہیں انمیں یہ بھی شامل ہے کہ ہر درد اور مرض کو تمہارے تابع رکھا ہے۔ حتیٰ کہ مجھ کو اور تمکو اپنی موت پر بھی اختیار دیا ہے۔ اسی طرح جنگ خیبر کے موقعہ پر حضرت رسول کے لعاب دہن سے حضرت علی کے آشوب چشم کا رفع ہو جانا معروف واقعہ ہے۔

ابن بابویہ نے بروایت عبداللہ ابن عباس و ابن قولویہ و ابن شہر آشوب کے مناقب میں اور روضۃ الشہداء میں ملا حسین واعظ کشفی نے ایک واقعہ کا ذکر لکھا ہے جس کو ہم نے اس کتاب میں معجزات امام حسین علیہ السلام کے تحت درج کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فطرس فرشتہ کو جو آسمان سوم کے فرشتوں کا سردار تھا یہ وہم پیدا ہوا کہ عرش کی وسعت کی پیمائش کرے۔ چکر لگاتے لگاتے تھک گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس لغزش کی پاداش میں اسکو بال و پر سے محروم کر کے زمین پر ایک جزیرہ میں ڈلوا دیا۔ امام حسین علیہ السلام کی ولادت پر جب حضرت جبرئیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارکباد کا پیغام حضرت رسول کی خدمت میں لارہے تھے اور اس جزیرہ پر سے گزر ہوا تو فطرس کی التجا پر اس خوشی کے موقعہ کا لحاظ کرتے ہوئے جبرئیل اسکو ساتھ لے آئے اور بعد سلام و مبارکباد حضرت رسول سے فطرس کا واقعہ اور اس کی التجا بیان کی۔ حضرت رسول نے فطرس سے فرمایا کہ اپنا جسم اس نومولود شہزادہ سے مس کرے۔ چنانچہ فطرس نے اپنے جسم کو شہزادہ امام حسین علیہ السلام کے پائے مبارک سے مس کیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے بال و پر از سر نو پیدا ہوگئے۔ جب فطرس اچھا ہو کر آسمان پر پہنچا تو کہتا تھا۔ مَن مِثلی وَ اَنا عتاقۃ الحسین بن علی و فاطمہ وجدہٗ ۔

احمد الخاشر یعنی میرے مثل کون ہے کہ میں اس حسین کا آزاد کردہ ہوں جسکے باپ حیدر کرار ماں فاطمہ ذکیہ اور نانا احمد مختار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو مع ستر ہزار ملائکہ کے روضۂ امام حسین علیہ السلام پر متعین فرمایا۔
ان مختصر واقعات سے حضرت رسول و آلِ رسول کے مجسم شفا ہونے کا بین ثبوت ملتا ہے۔

اب ہم حضرت رسول کے بے شمار ارشادات میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں جنمیں آنحضرت نے اپنے اہلبیت کو امت کیلئے امان و رحمت و نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ ارشادِ رسول ہے۔ میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو ان سے متمسک رہا۔ نجات پایا اور جس نے ان کو چھوڑا غرق اور نابود ہو گیا۔ میرے اہلبیت امت کیلئے امان ہیں۔ وہ مقام جہاں میں خود پناہ تلاش کرتا ہوں میرے اہلبیت ہیں۔ میرے اہلبیت کی محبت محافظ ہے صراط پر اور نجات ہے عذاب سے قرآن اور میں اور میرے اہلبیت شفاعت کرنے والے ہیں۔ اہلبیت کی محبت چھ مقامات پر مددگار ہے۔ موت کے وقت، قبر میں، حشر میں، حساب، میزان اور صراط پر علی مثل کعبہ کے ہے۔ علی مجھ سے ہے میں علی سے ہوں علی کی محبت ایمان ہے۔ علی کی محبت امن و امان کا قلعہ ہے۔ علی کے چہرہ کو دیکھنا عبادت علی کا ذکر عبادت ہے۔ علی کی محبت گناہوں کو کھا جاتی ہے۔ علی مسلمانوں کیلئے سپر ہے۔ علی کے دشمنوں سے برآت کے بغیر ایمان نصیب نہیں۔ علی کی ولایت اور اہلبیت کی محبت کا سوال روز حشر کیا جائیگا۔ آدم کی دعا پنجتن کے واسطہ سے قبول ہوئی جو آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا شہید اور بخشش کیا ہوا مرا۔ پانچ باتوں میں میں اور میرے اہلبیت برابر ہیں۔ سلام۔ صلوٰۃ، طہارت، محبت اور تحریم صدقہ۔ محبت اہلبیت بحکم قرآن فرض ہے۔ علی کی ولایت وہ نعمت ہے جس کے اعلان پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کا اتمام فرمایا ہے۔ علی کا ہادیٔ برحق ہونا ائمہ طاہرین کا بحکم خدا مامور کیا جانا اور خدا کے امر سے امت کی ہدایت کرنا یہ سب امور قرآن سے ثابت ہیں۔ لہذا رحمت کے دو حصوں میں جہاں قرآن ہدایت، شفا اور رحمت ہے وہیں اہلبیتِ رسول بھی ہدایت شفا اور رحمت ہیں۔ پس واضح ہوا کہ جس طرح کفلین رحمت کے دو حصے ہیں اسی طرح ثقلین بھی رحمت کے دو حصے قرآن اور اہلبیت ہیں۔ پھر جہاں آیت میں کفلین کے ساتھ ایک نور عطا کرنیکا ذکر ہے۔ ارشادِ رسول میں تمسکِ قرآن و اہلبیت کو وہ روشنی قرار دیا گیا ہے۔ جسمیں چلنے کے بعد کوئی ٹھوکر نہ کھائے اور گمراہ نہ ہو اور مغفرت کا مستحق ہو جائے اس طرح یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے ڈرنے اپنے اور رسول کا کہا ماننے کی شرط پر جو کفلین عطا کرنیکا وعدہ فرمایا تھا وہ یہی قرآن اور اہلبیت ہیں جنکو حضرت رسول نے ثقلین سے تعبیر فرمایا اور اپنے بعد گمراہی سے بچے رہنے کیلئے ان دونوں سے متمسک رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

۷۔ حدیث منزلت

مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۶۳ پر صحاح کی متفق علیہ حدیث زبانی سعد ابن ابی وقاص یوں درج ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی

بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی ؐ ترجمہ:۔ جناب پیغمبر خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تمہاری نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسے ہارون کی نسبت موسیٰ کے ساتھ لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ۴ اصفحہ ۳۸۷ و باب ۱۸ صفحہ ۸۹ و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ و سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۳ و جمع صغیر صفحہ ۵۶ مذکور الحقائق صفحہ ۱۷۳ و اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ و ۱۶۳ و ۲۰۳ و مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ و جلد ۳ صفحہ ۱۹ و استیعاب ابن عبدالبر جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ و اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵ و مسند امام حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۷۰۔ اس حدیث کے مزید اسناد یہ ہیں: (۱) بخاری جلد ۳ کتاب مغازی باب غزوہ تبوک ص ۵۴ و کتاب بدار الخلق ص ۱۸۵ بسلسلہ مناقب علی (۲) صحیح مسلم مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۰ھ جلد ۲ کتاب فضل الصحابہ باب فضائل علی ص ۲۳۶ و ۲۳۷ (۳) احمد ابن حنبل مسند جلد ۱ وجہ تسمیہ حسنین ص ۹۸ و ص ۱۱۸ و ص ۱۱۹ و نیز جزو پنجم ص ۳۱ (۴) خصائص نسائی ص ۱۹ پر اٹھارہ حدیثیں (۵) جامع ترمذی (۶) حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ جلد ۲ ص ۵۰۷ (۷) ابن حجر مکی صواعق محرقہ باب ۹ ص ۳۰ و ۳۴ (۸) حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری مستدرک جلد ۲ ص ۱۰۹ (۹) جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء ص ۶۵ (۱۰) ابن عبدربہ عقد الفرید جلد ۲ ص ۱۹۴ (۱۱) ابن عبدالبر استیعاب جلد ۲ ص ۴۷۳ (۱۲) محمد بن سعد کاتب الواقدی طبقات الکبریٰ (۱۳) فخر الدین رازی تفسیر مفاتیح الغیب (۱۴) محمد بن جریر طبری اپنی تفسیر و تاریخ میں (۱۵) سید مومن شبلنجی نور الابصار ص ۶۸ (۱۶) کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول ص ۱۷ (۱۷) میر سید علی شہاب الدین ہمدانی مودۃ القربیٰ آخر مودہ ہفتم (۱۸) نور الدین علی بن محمد مالکی معروف بہ ابن صباغ فصول المہمہ ص ۲۳ و ص ۱۲۵ (۱۹) و نیز باب ۶ میں اٹھارہ احادیث بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن مغازلی، خوارزمی اور حموینی سے نقل کی ہیں (۲۲) علی متقی کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۱ و ص ۱۵۳ (۲۳) احمد بن علی خطیب تاریخ بغداد (۲۴) ابن مغازلی شافعی مناقب (۲۵) موفق بن احمد خوارزمی مناقب (۲۶) ابن کثیر جزری علی بن محمد اسد الغابہ (۲۷) ابن کثیر دمشقی تاریخ (۲۸) علاء الدولہ احمد بن محمد عروۃ الوثقیٰ (۲۹) ابن اثیر مبارک بن محمد شیبانی جامع الاصول فی احادیث الرسول (۳۰) ابن محمد عسقلانی تہذیب التہذیب (۳۱) ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی محاضرات الادبا جلد ۲ ص ۲۱۲ (۳۲) عبداللہ بن احمد زوائد (۳۳) سبط ابن جوزی تذکرۃ الخواص الامہ ص ۱۳ و ص ۱۴ اس حدیث کے راویوں میں حسب ذیل اشخاص شامل ہیں۔

(۱) عمر ابن خطاب (۲) سعد ابن ابی وقاص (۳) عبداللہ ابن عباس (۴) عبداللہ بن مسعود (۵) جابر بن عبداللہ انصاری (۶) ابوہریرہ (۷) ابو سعید خدری (۸) جابر بن سمرہ (۹) مالک بن حویرث (۱۰) براء بن عازب (۱۱) زید ابن ارقم (۱۲) ابو رافع (۱۳) عبداللہ ابن ابی اوفیٰ (۱۴) ابی سریحہ (۱۵) حذیفہ بن اسید (۱۶) انس ابن مالک (۱۷) ابو ہریرہ سلمی (۱۸) ابوایوب انصاری (۱۹) سعید بن مسیب (۲۰) حبیب ابن

ثابت (۲۱) شرجیل بن سعد (۲۲) ام سلمہ (زوجہ رسولؐ) (۲۳) اسما بنت عمیس (زوجہ ابوبکر) (۲۴) عقیل ابن ابوطالب (۲۵) معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ۔

جلال الدین سیوطی نے رسالہ الازہار المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ میں اس حدیث کو متواترات میں لکھا ہے ازالۃ الخفا قرۃ العینین میں تواتر کی تصدیق کی گئی ہے۔ محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب کے باب ہفتم میں بکثرت محدثین کے حوالہ سے اس حدیث کو متواتر ثابت کیا ہے۔

حضرت رسول خدا کے بہت سے معاملات پیغمبر اولوالعزم حضرت موسیٰ سے ملتے جلتے تھے۔ سورۂ مزمل کی آیت ۱۵ میں ارشاد باری ہے "انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا۔ یعنی ہم نے تمہارے پاس اس طرح ایک رسول (محمدؐ) کو بھیجا جو تمہارے مقابلہ میں شاہد ہے جس طرح فرعون کے پاس ایک رسول (موسیٰ) کو بھیجا تھا۔ حضرت موسیٰ سے مثال خود رب العزت نے دی ہے۔ حضرت موسیٰ کو جہاد کا حکم تھا۔ ہمارے رسول اللہ کو بھی جہاد کا حکم تھا۔ حضرت موسیٰ کو فرزند نرینہ نہ تھا اور ان کے بھائی ہارون کو تین فرزند شبر و شبیر و مشبر تھے۔ انہیں کے ناموں پر حضرت رسول اللہ نے حضرت علیؑ کے صاحبزادوں کے نام شبر و شبیر رکھے تھے جو عبرانی زبان کے لفظ ہیں جن کے معنی عربی میں حسنؑ و حسینؑ کے ہیں۔ جس صاحبزادے کی شہادت بطن جناب فاطمہ میں ہوئی اس کا نام حضرت رسولؐ نے محسن تجویز فرمایا تھا جو مشبر کے ہم معنی ہے ابن المغازلی نے عدی بن ثابت سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ میرے لئے ایک پاک مسجد بنا جس میں موسیٰ ہارون اور ہارون کے بیٹوں کے سوا کوئی نہ رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میرے لئے پاک مسجد بنا جس میں میرے علیؑ اور علیؑ کے بیٹوں کے سوا اور کوئی نہ رہے۔ تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی بیوی صفورا نے حضرت موسیٰ کے وصی یوشع بن نون سے (جو حضرت ہارون کے انتقال کے بعد حضرت موسیٰ کے وصی قرار پائے تھے) جنگ کی اور شکست کھائی اور اس میں ستر ہزار آدمی مارے گئے جس طرح حضرت رسولؐ کی بیوی حضرت عائشہ نے حضرت علی سے جنگ کی۔ اپنے خلفاء برحق کے متعلق بھی حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بارہ خلفاء ہوں گے جتنے بنی اسرائیل کے نقیب تھے (جیسا کہ احمد و بزار نے ابن مسعود سے روایت کی ہے) جس طرح حضرت موسیٰؑ کی امت غیبت حضرت عزیر اور ان کی رجعت کی قائل تھی امت محمدی حضرت مہدی علیہ السلام کی غیبت اور ظہور کی قائل ہے (بعض سنی حضرات بھی اس عقیدہ میں شریک ہیں) جس طرح حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی ہارون کو اپنا وزیر اور شریک کار رسالت بنانے کی دعا مانگی تھی اس طرح حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ کے متعلق دعا مانگی چنانچہ ابن عساکر اور ابن مردویہ نے اسما بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے دعا فرمائی کہ خداوندا جو دعا

تجھ سے اخی موسیٰؑ نے کی تھی وہی دُعا میں بھی کرتا ہوں۔ میرے سینہ کو وسیع کر۔ میرے کام کو آسان کر۔ میری زبان کی
گرہ کھول دے۔ جس میں لوگ میری بات سمجھیں اور میرے اہل بیت میں سے میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر بنا
اور اس سے میری ڈھارس باندھ اور اس کو میرے کام میں شریک کر تا کہ ہم دونوں مل کر کثرت سے تیری یاد و
تسبیح میں مشغول رہیں بہ تحقیق تو ہمارے دلوں کا دیکھنے والا ہے۔ سورہ طٰہٰ کی آیات ۲۵ تا ۳۴ میں حضرت موسیٰ
کی وہ دعا درج ہے۔ قال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھو
قولی .... واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ
فی امری کی نسبحک کثیرا ونذکرک کثیرا۔ ترجمہ:۔ (موسیٰؑ نے) عرض کی پروردگار تو میرے لئے
میرے سینہ کو کشادہ فرما اور میرا کام میرے لئے آسان کر دے اور میری زبان سے (لکنت کی) گرہ کھول دے
تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھیں اور میرے کنبہ والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے
ان کے ذریعہ سے میری پشت مضبوط کر دے اور میرے کام میں اس کو میرا شریک بنا۔ تاکہ ہم دونوں کثرت سے
تیری تسبیح کریں اور کثرت سے تیری یاد کریں۔ سورہ قصص کی آیت ۳۴ میں بھی حضرت موسیٰ کی اس دعا کا
ذکر ہے۔ واخی ھارون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی ردا۔ یعنی اور میرے بھائی ہارون کو کہ وہ
مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے تو اسے میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر بھیج۔ سورہ شعراء کی آیت ۱۳ میں ہے۔
ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی فارسل الی ھارون۔ یعنی میرا دم رک جائے اور میری زبان نہ چلے
تو ہارون کے پاس پیغام بھیج دے۔ حضرت موسیٰؑ کی متذکرہ صدر دعاؤں پر کہ ان کے اہل میں سے ان کے
بھائی ہارون کو ان کا وزیر و مددگار بنایا جائے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی سورہ مریم کی آیت ۵۳ ہے
ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا۔ یعنی اور ہم نے اپنی رحمت سے ان (موسیٰؑ) کو ان کا
بھائی ہارون نبیؑ عطا کیا۔ سورہ فرقان کی آیت ۳۵ ہے۔ ولقد آتینا موسیٰ الکتاب وجعلنا معہ
اخاہ ھارون وزیرا۔ یعنی اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو
وزیر بنایا۔ سنتِ الٰہی اسی طرح ہوتی آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبیؑ کا ایک مددگار وصی قرار دیا ہے۔ اس آیت سے
یہ امر بھی مترشح ہوتا ہے کہ مصلحت الٰہی میں صرف کتاب کا عطا کر دینا کافی نہ تھا بلکہ کتاب بھی عطا کی
اور ساتھ ہی ساتھ ایک وزیر بھی مقرر کر دیا۔ یعنی یہ دونوں امور کارِ رسالت کی اجرائی کیلئے ضروری قرار پائے۔
سورۂ یونس کی آیت ۸۷ میں ارشاد ہے۔ واوحینا الی موسیٰ واخیہ۔ یعنی اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ
اور ان کے بھائی کی طرف گویا ہر بات میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون ساتھ تھے اور وحی بھی دونوں
پر ایک ساتھ ہوتی تھی۔ یہ بات بالکل ویسی ہی ہے کہ جب حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے دیر تک
سرگوشی فرمائی تو لوگوں نے کہا اپنے بھائی سے بڑی لمبی سرگوشی ہوئی۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا میں نے نہیں

بلکہ اللہ تعالیٰ نے علیؑ سے سرگوشی کی ہے۔

سورہ قصص کی آیت ۳۵ ہے۔ قال سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما بآیتنا انتما ومن اتبعکما الغلبون ہ یعنی فرمایا اچھا ہم عنقریب تمہارے بھائی کی وجہ سے تمہارے بازو کو قوی کر دیں گے اور تم دونوں کو ایسا غلبہ عطا کریں گے کہ (دشمن) تم دونوں تک ہمارے دیئے ہوئے معجزوں کی وجہ سے نہیں پہنچ سکیں گے۔ تم دونوں اور تم دونوں کے پیرو غالب رہیں گے۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۴۲ ہے۔ اذھب انت واخوک بایتی۔ یعنی تم (موسیٰؑ) اور تمہارے بھائی (ہارون) ہمارے معجزے لیکر جاؤ سورۂ شعراء کی آیت ۱۵ ہے۔ فاذھبا بآیتنا انا معکم مستمعون (یعنی تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں اور اچھی طرح سنتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون کو حضرت موسیٰؑ کا نہ صرف وزیر قرار دیا بلکہ حامل کتاب اور حامل معجزات ہونے میں بھی شریک قرار دیا۔ حالانکہ کتاب توریت تو صرف حضرت موسیٰ کو عطا ہوئی تھی۔ مگر باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون کی شرکت ظاہر فرمائی چنانچہ سورۂ انبیاء کی آیت ۴۸ ہے۔ ولقد آتینا موسیٰ وھارون الفرقان (یعنی ہم نے موسیٰؑ اور ہارون کو کتاب توریت) عطا کی۔ سورۂ صفٰت کی آیت ۱۱۷ ہے۔ وآتینا ھما الکتاب المستبین (یعنی ہم نے ان دونوں (موسیٰ وہارون) کو ایک واضح المطالب کتاب (توریت) عطا کی پھر اسی سورہ کی آیت ۱۱۸ میں ہے۔ وھدینا ھما الصراط المستقیم وترکنا علیھما فی الآخرین (اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت کی اور بعد کو آنے والوں میں ان دونوں کا ذکر خیر باقی رکھا) پھر آیت ۱۲۰ ہے سلام علی موسیٰؑ وہارون (یعنی موسیٰؑ اور ہارون پر سلام ہو) اس کے بعد آیت ۱۲۲ ہے انھما من عبادنا المومنین (یعنی یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے) سورۂ شعراء کی آیت ۴۸ میں پروردگار عالم نے اپنا ذکر یوں فرمایا رب موسیٰ وہارون (یعنی موسیٰؑ اور ہارون کا پروردگار) ایک دفعہ جب حضرت موسیٰ حسب ارشاد خداوندی ایک دوسرے مقام کو جانے لگے تو اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے خلیفہ رہو اور انکی اصلاح کرو چنانچہ سورہ اعراف کی آیت ۱۴۲ ہے۔ قال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح۔

اس آیت قرآنی سے معلوم ہوا کہ عین حیات بھی جو جانشین ہو وہ خلیفہ کہلاتا ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ عارضی طور پر بھی اپنے مقام سے دور جا رہے تھے تو اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین کر گئے تھے۔ اسی طرح جب حضرت رسول جنگ تبوک کے لئے جا رہے تھے (جہاں کہ فی الواقع کوئی لڑائی نہیں ہوئی) تو حضرت علی کو اپنا جانشین کر گئے تھے۔ حدیث منزلت میں حضرت رسولؐ نے اسی نکتہ کو ظاہر کر دیا کہ جس طرح حضرت ہارون حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ تھے اسی طرح حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے خلیفہ ہیں۔

سورۂ مائدہ آیت ۲۵ میں حضرت موسیٰؑ کا اللہ تعالیٰ سے یہہ عرض کرنا درج ہے:- قال رب انی لا املک الا نفسی و اخی فافرق بیننا و بین القوم الفاسقین ۝ ترجمہ: (موسیٰ نے) عرض کی خداوندا تو خوب واقف ہے کہ اپنی ذات اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر میرا قابو نہیں ہے۔ پس اب ہمارے اور ان نافرمانوں کے درمیان جدائی ڈال دے۔ حضرت رسولِ خُدا کا بھی حضرت علیؑ پر ایسا ہی اعتماد اور قابو تھا اور یا علی انت اخی فی الدنیا والاخرہ اور بار بار علیؑ منی وانا منہ فرماتے تھے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب بعد انتقال حضرت رسول سقیفہ بنو ساعدہ سے حضرت ابوبکر خلیفہ بن کر آئے اور اپنی بیعت کے لئے حضرت علیؑ کو طلب کیا اور حضرت عمر نے جناب سیدہ کے گھر پر آگ لیجا کر جلانے کی دھمکی دی اور حضرت علیؑ کے گلہ میں رومال ڈال کر گھسیٹا گیا اور بیعت نہ کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی گئی اور جب حضرت علیؑ نے فرمایا کہ کیا اللہ کے بندہ اور رسولؐ کے بھائی کو قتل کرو گے اور حضرت عمر نے کہا کہ تم اللہ کے بندہ ہوگے مگر رسول کے بھائی نہیں ہو اور اس کے بعد جب حضرت علیؑ نے قبر رسولؐ پر گر کر فریاد کی تو بالکل وہی الفاظ فرمائے قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ (اے میرے ماں جائے قوم نے مجھے کمزور کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے) جو حضرت ہارون نے اسوقت کہے تھے جب حضرت موسیٰ حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ کر کے ترک مقام کرنے کے بعد حضرت موسیٰ کی اُمت کے لوگ حضرت ہارون کے احکام نہ مان کر آپ کے درپے آزار ہو گئے تھے اور آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ متذکرہ صدر الفاظ سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۰ میں موجود ہیں۔

ہم نے حضرت موسیٰ اور ہارون کے متعلق آیات کو یہاں اس وجہہ سے درج کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون کا کیا باہمی ربط و تعلق تھا اور ایک دوسرے کے جس طرح شریک کار اور لازم و ملزوم تھے وہ کسی قدر واضح طریق پر سامنے آجائے۔ اس پس منظر کو سامنے رکھنے کے بعد ہی حضرت رسولؐ کے اس ارشاد کا صحیح مطلب سمجھ میں آئے گا کہ علیؑ کی نسبت مجھ سے ایسی ہے جیسے ہارون کی نسبت موسیٰؑ کے ساتھ تھی۔ حضرت رسولؐ کا یہہ ارشاد بھی اسی قسم کے موقعہ پر تھا یعنی جب آپ غزوہ تبوک پر (جو آپ کے غزوات میں سے آخری تھا) تشریف لیجانے لگے تو حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنا کر روانہ ہوئے اور اس وقت متذکرہ صدر حدیث ارشاد فرمائی۔ آیات قرآنی متذکرہ بالا سے یہہ صاف واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے دعا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ہارون کو موسیٰ کا وزیر مقرر فرمایا۔ بالکل اسی طرح رسول اللہ نے حضرت علیؑ کے لئے دعا فرمائی بیسیوں آیات و احادیث اس کی شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو حضرت رسول کا ناصر و مددگار اور آپ کا بوجھ بانٹ لینے والا (یعنی وزیر) بنایا اور خود حدیث زیر بحث اس کی شاہد ہے۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰؑ کے پوری طرح شریک کار رسالت تھے اور خود بھی نبی تھے۔ اسی طرح ہمارے رسول خُدا نے حضرت علیؑ کو اپنے کام میں شرکت و

نیابت سب کچھ ظاہر فرمادی اور یہ بھی وضاحت فرمادی کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ یعنی صاف منشا یہی ہے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے ورنہ اگر نبوت جاری رہتی تو علیؑ نبی بھی ہوتے۔ مشہور مورخ واشنگٹن اروِنگ نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں لکھا ہے کہ رسول کے اس کہنے کا یہ مطلب ہے اور اکثر لوگوں نے اس سے یہی نتیجہ نکالا کہ محمدؐ اپنے بعد علیؑ کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں"۔

یہ امر بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت موسیٰ کے وصی حضرت یوشع بن نون بھی جو حضرت یوسفؑ کے بیٹے افرائیم کے پوترے تھے حضرت موسیٰ کے ساتھ رہا کرتے تھے اور جب حضرت موسیٰ حضرت خضر سے ملنے چلے تھے تو وہ اس وقت بھی ساتھ تھے جس کا ذکر سورۂ کہف کی آیت ۶۰ میں ہے۔ حضرت یوشع حضرت موسیٰ کے وصی ہونے کے باوجود ان کے شریک کار رسالت نہ تھے۔ ادھر حضرت ہارون نہ صرف خود پیغمبر تھے بلکہ حضرت موسیٰ کے ساتھ شریک کار رسالت بھی تھے۔ حضرت رسولِ خدا جناب علی مرتضیٰ کو اپنا وصی ہونے کے اعتبار سے حضرت موسیٰؑ کے وصی یوشع بن نون سے مثال دے سکتے تھے مگر ایسا نہ کرکے حضرت ہارون سے مثال دینا اور یہ کہنا کہ علیؑ کی میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو ہارون کی موسیٰ کے ساتھ تھی یہ صاف بتاتا ہے کہ جس طرح ہارون حضرت موسیٰؑ کے وزیر اور شریک کار رسالت تھے۔ حضرت علیؑ بھی وصی ہونے کے علاوہ حضرت رسولِ خدا کے وزیر اور شریک کار رسالت تھے۔ اس کی مزید تائید نصِ قرآنی سے ہوتی ہے۔ حضرت رسول کیلئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد تھا یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین (سورۂ توبہ آیت ۷۳ و نیز سورہ تحریم آیت ۹) یعنی اے رسولؐ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ حضرت رسولؐ نے اپنی حیات میں جتنے جہاد فرمائے وہ سب کے سب مشرکین اور کافروں کے مقابلہ میں تھے۔ منافقین کے مقابلہ میں آپ نے کوئی جہاد نہ فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ ناکثین قاسطین و مارقین سے علیؑ جہاد کرے گا اور وہ قاتل الفجرہ ہے۔ اس طرح قرآن میں بالصراحت جو حکم حضرت رسولؐ کے لئے تھا اس کی تعمیل حضرت رسولؐ نے اپنی ذات سے نہیں کی بلکہ آپ کی طرف سے علی مرتضیٰ نے اس کی تعمیل کی۔ اس کی توجیہ بجز اس کے اور کسی طرح ممکن نہیں کہ ذاتِ علی کو ذاتِ رسول میں مدغم اور کارِ رسالت میں شریک قرار دیا جائے جیسا کہ خود حضرت رسولؐ فرماتے ہیں علی منی وانا منہ۔ یعنی علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں :- "اصل ایں حدیث ہم دلیل اہل سنت است در اثبات فضیلت جناب امیر و صحت امامتِ شان در وقتِ خود۔ زیرا کہ ازیں حدیث مستفاد می شود استحقاق آنجناب برائے امامت" اس کے بعد کی عبارت میں شاہ صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ مخالف اس حدیث کے نواصب ہیں۔ قابل غور ہے کہ سب کچھ لکھتے ہوئے بھی شاہ صاحب نے حدیث میں "در وقتِ خود" کی شرط اپنی طرف سے اضافہ کر دی ہے۔ حضرت رسولؐ نے ایسی کوئی شرط در وقتِ خود کی نہیں لگائی تھی بلکہ آنحضرت کا ارشاد بلا کسی قسم کی قید کے یہی ہے کہ علیؑ کی نسبت مرے ساتھ وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ کے ساتھ ہے شاہ صاحب

خود ہی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مخالف نواصب ہیں اور خود ہی ایک نئی شق حدیث میں لگا کر حقیقت حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں۔

۸-مومنین کے امیر و شریف علی

طبرانی نے ابن ابی حاتم سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جہاں کہیں کلام خدا میں یا ایھا الذین آمنوا آئے سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت علیؑ ان کے امیر و شریف ہیں۔ خدا نے اکثر صحابہ پر عتاب فرمایا ہے مگر حضرت علیؑ کا ہر جگہ خیر کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

۹-علیؑ دنیا اور آخرت کے سردار

حاکم نے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۲۸ پر اور نیز دیلمی، ابو عمر خطیب بغدادی اور احمد ابن حنبل ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا فرماتے تھے کہ یا علیؑ تو دنیا و آخرت کا سردار ہے۔ جس نے تجھ سے محبت کی مجھ سے محبت کی، تیرا دوست اللہ کا دوست ہے۔ خوشی ہو اس کے لیے جو تجھے دوست رکھے اور جس نے کہ تجھ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا تجھ سے بغض رکھنے والا خدا کے ساتھ بغض رکھنے والا ہے افسوس ہے اس پر جو میرے بعد تجھ سے بغض رکھے۔

۱۰-انبیائے سلف پر اقرار ولایت علی کا لزوم

تفسیر نیشاپوری جلد ۳ صفحہ ۳۲۹ پر عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جب آپ معراج پر تشریف لے گئے تو ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا کہ انبیائے سلف سے میں آپ کی ملاقات کراؤں۔ آپ ان سے پوچھئے کہ وہ کس بات پر نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ حضرت رسولؐ نے انبیائے سلف سے سوال کیا کہ آپ لوگ کس بات پر نبی بنا کر بھیجے گئے تو سب نے جواب دیا کہ ہم آپ کی رسالت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت پر نبی بنا کر بھیجے گئے۔ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابوہریرہ سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔

۱۱-ارض و سما کا رسالت رسولؐ و ولایت علیؑ کو قبول کرنا

خطیب مناقب میں جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تو میری نبوت اور علیؑ کی ولایت کو ان پر پیش کیا انھوں نے قبول کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور امر دین ہمارے سپرد کیا۔ نیک ہماری وجہ سے نیک بخت اور بدبخت ہماری وجہ سے بدبخت ہوتا ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے وہ نیک بخت ہے اور جو ہم سے بغض رکھتا ہے وہ بدبخت ہے۔

۱۲-کلمہ شہادت رسول اور علیؑ کی جانب سے بلند ہونا

مناقب خطیب میں ابن عباس سے نزل السائرین میں ابوایوب سے اور وسیلۃ المتعبدین میں ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ کلمہ شہادت میری اور علیؑ کی جانب سے بلند ہوتا تھا۔

۱۳-جنت کیلئے علیؑ کے پروانہ کا لزوم

الحاکمی جناب امیر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت

رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جب قیامت کو اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے لوگوں کو جمع کرے گا اور جہنم پر صراط کو نصب کریگا. کوئی اس سے علیؑ ابن ابی طالب کی ولایت کے پروانہ کے سوا نہیں گزر سکے گا۔

۱۴۔ جنت کیلئے علیؑ کے پروانہ کا لزوم

ابن سمان نے قیس بن حازم سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر جناب امیر علیہ السلام سے ملے اور آپ کو دیکھ کر ہنسنے لگے. جناب امیرؑ نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے میں نے حضرت سرور کائنات کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز علیؑ کے پروانہ راہداری کے سوا کوئی شخص صراط سے نہیں گزر سکے گا۔

۱۵۔ ایضاً

ابن سمان نے مجاہد سے اور انھوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ قیامت کے دن علی ابن ابی طالب حوض پر ہوں گے. نہ داخل ہوگا جنت میں کوئی جب تک اس کے ہاتھ میں پروانہ راہداری کا نہ ہو علی ابن ابی طالب سے ولا یدخل الجنۃ یوم القیامۃ الا من جاء بجواز من علی ابن ابی طالب)

۱۶۔ اُمّت میں فتنہ کے وقت علیؑ کی ملازمت کا لزوم

دیلمی اور خوارزمی نے اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں ابو لیلی غفاری سے اور نیز نزل السائرین کفایت الطالب اور مناقب خطیب میں روایت کی گئی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں فتنہ برپا ہوگا. جب ایسا ہو تو تم ملازمت علیؑ کی اختیار کرو. بہ تحقیق وہ حق و باطل میں فرق کرنے والا۔

۱۷۔ امّت میں افتراق کے وقت حق علیؑ کے ساتھ

حاکم نے مستدرک جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ پر روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ جب میری امّت میں افتراق پیدا ہو جائے گا تو تم حق کے علمبردار ہو گے۔

۱۸۔ علیؑ سے خلافت پر لڑنے والے کو قتل کردو

دیلمی نے حضرت ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خُدا فرماتے تھے کہ جو شخص علیؑ کے ساتھ خلافت پر لڑے اس کو قتل کردو جو کوئی ہو۔

۱۹۔ بہ موجودگی امام خروج کرنے والے پر خدا کی لعنت

دیلمی نے حضرت ابوبکر سے روایت کی ہے کہ رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بہ موجودگی امام کے اپنے لئے یا غیر کے واسطے خروج کرے اس پر خدا اور اس کے فرشتے اور آدمیوں کی لعنت ہے اس کو قتل کر ڈالو۔

۲۰۔ بعد رسولؐ علیؑ کو حاکم ماننے کا حکم

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور نیز دیگر محدثین نے عبداللہ ابن عباسؓ سے حسب ذیل حدیث درج کی ہے:۔

قال رسول اللہ من سرّہ ان یحیٰ حیاتی و یموت مماتی و یسکن جنۃ عدن غرسھا ابی فلیتوالُ

علیاً من بعدی ولیوال ولیہ ولیقتد بالائمۃ من بعدی فانھم عترتی خلقوا من طینتی و
رزقوا فھماً وعلماً، ویل المکذبین بفضلھم من امتی للقاطعین فیھم صلتی لا انالھم اللہ
شفاعتی۔ ترجمہ: حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ میری سی زندگی و موت اس کو
حاصل ہو اور جنت عدن میں اس کی سکونت ہو جس کو خدا نے اپنے دست قدرت سے سنوارا ہے۔ اس کو چاہئے کہ علیؑ کو میرے
بعد حاکم بنائے (یعنی اولی الامر مانے) اور علیؑ جس کو اپنے بعد حاکم بنائیں اس کو حاکم تسلیم کرے اور میرے بعد جو ائمہ ہوں گے
ان کی امامت کا قائل ہو اس لئے کہ یہ لوگ میری اولاد ہیں اور میری طینت سے ان کی خلقت ہوئی ہے۔ وائے
ہو اس پر جو ان کے افضل خلق ہونے سے انکار کرے اور میری اولاد ہونے کا لحاظ نہ کرے۔ خدا میری شفاعت اس تک
نہ پہنچائے۔ اس حدیث کا ترجمہ کرنے میں جو نکتہ خیال میں رکھنے کے قابل ہے یہ ہے کہ حق اہلبیت چھپانے والوں نے
اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ جو علیؑ کو دوست رکھے۔ یہ ترجمہ غلط ہے۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ نے من بعدی کی قید لگادی ہے
اس غلط ترجمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ میری زندگی میں دوست نہ رکھے بعد میں دوست رکھے اور جب حاکم بنانے کے
معنی لئے جائیں تو مطلب واضح ہے کہ میرے بعد علیؑ حاکم ہے اور ان کے بعد میری اولاد میں ائمہ طاہرین۔ پورا سیاق عبارت بھی
حاکم کے معنوں کی تائید کرتا ہے۔

۲۱۔ حضرت رسول کا حضرت علیؑ کے سر پر اپنے دست مبارک سے دستار باندھنا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۲۲۹ و ۲۳۰ پر لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا نائب بنا کر یمن کی طرف روانہ کیا تو آپ کے سر پر
اپنے دست مبارک سے دستار باندھی پھر آپ کو اپنے ناقہ پر سوار کر کے کفار کی جانب روانہ کیا اور وقت روانگی فرمایا
کہ اگر ایک شخص بھی علیؑ کے ہاتھ پر ایمان لائے گا تو وہ دنیا و مافیہا سے افضل ہوگا اور پھر حضرت علیؑ کے لئے دعا
فرمائی اللھم ثبت لسانہ واھد قلبہ اور پھر فرمایا اقضاکم علی آج تک بھی یہ طریقہ اہل طریقت
میں چلا آرہا ہے کہ جانشین و خلیفہ کے سر پر دستار باندھی جاتی ہے۔

۲۲۔ سورہ برات حضرت ابوبکر سے لیا جا کر حضرت علی علیہ السلام کو دیا جانا

ماہ ذالحجہ ۹ھ میں تبلیغ سورۂ برات کا واقعہ پیش آیا۔ صحیح نسائی میں سعد ابن ابی وقاص سے اور تاریخ ابن الوردی میں انس ابن مالک سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر سورۂ برات کے
ساتھ مکہ کو روانہ ہوئے ابھی وہ تھوڑی دور نہیں گئے تھے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے روانہ کیا کہ وہ
ان سے سورۂ برات لے کر مکہ کو چلے گئے حضرت ابوبکر کے دل پر ملال گزرا آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ جبرئیل نے مجھے پیام پہنچایا
ہے کہ مجھ سے کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا میں یا وہ آدمی جو میرا ہو۔ صحیح ترمذی اور تفسیر معالم التنزیل میں امام بغوی نے
لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت ابوبکر کو سورۂ برات کی چالیس آیتیں اہل حج کو سنانے مقرر فرمایا پھر ان کے
پیچھے حضرت علی مرتضیٰ کو اپنی خاص اونٹنی عضباء پر روانہ فرمایا کہ وہ آیتیں حضرت ابوبکر سے لیکر اہل حج کو سنائیں چنانچہ

حضرت علیؑ نے جمرۂ عقبیٰ کے نزدیک کھڑے ہو کر وہ آیتیں اہل حج کو سنائیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت رسولؐ سے پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ سوائے میرے یا میرے اہل بیت کے کسی شخص کو مناسب نہیں کہ وہ اس کارِ تبلیغ کو انجام دے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ احکام الٰہی کی تبلیغ کا کام حضرت رسالت مآبؐ یا پھر آپ کے اہل بیت ہی انجام دے سکتے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ۲ صفحہ ۲۳۸ و باب ۱۹ صفحہ ۱۹۴ و جامع ترمذی صفحہ ۳۴۳ و سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۴۰ و ۴۳ و خصائص نسائی صفحہ ۱۴ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ و الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۰ و منتخب کنز العمال باب ۱ صفحہ ۴۴ و ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۱۔

۲۳۔ الحق مع علی والعلی مع الحق

خوارزمی حافظ ابن مردویہ اور دیگر محدثین نے مختلف راویوں مثلاً ابوذر غفاری حضرت عائشہ ام سلمیٰ اور عبدالرحمٰن ابن سعید سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے اور یہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے اور حق علیؑ کے پیچھے چلتا ہے جدھر بھی وہ جائے۔ یہ روایت ان الفاظ میں بھی آئی ہے کہ یا علیؑ حق تیرے ساتھ ہے اور تیری زبان پر ہے اور تیرے دل میں ہے اور تیری دو آنکھوں میں ہے۔ ان الفاظ میں بھی روایت ہے کہ حق میرے بعد علیؑ کے ساتھ ہے۔ جامع ترمذی صفحہ ۶۰۴ و ریاض المنضرہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۰ و کنز العمال صفحہ ۳۰ و ۶۲ و ازالۃ الخفا صفحہ ۲۷۹ پر ہے اور حافظ ابن مردویہ نے ابن حیان التیمی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ یا اللہ پھیر دے حق کو ساتھ علیؑ کے جدھر بھی وہ جائے۔

۲۴۔ جس نے علی کو چھوڑا رسولؐ کو چھوڑا

دیلمی اور احمد نے ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے جس نے علیؑ کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا اس نے اللہ کو چھوڑا (نیز ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۲۴ و کنز العمال صفحہ ۳۲)

۲۵۔ علی سید العرب

طبری نے ریاض المنضرہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۷ پر اور طبرانی نے الکبیر میں اور ابو نعیم نے حلیۃ الابرار میں امام حسین علیہ السلام سے روایت کی ہے اور ازالۃ الخفا صفحہ ۲۶۲ پر ہے کہ ایک روز سرور عالم نے فرمایا عرب کے سردار کو میرے پاس بلاؤ حضرت عائشہ کہنے لگیں کیا آپ عرب کے سردار نہیں آپ نے فرمایا میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں علیؑ عرب کا سردار ہے۔ جب حضرت علیؑ تشریف لائے تو حضرت رسول خدا نے تمام انصار کو بلا بھیجا۔ جب تمام انصار حاضر ہو گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا اگر تم اس سے تمسک رکھو جس کی میں نشاندہی کرنے والا ہوں تو کبھی تم گمراہ نہ ہو گے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کون ہے بتائیے تب حضرت رسولؐ نے فرمایا وہ شخص یہ علی ہے۔ تمام عرب کا سردار ہے اس کو دوست رکھو اسی طرح جیسے مجھے دوست رکھتے ہو اور اس کی عزت کرو اسی طرح جیسے میری عزت کرتے ہو بہ تحقیق جبرئیل نے خدا کا یہ پیغام مجھ کو دیا ہے جو میں نے تم سے بیان کیا۔ حاکم نے مستدرک میں اور البیہقی نے حضرت عائشہ سے بھی بالکل ایسی ہی روایت کی ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح

اور ازالۃ الخفا میں بھی حضرت عائشہ کی زبانی ایسی ہی روایت درج ہے۔

عاشق الٰہی میرٹھی اپنے ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ "اشراف عرب قریش تھے اور قریش میں سے ممتاز ترین قبیلہ بنی ہاشم آپ (حضرت علیؑ) باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہاشمی تھے۔ دامادیٔ رسول وزوجگی بتول نے آپ کو اور ممتاز کردیا تھا اس پر آپ کے کارناموں نے سونے پر سہاگہ کا کام کردیا تھا اور بیشک آپ سید العرب کہلانے کے مستحق تھے"۔ یہ سب لکھ کر عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں "مگر خلافت سے اس کو واسطہ نہ تھا" قابل غور ہے کہ ہر قسم کے فضائل کا اعتراف بھی کیا جائے۔ سید العرب ہونے کا مستحق بھی قرار دیا جائے اور رسول اللہ کے آپ کو سید العرب قرار دینے کو بھی تسلیم کیا جائے اور جب عملاً سرداری عرب یعنی جانشینی رسول کا وقت آئے تو یہ کہہ دیا جائے کہ اس تمام شرف اور سرداری کو خلافت سے واسطہ نہیں ہے۔ بجز اس کے اور کیا کہا جائے کہ ع

براین عقل و دانش بباید گریست

۲۶- خلیفہ رسول اللہ

دیلمی نے ابو سعید خدری سے روایت کی حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ میں اور علیؑ چار ہزار برس آدم سے پہلے ایک نور تھے جب اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو اس نور کو آدم کی پشت میں ملا دیا۔ وہ نور مشترک چلا آیا یہاں تک کہ عبد المطلب کی صلب میں جُدا ہو گیا پس مجھ میں نبوت ہے اور علیؑ میں خلافت ہے ابن مردویہ نے مناقب میں اور نیز وسیلۃ المتعبدین میں انس ابن مالک سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میرا بھائی وزیر، وصی اور خلیفہ علیؑ ہے۔

۲۷- وصی رسول اللہ

طبرانی الکبیر میں اور ابو بکر ابن مردویہ نے ابو سعید خدری اور حضرت سلمان فارسی سے اور نیز احمد بن حنبل نے سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ سلمان نے حضرت رسول خُدا سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہر نبی کیلئے ایک وصی ہوتا رہا ہے۔ حضور کا وصی کون ہے؟ فرمایا تو جانتا ہے کہ موسیٰ کا وصی کون تھا۔ میں نے عرض کیا یوشع بن نون۔ حضرت نے فرمایا کیوں میں نے کہا اس لئے کہ وہ حضرت موسیٰ کی امت میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ آنحضرت نے فرمایا پس میرا وصی اور میرا رازدار اور جن لوگوں کو میں اپنے بعد چھوڑتا ہوں ان سب سے بہتر اور میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے قرضوں کو ادا کرنے والا علی ابن ابی طالب ہے۔ دیلمی نے فردوس الاخبار میں نیز منزل السائرین میں اور وسیلۃ المتعبدین میں بریدہ سے بھی ایسی ہی روایت کی گئی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ میرا وصی اور وارث علی ہے۔ دار قطنی طبرانی خطیب اور حاکم نے ابو ایوب انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا بیمار ہوئے۔ جناب فاطمہ عیادت کے لئے آئیں۔ حضور کے ضعف اور تکلیف دیکھ کر رونے لگیں حتیٰ کہ دونوں رخسار پر اشک جاری ہوئے۔ یہ دیکھ کر سرکار نے ارشاد فرمایا اے فاطمہ اللہ کی خاص مہربانی ہے تیرے حق میں کہ میں نے تیرا نکاح ایسے شخص کے ساتھ کیا ہے کہ وہ اسلام لانے میں سب سے مقدم اور سب سے زیادہ علم رکھنے والا اور حلم میں سب سے بڑا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے زمین کے رہنے

والوں کو خوب دیکھ کر ان میں سے مجھے انتخاب کیا اور مجھے نبی مرسل بنایا۔ پھر دوبارہ اچھی طرح سے دیکھا اور تیرے شوہر کو انتخاب کیا اور مجھے وحی بھیجی کہ میں اس کے ساتھ تیرا نکاح کروں اور اس کو اپنا وصی بناؤں۔ مناقب میں خطیب نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جبرئیل نے میرے پاس آکر پر پھیلائے۔ ایک پر پر لکھا تھا لا الہ الا اللہ محمد النبی اور دوسرے پر لکھا تھا لا الہ الا اللہ علی الوصی ابوبکر الخوارزمی نے حضرت ام سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے با لتحقیق ہر امت سے اللہ تعالیٰ نے ایک نبی منتخب کیا ہے اور ہر ایک نبی کے لئے اسی امت سے ایک وصی انتخاب فرمایا ہے اور میں اس امت کا نبی ہوں اور میرے بعد میری امت اور میری عترت اور میرے اہل بیت میں میرا وصی علیؑ ہے۔ الجمع بین الصحیحین للحمیدی میں اسود بن یزید سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت عائشہ کے پاس آکر ذکر کیا کہ علی وصی تھے ان لوگوں نے زور سے کہا کہ وہی وصی ہیں۔ پس حضرت عائشہ نے انکی تکذیب نہ کی بلکہ ذکر کیا کہ میں نے خود اس بات کو آنحضرت سے آپ کی وفات کے وقت سنا ہے۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ صفحہ ۸۹ پر مذکور ہے کہ حضرت رسولؐ کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ نے ایک شخص کو مقرر فرمایا کہ اعلان عام کرے کہ اگر کسی شخص کا حضرت رسولؐ کچھ باقی ہوں تو وہ میرے پاس آکر حاصل کرے۔ اس کے بعد زندگی بھر حضرت علیؑ کا یہ طریقہ تھا کہ ہر سال یوم عرفہ کو بھی اعلان کروایا کرتے تھے حضرت علیؑ کے بعد حضرت حسنؑ بطور فریضہ یہی اعلان کرواتے رہے اور آپ کے بعد حضرت حسینؑ اپنی شہادت تک یہ اعلان کرواتے رہے۔ کنز العمال صفحہ ۱۲۷ پر قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ آنحضرت کے وعدوں کو پورا کرتے رہے۔ عبدالرزاق سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا حضرت رسولؐ نے فی الواقعی کوئی وصیت کی تھی۔ عبدالرزاق نے جواب دیا کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ آنحضرت نے حضرت علیؑ کو وصیت کی تھی۔

وصایت علی کے متعلق مشہور کتابیں

حضرت رسول خدا حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا وصی بحکم خدا مقرر کرنے سے متعلق مشہور محدثین و مورخین نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:-

(۱) کتاب الوصیۃ ہشام بن حکم
(۲) الوصیۃ حسین بن سعید
(۳) الوصیۃ حکم بن مسکین
(۴) الوصیۃ علی بن مغیرہ
(۵) الوصیۃ علی بن حسن بن فضل
(۶) الوصیۃ محمد بن علی بن فضل
(۷) الوصیۃ ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال
(۸) الوصیۃ احمد بن محمد بن خالد برقی صاحب محاسن
(۹) الوصیۃ عبدالعزیز بن یحییٰ جلودی
(۱۰) الوصیۃ علی بن اناب
(۱۱) الوصیۃ یحییٰ بن مستفاد
(۱۲) الوصیۃ محمد بن احمد صابونی
(۱۳) الوصیۃ محمد بن حسن بن فروغ
(۱۴) الوصیۃ شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی۔

(۱۵) الوصیۃ والامامۃ و نیز اثبات الوصیۃ علی بن حسین مسعودی صاحب مروج الذھب۔ (۱۶) الوصایا محمد بن علی شلمغانی (۱۷) الوصیۃ موسیٰ بن حسن بن عامر

۲۸- علی ولی اللہ

دیلمی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ سرور کائنات فرماتے تھے کہ شب معراج ہم نے جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا لا الٰہ الا اللّٰہ محمد حبیب اللہ و علی ولی اللہ و فاطمۃ امۃ اللہ والحسنین صفوۃ اللہ علی یا غضبھم لعنت اللّٰہ یعنی محمد خدا کا حبیبؐ۔ علی اللہ کا ولی ۔ فاطمہ پروردگار کی کنیز ہے اور حسنین خُدا کے برگزیدہ ہیں۔ ان کے دشمنوں پر خدا کی لعنت ہو۔ مناقب میں خطیب نے نیز ابن مغازلی مالکی نے مناقب میں اور وسیلۃ المتعبدین میں جابر کی زبانی روایت میں حسب ذیل الفاظ درج کئے ہیں لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علی ولی اللّٰہ اخو رسول اللّٰہ قبل ان یخلق السموات والارض بالفی عام۔

۲۹- علی حجۃ اللّٰہ

احمد ابن حنبل نے مسند میں اور نیز حافظ ابی بکر محمد بن ابی نصر نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خُدا نے فرمایا کہ میں اور علی خدا کے بندوں پر خدا کی حجت ہیں۔ دیلمی نے بھی انس سے ایسی ہی روایت کی ہے حضرت رسول نے فرمایا کہ علی خدا کی مخلوق پر خدا کی حجتؐ ہے۔ نقاش نے بھی انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علی قیامت کے روز میری اُمت پر میری حجتؐ ہے۔

۳۰- امیر المومنین و قائد الغر المحجلین و صفوۃ اللّٰہ

ابوبکر ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب رسولِ خدا دحیہ کلبی کے آغوش میں سر رکھے ہوئے اپنے دولت خانہ کے صحن میں استراحت فرما رہے تھے کہ حضرت علیؑ آئے اور سلامٌ علیکم کہکر سرورِ عالم کا حال پوچھا۔ دحیہ نے جواب دیا خیریت ہے۔ اس کے بعد کہا میں آپ سے محبتؐ رکھتا ہوں اور آپ کے چند مناقب مجھے معلوم ہیں۔ جن کو میں آپ سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آپ امیر المومنین (تمام مومنوں کے امیر) اور قائد الغر المحجلین (سفید ہاتھ اور منہ والوں کے پیشوا) ہیں اور آپ سوائے انبیاء کے تمام بنی آدم کے سردار ہیں۔ قیامت کے روز لوا الحمد آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور آپ کا گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنتؐ میں سیر کرتا ہوگا۔ بہ تحقیق اسعد ہوا وہ شخص جو آپ سے تولا رکھے اور نقصان اٹھایا اس نے جو آپ سے علٰحدہ ہو گیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محب آپ کے محب ہیں اور اُن کے دشمن آپ کے دشمن ہیں وہ جناب رسولِ خُدا کی شفاعت سے کبھی بہرہ یاب نہ ہوں گے اے برگزیدۂ خدا میرے پاس تشریف لایئے۔ حضرت علیؑ ان کے قریب گئے تو انھوں نے سرورِ عالم کا سر اپنی آغوش سے اُٹھا کر حضرت علیؑ کی آغوش میں رکھ دیا اتنے میں سرکار نے خواب سے بیدار ہو کر پوچھا کیا باتیں تھیں۔ حضرت علیؑ نے دحیہ کلبی کا تمام ماجرا بیان کیا۔ سرکار نے ارشاد فرمایا۔ دحیہ نہیں

بلکہ جبرئیل آئے تھے تاکہ جن القاب سے پروردگار نے تمہیں ممتاز کیا ہے ان سے تمہیں آگاہ کریں۔ خدائے تعالیٰ نے تمہاری محبت کو مومنین کے سینہ میں القا کیا ہے اور تمہارے خوف کو کافروں کے دل میں ڈال دیا ہے۔

ابن مردویہ نے بریدہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے ہمکو حکم دے رکھا تھا کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کو یا امیر المومنین کہکر سلام کیا کریں۔ ابن مردویہ نے سالم سے روایت کی ہے کہ میں جناب امیرؑ کے ساتھ ان کی زمین میں تھا۔ اور وہ اس کی کاشتکاری کر رہے تھے حضرت ابوبکر و عمر آپ سے ملنے کو آئے اور السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر سنت سلام ادا کی کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ جناب رسولِ خدا کی زندگی میں بھی اس طرح کہا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ حضرت ہی نے ہم کو یہ حکم دیا تھا۔ دیلمی نے فردوس الاخبار باب ۱۴ میں حذیفہ بن الیمان سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسول خدا فرماتے تھے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کب سے علیؑ کا نام امیر المومنین رکھا گیا ہے تو ہرگز اس کے فضائل سے انکار نہ کرتے علیؑ کا نام اسوقت سے امیر المومنین ہے کہ ابھی آدم روح و جسد کے درمیان تھے۔ اس وقت پروردگار نے ارواح کو خطاب کیا کہ میں تمہارا خدا ہوں محمدؐ تمہارا نبی ہے اور علیؑ تمہارا امیر ہے۔ ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ جناب رسولِ خداؐ حضرت عائشہ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں جناب امیرؑ تشریف لائے اور آنحضرت اور عائشہ کے درمیان بیٹھ گئے حضرت عائشہ جھنجھلا کر بولیں کیا میری ران پر بیٹھنے کے سوا آپ کے لئے کوئی اور جگہ نہ تھی۔ سرور عالم نے حضرت عائشہ کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا کہ چھوڑ میرے بھائی کے بارے میں تو مجھے ایذا نہ دے۔ یہ مومنوں کا امیر ہے اور مسلمانوں کا سردار ہے اور سفید ہاتھ اور منہ والوں کا پیشوا ہے۔ قیامت کے روز یہ پل صراط پر بیٹھے گا اور اپنے دوستوں کو جنت میں اور دشمنوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ ابوبکر ابن مردویہ نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت رسولِ خدا اپنی زوجہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے گھر میں رونق افروز تھے ام حبیبہ سے ارشاد کیا تم ہم سے تھوڑی دیر کے لئے علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ ایک ضروری امر درپیش ہے۔ پھر آپ نے خوب طرح سے وضو کیا اور فرمایا جو شخص کہ سب سے اول اس دروازہ میں داخل ہوگا وہ مومنوں کا امیر عرب کا سردار اور تمام اوصیا سے بہتر اور سب لوگوں سے برتر ہوگا۔ حضرت انس (جو انصار سے تھے) کہتے ہیں میں اپنے دل میں دعا کرنے لگا یا الٰہی وہ شخص انصار میں سے ہو۔ ناگہاں جناب امیر دروازہ سے گھس آئے۔ ابن مردویہ نے معاویہ بن ثعلبہ اللیثی سے بیان کیا ہے کہ جب ابوذر غفاری سخت بیمار ہوگئے تو جناب امیرؑ سے اپنی وصیت بیان کی۔ بعض لوگوں نے کہا اگر تم اپنی وصیت امیر المومنین عمر بن الخطاب سے بیان کرتے تو بہتر ہوتا۔ ابوذر کہنے لگے میں نے اپنی وصیت کو سچے امیر المومنین سے بیان کیا ہے۔ ابن مردویہ نے مناقب میں اور نیز خطیب نے اپنے مناقب میں انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ میں ایک روز حضرت رسولؐ کی خدمت میں تھا۔ آنحضرت نے اچانک فرمایا کہ اب مسلمانوں کا سردار مومنوں کا امیر بہترین وصی اور لوگوں کی جان ومال کا مختار داخل ہوگا۔ اتنے میں حضرت علیؑ داخل ہوئے۔ ان کو دیکھ کر حضرت رسولؐ نے فرمایا اے معبود اس کو دوست رکھ اور پھر حضرت رسولؐ اپنے چہرہ کا پسینہ علیؑ کے چہرہ پر اور علیؑ کے چہرہ کا پسینہ

اپنے چہرہ پر ملتے جاتے تھے۔

یہ امر تمام محدثین اہلسنت کا مسلمہ ہے کہ "امیر المومنین" کا لقب حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو دیا تھا۔ مگر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے یہ لقب اپنے لئے اختیار کر لیا۔ جیسا کہ مولانا شبلی کی تحریر الفاروق صفحہ ۱۴۱ مندرجہ ذیل سے ظاہر ہے "یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت عمر نے اُصول مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المومنین کا پُر فخر لقب کیوں ایجاد کیا؟" المختصر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا لقب ہے جو حسب ارشادات رسول اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو دیا ہے۔

۳۱۔ سیّد المسلمین وسید المومنین وامام المتقین دیلمی نے فردوس الاخبار میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ سرور عالم نے فرمایا ہے کہ پروردگار نے مجھ کو علیؑ کی نسبت وحی بھیجی ہے کہ وہ تمام متقیوں کا امام ہے۔ دیلمی اور ابن مردویہ نے انس بن مالک اور نواس ابن سمعان سے یہی روایت کی ہے۔ حاکم ابو نعیم" ابن مردویہ اور ابن تانع نے عبداللہ بن سعد زرارہ سے روایت کی ہے کہ سرور عالم فرماتے تھے کہ شب معراج میں جب ہم اپنے پروردگار کے پاس پہنچے تو پروردگار نے مجھے علیؑ کے تین القاب القا فرمائے کہ وہ مسلمانوں کا سردار اور متقیوں کا امام اور تمام مومنین کا سردار ہے۔

۳۲۔ مقیم الحجہ خطیبؒ نے مناقب میں عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خُدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب پروردگار نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو آدم نے چھینک لی اور الحمد اللہ پڑھا۔ پروردگار نے فرمایا میرے بندہ نے میرا شکر کیا ہے۔ مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم اگر میں اپنے دو بندوں کو دُنیا میں پیدا کرنے کا ارادہ نہ کرتا تو میں نے تجھے ہرگز پیدا نہ کیا ہوتا۔ حضرت آدم نے عرض کیا یا الہٰی وہ دونوں مجھ سے پیدا ہوں گے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں اے آدم اپنے سر کو اٹھا کر دیکھ۔ حضرت آدم نے دیکھا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد نبی الرحمتہ وعلی مقیم الحجۃ (یعنی محمد رحمت کا نبی ہے اور علی حجت قائم کرنے والا ہے)

۳۳۔ خاتم الوصئین ابو بکر ابن مردویہ نے حضرت انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے مجھ سے کہا کہ انس پانی لا کر مجھے وضو کرا۔ پس حضرت نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر آپ لوٹ بیٹھے اور ارشاد کیا آج جو شخص کہ سب سے پہلے میرے پاس آئے گا وہ امیر المومنین اور خاتم الوصیین اور سید المسلمین اور سفید ہاتھ اور منہ والوں کا پیشوا ہوگا۔ اتنے میں جناب امیرؑ تشریف لائے اور مکان میں داخل ہوئے۔

۳۴۔ سیّد المرسلین حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ باہر سے تشریف لائے تو حضرت رسولؐ نے فرمایا مرحبا سید المرسلین وامام المتقین مرحبا سید المرسلین و امام المتقین۔

۳۵۔ سیّد الصادقین تذکرہ خواص الامر میں سبط ابن جوزی نے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ

حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ علی سید الصادقین ہے۔

۳۶- ولی المتقین حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے اپنی مسند میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے مجھ سے فرمایا تو مسلمانوں کا سردار متقیوں کا ولی اور سفید ہاتھ اور منہ والوں کا پیشوا ہے۔

۳۷- ولی المومنین مشکواۃ المصابیح صفحہ ۵۶۳ پر ترمذی کی روایت عمران بن حصین سے درج ہے کہ نبی رسول اللہ نے فرمایا کہ ان علی منی وانا منہ وھو ولی کل مومن۔ ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا کہ بیشک علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ جملہ مومنین کا ولی سرپرست ہے ترمذی نے اور نیز ابن عبدالبر نے استیعاب میں روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا انت ولی کل مومن بعدی یعنی اے علیؑ تم میرے بعد ہر ہر مومن کے ولی ہو۔ ترمذی اور نسائی نے یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا من کنت ولیہ فعلی ولیہ۔ یعنی میں جس کا ولی ہوں علیؑ اس کا ولی ہے غور کیا جائے تو تمام مومنین کا ولی اور سرپرست ہونا کوئی معمولی عظمت کی چیز نہیں ہے۔ ولی اور سرپرست کا درجہ تو محض حاکم یا امیر کے درجہ سے بھی بڑا ہوتا ہے اور ولی کا وہ لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نسبت سے خود اپنے لئے استعمال فرمایا ہے اور پھر اسی لفظ کو رب العزت نے اپنے پیغمبر کے لئے اور خود ذات علیؑ کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین...... الخ جس کا ذکر علیحدہ آچکا ہے۔ جب مومنین کا ولی حضرت علیؑ کو خود اللہ تعالیٰ اور پیغمبر خدا نے بنایا ہو تو قابل غور ہو جاتا ہے کہ حقیقی ولی المومنین علیؑ ہے یا لوگوں کے بنائے ہوئے کوئی اور۔ حالانکہ حیرت ہے کہ اللہ و رسولؐ کے مقررہ کئے ہوئے امیر المومنین اور ولی المومنین کو چھوڑ کر کسی اور کو امیر المومنین بنایا جائے۔ اس حدیث میں پیغمبر خدا نے علیؑ کو محض ولی کل مومن ہی نہیں کہا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں خاتم النبیین افضل الانبیا کا یہ فرمانا کہ میں علیؑ سے ہوں یعنی میرا دین علیؑ سے قائم ہے۔ ذات علیؑ کی کیسی بڑی عظمت کا پتہ دیتا ہے۔

۳۸- امام الاولیاء رایۃ الہدیٰ منار الایمان ابن مردویہ نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ ابن برزہ سے فرما رہے تھے اور میں سن رہا تھا کہ پروردگار نے علیؑ کے حق میں عہد کیا ہے کہ وہ رایۃ الہدیٰ منار الایمان اور امام الاولیاء ہے۔

۳۹- یعسوب المومنین ابن عدی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے اور صواعق محرقہ میں بھی اس کو درج کیا گیا ہے کہ حضرت رسول خدا ارشاد فرماتے تھے کہ علی مومنین کا بادشاہ ہے اور مال وزر منافقین کا بادشاہ ہے۔

۴۰- سید المومنین امام المتقین قائد غر المحجلین حاکم نے مستدرک میں عبداللہ بن سعد بن زرارہ سے

روایت کی ہے اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی ازالۃ الخفا میں اس کو نقل کیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوحیٰ الی فی علی ثلث انہ سید المومنین و امام المتقین و قائد غرّ المحجلین" یعنی مومنین کا سردار اور متقین کا امام اور تابندہ چہرہ رکھنے والوں کا قائد بروے وحی علیؑ ہے۔

۴۱۔ الہادی ابونعیم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت انما انت منذر ولکل قوم ھاد نازل ہوئی تو حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں منذر ہوں اور علیؑ ہادی ہے۔

۴۲۔ امام البررہ حاکم نے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ بالتحقیق حضرت رسول خدا نے جناب امیرؑ کی نسبت ارشاد فرمایا ہے کہ علی نکوکاروں کا امام اور بدکاروں کا قاتل ہے۔ فتحمند ہوا جس نے اسکی مدد کی اور چھوڑا گیا۔ جس نے کہ اس کو چھوڑا۔

۴۳۔ قاتل الفجرہ امام ابواسحاق الثعلبی اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں اور اس حدیث کے اسناد کو عبداللہ ابن عباسؓ تک پہنچاتے ہیں کہ ایک روز ابن عباسؓ زمزم کے کنوئیں کے پاس بیٹھے ہوئے حضرت سرور کائنات کی احادیث بیان کر رہے تھے کہ ناگہاں ایک شخص نے آکر کہا سرور عالم بیان فرماتے تھے۔ ابن عباسؓ نے قسم دیکر پوچھا بتاؤ کون ہے وہ کہنے لگا اے لوگو جس نے مجھے پہچانا ہوا ور جس نے مجھے نہیں پہچانا ہو اب پہچان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے حضرت رسولؐ کو فرماتے ہوئے اپنے ان دونوں کانوں سے سُنا ہے ورنہ یہ دونوں بہرے ہوجائیں کہ آپ جناب امیرؑ کی نسبت ارشاد فرماتے تھے کہ علی ابن ابی طالب نیکوکاروں کا پیشوا ہے اور بدکاروں کا قاتل ہے۔ فتحمند ہوا وہ شخص جس نے اس کی مدد کی اور چھوڑا گیا وہ شخص جس نے کہ اسے چھوڑ دیا۔

۴۴۔ صَاحبُ الرّایہ ابن مردویہ انس ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ ابی برزہ سے فرمارہے تھے۔ اور میں سن رہا تھا کہ اے ابابرزہ خدائے تعالیٰ نے علی ابن ابی طالب کی نسبت مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہدایت کا علم اور ایمان کا نشان ہے اور اولیاء کا امام ہے اور جس قدر کہ میری اطاعت کرنے والے لوگ ہیں ان سب کا نور ہے۔ اے ابابرزہ علیؑ کل قیامت کے روز میرا امین اور علمبردار ہے۔ علی میرے پروردگار کے خزانوں کی کنجی ہے اور وہ ایک پاک کلمہ ہے جس کو متقیوں نے اپنے لئے لازم کر لیا ہے۔

۴۵۔ صاحبُ اللّواء دیلمی نے ابن سعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور کائنات فرماتے تھے یا علیؑ تم میری میت کو غسل دوگے اور میرے قرض کو ادا کروگے اور مجھ کو میری قبر میں دفن کروگے اور جو کچھ میرے ذمہ ہوگا پورا کروگے اور تم دنیا و آخرت میں میرے صاحب علم ہو۔

۴۶۔ شیخ المہاجرین والانصار ابوسعد عبدالملک بن ابی عدن نے شرف النبوۃ میں ابن عباس سے اس طرح روایت کی ہے۔ ایک روز جناب رسول خداؐ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو آخرت کا خوف دلایا اور وعید الہٰی سے ڈرایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا علی ابن ابی طالب

کہاں ہیں۔ جناب امیر اجل کر اپنے دونوں پاؤں پر کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میں یہیں حاضر ہوں حضرت نے ان کو اپنے نزدیک بلایا اور اپنے سینہ سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور رونے لگے۔ یہاں تک کہ رخسار مبارک پر اشک جاری ہوگئے۔ پھر با آواز بلند ارشاد کیا۔ اے گروہ اہل اسلام یہ علی ابن ابی طالب شیخ المہاجرین والانصار ہے۔ یہ میرا بھائی اور میرا ابن عم اور میرا داماد اور میرا گوشت اور میرا خون ہے۔ یہ ابو سبطین یعنی حسن اور حسین کا باپ ہے جو اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ یہ مجھ سے تکلیف کو دور کرنیوالا ہے اور یہ خدا کی زمین پر خدا کا شیر ہے اور اس کے دشمنوں کیلئے اس کی برہنہ شمشیر ہے اس کے دشمنوں پر خدا اور اس کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ اللہ ان سے بیزار ہے میں ان سے بیزار ہوں پس اگر کوئی خدا کی اور میری بیزاری چاہتا ہو وہ اس سے بیزاری اختیار کرے۔ تم حاضرین میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ غائبوں کو اس سے آگاہ کرے۔

۴۷۔ ناصر رسول اللہ

دیلمی نے ابن عباس ہلال بن الحارث اور ابی حمرہ سے اور احمد ابن حنبل نے مسند میں ابی حمرہ سے اور نیز ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ شب معراج میں نے عرش کی ساق پر لکھا ہوا دیکھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ وایدتہ ونصرتہ بعلیؑ۔ جناب امیر علیہ السّلام کے اور بھی متعدد القاب حضرت رسول خدا کے ارشاد فرمائے ہوئے ہیں۔ ہم ذیل میں چند مزید القاب کو صرف نوٹ کر دیتے ہیں:۔

وزیر رسول اللہ۔ وارث رسول اللہ۔ رایۃ الھدیٰ۔ منار الایمان۔ یعسوب الدین۔ آیت اللہ۔ وجہ اللہ۔ عین اللہ۔ اذن اللہ۔ نفس اللہ۔ صفوت اللہ۔ صالح المومنین۔ مولی المومنین۔ منجز الوعد۔ قاتل الناکثین والقاسطین والمارقین۔ المرتضیٰ۔ الشاہد۔ الشہید۔ الراکع۔ الساجد۔ العابد۔ الزاہد۔ الصفی۔ باب حطہ۔ الامین۔ نفس رسول۔ ذو الاذن الواعی۔ قاضی دین رسول اللہ۔ ذو القربیٰ۔ خاصف النعل۔ الطاہر الصادق۔ المومن۔ الانزع البطین۔ کاسر الاصنام۔ الساقی کوثر۔ المجیب۔ القاری۔ مثیل ہارون۔ مثیل عیسیٰ۔ ایلیا۔ بیضۃ البلد۔ المہدی۔ طود التقی۔ قباب عین العقنۃ۔ امیر النحل۔ ذو البرقہ۔ دابۃ الارض۔ العزم وغیرہ وغیرہ۔

۴۸۔ علیؑ کی حضرت رسولؐ سے مثال

دیلمی نے فردوس الاخبار میں ابوبکر ابن مردویہ نے فوائد میں اور خطیب نے اپنی تاریخ میں ابن عباس اور نیز خطیب نے براء ابن عازب سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ علی منی بمنزلۃ الرأسی فی الجسد یعنی علیؑ کی نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی سر کی نسبت جسم سے۔

۴۹۔ علی منی وانا من علی

ترمذی نے حبشی بن جنادہ سے اور احمد نے ابن قتادہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے۔ علی منی وانا من علی ولا یودی عنی الا انا او علی۔ یعنی۔ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور نہ ادا کرے میری طرف سے بند عہد کوئی مگر میں یا علیؑ۔

اور نیز ترمذی صفحہ ۴۱۶ نسائی اور ابن ماجہ صفحہ ۱۲ صاحبان صحاح نے حبشی ابن جنادہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ (نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ۱۰ صفحہ ۵۸۰ و باب ۴ صفحہ ۳۸۶ و باب ۱۷ صفحہ ۲۴۴ و مستدرک جلد ۳ صفحہ ۷۰ و مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۵ و جلد ۵ صفحہ ۲۴ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ و اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷ و اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۱ و کنز العمال صفحہ ۳۰ و ۴۷ و مشکواۃ جلد ۴ صفحہ ۱۲۰ و ۱۲۸)۔

۵۰۔ حسین منی وانا من الحسینؑ ترمذی نے صفحہ ۴۶۶ پر یعلی بن مرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا:۔ حسین منی و انا من الحسین احب اللہ من احب حسینا یعنی حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ دوست رکھا اللہ تعالیٰ کو اس نے کہ دوست رکھا حسینؑ کو (نیز ملاحظہ ہو ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۳۳ و جامع صغیر صفحہ ۲۳۵ و کنز العمال صفحہ ۱۰۵، صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۱۱۴ مطالب السئول ابن طلحہ شافعی ص۲۴۲ نور الابصار شبلنجی ص۱۱۳

اس ارشادِ رسول پر ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ گویا اسمیں دین اسلام کی پوری تاریخ کا خلاصہ آگیا ہے کہ حضرت رسول کی جد وجہد حسین کی قربانی سے تکمیل کو پہنچی۔ قربانیٔ حسینؑ نے تاریخ اسلام کے اُس پہلو کو بھی سمیٹ لیا جس میں اسلام کی حقیقی تبلیغ وتحفظ کے برخلاف وہ کارسازیاں بھی تاریخ کے دامن میں آگئیں جنکی ابتداحیاتِ رسول ہی سے شروع ہوکر سقیفہ میں پروان چڑھیں پھر جسکا سلسلہ شہادت مولائے کائنات وامام حسن علیہ السلام سے ہوتا ہوا قتل حسین سے جاملا جیسا کہ کہا گیا ہے۔

اے کشتہ سقیفہ وصفین وکربلا۔

سورۂ تکویر کی آیت ۲۴ وما ھو علی الغیب بضنین (یعنی تمہارا رسول) غیب کی باتیں بتلانے میں بخیل نہیں ہے) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ اپنے حضرت رسول کو بہت سی یا نہ معلوم کتنی بیشمار یا تمام باتوں کا علم عطا فرمادیا ہے۔ اور یہ کہ رسول جب ضرورت سمجھیں گے آنے والی باتوں سے امت کو آگاہ کرتے جائینگے۔ چنانچہ حضرت رسول نے پہلے ہی بتادیا تھا کہ آپ کے بعد امت گمراہی کا راستہ اختیار کرے گی۔ علی سے بیوفائی کرکے ایذا پہنچائیگی۔ حقدار کو چھوڑ کر غیر مستحق کو اختیار کرگی۔ صحابہ کو خلافت کی ہوس پیدا ہوگی اور دولت پر مائل ہونگے جسکی وجہ سے قیامت کے دن ان کو شرمندگی اٹھانی پڑیگی۔ یہ بھی بتادیا تھا کہ آپ کی ایک زوجہ خلاف حکم خدا ورسول گھر سے نکل کر وصیٔ رسول سے برسرِ پیکار ہوگی اور حواب کے کتے اُس پر بھونکیں گے اور پھر مختص طور پر (حسب روایت صحیح بخاری) حضرت عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کرکے تین مرتبہ فرمایا تھا کہ فتنہ اِسی گھر سے اٹھیگا۔ اور شیطان کا سر یہیں سے نمودار ہوگا۔ پھر یہ بھی خبر دی تھی کہ صحابہ کا ایک گروہ حوض کوثر سے ہنکایا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت رسول سے فرمائیگا کہ تمہیں نہیں معلوم تمہارے بعد انھوں نے کیا کیا کرتوت کئے ہیں۔

پھر یہ بھی خبر دیدی تھی کہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی جس میں کا صرف ایک فرقہ جنتی اور باقی سب
دوزخی ہوں گے ان تمام ارشادات رسول کے اسناد ہم نے اپنے اپنے محل پر درج کئے ہیں۔ حضرت رسول کے انھیں
غیب کی باتوں کے اظہار کے منجملہ یہ بھی ہے کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اس ارشاد کے پہلے جز کے ذریعہ
یہ ظاہر فرما دیا کہ حسین آنجناب ہی کے اوصاف، کردار، رفتار و اختیار و علم و عمل ہر چیز میں آپکا آئینہ ہیں
یعنی حسین کے کسی عمل کو میرے عمل کے خلاف نہ سمجھنا۔ عملی برتاؤ سے بھی یہ بتا دیا کہ حسینؑ کو آپ اپنی جان سے
زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ پھر سردارِ جنت اور امام ہونیکی بھی تصدیق فرمائی ۔ ارشادِ رسول کے اس جزو کو سمجھنا
بہت آسان اور سیدھی سادی بات ہے کہ حسین مجھ سے ہے مگر کسی نانا کا یہ کہنا کہ میں نواسہ سے ہوں ایک
معمول سے ہٹی ہوئی اور غور کے قابل اور گہرے مطالب کی حامل بات ہے۔ دراصل یہ غیب کی ہی خبر ہے کہ
جب وہ زمانہ آئیگا کہ دین تقریباً مٹ چکا ہوگا اُمت کا بیشتر حصہ دین فروشی کرکے اہل باطل کی پیروی
کرنے لگے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بے دینی کفر و نفاق الحاد ہی دین اسلام کا معیار قرار پائینگے اور خدا و رسول کا
نام محو ہو رہا ہوگا اور سارے انبیاء و اوصیاء سلف کی محنتیں رائیگاں ہونے کو ہوں گی تو ان سب قدروں کو
بچانے اور دین کے جسدِ مُردہ میں از سر نو جان ڈالنے اور اپنے نانا کی لگائی ہوئی دین کی مُرجھائی اور دم توڑتی
کھیتی کو اپنے اور اپنی اولاد و انصار کے خون سے سینچ کر ابدالآباد تک کیلئے لالہ زار بنانے کیلئے حسین ہی اٹھیگا
اور خدا کے نام کو بچانے وہ اپنا سب کچھ لٹا دیگا اور ازل سے ابد تک کیلئے ایک ایسی مکمل قربانی پیش کریگا
جس میں حسین کے خاندان کے بوڑھے، جوان اور شیر خوار بچے حتیٰ کہ پردگیان عظمت و طہارت کا بھی حصہ
ہوگا۔ خلاق عالم نے تمام انبیاء اوصیا، اولیا، صلحا، شہدا میں سے صرف حسین کو اس کار عظیم کیلئے منتخب فرمایا۔
توریت میں بھی اسکا ذکر موجود ہے کہ روزِ ازل ایک تخت پر چار جاندار (محمدؐ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ) بیٹھے ہوئے تھے۔
اور انبیاء و اصفیاء و ملائکہ صف بستہ کھڑے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کتاب کون کھولتا ہے یعنی
اس امتحان کو کون قبول کرتا ہے تو ایک طرف سے ایک سر بریدہ شخص (حسین) برآمد ہوا اور عرض کیا کہ بارالٰہ
اس امتحان کو میں قبول کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی سب انبیاء و ملائکہ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔
حسین کی ذبح عظیم کی اطلاع نہ صرف قرآن نے وفدیناہ بذبح عظیم کے ذریعہ دی بلکہ توریت و انجیل
وزبور اور انبیائے سلف کے بہت سے صحیفوں میں اس کی خبر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے یہ اہتمام
یقیناً اسی غرض سے کیا تھا کہ کوئی نافہم حسین کے اس کارنامے کو دنیوی اقدام نہ سمجھ بیٹھے۔ بہرحال حسین نے
سب کچھ دیکر اللہ کے نام اور نانا کے دین کو بچالیا۔ آپ یہ فرماتے تھے کہ اے اللہ جس نے سب کچھ پاکر تجھکو نہ پایا تو کیا پایا۔
اور جس نے سب کچھ کھو کر تجھکو پالیا تو کیا کھویا؟ حضرت رسول نے حسینؑ کے اسی کارنامۂ عظم کی خبر ارشاد انا من
الحسین میں دی تھی کہ میرا نواسہ مجھے حیاتِ تازہ عطا کریگا۔

انا من الحسین کے ارشاد پر ایک دوسرے نقطۂ نظر سے بھی غور کا گوشہ سامنے آتا ہے۔ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کے واقعہ کو قرآن نے اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ البَلٰٓؤُا المُبِین وَ فَدَینٰہُ بِذِبحٍ عَظِیمٍ میں ظاہر فرمایا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم کا یہ بڑا کڑا امتحان تھا مگر ایک آئندہ آنیوالی ذبح عظیم کے سبب حضرت اسمٰعیل کی قربانی عملی شکل اختیار نہ کر سکی اور اُن کے فدیہ میں ایک آسمانی دنبہ ذبح ہو گیا اور حضرت اسمٰعیل بچ گئے۔ اب دیکھئے کہ ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اور جناب فاطمہ زہرا علیہا سلام سب حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں ہیں۔ اگر اسمٰعیل کی قربانی عملی شکل اختیار کر جاتی تو باسبابِ ظاہر حضرت رسول و خانوادۂ رسول کی اس دنیائے ارضی میں پیدائش کا امکان نظر نہیں آتا مگر چونکہ مشیت ایزدی نے حسین کی قربانی مقرر فرمادی تھی تو حسین کا دنیا میں آنا لابدی تھا۔ بالفاظ دیگر حسین کی قربانی ہی کی وجہ سے یہ ذواتِ قدسیہ دُنیائے ارضی میں تشریف لائیں لہٰذا حضرت رسول کے انا من الحسین فرمانے کے ایک معنی یہ بھی نکلتے ہیں کہ حسین کی وجہ سے میں پیدا ہوا۔ راقم الحروف نے اس نظریہ کو یوں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

ٹھیرتی گر نہ مشیت میں تری ذبحِ عظیم ذِبحِ طفلی ہی میں ہوتا پسرِ ابراہیم
آئے دنیا میں تری وجہ رسولِ اکرم تب تو فرماتے تھے ہر دم کہ ہیں شبیر سے ہم

بہر حال جس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے حسین ہی کی ذات وہ مرکز ہے کہ ایک طرف اُن کا وجود اور قربانی حضرت اسمٰعیل کے بچ جانے کا سبب ہوئی تو دوسری طرف اپنی قربانی سے نانا کے دین کو بچانے اور خدا و رسول کے نام کو حیاتِ جاودانی عطا کرنے کا باعث ہوئی۔ ایک محبِ اہلبیت سُنّی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے:-

بیاں رازِ شہادت کی اگر تفسیر ہو جائے مسلمانوں کا کعبہ روضۂ شبیر ہو جائے

صحیح ترمذی میں جو حدیث روایت ہوتی ہے اُس میں حسین منی و انا من الحسین کے ساتھ یہ جزو بھی موجود ہے اَحَبَّ اللہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیناً یعنی جس نے حسین سے محبت رکھی اُس نے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھی۔ سورۂ بقر کی آیت ۱۶۵ ہے، وَالَّذِیْنَ آمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ یعنی وہ لوگ جو ایماندار ہیں اللہ تعالیٰ سے شدت کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ صاحبِ مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی کا ارشاد ہے کہ حسین سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے کے مترادف ہے نتیجہ یہ نکلا کہ ایماندار وہی لوگ ہیں جو حسین سے محبت رکھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

یہ بات بآسانی عقل میں بھی آجاتی ہے کہ جب حسین نے بندہ ہو کر اپنا سب کچھ اللہ کی جناب میں نذر کر دیا اور حقیقی معنوں میں اپنے کو فنا فی اللہ کر دیا تو اب رحمٰن و رحیم و کریم ہوتے ہوئے کیا اُس عادلِ حقیقی کا

یہ جوابی اقدام نہ ہونا چاہیئے کہ وہ حسینؑ کو کائنات پر تصرف کا مالک بنا دے۔ گو کہ یہ ظاہر ہے کہ اللہ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں اور وہ کتنا ہی یا بظاہر سب کچھ بھی دیدے تو اس کے خزانے معمور کے معمور ہی ہیں یوں تو چہاردہ معصومین علیہم السلام سب ہی اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر اور مشیت خدا ہیں مگر عام ذہن کھلی کھلی باتیں اور مادی شہادتیں چاہتا ہے سو حسینؑ نے پست و بلند ہر ذہن کیلئے وہ سب اسباب پیدا کر دئے۔ کہ وہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حسینؑ کو سب کچھ بے شک دے ہی دیا ہوگا۔ اب ایسی ذات سے محبت حسب ارشاد رسول اللہ تعالیٰ سے محبت ہی کی ہم معنی نہ ہو تو اور کیا ہوگی۔ سورۂ والفجر کی آیت ۲۷ و ۲۸ ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ؁ ارجعی الی ربک راضیۃ ہ سورۂ والفجر اسطرح شروع ہوتا ہے۔ والفجر ولیال عشرہ والشفع والوتر والیل اذا یسر۔ اسمیں اللہ تعالیٰ نے ایک صبح دس راتوں اور انمیں سے دو دو اور ایک ایک کی اور پھر اس رات کی قسم کھائی ہے جو بڑی مشکل سے گزر رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ قسمیں صبح عاشورہ اور محرم کی دس راتوں کی اور پھر اس گیارھویں رات سے متعلق ہیں جو امام مظلوم کے دس دن تک نرغہ اعدا میں گھرے رہنے کے بعد بھوکے پیاسے مع اولاد و انصار قتل ہو جانیکے بعد اہل حرم پر بڑی مصیبت سے گزر رہی تھی۔ تاریخ عالم پر نظر ڈالی جائے تو عقل بتاتی ہے کہ یکم محرم سے دس محرم تک کے دن اور رات سے بڑھکر نمایاں، اہم اور نہ بھولے جانے والے رات دن کوئی اور نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اہمیت کو بتانے ہی کی غرض سے ایک ایک دو دو گن گن کر ان یادگار لیل ونہار کی قسمیں کھائی ہیں۔ توریت میں بھی ساتویں مہینہ کی پہلی تاریخ سے شروع ہونے والے اس دس دن کے کٹھن سبت کا ذکر واضح طور پر قربانی کے حوالہ سے آیا ہے اور دس میں سے آخری دن کا ذکر اور اہمیت کے ساتھ کیا جا کر اس آنے والے غم کی یاد اسی وقت سے منانے کی نہمائش کی گئی ہے۔

(واضح ہو کہ یہودیوں کا سال ماہ رجب سے شروع ہوتا ہے اور اسطرح ساتویں مہینہ کی پہلی تاریخ یکم محرم قرار پاتی ہے۔ توریت کی اس عبارت کا حوالہ ہم نے باب پنجم میں دیا ہے)

سورۂ فجر کی متذکرہ صدر آیات کا عام فہم ترجمہ یوں ہو سکتا ہے:- "اے اطمینان وسکون پانے والے نفس اپنے رب کی طرف لوٹ آ کہ اب تو وہ منزل آگئی کہ تیرا پروردگار اور تو دونوں ہی ایک دوسرے سے راضی اور خوش ہیں"۔ بالفاظ مولانا عتیق شاہ نظامی: نفذ الحسین عین قرۃ ؏

۱۵۔ ابراہیم کا غم منظور مگر حسینؑ کا غم گوارہ نہیں

طبرانی و بیہقی و حاکم شیرازی و ابن عساکر لکھتے ہیں اور شواہد النبوۃ میں ہے کہ آنحضرت بار بار فرماتے تھے کہ اپنے فرزند ابراہیم کے مرنے کا رنج گوارا ہے مگر حسینؑ کے مرنے کا غم آپ نہیں اٹھا سکتے۔

۵۲۔ پنجتن پاک کے نام اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مشتق ہیں انہیں کتابوں میں یہ حدیث بھی درج ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

واشتق اللہ لنا من اسمائہ اسماء واللہ محمود وانا محمد واللہ الاعلیٰ واخی علی واللہ فاطر وبنتی فاطمہ واللہ محسن وابنائی حسن والحسین ؑ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے نام اپنے ناموں پر بنائے۔ اللہ کے ناموں میں محمود ہے اور میں محمد ہوں۔ اللہ اعلیٰ ہے اور میرا بھائی علی ہے" اللہ فاطر ہے اور میری بیٹی فاطمہ ہے۔ اللہ محسن ہے اور میرے بیٹے حسن و حسین ہیں۔

۵۳۔ آل محمد اللہ کی رسی ہیں ابن حجر مکی صواعق محرقہ صفحہ ۹۰ پر تحریر کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ نحن حبل اللہ۔ بعض روایتوں میں نحن مشیت اللہ کے الفاظ آئے ہیں (یعنی ہم اللہ کی مشیت ہیں ہم اللہ کی رسی ہیں) بشارۃ الاسلام سید مصطفیٰ مطبوعہ بغداد صفحہ ۲۲۶ پر بطریق ذیل درج ہے۔ نحن امر اللہ (یعنی ہم اللہ تعالیٰ کا امر ہیں)

۵۴۔ اولنا محمد آخرنا محمد مشارق انوار الیقین رجب علی برسی مطبوعہ ۱۳۰۳ھ میں حضرت رسول خدا کا یہ ارشاد درج ہے اولنا محمد واوسطنا محمد و آخرنا محمد (یعنی ہم میں کا پہلا بھی محمد ہے اور ہم میں کا جو درمیان میں ہے وہ بھی محمد اور ہم میں کا آخری بھی محمد ہے۔ اس حدیث کو "کلنا محمد" کے الفاظ کے اضافہ کے ساتھ شیخ عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء میں درج کیا ہے۔

احادیث متعلقہ صاحب العصر حضرت محمد مہدی علیہ السلام

۵۵۔ ظہور حضرت صاحب العصر اور حضرت عیسیٰ کا آپ کے پیچھے نماز پڑھنا حافظ ابو نعیم اپنی کتاب حلیہ میں اور سیوطی اپنی کتاب اخبار المہدی میں ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ مہدی ہم میں سے ایسا شخص ہوگا کہ عیسیٰ ابن مریم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے (نیز ملاحظہ ہو جامع صغیر صفحہ ۱۳۴ و کنوز الحقائق صفحہ ۱۹۰)

۵۶۔ صاحب عصر کا حلیہ طبرانی" ابوداؤد" ابو نعیم اور دیلمی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ مہدی مجھ میں سے ہے چمکتی ہوئی پیشانی اور اونچی ناک والا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔

۵۷۔ ایضاً ابو نعیم اور سیوطی نے حضرت حذیفہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ مہدی ایک شخص میری اولاد میں سے ہوگا اس کا چہرہ مثل چودھویں رات کے چاند کے چمکتا ہوگا۔ اس کا رنگ عرب کے لوگوں کے مانند اور جسم اسرائیل (قوم موسیٰ) سے مشابہ ہوگا۔ اس کے داہنے رخسار پر ایک خال چمکتا ہوا آسمان کے ستارہ کی طرح ہوگا۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا۔ جس طرح سے کہ وہ ظلم سے بھری ہوگی۔ اس کی

خلافت سے آسمان اور زمین کے باشندے اور ہوائی پرند تک خوش ہو جائیں گے۔

۵۸۔ صاحب عصر زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے

طبرانی اور بزار نے ثابت بن خرہ سے روایت کی ہے کہ بہ تحقیق حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ البتہ جب زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی۔ تو پروردگار مجھ میں سے ایک آدمی کو برانگیختہ کرے گا (لیبعثن اللہ رجلا منی) اس کا نام میرے نام اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔ وہ اس کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔ پس آسمان اپنے ایک قطرہ کو نازل ہونے سے اور زمین ایک گھاس کے پتہ کو اُگنے سے نہ روک سکے گی۔ وہ تم میں سات یا آٹھ سال ٹھیرے گا اگر اس سے زیادہ ٹھیرا تو نو برس۔

۵۹۔ صاحب عصر زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینگے

ابن الحارث" ابو نعیم اور سیوطیؒ ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ بہ تحقیق مخبر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین ظلم اور سرکشی سے بھر جائے گی۔ پھر میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی نکلے گا۔ (ثم یخرج منی من اھل بیت رجلا) جو اسے عدل و انصاف سے بھر دیگا۔ جس طرح وہ ظلم و سرکشی سے بھری ہو گی۔ وہ مال کو لوگوں میں برابر تقسیم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تونگری کو اُس امت کے دل میں بھر دے گا۔ وہ سات برس یا نو برس بادشاہ رہیگا اور مہدی کے زندگانی میں ابتری نہیں رہے گی۔

۶۰۔ صاحب عصر کے مقدمۃ الجیش جبرئیل اور پیچھے میکائیل ہوں گے

نعیم بن حماد اور سیوطی کعب سے روایت کرتے ہیں کہ قتادہ کہا کرتے تھے کہ سب لوگوں سے بہتر مہدی کے انصار ہوں گے۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے لوگ کوفہ اور یمن اور ابدال شام ہوں گے۔ جبرئیل ان کے مقدمۃ الجیش میں اور میکائیل پیچھے فوج میں ہوں گے۔

۶۱۔ مہدی کا ہونا برحق ہے

ابن المنادی نے حضرت ام سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ میں نے جناب سرور کائنات کے حضور میں عرض کیا کہ کیا مہدی کا ہونا سچ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں سچ ہے وہ فاطمہ کی اولاد ہوگا۔ ابن ماجہ نے بھی سعید بن المسیب سے زبانی حضرت ام سلمیٰ ایسی ہی روایت درج کی ہے۔

۶۲۔ اہل بیت میں سے ایک جوان کا آنا برحق ہے

ابن شیبہ اور سیوطی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ دن اور رات کا سلسلہ تب تک گزرنے نہیں پائے گا جب تک کہ ہم اہل بیت میں سے ایک نوجوان نہیں آئے گا۔

۶۳۔ مہدی اہل بیت رسول میں سے ہے

سیوطی نے زبانی ابو یعلی حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ مجھے میرے دوست جناب ابو القاسم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں تک قیامت قایم نہ ہوگی جب تک کہ لوگوں پر ایک آدمی میرے اہلبیت کا نہیں برآمد ہوگا (حتی یخرج علیھم رجل من اھل بیتی) پس وہ ان کو مار یگا یہاں تک کہ وہ پھر حق کی طرف رجوع کریں گے (نیز ملاحظہ ہو جامع صغیر صفحہ ۱۶۰ و کنوز الحقائق صفحہ (۱۲۲) و مشکواۃ جلد ۷ صفحہ ۶۹ و ۷۱ و ۷۳ و جلد ۸ صفحہ ۶۶)

۶۴۔ ظہور مہدی سے قبل آسمانی ندا

ابو نعیم اور سیوطی نے حضرت علی علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ جب آسمان سے ایک آنے والا پکاریگا کہ حق آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور اس آواز کے قریب مہدی ظاہر ہوگا (یظھر المھدی) لوگوں کو اس کی محبت پیدا ہو جائے گی اور اس کے ذکر کے سوا کسی دوسرے کا ذکر ان کی زبان پر نہ ہوگا (نیز ملاحظہ ہو کنز العمال صفحہ ۴۳)

۶۵۔ ارشاد رسول کہ مہدی ہم میں سے ہوگا اور اس پر خاتمہ ہوگا جیسے ہم سے آغاز

ابو نعیم اور سیوطی نے حضرت علی ؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا مہدی ؑ ہم میں سے ہوگا۔ اللہ اسپر خاتمہ کرے گا جیسا کہ ہم سے آغاز کیا ہے۔ (نیز ملاحظہ ہو کنوز الحقائق صفحہ ۱۲۲ و مسند احمد بن حنبل جلد ا صفحہ ۸۴ و جامع صغیر صفحہ ۱۶۰ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹)

۶۶۔ اولاد عبد المطلب علی ؑ و حسن ؑ و حسین ؑ بشمول مہدی سرداران جنت ہونا

ابن ماجہ اور دیلمی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول ؐ خدا نے فرمایا کہ ہم اولاد عبد المطلب اہل جنّت کے سردار ہیں یعنی میں اور حمزہ ؓ علی ؑ اور جعفر اور حسن ؑ اور حسین ؑ اور مہدی۔

۶۷۔ قیامت نہ اٹھیگی جبتک اہل بیت رسول ؐ میں سے مہدی ظہور نہ کریں

سنن ابو داؤد میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت سرور کائنات نے فرمایا اگر حیات عالم میں سے ایک روز بھی باقی رہ جائے گا تو خدا تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو ظاہر فرمائیگا جو زمین کو عدل و داد سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ پہلے جور و ظلم سے بھری ہوئی ہوگی۔

۶۸۔ مہدی فاطمہ زہرا کی اولاد سے ہونا

سنن ابو داؤد میں جناب ام سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ امام مہدی میری امت سے اور فاطمہ زہرا کی اولاد سے ہوں گے (نیز ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ صفحہ ۳۱ و کنز العمال صفحہ ۲۰ و کنوز الحقائق ص ۱۲۲)

۶۹۔ ظہور مہدی کے وقت حضرت عیسیٰ کا نازل ہونا

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اس وقت اس امت کا کیا حال ہوگا جب عیسیٰ نازل

ہوں گے اور ان کا امام ان ہی میں سے ہوگا۔

۷۰۔ارشاد رسول کہ مہدی میرے اہل بیت سے ہوگا اس کا نام میرے نام پر ہوگا

صحیح ترمذی اور سنن ابو داؤد میں عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ اگر حیات عالم میں سے ایک بھی دن باقی رہ جائیگا تو خداوند عالم اس کو اتنا طولانی کردے گا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام میرے نام پر ہوگا وہ تمام عالم کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ پہلے ظلم و جور سے بھرا ہوا ہوگا۔(نیز ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۴ صفحہ ۴۶۴ و ۵۶۵ و جامع صغیر صفحہ ۴۔ اور کنز العمال صفحہ ۳۲)

۷۱۔ظہور مہدی کے وقت پہلی علامت خروج سفیانی اور آمد دجال

شیخ محی الدین العربی الاندلسی اپنی کتاب درمکنون میں لکھتے ہیں جناب امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی پہلی علامت خروج سفیانی ہے جو اپنے تیس ہزار آدمی شہر کی تسخیر کیلئے بھیجیگا۔ وہ سب کے سب زمین میں دھنس جائیں گے۔ صرف دو باقی بچیں گے۔ وہ کل آٹھ مہینہ حکومت کرے گا حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور اسی سال ہوگا۔ امام عالیمقام کے ظہور کی علامتوں میں سے دجال کی آمد بھی ہے۔ اس کا خروج خراساں سے ہوگا۔ یہ مشرق کی سرزمین پر ہے۔ یہ فتنہ و فساد کی داغ بیل ڈالے گا اور ترک و یہود اسکی پیروی کریں گے دجال خربے کر گزریگا اور ان سے کہیگا اپنے گڑھے ہوئے خزانے نکالو۔ وہ خزانے حوالہ کردیں گے۔ وہ پست قد اور سیدھی آنکھ سے کانا ہوگا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک۔ا۔ف۔ر (کافر) لکھا ہوگا۔

۷۲۔ظہور مہدی ماہ شوال میں ہوگا

مقاتل نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے (ظہور سے پہلے) ایک ندا ماہ رمضان میں شب جمعہ کو بلند ہوگی۔ اس کے بعد شوال میں آپ کا ظہور ہوگا اور ظہور مہدی کی علامتوں میں سے اس اعلان عام کا ہونا بھی ہے کہ "آگاہ ہو جاؤ صاحب الزماں علیہ السلام ظاہر ہوگئے" یہ منادی ۲۳ رمضان کی ہوگی۔ اس کو سن کر جو کھڑا ہوگا بیٹھ جائے گا اور جو بیٹھا ہوگا کھڑا ہو جائے گا۔ آپ شوال کے مہینہ میں ظہور فرمائیں گے اور وہ سال طاق ہوگا۔ آپ کی بیعت مکہ میں رکن و مقام کے مابین کیجائے گی اور تین سو تیرہ برگزیدہ لوگ آپ کا شرف بیعت حاصل کریں گے۔ سب کے سب جوان ہوں گے بڑھاپے کی کوئی علامت ان میں نہ ہوگی آپ کوفہ کو دار الحکومت بنائیں گے اور اس شہر کی پشت پر ایک مسجد کی بناء ڈالیں گے جس کے ہزار دروازے ہوں گے۔

۷۳۔مہدی اولاد فاطمہؑ سے ہوگا اسکا ظہور برحق ہے

امام محمد بن طلحہ شافعی کتاب درمنظم میں لکھتے ہیں خدائے تبارک و تعالیٰ آخری زمانہ میں ایک خلیفہ کو ظاہر فرمائے گا۔ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کردیں گے اگر

دنیا کی عمر میں ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو اولاد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ خلیفہ ضرور برسر اقتدار آئے گا چھوٹی ناک، چوڑے پہلو اور داہنے رخسار پر ایک خال ہوگا۔ معتدل موزوں قد حسین چہرہ اور خوبصورت بال۔ ان سب علامتوں سے مومنین آپ کو پہچان لیں گے۔ ان کا نام محمد ہوگا ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ تمام بدعتوں کا قلع قمع کردے گا اور تمام سنتوں کو زندہ کرے گا۔ وہ اپنے سوار رسالے کو صنعا اور عدن کی سرزمین سے سیراب کریں گے۔ ان کے زمانہ میں کوفہ والے سب سے زیادہ سعادت یافتہ ہوں گے۔ جناب موصوف مال کو برابر تقسیم کریں گے اور رعایا میں عدل و انصاف قایم کریں گے۔ سارے قصے اور جھگڑے چکا دیں گے۔ آسمان سے خوب بارش ہوگی اور زمین پر خوب پیداوار ہوگی۔ آپ قائم بامر اللہ کے لقب سے ظاہر ہوں گے اور سب (باطل) مذہبوں کا خاتمہ کرکے ایک دین قائم کردیں گے۔

۴۷۔ مہدی اہل بیت رسولؐ کے خلیفہ ہیں اور مابین رکن و مقام ان کی بیعت ہوگی

علامہ شیخ محمد التقیان مصری اپنی کتاب اسعاف الراغبین میں لکھتے ہیں۔ امام مہدی علیہ السّلام اہل بیت میں سے ہوں گے۔ رسول مقبول نے فرمایا ہے کہ ہمارے اہل بیت میں سے خدا ایک شخص کو برسر حکومت لائے گا جو دنیا کو عدل و داد سے بھر دے گا حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم و جور سے پُر ہوگی۔ اگر دنیا کی عمر میں سے ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو خدا اس کو طولانی کردے گا۔ کہ عترت نبی میں سے ایک شخص برسر اقتدار آئے۔ رکن و مقام کے درمیان اس کی بیعت کی جائے گی۔ ان کے زمانہ میں اہل کوفہ سب سے زیادہ سعادت یافتہ ہوں گے۔ وہ مال کو بالسویہ تقسیم کریں گے اور رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں گے۔ تمام جھگڑوں کو مٹا دیں گے اور قضیوں کا فیصلہ کردیں گے۔

احادیث مہدی سے متعلق ایک سُنّی اور ایک شیعہ عالم کا مکالمہ

یہاں ہم ایک سنّی عالم مولوی عبد الغنی اور ایک شیعہ اہل علم پروفیسر ناصر مہدی کے مکالمہ کا اقتباس درج کرتے ہیں:۔

مولوی عبد الغنی صاحب نے کہا:۔ گمان یہ ہے کہ متعصب شیعوں نے چاہا کہ عقیدۂ مہدویت پر یقین کے کچھ اسباب ہونے چاہئیں۔ اس لئے انھوں نے اپنے عقیدہ کی تائید میں کچھ حدیثیں گڑھی ہوں اور ان کو پیغمبر اکرام سے منسوب کردیا ہو۔ مہدی کے بارے میں حدیثیں صرف آپ شیعوں کی کتابوں میں درج ہیں۔ صحاح ستہ کی کتابوں میں تو اس قسم کی حدیثوں کا نام نشان نہیں ملتا۔ البتہ ہماری چند ناقابل اعتبار کتابوں میں مہدی سے متعلق چند حدیثیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ پروفیسر ناصر مہدی نے جواباً کہا کہ آپ کے علم میں نہ ہو تو اور بات ہے ورنہ آپ کی صحاح میں سے کم از کم تین صحاح میں تو متعدد حدیثیں حضرت مہدی کے پیدا ہو چکنے، غیبت اور

قرب قیامت ظہور سے متعلق موجود ہیں۔ ان کے علاوہ بھی آپ کے متعدد مشہور محدثین نے ان حدیثوں کو درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں:۔

(۱) صحیح ترمذی جلد ۱ باب ص۴۷ باب ما جاء فی المہدی۔
(۲) صحیح ابوداؤد جلد ۲ ص۱۳۱ وص۲۰۷ و ۲۰۸ کتاب المہدی گیارہ حدیثیں۔
(۳) صحیح ابن ماجہ قزوینی جلد ۲ باب الخروج المہدی ص۵۱۵

اب دیگر مشہور محدثین کے حوالے سُنیئے جنہوں نے متعدد قرآنی آیات کے ساتھ مہدی موعود کے متعلق احادیث درج کی ہیں۔

(الف) حافظ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ ص۵۰۸ ص۵۱۰، ص۵۱۱، ص۵۱۴، ص۵۱۵ وعقد الدرر فی اخبار المہدی المنتظر جلد ۱۲ باب اول۔

(۱) سورۂ بقر آیت ۲ و ۳ ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب۔
(۲) آل عمران آیت ۲۰۰ یاایھا الذین اٰمنوا صبروا وصابروا ورابطوا ..... الخ
(۳) سورۂ توبہ آیت ۳۳ وسورۂ صف آیت ۹ ھوالذی ارسلہ رسولہ بالھدیٰ ..... الخ
(۴) انبیا آیت ۱۰۵ ولقد کتبنا فی الزبور ..... الخ
(۵) سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۳ ومن قتل مظلوما ..... الخ
(۶) روم آیت ۴-۵ ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ ..... الخ
(۷) سورۂ سجدہ آیت ۲۹ قل یوم الفتح لاینفع ..... الخ
(۸) زمر آیت ۶۹ واشرقت الارض بنور ربھا۔
(۹) حدید آیت ۱۷ اعلموا ان الذین ..... الخ
(۱۰) تکویر آیت ۱۵ فلا اقسم بالخنس ۰

(ب) علامہ کبیر سید ہاشم بحرینی غایۃ المرام ص۲۴۴
(۱) سورۂ بقر آیت ۲ و ۳ ھدی للمتقین ..... الخ
(۲) سورۂ توبہ آیت ۳۶ ان عدۃ شہورًا عند اللہ اثنا عشر ..... الخ

(ج) سید مومن شبلنجی شافعی نور الابصار ص۱۷۲
(۱) سورۂ ھود آیت ۸۶ بقیۃ اللہ خیر لکم ..... الخ
(۲) سورۂ فتح آیت ۲۸ ھو الذی ارسلہ رسولہ بالھدیٰ ..... الخ

(د) ابن صباغ مالکی فصول المہمہ باب ۱۲

(۱) سورۂ ھود آیت ۸۶ بقیۃ اللہ خیر لکم .... الخ

(۲) احزاب آیت ۳۳ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہلبیت ...... الخ

(ھ) عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی شافعی تفسیر در منثور ص۵۰ ' العرف الوردی جلد ۲ ص۷۸

سورۂ حج آیت : اِنَّ الساعۃ آتیۃ لاریب فیہا۔

(و) علامہ نیشاپوری۔ تفسیر نیشاپوری۔

(۱) سورۂ نور آیت ۵۵ وعد اللہ الذین آمنوا منکم .... الخ

(۲) سورۂ بقرآیت ۵ اُولٰئک علیٰ ھدًی من ربھم

(ز) علامہ شیبانی۔ تفسیر البرھان کتاب کشف البیان۔ سورۂ قصص آیت : ۵

وَ نُرِیدُ اِنَّ لمنَّ علی الذی .... الخ

(ح) علامہ گنجی شافعی البیان فی اخبار صاحب الزمان ص۷۳

(۱) سورۂ احزاب آیت ۳۳ انما یرید اللہ .... الخ

(۲) فتح آیت ۲۸ ھوالذی ارسلہ رسولہ بالہدیٰ ...... الخ

(ط) محی الدین ابن عربی شرح صحیح ترمذی جلد ۹ ص۷۴

سورۂ احزاب آیت ۳۳ انما یرید اللہ ...... الخ

(ی) علامہ حموینی شافعی فرائد السمطین جلد ۲ سورۂ ص آیت ۷۹ - ۸۱

قالَ رَبِّ فانظر اِلیٰ یوم یبعثون ...... الخ

(ک) علامہ مناوی کنوز الحقائق حاشیہ جامع الصغیر جلد ۲ ص۱۲۲

سورۂ احزاب آیت ۳۳ انما یرید اللہ ...... الخ

(ل) امام احمد ابن حنبل، مسند احمد ابن حنبل جلد ۱ ص۸۴

سورۂ احزاب آیت ۳۳ اَنّما یُرید اللہ .... الخ

(م) ابن خلدون مقدمہ ص۲۶۶ ۔احزاب آیت ۳۳ انّما یرید اللہ ...... الخ

(ن) علی متقی کنز العمال جلد ۷ ص۱۸۶ احزاب آیت ۳۳ انما یراللہ ... الخ

(س) عُبید اللہ امر تسری بسمل ارجح المطالب ص۳۸۰۔

احزاب آیت ۳۳ انّما یراللہ .... الخ

(ع) حاکم ابوالقاسم البغوی تفسیر شواہد التنزیل جلد ۲ ص۱۳۲

سورۂ شوریٰ آیت ۲۳ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا اِلّا المودۃ فی القربیٰ۔

(ف) حافظ ابوجعفر محمد بن جریر طبری "الولایۃ" بروایت زید ابن ارقم
سورۂ تغابن آیت ۸ فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا بما تعملون خبیر۔
طبری نے روایت اس طرح درج کی ہے:۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج سے پلٹے اور غدیر خم میں اترے حالانکہ ظہر کا وقت تھا گرمی پوری شدت کے ساتھ تھی تو بڑے بڑے درختوں کی طرف جانے کا حکم دیا جو شاخوں اور پتوں سے بھرے تھے۔ پھر کھڑے ہوئے اور آواز دی "نماز جماعت" ہم لوگ اکٹھا ہوگئے اور آنحضرت نے ایک فصیح وبلیغ خطبہ فرمایا۔ خطبہ کے ذکر کا آغاز کیا یہاں تک اس مقام تک پہنچے جہاں آپ نے فرمایا: آمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا یعنی ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر جسے ہم نے اتارا۔ پھر فرمایا: وہ نور مجھ میں ہے پھر علی میں ہے اس کے بعد اس کی نسل میں یہاں تک کہ قائم مہدی پر منتہی ہوگا"

پروفیسر ناصر مہدی نے فرمایا: میں آپ کی کتابوں کے اور بھی حوالے دے سکتا ہوں۔

ناظرین ملاحظہ فرمائینگے کہ اہلسنت کے عالم مولوی عبدالغنی صاحب نے بڑی ہی بیباکی سے کہدیا کہ صحاح ستہ میں مہدی آخرالزماں کے متعلق حدیثوں کا نام ونشان بھی نہیں ملتا مگر شیعہ پروفیسر ناصر مہدی نے تین صحاح کے حوالے توفی البدیہہ دیدیئے اور یہ مشہور حدیثیں ہیں جن کی عبدالغنی صاحب اور ان جیسے عالموں کو تو خبر نہ ہو مگر ہر شیعہ طالب علم دین بلکہ ہر پڑھے لکھے شیعہ کو انکا بخوبی علم ہے۔ کہنا پڑتا ہے کہ باب العلم کے دامن سے تمسک اور عزائے حسین کی مجلسوں کا صدقہ ہے کہ شیعہ بچوں کو تک دین کی ان مبادیات کا علم ہے جن سے اکثر سنی عالم بھی نابلد ہیں۔

یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ حدیث قرطاس کی روایات عبداللہ ابن عباس کی زبانی صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد ابن حنبل، طبرانی وغیرہ میں موجود ہیں کہ حضرت عمر نے رسول اللہ کے رُو در رُو کہا: ان الرجل لیہجر حسبنا کتاب اللہ (یعنی یہ شخص (رسول) ہذیان کہہ رہا ہے ہمکو اللہ کی کتاب کافی ہے)۔ عبداللہ ابن عباس کے علاوہ یہ روایت صحاح ستہ ہی کے مماثل مستند کتاب مسند احمد ابن حنبل جلد ۲ کے صفحہ ۳۴۶ پر جابر بن عبداللہ انصاری جیسے جلیل القدر صحابی کی زبانی بصراحت درج ہے۔ اس کے باوجود مولانا شبلی نعمانی جنکے علم کے بڑے چرچے ہیں اور جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں اپنی کتاب الفاروق میں بڑے زعم کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حدیث قرطاس کی روایت بجز عبداللہ ابن عباس کے

کسی نے نہیں کی ہے۔ یا تو مولانا کا یہ نقصِ علم ہے یا پھر تجاہل عارفانہ اور ہٹ دھرمی۔

ایک اور واقعہ کا مختصر ذکر بے محل نہ ہوگا جو اِسی سال کے رمضان سنہ ۱۴۰۵ھ م جون سنہ ۱۹۸۵ء میں پیش آیا۔ ایک نہایت متشرع معمر بظاہر ذی علم بزرگ بادریش کے ساتھ اتفاقاً میں وقتِ مغرب کے قریب موجود تھا۔ غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی افطار کا سائرن بجا اور ان بزرگ نے عجلت کے ساتھ روزہ کھولا اور مجھے بھی افطار کرنے کہا۔ میں نے کہا مولوی صاحب میں تھوڑی سی تاخیر کے ساتھ روزہ کھولوں گا۔ کیونکہ حکم قرآن اُتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ کے اعتقاد سے روزہ کے اختتام کیلئے رات کا کچھ حصہ داخل ہوجانا ضروری ہے۔ کیونکہ سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی رات کا اطلاق نہیں ہوتا۔

مولوی صاحب کا جواب ملاحظہ ہو:۔

"قرآن میں دیر کرنے کا جو حکم ہے وہ روزہ کھولنے میں تاخیر سے متعلق نہیں ہے بلکہ سحر کرنے میں تاخیر سے متعلق ہے"

اِس قسم کے بکثرت واقعات ہیں کہ سُنّی علماء اپنی مستند کتابوں کے مندرجات سے تک واقف نہیں ہیں اور واضح اور محکم آیات کے معنی بھی توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں۔

۲- احادیث متعلقہ علم اہل بیت علیہم السّلام

۷۵- انا مدینۃ العلم وعلی بابھا

انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ ترجمہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ بزار اور طبرانی نے جابر سے اور ترمذی اور حاکم نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ حاکم نے مستدرک میں ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ روایت کی ہے کہ فمن اراد العلم فلیات الباب۔ یعنی جو علم حاصل کرنے کا ارادہ کرے وہ اسی دروازے سے آئے نیز خطیب اور محمد یوسف الکنجی الشافعی عاصم بن حمزہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جو شخص کہ علم کے شہر تک پہنچنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ دروازہ کے پاس آئے۔ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۶۳ پر ترمذی کی روایت میں الفاظ اس طرح بھی آئے ہیں۔ انا دار الحکمۃ وعلی بابھا۔ ملاحظہ ہو

جامع ترمذی صفحہ ۴۱۶ و جامع صغیر صفحہ ۹۳ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ و کنز الحقائق صفحہ ۲۷ و مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۲۶ و منتخب کنز العمال صفحہ ۳۰ و استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴ و ازالۃ الخفا صفحہ ۲۶۲)

یہ حدیث متواتر اور متفق علیہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جھوٹی حدیثیں بنانے والے یہاں بھی اپنی کارسازی سے باز نہ رہے اور یہ اضافہ کرنے کی کوشش کی کہ اس شہر علم کا ابوبکر فرش ہیں عمر اس کی دیواریں ہیں اور عثمان اس کی چھت ہیں۔ صحیح ہے اہل غرض اندھا ہوتا ہے انھوں نے شہر کی چھت بھی تصور کرلی۔ شہروں کے اطراف فصیل یا حصار کا طریقہ ہے اس میں دروازہ بھی ہوا کرتا ہے مگر کسی شہر کی چھت نہ سنی گئی۔ شہر کے اطراف حصار کی ہو کر مثال کو لیتے ہوئے حضرت پیغمبر خدا نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ اہمیت دروازہ کو اس طرح دیدی کہ ایک ہی دروازہ فرمایا اور اس امر کو واضح فرمادیا کہ اگر میرا علم کسی کو حاصل کرنا ہے تو سوائے علی مرتضیٰ کا توسط اختیار کئے یہ امر ممکن نہیں ہے۔ اب اگر حضرت علیؑ کو چھوڑ کر کسی اور طریقہ سے کوئی علم دین حاصل کرنا چاہے گا تو اس پر ایسے شخص کی مثال صادق آئیگی جو دیوار پھاند کر چوری کے ارادہ سے داخل ہو۔ سورۂ بقر کی آیت ۱۸۹ ہے۔

ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکن البر من اتقی واتوا البیوت من ابوابھا۔

یعنی یہ کوئی بھلی بات نہیں ہے کہ گھروں میں پچھواڑے سے (پھاند کر) آؤ بلکہ نیکی اسکی ہے جو پرہیزگاری کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں میں سے آئے۔ مولوی عاشق الہٰی میرٹھی نے جو مشکوٰۃ کے ایک مترجم ہیں اپنے قیاس کی جولانی یوں دکھائی ہے کہ اگر شہر میں ایک ہی دروازہ تصور کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جو کچھ علم اس شہر میں ہو وہ اسی دروازہ سے داخل ہوا یعنی حضرت رسولؐ کو بھی وہ علم حضرت علیؑ سے ملا۔ اس لئے عاشق الہٰی صاحب کہتے ہیں کہ اصل مطلب یہ ہے کہ شہر علم کے چار دروازے ہیں جس میں سے تین حضرت ابوبکر و عمر و عثمان ہیں۔ اور منجملہ ان چار کے ایک علیؑ بھی ہیں۔ حدیث میں یہ تحریف بھی قابل غور ہے حضرت رسولؐ فرمائیں کہ علیؑ ہی ایک دروازہ ہے۔ مولوی صاحب اس میں تین دروازے اور لگادیں پھر ان کا استدلال بجائے خود مہمل ہے کہ ایک دروازہ ہو تو یہ لازم آئے گا کہ حضرت رسولؐ کو بھی علم اس دروازہ سے ملا۔ کیونکہ چار دروازے تصور کئے جائیں بھی تو مولوی صاحب کے خیال کے بموجب یہ لازم آجائے گا کہ حضرت رسولؐ کو علم ایک نہیں چار شخصوں کے ذریعہ ملا۔ کسی نے چھت فرش اور دیواروں سے حدیث کی مرمت کرنی چاہی تو کسی نے سو دروازے اضافہ کردے۔

بہرحال یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں۔ جہاں حضرت رسولؐ کو علم لدنی واہب العطایا نے عطا فرمایا ہے وہاں باہر سے علم کے داخل ہونے کا کیا تصور ہوسکتا ہے۔ حضرت رسولؐ نے مثالاً یوں فرمایا کہ جو کچھ علم میرے پاس ہے اسکو حاصل کرنے کیلئے علی مرتضیٰؑ ہی کا واحد توسط ہے۔ کنز العمال میں حضرت علیؑ کا یہ ارشاد درج ہے۔ حسبی حسب رسول اللہ ودینی دینہ من تناول منی شیا فانما تناولہ من رسول اللہؐ یعنی میرا حسب رسول اللہ کا حسب ہے اور میرا دین رسول اللہ کا دین ہے۔ جس نے مجھ سے حاصل کیا گویا اس نے رسول اللہ سے حاصل کیا۔ نہج البلاغہ

کلمۃ الحق

حضرت علی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے :-

" مجھ سے علم کی سیل جاری ہوتی ہے اور میری بلند منزلت تک طائر وہم خیال بھی نہیں پہنچ سکتا " جامع ترمذی صفحہ ۴۱۶ باب مناقب علیؑ میں حضرت علی کا یہ قول درج ہے :- جب میں حضرت رسولؐ سے پوچھتا تو وہ جواب عنایت کرتے اور جب میں خاموش رہتا تو خود سے پہل فرماتے تھے۔ مناقب خوارزمی میں ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے میرے سینہ میں علم یوں بھرا ہے جیسے چڑیا اپنے بچہ کو دانا بھراتی ہے۔ علامہ صالح کشفی صوفی (ترمذی) مناقب مرتضوی کے باب سوم میں حضرت علی علیہ السلام کے یہ ارشاد درج کرتے ہیں :-

(۱) میں وہ ہوں کہ میرے پاس (غیب کی) کنجیاں ہیں۔ ان کنجیوں کو حضرت رسولؐ کے بعد میرے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا (۲) میں وہ ہوں جس کے پاس گزشتہ اور آئندہ کے مطابق کتاب خدا کا علم ہے۔ (۳) میں وہ ہوں جس کے پاس انبیا علیہم السلام کی کتابوں میں سے ہزار کتابیں موجود ہیں (۴) میں وہ ہوں جو دنیا کی ہر زبان میں کلام کر سکتا ہوں۔

اوپر دیئے ہوئے حوالوں کے علاوہ ذیل میں ہم اور چند معتبر کتب اہلسنت کا ذکر کر دیتے ہیں جنمیں یہ حدیث علم درج کی گئی ہے :- تہذیب الآثار طبری۔ جمع الجوامع سیوطی۔ اسنت المطالب بیروتی۔ ابطال الباطل فضل اللہ بن روز بھان شیرازی۔ نقد الصحیح علامہ فیروز آبادی۔ فتوی ابن حجر عسقلانی۔ صواعق محرقہ ابن حجر مکی۔ لعالی مصنوعہ سیوطی۔ جمع الجوامع سنجانی۔ سبل الہدیٰ والرشاد فی السماء خیر العباد۔ شرح قصیدۃ الھمزیہ منح الملکیۃ۔ فیض القدیر فی شرح جامع الصغیر مناوی اللمعات محدث عبدالحق دہلوی۔ اسعاف الراغبین۔ تاریخ بغداد۔ خطیب بغدادی جلد ۲ صفحہ ۳۷۷ واضح ہو کہ اس حدیث کے راویوں میں حسب ذیل نام آئے ہیں :- حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام زین العابدینؑ۔ امام باقرؑ۔ عبد اللہ ابن عباس۔ جابر بن عبد اللہ انصاری۔ حذیفہ بن یمان۔ عبد اللہ ابن مسعود۔ عبد اللہ ابن عمر۔ انس بن مالک۔ عمر بن العاص۔ اُبلغ بن نباتہ۔ سعید بن جبیر اسدی کوفی۔ سلمہ بن کہیل حضرت کوفی سلیمان بن مہران اسدی کوفی۔ عاصم بن حمزہ کوفی۔ عبد اللہ بن عثمان بن قائم قاری مکی عبد الرحمن بن عثمان۔ عبد اللہ بن اُسید مرادی۔ ابو عبد اللہ سنا یوحی۔ مجاہد بن جبیر۔ ابو الحجاج مخزومی مکی۔

۷۶۔ علیؑ میرے علم کا خزانہ ہے

ابن عدی والمتقی نے کنز العمال میں جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا فرماتے تھے کہ علی میرے علم کا خزانہ ہے۔ استیعاب جلد ا صفحہ ۴۷۷ وریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴ و اسد الغابہ جلد ۴ وازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۷ پر عبد اللہ بن عباسؓ سے اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں خطیب نے مناقب میں اور نیز حلیۃ الاولیا میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ آنحضرت سے جناب امیرؑ کی نسبت پوچھا گیا حضرت نے فرمایا حکمت دس حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پس علیؑ کو نو حصے اس کے دیئے گئے ہیں۔

اور ایک حصہ میں سے سب لوگوں کو دیا گیا اور بخدا اُس دسویں حصہ میں سے بھی علیؑ کا حصہ ہے متذکرہ صدر کتب میں یہ بھی درج ہے کہ سنتِ رسولؐ اور علم فرائض کو جاننے والا اور علیؑ سے بہتر فیصلہ کرنیوالا اور کوئی نہیں۔

کنز العمال میں یہ روایت بھی درج ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا یا ابا الحسن لقد شربت العلم ونهلتہ یعنی اے یا الحسن تم نے علم کو مستحکم کرلیا ہے اور علم کو پی لیا ہے ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ پر بھی ایسی ہی روایت درج ہے۔

۷۷۔ علیؑ باب منی

دیلمی نے ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا فرماتے تھے۔ علی باب منی ومبین لامتی ما ارسلت بہ من بعدی حبہ ایمان وبغضہ ونفاق وموودتہ عبادتہ یعنی علیؑ میرا دروازہ ہے اور اس بات کو جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں میرے بعد میری اُمت پر ظاہر کرنے والا ہے۔ اس کی محبت ایمان اور اس کا بغض نفاق ہے اور اس کی مودت عبادت ہے۔

۷۸۔ القرآن معہ علی وعلی معہ القرآن

یہ حدیث بھی متواتر اور متفق علیہ ہے۔ منتخب کنز العمال صفحہ ۳۰ پر ہے ونیز ازالۃ الخفا صفحہ ۲۷۹ طبرانی اور صغیر اور مناقب میں خطیب نے حضرت ام سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا القرآن معہ علی وعلی معہ القرآن لن یفترقا حتی یرد علی الحوض یعنی قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں "کامل" ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے مستدرک میں بھی اس حدیث کو درج کیا ہے اس حدیث کی تائید قرآن شریف کی مختلف آیتوں سے ہوتی ہے۔ جس کا ذکر علیحدہ کیا گیا ہے۔ جو بحکم خدا وارث کتاب اور علم کتاب الٰہی رکھنے والا ہو یقیناً وہ اور کتاب خدا ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہی رہیں گے۔ ملا عبدالرحمٰن جامی شواہد النبوۃ میں درج کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام گھوڑے کی ایک رکاب پر پاؤں رکھنے کے بعد دوسری رکاب میں پاؤں ڈالنے یا گھوڑے پر سیدھے ہو بیٹھنے تک ایک پورے قرآن کا ورد فرمایا کرتے تھے حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے "ھذا قرآن صامت انا قرآن ناطق" یعنی یہ خاموش قرآن ہے اور میں بولتا ہوا قرآن ہوں۔ (ملاحظہ ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۷۶)

حقیقی قرآن کیا ہے اور کہاں ہے؟

صحیح سنن ابی داؤد میں محمد بن سیرین نے عکرمہ سے روایت کی ہے جب ابوبکر نے لوگوں سے بیعت لی اور علی گھر بیٹھ رہے تو لوگوں نے ابوبکر سے کہا کہ علی نے آپکی بیعت سے کراہت کی۔ پھر جب ابوبکر نے طلب بیعت کے لئے علی کو بلا بھیجا تو علی نہیں گئے اور جواب دیا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ اپنی ردا سوائے نماز کے اور وقت اپنے کاندھوں پر نہ ڈالوں گا جب تک قرآن جمع نہ کروں۔ محمد بن سیرین نے عکرمہ سے پوچھا کہ کیا سحابہ نے قرآن

اُسی طرح تالیف کیا ہے جیسے کہ اول مرتبہ نازل ہوا تھا۔ عکرمہ نے کہا اگر تمام جن و انس جمع ہو کر ویسا کرنا چاہیں تو ہرگز نہ کر سکیں گے۔ تاریخ الخلفا میں جلال الدین سیوطی محمد بن سیرین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے قرآن شریف کو ترتیب تنزیل کے موافق جمع کیا تھا اور اگر وہ قرآن ہمکو مل جاتا تو علم و حکمت کا بڑا خزانہ ہوتا۔ سیوطی مزید لکھتے ہیں: ان علیاً اَحَدٌ مَن جمع القرآن و عرضہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی علی ہی وہ واحد شخص ہیں جنھوں نے قرآن کو جمع کیا اور حضرت رسول کے سامنے اُسے پیش کیا۔ خوارزمی نے عبد خیر سے روایت کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ردا نہ اوڑھی۔ جب تک تمام قرآن کو جمع نہ کر لیا۔ حضرت علی علیہ السلام کو پوری کتاب خدا کا علم ہونے کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ نے سورہ رعد کی آیت ۴۳ میں فرمائی ہے۔ حافظ ابونعیم، ثعلبی، محدث خلیلی و نطنزی نے محمد حنفیہ سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں جس کے پاس پوری کتاب خدا کا علم ہونا مذکور ہے وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ المختصر یہ امر مثبتہ اور مسلمہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو پوری کتاب خدا کا علم حاصل تھا اور آپ نے پورا قرآن سلسلۂ تنزیل کے اعتبار سے جمع کر کے حضرت رسول کے سامنے پیش فرما دیا تھا اور حضرت رسول کا واضح ارشاد بھی موجود ہے کہ قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہیں۔

یہاں ہم چند آیاتِ قرآنی کی روشنی میں اس بات پر غور کریں گے کہ حقیقی قرآن کیا ہے اور کہاں ہے۔ اہل فلسفہ و منطق کا یہ اُصول متعارفہ ہے کہ کسی چیز کے چار قسم کے وجود ہوتے ہیں۔ یعنی وجود ذہنی، وجود بیانی، وجود کتابی اور وجود واقعی۔ مثلاً ہم کسی مکان کا تصور کریں تو یہ اسکا وجود ذہنی ہے۔ مکان کی نسبت بیان کریں تو یہ اسکا وجود بیانی ہے اگر اس کے متعلق لکھیں تو یہ وجود کتابی ہے۔ پھر بھی مکان اپنی جگہ پر موجود ہے اور وہ اس کا وجودِ واقعی ہے۔ اس طرح ہم قرآن مجید کا تصوّر کریں تو یہ وجود ذہنی ہے۔ پڑھیں تو وجودِ بیانی اور کتابی صورت دیکھائے تو یہ وجود کتابی ہے۔ مگر اصل قرآن پھر بھی علیحدہ ہے۔

(۱) سورۂ واقعہ کی آیات ۷۷ تا ۸۰ ہیں:۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؁ ترجمہ: بیشک یہ بڑے رتبہ والا قرآن ہے۔ جو کتاب (لوح محفوظ) کے اندر ہے۔ اسکو بجز مطہرین کے کوئی نہیں چھوتا۔ سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے)

(۲) سورۂ زخرف کی آیات ۳ و ۴ ہیں: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ وَ اِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ؁ ترجمہ: ہم نے اِس کتاب کو قرآن بزبان عربی اس لئے بنایا ہے کہ تم سمجھو سکو اور بیشک یہ قرآن اصلی کتاب (لوح محفوظ) میں ہمارے پاس ہے بڑے رتبہ کی اور پر از حکمت ہے)

(۳) سورۂ عبس کی آیات ۱۱ تا ۱۶ ہیں: فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ؁ ترجمہ: یہ قرآن (لوح محفوظ کے) بہت معزز اوراق میں ہے جو بلند رتبہ اور پاک ہیں۔ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے جو بزرگ نیکوکار ہیں)

۴- سورۂ شعراء کی آیات ۱۹۲ تا ۱۹۴ ہیں: وَ اِنَّہٗ لَتَنزِیلُ رَبِّ الْعٰلَمِینَ نَزَلَ بِہِ الرُّوحُ الْاَمِینُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِینَ ترجمہ:- یہ قرآن پروردگارِ عالم کا اُتارا ہوا ہے جسے جبرئیل کے ذریعہ (اے رسول) تمہارے قلب پر نازل کیا گیا ہے تاکہ تمکو (عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے بنائے۔

۵- سورۂ عنکبوت کی آیت ۴۹ ہے:- بَلْ هُوَ آیَاتٌ بَیِّنَاتٌ فِی صُدُورِ الَّذِینَ اُوتُوا الْعِلْمَ ترجمہ:- جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے (قرآن) ان کے سینہ میں روشن آیتیں ہیں)

۶- سورۂ حشر کی آیت ۲۱ ہے:- لَوْ اَنزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ترجمہ:- اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اسکو دیکھتے کہ خدا کے ڈر سے جھکا جاتا ہے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے)

آیات سلسلہ نشان (۱) و (۲) و (۳) متذکرۂ صدر سے ظاہر ہے کہ قرآن لوحِ محفوظ کے اندر ہے اور بطور بیان اس امر کو بتایا گیا ہے کہ اسکو صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ گو کہ اسکی تعبیر اس طرح کی گئی ہے کہ اس جملۂ بیانیہ کو بھی حکم سمجھا جائے اور بلا طہارتِ وضو کوئی شخص آیاتِ قرآنی کو مس نہ کرے۔

آیت نشان نمبر (۴) سے واضح ہے کہ قرآن قلب رسول پر نازل کیا گیا ہے۔ آیت نشان (۵) سے بھی یہ ظاہر ہے کہ قرآن ان کے سینوں میں ہے جنکو علم عطا ہوا ہے۔ آیت سلسلہ نشان ۶ میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی قرآن کے وزن اور گراں قدری کو ظاہر فرمایا ہے کہ اگر یہ کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو اس کے پرخچے اڑ جاتے۔ یہی تو وہ قرآن ہے جو قلب رسول پر نازل کیا گیا ہے (اس سے قلب رسول کی قوتِ تحمل کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے) اب جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ قرآن کی کتابی شکل یا وجودِ کتابی ہے اور اصل قرآن تو وہ ہے جو رسول اللہ کے قلب پر نازل ہوا اور صاحبانِ علم لدنی (ائمہ طاہرین علیہم اسلام) کے سینوں میں ہے۔ اس مطلب کو سمجھنے میں حضرت عیسےٰ کو انجیل عطا ہونیکے ذکرِ قرآن سے بھی مدد ملتی ہے۔ سورۂ مریم کی آیت ۳۰ ہے:-

قَالَ اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا ترجمہ: حضرت عیسیٰ نے جھولے میں سے کہا میں خدا کا بندہ ہوں مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے اپنی پیدائش کے دو ایک ہی دن کے اندر حضرت مریم پر تہمت لگانے والوں کے جواب میں جھولے سے یہ اعلان کیا کہ اللہ نے آپکو نبی بنایا ہے اور کتاب عطا کی ہے تو مادی یا تحریری شکل میں کوئی کتاب آپکے ہاتھ میں یا جھولے میں نہ تھی۔ مطلب صرف یہ ہے کہ انجیل کا وجود حقیقی آپکے سینہ محفوظ تھا۔ اس طرح کلیۃً یہ قرار پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی کتاب کا وجود حقیقی صاحب کتاب کے سینہ میں ہوتا ہے۔

جو قرآن ہم چھوتے پڑھتے یا لیکر چلتے پھرتے ہیں وہ نہ تو ایسا وزنی اور گراں ہے کہ ہم ٹکڑے ٹکڑے

ہو جائیں اور یہ بات بھی نہیں کہ ہر شخص اُسکو چھُو نہ سکتا ہو۔ بہت سے غیر مسلم بھی علم کی خاطر قرآن کو چھوتے پڑھتے ہی ہیں جہاں وظہر یا لہٰذا کا کوئی تصوّر نہیں ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ سورۂ حجر کی آیت ۹ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ میں حفاظت کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ قرآن کے وجودِ حقیقی سے متعلق ہے جو قلبِ رسول پر نازل ہوا اور صاحبانِ علمِ لدنّی کے سینوں میں ہے۔ ایک نکتہ کی طرف ہم نے اس کتاب کے کسی اور حصّہ میں توجہ دلائی ہے جس کی طرف یہاں اشارہ کر دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ "پاک کئے جانے کی نوعیت کے اعتبار سے قرآنِ مجید میں دو علیٰحدہ علیٰحدہ الفاظ آئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک بنایا ہے ان کیلئے مطہّرۃ (م۔ ط۔ ہ۔ ر۔ ت۔ ہ) یا مطہّرون (م۔ ط۔ ہ۔ ر۔ و۔ ن) کے الفاظ آئے ہیں اور جہاں کسی کے اپنے کو نجاست سے خود پاک کرنے کا مطلب ہے وہاں تطہّرن (ت ط ہ ر ن) یا متطہّرین (م۔ ت۔ ط۔ ہ۔ ر۔ ی۔ ن) کے الفاظ ہیں۔ لہٰذا جب رسول اللہ نے القرآن مع علی و علی مع القرآن فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ حقیقی قرآن حضرت علی ہی کے پاس ہے۔ قرآن اور اہلبیت کے متعلق حضرت رسول نے حدیث ثقلین میں یہ بھی صراحت فرمائی کہ لَنۡ یَّفۡتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الۡحَوۡض یعنی قرآن اور میرے اہلبیت کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آئینگے۔ اِس ارشادِ رسولؐ سے قرآنِ حقیقی کا اہلبیت علیہم السلام پاس ہونا واضح ہو گیا سورۂ فاطر کی آیت ۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح موثق فرما دیا کہ ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۝ یعنی پھر ہم نے قرآن کا وارث اُن لوگوں کو بنایا جنکو اپنے بندوں میں سے ہم نے چن لیا۔" جیسا کہ ہم باب اول و سوم میں بحث کر چکے ہیں یہ وارثانِ کتاب ائمہ طاہرین علیہم السلام ہی ہیں اور اس وقت یہ قرآن حقیقی صاحبِ عصر امام دوازدہم حضرت محمد مہدی بن حسن عسکری علیہم السلام کے پاس موجود ہے۔

۷۹۔ علی کے پاس قرآن کا ظاہر و باطن ہے

بخاری و اتقانِ سیوطی میں حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد درج ہے اِنَّ القرآن انزل علی سبعۃ احرف ومامنھا حرف الّا ولہٗ ظاھرٌ و باطنًا و انّا علی ابن ابی طالب عندہ منہ ظاھرٌ و باطنًا یعنی قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اور ان میں کا کوئی حرف بجز اس کے نہیں ہے جسکا ظاہر ہوا ور باطن ہو اور بہ تحقیق علی ابن ابی طالب کے پاس ہر ظاہر اور باطن موجود ہے۔

۸۰۔ انا النقطۃ تحت الباء بسم اللّٰہ

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بعد نماز عشاء سورہ حمد کی تفسیر بیان فرمانا شروع کی۔ ہنوز بائے بسم اللہ کی تفسیر بیان ہو رہی تھی کہ نماز صبح کا وقت ہو گیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جو کچھ مطالب قرآن شریف میں ہیں وہ سمٹ کر سورۂ حمد میں آگئے ہیں اور جو کچھ سورہ حمد میں ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں آگیا ہے اور جو کچھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ سمٹ کر نقطہ تحت بائے بسم اللہ میں آگیا ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں انا النقطۃ تحت الباء بسم اللہ یعنی وہ بائے بسم اللہ کا نقطہ میں ہوں اپنے خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ کے منبر پر فرمایا میری حیثیت قطب آسیا کی ہے جس کے اطراف ہر شئے گھومتی ہے۔ مجھ سے علم کی سیل جاری ہوتی ہے اور میری بلندیوں کو کسی کے خیال کا طائر پرواز چھو نہیں سکتا۔ ان عظمتوں کے کون اندازے کر سکے۔ جبھی تو حضرت رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ " نہیں سمجھا کسی نے خدا کو بجز میرے اور علیؑ کے اور نہیں سمجھا کسی نے مجھ کو۔ بجز خدا کے اور علیؑ کے اور نہیں سمجھا کسی نے علیؑ کو

بجز خدا کے اور میرے حضرت علی علیہ السلام کے علم لامتناہی کو دیکھ کر بعض دفعہ لوگ پوچھتے تھے کہ یا علیؑ کیا آپ پر کوئی اور قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ نہیں قرآن تو ایک ہی ہے اللہ نے مجھے علم قرآن عطا فرمایا ہے اور یہ قرآن صامت ہے اور میں قرآن ناطق ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات عالیہ کے مقابلہ میں جو اوپر درج ہوئے ہیں ناظرین بعض اکابر صحابہ کے ان اقوال پر غور کریں کہ "کاش میں درخت سر راہے ہوتا اور اونٹ مجھے کھا کر مینگنی کر کے نکال دیتا اور کاش میں آدمی نہ ہوتا۔" اور یہ کہ "کاش میں دُنبہ ہوتا جس کو پال کر خوب موٹا کر کے لوگ کاٹ کر بوٹیاں اور پارچے بنا کر کھا جاتے اور کاش میں آدمی نہ ہوتا" اور یہ کہ "کاش میں فلاں کے سینہ کا بال ہوتا" اور کہیں قرآن کے معنی بتلانے سے عجز ظاہر کرتے ہوئے یہ کہنا کہ "غلط معنی بتادوں تو کس زمین پر رہوں اور کس آسمان کے نیچے بسوں" اور کہیں یہ کہنا کہ "شیطان مجھ پر بھی مسلط ہے"۔ کہنا پڑیگا کہ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست اور پھر سوچنا پڑیگا کہ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ اس جملہ معترضہ کے بعد اب ہم مزید ایک دو ارشادات حضرت رسول خدا کے علم علیؑ کے متعلق درج کر کے اس سلسلہ بیان کو ختم کرتے ہیں۔

۸۱۔ سلونی قبل ان تفقدونی

طبقات الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۔ ابن سعدؔ استیعاب ابن عبدالبر جزو ثانی صفحہ ۵۰۷، کنز العمال جزو سادس صفحہ ۴۰۵، روائح المصطفیٰ صفحہ ۱۱ دلم ۲ سید صدر الدین احمد الحنفی مطالب السؤل محمد ابن طلحہ شافعی صفحہ ۱۰۸ صواعق محرقہ ابن حجر مکی صفحہ ۷۷ ریاض النضرہ محب الدین طبری، تہذیب التہذیب ابن حجر مکی جزو ۷ صفحہ ۳۳۸۔ ابن تیمیہ منہاج السنۃ جزو ثالث صفحہ ۱۲۷ میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ خطبہ درج ہے پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہو قبل اس کے کہ تم مجھ کو نہ پاؤ۔ پوچھ لو مجھ سے آسمانوں کے راستوں کی بابت کیونکہ میں ان کو زمین کے راستوں سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ پوچھو مجھ سے کیونکہ میرے اندر علوم بیشمار بحر ذخار کی طرح موجیں مار رہے ہیں۔ میں نبوت کے اسرار کا خزانہ ہوں میں پہلے کے زمانہ کے گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات کا جاننے والا ہوں اور ان امور سے بھی واقف ہوں جو آئندہ آنے والے لوگوں پر گزریں گے۔ پوچھ لو مجھ سے قسم بخدا کسی شئے کی بابت تم مجھ سے نہیں پوچھو گے لیکن یہ کہ میں تمہیں اس کی بابت خبر دونگا۔ مجھ سے کتاب اللہ کی بابت دریافت کرو۔ قسم بخدا کوئی آیت قرآن کی نہیں لیکن میں اس کی نسبت جانتا ہوں کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔ کشف الغمہ میں درج ہے کہ جناب امیر علیہ السلام مجلس عام میں فرما رہے تھے کہ سلونی قبل ان تفقدونی مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے گم کرو۔ پوچھو مجھ سے عرش کے ستونوں کا حال کہ میں اس کے تمام کونوں سے واقف ہوں۔ حاضرین میں سے ایک شخص کہنے لگا آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے تو آپ مجھے بتائیں اسوقت جبرئیل کہاں ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے تھوڑی دیر تک سر جھکا کر اسرار میں تفکر کیا اور فرمایا میں نے ساتوں آسمانوں کی سیر کی لیکن جبرئیل کو کہیں نہیں پایا میں گمان کرتا ہوں کہ اے سائل تو ہی۔

جبرئیل ہے۔ سائل (جبرئیل) نے کہا شاباش اے ابن ابی طالب تیرا مثل کوئی نہیں۔ تیرا رب اور فرشتے تجھ پر فخر فرماتے کرتے ہیں۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۶ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ و الصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷ و طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ صفحہ ۱۰۱ پر اور نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا صفحہ ۲۶۸ پر ابی طفیل سے ابو عمر کی روایت درج کی ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کو یہ خطبہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ جس کا جی چاہے مجھ سے کلام اللہ کی بابت سوال کرے۔ پس قسم ہے خدا کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کا علم مجھ کو پورا نہیں ہے کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن میں۔ میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔ خدا نے مجھے قلب عاقل اور زبان ناطق عطا فرمائی ہے علامہ سیوطی نے ابن سعد سے بھی یہی روایت کی ہے۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۷ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ و اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۲ پر درج ہے کہ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ بجز حضرت علیؑ کے کسی کو یہ کہنے کی جرات نہ ہوتی تھی کہ جس کا جو جی چاہے مجھ سے پوچھ لے۔ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۵۲ و صفحہ ۴۶۶ و منتخب کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۴۲ پر عامر بن واسیلہ سے روایت ہے کہ میں نے منبر پر حضرت علیؑ کو کہتے سُنا کہ تم میں سے جس چیز کے متعلق جس کا جی چاہے مجھ سے پوچھ لے۔ قسم خدا کی میں تم سے ہر اس چیز کا حال بیان کر سکتا ہوں جو تا قیامت ہونے والی ہے تم مجھ سے اللہ کی کتاب کے متعلق دریافت کر سکتے ہو اور میں اس کی ہر ہر آیت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کونسی آیت دن میں یا رات میں نازل ہوئی اور پہاڑ پر نازل ہوئی یا میدان میں۔

۸۲۔ مفتی چہار دفتر

علم قرآن کے علاوہ آپ توریت و انجیل و زبور و صحف انبیائے سلف سب کا علم رکھتے تھے اور مفتی چہار دفتر مشہور تھے۔ آپ کے پاس جو یہودی تصفیہ کرانے آتے تو آپ توریت سے ان کا تصفیہ فرماتے اور جو نصاریٰ آتے ان کا انجیل کے احکام کے بموجب اور زبور کے ماننے والوں کا تصفیہ زبور سے فرماتے تھے امام فخر الدین رازی نے اربعین میں روایت کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام فرماتے تھے کہ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو اہل توریت کے لئے ان کی توریت سے اور اہل انجیل کیلئے انجیل سے اور اہل زبور کیلئے ان کی زبور سے اور اہل قرآن کے درمیان قرآن سے حکم کروں۔

۸۳۔ صرف و نحو کی تدوین

منتخب کنز العمال صفحہ ۱۵ پر ابو الاسود سے روایت ہے کہ ایک دن میں حضرت علیؑ سے ملنے گیا۔ اور آپ کو کچھ غور کرتے ہوئے پایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں لوگ غلط زبان بولتے ہیں۔ تین دن بعد پھر میں گیا تو حضرت علیؑ نے قواعد صرف و نحو پر ایک کتابچہ میرے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ یہ بنیاد ہے جس پر تم عمارت کھڑی کر سکتے ہو کنز العمال صفحہ ۳۲۱ پر روایت ہے کہ چند لوگ جو حضرت رسولؐ کے پاس آئے تھے یہ گفتگو چھیڑی کہ زبان عربی میں کونسا حرف بھی سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ جب ہر شخص نے حرف "الف" کے متعلق رائے دی تو حضرت علیؑ فوراً کھڑے ہو گئے اور فی البدیہہ لمبی تقریر فرمائی جس کے کسی لفظ میں ایک جگہ بھی حرف "الف" نہیں آیا۔ آپ نے اس کو "موقفہ" کا نام دیا۔ یہ

یہ قادر الکلامی کی حد ہے۔

حضرت علی کے علمی کارناموں کے متعلق جان ڈیون پورٹ کا بیان

جان ڈیون پورٹ این اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن میں لکھتا ہے:۔ تاریخ ادب میں بھی علی ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا ذہنی ارتقاء ایسے سہل اور محکم طریقہ پر کیا تھا جو اُس زمانہ اور ملک میں مفقود تھا۔ انھوں نے ضرب الامثال جملوں اور اشعار کے بہت سے مجموعے چھوڑے ہیں۔ گابلن نے اِن جملوں کے اجزاء ۱۶۲۹ء میں لیڈن میں اور ٹل نے ۱۷۴۶ء میں طبع کروائے۔ والتھر نے گابلن کے جمع کئے ہوئے جملے ۱۶۶۰ء میں فرانسیسی زبان میں طبع کروائے آکلے نے اپنی ہسٹری آف سیرسنس کے صفحہ ۳۳۹ پر علی کے ۱۶۹ جملوں کا انگریزی ترجمہ دیا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علم سحر پر علی کا لکھا ہوا ایک کتابچہ قسطنطنیہ کے شاہی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ علی ایسے ہی کچھ آدمی تھے۔ خدا ان کا مقام برکت دائمی کی گہرائیوں میں کرے۔

'But Ali deserves a distinguished place in literary history in as much as he had cultivated his mind with an ease and assiduity unusual in his age and country. He left many collections of sentences, proverbs and poetical pieces. Gobblin and Lettle published fragments of these sentences, the former at Leydon in 1924 and the latter in 1946. Vather published Gobblins fragments in French in 1660. Ockley in the Third edition of his History of Saracens Page 339 has given an English translation of 169 Ali's sentences. A treatise also by Ali upon magical science is said to be still preserved in the imperial library of Constantinople. Such a man was Ali. May he ever repose in the bosom of eternal Beautitude'.

ایڈورڈ پوکاک نے بھی (۱۶۰۴ء تا ۱۶۹۱ء) جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر تھے ۱۶۳۹ء میں حضرت علی کے مفردات کا انگریزی ترجمہ شائع کیا اور آپ کے فن خطابت پر متعدد لکچر دیئے۔ آپ کے ارشادات و تحریرات میں سے گیارہ ہزار سے زیادہ ضرب الامثال اور مختصر جملے زبانِ عربی میں رائج اور مشہور ہیں۔

۸۴ - عدل میں میرا ہاتھ اور علیؑ کا ہاتھ برابر ہے

دیلمی اور ابن عساکر نے حضرت ابوبکر سے روایت کی ہے اور منتخب کنز العمال صفحہ ۳۱ پر بھی درج ہے کہ

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا عدل میں میرا ہاتھ اور علیؑ کا ہاتھ برابر ہے۔

۸۵ - اقضاھم علیؑ

سیوطی نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا اقضاھم علیؑ یعنی سب لوگوں میں بہتر فیصلہ کرنے والا علیؑ ہے۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴ پر ہے کہ حضرت رسولؐ نے

ارشاد فرمایا کہ علیؑ کا ہر فیصلہ انتہا درجہ بچا تلا ہے۔ سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۶۸ و خصائص نسائی صفحہ ۸ و مسند امام حنبل جلد اصفحہ ۸۳ و جلد ۴ صفحہ ۲۷۳ پر حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول خدا نے مجھے یمن کی طرف حاکم بنا کر بھیجا تو میرے سینہ پر ہاتھ رکھکر دعا کی کہ یا اللہ اس کے قلب کی رہنمائی فرما اور اس کی زبان کو راسخ کردے۔ حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ نہ تو مجھے کبھی کوئی فیصلہ کرنے میں دقت ہوئی اور نہ کبھی اپنے فیصلہ میں کوئی شک ہوا۔

۸۶- ارشاد رسولؐ شکر ہے خدا کا جس نے ہم اہلبیت کو حکمت عطا کی

کنز العمال میں زید بن ارقم سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ نے علی مرتضیٰ کو یمن کی طرف انفصال مقدمات کیلئے روانہ فرمایا اور وہاں سے جب چند غیر معمولی پیچیدہ اور مشکل مقدمات کے فیصلے حضرت علی مرتضیٰ کے کئے ہوئے حضرت رسولؐ کے علم میں لائے گئے تو حضرت نے خوشی کی وجہ سے اس طرح خندہ فرمایا کہ آپ کے معمول سے بہت زیادہ تھا اور فرمانے لگے شکر ہے خدا کا جس نے ہم اہل بیت کو حکمت عطا فرمائی (نیز ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد و جلد اصفحہ ۳۰۴ و خصائص نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ و مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ و ازالۃ الخفا صفحہ ۲۶۹)

۸۷- حضرت علیؑ کا خطاب صدیق اکبرؑ

طبرانی اور دیلمی نے حضرت سلمان فارسی اور ابوذر غفاریؓ روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بہ تحقیق یہ وہ شخص ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور اس امت میں حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ اور مومنوں کا امیر ہے اور یہی وہ شخص ہے جو قیامت کے روز سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کریگا۔ اور یہ صدیق اکبر ہے۔ تفسیر ابن الحجاج میں ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور تو صدیق اکبرؑ ہے۔ المحب الطبری ریاض النضرہ میں معادہ عدویہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بصرہ کے منبر پر حضرت علیؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں صدیق اکبر ہوں۔ حاکم نے مستدرک میں نسائی نے خصائص میں اور احمد نے مناقب میں نیز حافظ ابو زید اور عاصم اور حافظ ابو نعیم نے اپنی اپنی کتابوں میں عباد بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور خدا کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور صدیق اکبرؑ ہوں۔ سوائے میرے جو اپنے کو صدیق اکبرؑ کہے جھوٹا مفتری ہے۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ ابن عساکر نے مستند روایت کی ہے کہ محمد بن سعد نے اپنے والد سے پوچھا کہ کیا ابوبکرؓ تم سے پہلے ایمان لائے تھے۔ انھوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ان سے پہلے پانچ سے زیادہ آدمی ایمان لاچکے تھے۔ ابن کثیر نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں اہل بیت ہیں۔ یعنی علیؑ، خدیجہ اور حضور کے غلام زید معہ اپنی بیوی ام ایمن کے اور ورقہ طبری نے محمد ابن سعد سے بھی اس روایت کو درج کیا ہے۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۷۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۰ طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۵۱۔ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۱۶ پر سلمان فارسیؓ ابوذر غفاریؓ مقداد

عمار بن یاسر جابر بن عبداللہ۔ حذیفہ یمان" ابو سعید خدری اور زید ابن ارقم سے روایت ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب وہ شخص ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۲ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ و اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۱۷ و ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۵۲ پر حضرت علی علیہ السلام کا یہ ارشاد درج ہے کہ میں نے دوسروں سے سات برس پہلے رسول اللہ کے ساتھ اللہ کی عبادت کی ہے۔ خصائص نسائی صفحہ ۳ مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ اور اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۴۲ میں ابن عفیف کندی سے روایت ہے کہ اس نے منا میں ایک ڈیرہ میں ایک مرد ایک عورت اور ایک لڑکے کو نکل کر سورج ڈھلنے کے بعد نماز پڑھتے دیکھا اس نے عباس ابن عبد المطلب سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے انھوں نے جواب دیا یہ میرا بھتیجہ محمدؐ اور اس کی بیوی خدیجہ اور محمدؐ کا ابن عم علیؑ ہے۔ عباسؓ نے کہا کہ محمدؐ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں مگر بجز ان کی بیوی اور ابن عم کے کوئی ان پر ایمان نہیں لایا ہے۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ منتخب کنز العمال صفحہ ۳۰ پر حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد درج ہے کہ صدیق صرف تین ہیں۔ ایک یوشع بن نون جنھوں نے حضرت موسیٰ کی تصدیق کی۔ دوسرے صحاب یٰسین جنھوں نے حضرت عیسیٰ کی تصدیق کی اور تیسرے علی جس نے میری تصدیق کی۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۴ و ۱۵۸ و جامع صغیر صفحہ ۲۴ و منتخب کنز العمال صفحہ ۳۰ پر اور نیز وسیلۃ المتعبدین اور مسند احمد بن حنبل میں ابو لیلیٰ غفاری سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا صادق تین ہیں ایک حبیب نجار جس کا قول قرآن نے نقل کیا ہے کہ "اے لوگو! اللہ کے رسولوں کی پیروی کرو۔ دوسرے حزقیل جو آل فرعون میں سے مومن تھا جس نے کہا تھا کہ کیا تم اس شخص کو اس بات پر مار ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اس کا بچانے والا کائنات کا خالق ہے۔ تیسرے علیؑ جو ان تمام سے افضل ہے۔ یہ مسلمہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت رسولؐ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے حضرت علیؑ ہیں باری تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے کہ رسالت رسولؐ کے گواہ حضرت علیؑ بنائے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ نکتہ بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے کہ کسی امر کے مان لینے اور کسی امر کی تصدیق کرنے میں بہت بڑا بلکہ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کوئی بات اچھی معلوم ہو اور اپنی عقل میں سما جائے اور اس کو قبول کر لیا جائے تو یہ محض مان لینا یا اس کا اعتراف کر لینا ہوا۔ کسی امر کی تصدیق کرنے کے لئے وسائل تصدیق اور وہ معلومات جن کی بنا پر تصدیق کیجا سکتی ہے اور منصب تصدیق حاصل ہونا ضروری ہے۔ جو تصدیق کنندہ ہو وہ جانتا ہو کہ جس چیز کی وہ تصدیق کر رہا ہے۔ وہ درحقیقت ہے کیا۔ جب تک کوئی شخص کسی امر کے حسن و قبیح سے واقف نہ ہو اس کے متعلق نہ تو کوئی رائے دے سکتا ہے اور نہ تصدیق کرنیکے موقف میں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر بات کیلئے گواہی کا لزوم رکھا ہے یہاں تک کہ ہر ایک شخص کا اعمال نامہ لکھنے دو دو فرشتے کراماً کاتبین مقرر فرمائے ہیں۔ جنت و دوزخ کا فیصلہ بھی اعمال کے متعلق گواہی پر ہوگا۔ ائمہ طاہرین کی امامت کا گواہ حضرت رسولؐ کو بنایا اور اپنے رسولوں کی رسالت کے گواہ بھی اس نے مقرر فرمائے ہیں۔ رسولؐ کے سچے رسول ہونگی تصدیق کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ رسالت کی گواہی وہی دیگا جسکو

رسولؐ کے رسول ہونے کا علم حاصل ہو۔ حضرت رسولؐ کے پیغام کو جو کوئی قبول کرتا جائے اور مسلمان ہوتا جائے وہ رسالت کا گواہ ہرگز نہیں کہلا سکتا۔ وہ تو قبول کنندہ پیغام ہے ورنہ ہر مسلمان رسالت کا گواہ کہلائیگا۔ اس امر کی تصدیق کرنا کہ پیغام سچا ہے اسی کا کام ہے جس کو پیغام سچا ہونے کا علم ہو۔ چنانچہ اس امر کا تصفیہ کہ حضرت رسولؐ کی رسالت کا گواہ کون ہے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بصراحت و بہ تکرار فرما دیا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ جس کو ہم نے علم الکتاب عطا کر دیا ہے اور جس کو ہم نے گواہ بنا دیا ہے اور جو ہمارے عطا کردہ علم لدنی بناء پر دیکھتا ہے کہ رسولؐ پر جو نازل ہوا ہے وہ حق ہے وہی رسالت کا گواہ ہے۔ ان ارشادات باری تعالیٰ سے رسالت کے مصنوعی گواہوں کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سورۂ رعد کی آیت ۴۳ ہے ویقول الذین کفروا لست مرسلا قل کفی باللہ شھیدا بینی وبینکم ومن عندہٗ علم الکتاب اور سورہ ھود کی آیت ۱۷ ہے۔ افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ۔ سورہ سبا کی آیت ۶ ہے:۔ ویری الذین اوتوا العلم الذی انزل الیک من ربک ھو الحق۔ ان آیات کا ذکر باب سوم میں آچکا ہے۔ اس لئے یہاں ہم نے محض اشارہ کر دیا ہے۔ بجز اس شخص کے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم الکتاب عطا فرمایا ہو اور جو علم لدنی کی بنا پر دیکھتا ہو کہ رسولؐ پر جو نازل ہوا ہے حق ہے اور جس کو گواہی کا منصب دیگر اللہ تعالیٰ نے تصدیق کرنے کے قابل بنا کر مقرر کر دیا ہو کسی اور کے بس کی بات نہیں کہ رسالت کی تصدیق کرنے یا تصدیق کرنے کا اہل ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ یہ اور بات ہے کہ "پیران نمی پرند مرید ان می پرانند" یہاں پر یہ امر بھی بطور خاص ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت علیؑ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ آپ بعد بعثت رسولؐ ایمان لائے یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے جیسا یہ کہنا کہ حضرت رسولؐ کو ۴۰ برس کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ آنحضرت تو اسوقت سے نبی تھے جب حضرت آدمؑ ابھی آب و گل کی منزل میں تھے اور اسی وقت سے حضرت علی امیر المومنین تھے۔ حضرت رسول اور حضرت علیؑ کا نور تخلیق آدم سے چودہ ہزار سال قبل سے تسبیح و تقدیس میں مصروف تھا۔ (ان روایات کی اسناد دیگر مقام پر درج ہوئی ہیں) ان ذوات کیلئے جدید طور پر نبوت عطا ہونے یا ایمان لانے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ یہ ازل سے مومن اور پاک و مطہر پیدا ہوئے تھے۔ یہ بات محض اسباب ظاہرے واقعات کو ظاہر کرتی اور ایک اصطلاحی نوعیت رکھتی ہے۔ کہ حضرت رسول ۴۰ سال کی عمر میں مبعوث بہ رسالت ہوئے یا یہ کہ حضرت علیؑ اس وقت ایمان لائے۔ بہ اسباب ظاہر جب حضرت رسولؐ نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا اس وقت حضرت علیؑ نے بھی آپ کی رسالت کی تصدیق اور اپنے ایمان کا اعلان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی مومنین کے اس بہ اسباب ظاہرا اعلان کو اپنے اس ارشاد میں بالکل واضح فرمایا ہے۔ یایھا الذین آمنوا آمنوا باللہ ورسولہ (سورۂ نساء آیت ۱۳۶) یعنی اے وہ لوگو جو کہ ایمان لا چکے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ ایمان لا چکے ہوئے لوگوں سے ایمان کی فرمائش بالکل یہی معنی رکھتی ہے کہ اے وہ لوگو جو ابتدا ہی سے مومن ہو۔ اللہ اور رسولؐ پر اپنے ایمان کا اعلان کردو۔

بیشک حضرت علی علیہ السلام تو سب مومنوں کے امیر ہی تھے اور صرف "مومن" کا بھی وہ گراں قدر لفظ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولوالعزم پیغمبروں کی بھی "مومن" کے لفظ سے توصیف فرماتا ہے جیسے سورۂ صٰفّٰت کی آیت ۱۲۲ میں ارشاد ہے:-

انھما مِن عبادنا المؤمنین (یعنی یہ دونوں (موسیٰ وہارون) ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

۴۸- حضرت علیؑ کا خطاب فاروق اعظم

طبری نے ریاض النضرہ میں ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت رسولِ خداؐ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ اے علیؑ تم صدیق اکبرؑ اور فاروق اعظمؑ ہو کر حق و باطل میں فرق کرو گے۔ طبرانی نے خصائص میں ابوذر غفاری سلمان فارسی اور حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علی یعسوب المومنین فاروق اعظم اور صدیق اکبر ہے۔ دیلمی نے سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کی نسبت فرمایا کہ یہ شخص پہلا ہے جو ہم پر ایمان لایا اور قیامت کے دن ہم سے پہلے ملیگا اور یہی صدیق اکبرؑ ہے اور فاروق اعظم ہے فرق کرنیوالا درمیان حق و باطل کے اور یہ شخص سردار ہے مومنین کا اور مال دُنیا سردار ہے منافقین کا۔

دیلمی اور خوارزمی نے اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں ابویعلیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں فتنہ برپا ہوگا۔ جب ایسا ہو تو تم ملازمت علیؑ کی اختیار کرنا۔ بتحقیق وہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔ فاروق اعظم کا لقب مسلمہ طور پر حضرت علیؑ کا ہے جو حضرت رسول نے ارشاد فرمایا۔ مگر لوگوں نے اس لقب کو حضرت عمر سے متعلق کر دیا ہے۔ حالانکہ ایسا کوئی ارشاد رسول حضرت عمر کے متعلق مطلقاً نہیں ہے۔ فاروق اعظم درحقیقت وہی ہو سکتا ہے جو حق و باطل اور کفر و ایمان کے درمیان فرق کر کے دکھا دے۔ اِس سلسلہ میں حضرت رسولِ خدا کی زندگی میں گزرے ہوئے چند تاریخی شواہد پر نظر ڈالنا بے محل نہ ہوگا۔ جنگ خندق کے روز جب عمرا بن عبدود خندق پر سے گھوڑے کو اڑا کر لشکر اسلام سے مبارز طلب ہوا اور کہنے لگا مسلمان کہتے ہیں کہ جہاد میں مریں تو جنت میں جائیں گے آو لگے ہاتھوں سب کو جنت میں بھیج دیتا ہوں۔ یہ ایک فیل تن اور بڑا نبرد آزما پہلوان تھا۔ اس کی مبارز طلبی پر بجز حضرت علیؑ کے جنکی عمر اس وقت اکیس / بائیس سال کی تھی اور کوئی نہ اٹھا۔ رسول خداؐ آپ کو بٹھا دیتے اور دیگر لوگوں سے مقابلہ کو نکلنے کے طالب ہوتے اور حضرت عمر سے بھی ایسا فرمایا۔ مگر حضرت عمر نے عمرا ابن عبدود کے سامنے جانے کی ہمت نہیں کی بلکہ عمر عبدود کی بہادری کی سابقہ داستان بیان کر کے لوگوں کو اور پست ہمت کرنا شروع کیا۔ اِس واقعہ کا ذکر جنگ خندق کے بیان میں آیا ہے۔ الغرض تین مرتبہ کی مبارز طلبی پر بھی بجز شیر خدا کے اس پہلوان کے مقابلہ کیلئے کوئی نہ اُٹھا۔ بالآخر حضرت رسولؐ نے اجازت دی اور اپنا عمامہ حضرت علیؑ کو باندھا اور اپنی زرہ پہنائی اور جب آپ چلنے لگے تو فرمایا "برز الایمان بکل کفرہ" یعنی کل کفر کے مقابلہ میں مجسم ایمان جا رہا ہے۔ جب مقابلہ ہوا اور ضرب یداللٰہی نے اس کوہ پیکر کے دو ٹکڑے کر دیئے تو رسول خدا نے نعرہ مرحبا بلند فرمایا اور فرمایا ضربت علیؑ یوم الخندق افضل من عبادت الثقلین اِلیٰ یوم القیامۃ۔ جائے غور ہے کہ ارشاد رسولؐ کے بموجب یہ کفر و ایمان کا مقابلہ تھا اور ایسے نازک موقعہ پر ایمان و کفر میں فرق

کرنے والے علی مرتضیٰ تھے یا کوئی اور۔ حق و باطل" ایمان و کفر میں فرق کرنے والا فاروق اعظم کے خطاب کا مستحق ہے یا ایسا شخص جو باوجود مبارز طلبی اور حضرت رسول کے ابھار کے بھی مقابلہ کو نہ نکلا اور دوسروں کی بھی ہمتیں پست کردے۔ حضرت عمرو حضرت ابوبکر کے اسطرح کے عمل کا یہی ایک موقعہ نہ تھا بلکہ جنگ احد و حنین میں بھی آپ لوگ اور اکثر صحابہ میدان سے فرار ہو گئے تھے اور خیبر کی جنگ میں بھی بھاگ آئے تھے اور ہر مرتبہ علی مرتضیٰ میدان جنگ میں بنیان" موصوص بنے رہتے تھے اور ایک مرتبہ جب رسول خدا نے تعریفاً فرمایا کہ یا علی سب بھاگ گئے مگر تم نہ بھاگے تو آپ نے جواب دیا۔ لاکفر بعد الایمان یعنی ایمان کے بعد پھر کفر نہیں۔ یعنی شیر خدا نے جہاد میں استقامت کو دلیل ایمان اور بھاگ جانے کو کفر سے تعبیر فرمایا۔ یہ امر درحقیقت قابل غور ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ اور رسولؐ پر کامل ایمان رکھتا ہو اور حکم رسولؐ سے جہاد کر رہا ہو تو کیا وہ رسولؐ کو میدان جنگ میں زخمی چھوڑ کر اپنی جان بچا کر فرار ہو سکتا ہے اور اگر کوئی فی الحقیقت بھاگے تو آیا ایمان سے بھی اس کو گریزاں قرار دینا پڑیگا یا نہیں۔ پھر حضرت علی علیہ السلام کے ایمان کی کیفیت یہہ تھی کہ فرماتے تھے۔ لوکشف الغطا لما ازددت یقینا یعنی اگر الٹ جاتا پردہ تو میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوتا۔ جہاں ایسا عین ایمان و مجسم ایمان ہو اور ایمان و کفر میں فرق کرنے کا سوال ہو تو کون اور ہو سکتا ہے جو اس ہستی کے مقابل لا کھڑا کیا جائے۔ فاروق اعظم جب رسول اللہ نے علیؑ کو فرمایا تو بیشک حق فرمایا اور ایسے امر کو فرمایا جو بجز دیدہ کور کے سب کیلئے اظہر من الشمس تھا۔

یہہ خطاب حضرت علیؑ مرتضیٰ سے چھین کر حضرت عمر کو دیا جانا ایک طرفہ ماجرا ہے جو فرماتے رہے کہ مجھے رسولؐ کی رسالت پر کئی مرتبہ شک ہوتا رہا اور صلح حدیبیہ کے دن تو ایسا قوی شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ پہلے کے بھی سب شبہوں سے بڑھ گیا۔

اس موقع پر برسبیل تذکرہ شرائط صلح حدیبیہ کا بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا ۔ نوجوان عزیزوں کی معلومات کیلئے ۶ھ میں حج کے واجب ہونے کی آیت نازل ہوئی اور حضرت رسول خداؐ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ تقریباً چودہ پندرہ سو مسلمان بشمول مہاجرین و انصار مدینہ سے روانہ ہوئے۔ سات سو اونٹ بھی قربانی کیلئے ساتھ لئے۔ قریش کو خبر ملی تو مزاحمت پر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت کو اس کا علم ہوا تو چاہ حدیبیہ پر ٹھیر گئے۔ ایلچیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ عروہ بن مسعود ثقفی قریش کی طرف سے ایلچی بن کر آیا۔ آنحضرت نے حضرت عمر سے کہا کہ قریش کے پاس جاکر ان سے کہو کہ ہم لڑنے کی غرض سے نہیں آئے ہیں۔　　　　صرف حج کا ارادہ ہے۔ حضرت عمر نے کہا میرا قبیلہ کمزور ہے دوسرا کوئی حمایتی وہاں نظر نہیں آتا قریش مجھے مار ڈالیں گے۔ کسی اور کو بھیجئے۔

بہ شرائط ذیل صلح ہوئی جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۱) دس برس تک صلح کی میعاد ہے۔ اس عرصہ میں ایک فریق دوسرے کے جان و مال سے تعرض نہ کریگا

(۲) فریقین کے جو ہم عہد اور حلیف ہیں ان پر معاہدہ عائد ہوگا۔

(۳) اس سال مسلمان عمرہ نہ کر سکیں گے۔ (۴) سال آئندہ مسلمان عمرہ کر سکیں گے (۵) سالِ آئندہ جب وہ عمرہ کیلئے آئیں تو تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں اور وہ بھی نیام میں ہو (۶) مسلمان تین روز سے زیادہ حرم میں قیام نہ کر سکیں گے۔ (۷) اگر قریش کے پاس سے کوئی بھاگ کر مسلمانوں میں آملے تو اس کو واپس کرنا ہوگا (۸) اگر کوئی مسلمانوں کے پاس سے بھاگ کر قریش سے آملے تو وہ واپس نہ کریں گے۔

حضرت عمر نے یا تو ادھر صلح کی گفتگو کرنے جانے سے بھی بوجہ خوف جان انکار کر دیا تھا یا اب حضرت رسولؐ سے یہ کہنے لگے کہ آپ نے دب کر کیوں صلح کی ہے۔ کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں اور کیا آپ نے ہم سے یہ وعدہ نہ کیا تھا کہ حج کرائیں گے حضرت رسول خدا نے جوابات مناسب ارشاد فرمائے مگر حضرت عمر کو اطمینان نہ ہوا اور حضرت ابوبکر کے پاس جا کر وہی سوال پیش کرنے لگے کہ کیا یہ (آنحضرتؐ) اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں اور کیا انھوں نے پھر وعدہ نہیں کیا تھا کہ حج کرائیں گے۔ حضرت ابوبکر نے بھی سمجھایا۔ مگر حضرت عمر کو اطمینان نہ ہوا اور یہ کہتے رہے کہ "ما شککت فی نبوۃ محمد کشکی یوم الحدیبیۃ" یعنی ایسا قوی شک مجھے محمد کی نبوت پر کبھی نہ ہوا تھا جیسا کہ حدیبیہ کے روز شک ہوا۔ بخاری کی روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر کو حضرت رسول خدا پر غصہ بھی آیا۔

حضرت عمر کے فاروق اعظم کہلائے جانے کے سلسلہ میں وہ روایات بھی قابل غور ہیں جس میں حضرت عمر اپنے اسلام و ایمان کے متعلق اظہار خیال کرتے ہیں۔ بزار اور طبرانی نے اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے دلائل میں اسلم سے روایت کی ہے کہ ہم سے حضرت عمر نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ کا سخت دشمن تھا۔ ایک دن گرمی میں مکہ کے کسی راستہ پر جا رہا تھا۔ ایک شخص مجھے ملا اور بولا تمہارے گھر میں کیا ہو رہا ہے تم کو اس کی خبر نہیں۔ میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو اس نے کہا کہ تمہاری بہن اسلام لے آئی ہے۔ میں یہ سنتے ہی سخت غصہ میں لوٹا اور اپنی بہن کے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا میں نے جاتے ہی کہا تو اپنی جان کی دشمن ہوئی ہے بےدین ہو گئی ہے۔ یہ کہہ کر جو چیز میرے ہاتھ میں تھی کھینچ ماری جس سے ان کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ بہنوئی بیچ میں آئے تو ان کو بھی مارا۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی ایک کنیز لبینہ مسلمان ہو گئی تھی۔ اس علت میں حضرت عمر اس کو زدوکوب کرتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو اور ماروں۔ حال ہی میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے "پیغمبر انسانیت" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے اس کے صفحہ ۱۴۶ پر درج ہے "ابوجہل نے تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جو شخص محمدؐ کا سر کاٹ کر لائے گا میں اسے اپنے پاس سے ایک ہزار اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ دونگا۔ حضرت عمر اس کی یہ تقریر سنکر حضور کو قتل کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔" ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنو امیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "سرکار ختمی مرتبت کو قتل کرنے کے لئے حضرت عمر کا تلوار لے کر آنا یہ سب کچھ ابوسفیان کے حکم و اشارہ ہی سے ہوتا تھا۔" ابن سعد اور ابو یعلیٰ، حاکم اور بیہقی نے انس سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر تلوار لٹکائے ہوئے اپنے مکان سے نکلے۔ راستہ میں آپ کو بنی زہرہ سے ایک شخص ملا اور اس نے

پوچھا کہ عمر کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ نے کہا محمد کو قتل کرنے جاتا ہوں۔ اس نے کہا اگر ایسا کرو گے تو بنی ہاشم اور بنی زہرہ سے کہاں بھاگ کر جاؤ گے۔ حضرت عمر نے کہا معلوم ہوتا ہے تو بھی بے دین ہو گیا ہے۔ بطور واقعہ حضرت عمر کس طرح اسلام لائے اس کے متعلق اسی روایت کے آخر میں درج ہے۔ حضرت عمر اس مکان تک پہنچ گئے جہاں اسوقت حضرت رسول خدا [illegible] تھے دروازہ پر حضرت حمزہؓ طلحہ اور دیگر اصحاب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت حمزہ نے کہا عمر آ رہا ہے اگر اس کا ارادہ نیک ہے تو میرے ہاتھ سے بچ جائے گا ورنہ اسی کی تلوار اور اسی کا سر۔ حضرت رسول خدا نے باہر نکل کر حضرت عمر کا دامن اور تلوار پکڑ لی اور فرمایا کہ عمر تو ماننے والا نہیں ہے جب تک کہ خدائے تعالیٰ تجھ پر رسوائی اور عبرت نہ اتارے۔ جیسے ولید بن مغیرہ پر۔ اس کیفیت میں حضرت عمر نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوئے۔ حضرت عمر کا قتل کے ارادہ سے نکلنا۔ پھر حضرت حمزہ جیسے بہادر کا دروازہ پر موجود ہونا اور یہ کہنا کہ عمر کی نیت بخیر ہے تو ٹھیک ورنہ اس کی تلوار اور اسی کا سر اور پھر حضرت رسول خدا کا باہر نکل کر حضرت عمر کی تلوار پکڑ لینا اور وہ کلمات ارشاد فرمانا جو اوپر درج ہوئے اور اس کے بعد حضرت عمر کا کلمہ پڑھنا ان میں کا ہر ہر امر اپنی جگہ قابل غور ہے۔ علامہ شبلی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو درشتی مزاج اور اور قبل قبول اسلام حضرت رسول اور اسلام سے دشمنی اپنے والد خطاب سے ورثہ میں ملی تھی۔ چنانچہ علامہ شبلی الفاروق صفحہ ۵۳ و ۵۴ پر لکھتے ہیں۔

"سن رشد کو پہنچ کر خطاب ان کے باپ نے ان کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن نہایت بے رحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی وہ تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر کا اُدھر سے گزر ہوا تو اُن کو نہایت عبرت ہوئی آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ صفحہ ۱۵ پر علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

"زید (حضرت عمر کے خاندان کا ایک شخص) بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے۔ اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے۔ حضرت عمر کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خطاب نے اس قدر ان کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے اور حرا میں جا رہے۔"

المختصر حالات متذکرہ صدر میں مسلمان ہونے کے بعد یہ نہ ہوا کہ حضرت عمر نے کسی استقامت کا ثبوت دیا ہو۔ بلکہ آپ کا خود مسلم ہے کہ کئی مرتبہ آپ کو رسول اللہ کی رسالت پر شبہ واقع ہوا۔ ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب اپنے مقالہ محولہ صدر کے صفحہ ۱۸۱ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابوسفیان نے صلح حدیبیہ میں اپنی دانست میں رسول اللہ کو بہت دبا کر اپنے من مانے شرائط منوائے تھے۔ جس پر حضرت عمر اور بعض دوسرے صحابہ اس قدر برہم ہوئے کہ صاف صاف دل کی بات کہہ ہی بیٹھے کہ مجھے آپ کی نبوت پر آج سے زیادہ شک پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس موقعہ پر صورت حال ایسی نازک ہو گئی تھی کہ اندیشہ پیدا

ہو چلا تھا کہ کہیں منافقین صحابہ سادہ لوح مسلمانوں کو ساتھ لیکر رسول اللہ کے خلاف بغاوت برپا نہ کر دیں۔ بہر حال مار آستیں بدخواہوں کا چاہا کچھ نہ ہوا اور حضرت سرورِ کائنات اور خالص مومنین ان منافقین کے شر سے محفوظ رہے۔

حضرت عمر نے کبھی جنگ میں بھی رسول اللہ سے حق وفاداری ادا نہ کیا بلکہ رسول اللہ کو نرغۂ اعدا میں چھوڑ کر متعدد مرتبہ میدان جنگ سے آپ فرار ہوئے۔ مدارج النبوۃ اور حبیب السیر وغیرہ میں درج ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت رسول خدا نے مکہ میں داخل ہوئے بغیر ہی قربانی اور موتراشی کا حکم دیا تو حضرت عمر اور دیگر کئی اکابر صحابہ نے آپ کے فرمان پر کان نہ دھرا یہاں تک کہ آنحضرت کو سخت رنج ہوا اور شکایت صحابہ میں لب کشائی کرنی پڑی صلح حدیبیہ کے واقعہ سے دو ہی چار روز بیشتر صحابہ نے تجدید بیعت کی تھی جس کو بیعت رضوان کا نام دیا جاتا ہے۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ رسولِ خدا کا حکم مانیں گے ساتھ دیں گے "جنگ ہو تو پہلے کی طرح فرار نہ کریں گے۔ باوجود اس تجدید بیعت کے بھی جو فراریاں اور عدول حکمیاں صحابہ سے واقع ہوتی رہیں وہ صفحہ تاریخ پر موجود ہیں۔ قربانی اور موتراشی کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے یہ امر صاف طریقہ پر واضح ہے کہ حضرت عمر اور بعض دیگر صحابہ کے دل اس دغدغہ سے صاف نہ ہوئے تھے جو صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں ان کو لاحق ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کے مومن ہونے کیلئے یہ شرط لازم قرار دیدی ہے کہ ایمان لانے کے بعد پھر اللہ اور رسول پر شبہ نہ کرے۔ چنانچہ سورۂ حجرات کی آیت ۱۵ میں ارشاد ہے۔ انما المومنون الذین آمنوا باللہِ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ ط یعنی مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر اس میں ہرگز کبھی شک نہیں کیا اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کیا۔ آیت صدر کی روشنی میں یہ امر قابل غور ہے کہ کوئی شخص رسالت پر شبہ کرے اور جہادوں کی سختی میں رسولِ خدا کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر فرار ہو جائے تو اس پر فاروق اعظم کا کہاں تک اطلاق ہو سکتا ہے بلکہ مومن کی تعریف کہاں تک برقرار رہتی ہے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں۔ بہت سے ایسے مواقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ صلح حدیبیہ میں بھی انھوں نے آنحضرت سے کہا تھا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے" اس کے بعد مولانا شبلی لکھتے ہیں۔ "ان تمام باتوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو نبوت سے الگ سمجھتے تھے۔ ورنہ باوجود اس علم کے کہ وہ باتیں منصب نبوت سے تعلق رکھتی ہیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرہ سے بھی باہر سمجھتے"۔ علامہ شبلی صاف لکھ رہے ہیں کہ عمل تو حضرت عمر کا ایسا تھا کہ اسلام کے دائرے سے باہر سمجھے جانے کے لائق مگر دائرہ اسلام سے خارج ہونے یا اسلام میں باقی رہنے کو شبلی حضرت عمر کے علم کی نوعیت پر منحصر کرتے ہیں۔ یعنی اس امر پر کہ ان احکام رسول کو حضرت عمر منصب نبوت سے متعلق سمجھتے تھے یا نہیں۔ اس کا جواب خود حضرت عمر نے اپنی زبان سے دیدیا ہے۔ جس کو شبلی نے بھی واضح طور پر لکھا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عمر کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے

واقعہ سے پہلے مجھے ایسا قوی شبہ رسالت رسولؐ پر پہلے کبھی نہیں ہوا تھا جیسا اس روز ہوا۔ واضح ہو گیا کہ صلح حدیبیہ کے واقعہ کو حضرت عمر منصب نبوت سے ہی راست متعلق سمجھ رہے تھے جب ہی تو نبوت پر شبہ ہوا۔ اب علامہ شبلی تصفیہ فرمائیں۔ ظاہر بہ ظاہر بھی حج بیت اللہ کے معاملہ میں حضرت رسول خدا کا کفار سے گفتگو اور تعیۂ اور صلح کرنا اور مکہ میں داخل ہوئے بغیر قربانی اور موتراشی یعنی اعمال حج کا بجا لانا اور دوسروں کو بھی بجا لانے کا حکم دینا کیا کوئی خانگی گفتگو یا دنیوی معاملہ تھا۔ موٹی سے موٹی عقل والا بھی اس پوری کارروائی کو منصب نبوت سے علیحدہ تصور نہیں کر سکتا پھر اللہ تعالیٰ نے خود سورۂ فتح کی پہلی آیت انا فتحنا مبینا میں اس صلح کو کھلی ہوئی فتح سے تعبیر فرمایا ہے جس کی وجہ سے بعد میں مسلمانوں کو ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہو گئیں اور بہت سے فتنے دفع ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ یعنی ایک ہی سال بعد بلا لڑائی یا جنگ کے مکہ فتح ہو گیا۔ یہ صلح مسلمانوں کیلئے بظاہر سخت شرائط پر کی گئی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں مسلمانوں کا ہر طرح سود و بہبود منحصر فرما دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ کی یہ کارروائی بالکلیہ منصب نبوت سے متعلق تھی۔ بہر حال حضرت علیؑ جیسے ایمان مجسم سے فاروق اعظم کا خطاب چھین کر رسالت رسول پر بار بار شبہ کرنے والوں کو کفر و ایمان میں سب سے بڑا فرق کرنے والا فاروق اعظم کہنا ایک طرفہ ماجرا ہے۔ مولانائے روم فرماتے ہیں:-

تو بہ تاریکی علی را دیدہ — زان سبب غیرے برو بگزیدہ
من علیؑ را روز روشن دیدہ ام — زان سبب غیرے برونہ گزیدہ ام
راز بکشا اے علیؑ مرتضیٰ — اے پس از سوء القضا حسن القضا

۸۹۔ حضرت علیؑ کا خطاب سیف اللہ

ابو سعد نے شرف النبوۃ میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ:- ھذا علی ابن ابی طالب ھذا سیف اللہ المسلول علی اعدائہٗ یعنی یہ علیؑ ابن ابی طالب ہے یہ خدا کی شمشیر برہنہ ہے دشمنان خدا کے لئے ابو الفتح النطنزی نے خصائص علویہ میں سلمان سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام پیغمبری میں اور علیؑ کا نام خلافت اور شجاعت میں درج فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور علیؑ اللہ کی تلوار ہے لطف یہ ہے کہ خالد بن ولید کی بہادری کی داستانیں بنا کر سیف اللہ کا خطاب جو حضرت رسول خدا نے شیر خدا حضرت علیؑ مرتضیٰ کو دیا تھا لوگوں نے خالد کے سر منڈ دیا ہے۔ درندگی اور جانور پن اور چیز ہے اور بہادری اور شجاعت دوسری صفت ہے۔ خالد کی سطحی بہادری کو شیر خدا کی خداداد شجاعت سے کیا نسبت۔ جہاں شیر خدا فرماتے تھے کہ جہاد میں اپنی جان کو موت کے ہاتھ میں عاریت دیدو اور آپ کا قول و عمل یہ تھا کہ "نہ معلوم میں موت پر جا پڑتا ہوں یا موت مجھ پر آ پڑتی ہے"۔ اور آپ کی بہادری میں بے جگری، سپردگی اور بے نیازی کی شان تھی وہاں خالد اپنی جان کی حفاظت کا پہلو اور اپنے داؤں گھات کا موقعہ دیکھ کر ہی قدم آگے بڑھاتے تھے اور موقعہ پر فرار کی؟

گریز نہ کرتے تھے۔ جنگ اُحد کے موقعہ پر جب یہ مشرکین میں شامل تھے تو پہاڑ کا درہ خالی دیکھ کر پیچھے سے انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا۔ مگر جنگ حُنین جب حقیقی بہادری دکھانے کا موقعہ تھا یہی خالد تھے جو میدانِ جنگ سے حضرت رسولؐ کو چھوڑ کر سب سے پہلے بھاگ گئے تھے۔ ہاں جہاں بے بس لوگ مل جائیں تو ان کے سر کاٹنے فوراً تیار ہو جاتے تھے۔ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے کہ مالک بن نویرہ کی حسین بیوی کی خاطر مالک اور ان کے ساتھیوں کا جو سب مسلمان تھے سر کاٹ کر خالد نے چولھا بنا کر دیگچی اس پر چڑھائی اور اسی رات مالک کی زوجہ سے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا۔ ایک اور موقعہ پر بھی بے گناہوں کا سر خالد نے کاٹا۔ چنانچہ تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت رسولؐ نے بعض صحابیوں کو مع مختصر فوج کے حوالیٔ مکہ میں اس غرض سے بھیجا کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن کسی سے قتال نہ کریں (فوج محض ان کی حفاظت کیلئے تھی) ازاں جملہ خالد بن ولید کو بھی روانہ کیا۔ خالد چشمہ بنی خزیمہ پہنچے تو بنی خزیمہ کے لوگ مسلح ہو کر باہر آئے۔ خالد نے ان سے کہا کہ ہتھیار ڈال دو اور ان لوگوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ خالد نے پھر ان کے ہاتھ بندھوا کر سب کو تلوار پر رکھ لیا۔ جب حضرت رسولِ خدا کو خالد کی اس کارروائی کی خبر پہنچی تو آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند فرما کر کہا خداوندا جو حرکت خالد نے کی ہے میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ چشمہ بنی خزیمہ کے لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلح فوج کی آمد دیکھ کر بہ مقتضائے احتیاط ہتھیار لگا کر باہر نکلے تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور مسجد بھی بنائی ہے۔ خالد نے کہا ہتھیار ڈال دو۔ تو ان سب نے ہتھیار ڈال دیئے۔ خالد نے ان سب کے ہاتھ بندھوا دیئے اور ہر ایک کو اپنے ایک ایک آدمی کی حفاظت میں دیدیا۔ رات بھر وہ لوگ اسی حالت میں رہے اور صبح خالد نے حکم دیا کہ جو شخص جس کی حراست میں ہے وہ اس کو قتل کر دے۔ خود خالد نے سو آدمیوں کے سر کاٹے۔ بنی خزیمہ کے ایک شخص نے آ کر آنحضرت کو اس کی خبر دی۔ آنحضرتؐ نے غضبناک ہو کر تین مرتبہ فرمایا کہ خداوندا خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو کچھ مال و زر دیکر قبیلہ بنی خزیمہ کے پاس بھیجا کہ ان مقتولوں کا خون بہا اور تلف شدہ مال کا عوض ادا کریں۔ خالد صاحب کے اس طرح کے کارنامے تھے۔ تھوڑی بہت نڈری تو ہر شخص کافر و مسلمان میں رہتی ہے جائز مقصد کے لئے شرافت کے ساتھ صحیح موقعہ پر قوت کے استعمال اور خطرہ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا نام بہادری ہے۔ شجاعت میں شرافت کا پہلو خود مضمر ہے۔ کسی کی عورت پر قبضہ کرنے اس کے شوہر کا سر کاٹنا یا بے بس ہتھیار ڈالے ہوئے اسیروں کا خواہ وہ سو ہوں یا ہزار سر کاٹنا ہرگز بہادر انسان کا شیوہ نہیں ہو سکتا شرافت کو بالائے طاق رکھ کر ڈاکو بھی بڑی بڑی بے باکی اور سفاکی دکھاتے ہیں۔ یوں تو باریک بین نظر ہر چھوٹے واقعہ سے بھی کسی کی اچھائی برائی یا نفس کی بلندی یا پستی کو تاڑ جاتی ہیں مگر بڑے واقعات کو دیکھنا ہو تو انسان کی زندگی میں تمنت کے مواقع کم ہی آتے ہیں۔ ورنہ زندگی کچھ چھوٹے بڑے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ ایک معمول کے طور پر گزر جاتی ہے مگر آدمی کی اچھائی برائی، انسانیت اور اس کی حقیقی قدر یا جوہر امتحان کے وقت ہی کھلتے ہیں۔

آدمی تو وہی ہے جو ایسے امتحان کے موقعوں پر آدمیت دکھائے۔ کوئی شخص معمولاً تو کسی کے ساتھ رہے اور جب میدانِ جنگ کی مصیبت پڑے تو چھوڑ کر بھاگے یا کسی کے چال چلن کا برا پہلو روزمرہ کی زندگی میں نمایاں نہ ہو مگر خواہشاتِ نفسانی اور قوائے شہوانی کو مائل کرنے والے موقعوں کا سامنا ہوتے ہی شرافت کے معیار سے گر کر ظلم کو قضائے شہوت یا تسکین جذبہ انتقام یا حصولِ اقتدار کا ذریعہ بنائے تو یہ کونسی عمدہ صفتیں سمجھی جائیں گی۔

۹۰۔ اسد اللہ و ید اللہ و لسان اللہ

حضرت علی علیہ السلام کے یہ خطابات مسلّمہ ہیں اور اس کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں ہے متعدد کتب میں مذکور ہے کہ شب معراج رسول خدا آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے ایک مقام پر پہنچے تو وہاں ایک شیر نظر آیا جو آپ کو دیکھتے ہی محبت سے آپ کے پاس آگیا۔ حضرت جبرئیل ؑ نے کہا کہ آپ اپنی انگشتری اس کو دیدیجئے حضرت رسول اللہ نے اپنی انگشتری اُتار کر اس شیر کے منہ میں ڈالدی پھر رسول اللہؐ مقامِ قابَ قوسین پر پہنچے تو نعمات بہشت میں سے کوئی چیز بشکل شیر برنج آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ آپ نے اس شیر برنج کو کھانا شروع کیا تو ایک ہاتھ پردہ سے ظاہر ہوا اور شیر برنج کھانے میں رسولِ خدا کا ہم طعام ہوا تو اس ہاتھ میں حضرت نے اپنی وہ انگوٹھی دیکھی جو آپ نے تھوڑی دیر پہلے شیر کو دی تھی۔ صبح میں جب حضرت علیؑ کو دیکھا تو آپ وہی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ اسی روز سے اسد اللہ و ید اللہ آپ کے لقب مشہور ہوئے شب معراج حضرت نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا "لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ وایدہ بعلی" معراج میں سدرۃ المنتھی پر پروردگار عالم نے اپنے حبیب سے کلام کیا اور راز و نیاز کی گفتگو کی۔ یہ کیا گفتگو تھی جبرئیل کو بھی نہیں معلوم کیونکہ وہاں حضرت جبرئیل کی بھی رسائی نہ تھی اور معہ نعلین رسولِ خدا وہاں تشریف فرما تھے۔ سورہ والنجم میں اس راز و نیاز کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ یعنی پروردگار عالم نے اپنے بندہ خاص کی طرف جو جو کچھ وحی کرنا تھا سو وحی کی۔ وہ کیا وحی فرمائی اس کا ذکر قرآن پاک میں بھی نہیں جبرئیلؑ کو بھی خبر نہیں۔ رسول خدا نے فرمایا کہ یہ ساری گفتگو جو ہوئی تو اللہ پاک کی طرف سے حضرت علیؑ کی آواز و زبان و لہجہ میں گفتگو فرمائی گئی۔ اسی روز سے آپ کا لقب لسان اللہ ہوا۔ حضرت رسول کے متعدد ارشادات ہیں کہ علیؑ اللہ کا ہاتھ ہے اللہ کی زبان ہے اللہ کی آنکھ (عین اللہ) ہے۔ اللہ کا شیر ہے اور اللہ کی نشانی آیت اللہ ہے۔

۹۱۔ اُستاد جبرئیل

رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ اول ما خلق اللہ نوری وانا و علی من نور واحد۔ روایتوں میں جن کا ذکر علیحدہ آیا ہے۔ دیگر تفصیلات موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب فرشتوں اور ارض سما کی تخلیق سے ۱۴ ہزار سال قبل نور محمدؐ نور علیؑ خلق ہوا تو یہ نور تسبیح و تقدیس کرتے رہے اور جب فرشتوں کے خلق ہونے کی نوبت آئی تو نور علیؑ نے جبرئیلؑ کو تعلیم دی اور تسبیح و تقدیس سکھائی اس بناء پر حضرت علی اُستاد جبرئیلؑ قرار پائے۔ ارشادِ رسولؐ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نور محمدی عالم ارواح میں تمام انبیا کو اور نور علی تمام فرشتوں کو تعلیم دیتا رہا۔

۹۲- علیؑ کی تکذیب کرنیوالے پر وائے

دیلمی نے عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ سرورِ کونین فرماتے تھے یا علیؑ خوشی ہو اس کے لئے جو تجھ سے محبت رکھے اور تیری تصدیق کرے اور وائے ہو اس پر جو تجھ سے بغض رکھے اور تیری تکذیب کرے۔

۹۳- اللہ تعالیٰ کا حضرت علیؑ سے سرگوشی کرنا

مشکوٰۃ میں ترمذی کی روایت زبانی جابر بن عبداللہ اس طرح ہے کہ حضرت رسول خدا نے یوم طائف حضرت علیؑ کو بلایا اور کان میں باتیں کیں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ اپنے ابن عم سے بڑی لمبی سرگوشی ہوئی۔ رسول اللہ نے فرمایا میں نے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی کی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی عظمت کا اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور جہاں ایک طرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ سے حضرت علیؑ کی رازداری لوگوں کو کھٹکتی تھی وہیں یہ امر بھی منکشف ہو گیا کہ یہ رازداری صرف علیؑ اور رسولِ خدا کے ہی درمیان نہ تھی بلکہ علیؑ اور اللہ کے درمیان بھی راز و نیاز تھا۔ نبوت رسولِ خدا پر ختم ہو چکی تھی اور جیسا کہ حضرت رسولِ خدا نے حضرت علیؑ سے حدیث منزلت کے موقعہ پر فرمایا تھا۔ جس کے صاف معنی یہ تھے کہ اگر نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضرت علیؑ جو بلا نبوت بھی مختلف اولوالعزم انبیاء کے خصوصی صفات کا مجموعہ تھے ظاہراً طور پر بھی نبی ہوتے مگر یہ امر بھی مسلم النبوت ہو گیا کہ جس طرح نبی اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز و نیاز ہوتے ہیں اسی طرح امام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز و نیاز ہوتا ہے۔

۳- اہل بیت علیہم السلام خلق اور خالق کے درمیان واسطہ ہیں

۹۴- حدیث سفینہ

متعدد کتب حدیث میں اور مختلف راویوں کی زبانی اس حدیث کو روایت کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابو یعلی نے مسند میں طبرانی نے الکبیر والاوسط میں سماک بن الحرب "بزاز" ابوالحسن مغازلی نے حنش بن المعتمر سے اور نیز حاکم نے مستدرک جلد (۲) صفحہ (۳۴۳) پر اس کو روایت کیا ہے۔ خفیف سی تبدیلی الفاظ کے ساتھ احمد ابن حنبل نے اور ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ابوذر غفاری سے طبرانی ابونعیم اور بزار نے ابن عباسؓ سے نیز المغازلی نے مناقب میں سلمہ بن الاکوع سے بزار نے عبداللہ بن زبیر سے اور طبرانی نے الصغیر والاوسط میں ابوسعید خدری سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو جامع صغیر ۱۳۲ و کنز العمال صفحہ (۹۲)

مشکوٰۃ المصابیح میں مسند احمد ابن حنبل کی روایت زبانی ابوذر غفاری اس طرح درج ہے اور عبداللہ ابن زبیر سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔ قال وھو اخذ بباب الکعبۃ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول ان مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک ایک دوسری جگہ بھی حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا غرق وھوا۔ یعنی میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح کی ہے جو اس میں سوار ہوا وہ بچ گیا اور جس نے اسکو

ترک کر دیا وہ غرق اور نابود ہو گیا۔ کشتی نوح کی مثال کوئی معمولی مثال نہیں ہے۔ یہ وہ کشتی تھی جس کو اولو العزم پیغمبر حضرت نوح نے بحکم خدا کئی سو سال میں اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا۔ سورہ ھود آیت ۳۷ میں یہ حکم اس طرح مذکور ہے۔ واصنع الفلک باعیننا ترجمہ: اور ہمارے حکم سے ہماری آنکھوں کے سامنے (یعنی ہمارے روبرو) کشتی تیار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کی اہمیت کو قرآن شریف میں خود ظاہر فرمایا ہے اور اس کا ذکر سورہ ہود کی آیت ۴۰ میں یوں فرمایا ہے۔ حتیٰ اذا جاء امرنا وفار التنور قلنا احمل فیھا من کل زوجین اثنین واھلک الا من سبق علیہ القول ومن آمن وما آمن معہ الا قلیل۔ یعنی جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے کہا اس کشتی میں تمام جانوروں کے ایک ایک جوڑے کو بٹھا لو اور اپنے اہل کو بھی بجز اس کے جس کی ہلاکت کا حکم پہلے ہو چکا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان سب کو بٹھا لو اور ان کے ساتھ ایمان بھی تھوڑے ہی لوگ لائے تھے۔ پھر اسی کے بعد کی آیت ۴۱ ہے۔ وقال ارکبوا فیھا بسم اللہ مجریھا ومرسٰھا۔ (یعنی اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اسکا بہاؤ اور ٹھیراؤ تو بس خدا ہی کے نام پر ہے) اس کے بعد ارشاد ہے۔ وھی تجری بھم فی موج کالجبال (یعنی وہ کشتی ہے کہ ان لوگوں کو پہاڑوں جیسی موجوں میں سے لئے جا رہی ہے) پھر سورۂ عنکبوت کی آیت ۱۵ ہے فانجینٰہ واصحاب السفینۃ وجعلناھا آیۃ للعالمین (یعنی ہم نے نوح اور اصحاب سفینہ کو نجات دیدی (طوفان سے) اور اس کو ساری خدائی کیلئے نشانی قرار دیا۔

جب حضرت نوح نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئی سو برس ذاتی طور پر محنت کر کے یہ کشتی تیار کی اور خدا کے حکم سے ایک بڑھیا کے تنور میں سے پانی جوش مارنے لگا اور زمین و آسمان سے پانی ابلنے لگا۔ ہر طرف سوائے پانی کے کچھ نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو حکم دیا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے ساتھ بٹھا لو اور پھر یہ صراحت بھی فرما دی کہ ایمان لانے والوں کی تعداد بھی بالکل تھوڑی ہی تھی (حضرت نوح کی کئی سو برس کی تبلیغ رسالت میں صرف اسی ۸۰ آدمی ایمان لائے تھے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ وہ کشتی تھی کہ اس کا بہاؤ اور ٹھیراؤ بس اللہ ہی کے نام پر تھا اور اس کی کیفیت یہ تھی کہ اس عظیم طوفان میں بھی پہاڑوں جیسی موجوں میں سے ایمانداروں کو سلامتی کے ساتھ لئے جا رہی تھی۔ سوائے ان کے جو اس کشتی میں سوار تھا کوئی متنفس دنیا میں باقی نہ رہا۔ یہ تھی کشتی نوح کی عظمت جس کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی نشانی قرار دیا ہے۔ حضرت رسول خدا نے اپنے اہل بیت کی مثال اس عظیم کشتی سے دی ہے۔ ارشاد رسول ہے کہ جو کوئی اس کشتی میں سوار ہوا یعنی جس نے اہل بیت علیہم السلام کا تمسک اختیار اور انکی پیروی کی وہ نجات پا گیا اور جس کسی نے ان کے تمسک کو ترک کر دیا اس کا نتیجہ بالکل ویسا ہی ہو گا جیسا کشتی نوح میں سوار نہ ہونے والوں کا تباہ اور مفقود ہو جانے کی شکل میں برآمد ہوا۔ حضرت سرور کائنات کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ تمسک اہلبیت ہے تو ایمان سلامت ہے اور جس کو تمسک اہل بیت نہیں اس کا ایمان غرق و نابود ہے۔ سرور کائنات کی یہ بڑی کڑی تنبیہ ہے۔ ہر شخص جس کو ایمان کا دعویٰ ہے اپنے ایمان کو اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھ لے کہ اہل بیت علیہم السلام سے انکو تمسک

حاصل ہے یا نہیں اور کہیں اس کے دل میں مخالفین اہل بیت اطہار کے لیے بھی جگہ تو موجود نہیں ہے نور ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ کفر و ایمان ایک دل میں نہیں رہ سکتے۔ یہ ممکن نہیں کہ اہل بیت علیہم السّلام کی محبت دل میں ہو اور آپ کے مخالفین کی محبت بھی اسی دل میں رہے۔ تمسک حقیقی ہو اور اپنے نفس اور رسول خدا اور اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے والا جھوٹا دستاویز نہ ہو۔ ذیل میں ہم حدیث سفینہ کے کچھ حوالے یکجائی طور پر نوٹ کر دیتے ہیں۔

صحیح مسلم۔ مسند احمد ابن حنبل۔ مستدرک حاکم نیشاپوری۔ ذخائر العقبیٰ حموینی۔ حلیۃ الاولیا حافظ ابو نعیم اصفہانی۔ دلائل النبوۃ حافظ ابو نعیم اصفہانی۔ استیعاب ابن عبداللہ قرطبی۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی اسد الغابہ ابن اثیر جزری۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطالب السئول ابن طلحہ شافعی۔ ریاض النضرہ محب الدین طبری شافعی۔ تذکرۃ الخواص الامہ سبط ابن جوزی۔ فصول المہمہ ابن صباغ مالکی۔ جامع الصغیر جلال الدین سیوطی۔ ینابیع المودہ سلیمان قندوزی۔ سبان مصری الاسعاف بہ شرح نور الابصار سمہودی۔ سمعانی۔ سخاوی۔ کفایت الطالب گنجی شافعی۔

علامہ اجاعلی نے ذخائر المعاد میں امام شافعی کے حسب ذیل اشعار نقل کئے ہیں:-

وَلَمَّا رَأَیْتُ النَّاسَ قَدْ ذَهَبَتْ بِهِمْ	مَذَاهِبُهُمْ فِی الْبَحْرِ الْغَیِّ وَالْجَهْلِ
رَکِبْتُ عَلَی اسْمِ اللّٰهِ فِی سُفُنِ النَّجَاةِ	وَهُمْ اَهْلُبَیْتِ الْمُصْطَفیٰ خَاتَمِ الرُّسُلِ

یعنی: جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کا مذہب انکو گمراہی اور جہل کے سمندر میں ڈبو رہا ہے تو میں اللہ کا نام لے کر سفینہ نجات میں سوار ہو گیا اور وہ ہیں اہلبیت محمد مصطفےٰ ختم رسل۔

۹۵۔ ربّ العزت کا آدم سے ارشاد کہ پنجتن کا وسیلہ اختیار کریں

بحوالۂ ابو القاسم عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم الرافعی و ابراہیم بن الحموینی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اس حدیث کے اسناد کو ابو ہریرہ تک پہنچاتے ہیں کہ انھوں نے حضرت رسول خدا کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت ابو البشر کو پیدا کیا اور ان کے جسم میں اپنی روح کو پھونکا جناب آدم نے عرش کے داہنے جانب نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ اس میں پانچ تن پاک کے جسموں کا نور رکوع و سجود کر رہا ہے آدم نے عرض کیا اے میرے پروردگار کیا تو نے کسی کو مجھ سے پہلے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ رب العزت نے فرمایا نہیں۔ آدم نے عرض کیا پس یہ کون اشخاص ہیں کہ جن کو میں اپنی ہیئت و صورت میں دیکھ رہا ہوں۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا یہ تیری اولاد میں سے پانچ شخص ہیں اور جس چیز سے میں نے تجھے پیدا کیا ہے یہ اس سے نہیں ہیں۔ ان کے لئے میں نے اپنے ناموں سے پانچ نام مشتق کئے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں جنت و دوزخ عرش و کرسی آسمان زمین فرشتے انسان جن وغیرہ اشیاء کو پیدا نہ کرتا پس میں محمود ہوں اور یہ محمدؐ ہے اور میں علی ہوں یہ علیؐ ہے۔ میں فاطر ہوں یہ فاطمہؐ میں احسان ہوں یہ حسنؑ ہے میں محسن ہوں یہ حسینؑ ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے کہ اگر کوئی ایک خردل کے دانہ کے

برابر بھی ان کا بغض لے کر میرے پاس آئیگا تو میں اس شخص کو ضرور دوزخ میں ڈھکیلوں گا۔ اور مجھے اسکی کچھ بھی پرواہ نہیں ہوگی۔ اے آدم یہ میرے برگزیدہ ہیں۔ میں ان کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو نجات بخشوں گا۔ اور ان کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہلاک کروں گا۔ جب تجھے کوئی حاجت پیش آیا کرے تو ان کی ذات کے ساتھ میری جناب میں وسیلہ پکڑا کر۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ ہم نجات کی کشتی ہیں جس نے اس کشتی کے ساتھ اپنا تعلق اختیار کیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس سے اعراض کیا وہ ہلاک ہوگیا۔ پس جس کسی کو خدا کی جناب سے اپنی حاجت روائی منظور ہو اس کو چاہیئے وہ ہم اہل بیت کو درگاہ الٰہی میں وسیلہ بنائے۔

۹۶۔ اہلبیت حضرت رسولؐ کے لئے جائے امن

مشکوٰۃ جلد (۸) صفحہ ۱۵۷ پر درج ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وہ مقام جہاں میں پناہ تلاش کرتا ہوں میرے اہل بیت ہیں۔

۹۷۔ اہلبیت امّت کیلئے امان ہیں

حاکم نے مستدرک جلد ۲ صفحہ ۴۴۸ و ۱۴۹ پر ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ ستارے زمین والوں کیلئے غرق سے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کیلئے اختلاف سے امان ہیں جب عرب کا کوئی قبیلہ ان کا مخالف ہو جائے گا تو اس قبیلہ کے لوگ شیطان کا گروہ بن جائیں گے۔ نیز ملاحظہ ہو کنز العمال ص۹۳

۹۸۔ معرفت آلِ محمد دوزخ سے نجات

ناصر الابرار فی مناقب اہل بیت الاطہار میں مقداد بن اسود سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ معرفت آلِ محمد کی چھٹکارا ہے آتش دوزخ سے اور محافظ ہے صراط پر اور امان ہے عذاب سے۔

۹۹۔ اہل بیت کی مثال باب حطہ

حدیث سفینہ کی ایک اور ہم معنی حدیث ابن عباس اور ابوذر غفاری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل میں توبہ کا دروازہ کہ جو شخص اس میں داخل ہوا وہ بخشا گیا (جامع صغیر صفحہ ۵۶ و کنز العمال صفحہ ۳۲) تمسک و محبت اہل بیت کی اہمیت اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے کہ کوئی گنہگار بھی تمسک اہل بیت رکھتا ہے تو وہ بخشا جائے گا۔ کیونکہ توبہ کو درجہ قبول عطا کرنے والی اور گناہوں کو دھو ڈالنے والی اگر کوئی چیز ہے تو محبت اہل بیت ہے۔

۱۰۰۔ علیؑ باب حطہ ہیں

دار قطنی ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات فرماتے تھے علی باب حطہ ہے جو شخص اس میں داخل ہوا وہ مومن ہے اور جو شخص اس سے نکل گیا وہ کافر ہے۔ (نیز ملاحظہ ہو جامع صغیر صفحہ ۵۶ وکنز العمال صفحہ ۳۲)

۱۰۱۔ شفاعت کرنیوالے پانچ ہیں

دیلمی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ شفاعت

کرنیوالے پانچ ہیں۔ قرآن اور رحم اور امانت اور تمہارا نبیؐ اور تمہارے نبیؐ کے اہل بیت۔

۱۰۲۔ محبِ اہل بیت کا قدم مضبوط

جامع صغیر صفحہ ۸۰ اور کنز الحقایق اور کنز العمال صفحہ ۹۲ پر حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد درج ہے کہ پل صراط پر اس کا قدم زیادہ مضبوط ہوگا جو میرے اہل بیت سے زیادہ محبت رکھے۔

۱۰۳۔ اہل بیت کی محبت چھ خوف کے مقامات پر کام دیتی ہے

دیلمی نے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ میرا اہل بیت کی محبت چھ مقام پر نفع رساں ہے جن کے خوف بھاری ہیں۔ وفات کے وقت "قبر" اٹھتے وقت حساب کتاب کے مقام پر، میزان کے قریب اور پل صراط پر۔

۱۰۴۔ قسیم النار والجنۃ

قاضی عیاض نے اشعار میں اور ابن مغازلی نے حضرت حذیفہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے اے علیؑ تم جنت اور دوزخ کے تقسیم کرنوالے ہو اور تم جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ گے اور اس میں اپنے دوستوں کو بغیر حساب کے داخل کروگے۔ معارج النبوۃ میں درج ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ روز قیامت لوا الحمد علیؑ کے ہاتھ میں رہیگا قسیم النار والجنۃ علیؑ ہے سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ خانہ ہمہ آفتاب کی مثل بھی اس حقیقت کے آگے بے نور ہے۔ یہ وہ خاندان ہے کہ کوئی شمس الضحیٰ ہے تو کوئی بدر الدجیٰ صدر خاندان سردار الانبیاء رحمت اللعلمین بیٹی سیدۃ النساء العلمین تو داماد ولی خدا مولائے کل مومن صاحب لوا الحمد قسیم النار والجنۃ اور نواسے سید شباب اہل الجنۃ اور نواسوں کی اولاد ائمہ اطہار جس میں سے بارھویں کی بھی وہ منزلت کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے اتر کر جس کے پیچھے نماز پڑھیں اور جس کی متابعت کریں۔ یہ باتیں تو نہ اور کسی پیغمبرؑ کے گھرانے کو نصیب ہوئیں نہ کہیں سننے میں آئیں۔ حضرت شافعی کہتے ہیں:۔

علی حبہ جنتہ — قسیم النار والجنہ
وصی المصطفٰے احقا — امام الانس والجنہ

یعنی علیؑ کی محبت سپر ہے۔ جنت اور دوزخ کا تقسیم کرنے والا علیؑ ہے حضرت محمدؐ مصطفٰے کا وصی برحق علیؑ ہے۔ علیؑ جن وانس کا امام ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور اطاعت فرض ہے

۱۰۵۔ رب العزت کا پیام کہ میں نے علی کی محبت کو خلقت پر فرض کیا ہے

دیلمی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت

رسول خدا فرماتے ہیں کہ جبرئیل میرے پاس آس کے درخت کا ایک منبر بنا کر لائے۔ اس پر پروردگار عالم کا یہ ارشاد سفیدی سے لکھا ہوا تھا "میں نے علی ابن طالب کی محبت کو اپنی خلقت پر فرض کر دیا ہے۔ یہ بات ان کو پہنچا دو۔

۱۰۶۔ علیؑ کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت

حاکم نے ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا۔ من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ومن عصانی فقد عصیٰ اللّٰہ من اطاع علیا فقد اطاعنی ومن عصاہ فقد عصانی "یعنی جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے علیؑ کی اطاعت کی میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

۱۰۷۔ علی مثل کعبہ کے ہیں

ابن المغازلی نے ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ علیؑ مثل کعبہ کے ہے اور اس کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے اور اس کا حج فرض ہے۔

۱۰۸۔ لوگوں کو چاہیئے کہ علیؑ کے پاس آئیں

دیلمی فردوس الاخبار میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسالت مآب فرماتے تھے یا علیؑ تو بمنزلہ کعبہ کے ہے۔ چاہیئے کہ لوگ تیرے پاس آئیں نہ کہ تو لوگوں کے پاس جائے (نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۳۱ دکنوز الحقائق صفحہ ۱۷۳)

۱۰۹۔ علیؑ کا حق امت پر جیسے باپ کا بیٹوں پر

دیلمی نے جابر بن عبداللہ اور ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ فرماتے تھے کہ علیؑ کا اس امت پر حق ایسا ہے جیسا کہ والد کا بیٹے پر۔

۱۱۰۔ مسلمانوں پر علیؑ کا حق جیسے باپ کا بیٹوں پر

حاکم نے عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ مسلمانوں پر علیؑ کا حق ایسا ہے جیسے کہ باپ کا بیٹوں پر (نیز ملاحظہ ہو ریاض النضرہ جلد (۲) صفحہ (۱۷۲) وکنوز الحقائق صفحہ ۱۰۶)

۱۱۱۔ جو شخص چاہے مجھ سا جینا مرنا وہ علیؑ کی محبت اختیار کرے

حاکم نے مستدرک جلد ۳ صفحہ (۱۲۸) پر اور کنز العمال صفحہ ۳۲ پر زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ من یرید ان یحیی حیاتی ویموت مماتی ویسکن جنت الخلد التی وعدنی ربی فلیتول علی ابن ابی طالب فانہ لن یخرجکم من ھدی ولن یدخلکم فی ضلال "یعنی جو شخص چاہے جینا میرا سا جینا اور مرنا میرا سا مرنا اور رہنا

اس بہشت میں جس کا وعدہ مجھ سے میرے رب نے کیا ہے تو چاہیے اس کو کہ محبت اختیار کرے علی ابن ابی طالب کی کہ وہ تم کو کبھی نہ نکالے گا ہدایت سے اور داخل نہ کرے گا گمراہی میں۔

اس سے اور واضح ارشاد رسول کیا ہو سکتا تھا کہ علیؑ کی محبت کا وہ درجہ ہو اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ حسب ارشاد رسول (اگر محبت سچی کامل اور حقیقی ہے) تو اس محب علیؑ کا جینا رسول خدا کا سا جینا اور اس کا مرنا رسول خدا کا سا مرنا اور اس کے رہنے کی جگہ وہ جنت قرار دی جائے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسولؐ سے کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ:۔

این دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند　　　سوز دل پروانہ مگس را نہ دہند

۱۱۲۔ حُبِّ علی ایمان

اللہ تعالیٰ نے ذریعہ حکم قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ اہل بیت اطہار کی محبّت کو اجر رسالت قرار دیدیا اور جہاں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی محبت اختیار کرنے کا حکم دیا والذین آمنوا اشد حبا للہ (سورۂ بقر آیت ۱۶۵) وہیں رسول اور اہلبیت رسول کی محبّت کو بھی لازم کر دیا۔ جن جن کی محبت کا لزوم ہو اگر ان کی صفات میں کوئی تضاد واقع ہو تو ظاہر ہے کہ جہاں ایک سے محبت ہو اسکی متضاد صفات رکھنے والے سے فطرتاً محبّت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی محبت بھی لازم گردانی اور رسول اور اہل بیت اطہار کی محبت کو بھی لازم کر دیا تو ان ذوات کے صفات میں کوئی تضاد نہ ہوگا۔ اس قادر مطلق کے صفات جو الوہیت سے تعلق رکھتے ہیں وہ تو کسی بندہ سے متعلق نہیں ہو سکتے ہاں دیگر صفات الٰہیہ کے مظہر یہی بندے ہیں یہ تو وہ بندے ہیں جن پر لوگوں کو خدا کا دھوکہ ہو ہو گئے۔

ادھر ارشاد رسول ہے کہ میرے اہل بیت سے محبت کرو میری محبت کی وجہ اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کی وجہ بہرحال اس محبت کی قدریں ذات باری سے لیکر رسول خدا اور اہل بیت رسول خدا تک مشترک ہیں اور ان ذوات سے محبت کرنا خدا تعالیٰ سے محبت کرنے کے مترادف ہے اور پھر خود رسول اللہ کی ان ذوات سے محبت کا جو حال ہے وہ متعدد حدیثوں سے ظاہر ہے جو اپنے اپنے مقام پر درج ہوئی ہیں۔

۱۱۳۔ روایت ام عطیہ

ترمذی نے ام عطیہ سے روایت کی ہے کہ (ایک مرتبہ جب حضرت علی رسول اللہ سے دور گئے ہوئے تھے) رسول اللہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ یا اللہ مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک علیؑ کو نہ دیکھ لوں۔

۱۱۴۔ حدیث طیر

مشکوٰۃ المصابیح کے صفحہ ۵۶۲ پر ترمذی کی روایت انس سے درج ہے کہ انس قال کان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلّم طیر فقال اللھم ائتنی باحب خلقک الیک یاکل معی ھذا الطیر فجاء علی فاکل معہ ؛ یعنی رسول اللہ کے پاس ایک دفعہ پکا ہوا پرندہ تھا۔

آپ نے دعا فرمائی یا اللہ تجھے تیری خلق میں سب سے زیادہ محبوب جو ہو اسکو میرے پاس بھیجدے کہ وہ اس طیر کو میرے ساتھ کھائے۔ پس (تھوڑی دیر گزری کہ) علیؑ آئے اور رسول اللہ کے ساتھ اس طیر کو تناول فرمایا۔ رسولِ خدا کی دعا اللہ تعالیٰ سے یہ تھی کہ تجھ کو جو سب سے زیادہ محبوب اپنی خلق میں ہو اس کو بھیج۔ تو معلوم ہوا کہ علاوہ اس کے کہ حضرت علیؑ رسولِ خدا کے محبوبؐ تھے اللہ تعالیٰ کے بھی محبوب تھے۔ (نیز ملاحظہ ہو جامع ترمذی صـ۲۱۴ وخصائص نسائی صفحہ ۲۱ ومستدرک جلد (۳) صفحہ (۱۳۱) وریاض النضرہ جلد (۲) صفحہ (۱۶۰) واسد الغابہ جلد ۴ صفحہ (۳۰) ومنتخب کنز العمال صفحہ ۵۳ وازالۃ الخفا صفحہ ۳۶۲)

۱۱۵۔ علیؑ کیلئے حضرت رسولؐ کی دُعا

دیلمی عمر بن شراجیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا اے میرے پروردگار جو علیؑ کو مدد دے اسے مدد دیجیو۔ اور جو اسے بزرگ سمجھے اسے بزرگ رکھیو اور جو علیؑ کو چھوڑے اسے چھوڑ دیجیو۔

۱۱۶۔ علیؑ کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت

حاکم نے مستدرک جلد (۳) میں اور طبرانی نے عبداللہ بن مسعود سے اور ابن عساکر نے حضرت ابوبکرؓ۔ عثمان۔ معاذ۔ انس۔ ثوبان۔ جابر و حضرت عائشہ سے روایت کی ہے اور کنز العمال صفحہ (۳۰) پر بھی درج ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ''النظر الیٰ وجہ علی عبادۃ'' یعنی علیؑ کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

یہ حدیث بھی حضرت علی علیہ السّلام کی عظمت کاملہ پر دلالت کرتی ہے اس حدیث کا فلسفہ غور کے قابل ہے۔ نوع انسانی پر جو حقوق عائد ہیں ان کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک حق اللہ اور دوسرا حق العباد۔ یعنی اللہ کا حق جو بندوں پر ہے اور دوسرے بندوں کا حق جو بندوں پر ہے۔ بندوں کے حق کو ادا کرنا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا نام نیکی ہے اور احسان ہے اور حقوق اللہ کے اعتبار سے جو ادائی عمل میں آتی ہے وہ عبادت کہلاتی ہے عبادت کے معنی حق عبدیت ادا کرنے کے ہیں۔ اس طرح عبادت کا عمل راست ذات خالق سے متعلق ہوا کرتا ہے۔ مگر اس میں کیا راز ہے کہ محض علیؑ کے چہرہ کی طرف دیکھ لینا بھی خدا کی عبادت ہے۔ سچ پوچھو تو یہ راز بالائے فہم ہے کہ کسی بندہ کی صورت کو محض دیکھ لینا خدا کی عبادت قرار پا جائے۔ شاید نصیری کچھ اس راز کی تفصیل بیان کر سکیں۔ ہم تو نہ سمجھ سکے البتہ بات اس حد تک سمجھ میں آئی کہ یہ ذات قدسی صفات ہر آن اور ہر دم وہ نیکیوں کا سرچشمہ اور منبع انوار ہے کہ جس لمحہ بھی اس پر نظر پڑ جائے نیکی ہی نیکی کا سبق ملے گا اور فیوض ہی فیوض حاصل ہوں گے۔ یہ ذات ہر قسم کے گناہ اور نوف سے پاک اور بری ہے اور یہ خیر ہی خیر ہے اور شر اس کو چھو نہیں گیا ہے اور بالفاظ دیگر عصمت تامہ کی حامل ہے۔ اگر اس ذات سے کسی بھی قسم کے چھوٹے سے چھوٹا گناہ یا ترک اولیٰ کا بھی اندیشہ ہوتا تو اس کی طرف دیکھنا عبادت ہرگز قرار نہیں دیا جاتا کیونکہ اگر کوئی شخص کوئی ایسا کام کر رہا ہو جو ذرا بھی قباحت یا کراہت یا غیر شایستگی کا پہلو رکھتا ہو تو اس قسم کے قباحت یا کراہت لئے ہوئے

کام کے ارتکاب کی طرف دیکھنا نہ تو کوئی اچھا نتیجہ پیدا کر سکتا ہے اور نہ اس کو عبادت کہنا ایک لمحہ کیلئے بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ جہاں قباحت و کراہت و کوتاہی کا وجود سرے ہی سے محال ہو وہیں بطور کلیہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے شخص کی طرف دیکھنا بھی عبادت خدا ہے۔

۱۱۷۔ علیؑ کا ذکر عبادت

بالکل اسی کی مماثل حدیث ذکر علی عبادۃ ہے یعنی علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔ (ملاحظہ ہو جامع صغیر صفحہ ۱۶ و کنوز الحقائق صفحہ ۱۲۰) اخطب خوارزم اور محمد بن یوسف الکنجی نے بھی اس کو درج کیا ہے۔ اس حدیث کا انداز بھی بالکل وہی ہے جو حدیث ماقبل کا ہے البتہ اس میں مستزاد امر اور بندگان خدا کیلئے رحمت کا پہلو یہ ہے کہ جس شخص کو علیؑ کا دیدار میسر نہ ہو وہ بھی اس عبادت سے محروم نہ رہے اور ذکر علیؑ کرے تو بھی عبادت خدا ہو جائے۔ اس حدیث کا بھی دوسرا پہلو وہی عصمت تامہ کا ہے۔ اگر کسی شخص میں کوئی برائی ہو یا اچھائی کے ساتھ برائی بھی موجود ہو تو جہاں اس شخص کا ذکر اچھائی کی نسبت سے آئیگا تو برائی کا بھی ذکر برابر کیا جائے گا۔ یہ فطرت انسانی کا خاصہ ہے کہ انسان حقیقت حال بیان کر دیتا ہے۔ جو اس کو نظر آئے یا سمجھ میں آجائے بجز اس کے کہ کوئی عمداً حق پوشی کو شعار بنالے۔ لہٰذا اگر کسی شخص میں برائی کا پہلو موجود ہو یا کبھی کسی لمحہ بھی اس سے کوئی خفیف ترین کوتاہی بھی سرزد ہوئی ہو تو جنہوں نے اس کو دیکھا ہو یا جن کے علم میں وہ بات آئی ہو وہ ضرور اس کو بیان کرنے کا حق رکھیں گے اور بیان کریں گے۔ لہٰذا کسی ایسے شخص کا ذکر ہرگز عبادت نہیں ہو سکتا جس کے تذکرہ میں برائی کا پہلو بھی جگہ پا سکے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جس ذات کا ذکر عبادت ہے وہ ہر قسم کے گناہ کبیرہ و صغیرہ ممنوعات و مکروہات و ترک اولیٰ سب سے پاک ہے یعنی معصوم مطلق ہے۔

۱۱۸۔ علیؑ کا ذکر مجلس کی زینت

مولانا عبید اللہ امرتسری ارجح المطالب میں حضرت رسول کا یہ فرمان بھی درج کرتے ہیں کہ زینوا مجالسکم بذکر علی یعنی اپنی مجلسوں کو علیؑ کے ذکر سے زینت دو۔

۱۱۹۔ علیؑ کی محبت امن اور ایمان

خوارزمی نے ابن عباسؓ سے روایت کی حضرت رسول خدا نے جناب امیر سے فرمایا کہ جو شخص تجھ سے محبت رکھیگا امن اور ایمان میں گھیرا ہوا رہے گا۔ جو شخص کہ تجھ سے بغض رکھیگا اللہ تعالیٰ اس کو کفر کی موت ماریگا۔

۱۲۰۔ علیؑ مسلمانوں کیلئے سپر ہے

حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ علی مسلمانوں کیلئے سپر ہے۔ (کنوز الحقائق صفحہ ۱۰۴)

۱۲۱۔ علیؑ کی محبت کے بغیر کوئی نیکی فائدہ نہیں پہنچا سکتی

خطیب نے مناقب میں انس بن مالک سے اور دیلمی نے معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ حضرت

رسول خدا نے فرمایا کہ علی ابن ابی طالب کی محبت ایک ایسی نیکی ہے جس کے ساتھ کوئی برائی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور اس کا بغض ایک ایسی برائی ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں پہنچا سکتی۔

۱۲۲۔ مومن کے نامہ اعمال کا عنوان محبتِ علیؑ

دیلمی نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ مومن کے نامۂ اعمال کا عنوان علی ابن طالب کی محبت ہے۔

۱۲۳۔ علیؑ کی محبت بحکم خدا فرض ہے

خطیب نے مناقب میں اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل ایک سبز اس کا پتہ لائے جس پر سفیدی کے ساتھ تحریر تھا میں نے علیؑ ابن ابی طالب کی محبت کو اپنی مخلوق پر فرض کر دیا ہے میری طرف سے یہ پیغام لوگوں کو پہنچا دو۔

۱۲۴۔ علیؑ کی محبت گناہوں کو کھا جاتی ہے

دیلمی نے فردوس الاخبار میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ علی ابن ابی طالب کی محبت گناہوں کو اس طرح سے کھا جاتی ہے جس طرح سے آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ و کنز العمال صفحہ (۳۳) و کنوز الحقائق صفحہ (۱۰۴) و سیلۃ المتعبدین اور نزل السائرین میں بھی اسی روایت کو درج کیا گیا ہے۔ جیسا کہ باب سوم میں ہم نے متعدد کتب حدیث و تفاسیر کے حوالہ سے درج کیا ہے۔ آیت من یقترف حسنۃ نزد لہ فیھا حسنا میں جس نیکی کا ذکر ہے وہ اہلبیت رسول کی دوستی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جنہوں نے آلِ رسول کی دوستی اختیار کی ان کی نیکیوں میں اور اضافہ کر دیگا اور پھر آیت سیجعل لھم الرحمٰن ودا میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ علیؑ کی محبت ہر مومن کے دل میں ڈال دے گا۔

جب علیؑ کی محبت کی یہ عظمت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ محبت اس قدر عزیز ہے تو درحقیقت تعجب کی کوئی بات نہیں کہ علیؑ کی محبت کا یہ اثر ہو کہ گناہ خود دُھل جاتے ہوں اور نامۂ اعمال سے محو ہو جاتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ہر امر کو دلیل و حجت کے ساتھ قائم فرماتا ہے لہٰذا اس نے عمل صالح کرنے والے مومنین کے کچھ گناہ بھی ہوں تو ان کے محو کر دیئے جانے کی ایک استدلالی حجت قرآن میں قائم فرما دی ہے۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت کی آیت ۷ میں ارشاد ہے والذین آمنو وعملو الصّٰلحٰت لنکفرن عنھم سیّاٰتھم ولنجزینھم احسن الذی کانو یعملون ؁ ترجمہ: اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک عمل کئے ہم یقیناً ان کے گناہوں کا انکی طرف سے کفارہ قرار دیں گے اور جو عمل انھوں نے کئے تھے ان کی اچھی سے اچھی جزا عطا کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ علیؑ کی محبت ہر مومن کے دل میں ڈال دے گا اور پھر یہ فرمایا ہے کہ علیؑ سے دوستی رکھنے والوں کی نیکیوں میں اپنی طرف سے اضافہ کر دے گا اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ ایسے مومنین کے کچھ گناہ بھی ہوں تو ان کا کفارہ اپنی

طرف سے دلوادیگا اور انکو اچھی سے اچھی جزا دیگا تو اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلا کہ علیؑ کی محبت گناہوں کو کھاجاتی ہے اور ارشادِ رسول بس یہی ہے۔

۱۲۵- لوگ علیؑ کی محبت پر مجتمع ہوتے تو دوزخ پیدا نہ ہوتی

دیلمی نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ اگر لوگ علیؑ کی محبت پر مجتمع ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ کنز العمال میں روایت ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا لا تسبوا علیًا فانہ ممسوسٌ فی ذات اللہ یعنی علیؑ سے کدورت مت رکھو وہ ذاتِ الٰہی میں مستغرق ہے۔

۱۲۶- علیؑ کی نسبت حضرت رسولؐ سے

حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ علی کی نسبت میرے ساتھ ایسی ہی ہے جیسی میری نسبت اللہ کے ساتھ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۳۔

۱۲۷- علیؑ کی محبت رسولؐ کی محبت

ترمذی احمد اور طبرانی نے ام سلمٰی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ جس نے علیؑ سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی اس نے اللہ سے محبت رکھی اور جس نے علیؑ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا۔

۱۲۸- علیؑ سے دوستی رسولؐ سے دوستی ہے

حاکم نے سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا جس نے علیؑ سے دوستی کی اس نے مجھ سے دوستی رکھی اور جس نے علیؑ سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔

۱۲۹- علیؑ کی محبت کے بغیر رسولؐ کی دوستی ممکن نہیں

دیلمی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے جناب امیرؑ سے ارشاد کیا کہ جو مجھے دوست رکھنا چاہتا ہو اس کو چاہیئے کہ تجھے دوست رکھے۔ کیونکہ کوئی بندہ میری دوستی تک نہیں پہنچ سکتا مگر علیؑ ابن ابی طالب کی محبت سے۔

۱۳۰- علیؑ سے بغض رکھنے والا منافق ہے

حاکم نے ابوذر غفاری سے اور ترمذی احمد اور طبرانی نے ام سلمٰی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ علیؑ سے کوئی بغض نہیں رکھتا مگر منافق اور کوئی محبت نہیں رکھتا بجز مومن (نیز ملاحظہ ہو جامع ترمذی صفحہ ۲۶۴ و سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۲ و سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۷۱ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ و کنز العمال صفحہ ۳۰ و استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴ و اصابہ جلد ۶ صفحہ ۲۷۲ و ازالۃ الخفا صفحہ ۲۶۴ و اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۶) نیز خطیب نے مناقب میں روایت کی ہے کہ حضرت

رسولؐ نے فرمایا کہ جب میں معراج میں گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر علیؑ نہ ہوتے تو میرے گروہ اور میرے دوست اور نہ میرے رسولوں کے دوست معلوم کئے جا سکتے۔ اس میں اشارہ اس حدیث کی طرف بھی ہے کہ علی نے ہر نبی کی مدد کی ہے۔

۱۳۱۔ منافق و مومن کی شناخت علیؑ سے

ترمذی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ ہم منافق و مومن کو حضرت علی کی عداوت یا محبت سے پہچانتے تھے (نیز ملاحظہ ہو ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ و استیعاب جلد ۲ صفحہ (۴۷۶) و ازالۃ الخفا صفحہ ۲۶۵)

۱۳۲۔ علیؑ ایمان کی کسوٹی

کنز العمال صفحہ ۵۶ پر حضرت رسولؐ کا ارشاد درج ہے کہ یا علیؑ تم ایمان کی کسوٹی ہو ورنہ میرے بعد مومن کی شناخت مشکل ہو جاتی۔

۱۳۳۔ علیؑ کے دشمنوں سے برات کے بغیر ایمان قبول نہیں

اخطب خوارزم اور محمد بن یوسف الکنجی لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور علیؑ کا ذکر عبادت ہے اور خدا تعالیٰ کسی بندہ کا ایمان قبول نہ کریگا جب تک اوکو ولایت علی ابن ابی طالب کی اور برات اس کے دشمنوں سے نہ ہوگی (تولا اور تبرا یعنی محمد و آل محمد سے محبت اختیار کرنے اور ان کے دشمنوں سے بیزارگی کا اس ارشاد رسول میں واضح حکم موجود ہے)

۱۳۴۔ علیؑ کے دوست کیلئے بہشت دشمن کیلئے دوزخ

حاکم نے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ پر عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا علی مرتضیٰ سے بہشت ہے اس شخص کے لئے جس نے دوست رکھا تجھ کو اور سچا جانا تجھ کو اور عذاب دوزخ ہے اُس کیلئے جس نے دشمن رکھا تجھے اور جھوٹا جانا تجھ کو (نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۳ و ازالۃ الخفا صفحہ ۲۴۳)

۱۳۵۔ علیؑ کی تکذیب کرنے والے کا ٹھکانا جہنم ہے

جامع ترمذی صفحہ (۴۰۱) و خصائص نسائی صفحہ ۲۸ و ۱۴ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ و اسد الغابہ جلد صفحہ ۲۶ و کنز العمال صفحہ ۳۸ و ازالۃ الخفا صفحہ (۲۵۶) پر حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر چند مشرکین آئے اور حضرت رسولؐ سے بحث کرنے لگے۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا اپنے برے طریقوں سے باز آؤ ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایک ایسے آدمی کو مامور کرے گا جو تمہاری گردنیں توڑ دیگا اور جس کے ایمان کا اللہ تعالیٰ نے اچھی طرح امتحان کر لیا ہے لوگوں نے کہا اور حضرت ابوبکر و عمر نے بھی پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون شخص ہے۔ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ شخص (خاصف النعل) جو میری نعلین درست کر رہا ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا جو کوئی علیؑ کی تکذیب کرے وہ اپنا بستر جہنم میں لگانے تیار ہو جائے۔

۱۳۶۔ جس نے علیؑ سے حسد کیا رسولؐ سے حسد کیا

ابوبکر ابن مردویہ انس ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا جس نے علیؑ سے حسد کیا

اس نے مجھ سے حسد کیا اور جس نے مجھ سے حسد کیا وہ کافر ہوا۔

۱۳۷- جس نے علیؑ کو اذیت دی اُس نے رسول کو اذیت دی

ابو یعلی اور بزار نے سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔

۱۳۸- علیؑ پر سبّ و شتم رسول پر سب و شتم

حاکم نے ام سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ جس نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔

۱۳۹- علی کی تنقیص شان رسول کی تنقیص شان

دیلمی فردوس الاخبار میں بریدہ اسلمی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا کہ من ینقص علیا فقد ینقصنی یعنی جس نے علیؑ کی تنقیص شان کی اس نے میری تنقیص شان کی۔

۱۴۰- اہل بیت کی تکریم کرنیوالے کی شفاعت حضرت رسول کرینگے

مسند اہل بیت میں روایت ہے کہ رسو خدا نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز چار آدمیوں کو میری شفاعت پہونچیگی ایک وہ شخص جو کہ میری ذریت کی تکریم کرنے والا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو انکی حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ تیسرے وہ جو ان کے امور میں جن میں وہ مضطر ہیں کوشش کرتا ہے۔ چوتھے وہ جو کہ دل و زبان سے اُن کا دوست ہے۔ جامع صغیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ و کنز العمال صفحہ ۹۲ پر حضرت رسول کا یہ ارشاد درج ہے کہ جو میرے اہل بیت کے ساتھ نیکی کرے اس کا اجر میں روز قیامت دونگا۔

۱۴۲- جو علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ سے لڑے حضرت رسول اس سے لڑیں گے

ترمذی نے زید ابن ارقم سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ سے فرمایا کہ جو تم سے لڑے میں اس سے لڑنیوالا ہوں اور جو تم سے صلح سے رکھے اس سے صلح رکھنے والا ہوں۔

۱۴۳- اپنے اہل بیت کیلئے میں کل تم سے جھگڑونگا

ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۹ پر حضرت ابوبکر سے روایت ہے کہ رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ تم نیکی کرو میرے اہل بیت کے ساتھ بیشک ان کے لئے کل تم سے جھگڑوں گا اور جس سے میں جھگڑوں گا اس سے اللہ تعالیٰ جھگڑیگا اور وہ آگ میں ڈالا جائے گا۔

۱۴۴- اہل بیت کے بارے میں رسولؐ کو ایذا دینے والے پر اللہ کا غضب بھڑکتا ہے

ایک اور روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا نے کہ خدا کا غضب بھڑکتا ہے اس شخص پر جو کہ مجھے میری ذریت کے بارے میں ایذا دیتا ہے (کنز العمال صفحہ ۹۱ کنوز الحقائق صفحہ ۲۶)

۱۴۵- آل محمدؐ کے ساتھ نیکی کا اجر

دیلمی نے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ آل محمد کے ساتھ ایک

دن کا محبت کرنا ایک برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے اور جو شخص محبت آل محمدؐ پر مرا جنت میں داخل ہوگا۔

امام شافعی فرماتے ہیں:۔

یا اهل بیت رسول الله حبکم فرض من الله فی القرآن انزله
کفاکم من عظیم القدر لکم من لم یصل علیکم لا صلواته له

یعنی اے اہل بیت رسول تمہاری محبت قرآن میں اللہ نے فرض کر کے اتاری ہے۔ تمہارے بڑے مرتبہ کیلئے صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

۱۴۶۔ اسلام کی بنیاد محبت رسولؐ و آل رسولؐ پر ہے

بخاری اور سیوطی نے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا۔ لکل شیئ اساسا و اساس الاسلام حب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم واهل بیته یعنی ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد ہے محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور آپ کے اہل بیت کی (زینہ ملاحظہ ہو کنز العمال صفحہ ۹۴)

۱۴۷۔ اللہ نے میری اور میرے اہل بیت کی اطاعت فرض کی ہے

دیلمی نے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے میری اور میرے اہل بیت کی اطاعت لوگوں پر خصوصاً اور خلقت پر عام طور پر فرض کی ہے کہ۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگ کون، اور خلقت کیا ہے ارشاد فرمایا لوگ اہل مکہ ہیں اور خلقت جو کہ خدا نے ذی روح پیدا کئے ہیں۔

۱۴۸۔ بغیر محبت اہل بیت دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا

صحیح ترمذی نے عبد المطلب بن ربیعہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا مگر میرے اقرباء کی محبت سے (زینہ ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۴ صفحہ ۱۶۵ و مشکوٰۃ جلد (۸) صفحہ ۱۲۴)

۱۴۹۔ اپنے نفس اور اولاد سے بڑھ کر پنجتن پاک کو چاہے بغیر ایمان نصیب نہیں

دیلمی نے ابو یعلی سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ ایمان نہیں لائے گا کوئی شخص جب تک کہ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبت نہ کرے اور میری عترت کو اپنی عترت سے سوا پیار نہ کرے اور میرے اہل کو اپنے اہل سے زیادہ محبوب نہ رکھے اور میری ذات کو اپنی ذات سے زیادہ چاہے۔

۱۵۰۔ اہل بیت کو دوست رکھے گا پاک ولادت والا دشمن رکھے گا بدبخت

ریاض النضرہ میں حضرت ابو بکر سے روایت ہے کہ رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مسلمانان اس خیمہ والوں سے جس میں علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ علیہم السلام

صلح کرنے والے کے ساتھ صلح کرنیوالا ہوں اور اسے دوست رکھتا ہوں جو انھیں دوست رکھے۔ دوست رکھیگا۔ ان کو نیک بخت پاک ولادت والا اور دشمن رکھیگا ان کو بدبخت ناپاک ولادت والا۔

۱۵۱-جو آل محمدؐ کی محبّت پر مرا شہید و مغفور مرا

ثعلبی نے روایت درج کی اور علامہ فخرالدین رازی نے بھی اس کو لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ من مات علیٰ حب آل محمد مات شھیدا .... الخ

یعنی جو شخص آل محمدؐ کی محبّت پر مرا شہید مرا۔ جو شخص آلِ محمدؐ کی محبّت پر مرا مغفور ہوا۔ جو شخص آل محمدؐ کی محبت پر مرا وہ جنت کی طرف خراماں ہوگا۔ جیسے دلہا اپنی دلہن کے گھر کی طرف جاتا ہے۔ جو شخص آلِ محمد کی محبت پر مرا وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی پیشانی پر اللہ کی رحمت کی آیت لکھی ہوگی اور جو شخص آلِ محمدؐ کے بغض پر مریگا وہ کافر مریگا اور جو شخص آلِ محمد کے بغض پر مریگا وہ جنّت کی بو نہیں سونگھے گا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ نے اس حدیث کو جوامع الکلم کے صفحہ (۲۲۱) پر حسب ذیل تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ الامن مات علیٰ حب آل محمد مات شھیدا الامن مات علیٰ حب آل محمد مات مغفورا الاومن مات علیٰ حب آلِ محمد مات تائبا الاومن علی علیٰ حب آلِ محمد مات مومنا مستکملا الایمان الاومن مات علی حبِ آل محمد بشرہ ملک الموت بالجنۃ ثم منکر و نکیرا الاومن مات علیٰ حب آل محمد یزف الی الجنۃ کما یزف العروس الیٰ بیت زوجھا الاومن مات علیٰ حب آل محمد فتح لہ بابان الی الجنۃ الاومن مات علیٰ حب آل محمد جعل اللہ قبرہ مزار ملائکۃ الرحمۃ الاومن مات علیٰ بغض آل محمد جاالیوم القیامہ مکتوب بین عینیہ آئس من رحمۃ اللہ الا ومن مات علیٰ بغض آل محمد مات کافرا الاومن مات علیٰ بغض آل محمد لم یشم راحت الجنۃ ؕ

۱۵۲-آل محمد سے بغض رکھنے والے کی عبادت حبطا اور دوزخ میں جائیگا

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اگر کوئی آدمی ما بین رکن و مقام اپنے دونوں قدموں پر کھڑا ہوکر روزہ رکھے اور نماز پڑھتا رہے ایسی حالت میں کہ وہ آل محمد سے بغض رکھتا ہو پھر وہ مرجائے تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

۱۵۳-اہل بیت سے بغض رکھنے والے جہنمی

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اہل بیت سے کوئی بغض نہیں رکھیگا مگر وہ شخص کہ اس کو خدا آگ میں ڈالے گا۔ نیز حاکم نے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۴۹ پر روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ خواہ کوئی نماز پڑھتا رہے اور روزے رکھے مگر میرے اہلبیت سے محبت نہ رکھے تو وہ ضرور جہنم میں ڈالا جائیگا۔

۱۵۴۔ اہل بیت میں سے کسی سے بغض رکھنے والے پر رسول کی شفاعت حرام

انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے اہل کو اور علیؑ کو پیار کرو۔ جس نے میرے اہل بیت میں سے کسی ایک سے بغض رکھا بتحقیق اُس پہ میری شفاعت حرام ہوگئی۔

۱۵۵۔ شناخت مومن و منافق محبّت اہل بیت

جابر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا نے کہ میرے اہل بیت کو نہیں دوست رکھے گا مگر مومن متقی اور نہیں دشمن رکھیگا مگر منافق۔ بدبخت۔

۱۵۶۔ اہل بیت کو ناراض کرنیوالے کا حشر یہودیوں کے ساتھ

طبرانی اور سیوطی نے جابر سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسولِ خدا نے کہ اے لوگو جس نے ناراض کیا میرے اہل بیت کو اللہ تعالیٰ اس کو روزِ قیامت یہودیوں میں اُٹھائیگا۔

۱۵۷۔ نیک وہ ہے جو بعد رسول بھی اہل بیت کے ساتھ نیکی کرے

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا پیغمبر خدا نے کہ تمہارا نیک وہ ہے جو میرے اہل کے ساتھ میرے بعد بھی نیک رہے۔

۱۵۸۔ میرے اہل بیت سے محبّت کرو میرے لیئے

ترمذی ۲۷۴ و سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۴ و کنزالعمال صفحہ ۹۲ پر ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خُدا نے ارشاد فرمایا کہ خدا سے محبت کرو اس سبب سے کہ اپنی نعمتیں دیتا ہے اور مجھ سے محبت کرو خدا کے لئے اور میرے اہل بیت سے محبت کو میرے لئے۔ حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد اس آیت قرآن کے عین مُطابق ہے کہ:۔ قل ان کنتم تحبّون اللہ فا تبعونی یحببکم اللہ ؕ یعنی اے پیغمبر کہدو کہ اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو تم کو اللہ دوست رکھیگا۔

۱۵۹۔ پانچ باتوں میں حضرت رسول اور اُن کے اہلبیت برابر ہیں

ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں اور علامہ فخرالدین رازی صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے کہ اہل بیت رسول جناب رسالت مآب سے پانچ باتوں میں مساوی ہیں:۔

پہلے سلام میں کہ اگر خدا نے السّلام علیکَ ایّھا النبی کہا تو سلام علیٰ آلِ یٰسین کہا ہے۔ دوسرے صلوٰۃ میں کہ تشہد میں آنحضرت پر بھی صلوٰۃ ہے اور آپ کی آل پر بھی۔ تیسرے طہارت میں کہ رسول کیلئے طٰہٰ ارشاد ہوا ہے جس کے معنی طاہر کے ہیں تو آل رسول کیلئے یطھرکم تطھیرا آیا ہے۔ چوتھے تحریم صدقہ میں کہ جسطرح رسول پہ صدقہ حرام تو اسیطرح اہلبیت رسولؐ پر بھی صدقہ حرام کیا گیا ہے۔ پانچویں محبّت میں کہ اگر رسولؐ کے واسطے خداوند عالم فاتبعونی یحببکم اللہ ارشاد فرمایا تو اہلبیت کیلئے قُل لا اسئلکم علیہ اجراً الّا المودّۃ فی القربیٰ فرمایا۔

۱۶۰- روز حشر محبت اہل بیت کا سوال ہوگا دیلمی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ قیامت کے روز کوئی شخص قدم سے قدم نہیں اُٹھا سکے گا جب تک اس سے چار باتوں کی نسبت نہیں پوچھا جائیگا اول اس کی عمر سے کہ اس نے کس بات میں صرف کی ہے۔ پھر اس کے جسم سے کہ کس امر میں اس نے اس کو آزمایا ہے اور اس کے مال سے کہ کس طرح اس نے اسے حاصل کیا اور کہاں پر اس کو خرچ کیا اور ہم اہل بیت کی محبت سے حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی محبت کی کیا نشانی ہے حضرت علیؑ آنحضرت کے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے ان کے سر پر ہاتھ رکھکر فرمایا ہماری محبت کی نشانی اس کے ساتھ ہمارے بعد محبت رکھنا ہے۔

۱۶۱- اہل بیت سے محبت نہ رکھنے کا خمیازہ اُٹھانا پڑیگا مستدرک جلد ۴ صفحہ ۷۴، و مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۸ پر حضرت رسول کا یہ فرمان درج ہے کہ ان لوگوں کا کیسا (جاہلانہ) عمل ہے جو یہ کہہ جاتے ہیں کہ میرے اہل بیت کی محبت فائدہ نہیں دیتی قسم خدا کی میری قرابت کا رشتہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور عنقریب ہی میں تم کو یہ بات بتا دوں گا۔

۵- اہل بیت علیہم السلام معصوم ہیں اور ان کا کردار مثل رسولؐ بلند ہے

۱۶۲- رسول خدا فاطمہ زہرا اور بارہ امام معصوم ہیں المودات میں ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ میں اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ اور نو شخص اولاد حسینؑ میں سے معصوم ہیں۔

۱۶۳- چہاردہ معصومین کی صفات انبیائے سلف کو بھی حاصل نہ تھیں دار قطنی نے ابی ہارون العبدی سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو سعید خدری سے پوچھا آیا تم جنگ بدر میں حاضر تھے۔ کہنے لگے ہاں میں نے کہا کیا تم مجھے نہیں بتا سکتے جو کچھ کہ تم نے حضرت علیؑ کی نسبت آنحضرت سے سُنا ہے کہنے لگے اے میرے بیٹے میں تجھے سُناتا ہوں کہ جب جناب رسول خدا بیمار ہو کر ضعیف ہوگئے جناب فاطمہ علیہا السلام عیادت کیلئے حاضر ہوئیں۔ میں سرکار کے داہنے طرف بیٹھا ہوا تھا۔ آنحضرت پر ضعف و ناتوانی کا غلبہ دیکھ کر رونے لگیں۔ یہاں تک کہ رونے سے ان کا دم گھٹ گیا۔ اور رخساروں پر آنسو نکل آئے۔ سرکار نے فرمایا فاطمہؑ کیوں روتی ہو۔ گذارش کی حضور کے بعد میں اپنے ہلاک ہونے سے ڈرتی ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بالتحقیق پروردگار عالم نے زمین کے باشندوں کو اچھی طرح سے دیکھا اور تیرے باپ کو ان میں سے منتخب کیا۔ پھر دوبارہ دیکھا اور تیرے شوہر کو انتخاب فرمایا۔ پس مجھے الہام کیا اور میں نے تیرا نکاح اس سے کر دیا اور اس کو اپنا وصی بنایا تم نہیں جانتی ہو کہ خدائے تعالیٰ نے خاص تمہارے حق میں کیا مہربانی کی ہے کہ تیرا شوہر سب سے زیادہ علم والا اور

سب سے زیادہ حلم والا اور اسلام لانے میں سب سے زیادہ پیش قدم ہے۔ جناب سیدہ یہ سُن کر تبسم فرمانے لگیں اور خوش ہو گئیں۔ جناب سرور کائنات نے چاہا ان کو اور زیادہ خیر سے حصّہ دیا جائے۔ جس کا کہ پروردگار نے محمدؐ و آل محمدؐ کو حصّہ دیا ہے۔ پس حضرت نے فرمایا فاطمہؑ علی کے آٹھ تیز دانت ہیں۔ یعنی آٹھ مناقب ہیں۔ اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان لانا۔ اسکی حکمت اس کی زوجۂ مطہرہ یعنی تو اور اسکی اولاد یعنی حسنؑ و حسینؑ کہ وہ دونوں تیرے بیٹے ہیں اور اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی اچھے باتوں کا حکم کرنا اور بُری باتوں سے منع کرنا) یا فاطمہؑ ہم اہل بیت کو چھ باتیں ایسی عطا ہوئی ہیں کہ ہمارے سوا ہم سے پہلے لوگوں کو بھی نہیں دی گئیں اور ہم سے پیچھے آنیوالے بھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ہمارا نبی تمام نبیوں سے بہتر اور وہ تیرا باپ ہے۔ ہمارا وصی سب اوصیاء سے افضل اور وہ تیرا شوہر ہے۔ ہمارا شہید سب شہیدوں سے برتر ہے اور اس امت کے سبطین وہ دونوں تیرے بیٹے ہیں اور اس امت کا مہدی بھی ہم ہیں سے ہے جس کے پیچھے عیسٰی نماز پڑھیں گے۔ پھر آنحضرت نے جناب حسینؑ کے دوش پر ہاتھ مار کر فرمایا مہدی امت اس سے پیدا ہوگا۔ طبرانیؒ ابو نعیم اور سیوطی نے علی بن الہلالی المکی سے یہی روایت اور زیادہ تفصیل کے ساتھ درج کی ہے۔ جس کو ہم بخوف طوالت ترک کرتے ہیں۔

۱۶۴- علیؑ مجموعہ صفات انبیاء ہیں

ابن طلحہ شافعی نے اپنی کتاب اور نیز بیہقی نے کتاب فضائل میں روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ والیٰ نوحًا فی تقواہ والیٰ ابراھیم فی خلتہ والیٰ موسیٰ فی ھیبتہ والیٰ عیسٰی فی زھدہ فانظر الیٰ علی ابن ابی طالبؑ یعنی حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص دیکھنا چاہے آدم کو ان کے علم میں اور نوح کو ان کے تقویٰ میں اور ابراہیم کو ان کی خلت میں اور موسیٰ کو ان کی ہیبت میں اور عیسٰیؑ کو ان کے زہد میں تو اسے چاہیئے کہ علی ابن ابی طالب کو دیکھ لے۔

۱۶۵- ایضاً

عاصمی نے زین الفتیٰ اور یاقوت حموی نے معجم الادباء میں سیوطی نے لعالی مصنوعہ میں دو طریقوں سے نیز ابن مغازلی نے مناقب میں سید علی ہمدانی نے مودۃ فی القربیٰ میں شہاب الدین دولت آبادی نے توضیح الدلائل میں اور شاہ ولی اللہ نے قرۃ العینین میں اور جمال الدین محدث نے کتاب اربعین میں اور دیگر محدثین نے بھی اس حدیث کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے:- من اراد ان ینظر الیٰ آدم فی علمہ والیٰ نوح فی فہمہ والیٰ ابراھیم فی خلتہ والیٰ موسیٰ فی شدۃ والیٰ عیسٰی فی زھدہ والیٰ محمد فی بہائہ والیٰ جبریل فی امانتہ والی الکوکب الدری والشمس الضحیٰ والقمر المضئ فلیطاول و ینظر الیٰ ھذا الرجل واشار الیٰ علی ابن ابی طالب۔ ثم قال یا ایھا الناس۔۔ (یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں حضرت علیؑ کے اور صفات بھی مذکور ہیں)

۱۶۶- فہم آدم حلم ابراہیم ہیبت موسیٰ زہد زکریا علیؑ میں ہے

امام احمدؒ ابو الخیر قزوینی اور بیہقی نے ابی حمراء سے

روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا۔ من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ والی نوح فی فہمہ والی ابراھیم فی حلمہ والی یحیی بن زکریا فی زھدہ والی موسیٰ ابن عمران فی بطشہ فلینظر الی علی ابن ابی طالب۔

۱۶۷۔ فہم نوح حلم ابراہیم حسن یوسف علیؑ میں ہے

الملا نے اپنی سیرۃ میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص علم میں حضرت آدمؑ کو اور حلم میں حضرت ابراہیمؑ کو اور فہم میں حضرت نوحؑ کو اور حسن میں حضرت یوسفؑ کو دیکھنا چاہتا ہے تو علی ابن ابی طالب کو دیکھ لے۔

۱۶۸۔ علم آدم فہم نوح حکمت ابراہیم علی میں ہے

ابوبکر ابن مردویہ نے حالات الاعور سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا اپنے صحابہ کی جماعت میں رونق افروز تھے کہ ارشاد فرمایا میں تمہیں ایک ایسا شخص دکھاؤں کہ اپنے علم میں وہ جناب آدم اور فہم میں جناب نوح اور حکمت میں جناب ابراہیم ہے۔ کچھ دیر نہ گذری تھی کہ جناب علی علیہ السّلام تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور نے ایسا آدمی بیان فرمایا ہے کہ فضائل میں تین نبیوں کے برابر ہے وہ کون ہے۔ حضرت نے فرمایا اے ابوبکر کیا تم اس کو نہیں جانتے۔ حضرت ابوبکر نے کہا خدا اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ حضرت رسول نے فرمایا وہ ابوالحسن علی ابن ابی طالب ہے۔ حضرت ابوبکر کہنے لگے شاباش اے ابوالحسن آپ کا مثل کہاں ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں ؎

امامت را کسے شائد کہ شاہ اولیا باشد　　بہ زہد و عصمت و دانش مثال انبیا باشد

۱۶۹۔ حضرت رسول اور علی انسانیت کیلئے حرف آخر

کنوز الحقائق صفحہ (۱۷) پر حضرت رسول کا یہ ارشاد درج ہے کہ میں اور علیؑ تمام انسانیت کے لئے حرفِ آخر ہیں۔ کنز العمال صفحہ ۲۴ پر یہ ارشاد رسولؐ درج ہے کہ روز قیامت میں اور علیؑ حرف آخر ہوں گے۔

۱۷۰۔ علی حضرت رسولؐ کے نظیر ہیں

دیلمی اور الخلفی نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کی نظیر اس کی امت میں ہوتی ہے پس علیؑ میری نظیر ہے۔

۱۷۱۔ علیؑ کے اٹھارہ صفات

طبرانی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ میں اٹھارہ صفات ایسے ہیں کہ اس امت میں کسی کو حاصل نہیں۔

۱۷۲۔ علی سات باتوں میں سب سے افضل

حلیۃ الاولیاء کفایۃ الطالب اور مناقب خطیب میں معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ علی سات باتوں میں سب امت سے افضل ہے۔

۱۷۳۔ رسولؐ اور علیؑ کی تخلیق ایک نور سے

امام احمد بن حنبل اور ان کے بیٹے عبداللہ ابن احمد اور اخطب خوارزم اور ابن عساکر اور حموینی اور محب طبری نے سلمان سے اور فقیہ ابن المغازلی نے سلمان اور ابوذر سے اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں سلمان سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ چار ہزار برس آدم کی پیدائش سے پہلے میں اور علیؑ ایک نور سے پیدا ہوئے جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اس نور کو آدم کی صلب میں ملا دیا۔ پس ہمیشہ ایک ہی چیز میں ہم باہم اکٹھے رہتے چلے آئے ہیں یہاں تک کہ ہم عبدالمطلب کی صلب میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ پس مجھ میں نبوت اور علیؑ میں خلافت ہے۔

۱۷۴۔ حدیث نور

اس حدیث کو محدثین کے ایک گروہ کثیر نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ احمد بن حنبل نے مسند اور شمس الدین بن یوسف بن عبداللہ المسمّٰی بہ سبط ابن جوزی" ابن مردویہ اصفہانی" ابن مغازلی" دیلمی" عاصمی" اخطب خوارزم" ابن عساکر" گنجی" طبری اور جمال الدین محدث نے حضرت سلمان فارسی سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ زبان زد عام ہیں۔ یعنی انا و علی من نور واحد مگر پوری حدیث کا متن حسب ذیل ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنت انا و علی ابن ابی طالب نورا بین یدی اللہ تعالیٰ قبل تخلق آدم باربعۃ الاف عام فلما خلق آدم قسم ذلک النور حتی بین فجزا انا وجزا علیؑ وفی روایت خلقت انا و علی من نور واحد ۃ ترجمہ:۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میں اور علی ابن ابی طالب آدم کی پیدائش سے چالیس ہزار برس پیشتر اللہ تعالیٰ کے روبرو عالم نور میں تھے۔ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ نور دو جزو میں تقسیم ہو گیا۔ ایک جزو میں ہوں اور ایک جزو علی۔ (آخری الفاظ کی بجائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ) میں اور علیؑ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے۔

یہ حدیث متذکرہ صدر کتب میں تین طریقوں پر مختلف راویوں کی زبانی درج ہوئی ہے اور نور محمد و نور علی حضرت آدم کی خلقت سے ۱۴ ہزار سال پہلے موجود ہونا اور تسبیح و تقدیس کرنا درج ہے۔ ابراہیم بن عبداللہ الوصابی نے الکتفاء میں سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں بھی اس حدیث کو درج کیا ہے۔

۱۷۵۔ میں اور علیؑ ایک نور سے میرا نام پیغمبری میں علیؑ کا نام خلافت میں

ابوالفتح محمد بن علیؑ بن ابراہیم النطنزی خصائص علویہ میں سلمان سے روایت سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ آدم سے چودہ ہزار برس پہلے میں اور علیؑ عرش کے داہنے طرف ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے تھے۔ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو ہم کو مردوں کی پاک پشتوں سے عورتوں کے پاک رحموں کی طرف منتقل فرمایا۔ یہاں تک کہ ہم منتقل ہو کر عبدالمطلب کی صلب تک پہنچے۔ پھر ہم کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک حصّہ عبداللہ کی صلب میں اور ایک حصّہ ابوطالب کی صلب میں مجھے ایک حصّہ سے اور علیؑ کو دوسرے حصّہ سے بنایا اور ہمارے لئے اپنے اسمائے حُسنیٰ

ہیں سے نام مشتق کئے۔ پس اللہ محمود ہے اور میں محمد ہوں۔ اللہ اعلیٰ ہے اور میرا بھائی علیؑ ہے۔ اللہ فاطر ہے اور میری بیٹی فاطمہ ہے۔ اللہ محسن ہے اور میرے دونوں بیٹے حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ پس میرا نام پیغمبری میں اور علیؑ کا نام خلافت اور شجاعت میں درج کیا ہے۔ میں خدائے تعالیٰ کا رسول ہوں اور علی اللہ تعالیٰ کی تلوار ہے۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ پر بھی سلمان سے یہی روایت درج ہے۔ نیز اخطب خوارزم نے بھی اس کو درج کیا ہے۔

۱۷۶۔ میں اور علیؑ ایک نورانی چھڑی کی دو شاخ ہیں

خطیب البغدادی محمد بن یوسف گنجی الشافعی زرندی شہاب الدین احمد اور الحموینی عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جناب سرور انبیاء ارشاد فرماتے تھے کہ دنیا کی پیدائش سے چالیس ہزار سال پہلے خدائے تعالیٰ نے ایک نور کی چھڑی پیدا کر کے عرش کے سامنے گاڑ دی۔ یہاں تک کہ میری پیدائش کا آغاز ہوا۔ اس سے آدھی کو توڑ کر تمہارے نبیؐ کو پیدا کیا اور دوسرے آدھے ٹکڑے سے علی ابن ابی طالب کو بنایا۔

۱۷۷۔ رسولؐ اور علیؑ کی تخلیق خدا کے نور سے ہے

حموینی ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا کو حضرت علیؑ سے فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میں اور تو خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔

۱۷۸۔ فرشتوں کا حضرت رسولؐ اور علیؑ پر سات سال درود بھیجنا

خطیب نے مناقب میں عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں نے مجھ پر اور علیؑ پر سات سال درود بھیجا ہے۔

۱۷۹۔ میں اور علیؑ ایک شجرہ سے پیدا ہوئے ہیں

عبداللہ ابن احمد ابن حنبل ابو نعیم ابن المغازلی طبرانی و ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ ابوذر بیرکی کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سُنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسول خدا کوہ عرفات پر تشریف رکھتے تھے۔ جناب امیرؑ حضرت کے سامنے آ رہے تھے۔ حضرت نے ان کو اشارہ سے اپنے پاس بلایا جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت نے ارشاد فرمایا اپنا ہاتھ میرے پنجہ میں ڈال یا علیؑ میں اور تو ایک شجرہ سے پیدا ہوئے ہیں جڑ ہوں اور تو اس کی فرع ہے۔ حسنؑ و حسینؑ اسکی شاخیں ہیں۔ جس کسی نے اس کی شاخ کو پکڑا خدا نے اسے جنت میں داخل کیا۔ یا علیؑ اگر میری امت کے لوگ اس قدر روزے رکھیں کہ مثل کمان کے ٹیڑھے ہو جائیں اور یہاں تک نماز پڑھیں کہ مثل تار کے باریک ہو جائیں پھر اگر تجھ سے بغض رکھیں تو خدائے تعالیٰ ان کو منہ کے بل دوزخ کی آگ میں گرا دیگا۔

۱۸۰۔ رسولؐ اور علیؑ ایک ہی درخت کی شاخ

طبرانی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ تمام لوگ گویا مختلف درختوں کی شاخیں ہیں مگر میں اور علیؑ ایک ہی درخت کی شاخ ہیں۔ (نیز ملاحظہ ہو کنز العمال صفحہ (۲۱) و کنوز الحقائق صفحہ ۱۵۸)

۱۸۱- رسول اور علیؑ ایک ہی مٹی سے پیدا ہونا المعارجی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ جو لڑکا تولد ہوتا ہے اس کو ناف میں خاص اس مٹی کی حصہ ہوتا ہے جس سے کہ وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ لیکن میں اور علیؑ ایک مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

۱۸۲- لحمک لحمی دمک دمی کنز العمال صفحہ ۶۲ پر اور نیز ابو نعیم نے اپنی کتاب منقبۃ المطہرین میں خوارزمی نے مناقب میں اور شیرازی نے القاب میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا ارشاد فرماتے تھے یہ علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ اس کا گوشت میرا گوشت ہے اور اس کا خون میرا خون ہے۔ اور یہ مجھ سے بمنزلہ ہارون کے جو موسیٰ سے مگر نبی میرے بعد نہیں ہے اور آنحضرت نے حضرت ام سلمیٰ سے فرمایا اے ام سلمیٰ گواہ رہیو اور سن رکھیو یہ علیؑ مومنوں کا امیر اور مسلمانوں کا سردار اور میرے علم کا خزانہ ہے اور میرے علم کا ایسا دروازہ ہے کہ جس سے لوگ داخل ہو سکتے ہیں اور میرے اہل بیت کے مردوں کا وصی ہے اور دنیا میں میرا بھائی ہے اور آخرت میں میرا رفیق ہے اور میرے ساتھ جنت کی اونچی جگہ میں ہوگا۔

۱۸۳- علیؑ کی مثال جیسے جسم کیلئے سر و روح جامع صغیر صفحہ ۵۱ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ و کنوز الحقائق صفحہ ۲۱ و کنز العمال صفحہ ۳۰ پر حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد درج ہے کہ علیؑ میرے لئے اس طرح ہے جس طرح میرے جسم کیلئے میرا سر۔ کنز العمال صفحہ ۶۲ پر حضرت رسول کا یہ ارشاد بھی درج ہے کہ علیؑ میرے لئے ایسا ہے جیسے میرے جسم کیلئے میری روح۔

۱۸۴- خیر البشر ابن مردویہ نے حذیفہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ علی خیر البشر ہے جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہوا۔

۱۸۵- علیؑ میرے بچوں کا باپ ہے امام بخاری نے ابن عباسؓ سے اور نیز عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا اے میرے پروردگار گواہ رہیو میں نے پہنچا دیا ہے کہ (علی ابن ابی طالب) میرا بھائی اور ابن عم اور میرا داماد ہے اور میرے بچوں کا باپ ہے اور اے میرے پروردگار جو اس کو دشمن رکھے اسکو اوندھا دوزخ کی آگ میں گرا۔

۱۸۶- حضرت رسولؐ کی ذرّیت علی کے صلب میں ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ و ۲۱۳ و جامع صغیر صفحہ ۶۰ و کنز العمال صفحہ ۳۰ پر حضرت رسولؐ کا ارشاد درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت کو اسکی صلب میں رکھا ہے مگر میری ذریت کو علیؑ کے صلب میں رکھا ہے۔

۱۸۷- فرشتے علیؑ کے منہ کے نور سے بنے ہیں خطیب خوارزم نے حضرت عثمان سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں

علی ابن ابی طالب کے منہ کے نور سے پیدا کیا ہے۔

۱۸۸- اللہ اور مقرب فرشتے ہر روز علیؑ پر فخر کرتے ہیں

دیلمی نے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ اللہ عزوجل اور مقرب فرشتے علیؑ پر ہر روز فخر کرتے ہیں حتیٰ کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: شاباش یا علیؑ۔

۱۸۹- جبرئیل و میکائیل کا حضرت علیؑ کو سلام کرنا

امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کہتے ہیں کہ بدر کے روز حضرت سرور عالم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی ہے جو ہمیں پانی پلائے لوگ پانی کی تلاش کر کے لوٹ آئے۔ جناب امیر علیہ السلام اپنی مشک بغل میں لے ایک اندھے گہرے کنوئیں میں تشریف لے گئے۔ جب اس میں اترے خدائے تعالیٰ نے جبرئیل و میکائیل کو حکم دیا کہ رسولؐ اور ان کے گروہ کی مدد کیلئے دوڑو۔ وہ دونوں آسمان سے اترے جس نے اترنے میں ان کے پروں کی آواز کو سنا خوف زدہ ہو گیا۔ جب کنوئیں کے قریب سے ہو کر گزرے جناب امیرؑ کو ان دونوں نے از روئے اکرام و بزرگی کے سلام عرض کیا۔

۱۹۰- فرشتے زیارت علیؑ کے مشتاق

خطیب مناقب میں اور یوسف الکنجی الشافعی کفایۃ الطالب میں انس ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات فرماتے تھے کہ شب معراج میں جب ہم چوتھے آسمان پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک فرشتہ نور کے منبر پر بیٹھا ہوا ہے اور تمام فرشتے اس کے گرد حلقہ زن ہیں ہم نے جبرئیل سے کہا کہ یہ فرشتہ کون ہے۔ جبرئیل کہنے لگے آپ اس کے پاس جا کر سلام کریں۔ ہم اس کے پاس گئے اور سلام کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارا بھائی اور ابن عم علیؑ ہے۔ ہم نے جبرئیل سے کہا کیا تم ہم سے پہلے علیؑ کو چوتھے آسمان پر لے آئے ہو۔ جبرئیلؑ کہنے لگے یا محمد نہیں۔ مگر فرشتوں نے علیؑ کی محبت سے شکایت کی تھی پس خدائے تعالیٰ نے نور سے اس فرشتہ کو علیؑ کی صورت پر پیدا کیا۔ پس ہر شب جمعہ اور روز جمعہ کو فرشتے ستر دفعہ اسکی زیارت کرتے ہیں اور خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اسکی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کا ثواب علیؑ کے محبوں کو پہنچاتے ہیں۔

۱۹۱- تمام ملائکہ اور انبیاء علیؑ کے مشتاق

ملا نے سیرۃ میں عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرماتے تھے کہ ہم شب معراج میں کسی آسمان پر سے ہو کر نہیں گزرے کہ اس فلک کے رہنے والے علیؑ کے مشتاق نہ دیکھے ہوں اور جنت میں کوئی ایسا نہیں کہ علی کا مشتاق نہ ہو۔

۱۹۲- علیؑ ایسا کلمہ ہے جسے پرہیزگاروں نے لازم کر لیا ہے

ابو نعیم نے الحلیۃ میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے

علیؑ کے باب میں مجھ سے ایک عہد کیا۔ پس میں نے کہا اے میرے پروردگار مجھ سے اس عہد کو بیان فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علیؑ علم ہے ہدایت کا اور میرے دستوں کا امام ہے اور نور ہے ان کے لئے جو میری اطاعت کرتے ہیں اور وہ ایسا کلمہ ہے کہ پرہیزگاروں نے اس کو لازم کر لیا۔ جس نے اس سے محبت کی مجھ سے محبت کی اور جس نے اس سے دشمنی کی مجھ سے دشمنی کی۔ پس تو اس کو بشارت دے۔ بعد اس کے علیؑ آئے میں نے ان کو بشارت دی اور کہنے لگے میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کے اختیار میں ہوں اگر مجھے عذاب دے میرے گناہ کے سبب سے ہے اور اگر وہ اس بات کو پورا کرے۔ جس کی حضور نے مجھے بشارت دی ہے تو اللہ میرے واسطے زیادہ مہربان ہے۔ حضرت رسول فرماتے ہیں میں نے دعا کی بار الہٰی اس کے دل کو روشن کر اور اس کو ایمان کی بہار بنا۔ پس اللہ تعالیٰ فرمایا۔ بہ تحقیق میں نے اسے ایسا ہی کر دیا ہے۔ پھر میری طرف یہ حکم کیا اللہ تعالیٰ علیؑ کو ایسی بلا سے آزمائش کرے گا کہ میرے اصحاب میں سے کسی صحابی کو نہیں کیا۔ پس میں نے عرض کیا اے پروردگار یہ میرا بھائی اور وصی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بات ہو چکی ہے اور وہ ضرور اس میں مبتلا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ لوگوں کی آزمائش کی جائے گی۔

۱۹۳۔ رسولؐ اور علیؑ کا قبض روح اپنے ارادہ پر موقوف ہونا

الملا اپنی سیرت میں نیز صاحب وسیلۃ المتعبدین ابوذر غفاری سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسالت مآب فرماتے تھے کہ شب معراج میں ہم نے ایک فرشتہ نور کی کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھا اور اس کے آگے ایک لوح تھی جس میں وہ دیکھ رہا تھا۔ تمام دنیا اس کے سامنے اور خلائق اس کے زانوؤں میں تھی۔ اس کا ہاتھ مشرق سے مغرب تک پہنچتا تھا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ عزرائیل ہیں۔ عزرائیل نے کہا یا حضرت آپ کے چچازاد بھائی علی ابن ابی طالب کیا کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا کہ تم علی ابن ابی طالب کو پہچانتے ہو۔ عزرائیل کہنے لگے میں کیوں نہیں پہچانتا۔ خدا نے مجھے خلائق کے ارواح قبض کرنے پر موکل فرمایا ہے۔ بجز آپ کے اور آپ کے ابن عم کی ارواح کے کیونکہ وہ آپ دونوں کے ارادہ پر موقوف ہے۔

۱۹۴۔ سب امت کا افضل علیؑ مجھے غسل دے

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینیؒ یازدہ رسائل مطبوعہ میں سے رسالہ در رویت و کرامت اولیاء کے صفحہ ۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔ در حجۃ الوداع حضرت رسول گفت انی اری قد اقترب علی اجل حبکا وابکواہ خود گریست و صحابہ بہم گریستند سبب آن پرسیدند کہ اگر اتفاق تقدیر افتد چنیں ترا کہ شوید۔ گفت آنکہ افضل شما ست و بہ من نزدیک تر است۔ گفتند آن کیست۔ گفت علی۔

کنز العمال صفحہ ۱۲۲ پر بھی یہ روایت درج ہے۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۱ پر درج ہے کہ حضرت رسول کا غسل میت حضرت علیؑ نے دیا۔

۱۹۵۔ وقت وفات تک علیؑ سے راز کی باتیں کرنا

طبقات ابن سعد میں علی ابن الحسن سے روایت ہے کہ

جس وقت حضرت رسالت مآب نے وفات پائی ان کا سر مبارک حضرت علیؑ کی آغوش میں تھا نیز طبقات ابن سعد میں ابو غطفان سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ آپ نے دیکھا رسولؐ اللہ کا سر مبارک وقت وفات کس کے آغوش میں تھا۔ عبداللہ ابن عباس نے کہا جب رسولؐ اللہ نے انتقال فرمایا تو آنحضرتؐ کا سر علی ابن ابی طالب کے سینہ سے لگا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ عروہ تو مجھ سے حضرت عائشہ کی یہ حدیث بیان کرتا ہے کہ جب پیغمبر نے انتقال فرمایا تو آنحضرت اُن ہی کی گود میں تھے۔ عبداللہ بن عباس بولے کہ کچھ سمجھتے بھی ہو خدا کی قسم جب رسول اللہ نے وفات پائی تو وہ علیؑ کے سینہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور علیؑ ہی نے آنحضرت کو غسل دیا۔

خصائص نسائی میں ام سلمیٰ سے مروی ہے کہ قسم خدا کی قریب ترین مردم بوقت وفات سرور کائنات علی ابن ابی طالب ہیں۔ میں نے دیکھا کہ علی نے رسول اللہ کی جانب اپنا سر جھکایا اور آنحضرت اُن سے بطور سرگوشی راز کی باتیں کرتے رہے۔ پس علیؑ ہی وہ شخص ہیں جو رسولِ مقبول کے آخر وقت آنحضرتؐ کے پاس تھے۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ اور ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۶۳ پر بھی یہی روایت درج ہے۔

حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ حضرت رسول صلعم وقتِ وفات تک حضرت علیؑ سے راز کے امور ارشاد کرتے رہے اور اس کے بعد ہی آپ نے انتقال فرمایا۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ پر حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے اپنے وقت آخر فرمایا میرے محبوب کو بلاؤ۔ لوگ حضرت ابوبکر کو بلائے۔ حضرت نے دیکھا کر اپنا سر تکیہ پر رکھ لیا پھر فرمایا۔ میرے محبوب کو بلاؤ لوگ حضرت عمر کو لائے۔ آنحضرت نے دیکھ کر سر تکیہ پر رکھ لیا اور پھر فرمایا میرے محبوب کو بلاؤ اس مرتبہ لوگوں نے حضرت علیؑ کو بلایا آنحضرت نے دیکھ کر حضرت علیؑ کو اپنی چادر میں لے لیا اور ان کو تھامے رہے یہاں تک کہ آپکی روح اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ انتقال کے بعد بھی آنحضرت کا ہاتھ حضرت علیؑ پر تھا۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۱ و منتخب کنز العمال صفحہ ۱۱۵ پر حضرت علیؑ سے بھی ایسی ہی روایت درج ہے کہ وقتِ آخر حضرت رسول نے فرمایا میرے بھائی کو بلاؤ جب میں آیا تو حضرت نے اور قریب آنے کہا جب میں اور قریب ہو گیا تو حضرت نے مجھ پر تکیہ کیا اور مجھ سے سرگوشی فرماتے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں میرے ہاتھوں پر حضرت رسولؐ کا انتقال ہوا۔

۱۹۶- جو رسول کا اجر وہی علیؑ کا اجر

طبری نے ریاض النضرہ میں اور تمیز الخلفی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ غزوہ تبوک کے روز حضرت رسولِ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تمہیں ویسا ہی اجر ملے جو مجھے ملا ہے اور غنیمت میں بھی تمہارا حصہ مثل میرے حصّہ کے ہے۔

۱۹۷- جبرئیل اپنا حصّہ حضرت علیؑ کو ہدیہ کرنا

علامہ زمخشری فضائل عشرہ مبشرہ میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ تبوک کی غنیمت کو تقسیم فرمانے لگے تو ہر شخص کو آپ نے ایک حصّہ دیا اور علیؑ کو دو حصّے دیئے۔ زائدہ بن الاکوع نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ یہ آپ وحی کے حکم سے دیرہے ہیں یا اپنی طرف سے عطا کر رہے ہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے اپنی

فوج کے منہ کے سرے پر ایک سبز عمامہ باندھے سوار کو دیکھا تھا جس کے دوش پر سے گزرے ہوئے گیسو لٹک رہے تھے۔ اور ہاتھ میں ایک حربہ لئے ہوئے تھا اور کفار میمنہ اور میسرہ کی فوج کو اپنے حملوں سے پراگندہ کر رہا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا بیشک ہم نے دیکھی تھا حضرت نے فرمایا وہ جبرئیل امین تھے جنہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میرا حصہ بھی حضرت علیؑ کو دے دینا سو ائمدہ کہنے لگا مبارک ہو ایسے حصہ پانے والے کو۔

۱۹۸۔ ناقہ مامور من اللہ کا بجز علیؑ کے کسی اور کیلئے نہ اٹھنا

طبرانی الکبیر میں سمہودی خلاصۃ الوفا میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلی جذب القلوب میں جابر بن سمرہ سے روایت کرتے ہیں کہ قبا کے رہنے والوں نے حضرت رسول خداؐ سے مسجد قبا کی بنیاد ڈالنے کی استدعا کی آپ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی اس ناقہ پر سوار ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر اٹھے اور ناقہ پر سوار ہو گئے مگر وہ اونٹنی نہ اٹھی۔ پس وہ واپس آ کر بیٹھ گئے۔ بعدہ حضرت عمر اٹھے اور اونٹنی پر سوار ہوئے اونٹنی نے حرکت نہ کی وہ بھی چلے آئے۔ حضرت رسول نے پھر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس ناقہ پر سوار ہو۔ اس مرتبہ جناب امیرؑ علیہ السلام اٹھے اور رکاب میں پاؤں ڈالا ہی تھا کہ اونٹنی کود کر کھڑی ہو گئی حضرت نے فرمایا اس کی باگ چھوڑ دو یہ مامور ہے جہاں تک خدا کا حکم ہو گا اور جہاں تک یہ دورہ کرے گی وہاں تک بناء کر دو۔

۱۹۹۔ حدیث مواخات

یا علی انت اخی فی الدنیا والاخرہ ۵ھ مواخات کی رسم دو مرتبہ انجام دی گئی۔ ایک مرتبہ قبل ہجرت مکہ میں اور پھر جب حضرت رسول نے مکہ والوں کی آزار دہی سے تنگ آ کر مدینہ کو ہجرت فرمائی تو اس خیال سے کہ مسلمانوں میں ترک وطن کا احساس کم ہو اور نئے مقام پر رہنے بسنے میں بھائی چارگی کے نئے جذبہ کے تحت ایک دوسرے کی مدد کریں اور ہمدردی کریں مدینہ میں مواخات کی رسم انجام دی اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی قرار دیا (مکی مواخاۃ میں) حضرت رسول نے حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کا بھائی بنایا۔ حضرت عثمان کو عبد الرحمن بن عوف کا طلحہ کو زبیر کا سلمان کو مقداد کا اور ابوذر غفاری کو عمار یاسر کا بھائی قرار دیا۔ ترمذی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے آخر میں علی مرتضیٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا یا علی انت اخی فی الدنیا والآخرہ (یعنی اے علیؑ تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے (ملاحظہ ہو ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶، و استیعاب جلد (۲) صفحہ ۴۷۳) و طبقات ابن سعد جلد (۳) قسم ۱ صفحہ (۱۳) و استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ و طبقات ابن سعد جلد ۳ قسم ۱ صفحہ ۱۳ و اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ و جامع صغیر صفحہ ۲۱۴ و منتخب کنز العمال صفحہ ۴۵ و کنوز الحقائق صفحہ ۲۰۱) بعد ہجرت حضرت رسولؐ نے مدینہ میں مواخاۃ اس طرح قائم فرمائی۔ حضرت سلمان کا بھائی ابو دردا انصاری کو ابوذر غفاری کا بھائی منذر بن عمر کو عمار یاسر کا بھائی حذیفہ یمانی کو مصعب بن عمیر کا بھائی ابو ایوب انصاری کو زبیر بن عوام کا بھائی سلامہ بن وقش کو ابو عبیدہ جراح کا بھائی سعد بن معاذ کو حضرت عثمان کا بھائی اوس بن ثابت کو حضرت عمر کا بھائی عتبان بن مالک کو اور حضرت ابوبکر کا بھائی خارجہ بن زید کو بنایا۔ ذہن میں رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ

دونوں مواخاتوں کے موقعہ پر بھی حضرت رسول نے حضرت علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا اور حالانکہ مدینہ کی مواخاۃ میں ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی قرار دیا تھا مگر اپنے آپ کو اور حضرت علیؑ کو کسی سرزمین، ملکی غیر ملکی یا مہاجر و انصار کی تعریف سے بالاتر رکھا اور اپنے اور حضرت علی کے لئے جس طرح مکہ میں کسی مہاجر کو بھائی بنانے منتخب نہیں کیا تھا مدینہ میں بھی کسی انصاری کو بھائی ہونے کیلئے منتخب نہیں کیا۔ حضرت رسول خدا بیشک نباض فطرت تھے۔ تاریخ پڑھنے والے خوب واقف ہیں جن جن کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا وہ کیرکٹر اور خصائل میں ایک دوسرے سے پوری طرح میل کھاتے ہوئے اور بالکلیہ یکساں تھے۔ یہ امر واضح رہے کہ سلمان جو مقداد کے اور ابوذر غفاری جو عمار یاسر کے بھائی بنائے گئے تھے یہ چاروں جلیل القدر صحابہ وہ ہیں جنہوں نے مرتے دم تک دامن اہل بیت کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور جیسا کہ جلال الدین سیوطی نے اس ارشاد رسولؐ کا حوالہ دیا ہے کہ آنحضرت نے سلمان" ابوذر" مقداد اور عمار یاسر کی محبت رکھنے کا حکم لوگوں کو دیا تھا حضرت ابوبکر و عمر کا عمل سقیفہ بنی ساعدہ سے لیکر استخلاف و شوریٰ تک یعنی آخر عمر تک بالکل یکساں رہا۔ جس میں خانوادہ رسول سے کنارہ کشی نمایاں طور پر رکھی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عثمان کے بہنوئی تھے اور حضرت عمر نے اپنے انتقال کے وقت جو چھ آدمیوں کا شوریٰ تصفیہ خلافت کے لئے بنایا تھا اس کا سرپنچ عبدالرحمٰن بن عوف کو بنایا تھا اور انھوں نے اپنی رائے سے حضرت عثمان کو خلیفہ قرار دیا۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عثمان نے عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں خلافت کا وصیت نامہ بھی لکھ دیا تھا مگر حضرت عثمان کی شکایتوں اور قتل کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بھی حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے جہاں حضرت عمر پہلے تھے تو دوسرے نمبر حضرت عثمان نے بیعت کی تھی اور تیسرے نمبر پر عبدالرحمٰن بن عوف بالکل ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تھے اور آخر تک بھی ساتھ ساتھ رہے۔ طلحہ و زبیر ابتدا میں تو علی مرتضیٰؑ کے طرفدار تھے اور سیوطی کی روایت کے بموجب خلافت اولیٰ کے وقت انھوں نے تلواریں کھینچ لی تھیں کہ جب تک علیؑ کے ہاتھ پر بیعت نہ ہوئے تلواریں میان میں نہ جائیں گی اس کے بعد جب حضرت ابوبکر اپنے انتقال کے وقت حضرت عثمان سے وصیت خلافت لکھوا رہے تھے اور یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمر کا نام لکھا جا رہا ہے تو اس موقعہ پر طلحہ و زبیر پہنچے اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ ابوبکر خدا کے پاس جا رہے ہو۔ خدا کو کیا جواب دو گے کہ عمر جیسے شدید آدمی کو ہم پر خلیفہ کئے جاتے ہو۔ یہی طلحہ و زبیر تھے جب حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری قائم ہوئی تو طلحہ و زبیر اس امر کے متمنی تھے کہ ان کے ساتھ کوئی خاص امتیازی سلوک کیا جائے اور کوفہ اور مصر کی گورنریاں دی جائیں علیؑ مرتضیٰ کے ہاتھ سے جو ید اللہ نفس اللہ و نفس رسول تھے کوئی غیر متوازن امر وقوع میں نہ آ سکتا تھا آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے میرا ساتھ تمہارے خیال کے بموجب ناواجبی طور پر دیا تھا تو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا اور اگر یہ سمجھ کے ساتھ دیا کہ راہ حق پر چل رہے ہو تو اس کے صلہ میں اپنے حق سے زائد حصہ طلب نہیں کر سکتے حرص دنیا بری چیز ہے۔ طلحہ و زبیر کو یہ چیز ناگوار گزری۔ نکث بیعت کر کے حضرت عائشہ کے ساتھ جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے مقابلہ میں آگئے۔ بہرحال مواخاۃ کی رسم میں

حضرت رسولؐ نے اپنے صحابیوں کے جو خصائل پیش نظر رکھتے تھے اس کی آخر تک حرف بحرف تاریخ نے تصدیق کر دی۔ باعتبار نفسیات یہ امر قابل غور ہے کہ نئے مقام پر جہاں ایک دوسرے کی مدد اور ہمدردی کا سوال ہو اور بھائی چارہ قائم کرنا ہو تو وہاں غیر کو اپنے میں ملایا جاتا ہے اور جو پہلے سے بھائی ہو اس کو مکرر بھائی بنانا یا اخوت کی تکرار بے ضرورت تھی۔ رسول جیسی ہستی اگر کسی غیر کو اپنا بھائی بوقت رسم مواخات قرار دیتی تو یقیناً اس صحابی کے لئے انتہائی ہمت افزائی اور تمام صحابہ کیلئے بھی موجب اطمینان ہوتا کہ ہم میں سے بھی ایک کو اپنا بھائی بنالیا۔ بلحاظ عمر بھی حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا اور کسی اپنے ہم عمر صحابی کو حضرت رسول اپنا بھائی قرار دے سکتے تھے۔ مگر عمل رسول جو بحکم خدا اور ما ینطق عن الھوا ان ھوالا وحی یوحیٰ پر مبنی ہوا کرتا ہے کسی خواہش نفس کا نتیجہ نہیں ہو تا حضرت رسول خدا کا یہ عمل بہت سارے حقائق کا آئینہ دار ہے کہ بطور ظاہری بھی کوئی اس قابل نہ تھا جو آپ کا بھائی قرار دیا جاسکے۔ بھائی بنایا تو حضرت علیؑ کو ہی بنایا اور پھر یہ کہکر کہ یہ اخوت کچھ عارضی نہیں بلکہ دنیا اور آخرت دونوں میں برقرار ہے۔

۲۰۰۔ بارگاہ رب الافواج سے علیؑ کو ذوالفقار عطا ہونا

زہرۃ الریاض میں عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی گئی ہے کہ جبرئیل جنت سے ذوالفقار لے کر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور کہا خدا تعالیٰ بعد سلام کے فرماتا ہے کہ ہم بنی آدم سے اس تلوار کا پکڑنے والا کسی کو نہیں پاتے بجز اس شخص کے جو تیرا ادنیٰ ہو اور یہ تلوار تیرے حکم میں رہے گی پس اس کو دیدے جو شجاعت وحرب میں جواب نہ رکھتا ہو اور جو تیرے دشمن کفار کا سر کاٹ سکے۔ حضرت نے کہا اے جبرئیل وہ کون ہے۔ جبرئیل کہنے لگے وہ علیؑ ہے حضرت نے ذوالفقار علی کو دیدی۔

۲۰۱۔ حدیث جنب

مشکوٰۃ المصابیح میں ترمذی کی روایت زبانی ابی سعید خدری اس طرح درج ہے اور بزار نے سعد سے بھی یہی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یا علی لا یحل لاحد یجنب فی المسجد غیری وغیرک یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ یا علی بجز میرے اور تمہارے کسی کیلئے جائز نہیں کہ مسجد میں بحالت جنب آئے۔ حضرت علیؑ کے مثل رسولؐ خدا پاک و مطہر ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ہر حالت میں آپ پاک ہیں اور بغیر غسل جنابت کے بھی آپکی پاکی وطہارت متاثر نہیں ہوتی۔ جن کی خلقت نور سے ہوئی ہو اور آیت تطہیر جن کی طہارت پر دال ہو بیشک ان کو کسی حالت میں رجس نہیں چھو سکتا۔ البیہقی والطبرانی نے حضرت ام سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ میری مسجد ہر جنب والے مرد اور بغیر غسل کی عورت پر حرام ہے مگر محمدؐ پر اس کے اہل بیت علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ پر۔

۲۰۲۔ مسجد میں سب کے دروازے بجز رسولؐ اور علیؑ کے بحکم خدا بند ہو

مکہ سے مدینہ کو ہجرت کے بعد مسجد کے اطراف حضرت رسول خداؐ اور علی مرتضیٰ اور اکثر صحابہ نے چھوٹے چھوٹے مکان بنائے تھے جن میں حضرت ابوبکر وعمر کے مکان بھی شامل تھے ان سب مکانوں

دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے۔ مگر حضرت رسولِ خدا نے اپنی وفات کے قریب تر زمانہ میں یعنے ۱۰ھ میں حکم فرمایا کہ بجز میرے اور علیؑ کے دروازہ کے سب کے دروازے بند کئے جائیں۔ مشکواۃ المصابیح میں صحیح ترمذی (۵۶۳) کی روایت زبانی ابن عباس درج ہے نیز خصائص نسائی صفحہ (۹) و ریاض النضرہ جلد (۲) صفحہ ۱۹۲ پر بھی روایت ہے کہ مسجد نبوی میں بجز اپنے اور حضرت علیؑ کے دروازے کے رسول اللہ نے سب کے دروازے بند کرا دیئے۔ ابن المغازلی نے عدی بن ثابت سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت رسول خدا باہر نکل کر فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ کی طرف وحی بھیجکر ارشاد کیا تھا کہ میرے لئے ایک پاک مسجد بنا جس میں موسیٰ اور ہارون اور ان کے بیٹوں کے سوا کوئی نہ رہے اسی طرح سے خدائے تعالیٰ نے مجھے وحی بھیجکر فرمایا ہے کہ اپنے لئے پاک مسجد بنا جس میں میرے اور علیؑ اور علیؑ کے بیٹوں کے سوا کوئی نہ رہے احمد و نسائی طبرانی نے سعد ابن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا اور جناب علیؑ کا دروازہ چھوڑ دیا۔ رسول اللہ کے چچا حضرت عباس آنحضرت کے خدمت میں آکر کہنے لگے یا رسول اللہ آپ نے ہمارے دروازہ بند کر دئے اور علیؑ کا دروازہ چھوڑ دیا آنحضرت نے فرمایا میں نے بند نہیں کئے لیکن خدا نے ان کو بند کیا ہے۔ (نیز ملاحظہ ہو کنز العمال صفحہ ۲۹)

اسی قسم کی روایت نسائی نے حرب بن مالک سے کی ہے کہ حرب نے مکہ میں جاکر سعد ابن ابی وقاص سے ملاقات کرکے پوچھا آیا آپ نے جناب علیؑ کی کوئی منقبت سنی ہے۔ کہنے لگے ہم آنحضرت صلعم کے ساتھ مسجد میں رہا کرتے تھے ایک رات ہم لوگوں کو پکار کر کہا گیا جناب رسولِ خدا اور حضرت علیؑ اور اُن کی آل کے سوا سب مسجد سے نکل جائیں۔ صبح کو حضرت کے چچا آکر کہنے لگے یا رسول اللہ اپنے چچا اور اپنے صحابہ کو مسجد سے نکال دیا ہے اور اس لڑکے کو رکھ لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا میں نے تمہارے نکل جانے اور اس لڑکے کو رکھنے کے لئے حکم نہیں دیا بلکہ خدا نے حکم دیا ہے طبرانی نے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے حضرت رسولِ خدا نے حکم دیا کہ سوائے علیؑ کے دروازہ کے سب دروازے بند کر دو۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ مجھے صرف اتنی جگہ عطا فرمائیں کہ جس سے میں آ جا سکوں حضرت نے فرمایا نہیں اسکا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر وہ شخص التجا کرنے لگا کہ صرف اتنی جگہ دی جائے کہ جس میں سے میرا سر نکل سکے۔ حضرت نے فرمایا نہیں اسکا بھی حکم نہیں ہے۔ وہ شخص روتا ہوا اور نہایت غمگین واپس ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا علیؑ کے دروازہ کے سوا سب دروازے بند کر دو۔ بس علیؑ ہی اسی دروازہ سے گزرا کرتے تھے۔

مشکواۃ النسائی اور روضۃ الصفا میں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے کہا کہ کم از کم ایک کھڑکی روشندان یا روزن مسجد کی طرف رکھنے کی ان کو اجازت دیجائے تاکہ اس میں سے رسول خدا کو دیکھ لیا کریں۔ مگر حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ایک سوئی کے ناکہ برابر بھی سوراخ رکھنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ ابن مردویہ نے خیثمہ ؟ سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت نے ان دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا جو مسجد میں تھے لوگوں پر ان کا بند کیا جانا نہایت شاق گزرا جبہ کہتے ہیں اب تک میری آنکھوں میں ہے کہ میں نے آنحضرت کے چچا حضرت

عباس کو دیکھا کہ وہ سرخ لنگی اوڑھے ہوئے ہیں اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی ہیں اور حضرت سے عرض کر رہے ہیں کہ آپ نے اپنے چچا اور ابوبکر اور عمر اور عباس کو مسجد سے نکال دیا ہے اور اپنے چچازاد بھائی کو رہنے دیا ہے۔ حضرت کو معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں پر دروازوں کا بند ہو کیا جانا شاق گزرا ہے۔ حضرت نے نماز جماعت کی منادی کرائی اور منبر پر چڑھ کر ایسا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد کیا کہ تمجید و توحید میں ویسا خطبہ کبھی نہیں سنا گیا تھا۔
حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے بعد فرمایا اے لوگو میں نے ان دروازوں کو نہ بند کیا ہے اور نہ تم کو نکالا ہے اور اس کو یعنی علیؑ کو رکھا ہے پھر آپ نے سورۂ والنجم پڑھا والنجم اذا ھوا ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الھوا ان ھو الا وحی یوحیٰ ظاہر ہے کہ دروازہ بند کرنے کا حضرت رسول خدا کا یہ حکم اول تو بحکم خدا تھا اور بروئے درایت بھی کچھ من ملنے اندازہ کا یا بلا وجہ نہ تھا۔ پاک و نجس میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔ مسجد میں نجس حالت میں آنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں جو ہر حالت میں پاک ہیں اور نجاست جن کو نہیں چھو سکتی وہ لازماً مسجد میں نہ آسکنے کے اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے یہ مستثنےٰ اس کلیہ سے نہیں ہے کہ نجس مسجد میں نہیں آسکتا بلکہ کلیہ تو برقرار ہے اور استثنیٰ شخص سے متعلق ہے جو ہر حالت میں پاک تھا اور کسی حالت میں نجس نہ ہو مسجد نبوی میں کسی کے گھر کا روشندان یا سوراخ نہ رکھا جانا بھی اسی قسم کے اصول پر مبنی ہے۔ یعنی گھر میں سے مسجد کی حالت نظر آسکتی ہے تو مسجد میں سے گھر کی حالت بھی نظر آسکتی ہے۔ بجز ان گھروں کے جن کے اطراف پاکی اور طہارت کا حصار ہو اور جس میں کسی قسم کے گناہ یا ترک اولیٰ کے سرزد ہونے کا امکان نہ ہو اسکی اندرونی کیفیت دروازہ یا روشندان سے نظر بھی آجائے تو بجز خیر ہی خیر کے کسی شر کے نظر آنے کا امکان نہیں اور جن گھروں کی حالت ان سے جدا گانہ ہو وہاں کوئی نا جائز فعل بھی ہو سکتا ہے اور یہ مناسب نہیں ہو سکتا کہ مسجد میں سے کبھی نا جائز فعل یا گناہ کے ارتکاب پر نظر پڑتی رہے یا وہاں کوئی ناشائستہ یا نا مناسب گفتگو ہو رہی ہو تو وہ خوخہ میں سے سنائی دیتی رہے لوگوں کو مسجد کی طرف سوراخ بھی نہ رکھنے دینے کی یقیناً یہی مصلحت تھی۔

۲۰۳۔ علیؑ کی شکایت کرنیوالوں پر رسولؐ کا غضبناک ہونا

حاکم نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ خالد بن ولید نے مال غنیمت کے سلسلہ میں بعض لوگوں کو رسول اللہ کے پاس بھیجکر حضرت علیؑ کی شکایت کرائی رسول اللہ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ علیؑ کی شکایت نہ کرو واللہ وہ معاملات خدا میں اور فی سبیل اللہ نہایت سخت گیر ہیں۔ صحیح ترمذی باب مناقب صفحہ ۲۳۳ پر یہ روایت اس طرح درج ہے:۔
خالد بن ولید نے بریدہ اسلمی سے مشورہ کر کے حضرت رسولؐ کو خط لکھا جس میں حضرت علیؑ کی شکایت کی کہ آپ نے ایک کنیز اپنے لئے علیحدہ کر لی ہے بریدہ خط لے کر رسول اللہ کے پاس پہنچے اور خط دیا۔ حضرت رسول کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا اے بریدہ کیا تو منافق ہو گیا ہے۔ اے بریدہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں

اور وہ میرے بعد کل مومنین کا ولی ہے۔ اے بریدہ علیؑ کا دشمن میرا دشمن اور جو میرا دشمن وہ خدا کا دشمن۔ اے بریدہ علیؑ کی دشمنی میں لوگ جہنم میں جائینگے یہ سُن کر بریدہ کا جسم خوف سے کانپنے لگا اور کہنے لگے کاش میں ابوالحسن کی شکایت لانے سے قبل مر جاتا اور رسول کے عتاب کو نہ دیکھتا۔ ان روایتوں سے حضرت علیؑ کا معصوم ہونا پوری طرح ثابت ہے وہ اس طرح سے کہ انصاف کا یہ عام اُصول ہر زمانہ میں قدیم سے آج تک چلا آرہا ہے کہ کوئی شخص کچھ بیان کرے یا شکایت یا دعویٰ کرے تو اس کو سماعت کیا جائے اور شہادت کا موقع دیا جائے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس شخص کو پوری طرح سنے بغیر اور پیش سازی شہادت کا موقع دیئے بغیر ہی اس کی بات کو رد کر دیا جائے اور اس قسم کی بات ہی کرنے سے منع کر دیا جائے۔ یہ محض اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ سننے والے یا فیصلہ کرنے والے کو اس کا علم و یقین ہو کہ جو بات کہی جا رہی ہے وہ جھوٹی یا ناممکنات سے ہے چنانچہ حضرت علیؑ کی شکایت پر رسولِ خدا کا غصہ سے اُٹھ کھڑا ہونا اور یہ فرمانا کہ علیؑ کی شکایت مت کرو اسبات کی بین دلیل ہے کہ رسول خدا کو علم و یقین تھا کہ علیؑ سے کبھی ایسا کام سرزد ہو ہی نہیں سکتا جس کی شکایت کیجا سکے پس اسی کا نام عصمت ہے۔ اگر کوئی چھوٹے سے چھوٹا گناہ یا کوتاہی حتیٰ کہ معمولی کج خلقی بھی کسی سے ہو تو اسکی جائز شکایت ہو سکتی ہے۔ مگر جہاں شکایت کا جواز ہی محال ہو تو وہاں یہی معنی ہوں گے کہ اس سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا گناہ یا معمولی کوتاہی بھی عمل میں نہیں آسکتی جب تک ایسا نہ ہوتا حضرت رسولؐ جو خلق عظیم کا مجمہ اور لوگوں کیلئے مثال ہیں ایسا عمل نہیں کر سکتے تھے جو وجوہات معقول کی مستحکم بُنیادوں پر مبنی نہ ہو۔

۲۰۴۔ لواء الحمد علیؑ کے ہاتھ میں اور انبیاء ان کے پیچھے

معارج النبوت میں درج ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ قیامت کے روز لواء الحمد علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ میں ہوگا اور تمام انبیاء اس کے نیچے ہو کر چلیں گے اور وہ لواء حضرت علیؑ کے سر پر مثل تاج کے چمکیگا۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ و کنز العمال صفحہ (۵۰) پر ابن سمرہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ روز قیامت آپ کا علم کس کے ہاتھ میں ہوگا۔ حضرت رسول نے جواب دیا بجز اس شخص کے اور کس کے ہاتھ میں ہو سکتا ہے جو دُنیا میں ہمیشہ میرا علمبردار رہا۔

۲۰۵۔ روز قیامت حضرت رسول علیؑ پر تکیہ کئے اٹھیں گے

نجم الدین فخر الاسلام ابوبکر بن محمد بن حسین اسیلانی مناقب الاصحاب میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ مجھے اٹھائے گا در ان حالیکہ میں علی ابن ابی طالب پر تکیہ کئے ہوئے ہونگا۔

۲۰۶۔ علی کے برابر کسی کی فضیلت نہیں

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ احادیث سے جتنی فضیلت حضرت علیؑ کی ثابت ہوتی ہے کسی صحابہ کی نہیں ہوتی۔

۲۰۷- رسولؐ اور علیؑ کا ساتھ ساتھ زندہ کیا جانا

احمد ابن حنبل نے مُسند میں اور خطیب نے مناقب میں روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ روز قیامت جب مجھے زندہ کیا جائیگا اسوقت علیؑ کو لباس پہنایا جائیگا اور علیؑ کو علم عطا کیا جائیگا اور وہ میرے اور ابراہیم کے درمیان کھڑے ہوں گے۔

۲۰۸- جو کچھ علیؑ کی شان میں نازل ہوا کسی کی شان میں نازل نہیں ہوا

ابن عساکر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے جو کچھ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوا کسی کی شان میں نازل نہیں ہوا۔ چنانچہ صرف آپ کے لئے تین سو آیتیں نازل ہوئیں۔

۲۰۹- اللہ نے علیؑ کو سب سے بہتر زینت سے آراستہ کیا

خطیب نے اور نیز طبرانی نے الکبیر میں دیلمی نے فردوس الاخبار میں اور ابن الجوزی نے اسد الغابہ میں عمار بن یاسر سے اور نیز کفایت الطالب، حلیۃ الاولیا اور مناقب خطیب اور مناقب ابن مردویہ میں ابو مریم سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت رسول خدا جناب امیرؑ سے فرماتے تھے کہ یا علیؑ پروردگار نے تجھے ایسی زینت سے آراستہ کیا کہ تمام بندوں کو اس سے بہتر زینت سے آراستہ نہیں کیا۔ وہ زہد فی الدنیا ہے پس تجھے ایسا بنایا ہے کہ دُنیا تجھ تک کسی بات میں نہ پہنچ سکے گی اور مسکینوں کی محبت تجھے عطا کی ہے وہ تجھے اپنا امام پاکر خوش ہوگئے ہیں اور تو ان کو اپنا پیرو بنا کر خوش ہوگیا ہے۔ اس شخص کو خوشی حاصل ہو جو تجھ سے محبت کرے اور تیری تصدیق کرے اور وائے ہو اس پر جو تیرا بغض رکھے اور تیری تکذیب کرے۔ پس وہ لوگ جو تجھ سے محبت رکھتے ہیں اور تیری تصدیق کرتے ہیں جنت میں تیرے ہمسائے اور تیرے قصر میں تیرے رفیق ہوں گے اور جو لوگ تجھ سے بغض رکھتے ہیں اور تیری تکذیب کرتے ہیں پس خدائے تعالیٰ حق رکھتا ہے کہ ان کو قیامت کے روز جھوٹوں کی جگہ میں کھڑا کرے۔

۲۱۰- تمام اشجار قلم اور تمام سمندر روشنائی ہوجائیں تو علی کے فضائل کا لکھنا ممکن نہیں

اخطب خوارزم باسناد معرف الامام الحافظ صدر الحافظ ابو العلا حسن بن احمد العا المہدانی وقاضی استغفات نجم الدین بغدادی نے لکھا ہے اور دیگر کُتب متعددہ میں درج ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ اگر تمام دُنیا کے باغات قلم بنا دیئے جائیں اور سارا سمندر روشنائی بنا دیا جائے اور تمام جنّات حساب کرنے والے ہوں اور تمام انسان لکھنے والے ہوں تو علی ابن ابی طالب کے فضائل کا احصا نہیں ہوسکتا۔

۲۱۱- بغیر آل محمدؐ پر درود بھیجے درود ناقص ہے

ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں درج کیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ مجھ پر ناقص درود مت بھیجا کرو۔ لوگوں نے عرض کی ناقص درود کیا ہے آپ نے فرمایا صرف مجھ پر درود بھیجنا میری آل پر درود نہ بھیجنا ناقص درود ہے بلکہ یوں کہو۔ اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد ؐ

۲۱۲- بغیر آلِ محمد پر درود کے نماز قبول نہیں مواهب لدنیہ میں عبداللہ ابن مسعود سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ بھیجا تو اسکی نماز قبول نہ ہوگی۔

۲۱۳- اہل بیت کے ساتھ کسی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا دیلمی نے فردوس الاخبار میں ابن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ ہم اہل بیت میں ہمارے ساتھ کسی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

۲۱۴- حضرت رسول اور اہل بیت کی فضیلت مسلم نے حذیفہ سے روایت کی ہے اور تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۹۳ پر اس کو نقل کیا گیا ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ ہم کو دوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دیگئی ہے۔ ہماری صفیں فرشتوں کی سی ہوتی ہیں۔ زمین ہماری سجدگاہ ہے۔ جب پانی نہ ملے تو خاک مطہر ہے۔ حضرت رسولؐ کا صیغۂ جمع استعمال فرمانا اہل بیت کو شامل کرنے کی غرض سے ہے۔

۲۱۵- ایضاً ابوبکر ابن مردویہ نے حضرت علی علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے منبر پہ فرمایا کہ ہم ہیں اہل بیت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے۔ ہمارے ساتھ کسی کا قیاس نہیں ہوسکتا۔

۲۱۶- اہل بیت سے زیادہ کسی کو علم نہیں ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ میں حضرت رسول کا یہ ارشاد درج کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے اہل بیت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ لا تعلموھم فانھم اعلم منکم۔ یعنی میرے اہل بیت کو سکھانے کی کوشش مت کرو کیونکہ وہ تم سب سے بہت زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔

۲۱۷- صغارُنا و کبارُنا سوا مشہور و معروف روایت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا صغارنا و کبارنا سوا یعنی ہمارے چھوٹے اور بڑے برابر ہیں (ملاحظہ ہو فردوس الاخبار دیلمی و تذکرۃ الاولیاء شیخ عطارؒ)

۲۱۸- قیامت کے روز پنجتن پاک ایک ہی جگہ ہونگے حاکم نے مستدرک میں ابی سعید خدری سے اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ میں اور علیؑ فاطمہؑ و حسنؑ حسینؑ قیامت کے روز ایک ہی جگہ ہوں گے اور کوئی صحابی وہاں نہ ہوگا۔

۲۱۹- جنت میں سب سے پہلے پنجتن پاک داخل ہوں گے احمد نے مناقب میں اور ابوسعید عبدالملک نے شرف النبوۃ میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ سب سے پہلے جنت میں میں اور علیؑ اور حسنؑ اور حسینؑ داخل ہوں گے اور ہماری اولاد ہمارے داہنے بازو اور ہمارے دوست ہمارے بائیں بازو ہوں گے۔

۲۲۰-امام حسنؑ سے حضرت رسولؐ کی محبت

بخاری اور مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول جناب فاطمہؑ کے گھر پر پہنچے اور فرمایا لڑکا کہاں ہے پھر پوچھا لڑکا کہاں ہے کہ مراد تھی امام حسن سے اور ڈھونڈتے تھے انکو یہاں تک امام حسنؑ دوڑتے ہوئے آئے اور آنحضرت کے گلے لگ گئے پس فرمایا آنحضرت نے خداوندا بہ تحقیق دوست رکھتا ہوں میں اسکو پس دوست رکھ تو بھی اسکو اور اس شخص کو جو دوست رکھے اسکو۔

۲۲۱-ایضاً

بخاری اور مسلم نے براءؓ بن عازب سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت رسول خدا کو دیکھا اس حال میں کہ حسن ابن علیؑ آپ کے کندھے پر تھے اور آنحضرت فرماتے تھے خداوندا تحقیق میں دوست رکھتا ہوں اس کو پس دوست رکھ تو بھی اس کو۔

۲۲۲-ایضاً

بخاری نے حضرت ابوبکرہ سے روایت کی ہے حضرت رسول خدا منبر پر تشریف فرما تھے اور حسن بن علیؑ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت ایکبار متوجہ ہوتے لوگوں کی طرف اور وعظ فرماتے اور دوسری بار متوجہ ہوتے حسن بن علیؑ کی طرف از راہ شفقت و محبت اور فرماتے یہ میرا بیٹا سردار ہے۔

۲۲۳-حضرت رسولؐ کا حسنین پر اپنے فرزند ابراہیم کو نثار کرنا

غایت المسؤل و کفایہ الطلبی میں ہے کہ آنحضرت حسنینؑ کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا تم وہ ہو جس پر میں نے ابراہیم کو نثار کیا ہے۔

۲۲۴-حضرت رسولؐ سے حسنین کی مشابہت

بخاری نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ حسن بن علیؑ سے بڑھکر حضرت رسولؐ سے کوئی مشابہ نہ تھا اور حسینؑ بھی حضرت رسولؐ سے مشابہ ترین تھے۔

۲۲۵-حسنینؑ عرش کے گوشوارے

طبرانی نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ حسنینؑ عرش کے دو گوشوارے ہیں۔

۲۲۶-حسنؑ و حسینؑ سرداران جنت

ترمذی نے ابوسعید خدری سے اور طبرانی اور ابن عساکر نے ابویعلےٰ روایت کی کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا "الحسن والحسین سیدہ شباب اہل الجنۃ"۔

۲۲۷-حسنینؑ سرداران جنت ہونا اللہ تعالیٰ کا ارشاد

بخاری ترمذی نسائیؒ احمد اور حاکم نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ حسنین کا سردار جوانان جنت ہونا جبرئیلؑ نے بیان کیا ہے۔

۲۲۸-فاطمہ عالمین کی عورتوں کی سردار حسنین جنت کے سردار

ترمذی نے حذیفہ بن یمان سے روایت کی ہے کہ

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ فاطمہ عالمین کی عورتوں کی سردار ہے اور حسنؑ حسینؑ اہل جنت کے سردار ہیں۔

۲۲۹۔ حضرت رسول عورتوں میں سب سے زیادہ فاطمہ کو مردوں میں سب سے زیادہ علیؑ کو چاہتے تھے۔

ترمذی نے جمیع ابن عمیر سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضرت رسولؐ سب سے زیادہ کس کو چاہتے تھے جواب دیا فاطمہؑ کو میں نے پوچھا مردوں میں تو کہا ان کے شوہر کو۔

۲۳۰۔ سب مردوں میں بہتر علیؑ عورتوں میں بہتر فاطمہؑ اور جوانوں میں بہتر حسنین

خطیب اور ابن عساکر نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے سب آدمیوں سے بہتر علیؑ ہیں اور تمہارے سب نوجوانوں سے بہتر حسنؑ و حسینؑ اور تمہاری سب عورتوں سے بہتر فاطمہؑ ہیں۔

فضائل علی کی مزید حدیثیں

علامہ صالح کشفی ترمذی حنفی نے کوکب دری باب دوم کے ص۹۱ کی ابتداء میں اُن احادیث کے متعلق جنکا انھوں نے اپنی کتاب میں حوالہ دیا ہے یہ نوٹ تحریر فرمایا ہے:۔ "پوشیدہ نہ رہے کہ جو حدیثیں اس مجموعہ میں مرقوم ہیں ان کو کتب معتبرہ اور ان کے جامع اور راوی سے منسوب کیا گیا ہے۔ اگر کسی کی خاطر فاطر میں کوئی خطرۂ مذموم خطور کرے وہ ان کتابوں کو حاصل کرکے اپنے شک کو رفع کرے۔ ہمکو اس پر یقین کامل حاصل ہے جو حدیثیں کتب معتبرہ متداولہ میں موجود ہیں اور عرب و عجم کے تمام علماء و فضلا اُن کے ایراد پر متفق ہیں تو وہ بلاشبہ وضعی ہونے کے شائبہ سے مبرّا و منزہ ہیں۔ اور اصلی کا خطاب مستطاب ان پر ٹھیک ٹھیک چسپاں ہوتا ہے"۔

علامہ موصوف نے اپنی کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کی شان میں ۷۰ آیات قرآنی اور ۱۲۱ احادیث پوری تفسیر اور تفصیل و حوالۂ اسناد کے ساتھ جمع فرمائی ہیں۔

۲۳۱۔ ص۱۱۱ پر خلاصۃ المناقب کے حوالہ کے ساتھ وہ یہ حدیث درج کرتے ہیں۔

"حضرت رسول خدا نے فرمایا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام محامد اسکی ذات سے مختص ہیں علی اور فاطمہ اور اُن کی ذریت کی دوستی کو تمام مخلوق پر پیش کیا۔ جس جس نے مخلوقات میں ان کی محبت قبول کرنے میں سبقت کی اُن میں سے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنائے اور جنھوں نے اُن کے بعد اس محبت کو قبول کیا اُن میں شیعہ بنائے گئے۔ حق تعالیٰ بہشت میں ان سب کو ایک جگہ جمع کرے گا"۔

۲۳۲۔ ص۱۰۳ پر علامہ موصوف نے بحوالہ مناقب خطیب یہ حدیث درج کی ہے:۔

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے مرتضیٰ کے حق کو پہچانا وہ پاک اور خوش ہوا اور جس نے اس کے حق کا انکار کیا وہ ملعون اور زیاں کار ہوا۔ میں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ

جو شخص اس کی نافرمانی کریگا اسکو دوزخ میں داخل کرونگا اگرچہ وہ میری اطاعت کرے اور جو شخص اسکی فرمانبرداری اور اطاعت کریگا۔ اسکو بہشت میں داخل کرونگا۔ اگرچہ وہ میری نافرمانی کرے۔

۲۳۳ - صـ۱۱۲ پر علامہ موصوف بحوالۂ خلاصۃ المناقب یہ حدیث درج کرتے ہیں:۔

اہل آسمان میں سے پہلے جس شخص نے علی ابن ابی طالب کو بھائی بنایا وہ اسرافیل تھے۔ بعدازاں میکائیل پھر جبرئیل اور اہل آسمان میں سے اول جس نے علی کو دوست رکھا وہ حاملانِ عرش ہیں۔ بعدازاں رضوان خازن بہشت پھر ملک الموت عزرائیل اور ملک الموت محبان علی پر اس طرح رحم کرتا ہے۔ جیسے انبیاء پر ترحم کرتا ہے۔

۲۳۴ - صـ۹۷ و صـ۹۹ پر بحوالۂ بحر المعارف و خلاصۃ المناقب حدیث ذیل درج کرتے ہیں:۔

حضرت رسولؐ نے فرمایا شب معراج اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دریافت فرمایا اے محمدؐ تو مخلوقات میں کس کو دوست رکھتا ہے۔ میں نے کہا علی کو فرمایا اپنی بائیں طرف نظر کر۔ جب دیکھا تو علی کو کھڑا پایا روزِ قیامت علی عرش پروردگار سے قریب نور کی کرسی پر جلوہ افروز ہوگا اُس کے سامنے تسنیم کا چشمہ جاری ہوگا اور کسی کو صراط گزرنے کی اجازت نہ دیجائے گی جس کے پاس علی اور اس کے اہلبیت کی دوستی کا پروانہ نہ ہو علی جنت کے اوپر سے دیکھتا ہوگا اور اپنے دوستوں کو جنت میں داخل کریگا اور دشمنوں کو دوزخ میں۔

۲۳۵ - صـ۱۱۸ پر علامہ کشفی ترمذی نقل کرتے ہیں کہ:۔

حضرت رسول نے فرمایا کہ شب معراج جبرئیل مع تمام ملائکہ آنجناب سے ملے اور کہا اے محمد اگر آپکی اُمّت علی کی محبت پر مجتمع ہوتی تو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ پیدا نہ کرتا۔

۲۳۶ - بشائر المصطفےٰ میں باسناد طویل درج ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے صـ۲۰۳ پر نقل فرمایا ہے کہ:۔

ایک روز جناب رسول خدا خوش خوش امیرالمومنین کے گھر تشریف لائے اور فرمایا۔ ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور اللہ کا یہ پیغام لائے کہ علی کے دوست مطیع و نافرمان سب کے سب بہشت میں داخل ہوں گے۔ حضرت علی نے سجدۂ شکر کیا اور کہا کہ میں نے اپنی آدھی نیکیاں اپنے محبوں کو دیدیں۔ پھر جناب سیّدہ نے کہا بارِ الہٰی میں نے بھی اپنی آدھی نیکیاں علی کے دوستوں کو بخش دیں۔ پھر آنحضرت نے فرمایا میں بھی تم لوگوں سے کم کریم نہیں ہوں میں نے بھی اپنی آدھی نیکیاں علی کے محبوں کو بخشدیں۔ اس وقت جبرئیل امین آئے اور عرض کی اے رسول خُدا حق سبحانہ آپکو اور اور آپکے اہلبیت کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے تم مجھ سے بڑھکر کریم نہیں ہو میں نے علی کے دوستوں کے تمام گناہ بخش دیئے اور بہشت اور اس کی نعمتیں ان کے لئے مقسوم کردیں۔

۲۳۷ - علامہ کشفی ترمذی نے کوکب دری کے صـ۲۷۸ پر بحوالہ احسن الکبار بروایت ابن عباس و عمار یاسر و جابر بن عبداللہ انصاری و مالک اشتر و مقداد بن اسود الکندی نقل کیا ہے کہ:۔

جب شاہ ولایت امیر علیہ السلام شام کی طرف تشریف لیجا رہے تھے تو ایک روز راستہ سے اپنی باگ پھیر لی۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا اس جنگل میں ایک دیر ہے جس میں ایک نصرانی دین عیسیٰ پر کاربند ہے۔ چاہتا ہوں کہ اسکو دین محمدیہ پر لادوں۔ جب شاہ ولایت دیر کے قریب پہنچے تو نصرانی باہر نکلا اور پوچھا اے جوان سُرخ رُو تو فرشتہ ہے یا انسان۔ امیر المومنین نے فرمایا میں انسانوں اور جنوں کا مقتدا اور فرشتوں کا پیشوا ہوں۔ نصرانی نے کہا میں انجیل پڑھتا ہوں اور اسمیں طاب طاب پڑھا ہے اے آفتاب عالم تاب کیا وہ آپ ہی کا نام ہے فرمایا طاب طاب محمد مصطفےٰ کا نام ہے اور تو نے جو شنطیا پڑھا ہوگا وہ میرا نام ہے۔ عرض کی توریت میں میت میت آپکا نام ہے فرمایا وہ حضرت مصطفےٰ کا نام ہے اور جو تو نے ایلیا پڑھا ہو گا وہ میرا نام ہے۔ نصرانی بولا کیا آپ مسیح ہیں۔ جو آسمان سے اترے ہیں۔ فرمایا میں عیسیٰ نہیں ہوں مگر عیسیٰ میرے دوستوں اور محبوں میں سے ہیں نصرانی نے کہا آپ موسیٰ ہیں کہ ید بیضا و عصا لیکر آئے ہیں فرمایا موسیٰ نہیں ہوں لیکن وہ بھی میرے دوستوں اور ہواخواہوں میں سے ہیں۔ بولا اپنے معبود کا واسطہ اپنا نام و نسب ظاہر فرمائیں۔ فرمایا ہر قوم اور ہر گروہ میں میرا نام جُدا جُدا ہے۔ عرب مجھکو حَل اتیٰ سے پکارتے ہیں اور طائف والے مجھے تحمید کہتے ہیں۔ اہل مکہ مجھکو باب البلد جانتے ہیں۔ اہل آسمان میرا نام اُحد لکھتے ہیں۔ ترک مجھکو ئبلیا کہتے ہیں۔ ترکی بخیلان اور ہندو کشن کشن کہتے ہیں اور فرنگی حامیٔ عیسیٰ اور اہل خطا یا بولیا کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور عراق میں امیر النحل کے نام سے مشہور ہوں اور خراسان میں حیدر کے نام سے نامزد ہوں اور آسمانِ اوّل میں میرا نام عبد الحمید ہے اور دوسرے آسمان میں عبد الصمد اور تیسرے میں عبد المجید اور چوتھے آسمان میں میرا نام ذوالعلیٰ ہے اور پانچویں میں میرا نام علی اعلیٰ ہے۔ حضرت رب العزت نے مجھکو امارت کی مسند پر بٹھایا ہے اور امیر المومنین لقب رکھا ہے اور خواجۂ دوسرا محمد مصطفےٰ نے مجھکو ابوتراب فرمایا ہے اور میرے باپ نے میری کنیت ابوالحسن رکھی ہے اور میری ماں نے ابوالعشر کنیت مقرر کی ہے یہ سن کر نصرانی مسلمان ہوا اور کلمہ زبان پر جاری کیا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وَ اشھد اَنّ محمدا الرسول اللہ واشھد انک وصی رسول اللہ۔ مزید چار سو نصرانی دیر سے نکل کر مسلمان ہوئے۔

۲۳۸۔ شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ میں مناقب احمد سے اور ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ:۔ حضرت رسول نے فرمایا اے علی تم میرے حوض کے مالک، میرے علم کے حامل میرے دلی دوست میرے وصی میرے علم کے وارث میرے خلیفہ ہو۔ تم مجھ سے قبل سے سارے انبیاء کی میراثوں کے امانت دار ہو۔ تم زمین پر خدا کے امین اور تمام مخلوق پر خدا کی حجت ہو۔ تم ایمان کا رکن اور اسلام کے محافظ ہو۔ ظلمت کے چراغ ہدایت کا نور اور اہل دُنیا کیلئے بلند کئے ہوئے علم ہو۔ اے علی جو تمہاری پیروی کرے وہ نجات یافتہ اور جو تم سے روگردانی کرے وہ ہلاک ہونے والا ہے۔ تم راہ روشن اور صراط مستقیم ہو تم سفید چہرہ والوں کے پیشوا اور مومنین کے سلطان ہو۔ تم ہر اُس شخص کے مولا و آقا ہو جسکا میں مولا و آقا ہوں اور میں ہر مومن و مومنہ کا آقا ہوں تمکو وہی دوست رکھتا ہے۔

جو حلال زادہ ہے اور تمکو وہی دشمن رکھتا ہے جو حرامزادہ ہے۔ خدا مجھ کو آسمان پر نہیں لے گیا اور مجھ سے کلام نہیں کیا لیکن یہ فرمایا کہ اے محمدؐ علی کو میرا اسلام پہنچا دو اور ان سے بتا دو کہ وہ میرے دوستوں کا امام اور میرے فرمانبرداروں کا نور ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا یا علی مبارک ہوں تمہیں یہ کرامتیں۔

۲۳۹۔ احسن الکبار میں مرقوم ہے اور شیخ علاء الدین سمنانی کی چہل مجلس اور دستور الحقایق اور گنج الاسرار میں ہے اور علامہ کشفی ترمذی نے کوکب دری کے صفحہ ۱۶۶ پر درج کیا ہے کہ:۔

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً تین سو سال قبل سلمان فارسی دوران سفر میں صحرائے ارژنہ میں ایک چشمہ میں پانی نہار ہے تھے کہ ناگاہ ایک آدم خوار شیر نمودار ہوا اور ان کے کپڑوں کے پاس کھڑا ہو گیا سلمان نے قاضی الحاجات سے دعا کی کہ اس شیر کے پنجہ سے نجات عطا فرما اتنے میں ایک سوار نمودار ہوا اور اپنی تیغ آبدار سے اس شیر کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ سلمان پانی سے باہر آئے اور رکاب کو بوسہ دیا اور جنگل کے کچھ پھول توڑ کر اس سوار کو نذر کئے۔ سالہا سال بعد جب دور رسالت آیا اور سلمان مسلمان ہوئے اور ایک دن حضرت علیؑ کو اُن کی عمر ظاہری کے اعتبار سے کم سن خیال کیا تو حضرت علی نے فرمایا اس جوان کو پہنچانتے ہو جس نے صحرائے ارژنہ میں تمکو شیر سے بچایا تھا اور وہ پھول بھی تازہ کے تازہ ظاہر کئے جو سلمان نے نذر کئے تھے۔ سلمان نے حیرت زدہ جا کر حضرت رسول سے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا یا رسول اللہ آپکے ابن عم کو علم غیب ہے۔ حضرت رسول نے فرمایا اے سلمان ایسی باتیں میرے بھائی سے عجیب نہ جان کیونکہ میں نے اس سے بھی زیادہ عجیب باتیں اُس سے مشاہدہ کی ہیں۔ اے سلمان جب میں معراج میں گیا اور جبرئیل پیچھے رہ گئے میں تنہا عرش کی طرف روانہ ہوا۔ عالم وجود سے الگ ہو گیا۔ خدا اور میرے درمیان راز کی گفتگو ہوئی۔ غور سے دیکھا تو وہاں میرا بھائی اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب موجود ہے۔ جب میں معراج سے واپس ہو کر اپنے بستر پر پہنچا تو علی نے آ کر معراج کی مبارکباد دی اور جو راز کہ مجھ میں اور خدا میں ہوئے تھے لفظاً لفظاً بیان کر دیئے۔ اے سلمان آدم کے زمانہ سے لیکر اب تک انبیاء اولیا صلحاء اور اتقیا میں سے جو کوئی بھی کسی بلا میں مبتلا ہوتا تھا علی اُن کو نجات دیتا تھا۔

۲۴۰۔ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ میں صفحہ ۳۰۹ پر بحوالہ احمد بن حنبل درج ہے کہ:۔

جب تک امت محمدی کا حساب ختم ہوگا علی برابر مقام حساب پر تشریف فرما رہینگے بعد ختم کچہری اہل اللہ علیحدہ ہوں گے۔ اس وقت اُن کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔ تمام امت کو دامن علم میں لئے ہوئے آفتاب محشر سے بچائینگے۔ اُس روز حوض کوثر آپکے اختیار میں ہوگا۔ مومنین کو اس چشمہ سے سیراب کرینگے اور دشمنوں کو وہاں سے پیاسا ہنکائینگے۔ علی کے دشمن شدت عطش سے ہونٹ چباتے ہوں گے ان کی گردن میں طوق پڑا ہوگا اور ہاتھ بندھے ہونگے۔

۲۴۱۔ مناقب خطیب میں درج ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے صفحہ ۹۳ پر نقل کیا ہے کہ:۔

حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کے دروازہ کا حلقہ یاقوت سُرخ کا بنایا ہے اور جب اس

حلقہ کو کھٹکھٹایا جائے تو اس میں سے آواز آتی ہے یا علی یا علی۔

۲۴۲ - شرف النبی میں درج ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے ص ۱۰۹ پر نقل کیا ہے کہ :-

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علیؑ وہ شخص ہے جو غموں کو مجھ سے دور کرتا ہے۔ وہ خدا کا شیر اور خدا کے دشمنوں پر خدا کی تلوار ہے۔ خدا کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت اُس شخص پر جو علی کو دشمن رکھے اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں سے بیزار ہے اور میں بھی بیزار ہوں۔

۲۴۳ - مستدرک حاکم، مسند ابی لیلی اور ابن شیبہ میں یہ ارشاد رسول درج ہے :-

قدرت الٰہی نے میرے نور سے کائنات کی تخلیق کا آغاز کیا۔ میں، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ ایک ہی سرچشمہ وجود سے ظہور پذیر ہوئے۔ نیز حضرت علی کی نسبت ارشاد فرمایا :- انہ لا لجیش فی ذات اللہ۔ یعنی وہ تن تنہا اللہ کا ایک لشکر ہے۔

۲۴۴ - مودات سید علی ہمدانی شافعی میں رافع غلام سید الانبیاء سے مروی ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے ص ۱۹۹ پر نقل کیا ہے کہ :-

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جو کوئی امیر المومنین کا حق نہ پہچانے وہ تین حال سے خالی نہیں ہے (۱) یا تو وہ منافق ہے (۲) یا ولد الزنا ہے (۳) یا اس کی ماں نے حیض کی حالت میں حاملہ ہو کر اُسے جنا ہے۔

۲۴۵ - کوکب دری کے ص ۱۲۲ پر علامہ کشفی ترمذی لکھتے ہیں کہ اسلام میں پہلا رخنہ علی کی مخالفت اور ان کی پیروی نہ کرنے سے پڑا۔ ص ۹۲ پر علامہ کشفی، بحر المعارف، خلاصۃ المناقب خطیب اور حلیۃ الاولیا کا حوالہ دیتے ہوئے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تیرے لئے علی کو خلیفہ قرار دیا ہے۔ پس تو بھی اسکو اپنے نفس کیلئے خلیفہ اور وصی مقرر کر وہ میرے علم اور حکمتوں کا محل ہے اور مومنوں کا برحق امیر ہے۔ کوئی شخص اس سے پہلے اس امارت کو نہیں پہنچا اور بعد میں بھی نہیں پہنچیگا۔ وہ ہدایت کا علمؑ فرمانبرداروں کا امام اور میرے اولیا کا نور ہے۔ علی وہ کلمہ ہے جو میں نے متقیوں کیلئے لازم کیا ہے۔ جو اس کو دوست رکھے وہ مجھے دوست رکھتا ہے جو اس کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔

۲۴۶ - علامہ کشفی ص ۱۳۳ پر عمر ابن خطاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پس حضرت نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے لوگو یہ مرد امیر المومنین علی ہے۔ میرے بعد دُنیا و آخرت میں تمہارا امیر و حاکم ہے۔ پس تم اس کے ادب کو نگاہ رکھو۔

۲۴۷ - ص ۲۰۰ پر علامہ کشفی مسند احمد ابن حنبل میں عبداللہ ابن عمر کے غلام نافع کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عمر نے بیان کیا کہ خیر الناس بعد پیغمبر وہ شخص ہے جس پر حلال ہے جو پیغمبر پر حلال ہے اور حرام ہے جو پیغمبر پر حرام ہے لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے۔ کہا وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

۲۴۸ - علامہ کشفی ترمذی کوکب دری کے صـ۱۲۲ پر نقل کرتے ہیں :- صلاح الدین صفوی نے وافی بالوفیات ضمن الف ذیل حالات ابراہیم بن یسار بن ہانی بصری بن ہانی بصری معروف بہ نظام معتزلی میں لکھا ہے کہ رسولؐ اللہ نے علی کی امامت پر نص فرمائی ہے اور انکو امام صحابہ بھی اس بات سے اچھی طرح واقف تھے۔ لیکن عمر نے ابوبکر کی خاطر علی کی امامت و خلافت پر پردہ ڈال دیا ہے ۔

۲۴۹ - علامہ کشفی نے کوکب دری کے صـ۲۶ پر بحوالہ کتاب امالی کثیرہا استاد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جب امیر المومنین خلافت ظاہری کے تخت پر بیٹھے اور لوگوں نے آپ سے بیعت کر لی تو رسول کا عمامہ سر پر رکھے آنحضرت کا خرقہ پہنے نعلین سید الثقلین پاؤں میں ڈالے اور خاتم الانبیا کی تلوار حمائل کئے منبر رسول پر تشریف لے گئے اور فرمایا۔ الحمد للہ علی احسانہ قد رجع الحق الیٰ مکانہٖ یعنی :- خدا کا شکر ہے اس کے احسان پر کہ حق اپنے مقام پر پلٹ آیا۔ جناب امیر کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ سابقہ تینوں خلافتوں کو وہ ناحق اور باطل تصور فرماتے تھے۔ جبھی تو فرمایا کہ اب حق اپنے اصلی مقام پر آیا۔

۲۵۰ - علامہ کشفی کوکب دری کے صـ۱۲۲ پر یہ حدیث درج کرتے ہیں :- حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا تم لوگ گمراہ اور ہلاک نہ ہوگے جب تک تم علی کے ماتحت رہو اور جب تم اسکی مخالفت کروگے بیشک تم سیدھی راہ کو گم کر دوگے اور گمراہی میں پڑ جاؤگے۔ پس تم علی ابن ابی طالب کی نافرمانی کرنے کے سبب اپنی گردن پر حق خدا رکھتے میں خدا سے ڈرو۔

۲۵۱ - صـ۲۰۱ پر علامہ کشفی بحوالہ بحر المعارف یہ حدیث درج کرتے ہیں :- "ایک روز حضرت رسولؐ نے جناب امیر کی طرف منہ کر کے گریہ فرمایا اور گریہ کی حالت میں فرمایا اے بھائی میرا رونا امت کے اُن لوگوں کی گمراہی پر ہے جنکے سینوں میں تمہارا بغض قائم ہو گیا ہے۔ اب تو اسکو ظاہر نہیں کرتے مگر میرے انتقال کے بعد اُسے ظاہر کرینگے حالانکہ حق تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے اور اس حال سے جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ گمراہ لوگ تیرے حق میں ظلم کرینگے اور تیری اولاد کو ذلتیں پہنچائینگے۔ یہاں تک کہ تیری اولاد میں سے ایک شخص محمد نام امت کا حاکم اور والی ہو اسوقت میری اُمت اور باقی تمام مخلوقات تیری اور تیری اولاد کی محبت پر جمع ہوگی اور ان کے دشمن مغلوب و مقہور ہوں گے۔

۲۵۲ - وسیلۃ المتعبدین اور مناقب خوارزمی میں عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے صـ۱۹۲ پر اسکو نقل کیا ہے کہ ابن مسعود کہتے ہیں ایک دن میں نے دیکھا حضرت رسولؐ نے ایک سرد آہ بھری اور فرمایا مجھکو میری موت کی خبر دیگئی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ میری اکثر اُمت گمراہی اور ضلالت میں گرفتار ہے۔ جب میں علی کو اپنا قائم مقام مقرر کرونگا تو افسوس ہے کہ لوگ اسکی مخالفت کرینگے۔ یہ لوگ علی کی مخالفت نہ کرتے تو ان کو بہشت میں داخل کرتا۔

۲۵۳ - علامہ کشفی ترمذی نے عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ "بروز غدیر خم جب حضرت رسولؐ نے علی کیلئے ایک علم نصب کیا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ ..... الخ فرمایا اور کہا اے اللہ تو ان پر میرا شہید اور گواہ ہے تو میں (عمر) نے دیکھا کہ ایک شخص خوشرو اور خوشبو والا میرے قریب

ٹکڑا ہے۔ اس نے کہا بجز منافق کے کوئی اس عہد کو نہ توڑیگا جو رسولؐ اللہ نے علیؑ سے کیا ہے اور مجھ سے کہا اے عمر تو اس عہد کے توڑنے سے بچنا۔ عمر نے حضرت رسول سے استفسار کیا۔ آپ نے فرمایا وہ جبرئیل تھے جنہوں نے یہ تاکید کی ہے۔

افسوس ہے کہ حضرت عمر ہی وہ پہلے شخص ہیں جس نے پیغمبر سے کئے ہوئے اپنے عہد کو توڑا اور جناب فاطمہ پر ظلم کرنے اور علی کی مخالفت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

احادیث متعلقہ سیدۃ النساء العٰلمین جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام

۲۵۴۔ ولادت جناب فاطمہ زہراؑ

۲۰ جمادی الثانی ۴۶ھ عام الفیل ۶۱۵ء حبیب السیر میں بحوالہ ابن خشاب درج ہے کہ جناب فاطمہؑ کی ولادت بعثت کے ۵ سال بعد ہوئی تاریخ خمیس میں بعثت سے ۵ سال قبل لکھا ہے استیعاب ابن عبدالبر میں بعثت سے ایک سال بعد لکھا ہے۔ جناب خدیجۃ الکبریٰ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب فاطمہؑ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو جیسا کہ قبیلہ کا دستور تھا میں نے اپنی مدد کیلئے عورتوں کو بلا بھیجا مگر سب نے صاف انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ پہلے تو تم نے سب کے پیام رد کر کے محمدؐ سے شادی کی اور پھر ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنے میں ان کی مدد و معاون ہو اور ان کی پشت و پناہ بنتی ہو۔ اب ہماری برادری سے تمہارا کیا واسطہ رہا۔ یہ سن کر اپنی تنہائی سے میں پریشان ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور غیب سے چار عورتیں گھر میں نمودار ہوئیں۔ ایک نے کہا میں حوا ہوں۔ دوسری بولی میں مریم بنت عمران ہوں۔ تیسری نے کہا میں آسیا بنت مزاحم ہوں۔ چوتھی کہنے لگی میں ام کلثوم خواہر موسیٰ ہوں۔ چاروں نے مل کر قابلہ کے فرائض انجام دیئے۔ بچی پیدا ہوئی تو سارے گھر میں نور کی بارش ہونے لگی۔

روایت یہ بھی ہے کہ اس نومولود بضعۃ نور نے اپنی والدہ ماجدہ کو اور نام بنام حوا و مریمؑ و آسیا و ام کلثوم کو سلام کیا اور ان چاروں عورتوں نے تعظیم بجالا کر جواب سلام دیا۔ وارد ہے کہ جناب سیدہ کا سلام میں تقدیم کرنا اس اعتبار سے تھا کہ وجود مادی میں آپ عمر میں ان سب سے چھوٹی تھیں اور ان کا نام لینا اس جہت سے تھا کہ عالم انوار میں سیدۃ النساء العٰلمین کی تخلیق ان سب سے قبل ہو چکی تھی اور بارگاہ رب العزت سے ان کو سب عورتوں کی سرداری عطا ہوئی تھی۔

۲۵۵۔ جناب فاطمہ زہراؑ کے القاب

نزل الابرار اور دیگر کتابوں میں جناب سیدہ کے حسب ذیل القاب درج ہیں جو حضرت رسول نے ارشاد فرمائے تھے:۔ البتول۔ سیدۃ النساء افضل النساء۔ خیر النساء۔ الصدیقہ۔ الزہرا۔ المبارکہ۔ الطاہرہ۔ الذکیہ۔ الراضیہ۔ المرضیہ۔ المحدثہ۔ ام ابیہا۔ ام السبطین۔ ام الحسنین

۲۵۶۔ سیدۃ النساء العٰلمین

مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۷ پر متفق علیہ ارشاد رسولؐ نسبت حضرت فاطمہؑ یوں درج ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فاطمۃ الا ترضین ان تکونی سیدۃ النساء اھل الجنۃ او نساء المومنین۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہؑ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم تمام اہل جنت عورتوں کی سردار ہو اور تمام مومنین عورتوں کی سردار ہو۔

۲۵۷- فاطمہ میرا ٹکڑا ہے

مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۷ پر زبانی المسود بن محمد متفق علیہ حدیث درج ہے۔ فاطمہ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی اوفی روایۃ ا ریبنی ما رابھا ویوذنی ما اذیھا یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ جس نے اس کو ستایا اس نے مجھے ستایا اور جس نے اسے ایذادی اس نے مجھے ایذادی (نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ۱۴ صفحہ ۳۹۰ و باب ۲۱ صفحہ ۱۴۳ و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ و جامع ترمذی صفحہ ۵۷۰ و منتخب کنز العمال صفحہ ۹۶)

۲۵۸- فاطمہؑ کے غضب سے اللہ غضب میں آتا ہے اور خوشی سے خوش ہوتا ہے۔

دیلمی، طبرانی، حاکم، ابویعلی اور ابونعیم نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ بہ تحقیق حضرت رسول خدا فاطمہؑ سے فرماتے تھے کہ بیشک اللہ تیرے غضب کی وجہ سے غضب میں آتا ہے اور تیری خوشی سے خوش ہوتا ہے۔

۲۵۹- جس نے فاطمہؑ کو ایذادی رسولؐ کو ایذادی

ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے اور میرا دل ہے اور یہ میری روح ہے جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے جس نے اس کو ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ کو ایذادی (نیز ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۵۴ و منتخب کنز العمال صفحہ ۹۷)

۲۶۰- خاتون محشر تشریف لاتے وقت اہل محشر کو سر جھکا کر آنکھیں بند کرنے کا حکم

مشکوٰۃ المصابیح مترجمہ مولوی قطب الدین خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۱۵۴ پر ابوایوب سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ جب کہ ہوگا دن قیامت کا پکاریگا پکارنے والا عرش کے اندر سے یا اھل الجمیع نکسوا رؤسکم و غضوا ابصارکم حتی تمر فاطمہ بنت محمد علی الصراط فتمر معہ سبعین الف جاریۃ من الحور العین کمر البرق (یعنی اے محشر جھکا لو تم سر اپنے اور بند کرو آنکھیں اپنی یہاں تک کہ گزر جائے فاطمہ بیٹی محمدؐ کی صراط پر سے گزرینگی فاطمہؑ ساتھ ستر ہزار لونڈیوں کے حورعین سے مانند گزرنے برق کے۔

۲۶۱- فاطمہ چودھویں کے چاند اور چمکتے آفتاب کے مثل

حاکم نے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ پر انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ اُن کی والدہ بیان کرتی تھیں کہ فاطمہ چودھویں کا چاند اور آفتاب کے مانند تھیں جو بادلوں میں چھپ کر پوری آب و تاب سے نکلتا ہے۔

۲۶۲- فاطمہ نوع انسانی میں حور اور عوارض نسوانی سے پاک

نزل الابرار میں درج ہے حضرت رسول فرماتے تھے کہ میری بیٹی فاطمہ نوع انسان میں حور ہے حیض و نفاس سے طاہر ہے اس لئے فاطمہؑ اس کا نام رکھا گیا ہے بہ تحقیق اللہ نے دوزخ کی آگ سے جدا رکھا ہے اسکو اور اسکی ذریت کو

حضرت رسولؐ نے فرمایا بتول اس کو کہتے ہیں جس نے عوارض نسوانی کا خون نہ دیکھا ہو۔ کیونکہ انبیاء کی بیٹیوں پر حیض حرام کر دیا گیا ہے۔

۲۶۳۔ ایضاً مسند اہل بیت میں اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ حسن علیہ السلام کے تولد کے وقت میں جناب فاطمہؑ کی دائی تھی۔ میں نے ان کو کبھی قسم کا خون جو عورتوں کو ولادت کے وقت ہوا کرتا ہے نہ دیکھا میں نے حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو فرمانے لگے تو نہیں جانتی میری بیٹی پاک و پاکیزہ ہے۔ اس کیلئے کسی قسم کا خون نہیں دیکھا جاسکتا۔

۲۶۴۔ فاطمہ کی فضیلت مریم و آسیہ تمام عورتوں پر ابوبکر ابن مردویہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ہم نے ساتوں آسمانوں پر گزر کر دیکھا مریم بنت عمران اور ام موسیٰ اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی اور خدیجہ بنت خویلد کیلئے یاقوت کے گھر بنے ہوئے ہیں اور فاطمہ بنت محمد کیلئے ستر قصر ہونگے کہ دیکھے جو موتیوں سے جڑے ہوئے تھے اور ان کے دروازے عود کی لکڑی کے تھے۔

۲۶۵۔ جناب فاطمہؑ کیلئے جنت سے کھانا اترنا ثعلبی کی قصص الانبیاء ص۵۱۳ پر و تفسیر الکشاف زمخشری اور در منثور سیوطی میں نیز تفسیر نیشاپوری جلد ۲ اور سیرۃ المجدیہ ص۲۲۱ پر جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے جوامع الکلم کے صفحہ ۲۲۲ پر فرمایا ہے۔ ایک دفعہ زمانہ قحط میں حضرت رسولؐ کے پاس کھانے کیلئے کچھ نہ تھا اپنی ازواج کے گھر دیکھا اور پھر اپنی بیٹی فاطمہ کے گھر جا کر پوچھا تو عرض کیا بابا جان کھانا بالکل نہیں ہے۔ حضرت رسول واپس تشریف لیگئے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جبرئیل ایک خوان لیکر جناب سیدہ کے گھر حاضر ہوئے جس میں دو روٹیاں اور پکا ہوا گوشت تھا۔ جناب فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا نے وہ دو روٹیاں اور پکا ہوا گوشت خدمت رسول میں پیش کیا حضرت رسولؐ نے فرمایا انی لک ھذا فاطمہ قالت ھو من عند اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔ پنجتن پاک نے سیر ہو کر کھایا پھر بھی بچ رہا۔ ازواج رسولؐ نے سیر ہو کر کھایا پھر بھی بچ رہا اس کے بعد عامہ صحابہ کو ندا دیگئی اصحاب آتے گئے۔ بیٹھکر کھاتے اور سیر ہو ہو کر جاتے رہے۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا الحمد للہ الذی جعلک شبیھۃ سیدۃ نساء بنی اسرائیل حمد خدائے راکہ ترا اے فاطمہ مانند بہترین عورت بنی اسرائیل یعنی مریم مادر عیسیٰ کرد کہ دو کعک برائے برائے او از غیب می آید و طعام او ہمان بود۔

۲۶۶۔ علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کفو نہ تھا دیلمی نے ام سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اگر علیؑ پیدا نہ ہوتے تو فاطمہؑ کے لئے کوئی کفو نہ تھا۔ خصائص نسائی صفحہ ۱۲ و ۱۳ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ و منتخب کنز العمال صفحہ ۱۰۰ پر درج ہے کہ جب حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے جناب فاطمہؑ کیلئے خواستگاری کی تو حضرت رسولؐ نے منہ پھیر لیا اور جب حضرت علیؑ خواستگاری کیلئے آئے تو آپ

وقت جبرئیلؑ نے اتر کر اطلاع دی کہ فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے عرش پر کر دیا گیا ہے پس نور کو نور سے ملا دو۔

۲۶۷- تزویج علی و فاطمہؑ رب العزت کے حکم سے

خوارزمی نے اور نیز عبد المؤید نے مناقب میں لکھا ہے کہ صرصائیل فرشتہ نازل ہوا اور واسطے تزویج جناب فاطمہؑ کے حضرت رسولؐ خدا کو پیغام پہنچایا کہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ نور سے نور کو ملا دو۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۳ و صفحہ ۱۸۴ پر بھی یہی روایت درج ہے۔

۲۶۸- ایضاً

دیلمی نے فردوس الاخبار میں عبد اللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ بہ تحقیق کہ پروردگار عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کا علیؑ سے نکاح کروں۔

۲۶۹- اللہ تعالیٰ نے بندوں میں سے چن لیا فاطمہؑ کے باپ اور شوہر کو

ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۲ و ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۲ و شواہد النبوۃ میں درج ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے جناب فاطمہ زہرؑا سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چن لیا بندوں میں سے ایک تیرے باپ کو اور ایک تیرے شوہر کو۔ مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ پر ہے حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ میں نے تیرا بیاہ اس شخص سے کیا ہے جس کو میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں۔

۲۷۰- اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو فاطمہؑ کا مہر قرار دیا ہے

دیلمی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ یا علیؑ بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے تجھ سے فاطمہؑ کا نکاح کیا ہے اور تمام زمین کو اس کا مہر قرار دیا ہے۔ پس جو شخص بحالت تمہارے بغض کے اس پر چلتا ہے اس پر اس کا چلنا حرام ہے۔

۲۷۱- بخشش امت فاطمہؑ کا مہر

معارج النبوت میں درج ہے کہ جب از دواج علی مرتضیٰؑ کا فاطمہ زہرؑا سے ہوا اور آسمان پر نکاح پڑھا گیا تو جبرئیلؑ امین ایک پارہ حریر لائے جس پر وعدہ بخشش امت عاصی بعوض مہر جناب فاطمہؑ لکھا ہوا تھا گویا علی مرتضیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے ادائی مہر اپنے ذمہ لی۔ کیوں نہ ہو مولود خانہ خدا خانہ زاد حق تھا۔ جیسا کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ فرماتے ہیں:-

جبرئیل از آسمان فرود آمد گفت اے ختم رسل — فرزند بہ خانہ خدا شد پیدا و اللہ باللہ

اور شیخ شرف الدین یزدی فرماتے ہیں:-

در مرتبہ علیؑ نہ چون است و نہ چند — در خانۂ حق زاد بجا قش سوگند
بے فرزندے کہ خانہ زادے دارد — شک نیست کہ باشدش بجائے فرزند

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مہر کی ادائی زوج پر لازم ہے اور یہ بھی مسئلہ شرعی ہے کہ مہر ایسا باندھا جائے جس کی ادائی کی استطاعت زوج میں ہو۔ لہٰذا اس اعتبار سے ایک تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ جناب سیدہ کے مہر یعنی بخشش

امت کی ادائی مولائے کائینات پر لازمی ہوئی۔ دوسری یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بخشش امّت کی استطاعت و اختیار مولائے کائنات کو حاصل تھا جب ہی تو یہ مہر باندھا گیا۔ بقول راقم :-

سیّدہ کے عقد سے عقدہ کھُلا
قدرتِ حیدر کا اندازہ ہوا

پھر یہ بات بھی خود بخود ظاہر ہوگئی کہ جناب سیّدہ کا کیا مقام ہے کہ انکا مہر ان کے والد محترم کی امّت کی بخشش قرار پایا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سیّدہ کونین کی طینت عالیہ کس طرح کی تھی کہ مہر جو زوجہ کا ذاتی حق ہے اپنے لئے کچھ لینے کی بجائے اس اُمّ ابیہا نے اپنے باپ کی امت کو بخشوانے کی شکل میں دیدیا اور سرکار نے اس بیٹی کو جو اپنی ماں کہا تھا تو ان کی امّت کو بخشوا کر اپنے ماں بننے کا حق بھی ادا کر دیا۔ غور کرو تو یہ ایسا خانوادہ ہے جس کی ہر ہر بات فہم سے باہر ہے۔

۲۷۲۔ عرش پر علیؑ و فاطمہؑ کا نکاح

ملا نے سیرت میں انس سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم جنابِ رسالت مآب کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت نے جناب علیؑ سے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ عزوجل نے تیرا نکاح فاطمہؑ سے کیا ہے اور ان کے نکاح پر چالیس ہزار فرشتے گواہ کئے ہیں اور طوبیٰ درخت کو اشارہ کیا کہ انپر در و یاقوت نثار کرے پس اس نے در و یاقوت ان پر نثار کئے۔ وسیلۃ المتعبدین میں انس بن مالک سے ایسی ہی روایت درج ہے جس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح پر چالیس لاکھ فرشتوں کو گواہ بنایا۔ دیلمی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے جناب فاطمہؑ سے فرمایا یا فاطمہؑ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تم کو علیؑ کی ملکیت میں دے جبرئیلؑ کو حکم دیا اس نے کھڑے ہو کر چوتھے آسمان پر فرشتوں کی مجلس آراستہ کی پھر ان پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر جنّت کے درخت کو حکم دیا وہ زیورات اور عمدہ حلّوں سے بار ور ہوا پھر اس کو حکم دیا اس نے ان زیورات کو نثار کیا۔ پس فرشتوں میں سے جس نے ان میں سے بہ نسبت دیگر کچھ زیادہ لیا اسکی وجہ سے قیامت تک فخر کرتا رہیگا۔

۲۷۳۔ ایضاً

یوسف گنجی الشافعی نے کفایت الطالب میں جابر ابن سمرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ اے لوگو یہ علی ابن ابی طالب ہیں۔ تمہارا خیال ہے کہ فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے میں نے کردی ہے حالانکہ اور لوگوں نے بھی پیام دیئے تھے اور میں نے یہی کہا کہ مجھے آسمانی پیغام کا انتظار ہے۔ حتیٰ کہ میرے پاس چوبیس ماہ رمضان جبرئیل آئے اور کہا اے محمدؐ علی اعلیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور روحانیں فرشتوں کو درخت طوبیٰ کے نیچے ایک وادی میں جمع کر رکھا ہے جس کا نام فسیح ہے اور فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کر دی ہے اور مجھے حکم دیا کہ میں خطبہ پڑھوں اور اللہ تعالیٰ ولی تھا اور درخت طوبیٰ کو حکم دیا کہ وہ زیورات پوشاکیں اور یاقوت پیدا کرے۔ پھر طوبیٰ نے ان چیزوں کو نچھاور کیا حورعین کو حکم دیا کہ اکٹھی ہو جائیں اور اس نچھاور (صدقہ) کو اٹھالیں چنانچہ انھوں نے اٹھالیا اور قیامت تک یہ چیزیں ایک دوسرے کو تحفہ میں دیتی رہیں گی اور کہیں گی یہ فاطمہؑ کا صدقہ ہے۔

۲۷۴۔ ایضاً

ابوبکر خوارزمی نے بلال بن حمامہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت رسول خُدا ہنستے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے آپ کا رُخ انور چاند کے ہالہ کی طرح نورانی تھا عبدالرحمن بن عوف نے

اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ آج چہرہ اقدس پر کیسا (زائد) نور ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے میرے پروردگار سے میرے بھائی اور ابن عم اور میری بیٹی کی نسبت خوشخبری دی گئی ہے۔ بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے علیؑ کے ساتھ فاطمہ کا نکاح کیا ہے اور رضوان خازن جنت کو حکم کیا ہے۔ اس نے درخت طوبیٰ کو ہلایا ہے۔ وہ بارآور ہو گیا ہے یعنی اس کا ہر ایک پتہ برات نجات کا کاغذ بن گیا اور شجر طوبیٰ کے نیچے فرشتے نور کے پیدا کئے اور ہر ایک فرشتے کو وہ برات کا کاغذ دیا ہے کہ قیامت اپنے تمام ارکان کے ساتھ قایم ہو گی۔ پس میرے اہل بیت کا محب باقی نہیں رہے گا کہ اس پر وہ برات کا کاغذ نہ گرے اس میں دوزخ کی آگ سے رہائی کا پروانہ لکھا ہوا ہے۔ پس میرا بھائی اور ابن عم اور میری بیٹی مردوں اور عورتوں کیلئے دوزخ کی آگ سے رہائی کا سبب ہوئے۔

۲۷۵۔ جناب فاطمہؑ کو ذوالفقار کا علم پہلے سے ہونا

تاج الاسلام سلیمان بن داؤد السقینی ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب خیبر سے جناب امیرؑ لوٹے ذوالفقار ان کے ہاتھ میں تھی۔ جناب سیدہ سے کہنے لگے یا فاطمہؑ آپ نے ذوالفقار کے جوہر دیکھے کہ میں نے بحکم خدا اس کے ذریعہ خیبر کو فتح کیا ہے۔ جناب سیدہ ہنس پڑیں۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا کیا تم کو ذوالفقار کی فضیلت کی آگاہی ہے۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا میں آپ کے جاننے سے پہلے اس کو جانتی ہوں۔ جناب امیرؑ حضرت سیدہ کی بات سے متعجب ہوئے اور سرور عالم کی خدمت میں جا کر جناب سیدہؑ کا قول نقل کیا۔ حضرت نے آ کر جناب فاطمہؑ سے فرمایا یا فاطمہؑ میں تمہارے منہ سے اس بات کو سننا چاہتا ہوں کہ یہ بات تم کو کہاں سے معلوم ہوئی۔ جناب سیدہؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب جناب آسمان پر تشریف لے گئے پروردگار نے جبرئیل سے فرمایا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت میں اس مقام پر لیجاؤ جو ان کے لئے اور ان کی امت کیلئے جنت کی نعمتوں سے سجایا گیا ہے۔ آپ کو جنت میں لے گئے جبرئیلؑ نے عرض کیا ثمرات جنت میں سے آپ کچھ تناول فرمائیں اس وقت آپ ایک سرخ سیب کے درخت کے نیچے تشریف رکھتے تھے اور اس کی جڑ کے نیچے ذوالفقار مستور تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں اور علیؑ کے سوا کوئی بہادر نہیں اور انکی زوجہ زہراؑ ہیں پس اس وقت سے میں اس کی فضیلت کو جانتی ہوں پھر آپ نے اس درخت کے سیب میں سے آدھا ٹکڑا کھایا اور آدھا میری والدہ ماجدہ جناب خدیجہ کیلئے رکھ لیا۔ جب میری والدہ نے وہ ٹکڑا کھایا اور میں ان کے بطن اقدس میں قرار پا گئی اسکی نشانی یہ ہے کہ جب آپ میرے پاس بیٹھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ گویا ہم جنت میں اس سیب کے درخت کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ تیری خوشبو اسی درخت کی خوشبو کے مانند ہے۔ جناب سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد کیا میری بیٹی تو سچ کہتی ہے اور جناب سیدہ کی آنکھوں کو حضرت نے چوم لیا۔

۲۷۶۔ وفات جناب فاطمہ زہراؑ

امام احمد بن حنبل نے ام سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ جناب سیدہؑ نے اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنائے اور صاحبزادوں اور حضرت علیؑ مرتضیٰ کے لئے کھانا تیار کر کے رکھ دیا اور خود غسل فرما کر نئے کپڑے زیب تن کئے اور یہ فرمایا کہ میں اب انتقال کرنے والی ہوں۔

اور یہ کہکر اپنے دونوں ہاتھوں کو رخسار کے نیچے رکھکر قبلہ رو ہوکر لیٹ گئیں اور فرمایا میں نے غسل کر لیا ہے مجھ کو اب کوئی نہ کھولے یہ فرماکر آپ دار آخرت کو رحلت کر گئیں۔ حضرت علیؑ نے بلا مزید غسل آپ کو دفن کیا۔

علامہ بخشی نزل الابرار میں لکھتے ہیں کہ جناب سیدہؑ اسی غسل سے دفن ہوئیں ہیں جو کہ بحالت حیات اُنھوں نے خود کیا تھا اور یہ ایک ایسی بات تھی کہ ان کے والد ماجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے مخاص مقرر کی تھی۔

طبقات میں ابن سعد نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ حوران بہشت نے آپ کو غسل دیا۔ دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ نے جناب فاطمہؑ کو غسل دیا کیونکہ حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے علیؑ فاطمہؑ دنیا و آخرت میں تیری بی بی ہے۔

۲۷۷۔ اولاد فاطمہؑ کا رسولؐ کی طینت سے پیدا ہونا

حاکم اور ابن عساکر نے جابر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا اولاد فاطمہؑ میری طینت سے پیدا ہوئی ہے۔

۲۷۸۔ رسولؐ کی ذرّیت کا علیؑ کی صلب میں قرار دیا جانا

ابوالخیر حاکمی طبرانی نے ابن عباسؓ سے اور نیز طبرانی نے جابر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی کی ذرّیت کو اسکی صلب میں قرار دیا ہے اور میری ذرّیت کو علیؑ کی صلب میں قرار دیا گیا۔

۲۷۹۔ بجز رسولؐ علیؑ اور اولاد علیؑ کے قیامت میں کوئی اپنے باپ کے نام سے نہ پکارے جائیں گے

مروج الذہب مسعودی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ قیامت کے دن بوجہ بردہ پوشی کے ہر شخص کو اس کے اور اس کی ماں کے نام سے پکارا جائے گا الا علیہ (علی ابن ابی طالب) اور اس کی اولاد کہ وہ بباعث صحت ولادت کے ان کے ناموں اور ان کے باپ کے نام سے پکارے جائیں گے۔

شہزادی کونین کا مشہور معجزہ ایک سنی محترمہ کے قلم سے

سیدہؑ عالم کا ایک معجزہ جناب سیدہ کی کہانی کے نام سے موسوم ہے اور شیعہ عورتیں ہر چھوٹی بڑی مشکل کے وقت یہ کہانی مان لیتی ہیں اور نذر پوری ہونے پر چند عورتیں بیٹھ کر کہانی سن لیتی ہیں۔ حال میں ایک سنی محترمہ نے اس معجزہ کو بی بی سگٹ کی بڑی کہانی عرف سیدہؑ کی کہانی کے نام سے حمایہ بکڈپو حیدرآباد سے طبع کروایا جسکا اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"منقول ہیکہ ایک روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ یہودیان عرب کی ایک جماعت نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہمارے پاس شادی ہے امید وار ہیں کہ آپکی صاحبزادی اسمیں تشریف لائیں۔ آنجناب نے فرمایا سیدہؑ سے دریافت کرکے جواب دیتا ہوں دولت سرا میں تشریف لائے اور صاحبزادی سے فرمایا بیٹی چاہو تو انکی دعوت قبول کرلو۔ سیدہ نے عرض کیا بابا جان آپکا حکم سر آنکھوں پر مگر اتنی عرض ہیکہ مرادوان

یہود کی عورتیں اچھے اچھے لباس اور زیور سے آراستہ ہو کر آئینگی اور میرے پاس سوائے اس کہنہ چادر اور بوسیدہ پیراہن کے کچھ نہیں ہے۔ یہود کی عورتیں طعنہ دینگی کہ پیغمبر کی بیٹی ایسی خستہ حالت میں ہے۔ یہ سنکر حضرت رسول کے آنسو جاری ہو گئے۔ ناگاہ جبرئیل نازل ہوئے اور بعد درود و سلام اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ سیدہ فاطمہ کو اسی لباس کہنہ میں شادی میں جانے کی اجازت دیدیجئے۔ یہ سنکر جناب سیدہ نے سجدہ شکر ادا کیا اور پیراہن بوسیدہ اور چادر کہنہ جسمیں جابجا پیوند لگے تھے اوڑھ کر بیت الشرف سے روانہ ہوئیں۔ ابھی چند قدم ہی چلی تھیں کہ جبرئیل زیورات و حلہائے بہشت سے لدے ہوئے خوان اور ایک لاکھ حوران بہشت کو ساتھ لئے ہوئے حاضر ہوئے۔ حوروں نے ایک پر ایک سبقت کر کے جناب سیدہ کو لباس و زیورات بہشت سے آراستہ کیا اور چاروں طرف سے حلقہ میں لیکر تسبیح و تہلیل پڑھتے ہوئے خانۂ شادی تک لے چلیں۔ میزبان عورتیں مذاق اڑانے کی غرض سے آگے بڑھیں تو کیا دیکھا کہ لاکھوں کنیزوں کے ساتھ دوجہاں کی مالکن تشریف لا رہی ہیں۔ کنیزوں کے ہاتھ میں چنور ہیں اور قدم قدم پر مشک و عنبر و گلاب چھڑکا جا رہا ہے اور جنت کی خوشبو مہک رہی ہے اور زر و جواہر نچھاور کئے جا رہے ہیں۔ کسی نے روئے زمین پر ایسی شان و شوکت نہ دیکھی تھی۔ سب کے سب بے اختیار اپنے مذہبی طریق پر جناب سیدہ کے سامنے سجدۂ تعظیمی میں گر پڑیں۔ بہت سی عورتیں بیہوش ہو گئیں اور دلہن اسی بیہوشی کے عالم میں مر گئی۔ خانۂ شادی ماتم سرا بن گیا اور رونا چلانا سہر کو لی شروع ہوئی۔ سیدۂ عالم کو ان کی حالت پر رحم آگیا اور آپ نے دو رکعت نماز قضائے حاجت بجا لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا واسطہ دیکر عرض کیا بارالہٰا دلہن کو زندہ کر کے بنت محمدؐ کی لاج رکھ لے۔ ابھی سجدہ سے سر نہ اٹھائی تھیں کہ دلہن کلمہ پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھی اور آپ کے قدموں میں گر پڑی۔ یہ دیکھ کر بہت سارے حاضرین مسلمان ہو گئے اور بی بی فاطمہ پر جواہرات نثار کرنے لگے اور بہت سی کنیزیں نذر دیکر آپ کے ساتھ کر دیں۔ جناب سیدہ نے واپس آکر باباجان سے یہ سرگذشت بیان کی۔ آنجناب نے سجدۂ شکر ادا کیا اور صاحبزادی کو گلے لگا لیا اور تمام کنیزوں کو آزاد کر دیا۔ جو اس کہانی کو صدق دل سے سنیگی اسکی مراد بر آئیگی اور جو انکار کریگی اسکی سزا پائیگی۔"

احادیث متعلقہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

۲۸۰ - حضرت خدیجہ پر ربّ العزت کی طرف سے سلام

بخاری اور مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا جب غار حرا میں مصروف عبادت تھے اور حضرت خدیجہ آنحضرتؐ کے لئے وہاں کھانا لیجایا کرتی تھیں تو جبرئیل نے نازل ہو کر حضرت رسولؐ سے کہا کہ پروردگار عالم کی طرف سے اور میری طرف سے خدیجہ کو سلام پہنچائیے اور ان کو یہ خوشخبری دیجئے کہ جنت میں ان کیلئے بڑا موتی کا محل ہے جہاں نہ کوئی شور و شغب ہوگا نہ رنج و تعب (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۰۸)

۲۸۱۔ حضرت رسول اپنی بیبیوں میں سب سے زیادہ حضرت خدیجہ کو چاہتے تھے

مشکواۃ المصابیح میں حضرت عائشہ کی زبانی متفق علیہ روایت درج ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ میں اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ خدیجہ اور والدہ جناب فاطمہ کو چاہتا تھا۔

۲۸۲۔ حضرت خدیجہ کو بعد وفات بھی حضرت رسولؐ کا یاد کرنا

بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ نہیں غیرت کی میں نے اور رشک نہیں کرتی ہیں کسی پر آنحضرت کی بیویوں میں سے جس قدر کہ رشک کیگئی میں خدیجہ پر حالانکہ نہیں دیکھا تھا میں نے خدیجہ کو لیکن تھے آنحضرت کہ بہت یاد کرتے خدیجہ کو اور اکثر ذبح کرتے بکری کو اور بانٹتے اس کو بیچ ان عورتوں کے کہ دوستدار خدیجہ کی تھیں۔ پس اکثر اوقات کہتی تھی میں آنحضرت کو گویا نہ تھی دنیا میں کوئی عورت موصوف ساتھ صفات جمیلہ کے مگر خدیجہ پس فرمایا آنحضرت نے یعنی بیچ تعریف و مدح خدیجہ کے کہ خدیجہ تھی ایسی اور ایسی اور ہے ایسی اور ایسی اور تھی میرے لئے اس سے اولاد۔ (مشکواۃ المصابیح صفحہ ۵۷۴)

۲۸۳۔ فضیلت حضرت خدیجہ

بخاری اور مسلم نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا مریم بنت عمران اس زمانہ کی امت کی بہترین عورتوں میں سے تھیں اور اِس اُمت کی بہترین عورتوں میں سے خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

۲۸۴۔ عالمین کی ممتاز عورتیں

مشکواۃ میں ترمذی کی روایت بزبانِ انس یوں درج ہے:- ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال حسبک من نساء العالمین آسیہ امراتہ فرعون ومریم بنت عمران وخدیجہ بنت خویلد وفاطمہ بنت محمدؐ!

۲۸۵۔ عالمین کی ممتاز ترین عورتیں خدیجہ اور فاطمہؑ

مستدرک جلد ۲ صفحہ ۴۹۷ وصفحہ ۵۶۲ و جلد ۳ صفحہ ۱۸۵ و جامع صغیر صفحہ ۹۲

حضرت رسولؐ کے یہ ارشادات درج ہیں کہ دُنیا کی تمام عورتوں میں سے بہترین خدیجہ اور فاطمہؑ ہیں اور بہشت کی تمام عورتوں میں سے ممتاز ترین خدیجہؑ اور فاطمہؑ ہیں۔

احادیث متعلقہ فضیلت بنی ہاشم وسلمانؓ ابوذرؓ وشیعان علیؑ

۲۸۶۔ بنی ہاشم کی فضیلت

احمد ذہبیؒ المحاملی، السمرقندی اور ابن الجراح نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا فرماتے تھے کہ جبرئیلؑ نے کہا ہے:- میں نے مشرق سے اور مغرب سے زمین کو ٹٹولا ہے لیکن بنی ہاشم سے زیادہ نفس کسی باپ کی اولاد کو نہیں پایا۔ ان ہی کتب میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل کرنے کا آغاز سوائے بنی ہاشم کے کسی اور سے نہ کرونگا۔

۲۸۷۔ سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار یاسر سے محبت کا حکم

ترمذی و حاکم نے بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ چار آدمی ایسے ہیں جن سے محبت رکھنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی ان کے نام کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے ایک علیؑ ہے کہتے ہیں کہ باقی تین ابوذرؓ مقداد اور سلمان فارسی تھے۔ دیگر روایتوں میں عمار یاسرؓ ابوذر۔ مقداد اور سلمان فارسیؓ کے نام درج ہیں (نیز ملاحظہ ہوں ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ و ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۲ متذکرہ صدر کتب میں حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد بھی درج ہے کہ جنت علیؑ۔ عمار اور سلمان کی مشتاق ہے۔

۲۸۸۔ شیعان علیؑ کی فضیلت

خطیبؒ اور محمد یوسف الکنجی الشافعی لکھتے ہیں کہ عاصم بن حمزہ جناب امیر علیہ السّلام سے ناقل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اور علیؑ کو ایک شجر سے پیدا کیا ہے۔ میں اُس کی جڑ علیؑ اس کی فرع ہے حسنؑ اور حسینؑ اس کے ثمر ہیں ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں۔ کیا پاک سے پاک کے سوا کچھ اور پیدا ہو سکتا ہے۔ میں علم کا شہر ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہے جو شخص کہ علم کے شہر تک پہونچنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ دروازہ کے پاس آئے۔

۲۸۹۔ صرف اہلبیت کے دوست حضرت رسولؐ کے شیعہ ہیں

کنزالعمال صفحہ ۹۲ پر حضرت رسول کا یہ ارشاد درج ہے کہ میری امت میں سے صرف اِن ہی لوگوں کو میری شفاعت حاصل ہوگی جو میرے اہل بیت کے دوست ہوں گے اور صرف وہی میرے شیعہ ہیں۔

۲۹۰۔ صرف شیعان علیؑ ناجی ہیں

کنوزالحقائق صفحہ ۴ و ۲۱ و صفحہ ۱۷۳ پر حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد درج ہے کہ صرف شیعان علیؑ روزِ قیامت نجات پائیں گے۔ نیز یہ کہ یا علیؑ تم اور تمہارے شیعہ حوض کوثر پر آئیں گے مطمئن۔

۲۹۱۔ ملائکہ علیؑ پر سلام اور علیؑ کے محبوں کیلئے استغفار کرتے ہیں

خوارزمی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے علیؑ کے منہ کے نور سے ستر ہزار ملائکہ پیدا کئے ہیں جو قیامت تک علیؑ پر سلام اور علیؑ کے محبوں کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔

۲۹۲۔ شیعان علیؑ جنت میں ہوں گے

ریاض النضرہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۴ کنزالعمال صفحہ ۹۴ پر یہ ارشاد رسولؐ درج ہے کہ یا علیؑ خوش ہو کہ تم اپنے شیعوں کیساتھ جنت میں ہوگے۔

۲۹۳۔ محبان علیؑ پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے جیسے انبیاء پر

صاحب المناقب عبداللہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ اہل آسمان سے جس نے اول علیؑ کو بھائی بنایا وہ اسرافیل ہیں پھر میکائیل پھر جبرئیل اور اہل جنت سے جس نے

اول ان سے محبت کی وہ حاملان عرش ہیں پھر رضوان خازن جنت اور پھر ملک الموت۔ علیؑ کے محبوں پر اللہ تعالیٰ اس طرح سے رحم کرتا ہے جس طرح سے انبیاء پر۔

۲۹۴۔ روز حشر محبان علیؑ کا درجہ ابوبکر ابن مردویہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ میں ایک روز آنحضرت کی زیارت کا قصد کر کے گیا۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا اے سعید میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں فرمایا عرش کے نیچے خدا کا ایک ستون ہے جو اہلِ جنت کے لوگوں پر اس طرح چمکتا ہے جس طرح آفتاب اہل دنیا پر۔ اس کے قریب کوئی نہیں جائے گا مگر علیؑ یا اس کے محب۔

۲۹۵۔ حوض کوثر پر سب سے پہلے اہل بیت اور محبان اہلبیت آئینگے دیلمی نے اور ملّا نے سیرت میں حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ اول وہ لوگ۔ کہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔ میرے اہل بیت ہیں اور میری اُمّت کے وہ لوگ ہیں جو انہیں دوست رکھیں گے۔

۶۔ امامت جن وانس سب پر حاوی ہوتی ہے

۲۹۶۔ اللہ نے رسولؐ و اہل بیتِ رسولؐ کی اطاعت لوگوں پر خصوصاً اور خلقت پر عام طور پر فرض کی ہے۔ ملاحظہ ہوں احادیث باب چہارم۔

۲۹۷ طائف کے کنوئیں پر شیر خدا کی جنگ اَجنہ سے ملاحظہ ہو باب یازدھم

۲۹۸۔ زعفر جن کا میدان کربلا میں حاضر ہونا ملاحظہ ہو باب یازدھم

۲۹۹۔ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام پر جنوں کا ماتم کرنا۔ ملاحظہ ہو باب یازدھم

۳۰۰۔ حضرت علیؑ کا معجزہ اور بہت سے جنوں کا اسلام قبول کرنا ابن حجر عسقلانی الاصابہ جلد دوم قسم ۱ صفحہ ۲۲۵ پر سلمان فارسی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم حضرت رسولؐ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے آواز سنی۔ السّلامُ علیکَ یا رسُولَ اللہ مگر کسی شخص کو نہیں دیکھا حضرت رسولؐ نے جواب سلام دیکر فرمایا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں عرفطہ بن شمر اخ الجنی من بنی نجاح ہوں اور مسلمان ہوں۔ حضرت نے فرمایا مرحبا ہمارے سامنے ظاہر ہو جاؤ۔ پس وہ جن ظاہر ہوا (روایت میں اس کا تفصیلی حلیہ درج ہے) اس نے عرض کی یا رسول اللہ کسی کو میرے ساتھ روانہ فرمائیں تاکہ وہ میری قوم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ پھر میں صحیح سالم ان کو آپ کے پاس واپس لادوں گا۔ حضرت رسولؐ کے ارشاد پر حضرت علیؑ اونٹ پر سوار ہوئے اور سلمان کو ردیف بنالیا۔ اُس جن کے ساتھ ایک صحرا میں پہونچے جہاں نہ کوئی زراعت تھی نہ شجر۔ جنوں کے مجمع میں حضرت علیؑ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ بجز چند کے بہت سوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر حضرت امیرؑ نے ایک طویل دُعا پڑھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک بجلی گری اور بہت سے کافر جنوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

جس قدر بچے اس معجزہ کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ سلمان کو لئے ہوئے واپس آئے۔

۷- امام صاحب معجزہ ہوتا ہے

ملاحظہ ہو باب یازدھم (معجزات ائمہ طاہرین علیہم السلام)

باب پنجم

مندرجات صحف انبیائے سلف متعلقہ اہل بیت و ائمہ طاہرین علیہم السلام

کتب و صحف انبیائے سلف میں رسول خدا علی مرتضیٰ فاطمہ زہرا اور بارہ ائمہ کا ذکر

کتب و صحف انبیائے سلف میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و حضرت علیؑ مرتضیٰ و جناب فاطمہ زہرا اور دوازدہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کا متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے اور خصوصاً شہادت امام حسینؑ علیہ السلام کے متعلق پیشگوئیاں اور احکام متعلق قیام عزا جا بجا آئے ہیں۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حضرت رسولؐ کے نام کے ساتھ آپ کے آنے کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ سورۂ صف کی آیت ۶ ہے۔ اذقال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقالما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد فلما جاءھم بالبینات قالو ھذا سحر مبین یعنی جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا (آیا) ہوں (اور) جو کتاب توریت میرے سامنے موجود ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جن کا نام احمد ہوگا میرے بعد آئیں گے ان کی خوشخبری سناتا ہوں۔ تو جب وہ پیغمبران کے پاس واضح روشن معجزے لیکر آیا تو کہنے لگے یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ قرآن شریف میں اس کا بھی ذکر موجود ہے کہ حضرت رسولؐ کے سچے تابعین کا ذکر توریت و انجیل میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۷ ہے۔ الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل (یعنی جو لوگ ہمارے رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کی بشارت کا اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس طرح سورہ فتح کی آیت ۲۹ میں ہے۔ ذالک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل سورہ توبہ کی آیت ۱۱۱ میں ہے "یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن" یعنی اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔ پکا وعدہ ہے۔ توریت انجیل اور قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ قرآن کریم اس کی تصدیق کرتا ہے کہ رسول اللہ کے سچے پیرو اور ان شہیدان راہ خدا کا ذکر علاوہ قرآن پاک کے صحف انبیائے سلف توریت و انجیل میں بھی موجود ہے۔ خود

قرآن پاک کے مندرجات کے متعلق رب العزت کا ارشاد ہے۔ ما فرطنا فی الکتب من شیئ یعنی ہم نے قرآن میں کسی چیز کا ذکر نہیں چھوڑا۔ نیز فرماتا ہے لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصیھا یعنی کوئی چھوٹی یا بڑی شے ایسی نہیں جس کے بیان کا قرآن حاوی نہ ہو یہ بھی ارشاد ہے لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ۔ یعنی کوئی چیز تر و خشک ایسی نہیں جس کا ذکر قرآن میں نہو اس باب میں ہم توریت و انجیل و زبور و صحیفہ حضرت یسعیاہ پیمبر و یرمیاہ پیغمبر وغیرہ سے مختصر حوالے درج کرتے ہیں۔

انجیل میں حضرت رسولؐ خدا کا ذکر

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں اسطرح درج ہے "اگر تم مجھے عزیز جانتے ہو تو میرے کلموں کو یاد رکھو میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا وہ تم کو دوسرا وکیل دیگا جو ابد تک تمہارے ساتھ رہیگا۔ یعنی فارقلیط روح صدق جیسے دنیا قبول نہیں کرتی کیونکہ اسے دیکھتی نہیں جانتی نہیں"۔ باب ۱۵ میں اسطرح درج ہے:۔ "جب وہ وکیل شافع جسے میں باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح صدق کہ باپ سے نکلتا ہے میرے لئے گواہی دیگا"۔ باب ۱۶ میں یہ درج ہے:۔ "تمہارے لئے میرا جانا ہی سود مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئیگا"۔

انجیل میں ایلیا کا ذکر

انجیل مقدس میں لکھا ہے کہ جب یوحنا یعنی حضرت یحیٰی بن زکریا مبعوث ہوئے اور دعوت بنی اسرائیل کو دی تو علمائے بنی اسرائیل نے پوچھا کہ کیا تم مسیح ہو یا وہ نبی یا ایلیا۔ یوحنا (یحیٰی) نے جواب دیا کہ میں نہ مسیح ہوں نہ وہ نبی نہ ایلیا۔ حضرت مسیح چند روز بعد اسی زمانہ میں مبعوث ہوئے۔ اب دو شخص باقی رہے۔ نبی آخر الزماں اور ایلیا۔ لوگوں نے انبیاء کے متعلق دریافت کیا کہ ایلیا آچکا ہے یا بعد میں آئے گا۔ حضرت مسیح نے جواب دیا کہ ایلیا آئیگا اور تمہارے لئے سب کچھ بحال کریگا۔ زبان عبرانی میں ایلیا اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اس کا مماثل عربی زبان میں علیؑ اللہ کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ ایلیا اور علیؑ ایک ہی لفظ ہے اور زبان اور محاورہ کا فرق ہے جیسے عبرانی میں یسوع اور عربی میں عیسیٰ۔ ناموں کے اسی ظاہری فرق کی وجہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو نہ مانا۔ حالانکہ توریت میں ان کے لئے صاف بشارت موجود تھی۔ اسی طرح انجیل میں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام فارقلیط لکھا ہوا ہے۔ جس کے معنی احمد کے ہوتے ہیں۔

سینٹ پال چرچ لندن کے ایک نامور پادری سرٹیچر۔ بی گلیڈڈن نے اپنی تصنیف، A Note Book On Old And New Testaments Of Bible. میں لکھا ہے۔

"In this language of oldest and present Hebrew this word ' Allia ' or ' Aillee' is not in meanings of God or Alla but this word is showing that in a next or last time of this world any one will become nominated 'Allia' or'Aillee'

زبور میں ایلی کا ذکر

مولانا حکیم سید محمود گیلانی نے اپنی کتاب موسومہ "ایلیا علیہ السلام" میں زبور کی ایک عبارت کا ترجمہ نوٹ کیا ہے جس کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں زبور کا ایک قدیم قلمی نسخہ عبرانی زبان میں پادری آنحرالدمشقی کے پاس مفتی معر نے خود دیکھا جس کی اطلاع رسالہ الحرام قاہرہ ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۳۲۷ھ میں شائع ہوئی۔ اسکی متعلقہ عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

"اس ذاتِ گرامی کی اطاعت کرنا واجب ہے جس کا نام ایلی ہے اسکی فرماں برداری ہی سے دین اور دُنیا کے سب کام بنتے ہیں۔ اس گراں قدر کو حدار (حیدر) بھی کہتے ہیں۔ جو بیکسوں کا سہارا " شیر ببر بہت قوت والا اور کعاب (کعبہ) میں پیدا ہونے والا ہے۔ اس کا دامن پکڑنا اس کی فرماں برداری میں ایک غلام کی طرح رہنا ہر شخص پر فرض ہے سن لو جس کو کان ہے سمجھو جس کو دماغ ہے۔ سوچو جس کو دل ہے کہ وقت گزر گیا تو پھر ہاتھ نہ آئیگا اور میری جان اور میرے جسم کا تو ایک وہی سہارا ہے۔"

انجیل میں پنجتن پاک اور بارہ ائمہ کا ذکر

یوحنا کے مکاشفات باب دوازدہم میں جو داخل انجیل ہے حضرت رسول خُدا علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا اور دوازدہ ائمہ کا ذکر اس طرح آیا ہے۔ ایک بڑا نشان آسمان پر نظر آیا۔ ایک عورت سورج کو اوڑھے ہوئے اور چاند اس کے پاؤں تلے اور اسکے سر پر بارہ ستاروں کا تاج۔ وہ عورت حاملہ تھی اور جننے کے قریب تھی۔ علماء نے اسکی تعبیر باتفاق یہہ کی ہے کہ وہ عورت حضرت آمنہ اور سُورج رسول خدا اور چاند جناب فاطمہ زہرا اور بارے ستارے دوازدہ ائمہ ہیں۔ اسی طرح توریت کتاب استثنیٰ باب ۱۸ آیت ۱۵ تا ۱۹ میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کی پیشگوئی درج ہے۔

یسعیاہ نبیؐ کی پیشنگوئی

یسعیاہ نبیؐ کی کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۰ میں ہے کہ بابل کا شہر ایسا برباد ویران ہوگا کہ عرب کے لوگ وہاں خیمہ استادہ نہ کریں گے۔

یہ پیشنگوئی جناب امیر علیہ السلام سے پوری ہوئی۔ روضۃ الصفا اور دیگر کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ جب جناب امیر علیہ السّلام اپنے لشکر کے ساتھ معاویہ کی لڑائی کیلئے صفین کو تشریف لے چلے تو جب مقام نخلیہ سے کوچ فرمایا اور بابل میں پہنچے اس وقت آپ کے لشکریوں نے عرض کیا کہ نماز عصر کا وقت قریب ہے اگر آپ فرمائیں تو ہم اپنے خیمے یہاں استادہ کریں۔ حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا یہاں خیمہ استادہ مت کرو یہہ خدا کا مغضوب شہر ہے۔ اس جگہ سے جلد روانہ ہو جاؤ۔

مطالب السئول میں علامہ کمال الدین محمد بن طلحہ الشافعی لکھتے ہیں کہ جب جناب امیر علیہ السّلام فرات کے کنارے شہر بابل سے عبور کر رہے تھے ان کے اکثر ساتھی اپنی اپنی بار برداریوں کو فرات سے پار اتارنے میں مشغول تھے۔ جناب امیرؑ نے عصر کی نماز وقت پر پڑھ لی لیکن اکثر لوگ نماز سے رہ گئے۔ لوگوں نے اس کا چرچا کیا۔ جب جناب امیرؑ نے سُنا خدائے تعالیٰ سے دعا کی تا کہ سب لوگ نماز عصر وقت پر ادا کر سکیں۔ خدا تعالیٰ نے آفتاب کو لوٹا دیا اور ٹھیک عصر کا وقت ہو گیا۔ تمام فوجیوں نے عصر کی نماز پڑھی جب انہوں نے نماز تمام کی آفتاب پھر غروب ہو گیا اور اس کے غروب

ہونے سے ایک سخت مہیب آواز سنائی دی جس سے لوگوں کے کلیجے دہل گئے اور تسبیح و تہلیل و استغفار کثرت سے پڑھنے لگے۔

توریت میں رسول خدا کی نسل سے بارہ بزرگوار پیدا ہونیکا بیان

توریت بشارات مثلیہ مترجمہ عربی کی عربی عبارت اور اس کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ احمد الضحوك القتال یرکب لبعیرہ باخذ اشملة وسیلد اثنا عشرو دخرته لامته عظیمته ۔ یعنی احمد تبسم کرنے والا جہاد کرنے والا اونٹ پر سوار ہوگا اور شملہ کو لٹکائے گا اور قریب ہے کہ اس سے بارہ بزرگ پیدا ہوں اور میں اُن کو عظیم الشان امت کے واسطے تاخیر کروں گا ۔ توریت کی ان آیات میں حضرت رسولِ خُدا کا نام صراحت سے درج ہے اور پھر یہ بھی صراحت ہے کہ بارہ بزرگ آپ کی نسل سے پیدا ہوں گے حضرت رسول کی نسل آپ کی صاحبزادی جناب فاطمہؑ ہی سے چلی اور بحکم قرآن حسنؑ و حسینؑ حضرت رسول کے بیٹے قرار پائے اور حضرت رسولؐ کا ارشاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی نسل کو اسی کی صلب میں رکھا مگر میری نسل کو علی ابن ابی طالب کی صلب میں رکھا ہے۔ لہذا یہ امر پوری طرح مشخص ہو گیا کہ حضرت رسول کی نسل سے جن بارہ بزرگواروں کا ذکر ہے وہ دوازدہ ائمہ اہل بیت علیہم السّلام ہی ہیں۔ ان آیات میں تاخیر اور عظیم الشان امتہ کے اشاروں کے معنی بھی صاف ہیں کہ آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوں گے اور آپ کے وقت سے لیکر تا قیامت آپ ہی کی عظیم الشان امت ہوگی ۔

توریت میں بارہ شہزادوں کا ذکر

توریت میں بارہ شہزادوں کا ذکر اس طرح ہے۔ باب ۱۷ کی آیت ۱۸ ہے اور ابراہیمؑ نے خدا سے کہا اسمٰعیل زندہ رہے پھر باب ۱۷ آیت ۲۰ میں ہے کہ خداوند کریم ابراہیم علیہ السّلام سے فرماتا ہے "اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤنگا۔

عہدنامہ عتیق کی کتاب پیدائش کے بائیسویں باب میں اسطرح درج ہے۔ خدا نے ابراہیمؑ کو آزمایا اور اس سے کہا کہ اے ابراہیمؑ۔ وہ بولا کہ دیکھ میں حاضر ہوں۔ تب اس نے کہا تو اپنے اکلوتے بیٹے کو لے اور زمین موریا (موریہ) میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کیلئے چڑھا ابراہیمؑ لوکے تڑکے اٹھا اور اپنے گدھے پر چار جامہ کسا اور اپنے ساتھ اپنے بیٹے کو لیا۔ ابراہیمؑ نے سوختنی قربانی کی لکڑیاں لے کر اپنے بیٹے پر رکھیں اور آگ اور چھری اپنے ہاتھ میں لی۔ اور دونوں ساتھ ساتھ چلے اور اس مقام پر جس کی بابتہ خدا نے اس سے کہا تھا پہنچے تب ابراہیمؑ نے وہاں ایک قربان گاہ بنائی اور لکڑیاں چنیں اور اپنے بیٹے کو باندھا اور قربان گاہ میں لکڑیوں کے اوپر دھر دیا اور ابراہیمؑ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر چھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے۔ وہیں خدا کے فرشتہ نے آسمان سے اسے پکارا کہ اے ابراہیمؑ اے ابراہیمؑ وہ بولا میں حاضر ہوں۔ پھر اس نے کہا تو اپنا ہاتھ لڑکے پر مت بڑھا (خدا کہتا ہے) اب میں نے جانا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے۔ اس لئے تو نے اکلوتے بیٹے کو مجھ سے دریغ نہیں کیا۔ تب ابراہیمؑ نے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا۔ تب ابراہیمؑ نے اس مینڈھے کو لیا اور اپنے بیٹے کے بدلہ سوختنی قربانی کرنے کیلئے چڑھا دیا اور ابراہیمؑ نے اس مقام کا نام یہواہ یری رکھا۔ ان ہی واقعات کا ذکر قرآن شریف میں سورہ صفت کی

درج کر دیتے ہیں۔ ترجمہ ذیل میں صرف جس کا ہم

کلمۃ الحق

آیات ۱۰۲ سے لیکر ۱۱۰ تک میں آیا ہے۔ جس کا ہم صرف ترجمہ ذیل میں درج کر دیتے ہیں۔ پھر جب اسمٰعیل اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو ابراہیمؑ نے اسمٰعیل سے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں خود تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو تم بھی غور کرو تمھاری اس میں کیا رائے ہے۔ اسمٰعیل نے کہا ابا جان جو آپکو حکم ہوا ہے اس کو کر گزریئے اگر خدا نے چاہا تو مجھے آپ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے (قال یا ابت افعل ما تومر ستجدنی اِن شاء اللہ مِن الصابرین) پھر جب دونوں نے یہہ ٹھان لی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنیوالوں کو جزائے خیر دیتے ہیں۔ اس کے بعد کی آیت ہے۔ ان ھذا لھو البلاء المبین وفدیناہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الآخرین یعنی اس میں شک نہیں یہ یقیناً بڑا کھلا امتحان تھا اور ہم نے ایک ذبح عظیم کے سبب سے اسمٰعیل کی قربانی کا فدیہ (ایک دنبہ سے) کروا دیا اور اس کو بعد کے آنیوالوں کیلئے یادگار بنا دیا۔

امتحان عظیم قبول کرنے پر ارواح انبیاء و ملائکہ کا امام حسین علیہ السّلام کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا

مکاشفہ یوحنا کے پانچویں باب میں درج ہے کہ پھر میں نے ایک زور آور فرشتے کو بلند آواز سے یہ منادی کرتے دیکھا کہ کون اس کتاب کے کھولنے اور اسکی مہریں توڑنے کے لائق ہے (کتاب سے امتحان و ابتلا مراد ہے) اور کوئی شخص آسمان زمین پر یا زمین کے نیچے اس کتاب کو کھولنے یا اس پر نظر کرنے کے قابل نہ نکلا اور میں نے اس تخت (عرش الٰہی) اور چاروں جانداروں (محمد مصطفےٰؐ، علی مرتضیٰؑ، فاطمہ زہراؑ وحسنؑ مجتبیٰ) اور ان بزرگوں (گروہ انبیاء و ملائکہ) کے بیچ میں گویا ذبح کیا ہوا ایک برہ (یعنی امام حسینؑ کو) کھڑا دیکھا اس نے آکر تخت پر بیٹھے ہوئے کے دہنے ہاتھ سے اس کتاب کو لے لیا۔ (یعنی اس امتحان میں مبتلا ہونے کو قبول کر لیا) جب اس نے کتاب لے لی تو وہ چاروں جاندار اور چوبیس بزرگ اس برہ کے سامنے گر پڑے اور ہر ایک کے ہاتھ میں بربط اور عود سے بھرے ہوئے سونے کے پیالے تھے۔ یہہ مقدسوں کی دعائیں ہیں اور وہ یہ نیا گیت گانے لگے کہ تو ہی اس کتاب کے لینے اور اسکی مہریں کھولنے کے لائق ہے۔ کیونکہ تو نے ذبح ہو کر اپنے خون سے ہر ایک قبیلہ اور ہر زبان اور امت اور قوم میں سے خدا کے واسطے لوگوں کو خرید لیا۔ جب میں نے نگاہ کی تو اس تخت اور ان جانداروں اور بزرگوں کے گرداگرد بہت سے فرشتوں کی آواز سنی جن کا شمار لاکھوں اور کروڑوں تھا اور وہ بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ ذبح کیا ہوا برہ (امام حسینؑ) ہی قدرت اور دولت اور حکمت اور طاقت اور عزت اور تمجید اور حمد کے لائق ہے۔ پھر میں نے آسمان اور زمین کے نیچے نظر کی اور سمندر کی سب مخلوقات کو یعنی ساری چیزوں کو جو اس میں ہیں یہ کہتے سنا کہ جو تخت پر بیٹھا ہے (یعنی خداوند عالم) اسکی اور برہ (امام حسینؑ) کی حمد اور عزت اور تمجید اور سلطنت ابدالآباد رہے اور چاروں جانداروں (یعنی محمد مصطفےٰؐ، علی مرتضیٰؑ، فاطمہ زہراؑ اور حسنؑ مجتبیٰ) نے آمین کہی اور بزرگوں (یعنی جمع ارواح ملائکہ و انبیاء علیہم السّلام) نے گر کر سجدہ کیا۔

صحیفہ یسعیاہ نبی میں امام حسین علیہ السّلام کی شہادت کا ذکر

حضرت یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں باب ۵۳ کی پہلی آیت سے آخر آیت تک بیان

عظیم کہا کا ذکر اس طرح درج ہے۔

"ہمارے پیغام پر کون اعتقاد لایا اور خداوند کا ہاتھ کس پر ظاہر ہوا۔ وہ اس کے آگے کونپل کی طرح پھوٹ نکلا
اور اسکی جڑ کی مانند جو خشک زمین سے پنپتی ہو۔
وہ آدمیوں میں حقیر کیا گیا وہ مردِ غمناک اور رنج کا آشنا ہے اسکی تحقیر کی گئی اور ہم نے اس کی کچھ قدر نہ جانی۔
یقیناً اس نے ہماری مشقتیں اٹھالیں اور ہمارے غموں کا بوجھ اپنے اوپر چڑھایا۔ پر ہم نے اس کا یہ حال سمجھا کہ وہ خدا کا
مارا کوٹا اور ستایا ہوا ہے۔ پر وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل کیا گیا اور ہماری بدکاریوں کے باعث پامال ہوا۔ ہماری
سلامتی کیلئے اس پر سیاست ہوئی تاکہ اس کے مار کھانے سے ہم چنگے ہوں۔ ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ ہم میں سے ہر ایک
اپنی راہ کو پھرا۔ پر خداوند نے ہم سبھوں کی بدکاری اسپر لاد دی۔ وہ تو نہایت ستایا گیا اور غمزدہ ہوا تو بھی اس نے اپنا منہ نہ
کھولا۔ وہ جیسے برہ جسے ذبح کرنے لیجاتے ہیں اور جیسے بھیڑ اپنے بال کترنے والوں کے آگے بے زبان ہے اسی طرح سے اپنا منہ
نہ کھولا۔ ایذا دے کے اور اس پر حکم کر کے وہ اسے لے گئے۔ پھر کون اس کے زمانہ کا حال بیان کریگا کہ وہ زندوں کی زمین سے
کاٹ ڈالا گیا اور میرے گروہ کے گناہوں کے سبب اسپر مار پڑی۔ اس کی قبر بھی شریروں کے درمیان ٹھہرائی گئی تھی پر
وہ اپنے مرنے کے بعد دولتمندوں کیساتھ ہوا کیونکہ اس نے کسی طرح کا ظلم نہ کیا اور اس کے منہ میں ہرگز چھل نہ تھا لیکن
خداوند کو پسند آیا کہ اسے کچلے۔ اس نے اسے غمگین کیا۔ جب اس کی جان گناہ کے لئے گزرانی جائے تو وہ اپنی
نسل کو دیکھے گا اور اس کی عمر دراز ہوگی اور خدا کی مرضی اس کے ہاتھ کے وسیلہ پر آویگی اپنی جان ہی کا دکھ اٹھا کر وہ اسے
دیکھیگا۔ اپنی ہی پہچان سے میرا صادق بندہ بہتوں کو راستباز ٹھہرائیگا۔ کیونکہ وہ ان کی بدکاریاں اپنے اوپر اٹھالے گا۔
اس لئے میں اسے بزرگوں کے ساتھ حصہ دوں گا۔ اس نے اپنی جان موت کے لئے انڈیل دی اور وہ گنہگاروں کے
درمیان شمار کیا گیا اور اس نے بہتوں کے گناہ اٹھائے اور گنہگاروں کی شفاعت کی"۔

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو یہ خیال ہو کہ صحیفہ یسعیاہ پیمبر کی ان آیتوں کا مصداق حضرت عیسیٰؑ بھی ہو سکتے
ہیں۔ مگر اس آیت کے مندرجات خود اس تصوّر کی مکمل تردید کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ اجزا قابلِ غور ہیں۔ ایذا دے کے
اور اسپر حکم کر کے وہ اسے لے گئے جیسے برہ جسے ذبح کرنے لیجاتے ہیں اور وہ نہایت ستایا گیا اور غمزدہ ہوا تو بھی اس نے
اپنا منہ نہ کھولا اور اس نے اپنی جان موت کے لئے انڈیل دی وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل کیا گیا اور پامال ہوا۔
اس کی قبر بھی شریروں کے درمیان ٹھہرائی گئی۔ مرنے کے بعد اس کی قدر ہوئی۔ اپنی ہی پہچان سے میرا صادق بندہ بہتوں کو
راستباز ٹھہرائے گا۔ میں اسے بزرگوں کے ساتھ حصہ دوں گا۔ اس نے بہتوں کے گناہ اٹھائے اور گنہگاروں کی شفاعت
کی۔ وہ اپنی نسل کو دیکھیگا اور اس کی عمر دراز ہوگی اور خدا کی مرضی اس کے ہاتھ کے وسیلہ پر آئے گی۔
حکم کر کے اس کے خلاف مرضی (حر کا لشکر آپ کا راستہ روک کر کربلا کی طرف چلنے پر مجبور کر کے) لیجایا جانا اور ذبح
کرنے کے لئے مثلِ گوسفندِ قربانی لیجایا جا کر گھائل اور پامال کیا جانا اور اسکی قبر شریروں کے درمیان (مقام ماریہ کربلا)

حضرت یونس بھی بلا تبلیغ کے پلٹ آئے تھے) اور پھر اپنی قربانی سے
کلمۃ الحق
میں ٹھیرائی جانا جو اشرار کا مقام تھا اور جہاں سے حضرت یونس بھی بلا تبلیغ کے پلٹ آئے تھے) اور پھر امام حسین علیہ السلام کی نسل سے نو ائمہ طاہرین بشمول حجت
امت کو تباہی کے راستہ سے بچا لینا اور اپنی نسل کی عمر دراز (امام حسین علیہ السلام کی نسل سے نو ائمہ طاہرین بشمول حجت
محمد مہدی صاحب العصر علیہ السلام پیدا ہونا تا قرب قیامت زندہ رہنا) دیکھ کر مطمئن ہونا اور شفاعت کا ذریعہ قرار
پانا ہر ہر امر حضرت امام حسین علیہ السلام پر حرف بہ حرف منطبق ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ نہ راستہ روک کر حکم کرکے کسی
طرف جانے پر مجبور کئے گئے نہ ذبح کئے گئے نہ ان کی قربانی زمان کی کوئی نسل ہے۔ وہ تو نا کتخدا تھے اور آسمان چہارم پر زندہ
اٹھائے گئے۔ بجز امام حسین علیہ السلام کے صحیفۂ یسعیاہ نبی کی یہ آیات کسی اور پر منطبق نہیں ہوتیں توریت کی متعدد آیات
امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور قیام عزا سے متعلق ہیں۔ انجیل متی کے پانچویں باب میں اٹھارویں اور بیسویں آیت میں ہے
جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلیگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔
حضرت عیسیٰ نے اپنے زمانہ آخر میں حواریین کو مطلع کیا اور صحیفہ یسعیاہ نبی پڑھا اور آپ خود روئے اور اُن کو
رُلایا۔ حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کو وصیت کی کہ خدا کے احکام اور فرمانوں اور اسکی شہادتوں پر عمل کرنے کی بابت جیسا کہ
موسیٰ کی کتاب میں لکھا ہے محافظت کرو۔

حضرت یرمیاہ نبی نے ذبح عظیم کہ مقام بتایا

صحیفہ یرمیاہ نبی کے چھیالیسویں باب کی دسویں آیت
میں ہے۔ کیونکہ خداوند رب الافواج کے لئے زمین صفین
میں نہر فرات کے کنارے ایک بڑی قربانی مقرر ہے۔ کربلا سے قریب یہ صفین کا وہی مقام ہے جہاں کوفہ و شام کے درمیان محاذ پہ
حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی اور حضرت علی علیہ السلام نے جنگ صفین پر جاتے وقت راستہ میں مقام کربلا کی نشاندہی
کی تھی اور ذکر حسینؑ فرما کر روئے تھے۔ نہر فرات کے کنارے کے الفاظ کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ذبح حسینؑ نہر فرات کے
کنارے ہی واقع ہوئی واقعہ کربلا سے ہزارہا سال قبل اس قدر وضاحت اور تعیین کے ساتھ مقام ذبح کی نشاندہی صاحبان
بصیرت کیلئے قابل غور ہے۔ ایک اور صحیفہ میں واقعہ کربلا کی پیشگوئی اس طرح آئی ہے۔
"اُتر کی زمین میں فرات کے کنارے ذبیحہ مقرر ہوا" عراق اور مقام کربلا۔ مکہ اور مدینہ کے اُتر میں ہے۔
پھر فرات کے کنارے کی بھی صراحت موجود ہے۔ مقام ذبح کا یہ تعیین بھی ویسا ہی مکمل ہے جیسے صحیفہ یرمیاہ نبی میں ہے

زبور میں امام حسین علیہ السلام کا ذکر

سورۂ احقاف کی آیت ۱۵ میں ہے حملتہ امہ کرھا
وضعتہ کرھا و حملہ و فصلہ ثلثون شھرا
اس آیت میں ایک انسان کا ذکر ہے جسے اس کی ماں نے رنج کے ساتھ پیٹ میں رکھا۔ اور رنج ہی سے جنم دیا۔
اس کے پیٹ میں رہنے اور دودھ بڑھانے کی مدت تیس مہینہ بتائی۔ امام حسین علیہ السلام اس آیت کے پورے مصداق ہیں۔
کلیہ فطرت ہے کہ مائیں بچوں کے آثار ولادت اور ولادت پر خوش ہوتی ہیں مگر جب امام حسین علیہ السلام شکم مادر میں
آئے تو جبرئیل نے حضرت رسول خدا کو خبر دی کہ فاطمہ کا فرزند ہوگا جسے آپکی امت قتل کرے گی۔ اس کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ

اس موقع پر جناب سیّدہ غمگین رہتی تھیں۔ دودھ بڑھائی کی مدت بروئے شرع دو سال ہے۔ آیت ہذا میں دودھ بڑھائی اور حمل کو ملا کر ۳۰ ماہ مدت بتائی گئی ہے۔ دودھ بڑھائی کے ۲۴ ماہ نکال دینے پر چھ مہینہ پیٹ میں رہنے کی مدت قرار پائی اور یہ امر بھی امام حسین علیہ السلام ہی سے مخصوص ہے کہ آپ شکم مادر میں چھ مہینہ ہی رہے۔

بحار الانوار مجلسی جلد۔ ایں ہے کہ امام حسین شکم خاتون جنت میں فرماتے تھے اے مادر محترم میں پیاسا قتل کیا جاؤں گا اور قتل کے بعد میرے جسم پر کپڑے بھی نہ رہیں گے۔ زبور حضرت داؤد میں اس واقعہ کی حکایت کی گئی ہے۔

"پیاس کی شدت سے میری زبان تالو سے لگ گئی۔ میرے لباس کو ان لوگوں نے آپس میں بانٹ لیا۔"

ارشادِ الٰہی ابراہیم کیلئے حسینؑ پر رونے کا ثواب اسمٰعیل کی قربانی کے برابر

مناقب الطالبین قزوینی" روضۃ الشہداء" حبیب السیر اور دیگر کتب میں درج ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ فرمانے کے بعد کہ ان ھذا لھو البلاء المبین و فدینا ہ بذبح عظیم ۃ حضرت ابراہیم کو یہ رنج ہوا کہ فرزند کی جس قربانی کیلئے وہ شدومد سے مامور کئے گئے تھے وہ باوجود آپ کے چھری چلا دینے کے بھی تکمیل نہ پا سکی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا بار الہا وہ ذبح عظیم کونسی ہے ارشاد ہوا اے ابراہیم تیرا فرزند حامل نور ختم المرسلین ہے اس لئے تیرا امتحان لیکر اسمٰعیل کو بچا لیا۔ پھر حق سبحانہٗ تعالیٰ نے خلیل اللہ کی نظروں سے رفع حجاب فرمایا۔ تاکہ آپ محمد مصطفےٰ اور آپکی آل باصفا کا رتبہ جلیلہ مشاہدہ فرمائیں۔ آپ نے یہ منزل عالی تر دیکھی تو خوش ہوگئے۔ پھر ارشاد باری ہوا اے ابراہیمؑ تم اپنی ذات کو زیادہ عزیز رکھتے ہو یا محمدؐ کو اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کو زیادہ عزیز رکھتے ہو یا محمدؐ کے فرزند حسینؑ ابن علیؑ کو ابراہیمؑ نے عرض کی میں اپنے سے زیادہ محمدؐ کو اور اسمٰعیل سے زیادہ حسینؑ ابن علیؑ کو دوست رکھتا ہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حسینؑ کی شہادت کی خبر تفصیل کے ساتھ دی۔ حضرت ابراہیمؑ پر شدت غم سے گریہ طاری ہوا اور آنسو بہنے لگے خطاب آیا اے ابراہیمؑ حسینؑ کی مصیبت کو سن کر رونا اسی ثواب کے برابر ہے جو اسمٰعیلؑ کی قربانی سے تم کو حاصل ہوتا۔

حضرت ابراہیمؑ قصہ ذبح اسمٰعیل کے وقت مقام بیر سبع موضع قاد اس میں رہتے تھے جو مابین مکہ معظمہ و کربلائے معلیٰ ایک موضع تھا جو بعد میں قادسیہ کے نام سے موسوم ہوا۔ موضع قاد اس میں حضرت ابراہیم کو ذبح فرزند کا حکم پہنچا تھا اور منجانب اللہ آپ کو زمین ماریہ (سرزمین کربلا) میں جانے کی ہدایت ہوئی تھی جہاں آپ تین دن کی مسافت طے کر کے پہنچے تھے۔ مقام کا تعین کرنے میں خداوند عالم کی یہ مصلحت تھی کہ چونکہ یہ جگہ روز ازل سے اس امانت کی ادائی کے لئے جس کے واسطے امام حسین علیہ السلام مامور کئے مقرر ہو چکی تھی اس لئے مشیت ایزدی اس کی مقتضی ہوئی کہ قصہ ذبح اسمٰعیل جو در اصل واقعہ شہادت امام حسین علیہ السلام کا ایک جز و تمثیل تھا اسی مقام پر ظہور میں آئے تاکہ ان دونوں واقعات کا متحد ہونا اہل عالم پر ثابت ہو جائے۔

حضرت موسیٰ کا رسم عزائے حسینؑ بحکم توریت جاری کرنا

خداوند عالم اپنے کلام پاک میں حضرت موسیٰ کو توریت

عطا کئے جانے کے متعلق اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (سورۂ اعراف آیت ۱۴۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کتاب توریت تختیوں پر لکھ کر ان کو عطا فرمائی تو اس میں گزشتہ اور آئندہ کی خبریں احکام شریعت پند و نصیحت کے تفصیلی احوال درج کر دیئے اور ارشاد ہوا اے موسیٰ اس کو لو اور اپنی قوم کو تعلیم دو۔ چنانچہ اس مقدس کتاب میں سانحہ کربلا کے متعلق بھی خبر اور احکام درج ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ بحکم خدا اس سانحہ عظیم سے مطلع کئے جا کر اس بات کیلئے مامور کئے گئے تھے کہ وہ قبل از وقوع شہادت اس مصیبت عظمیٰ کی ایک یادگار اظہار غم کیلئے بطور رسم کے بنی اسرائیل میں جاری کریں اور اس امر کی انہیں تاکید کریں کہ وہ سال بسال نسلاً بعد نسلاً اس کو انجام دیتے رہیں۔ چنانچہ توریت کی کتاب احبار کے تیئسویں باب کی آیت ۲۳ سے لیکر آیت ۳۲ میں یہ درج ہے :-

خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا بنی اسرائیل سے کہدے کہ ساتویں مہینہ (بنی اسرائیل کا سنہ ہلالی ماہ رجب سے شروع ہوتا تھا اس لئے محرم اس کا ساتواں مہینہ ہوا) کے پہلے دن سے تمہارے لئے ایک سبت ہوگا بطور یادگار قرناؤں کو پھونکنا (یعنی ماتمی باجے بجانا) اس وقت (جو مجمع ہوگا) وہ جماعت مقدس ہوگی۔ تم کوئی دنیاوی کاروبار نہ کرنا اور آتشی قربانی نذر کرنا۔ ساتویں مہینہ کے دسویں روز کفارہ دینے کا دن ہوگا۔ تمہاری مقدس جماعت ہوگی۔ تم اس دن اپنے آپ کو غم زدہ بناؤ اور خدا کیلئے آتشی قربانی گزرانو تم عین اس دن کوئی کام نہ کرنا۔ کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے پس تم بھی اپنے خداوند کیلئے کفارہ دو جو کوئی شخص مخصوص اس دن (یعنی روز عاشورۂ محرم) غمگین نہ ہوگا وہ قوم سے کٹ جائے گا اور جو انسان عین اس دن کوئی کام کرے گا میں اس شخص کو اس کی قوم سے فنا کر دوں گا۔ (ان دنوں میں) تم کسی طرح کا کام نہ کرنا۔ یہ (حکم) تمہارے گھروں میں تمہارے قرنوں کیلئے قانون ابدی ہوگا۔ یہ سبت تمہارے لئے تمام کاروبار ترک کرنیکا سبب ہوگا تم اس مہینہ کے نویں دن کی شام (شب عاشورا) سے دوسرے دن شام تک اپنے آپ کو غمگیں بنانا اور کوئی دنیاوی کام نہ کرنا۔

حضرت نوح کی کشتی کے ٹکڑے اور اسمائے پنجتن کا برآمد ہونا

ماہ جولائی ۱۹۵۱ء میں روسی ماہرین وادی کوہ قاف میں معدنیات کی ریسرچ کر رہے تھے۔ ایک مقام پر چند غیر معمولی قسم کی لکڑیوں کے بوسیدہ ٹکڑے اور اہم اشیاء برآمد ہوئیں۔ ان میں ایک ۱۴ انچ لمبی اور ۱۰ انچ چوڑی لکڑی کی تختی تھی جو باوجود قدیم ہونے کے تغیرات زمانہ سے محفوظ تھی اور اس پر کسی قدیم ترین زبان میں کچھ حروف کندہ تھے۔ ۱۹۵۲ء میں ماہرین نے تحقیقات کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ حضرت نوحؑ کی کشتی کے ٹکڑے تھے اور یہ تختی اسی کشتی میں لگی ہوئی تھی اور یہ مقام کوہ قاف کی چوٹی جودی تھا جہاں یہ کشتی ٹھہری تھی۔ اس پر اسرار چوبی تختی اور اس پر کندہ حروف کی تحقیقات کے لئے حکومت روس نے ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا جس کے حسب ذیل سات ارکان تھے۔

(۱) ماہر آثارِ قدیمہ پروفیسر لیمن انسٹیٹیوٹ (۲) ناظم زنکرمن ریسرچ ایسوسیشن (۳) فارنگ افسر اعلیٰ آثار قدیمہ (۴) نگران دفتر تحقیقات اسٹالن کالج (۵) پروفیسر لسانیات ماسکو یونیورسٹی (۶) ماہر السنہ قدیم لولوہان کالج چائنا (۷) پروفیسر لسانیات کیمبرج کالج۔ ان سات ماہرین نے آٹھ مہینے کی مسلسل تحقیقات کے بعد یہ اعلان کیا کہ جس لکڑی سے حضرت نوح کی کشتی تیار ہوئی تھی اسی لکڑی سے یہ تختی بھی بنائی گئی تھی۔ قدیم سامانی زبان میں جو عبارت اور حروف کندہ تھے اس کو روسی زبان میں منتقل کیا جس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر این ایف ٹامس ماہر السنہ قدیمہ منیچسٹر انگلینڈ نے کیا ہے تختی پر ایک علم یا پنجہ کی سی شکل بنی ہوئی ہے جس میں یہ حروف کندہ ہیں:۔ انعتاہ ایلاھم۔ ای قل بیلدح۔ زی ستاد۔ نورنتہ بن۔ محمدا۔ ایلیاہ۔ فاطمہ۔ شبرا۔ شبیرا۔ اس کے نیچے یہ عبارت درج ہے:۔ عقبوما بیون البقو۔ الھکاری مازورخہ۔ تلال بی یودر۔ تحش ولی حاش۔ کوتاند یشولم۔

" O my God, my Helper I keep my hand with mercy and with your holy bodies: Mohammed Alia Shabbar Shabbar Shabbir Fatema. They are all biggest and honourable. The world was established for them. Help me by their name. You can reform light."

(اردو ترجمہ) "اے میرے خدا میری مدد کر اپنے رحم و کرم سے میرا ہاتھ پکڑ اور اپنے مقدس نفوس کے طفیل محمدؐ ایلیا "شبر" "شبیر" فاطمہ" یہ نام عظیم ترین اور واجب الاحترام ہیں۔ تمام دنیا ان ہی کے لئے قائم کی گئی ہے ان کے نام کی بدولت میری مدد کر۔ تو ہی سیدھے راستہ کی رہنمائی کرنے والا ہے۔ یہ تختی روس کے مرکز آثار و تحقیقات ماسکو میں بہ حفاظت رکھی ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو۔ ماہنامہ ماسکو بابتہ نومبر ۱۹۵۳ء روزنامہ الہدیٰ قاہرہ مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۵۵ء ماہنامہ اسٹار آف بری نے میناہ ماہ جنوری ۱۹۵۴ء اخبار سنلائٹ مانچسٹر مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۵۴ء اخبار ویکلی مرر لندن مورخہ یکم فروری ۱۹۵۴ء)

لوح سلیمان مشتمل بر اسمائے پنجتن کی دستیابی

پیوستہ جنگ عظیم کے دوران میں ۱۹۱۶ء میں ایک فوجی دستہ کا گزر بیت المقدس سے چند میل دور ایک گاؤں "ادمترہ" پر سے ہوا تو وہاں ایک ٹیلہ سے عجیب روشنی نکلتی دکھائی دی وہ دستہ اس کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ ٹیلہ کی دراروں میں سے ایک حیرت ناک روشنی نکل رہی ہے فوجیوں نے اس مقام کی کھدائی کی چار گز کی کھدائی میں چاندی کی ایک مرصع لوح نظر آئی جو پون گز لمبی اور نصف گز چوڑی تھی۔ فوجیوں نے وہ تختی اپنے افسر اعلیٰ میجر اے۔ بی۔ گرنڈل کے حوالہ کی اس نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا تو لوح کا حاشیہ گراں بہا جواہرات سے مرصع تھا اور درمیان میں طلائی حروف تھے جو کسی قدیم اجنبی زبان کے معلوم ہوتے تھے۔ میجر گرنڈل نے یہ تختی کمانڈران چیف

برطانیہ جنرل ڈی او کنڈشٹون کے پاس بھیجدی جنہوں نے اس کو برطانیہ کے ماہرین آثار قدیمہ کے سپرد کر دیا۔ ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد برطانیہ، امریکہ، فرانس اور بعض دیگر ممالک کے ماہرین السنہ قدیمہ کی ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ ایک سال سے زائد تحقیقات کے بعد ۳۱ر جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کو اس تحقیقاتی بورڈ نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ وہ مقدس لوح ہے جو لوح سلیمان کہلاتی تھی اور اسپر قدیم عبرانی زبان میں جو زبور اور غزل الغزلات حضرت سلیمان میں استعمال ہوئی تھی حسب ذیل الفاظ منقوش ہیں "اللہ احمد ایل یا قول حاسن حاسین یا ایلی الصطاۃ (یا علی مدد کن) یا احمد مقدز (یا احمد پہنچو) یا باحتول اکاشی (یا بتول نگاہ رکھو) یا حاسن اضومظع (یا حسن کرم فرماؤ) یا حاسین باد نور (یا حسین خوشی بخشو) ایلی ایلی (یا علی یا علی یا علی) اضو سلیمان صوہ عجب فرالہلادافتا۔ (یہ سلیمان انہیں پانچوں سے فریاد کر رہا ہے) بلذت اللہ کمہ ایلی (اللہ کی قوت علی ہے)"

بورڈ نے رائے دی کہ اس مقدس تختی کو برٹش میوزیم میں رکھدیا جائے مگر انگلستان کے بڑے پادریوں کو یہ خیال ہوا کہ اس کو دیکھ کر عیسائی مذہب اسلام کی طرف مائل ہونے لگیں گے۔ لہذا انھوں نے اپنے بڑے چرچ میں اس کو محفوظ کر لیا۔ (ملاحظہ ہو دی ٹروتھ آف اسلام مصنفہ کرنل بی۔ سی۔ ایلے لنڈن صفحہ ۹۴۲ و رسالہ تحقیقات عربیہ مولفہ ابوحسن شیرازی صفحہ ۲۱ و ۲۲) اس لوح مقدس کے سلسلہ میں اخبار مسلم کرانیکل لندن مورخہ ۳ دسمبر سنہ ۱۹۳۶ء و ماہنامہ اسلام دہلی ماہ فروری سنہ ۱۹۳۷ء میں یہ خبر شائع ہوئی کہ انگلستان کے دو عیسائیوں مسٹر ٹامس اور مسٹر ولیم نے مولانا حسن مجتبیٰ صاحب طبرانی مجتہد کے ہاتھ پر جو نیوکیسل گئے ہوئے تھے اسلام قبول کیا۔ مسٹر ٹامس کا نام نعیم حسین ہوا اور مسٹر ولیم کا نام کرم حسین رکھا گیا۔ یہ دونوں صاحبین حج بیت اللہ اور زیارت کربلا معلیٰ سے بھی مشرف ہوئے۔

بھگوت گیتا اور مجوسیوں کی کتاب کے بعض مندرجات

ذیل میں ہم چند ان امور کا بھی ذکر کر دیتے ہیں جو اگرچہ عام طور پر محقق نہیں ہوئے ہیں مگر ان کی تکذیب کیلئے بھی کوئی مواد موجود نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں قابل غور امر یہ ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گذرے اور دنیا کے ہر حصہ میں مبعوث ہوئے مگر ان میں سے تھوڑے سو اٹھ سو سے زیادہ پیغمبروں کے نام بھی بیان نہیں کئے جاتے۔ آخر وہ باقی ایک لاکھ تیئس ہزار نو سو کے قریب پیغمبر تھے ضرور۔ جب دنیا کے ہر حصہ میں آئے تو کوئی وجہ نہیں کہ سرزمین ہند میں نہ آئے ہوں اور جب بعض ایسی ہستیاں نظر آتی ہوں جو قول و فعل کے اعتبار سے برگزیدہ رہی ہوں تو کیا تعجب کہ وہ اپنے زمانہ کے پیغمبر ہوں۔ انہیں سے بعضوں نے ایسی کتابیں بھی پیش کی ہیں جن میں وحدانیت کی تلقین اور نیکی کا پرچار ہے اور مختلف پیشگوئیاں بھی ان میں درج ہیں بھگوت گیتا اسی قسم کی ایک کتاب ہے۔ متذکرہ صدر اصولوں کی روشنی میں بعض مسلمان بھی سری کرشن جی، راجمندر جی اور گوتم بدھ کو اپنے اپنے زمانہ کے پیغمبر تسلیم کرتے ہیں حضرت والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ خیال یہی کہتا ہے کہ سری کرشن جی، رامچندر جی اور مہاتما بدھ اپنے اپنے زمانہ کے پیغمبر ہوں۔ سری کرشن جی کے متعلق والد صاحب کا ایک قطعہ ہے۔

دنیا ہی میں مل جاتی ہے ظالم کو سزا * فرعون جہاں ہو وہیں آئیں موسیٰ
جب کنس نے لوگوں کا کیا ناک میں دم * متھرا میں ہوئے کرشن کنہیا پیدا

میرے خسر مولوی میر مصطفیٰ علی خاں صاحب کا خیال تھا کہ متذکرہ صدر تین بزرگ اپنے اپنے زمانہ کے پیغمبر ہی تھے۔ بہرحال گو علمی طور پر اس کی تحقیق پوری طرح نہ ہوئی ہو مگر قرائن اسی کی تائید میں ہیں کہ متذکرہ صدر ہستیاں پیغمبر ہی ہوں۔ ایک مرتبہ تحقیق مکمل ہو جائے کہ یہ پیغمبر تھے اور ان کی کتابیں آسمانی تھیں تو حسبِ ارشاد خداوندی (کل آمن باللہ وکتبہٖ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ (سب مومنین خدا اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں) ہم خدا کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے) ان پیغمبروں اور ان کی کتابوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

اسی طرح ایران میں زوزطشت نامی ایک بزرگ زمانہ قدیم میں گزرے ہیں انھوں نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا ان کی کتاب کا نام ژندتھا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بھی پیغمبر تھے۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مجوس دراصل اہلِ کتاب تھے۔ ان کے پاس کتاب تھی اور علم تھا۔ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے کتاب ان سے اٹھالی گئی اور علم ان کے سینوں سے نکال لیا گیا (بیہقی جلد ۹ صفحہ ۱۸۹) بہرحال مجوسیوں کے پاس بھی کسی زمانہ میں آسمانی کتاب ضرور تھی۔

ہم ذیل میں بھگوت گیتا اور اہلِ فارس کی کتاب "جاماسپی" کی مندرجہ در پیشنگوئیوں کو نوٹ کر دیتے ہیں۔ صاحبانِ تحقیق اسکی چھان بین فرماسکتے ہیں۔

بھگوت گیتا اور کلنکی پران میں اس طرح درج ہے:- "جگت گروؐ (سرورِ عالم) کے باپ کا نام وشنو بھگت (عبداللہ) اور ماں کا نام سومتی (آمنہ) رہیگا اور پیدائش کی تاریخ ۱۲ بیساکھ پیر کا دن دو گھڑی دن چڑھنے پر جگت گرو پیدا ہوں گے اور باپ کا پہلے انتقال ہوگا۔ ماں کا بعد جگت گرو شامل دیپ کی رانی (خدیجہ) سے شادی کریں گے۔ اس شادی میں چچا (ابوطالب) اور تین بھائی (جعفر۔ عقیل اور علیؑ) شریک رہیں گے۔ ایک غار (غارِ حرا) میں پرسرام (جبرئیل) سے تعلیم پائیں گے اور جب بستی میں آکر تبلیغ کریں گے لوگ تکلیف دیں گے۔ تکلیفوں کی وجہ سے شمالی پہاڑوں میں ہجرت کریں گے۔ وہاں سے تلوار لیکر اسی بستی کو آئیں گے۔ ملک فتح ہو جائے گا۔ جگت گرو (سرورِ عالم) کا ایک گھوڑا (براق) ہوگا جو برق سے زیادہ تیز چلیگا۔ اس پر سوار ہو کر آپ زمین کی اور ساتوں آسمانوں کی سیر کریں گے۔

مولانا صدیق دیندار چن بشویشور اپنی کتاب "سرورِ عالم جگت گروؐ" کے صفحہ ۲۹ و ۳۰ پر لکھتے ہیں "گنان شاستر یعنی فلسفہ ہنود میں حضرت علیؑ کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے اور اسی وجود کو علم کا دروازہ کہتے ہیں اور ہنود اب تک حضرت علیؑ کی پوجا کرتے ہیں۔ جس طرح حدیثوں میں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم کا دروازہ ہیں۔ اب تک ہندو اپنے بچوں کو بسم اللہ خوانی کرواتے ہیں تو پہلے یہ صورت گنپتی کی سامنے رکھتے ہیں اور ہر درس پر کے مکتوبہ پر گنپتی کی صورت موجود رہتی ہے اور درحقیقت لفظ علیؑ ہے۔ ورنہ کوئی انسان ہاتھی کی شکل والا نہ ہو سکتا ہے نہ ہوا ہے اور گنان شاستر میں صاف لکھا ہے کہ ایشور یعنی رب العلمین جس کے مظہر رحمۃ للعالمین ہیں ان کا بیٹا گنپتی ہے۔ واقعی حضرت علی رحمۃ للعالمین کے داماد اور روحانی فرزند بھی ہیں اور جس طرح عربی میں حضرت علیؑ کو ابوتراب اسی طرح فلسفۂ ہنود میں آپ کو مٹی کا

یہ گنان شاستر والی پیشین گوئی پانچ ہزار سال کے
کلمۃ الحق اور لکھے الفاظ سدیوجاتی، سیدذات کہا گیا ہے۔
باپ کہا گیا ہے اور ہندوستان میں مورتی کنڈن والی جماعت کھڑی ہو گئی اور یہ گیتی کے پوجے بندہو گئے
پیشتر سے چلی آرہی ہے۔ جب ہندوستان میں موحد فرقوں نے اسی لفظ کو جو در حقیقت
یدائی حیات ولی اللہ کی پیشین گوئی بصورت ادم (۵) سامنے آئی۔ ہر معاملہ میں ان
علی ہے سامنے رکھا جس طرح بصورت بت یہ سب سے اول پوجنے کے قابل سمجھا جاتا تھا اس طرح یہ بصورت حرف سب سے
اول رکھا گیا۔ یہ راز اب کم از کم تمام ہندوستان میں ظاہر ہونا چاہتا ہے۔ عنقریب انشاء اللہ ہندوستان میں ہر گھر اور ہر جگہ
میں نبی اور آپ کی آل پر درود پڑھا جائے گا۔

اہل فارس کی کتاب جاماسپی مصنفہ جاماسپ بعہد گشتاسپ ۸۵ء میں کتاب آسمانی کے حوالہ سے
اس طرح پیشنگوئی درج ہے۔ "عرب کے گلشت ارض (دشت) سے ایک مرد ظاہر ہوگا۔ خوب رو اور خوب گفتار۔
میانہ قد۔ گندم رنگ۔ دعوت اسلام کرے اور اس کی بران تیغ ہوگی دعوت اسی کی ہفت کشور میں پہنچیگی کیونکہ اسکا
طالع زہرہ ہے اس کی اولاد کورنہ ہو بلکہ اناث ہو اور اس مرد کی بیریاں زیادہ ہونگی اور ہر روز اس کا دین قوی تر ہوا اور
جو وہ بادشاہوں کی شاہی مقہور اور ٹوپی کی جگہ عمامہ سر پر رکھیں اور ہر اسم کہ وہ لادیں ان کے کہنے میں سخت دراز ہوں اور
فارسیوں کے آتش خانہ کو برباد کریں اور شاہی اور ہمارے رسوم کو اٹھادیں سرخ نشان (موسوی) اور دراز گوش
(نصار نی) وہ نہ کریں جو وہ کریں یعنی برابری ان کی نہ کریں اور نام ان کا مہرآزما ہو۔ اس کے آنے کا نشان یہہ ہے کہ
عورتوں اور لڑکوں کے ہاتھ میں شاہی ہو اور وہ سادہ خشک ہو جائے اور چاہیے کہ اس کا دین قبول کریں اگرچہ ہم کو ناپسند ہو
اور پیچھے اس پیغمبر کے اس کے فرمانروا اس کے فرمان سے سر اٹھادیں۔ اس کی اولاد پر اس کے پیرؤں کے آدمی
غلبہ کریں اور اس کے داماد کے دو بیٹے ہوں اور ایک کو زہر سے ماریں۔ دوسرے کو بہتر تن کے ساتھ نینوا میں قتل کریں۔

سری کرشن جی کی دعا اہلی کے واسطہ سے

رسالہ کرشن بھتی مولف پنڈت رام دھن صفحہ ۶۲ شائع کردہ شاگری پستکالیہ دہلی مطبوعہ سنہ ۱۹۳۱ء میں سری کرشن جی مہاراج کی یہ دعا درج ہے "اے پرمیشور سنسار
پرم آتما مجھے اپنی ذات کی قسم جو آکاش اور دھرتی کا جنم کا دن ہے اور اسکی قسم جو تیرا
پیارا سکا پیارا تیرے پرتم کا پرتم ہے۔ اس کا واسطہ جو اہلی (علیؑ) ہے جو سنسار کے سب سے بڑے مندر میں کالے پتھر کے نزدیک
اپنا چمتکار دکھائے گا۔ تو سری ابھی بس جھوٹے راکشوں کو نشٹ کر اور سبھوں کو فتح دے۔ ایلا۔ ایلا۔ ایلا۔

مہاتما بدھ نے ایلیا کی خبر دی

مسٹر پی کے بھٹنا گر ایم۔ اے۔ آئی۔ آئی۔ ایس اپنی کتاب بودھیا چمتکار مطبوعہ انکار پستکالیہ کانپور سنہ ۱۹۲۷ء میں مہاتما بدھ کے اس بیان کو درج
کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے دریا متری سے کیا تھا "تم جانتے ہو میں ایشور بھگتی کی بڑی اچھا رکھتا ہوں اور بھگوان کے
چمتکار دیکھنے کیلئے جنگلوں اور بنوں میں چلا جاتا ہوں اور آج کچھ نہ پوچھو کیسی پرم آتما (بڑی روح) نے مجھے اپنا درشن دیا
کہ تمہاری تپسیا پھل ہوگئی۔ جاؤ میرے نام کی مالا جپو جو چاہو گے مل جائے گا۔ میرا نام "ایلیا" (علیؑ) ہے۔ مجھ سے ملنا ہو تو آ

مکان بیتر استھان (مقدس مقام) میں ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس ہے۔ وہاں میں تمہیں ایک بالک کے روپ میں ملوں گا۔
گروہ سے ابھی بہت دور ہے۔ منتری جی یہ کہکر اس نے ایک چمکتی ہوئی تلوار نکالی اور گرجدار آواز میں کہا دیکھ میں خود
ہوں۔ مجھے پرمیشور نے سنگھ بنا کر بھیجا ہے۔ جانسثار کر پاپوں اور اپرادھوں سے روک۔ من کی ارنگ ہٹا پر دے کر تمہارے گھر
میرے مہاراج آنے والے ہیں۔ ان کا کہنا مان اور میرے مہاراج کے مہاراج کا بھی کہنا مان۔ دیکھ میں تجھے اپنا گر دچیلا بناکر اس ملک کے
سوا ہنا کیلئے بھیجتا ہوں دھوکہ نہ کھانا۔ کبھی کسٹ کٹھن آجائے تو میرا نام جپنا میں پہنچ جاؤنگا۔"

مہاتما بُدھ کی دُعا ایلیا کے واسطے سے

مسٹر بھٹناگر اپنی کتاب متذکرہ صدر میں مہاتما بدھ کی یہ دعا بھی درج کرتے ہیں:۔
"اے اپنے پیاروں کے پیارے۔ اے ایلیا۔ سب پر غالب آنے والے آ اور اپنا جلوہ دکھا
دستگیری کر۔ اے پرماتما کے شیر دنیا کی لومڑیاں مجھے کھا جانا چاہتی ہیں۔ مجھے اس کی قسم جس کا
تو دست و بازو ہے تجھے اس کی قسم جس کی شکستی تیرے اندر ہے میری مشکلکشائی کر تیرا وعدہ ہے کہ مصیبت میں تیری
مدد کو پہنچوں گا۔ اب امداد کا وقت ہے۔ آ جلدی آ ورنہ میں برباد ہو جاؤنگا۔ تیرا نام وہ ہے جو پرم آتما کا ہے۔ آ کہ تیرا دیکھنا
ہزاروں پراتھنوں کے برابر ہے۔ تو بھگوان جی کا چہرہ ہے۔ میرے پیارے تو سب کچھ ہے اور میں تیرے بغیر کچھ نہیں تو سب کچھ
دیکھ رہا ہے سب حال تیرے سامنے ہے۔ میری تکلیفوں کا تجھ کو علم ہے تو ہی ان کو دور کر سکتا ہے۔ ام الیا۔ ام الیا۔ ام الیا۔"

مہاتما بدھ کی وصیّت میں حضرت محمد مصطفےٰ اور علی مرتضیٰ کا ذکر

بدھیا پرکاش مؤلفہ دودھ شاستری لالہ ہرگو بندھلو جیے
مطبوعہ سرسوتی پریس بمبئی میں مہاتما بدھ کی یہ وصیت درج ہے۔
"آنند خوب یاد رکھ دنیا میں میں ہی بدھ بنکر نہیں آیا ہوں
اور نہ میں اس سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں۔ جب وقت آئیگا تو ایک دوسرا بدھ مبعوث ہوگا جو خدا کا نور ہوگا۔
بہت ہی مقدس اور مطہر۔ اسکو حکمت کا وافر حصّہ دیا جائیگا۔ وہ اقبال مند ہوگا۔ اسرار کائنات کا عالم نسل انسانی کا
بے نظیر ہادی و مصلح جن و انس کا معلم۔ وہ انھیں ازلی صداقتوں کو تم پر ظاہر کردے گا جو میں نے تم کو سکھائی ہیں۔ اس کی
تعلیم زندگی کی روح اسکی تربیت کامل اور اکمل صاف پاکیزہ اور بے عیب ہوگی اور وہ مٹی تریا کے پاک نام سے
معروف ہوگا" آنند نے مٹی تریا کی وضاحت پوچھی تو مہاتما بدھ نے کہا "اے آنند تیریا وہ ہے جو تمام رشیوں اور مرتیوں
اور تمام مبعوث ہونے والوں کا سلسلہ ختم کر دے گا اس کے سر پر ایک پنج پہلو تاج ہوگا۔ جو سورج اور چاند کی طرح
چمکتا ہوگا اس کے بڑے ہیرے کا نام ایلیا ہے۔ یاد رکھ یہ تمام پاک جسم ابتداء سے پیدا ہو چکے ہیں مگر ان کے ظاہر ہونے میں
ابھی دیر ہے۔ ظالم لوگ اسکی مورتیوں کو سخت نقصان پہنچائیں گے اور ان کو برباد کرتے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔
مگر مالک اس کے نام اس کے کام اور اس کی نسل کو دنیا کے خاتمہ ہونے تک باقی رکھے گا۔ آنند میری طرح کروڑوں لوگ
اس کے انتظار میں تھک جائیں گے۔

رامچندر جی کی پیشنگوئی حضرت محمد مصطفےٰ اور علی مرتضیٰ کے متعلق

"اجودھیا کا بن باسی" مصنفہ شنکر داس

مطبوعہ آگرہ ۱۹۲۳ء میں راجندر جی مہاراج کی یہ پیشنگوئی درج ہے۔ ”وہ راجوں کا راجہ دار اپنی روشنی کے ساتھ ظاہر ہوگا جس کے ساتھ بڑا گروہ ہوگا۔ وہ پانچ کنگروں والا تاج پہنے ہوگا اس کے سب سے بڑے کنگرے کا نام اعالیہ (ایلیا) ہوگا۔

مہادیوجی کی پیشنگوئی حضرت محمد مصطفٰے اور حضرت مہدی صاحب العصر کے متعلق

ہندو مذہب کی کتاب اتر کھنڈہ میں مہادیو جی کے اقوال جمع ہیں جو انھوں نے اپنی بیوی پاروتی سے فرمائے تھے ”اے پاروتی مہامت (محمد) کے مرنے کے بعد چند سال گزریں گے کہ مہامت کے دونوں فرزندوں کو شریر لوگ مار ڈالیں گے اور ساری زمین ان کے مار ڈالنے سے بے سر ہو جائیگی۔ ان کے مارنے والے بدبیح اور ملیچھ ہوں گے اور ان کے دل میں مہامت کی محبت نہ رہیگی۔ وہ لوگ نرگ سے نجات نہ پائیں گے اور لوگ بھی ان کی ہمراہی قبول کریں گے اور مہامت کے فرزندوں کے خلاف بہت سے کام ضد سے کریں گے۔ تھوڑے لوگ مہامت کے فرزندوں کی راہ پر رہیں گے۔ لیکن اکثر لوگ انہیں قتل کرنے والوں کی موافقت کریں گے اور ظاہر میں مہامت کے دوست کہلائیں گے اور کلجگ کے زمانہ کے اخیر میں وہ ظاہر داری والے لوگ بہت ہوں گے اور ساری دُنیا میں فساد برپا کریں گے اے پاروتی وہ بڑا قادر ایک مرد کامل کو مہامت کے دین کی مدد کے واسطے بھیجیگا۔ وہ مرد کامل ساری دنیا کو اپنی حکومت میں لے لیگا۔ ظاہر داری والے لوگوں کو قتل کرے گا اور جو چال چلن مہامت اور ان کے فرزندوں کا تھا وہی رواج پائے گا۔ پورب سے پچھم تک کوئی مہامت کے فرزندوں کے خلاف راہ نہ چلیگا ساری خلقت مہامت کے دین پر آجائے گی اور کلجگ کے زمانہ کے اخیر میں ان کے دین کا پورا رواج ہوگا۔“

بشارت احمدی صفحہ ۸۵ بحر المراۃ المخلوقات ترجمہ اتر کھنڈ اور پوتھی راماسنگھ رام کے بارھویں اسکندھ چھٹی کانداری میں بیاس جی لکھتے ہیں اور گسائیں جی یعنی تلسی داس نے ان کا ترجمہ بھاشا میں کیا ہے۔

تب ہوئے لیک لیک اوتارا   مہدی کہیں مشکل سنسارا
پر سندرم نماں نہیں ہوئی   تلسی بچن ست ست کوئی

ترجمہ۔ تب ایک اوتار مرد کامل آئیگا۔ جس کو سب (امام) مہدی کہیں گے۔ اس وقت کے بعد ولایت یعنی اوتار نہیں ہوگی تلسی سچ سچ کہتے ہیں۔

بارناباس کی انجیل میں محمد (صلعم) کے نام کی صراحت

حضرت BARNABAS بارناباس عیسیٰؑ کے بارہ حواریوں میں سے ایک تھے جن کے نام یہ ہیں:- اینڈریو۔ انکے بھائی پیٹر۔ بارناباس میتھیو جان ان کے بھائی جمیس۔ تھاڈیس۔ جوڈاس۔ بارتھولمیو۔ فلپس۔ جیمس۔ جوڈاس اسکاریٹ غدار (جو خیرات جمع کرنے پر مقرر تھا اور ہر چیز میں سے دسواں حصہ چرا لیا کرتا تھا)۔ بارناباس کا اصل نام جوسس تھا اور سیپرس کے رہنے والے موحد یہودی تھے۔ ان کے لئے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اگر بارناباس آئے تو اس کا استقبال کرنا۔ چنانچہ جب یہ آئے تو حضرت عیسیٰ کے بہت

قریب ہوگئے اور ان کے کاتب وحی قرار پائے۔ انھیں کا لکھا ہوا نسخہ بارناباس کی انجیل کہلاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے مشن میں ان کے انہماک اور تندہی کی وجہ سے دوسرے حواریوں نے ان کا لقب بارناباس قرار دیا تھا جس کے معنی "اطمینان یا عقیدت کا بیٹا" کے ہیں۔ یہ مقناطیسی شخصیت کے مالک اور کامیاب مبلغ تھے اور وحدانیت کا پرچار کرتے تھے۔ ایک شخص پال نے عیسائی ہونے کے بعد مذہب میں بڑا فتور پیدا کیا اور تثلیث کا نظریہ رومن دیومالا اور افلاطون و ارسطو کی فلاسفی کے عناصر کو عیسائیت میں داخل کر دیا۔ بارناباس کا ان سے اختلاف ہو گیا اور دونوں کے الگ الگ پیرو ہو گئے۔ پال کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور اسی وجہ سے تحریف شدہ عیسائیت فروغ پانے لگی۔ ۳۲۵ء تک اسکندریہ کے چرچ میں بارناباس کی انجیل ہی مستند سمجھی جاتی تھی۔ مگر ۳۲۵ء میں نیسیا میں "نیسین کونسل" کے نام سے ہر قسم کے خیالات رکھنے والے عیسائیوں کی ایک کانفرنس منعقدہ ہوئی جس نے وحدانیت کی بجائے تثلیث (یعنی خدا۔ خدا کے بیٹے مسیح اور روح القدس) ان تینوں کی اجتماعی خدائی کے نظریہ کو قبول کر لیا اور اور یہی حکومت کا مذہب قرار پایا اور حکم جاری کیا گیا کہ عبرانی زبان میں جتنے بھی انجیل کے نسخے ہوں جلا دئے جائیں اور جس شخص کے پاس عبرانی نسخہ ہو اسکو قتل کر دیا جائے۔ اسطرح انجیل کے دو سو ستر (۲۷۰) قدیم نسخے سپرد آتش کئے گئے۔ ۳۸۳ء میں پاپائے روم کو بارناباس کی انجیل کا ایک نسخہ کہیں سے مل گیا مگر اس نے اس کی اشاعت کی بجائے اپنی خانگی لائبریری میں محفوظ کر لیا۔ ۴۷۸ء میں بارناباس کی نعش کا پتہ چلا اور نعش کے سینہ پر انھیں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی انجیل پائی گئی۔ ۱۵۸۵ء میں پوپ سکسٹس کے کتب خانہ میں بارناباس کی انجیل پائی گئی جسکے پاس سے اس کے دوست فرامیرینو نے حاصل کر لی جو مختلف ہاتھوں میں سے گزرتے ہوئے ایمسٹرڈم کے ایک مشہور صاحبِ علم کے پاس پہنچی ان کے انتقال کے بعد پرشیا کے بادشاہ کے کونسلر جے۔ ای۔ کریمر کو ملی۔ ۱۷۱۳ء میں کریمر نے سیوائے کے پرنس ایوجینی کو پریزنٹ کر دی جو کتابوں کے شائق تھے۔ ۱۷۳۸ء میں پرنس کے انتقال کے بعد اس کی پوری لائبریری کے ساتھ ویانا کی بائبل سوسائٹی ہاف بیبلیوتھک میں پہنچ گئی۔ ایک عرصہ بعد ۱۹۰۷ء میں مسٹر و مسز ریگ (لانس ڈیل اور لارا ریگ) نے حاصل کر کے اسکا لاطینی سے انگریزی میں ترجمہ کر کے آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس میں طبع کروایا۔ مگر پراسرار طور پر اس کے تمام نسخے غائب ہو گئے اور کسی طرح صرف دو کاپیاں بچ گئیں جن میں سے ایک برٹش میوزیم میں پوشیدہ طور پر محفوظ کر دی گئی اور ایک واشنگٹن (امریکہ) کی کانگریس کے کتب خانہ میں پہنچ گئی۔ واشنگٹن کے بارناباس کے اس انگریزی نسخہ کی مائکروفلم کاپی کسی نہ کسی طرح تیار کر لی گئی اور اس طرح یہ منظر عام پر آ گئی۔ مگر ہر جگہ یہ حکم نافذ ہے کہ جہاں ملیں یہ نسخے تلف کر دیئے جائیں۔ چند سال قبل علامہ شیخ طنطاوی جوہری پروفیسر جامعہ فوادیہ مصر نے اس انجیل کے اقتباسات اپنی تفسیر جواہر حصہ اول میں شائع کئے۔ حال میں پاکستان سے پورا انگریزی متن اور اردو ترجمہ بھی شائع کیا جا چکا ہے۔ انگریزی متن کا ایک نسخہ مجھ تک بھی پہنچ گیا اور اسی میں کی کچھ عبارتوں کا جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہیں اقتباسی ترجمہ میں ذیل میں پیش کروں گا۔

بارناباس کی یہ انجیل دوسری انجیلوں سے کئی باتوں میں مختلف ہے - اس میں تثلیث کی پوری طرح تردید ہے اور حضرت عیسیٰ کا بہ تکرار اپنے کو اللہ کا بندہ کہنا مذکور ہے اور خدا یا خدا کا بیٹا کہنے کو شدت سے منع کیا گیا ہے۔ نیز حضرت عیسیٰؑ کا صلیب پر چڑھایا جانا نہیں بلکہ غدار حواری یہودا (جوڈاس اسکاریٹ) کا صلیب پر چڑھا دیا جانا مذکور ہے گو کہ انجیل کے دوسرے نسخوں میں بھی باوجود تحریف کے حضرت رسول خدا کا ذکر کسی نہ کسی پیرایہ میں موجود ہے مگر بارناباس کے نسخہ میں احمد و محمد صلعم کے نام کی صراحت کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی متعدد بشارتیں موجود ہیں کہ یہ میرے بعد آنے والے ہیں اور آنجناب کے اوصاف اور علامتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہی وجہ ہے کہ پوری عیسائی قوم اس نسخہ کی تباہی کی درپے ہے ورنہ ان کے پاؤں تلے سے زمین ہی نکلی جاتی ہے اور عیسائیت کی تردید ہو کر دین اسلام کے حق ہونیکا ثبوت اس کی متعدد عبارتوں سے قرار واقعی طور پر مہیا ہوتا ہے۔ بہرحال عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود سب سے پہلے تو ہمکو اسلام کے تہتر فرقوں کے اختلافات سے ہی نبٹنا ہے اور بقول کسے ع :- تجھکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

اب ہم بارناباس کی انجیل سے کچھ عبارتوں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں :- باب ۷۲ میں ہے یسوع (مسیح) نے بارناباس اور اینڈریو سے کہا تم اپنے دل کو پریشان نہ کرو کیونکہ میں نے تمکو پیدا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی تمہاری حفاظت کریگا۔ میں صرف اس لئے آیا ہوں کہ اللہ کے اُس رسول کیلئے راستہ صاف کروں جو میرے بعد عالم کو رہائی دلانے آنے والا ہے (جہاں بھی وہ چلے) اس کے سر پر سفید بادل سایہ کئے رہیں گے۔ اچھے بندے اسکو پہچان لینگے۔ وہ مشرکوں کے خلاف بڑی قوت سے آئینگے۔ اور بت پرستی کو تباہ کر دینگے۔ وہ اللہ کی بڑھائی کرینگے اور میری سچائی کو ظاہر کرینگے اور اُن لوگوں سے انتقام لینگے جو یہ کہتے ہیں کہ میں انسانوں سے برتر ہوں۔ وہ بچپن ہی سے ہوشیار ہونگے اور جب بڑے ہوں گے دنیا والے ان کو چھوڑنے سے ڈرینگے کیونکہ وہ بت پرستوں کو سزا دینگے۔ وہ تمام پیغمبروں سے زیادہ روشن حق کے ساتھ آئینگے۔

باب بیاسی میں ہے :- مسیح نے ایک عورت کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم مجھے سچا سمجھو ایک وقت آئیگا جب اللہ اپنی رحمت دوسرے شہر میں دیگا پھر ہر جگہ خدا کو سجدہ کرنا ممکن ہو جائیگا۔ عورت نے کہا ہم مسیحا کا انتظار کر رہے ہیں۔ بتلیئے وہ کب آئینگے۔ عیسیٰ نے کہا۔ مسیحا ضرور آئینگے۔ اُن پر ایمان لانے سے اللہ کے نیک بندے مغفرت پائینگے۔ میں تو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں لیکن مسیحا میرے بعد آئینگے جو تمام عالم کیلئے خدا کی طرف سے مبعوث کئے جائینگے۔ انھیں کی وجہ سے دنیا پیدا کی گئی ہے۔ اُس وقت تمام دنیا میں خدا کی عبادت ہو گی اور سب کو رحمت نصیب ہو گی۔

باب چھیانوے میں ہے :- مسیح نے کہا میں مریم کا بیٹا داؤد کی نسل سے فنا ہونے والا ایک انسان ہوں اور اللہ سے ڈرتا ہوں - ایک یہودی عالم نے کہا موسیٰ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ ہمارے پاس مسیحا کو بھیجیگا۔ تاکہ وہ ہم کو ان باتوں کی خبر دے جو اللہ چاہتا ہے اور وہ تمام عالم کیلئے رحمت لائیگا۔ اس لئے آپ ہمکو حق بات بتائیے اور

کہنے کہ کیا آپ ہی وہ مسیحا ہیں جنکا ہم انتظار کر رہے ہیں۔ مسیح نے کہا یہ سچ ہے کہ اللہ نے ایسا وعدہ کیا تھا لیکن وہ میں نہیں ہوں کیونکہ وہ میرے قبل پیدا ہوئے اور میرے بعد آئینگے قسم ہے خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ مسیحا میں نہیں ہوں جسکا انتظار زمین کے تمام قبائل کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے باپ ابراہیم سے اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ زمین کے تمام قبائل کو تیری نسل سے برکت دونگا۔ جب اللہ مجھکو اس دنیا سے اٹھائیگا تو شیطان دوبارہ اس فتنہ ملعونہ کو پھیلائیگا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اس وجہ سے میرا کلام اور میری تعلیم نجس ہو جائیگی۔ پھر اللہ دنیا والوں پر رحم کریگا اور اس رسول کو بھیجے گا۔ جس کی خاطر تمام کائنات خلق کی گئی ہے اور وہ جنوب کی جانب سے قوت کے ساتھ آئیگا اور شیطان کو اس کے غلبہ سے دور کردیگا اور بتوں اور بت پرستوں کو تباہ کردیگا۔ اس پر ایمان لانے والوں کیلئے اللہ کی رحمت اپنے ساتھ لائے گا اور مبارک ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان لائیں۔

باب ستانوے میں ہے :۔ مسیح نے کہا مسیحا کا نام قابل توصیف ہے کیونکہ خود اللہ نے اس کا نام رکھا ہے جب روح کو پیدا کر کے ایک نورانی حجاب میں رکھا اللہ تعالیٰ نے کہا :۔ اے محمد انتظار کرو۔ کیونکہ تمہاری وجہ سے میں جنت دنیا اور ہر قسم کی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہوں اور یہ سب تمکو تحفہ میں دینا چاہتا ہوں۔ پس جو شخص تم پر صلوٰۃ بھیجے اسکو برکت حاصل ہوگی اور جو تم کو برا کہے اس پر لعنت ہوگی۔ میں تمکو دنیا میں میری طرف سے نجات دہندہ رسول بناکر بھیجونگا اور تمہارا کلمہ سچا ہوگا۔ اور اگر زمین اور آسمان بھی گر جائیں تو تمہارا دین قائم رہیگا۔ تمہارا مبارک نام محمد ہے یہ سنکر مجمع نے اپنی آواز بلند کی اور کہنے لگے یا اللہ اپنے پیغمبر کو بھیج۔ اے محمد دنیا کو نجات دینے جلد تشریف لائیے۔

باب ایک سو اکیانوے (۱۹۱) میں ہے :۔ کاتب (بارنا باس) نے کہا میں نے ایک قدیم مکتوب موسیٰ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے جو موسیٰ کی حقیقی کتاب ہے۔ اسمیں لکھا ہے اسمٰعیل مسیحا کا باپ ہے۔ موسیٰ نے کہا اے اسرائیل کے رحیم و قدیر خدا اپنے اس غلام کو شان کبریائی کی عظمت دکھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اسمٰعیل کے دونوں ہاتھوں پر دکھایا اور اسمٰعیل ابراہیم کے ہاتھوں پر تھے اسحاق اسمٰعیل کے قریب تھے۔ جنکے ہاتھوں پر ایک بچہ تھا ابراہیم نے اللہ کے رسول کی طرف انگشت سے اشارہ کیا کہ یہی وہ ہے جس کے لئے اللہ نے تمام چیزیں خلق کی ہیں۔ موسیٰ خوشی سے پکار اٹھے اے اسمٰعیل تو اپنے ہاتھوں پر سارا عالم اور جنت لئے ہوئے ہے۔ مجھے خدا کے بندہ کو بھی یاد رکھنا تاکہ میں تیرے بیٹے کی وجہ سے اللہ کی نظر میں نعمت کا مستحق ہو جاؤں۔

باب ایک سو چھتیس و سینتیس (۱۳۶، ۱۳۷) میں ہے :۔ ایمان لانے والوں کے بہتر (۷۲) درجے ہوں گے۔ جن میں سے آخری دو درجوں میں وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے مگر عمل صالح نہیں کئے یعنی وہ جو اچھے کام کرنے میں غمگین ہوں اور دوسرے وہ جو برائی کرنے میں خوش ہوں یہ لوگ ستر ہزار سال جہنم میں رہینگے۔ جب یہ مدت گزر جائے تو اللہ کا فرشتہ جبرئیل جہنم میں آئیگا اور ان گنہگاروں کو کہتے سنیگا اے محمد وہ آپکے وعدے کہاں ہیں کہ جو آپ پر ایمان لائیں جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ یہ سنکر جبرئیل جنت کو واپس ہوں گے اور احترام کے ساتھ رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ سنا تھا بیان کرینگے۔

تب رسول اللہ اپنے معبود سے عرض کرینگے اے میرے پروردگار مجھ بندہ سے کئے ہوئے وعدہ کو یاد کر کہ جو لوگ مجھ پر ایمان لائیں (انمیں کے گنہگار بھی) ہمیشہ جہنم میں نہیں رہینگے۔ اللہ تعالیٰ جواب دیگا: "اے میرے حبیب مانگ جو مانگنا چاہتا ہے اور جو کچھ مانگے وہ سب کا سب دونگا۔ رسول اللہ کہینگے یا اللہ میری امّت کے گنہگار ستر ہزار سال سے جہنم میں ہیں ان کو بخش دے پھر اللہ تعالیٰ اپنے چاروں ملائکہ مقرب کو حکم دیگا کہ اس کے رسول کی امّت کے ان لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کریں اور وہ جنت میں داخل کر دیئے جائینگے۔ یہ ہوگا اللہ کے اس رسول پر ایمان لانے کا پھل کہ اگرچہ انھوں نے عمل صالح نہ کئے ہوں مگر مومن مرے ہوں تو مقررہ سزا پانیکے بعد وہ جنت میں داخل کر دیئے جائینگے۔

بحوالہ رجان ۱۴/۱۵/۱۶ و ۲۵/۲۶ و ۲۹/۳۰: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- ان کے بھائیوں میں سے میں ایک رسول مبعوث کرونگا اور میرا کلام اس کی زبان پر جاری کرونگا اور وہ ان لوگوں کو سب کچھ سنائیگا جو میں حکم دوں۔ احمد، رحمت لانے والا (رحمت اللعالمین) شفاعت کرنے والا (شفیع المذنبین)

بارناباس کی انجیل میں وہ عبارت بھی موجود ہے جسکو ہم انجیل کے دوسرے نسخوں کے حوالہ سے اسی باب میں اوپر درج کر چکے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے ہاجرہ سے کہا میں تیری نسل کو بڑا فروغ دونگا جسکی گنتی بھی نہ ہوسکے اور اللہ کے فرشتہ نے ان سے کہا اللہ نے تمہاری زیادہ سنی دیکھو تم حاملہ ہو اور تمکو لڑکا پیدا ہوگا اسکا نام اسمٰعیل رکھنا۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم سے کہا: اسمٰعیل کیلئے میں نے تیری سنی۔ دیکھو میں نے اسے برکت دی ہے اور اسے برومند کرونگا اور اسکی نسل کو بہت بڑھاؤنگا اور اس سے بارہ شہزادے پیدا ہوں گے اور اسے بڑی قوم بناؤنگا۔

بارناباس کی انجیل میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت جو بشارتیں آئی ہیں انکا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) وہ پیغمبر عیسٰی کے بعد آئیگا۔ اونٹ پر سوار ہوگا اس کے سر پر سفید بادل سایہ کئے ہوئے ہونگے۔

(۲) اللہ کا خاص بندہ ہوگا (عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ)

(۳) اللہ کا منتخب کیا ہوا ہوگا (مصطفیٰ)

(۴) اسمٰعیل کے بیٹے شہزادہ کیدار کے قریوں کا باشندہ ہوگا (مکہ)

(۵) اس کا دین امن وسلامتی ہوگا (اسلام)

(۶) اس کا نور فاران سے چمکیگا۔ (مکہ کی پہاڑی)

(۷) جود اکی عصا اس تک پہنچ جائیگی۔

(۸) اللہ کا کلام اسکی زبان پر جاری ہوگا۔ (وما ینطق عن الہویٰ)

(۹) وہ ناکام نہ ہوگا اور غالب ہی رہیگا۔

(۱۰) وہ احمد، محمد، رحمت لانے والا (رحمت اللعلمین) شفاعت کرنیوالا (شفیع المذنبین) کے ناموں سے جانا جائیگا۔

باب ششم

غزواتِ اسلامی میں علیِ مرتضیٰ ؑ کے کارنامے

شیرِ خُدا کی شانِ جہاد

جنگوں میں حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خُدا نے وہ محیر العقول کارنامے دکھلائے کہ نام علی میدان میں اترنے والے ہر بہادر کی زبان کا نعرہ بن گیا حتیٰ کہ آج تک بھی جنگ اور معرکہ کے موقع پر نہ صرف مسلمان بلکہ بعض دیگر مذاہب والے بھی یا علیؑ کا نعرہ لگاتے ہیں۔ یہ اس نام کا اعجاز ہے۔ آپکا جہاد خالصۃً اللہ ہونے میں بے نفسی کے کمال کے منتہیٰ پر تھا آپ اپنے آپکو اس محل میں بھی نہ آنے دیتے جہاں نفس کے شمول کا شائبہ بھی نظر آتا ہو آپ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک لڑائی میں ایک زبردست پہلوان کو آپ نے تلوار کی بڑی ردو بدل کے بعد پچھاڑا اور اس کے سینہ پر بیٹھکر آپ اسکو قتل کیا چاہتے تھے کہ اس نے گستاخانہ آپکے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔ آپ اسکو چھوڑ کر فوراً علیحدہ ہو گئے اس کافر پہلوان نے کہا کہ یا علیؑ! اتنی محنت کر کے تو آپ نے مجھ جیسے قوی پہلوان کو پچھاڑا اور جب میں نے آپکی شان میں گستاخی کی تو بجائے میرا گلا کاٹ ڈالنے کے آپ نے مجھے چھوڑ دیا آپ نے فرمایا کہ اگر ایسے وقت میں تجھے قتل کرتا تو یہ معلوم ہوتا کہ میرا نفس قتل میں شامل ہو گیا ہے اور میں کافر کا قتل تو اللہ کیلئے کرتا ہوں۔ یہ سُنکر وہ کافر کہنے لگا کہ بیشک آپکا مذہب سچا ہے اور مسلمان ہو گیا۔ مولانا رومؒ اس موقع پر فرماتے ہیں ؎

اوخیو انداخت بر روئے علیؑ　　　افتخار ہر نبی و ہر ولی

جنگ صفین کے موقع پر ایسا ہوتا کہ شیر خداؑ کو دیکھ کر کوئی مقابلہ کیلئے نہ نکلتا اور مخالفین اِدھر اُدھر چھاپہ مار جنگ کی کوشش کرتے۔ تب شیر خداؑ بھیس بدلکر نکلتے دو مرتبہ ایسا ہوا کہ شیر خداؑ کو نہ پہچان کر آپکے سخت دشمنوں میں سے ابو العاص اور بسر ابن ارطات مقابلہ کیلئے سامنے آئے۔ ایک دو ہی ردو بدل میں سمجھ گئے کہ یہ شیر خداؑ کا انداز ہے اور کچھ ضرب کھا کر اور کچھ ہیبت کے مارے زمین پر گر گئے اور جب شیر خداؑ قتل کے ارادہ سے ان کی طرف بڑھے تو انھوں نے اپنے پاؤں اٹھا کر اپنی شرمگاہیں کھول دیں شیر خدا نے فوراً منہ پلٹا لیا۔ لشکر شیر خداؑ کے لوگوں نے کہا کہ مولاؑ! یہ بڑے اشرار ابو العاص اور بسر ابن ارطات ہیں انکو نہ جانے دیجئے شیر خداؑ نے فرمایا کہ کوئی بھی میرے سامنے سے گم ہونے دو جنگ عام میں جب شیر خداؑ حملہ فرماتے تو جو سامنے آتا قتل نہ فرمادیتے بلکہ بہ اعجاز علم لدنی اور اسکی سترپشت کو ملاحظہ فرماتے اور اگر اسکی نسل سے کوئی مومن پیدا ہونے والا ہو تو اس سے آپ پہلو بچا جاتے۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینیؒ جوامع الکلام کے قلمی نسخہ صہ ۱۲۸ پر بحوالہ اسمار یہ روایت درج فرماتے ہیں۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام چشم بستہ تیغ می زدے و ہیچ وقتے آشنائے را نہ زدہ است یعنی حضرت علی علیہ السلام آنکھیں بند رکھ کر بھی تلوار چلاتے تھے مگر آپ کی ضرب کبھی اپنے والے کو نہ لگی تھی۔

رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ علیؑ کا قاتل اور علیؑ کے ہاتھ کا مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ آپ کی شانِ جہاد کا اندازہ اس نصیحت سے ہوتا ہے جو آپ نے جنگ صفین کے موقع پر اپنے فرزند محمد حنیفہ کو فرمائی تھی۔ شیر خداؑ نے فرمایا "راہ خدا میں یوں جہاد کرو کہ اپنی جان کو موت کے ہاتھ عاریت دیدو۔ اپنے پاؤں کو زمین کی میخ بنادو۔ پہاڑ ٹل جائے مگر تم جگہ سے نہ ہٹو۔ پلٹ کر مت دیکھو اور اپنی نظر دشمن کی فوج کی سب سے پچھلی صف پر رکھو" پھر مولاؑ نے فرمایا کہ "بھاگنے کا تعاقب نہ کرنا کامیاب ہو تو مغلوب پر رحم کرنا عورتوں اور بچوں سے تعارض نہ کرنا۔ جنگ صفین میں محمد حنیفہ (جن کی دونوں ہاتھوں کی رگیں بعد میں اسی جنگ میں کٹ کر ہاتھ بیکار ہوگئے) آگے بڑھے اور سامنے سے کئی ہزار تیروں کا جھکڑ آیا محمد حنیفہ نے گھوڑے کو روکا اور تیروں سے بچنے کیلئے سپر اپنے سامنے کرلی شیر خداؑ نے فرمایا۔ رُک کیوں گئے آگے بڑھو۔ محمد حنیفہ آگے بڑھے اور پھر ایک زبردست تیروں کا جھکڑ آپ پر آیا۔ محمد حنیفہ نے گھوڑے کو روک کر پھر سپر سامنے کردی مولاؑ کو یہ دیکھکر جلال آگیا اور فرمایا کہ یہ تیری ماں کے دودھ کا اثر ہے اور ایک جست کرکے بلا زرہ و بکتر گھوڑے پر سوار ہوگئے اور فوج مخالف پر ہلّہ بول دیا اور تیروں کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے فرمانے لگے کہ دیکھو! راہِ خدا میں یوں جہاد کرتے ہیں۔ اپنے باپ کا صرف اس طرح کرتہ پہنے ہوئے بے جگرانہ تیروں کے جھکڑ میں بڑھتے چلے جانا دیکھکر دونوں شہزادے امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور نیز محمد حنیفہؑ بھی آگے بڑھ بڑھ کر تیروں کو اپنے جسم پر لیتے تھے اور ذوالفقار حیدری کچھ اس طرح شعلہ بار تھی کہ دشمن کی فوج کے سر اور اعضاء ہوا میں دھوئیں کی طرح اُڑنے لگے مولاؑ فرمایا کرتے تھے مجھے اس کی پروا نہیں کہ موت مجھ پر آپڑتی ہے یا میں موت پر جا پڑتا ہوں میں موت سے اس سے زیادہ مانوس ہوں جتنا بچہ آغوش مادر سے مانوس ہوتا ہے۔ محمد بن کعب القرظی بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیرؑ فرماتے تھے کہ میں جنگ میں رسولِ خدا کا علمدار تھا اور بھوک کی شدت سے کلیجہ دھنسا جاتا تھا اسی حالت میں میں نے اپنا پیٹ پکڑ لیا اور راہِ خدا میں لڑنے لگا اگر چالیس ہزار دن مجھے ایسی سعادت کے نصیب ہوتے تو میں ایسا ہی ثابت قدم رہتا۔ یہ تھی شیر خداؑ کی شانِ جہاد۔ نہ کبھی آپ نے پُشت پر زخم کھایا نہ کبھی بھاگنے والے کا تعاقب کیا۔ خداتعالیٰ نے آپ کی شان میں بنیان مرصوص فرمایا تو رسول خدا نے رجل کرار غیر فرار ارشاد کیا اور جبرئیلؑ لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار کہتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپکو ذوالفقار عطاء ہوئی مختلف جنگوں کے دوران میں لوگوں نے آپکو ذوالفقار کو گھٹنوں پر سیدھی کرتے دیکھا جو حرب و ضرب میں ٹیڑھی بھی ہوجاتی تھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تلوار کوئی ایسی غیر معمولی قسم کی مضبوط نہ تھی کہ کوئی شخص بھی اس تلوار سے بہ نسبت کسی دوسری اعلیٰ درجہ کی تلوار کے کوئی بہتر یا نمایاں نتیجہ پیدا کرسکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ذوالفقار کی خوبی شیر خداؑ کے ہاتھ میں آنے کی بناء پر تھی اور لاسیف الا ذوالفقار کے معنی بھی یہی ہیں کہ شیر خدا کے ہاتھ کی تلوار کے سوا کوئی تلوار کہلانے کی مستحق نہیں۔ شیر خداؑ کے کارنامے ذوالفقار پر منحصر نہ تھے بلکہ ذوالفقار آپکے ہاتھ میں آکر ذوالفقار بنتی تھی اور بارگاہ رب العزت سے ذوالفقار کا عطیہ آپکی علیم النظیر شجاعت اور فقید المثال کارناموں کی تعریف اور اعتراف کے صلہ میں تھا اور یقیناً قدرت نے اس خیال کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک اس قسم کی تلوار عطا کی تھی جو حرب و ضرب میں مُڑ بھی جایا کرتی تھی تاکہ لوگوں پر یہ تاثر پیدا نہ ہو کہ شیر خداؑ کی کامیابی ذوالفقار کی

وجہ سے ہی ہے اس قسم کی تلوار کا بارگاہ رب العزت سے عطا کئے جانا شیرِ خدا کی مزید تعریف کی دلیل ہے اور یہ بتانے کیلئے ہے کہ دیکھو! ایک نرم قسم کی تلوار سے بھی دستِ خدا کیا کام کرسکتا ہے (ہاں پھر اگر ذوالفقار نے جوہر دکھائے تو وارث ذوالفقار حضرت ابوالفضل العباس ابن علی ابن ابی طالبؑ کے ہاتھ میں میدان کربلا میں جبکہ ہر ایک کو یہ خیال گزرتا تھا کہ علی مرتضیٰؑ جنگ فرما رہے ہیں)۔

اسی طرح دلدل کا واقعہ ہے۔ حضرت رسولِ خداؐ نے شیر خدا کو ایک عمدہ قسم کا خچر عطا فرمایا تھا جس کا نام دلدل تھا۔ بوجہ رسولِ خداؐ کا عطیہ ہونے کے شیرِ خدا بمقابلہ کسی بہتر سے بہتر گھوڑے کے بھی اسی دلدل کو جنگ میں اپنا مرکب بنایا کرتے تھے اور اسکو چھوڑنا بھی آپکو گوارا نہ تھا۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ خچر خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو لیکن دوڑ بھاگ اور تیزی طراری میں عرب کے معمولی گھوڑے کے بھی برابر نہیں ہوسکتا پھر جنگ میں آپ اس کو کیوں استعمال کرتے ہیں۔ شیرِ خدا نے جواب دیا کہ نہ تو مجھے پلٹ کر بھاگنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ میں کسی بھاگنے والے کا تعاقب کرتا ہوں یہ دھیمی چال والا دلدل ہی میرے لئے کافی ہے مصعب ابن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ لڑائیوں میں بہت ہوشیار رہتے تھے اور اسکے داؤں خوب جانتے تھے۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی آپ پر چوٹ لگا سکے۔ آپ کی زرہ صرف آگے کیلئے تھی پشت کی طرف نہ تھی لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یا حضرت آپ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ آپکا دشمن پیچھے سے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنے دشمن کو پیچھے سے آنے دوں تو خدا مجھے باقی نہ رکھے۔ ایک دفعہ کسی نے شیر خدا سے کہا بہت سے بڑے بڑے لوگ میدان بھاگ گئے مگر آپ نہیں بھاگتے۔ آپ نے بڑا دلچسپ جواب دیا کہ تم ہی بتاؤ کس دن بھاگوں۔ موت کا دن میدان جنگ میں آیا تو مرونگا اور شہید کہلاؤں گا اور جس دن بھاگا تو موت تو آئیگی ہی۔ مرونگا بھی اور فراری بھی کہلاؤں گا۔ ریاض النضرہ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ جناب امیرالمومنین بھی بذات خود لڑتے تھے ابن عباس کہنے لگے خدا کی قسم میں نے انکے مانند کسی کو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہوئے نہیں دیکھا میں انکو دیکھتا تھا کہ لڑائی میں ننگے سر نکلا کرتے تھے۔ ایک ہاتھ میں عمامہ ہوتا تھا اور ایک ہاتھ میں شمشیر۔ واضح رہے کہ جنگ صفین کے وقت جناب امیر علیہ السلام کی عمر (۶۰) سال تھی۔ صاحب حیواۃ الحیوان نے نقلا دوحۃ الخواص سے لکھا ہے کہ جناب امیرؑ کی ضربیں ایک ہی بار میں پورا کاٹ ڈالنے والی ہوتی تھیں اگر سر پر پڑتیں تو نیچے تک تسمہ باقی نہ چھوڑتیں اور اگر کروٹ پر پڑتیں تو دوسرے کروٹ تک صاف کاٹ جاتی تھیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ لوگوں کو گمان ہوتا کہ آپکا وار خالی گیا مگر جب آپکے مقابل کا گھوڑا حرکت کرتا تو اس کے دو ٹکڑے علیحدہ علیحدہ زمین پر گر جاتے اور ایسی مسلسل اور متواتر صفائی دستِ خدا ہی کا حصہ تھی۔ ہر جنگ میں مخالف کے علمدارِ لشکر کو قتل کرتے ہوئے آپ آگے نکل جاتے تھے علمدارِ لشکر چن کر انتہائی شجاع اور نبرد آزما شخص کو بنایا جاتا تھا۔ مگر شیرِ خدا کے ہاتھ سے علمدارِ لشکر کبھی نہ بچتا تھا اور بعض دفعہ ایک ایک جنگ میں دس دس علمدارانِ لشکر مخالف طعمۂ ذوالفقار حیدری ہوتے۔ ذیل میں ہم رسولِ خداؐ کے زمانہ کے چند مشہور غزوات کا مختصر ذکر کرینگے۔ مشہور غزوات کے نام اور سن و قوعہ درج ذیل ہیں بجز غزوہ تبوک کے جس کے موقع پر حضرت رسولِ خداؐ جناب امیرؑ کو بمصلحت ایزدی اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑ گئے تھے باقی ہر ایک چھوٹے اور بڑے غزوہ میں حضرت امیرؑ نے شرکت کی اور ہر ایک میں ایسے کارہائے نمایاں دکھائے کہ صفحۂ روزگار پر یادگار رہ گئے۔ ہجرت کے سال سب سے پہلا غزوہ بواط اور پھر غزوہ شرہ اور غزوہ بدر اولیٰ اور پھر غزوہ بدر کبریٰ

کلمۃ الحق غزوہ تنیقاع، غزوہ احد اور غزوہ حضر در الاسد واقع ہوئے۔ ہجرت کے تیسرے سال غزوہ بنی غطفان، غزوہ تجران، واقع ہوئے۔ ہجرت کے پانچویں سال غزوہ ذات الرقاع واقع ہوئے۔ ہجرت کے چوتھے سال غزوہ بنو نضیر اور غزوہ واقع ہوئے۔ ہجرت کے چھٹے سال غزوہ بنی الحیان اور غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ خندق اور غزوہ بنی قریظہ واقع ہوئے۔ ہجرت کے آٹھویں سال غزوہ موتہ، فتح مکہ، غزوہ حنین مصطلق واقع ہوئے۔ ہجرت کے ساتویں سال غزوہ خیبر واقع ہوا۔ ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع، اور ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ کو حضرت اور غزوہ طائف واقع ہوئے۔ ہجرت کے نویں سال غزوہ تبوک ہوا۔ رسول خدا کی رحلت واقع ہوئی۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-

Hazrat Ali as an Amir

Even as Field Marshal or the Commander-in-Chief of the Muslim army, in the worst of circumstances Ali demonstrated the qualities of matchless gentleness and marvellous nobility and fellow feeling along with his mighty strength, martial spirit, inimitable valour and dauntless venture. To his fellow foe, Ali always meted out the best and noblest of treatment the example of which is not found any where in the history of war-fare of any nation in the world. Ali was chivalry personified. (p.2).

Ali was a great personality with matcheless strength of determination and blotless purity of character, always ready to lay down his life and Sacrifice his all for the cause of Islam and to Protect the Holy prophet. History proves him to be the one who has always stood by the Holy Prophet even when most of the companions had deserted the cause and the leader in the worst situation in the battle fields. (p.7) He was endowed like the Holy prophet with that rare fortitude which seems to increase as perilsthicken.

جرمن مورخ کورت فریشلر کی تحریر

جنگ جمل سے قبل جب حضرت عائشہ کے مشورہ سے طلحہ و زبیر نے حضرت علی علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر لیا تو اس موقعہ پر ان کی گفتگو میں شیر خدا کی بہادری کا جو ذکر آ گیا اسکو ہم جرمن مورخ کورت فریشلر کی کتاب عائشہ بعد از پیغمبر کے فارسی ترجمہ ذبیح اللہ منصوری کے صہ۱۷۰ سے نقل کرتے ہیں:-

"زبیر گفت: چارہ نداریم جز ایں کہ علی را بقتل برسانیم۔ طلحہ گفت کشتن علی بقدرے مشکل است کہ مے توانم گفت امکان ندارد مگر وقتیکہ ایں مرد عبادت مے کند در موقعہ دیگر نمی تواں علی را غافل گیر کرد و بقتل

رسانید: د آیا برائے تو اتفاق افتادہ کہ علی را درمیان جنگ بینی ؛ زبیر گفت نہ۔ طلحہ گفت ؛ اگر تو ایں مرد را در میدان جنگ میدیدی مے فہمیدی کہ بجائے یک جان دہ جان بلکہ صد جان دارد د کشتہ نمے شود در زمانِ پیغمبر در جنگ احد آنقدر ضربتِ شمشیر و نیزہ و تیر برایں مرد زدند کہ مے تواں گفت قطعہ قطعہ شدہ و باز زندہ ماند و حال آنکہ دراں جنگ ہنوز طفل بود"۔

ذیل میں ہم اردو ترجمہ نوٹ کر دیتے ہیں:۔

زبیر نے کہا:۔ اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ علی کو قتل کر دیا جائے۔ طلحہ نے کہا کیا علی کو مارنا آسان سمجھتے ہو۔ البتہ عبادت کی حالت میں شاید مار دیا جا سکے۔ کیا تم نے علی کو کبھی جنگ کے درمیان دیکھا ہے ؛ اگر تم دیکھتے تو جان جاتے کہ علی کی ایک نہیں، دس نہیں، ایک سو جانیں ہیں کہ مارے ہی نہیں جاتے۔ زمانہ پیغمبر میں احد کی جنگ میں علی کو اتنے زخم شمشیر و تیر کے پہنچائے گئے تھے کہ جسم گویا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا مگر پھر بھی وہ زندہ ہی رہے۔ حالانکہ اس وقت انکا ابھی لڑکپن ہی تھا"۔

جنگِ بدر

ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر واقع ہوئی۔ کفارانِ قریش، رسول اللہ کے اپنے وطن چھوڑ کر ہجرت کر جانے پر بھی قانع نہ تھے اور اس خیال سے کہ ابھی سے اسلام کا خاتمہ نہ ہوا تو یہ مذہب زور پکڑتا جائیگا مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں کر کے ۸ رمضان کو دو ہزار جنگجو جوانوں کے ہمراہ مقام بدر پر معرکہ آرا ہوئے بدر، مدینہ طیبہ سے چھ منزل کے فاصلہ پر ایک چشمہ ہے اور اسی نام سے یہ لڑائی مشہور ہے۔ رسول خدا اسلام کی جمعیت ہمراہ لے کر جن کی تعداد (۳۱۳) تھی؛ اور صرف دو گھوڑے تھے، ایک کثیر فوج کے مقابلہ کے لئے نکلے قریب چشمہ بدر پہونچے پر معلوم ہوا کہ مکہ کے نامور سرداروں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس جنگ میں شریک ہونے نہ آیا ہو۔ ابوجہل سردار لشکر تھا۔ ابوسفیان اور حنظلہ ابن ابوسفیان بھی موجود تھے۔ طلحہ ابن ابی طلحہ، عزیز بن عمر، نضر بن حارث یہ علمبردار تھے اور ولید ابن عتبہ اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور عمرا بن عبدود جیسے منتخب روزگار پہلوان کو بھی فوج قریش میں شامل کیا گیا تھا۔ ان لوگوں کی تفصیل سُنکر حضرت رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ مکہ نے اپنے کلیجہ کے ٹکڑوں کو سامنے ڈالدیا ہے۔ ١٦ رمضان کو دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ حضرت عمر نے اس جنگ میں حصہ لینے سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ فوج مخالف میں ان کے ماموں ابوجہل موجود رہیں۔

فیض الباری پارہ ۱۲ ص ۱۳۱ پر ابن عمر سے روایت ہے کہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ غیر حاضر رہے عثمان جنگ بدر سے بوجہ اپنی بیوی کی علالت کے حضرت ابوبکر نہ تو جنگ کی صفوں میں شریک ہوئے نہ تلوار چلائی اور نہ کسی کے مقابلہ میں گئے۔ لشکر کفار سے اولاً ہندہ کا بھائی باپ اور چچا یعنی ولید عتبہ اور شیبہ نکلے اور مبارز طلبی کی اولاً تین بہادر مرد انصاری ان کے مقابلہ کو نکلے مگر کفار قریش نے یہ کہکر ان کو واپس کر دیا کہ ہم ان سے نہیں لڑتے ہمارے بھائی بنو

کلمۃ الحق

قریش میں سے مبارز بھیجو یہ سُنکر بجز قرابت داران رسول ؐ کے کوئی نہ نکلا یعنی علی مرتضیٰ ؑ۔ حضرت حمزہ ؑ اور ابو عبیدہ ابن حارث بن عبدالمطلب نکلے۔ علی مرتضیٰ نے ایک وار میں ولید کو واصل جہنم کیا اور حضرت حمزہ نے ایک وار میں عتبہ کا خاتمہ کر دیا اور شیبہ نے ابو عبیدہ بن حارث کو زخمی کیا مگر شیر خدا نے اسکی پہلوانی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اب عام جنگ شروع ہوئی مگر حیدر کرار ؑ کے مردانہ وار حملوں نے کسی کی بہادری کا چراغ جلنے نہ دیا اور (۳۶) نامور پہلوانوں کو دم کے دم میں کاٹ کر پھینک دیا جن میں حنظلہ بن ابوسفیان، نوفل بن خالد، عاص بن سعد، عمر بن عثمان، عم طلحہ بن عبداللہ، عثمان و مالک برادر طلحہ شامل تھے جن کے مرنے سے مکے کے ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ ابوسفیان کا دوسرا بیٹا عمر قید کیا گیا کہتے ہیں کہ جب علی مرتضیٰ ؑ نوفل کے سامنے پہونچے تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مارنے والوں میں میں نے ان سے زیادہ شریف نہیں دیکھا حضرت حمزہ نے بھی بہت سے پہلوانوں کا صفایا کیا اپنے بڑے بڑے پہلوانوں کو اس طرح تہ تیغ ہوتا دیکھکر کفار قریش کے پاؤں اُکھڑ گئے جملہ (۷۰) کفار بشمول ابوجہل مارے گئے اور (۷۰) اسیر ہوئے۔ مسلمان جو شہید ہوئے اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن کئے گئے (۲۴) صنادید عرب کی لاشیں قلیب نامی کنوئیں میں ڈالدی گئیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا حضرت عثمان اس جنگ میں شریک نہ تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر نے نہ کسی پر تلوار لگائی نہ خود کوئی زخم کھایا جب (۷۰) افراد لشکر مخالف سے اسیر ہو کر آئے تو حضرت عمر تلوار لیکر کہتے رہے کہ رسول اللہ حکم دیں کہ ہر شخص اپنے اپنے عزیز کو قتل کرے حضرت رسول ؐ نے اس سے اتفاق نہ فرمایا۔

میجر جنرل محمد اکبر خان صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب **Hazarat Ali AS An Amir** کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں۔

At Badar on the 17th Ramzan in the second year of Hijree, Ali even though only a young man proved his invaluable worth to the cause of Islam, as a wonderful soldier on the battle field when most of the elders among the companions of the Holy prophet were sitting quiet in a shade, only witnessing the struggle for the life and death of Islam and the Holy Prophet. In this very first encounter in the battle field Ali established the reputation of his superiority as a leader of the Muslim forces and was thereafter dreaded by the enemy at his very first arrival on the scene for his wonderful valour and matchless skill at arms.

On this battle and all the subsequent ones, Ali singly stood by the Holy Prophet braving the enemy with military genius manifesting his devotion and loyality to the leader, demonstrating the most talented application of the ground principles of meritorious war-fare.

باب ششم

جنگ اُحد

بدر کی لڑائی کے دوسرے سال ۳ھ میں مشرکین قریش بڑی تیاری کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ الفاروق صفحہ ۶۲ پر مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے۔ لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر آنحضرتؐ مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے۔ کوہ احد کے سامنے یوم شنبہ ۱۵ شوال کو مقابلہ ہوا۔ مکہ والوں کی فوج میں قریشیوں کے علاوہ خاندان کنانہ کے لوگ اور باشندگان تہامہ بھی شامل تھے۔ فوج کا سردار ابو سفیان تھا اور اس کے لشکر کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش سپاہی ایک ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے شامل تھے۔ ایک حصّہ کی قیادت عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے کی خالد بن ولید کر رہا تھا۔ پندرہ اونچے گھرانوں کی زنان قریش مع ہندہ زوجۂ ابو سفیان جلاجل بجا بجا کر اور اشعار پڑھکر تہور دلاتیں اور کشتگان بدر کا بدلہ لینے آمادہ کرتیں تھیں۔ حضرت رسولؐ کے ساتھ صرف سات سو آدمی تھے جس میں ۱۰۰ کے پاس زرہ تھی اور صرف دوؔ آدمی سوار تھے۔ اولاً حضرت رسولؐ کے ساتھ ایک ہزار آدمی آئے تھے جن میں یہودی اور خزاعی بھی شامل تھے جو عبداللہ ابن ابی سلول کے ماتحت تھے۔ حضرتؐ نے یہودیوں کو جنگ میں حصّہ لینے سے روک دیا تو عبداللہ بن ابی سلول اپنے (۳۰۰) آدمیوں کو لیکر چلا گیا۔ حضرت رسول خدا نے پہاڑ کے ایک درّہ پر (۵۰) تیر اندازوں کو متعین فرمایا تھا کہ وہاں سے نہ ہٹیں اور درّہ کی طرف سے دشمن کو آنے نہ دیں۔ ابتدا میں لشکر اسلام کو فتح کی صورت پیدا ہوئی اور خصوصاً حضرت علی مرتضیٰؑ کے مردانہ وار حملوں سے لشکر کفار بھاگنے لگا مگر لشکر اسلام کے اکثر سپاہی مال غنیمت کی فکر میں لگ گئے اور وہ (۵۰) تیر انداز بھی درّہ کی حفاظت چھوڑ کر لوٹ مار میں شریک ہو گئے۔ یہ دیکھکر اسی درّہ سے خالد بن ولید نے جو بعد میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا اپنے دستہ کیساتھ حملہ کر دیا۔ اور لشکر اسلام پر جن میں بیشتر لوٹ مار میں لگے ہوئے تھے اچانک جا پڑا اب جنگ کا نقشہ بدلا اور لشکر اسلام میں بھگدڑ مچی۔ عوام مہاجرین مع حضرت ابوبکر اور عمر و عثمان میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ حضرت رسولِ خدا ایک ایک کو نام لیکر آواز دیتے جاتے الیّ فلان الیّ فلان انا رسول اللّٰہ؛ مگر کون سنتا تھا بے تحاشہ بھاگے جاتے تھے۔ مدارج النبوۃ اور کشف الغمہ میں فرارین کے ناموں کی تفصیلی فہرست دی ہوئی ہے جن میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کے نام شامل ہیں حضرت عثمان ایسے گئے کہ تین دن کے بعد پتہ ملا۔ امام فخرالدین رازی کی تفسیر اور علامہ نیشا پوری کی تفسیر غرائب القرآن میں ان من المنہزمین عمر و منہم عثمان در منثور سیوطی و تفسیر ابن جریر طبری میں حضرت عمر کا یہ اقرار اس طرح درج ہے۔ درج ہے کہ عن عمرؓ قال انما کان یوم احد ھزمنا و فررت حتیٰ صعدت الجبال۔ یعنی یوم احد شکست کھا کر ہم بھاگے حتیٰ کہ میں پہاڑ پر چڑھ گیا۔ تاریخ الخمیس صفحہ ۴۳۱ پر حضرت ابوبکر کا یہ قول درج ہے۔ قال ابوبکر انصرف الناس یوم احد عن رسول اللّٰہ صلعم فکنت اوّل من جاء (یعنی بروز احد لوگ رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو واپس آنیوالوں میں پہلے میں تھا) اس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ میدان جنگ کو واپس آئے بلکہ اختتام جنگ پر مدینہ واپس آئے اور حضرت عثمان تو تین دن کے بعد واپس ہوئے۔ مستدرک حاکم اور قرۃ العینین شاہ ولی اللہ دہلوی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ جب بروز جنگ احد لوگ رسول مقبولؐ کو چھوڑ کر چلے گئے تو ان میں سے اوّلا میں رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس آیا اور میری نگاہ دور سے آنحضرتؐ پر پڑی۔ پھر ایک شخص نے

ابو عبیدہ بن الجراح تھے۔

کلمۃ الحق

پیچھے سے آکر مجھے دبا یا جو پیغمبر کے حضور میں حاضر ہونا چاہتا تھا وہ ابو عبیدہ بن الجراح تھے۔

علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ گریز کرنے والوں میں حضرت عمر بھی تھے مگر وہ ابتداء میں نہیں بھاگے

بلکہ بعد میں بھاگے اور دور نہیں بھاگے بلکہ پہاڑ میں چھپے رہے۔ فخر الدین رازی مزید لکھتے ہیں کہ گریز کرنیوالوں میں حضرت عثمان

بھی تھے جو سعد ابن ابی وقاص اور عقبہ کیساتھ دور تک بھاگ گئے اور تین دن کے بعد واپس آئے۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں

لکھا ہے کہ ہزیمت خوردہ اور مفرور مسلمانوں میں حضرت عثمان بھی تھے جنھوں نے موضع المرص پہونچ کر دم لیا اور وہاں سے تین

دن کے بعد رسول مقبولؐ کی خدمت میں واپس آئے جن کو دیکھتے ہی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے بھاگنے میں خوب لمبی تانی۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ اسوقت اصحاب چار گروہ ہو گئے تھے۔ (۱) گروہ جو ثابت قدم رہا اور کافروں سے لڑتا رہا۔

(۲) وہ صحابہ جو کافروں سے لڑ کر شہید ہو گئے (۳) ایک گروہ جو بھاگ کر پہاڑ کے گوشوں اور دامنوں میں جا چھپا (۴)

ایک گروہ ایسا بھاگا کہ اس نے ایک دور کے شہر میں پہونچ کر دم لیا اسی گروہ میں حضرت عثمان بھی تھے۔ بخاری کی روایت

کے اعتبار سے حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں بھی تسلیم کیا تھا کہ روز احد وہ بھاگ گئے تھے یہ وہ موقع تھا کہ آپ نے ایک

شخص کو مالِ غنیمت میں سے اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر سے زیادہ حصّہ دیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اسکا باپ

احد کے دن ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی خود) میدان میں ثابت قدم نہ رہا تھا۔ مولانا شبلی اس روایت پر اس وجہ سے

اعتبار کرنا نہیں چاہتے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں کہ "میدان جنگ سے بھاگنا عرب میں ایسا بڑا ننگ و عار تھا کہ کوئی شخص ایسی

بے شرمی کی حرکت کا علانیہ اقرار نہیں کر سکتا" مگر جہاں بھاگنا نہ صرف اسی موقع پر بلکہ اور متعدد موقعوں پر بھی ثابت ہو تو

پھر بخاری کی اس روایت پر اعتبار نہ کرنے کی کیا وجہ ہے۔ ڈاکٹر محمد ابو بکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنو امیہ"

مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں "جن صحابہ میں اظہار منافقت کی جرأت نہ تھی وہ عبدالرحمن بن الی کے

ہمراہ نہیں گئے اور رسول اللہؐ کے ساتھ رہنے میں مصلحت سمجھی (گو کہ یہ بھی بعد میں بھاگے) جو لوگ مصلحتاً مسلمان ہوئے تھے

انھیں دین کی خدمت یا رسول اللہؐ کی محافظت کا اتنا خیال نہ تھا جتنا اپنے دنیاوی مفاد کا ان کے نزدیک اسلام پھیلے یا

نہ پھیلے بس وہ کسی طرح اقتدار و قہر و غلبہ کے مالک بن جائیں اور مال غنیمت ان کے قدموں میں آکر ڈھیر ہو جائے۔ ایسے

خود غرض افراد جیسا کہ تاریخیں شاہد ہیں ہر میدان جنگ سے روگردانی ہی کرینگے اور اپنی جان عزیز کو شہادت کیلئے پیش

نہ کر سکیں گے تو اسلام کے لئے کفر کے مقابلہ میں زحمتوں کا سامنا ہونا ہی چاہیئے تھا۔ وہ تو کامیابی کے ساتھی تھے۔ مشکلات سے

ان کو کیا سروکار۔ حضرت رسالتمآب کے عہد میں جتنے بھی معرکے لڑے گئے ان میں سے ہر ایک مولائے جو وکل امام الاولین والآخرین

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی کے ہاتھوں سر ہوئے"۔

امام احمد بن حنبل اور نیز ابو عمر نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ کی چار صفات اور دیگر روایتوں کے

اعتبار سے اٹھارہ صفات ایسی ہیں جو کسی کو نہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت علیؑ وہ ہیں کہ اس روز (احد) حضرت رسول خدا کے

پاس سے سب لوگ بھاگ گئے اور حضرت کے ساتھ صبر کئے ہوئے احد کے مقام پر جمع رہے۔ جنگ احد میں صحابہ کی فراری قرآن ...

آیتوں سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۳ ہے۔

ان تصعدون ولا تلون علیٰ احد والرسول یدعوکم فی اخرٰیکم ۵ یعنی جس وقت چڑھتے تھے تم رنگ پہاڑ پر اور بھاگتے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول خدا تم کو بلاتے تھے تمہاری پچھلی جماعت میں۔ لائف آف محمد صفحہ ۱۴۵ پر جنگ احد کا ذکر کرتے ہوئے واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے:-

The Muslims fled in despair with them Abu Beker and Omar.

میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب Hazrat Ali An Amir کے صفحہ ۵۵ پر جنگ احد کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

He (Ali) held the Banner of the Holy Prophet aloft in the worst of circumstances with wonderful faith, matchless valour and ideal devotion to the cause of truth, even when most of the prominent companions of the Holy Prophet had deserted him when there was the question of life and death for the faith and the faithful.

بہر حال صحابہ تو اس طرح بھاگ گئے اور صرف بنی ہاشم قرابت داران رسول میدان میں ڈٹے رہے اور چند مرد انصار نے بھی پامردی کا ثبوت دیا۔ رسول اللہ کے چچا حضرت حمزہ جو انتہائی شجاع شخص تھے داد شجاعت دیتے ہوئے اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ ہندہ زوجہ ابو سفیان نے آپ کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا اور آپکے کان اور ناک کاٹ کر ہار بنا کر گلے میں پہنا۔ حضرت علی مرتضیٰ کو سولہ بڑے بڑے زخم اس جنگ میں آئے مگر باوجود شدید زخمی ہونے کے بھی شیر خدا نے جو داد شجاعت دی وہ ذیل کی روایتوں سے ظاہر ہو گی۔

مدارج النبوۃ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو حضرت رسول خدا کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے اس وقت آنحضرت غضبناک ہوئے اور پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگا چار دانت آپکے شہید ہو گئے۔ پھر دیکھا تو علی کو اپنے پہلو میں ایستادہ پایا اس وقت ایک جماعت کفار کی رسول خدا پر حملہ آور ہوئی۔ رسول خدا نے فرمایا کہ اے علی! میرے مددگار علی۔ مجھے اس جماعت سے محفوظ رکھو۔ باوجود شدت زخم ذوالفقار حیدری نے وہ جوہر دکھائے کہ کئی ایک حملہ آوروں کو واصل جہنم کیا اور باقی کفار کو گریزاں کر دیا۔ شبلی نعمانی اس موقع پر لکھتے ہیں کہ دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ کر رہ جاتا تھا۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ حضرت علی دشمن کی فوج میں گھس کر داد شجاعت دیتے رہے۔ علمدار لشکر کفار طلحہ ابن ابی طلحہ حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا دوسرا علمدار عثمان بن ابی طلحہ حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا پھر اسکا ایک بھائی ابو سعید بن ابی طلحہ علم لیکر بڑھا۔ حضرت علی نے ایک ہاتھ میں اسکو بھی ٹھکانے لگا دیا پے در پے دس علمدار حضرت علی کے ہاتھ سے مارے گئے تو ایک عورت عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے جوش میں

آکر علم اٹھالیا۔ حضرت حمزہ نے پوری قوت سے قلب حملہ کیا اور سباع بن عبدالعزیٰ سے لڑنے میں مشغول تھے کہ وحشی نامی ایک حبشی نے کمین گاہ سے حملہ کرکے ان کو شہید کردیا۔ اس جنگ میں پیغمبر خدا نے خود بھی ہتھیار چلائے یہاں تک کہ ترکش خالی ہوگیا اور کمان کا چلہ ٹوٹ گیا تاریخ کامل و خمیس میں ہے کہ ابی بن خلف یہ غل مچاتا ہوا آیا کہ محمدؐ کہاں ہیں اور نیزہ کا وار کیا۔ حضرتؐ نے وہی نیزہ چھین کر (اور ابن خلدون کی روایت کے مطابق حرث بن ضمہ کے ہاتھ سے نیزہ لیکر) اس کو ہلاک کیا۔ عرب بھر میں یہی ایک شقی ازلی ہے جس کو حضرت نے دست مبارک سے قتل کیا۔ کسی نے گوپھن سے ایک پتھر مارا جو دہن اقدس پر لگا۔ ہونٹ کٹ گیا اور چار دانت شہید ہوگئے۔ تاریخ کامل میں ہے کہ عتبہ بن ابی وقاص برادر سعد بن ابی وقاص نے پتھر مارا جس سے پیشانی اقدس زخمی ہوگئی۔ واشنگٹن اروِنگ لکھتا ہے کہ مصعب ابن عمیر کی شکل حضرت سے ملتی جلتی تھی جب وہ قتل ہوئے تو شور مچ گیا کہ آنحضرتؐ شہید ہوگئے۔ ابن سراقہ نے آواز بلند کی کہ محمدؐ مارے گئے جو باقیماندہ مسلمان لڑ رہے تھے ان میں سے بھی کچھ دل شکستہ اور بدحواس ہوکر بھاگے۔ مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ بے ہوش ہوکر گر گئے تو کسی نے صدا بلند کی کہ قد قتل محمد فارجعوا الی دینکم ؕ یعنی محمد مارے گئے پس تم لوگ اپنے اپنے (سابقہ) دینوں کی طرف پلٹ جاؤ (اسکا اشارہ قرآن میں بھی ہے۔ افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم فمن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاؕ یعنی اگر وہ (محمدؐ) مرجائیں یا قتل کردیئے جائیں تو کیا دین (محمدی) سے پلٹ جاؤگے پس جو شخص پلٹ جائیگا وہ خدا کا کوئی نقصان نہ کرے گا۔ مسند احمد ابن حنبل میں یہ بھی ہے کہ جنگ ختم ہوچکنے کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت عمر سے پوچھا الستَ منادی قد قتل محمد فارجعوا الیٰ دینکم ؕ یعنی کیا تم نے ایسی صدا بلند کی تھی کہ محمد مارے گئے اپنے اپنے دین کی طرف پلٹ جاؤ۔ اس سوال کے جواب میں حضرت عمر نے کہا بہ تحقیق ایسی صدا تو حضرت ابوبکر نے بلند کی تھی۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ بھاگنے میں بھی حضرت عمر اور حضرت ابوبکر ساتھ ہی ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر کے ایسے اظہار خیال اور ایسی صدا بلند کرنے کے کیا مضمرات ہیں اور اسکی زد کس حد تک پہونچتی ہے ناظرین خود غور فرمالیں۔

تاریخ الخمیس طبری اور تفسیر کبیر میں ہے کہ حضرت رسول خدا ستر زخم کھا کر جن میں سے عبداللہ بن قمیہ کی تلوار بڑے زور سے پڑی تھی۔ ایک گڑھے میں گر پڑے زرہ کی دو کڑیاں رخسارہ مبارک میں گڑ گئیں۔ طبری ابن اثیر اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ جب مسلمان بھاگے جارہے تھے تو آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ آواز دی کہ مسلمانو! میری طرف آؤ مگر کسی نے نہ سُنی تو حضرتؐ کو غصہ آیا اور پیشانی اقدس سے پسینہ ٹپکنے لگا اتنے میں دیکھا تو علیؑ کو زخموں سے چُور پہلو میں کھڑا پایا اتنے میں کافروں کا ایک گروہ پھر حملہ آور ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ یا علیؑ مجھے ان لوگوں سے بچاؤ۔ حضرت علیؑ نے اس زور سے حملہ کیا کہ تلوار ٹوٹ گئی۔ بہت سے کافر کھیت رہے اور بہت سوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اسی موقع پر آنحضرتؐ نے آپکو بحکم خداوندی ذوالفقار عطا کی جسکو لیکر شیر خدا نے کچھ اس انداز میں تازہ حملہ کیا کہ لشکر مخالف پسپا ہوکر بھاگا۔ گو کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی صفوں میں ابتری پیدا ہوگئی اور بیشتر صحابہ بھاگ گئے تھے اور تمام تر شکست کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی مگر علی مرتضیٰؑ کے شیرانہ حملوں نے جماعت مخالف کے پاؤں اکھیڑ دیئے اور وہ ہزیمت خوردہ شکل میں واپس گئی گوکہ مسلمانوں کا نقصان ہوا مگر یہ سمجھنے کا نکتہ ہے اور

کہنا پڑیگا کہ فتح اسلام بچا کی رہی۔ کیونکہ اگر علی مرتضیٰؑ نے فوجِ مخالف کو بھگانہ دیا ہوتا تو وہ غلبہ پائی ہوئی فوج مشرکین اپنا مقصد
حاصل کئے بغیر یعنی حضرت رسولِ خداؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ کو شہید کئے یا قید کئے بغیر ہرگز واپس نہ ہوتی۔ تاریخ طبری کامل ابن
اثیر اور مدارج النبوۃ فارسی جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ و منہاج النبوۃ ترجمۂ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۶۷ تا ۲۶۹، روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۳۶۲
و تفریح الاذکیا صفحہ ۱۲۹ و معارج النبوۃ رکن چہارم صفحہ ۹۵ و تاریخ الاسلام جلد ۲ صفحہ ۹ و روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۹۱ و درج الدرّار
احسن الدین شافعی میں درج ہے کہ اسوقت فرشتۂ غیبی مابین ارض و سما کہتا پھرتا تھا لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار
حضرت رسولؐ نے فرمایا علیؑ سب بھاگ گئے مگر تم نہ بھاگے۔ جواب دیا۔ لا کفر بعد الایمان و ان لی بک اسوۃ :
(ایمان کے بعد پھر کفر نہیں۔ یا رسول اللہؐ! میں تو آپکے نقش قدم پر چلنے والا ہوں اور آپکی مثال سے سبق حاصل کرتا ہوں)
جبرئیلؑ نے نازل ہو کر فرمایا کہ یہ مواسات اور شجاعت کا کمال تھا جو علی سے ظاہر ہوا۔ حضرت نے فرمایا کیوں نہ ہو۔ علیؑ
منی وانا منہ (علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں) جبرئیلؑ بولے کہ وانا منکما (اور میں آپ دونوں سے ہوں) (کامل
ابن اثیر) نیز حدیث قدسی کے فقرات ذیل کا نزول بھی اسی وقت ہوا۔ نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی
النوائب کل ھم و غم سینجلی بعلیؑ، بعلیؑ، بعلیؑ؛

حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ گہرے زخموں کی وجہ سے دو دفعہ میں نیچے گرا مجھے غش آتا جاتا تھا اور کوئی میرا
ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیتا تھا۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا۔ جبرئیل تم کو اٹھاتے جاتے تھے۔ شانِ علی میں اسوقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔
الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم
الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایماناً وقالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل
(آل عمران آیت ۱۷۲ و ۱۷۳) یعنی جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی خدا اور رسولؐ کا کہنا مانا ان میں سے جن لوگوں نے نیکی اور
اور پرہیزگاری کی ان کیلئے عظیم اجر ہے۔ یہ وہ ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا تمہارے (مقابلے) واسطے (بڑا لشکر) جمع کیا ہے
پس ان سے ڈرتے رہو (تو بجائے خوف کے) ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے (رہو گا بھی) خدا ہمارے واسطے کافی ہے
اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ نیز یہ آیت بھی اتری۔ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم
بنیان مرصوص (سورۂ صف۔ آیت ۴) یعنی بہ تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے ان لوگوں کو کہ راہ خدا میں اس طرح
پرجم کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ اگر تمام خلقت کے اعمالِ حسنہ اور ایمان
ایک پلہ میں رکھے جائیں اور تمہارا عمل روز احد ایک پلہ میں تو تمہارا ہی پلہ گراں رہیگا۔ تمہارے عمل پر خدائے تعالیٰ نے فخر و مباہات
کی اور تمام ملائکہ پر آسمان کے پردے اٹھا دیئے اور جنت و ملائکہ تم کو نگاہِ شوق سے دیکھتے تھے اور خدائے تعالیٰ تمہارے اس
روز کا صلہ یوں دیگا کہ تمام نبی و رسول صدیق و شہید سب رشک کرینگے (ینابیع المودۃ) اس جنگ میں حضرت علیؑ کو
جو زخم لگے تھے ان میں سے بعض اتنے بڑے تھے کہ اندر کپڑے کی بتیاں رکھ کر پٹی باندھی جاتی تھی۔ حضرت رسولؐ نے اس حالت
میں دیکھا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ علیؑ نے کہا کہ الحمد للہ میدان سے پشت نہیں پھیری مگر آپکی نصرت میں شہید

ہونے کی تمنا باقی رہ گئی۔ محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب ۳۷ میں اپنے اسناد کے ساتھ عبداللہ ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا جبکہ کسی جنگ میں علی تنہا بھیجے گئے تو میں نے دیکھا کہ جبرئیل ان کی داہنی طرف اور میکائیل انکی بائیں طرف اور ایک ابر ان پر سایہ کئے ہوئے ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انکو فتح عطا کی۔

جنگ اُحد کے متعلق ولیم میور اور ڈیون پورٹ کا خیال

سر ولیم میور محمد اینڈ اسلام کے صـ۱۱۳ پر جنگ احد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "انکا (مشرکین کا) علم بردار علی کی تلوار سے مارا گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے اور پھر یکے بعد دیگرے پانچ بھائیوں نے علم کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر علیؑ کی تلوار نے اِن سب کا خاتمہ کر دیا۔" اصل عبارت یہ ہے:۔

" Their standard bearer fell by the sword of Aly and his son and brothers five in number, one after another striving to uphold the banner met the same fate'.

جان ڈیون پورٹ این اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن کے صـ۳۲ پر جنگ احد کا حال لکھتے ہوئے کہتا ہے:۔

" احد کی خطرناک اور تہلکہ خیز لڑائی میں جو بہادری اُن کے ابن عم (علی) نے دکھائی اس کے انعام کے طور پر پیغمبر نے اپنی چاہیتی دختر فاطمہ کو اُن کے نکاح میں دے دیا جو ایسی بے مثال خوبصورتی اور نیکیوں کی مالک تھیں کہ اہل عرب انکو دُنیا کی چار مقدس ترین عورتوں میں شمار کرتے تھے۔ یعنی فرعون کی زوجہ، بی بی مریم حضرت خدیجہ اور خود جنابِ فاطمہ۔

اصل عبارت یہ ہے:۔

'In order to reward the heroism displayed by his cousin (Ali) in the fierce and disastrous engage-ments, Mohammed gave him in marriage his beloved daughter Fatima, a maiden of such rare beauty and virtue that the Arabs included her in the number of the four holy women Pharoah's wife, the Virgin Mary, Khadijah and herself'.

باب ششم

جنگ احد میں لشکر اسلام سے ۶۵ یا ۷۰ شہید ہوئے ان میں سے ۶۱ یا ۶۶ انصار اور ۳ یا ۴ مہاجرین تھے۔
اور یہ ۳ یا ۴ مہاجر اعزائے رسولؐ بشمول حضرت حمزہ تھے۔ لشکر کفار سے (۱۰۳) آدمی مارے گئے جس میں ۲۱ ذوالفقار حیدری سے
طعمۂ اجل ہوئے ان ۲۱ میں سے ۱۰ علمدار لشکر کفار تھے جو یکے بعد دیگرے علم سنبھالتے جاتے تھے علمدار لشکر چن کر بہادر آدمی کو
بنایا جاتا ہے اور قلب لشکر میں اسکا مقام ہوتا ہے۔ علمداران کفار کا حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا جانا ظاہر کرتا ہے کہ علیؑ کا تیغ کا
حملہ قلب لشکر پر اور مغز کے مقام پر ہوتا تھا جہاں بڑے بڑے بہادر کھڑے کئے جاتے ہیں۔ شیر خداؑ نے بہادری میں بھی
وہ اعلیٰ شان دکھائی جو کسی سے ممکن نہیں تاریخ کامل اور بخاری باب ۱ صفحہ ۱۷۶ و باب ۱۱ صفحہ ۸۹ و باب ۱۲ صفحہ ۱۲۲ و باب
۱۶ صفحہ ۱۴۸ و باب ۲۳ صفحہ ۲۲۷ و مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۳۰ پر ہے کہ جنگ احد میں حضرت رسولؐ خدا زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت
علیؑ ڈھال میں پانی لاتے جاتے تھے اور جناب فاطمہؑ چہرۂ مبارک سے خون دھوتی جاتی تھیں۔ ایک بوریہ جلا کر اسکی خاک
زخموں میں بھری اور اپنے والد بزرگوار کے گلہ میں ہاتھ ڈالکر رونے لگیں۔ ایک بڑے نکتہ کی بات جو اللہ تعالیٰ نے
جنگ احد کے متعلق قرآن شریف میں فرمائی ہے بڑے تامل اور سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے۔ یعنی اس جنگ میں
ثابت قدمی یا فرار کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور نفاق کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۶ و ۱۶۷ میں فرماتا ہے۔
وما اصابکم یوم التقی الجمعٰن فباذن اللہ ولیعلم المومنین ولیعلم الذین نافقوا "یعنی (جنگ احد کے
روز) جب جماعتیں آپس میں گتھ گئیں تو جو مصیبتیں تم پر پڑیں وہ خدا کے اذن سے تھیں تاکہ خدا ایمانداروں اور منافقوں کو ظاہر
کردے۔ ارشاد باری ہے کہ امتحان لینے کیلئے ہی جنگ میں یہ مصیبت قصداً ڈالی گئی تھی تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون ثابت قدم
رہتا ہے اور مومن ہے اور کون راہ فرار اختیار کرتا ہے اور منافق ہے۔ اس آیت، وانی ہدایہ اسکا صاف مطلب یہی ہے کہ
جنگ میں جو ثابت قدم رہے اور لشکر کفار سے گتھم گتھا ہونے کے بعد بھی جمے رہے وہ مومن تھے اور جو گتھم گتھا کی تاب نہ
لاکر بھاگ نکلے وہ منافق تھے۔ یہ کوئی سرسری بات نہیں ہے بلکہ بڑے غور و فکر کا مقام ہے کہ ان صحابۂ کرام پر جو جنگ احد سے
فرار کر گئے تھے اس آیت کے اعتبار سے مومن کی تعریف صادق آتی ہے یا منافق کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس امتحان کا
مطلب ہی یہ تھا کہ مومن اور منافق کو ظاہر کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ کی آیت ۱۵۵ میں معافی سے متعلق الفاظ ولقد عفا
اللہ عنہم ان اللہ غفور حلیم " آئے ہیں عربی کے مستند علماء کے قول کے بموجب اس آیت سے صرف دنیا یعنی
اس چشم پوشی کا مطلب نکلتا ہے اور آخرت کی معافی اسکے مفہوم میں نہیں آتی کیونکہ آیت کا اختتام غفور حلیم پر
ہوا ہے۔ اگر آخرت کی معافی ہوتی تو غفور رحیم فرماتا۔ حلم کا لفظ بردباری یعنی کسی امر پر ضبط و برداشت کرنے کو
ظاہر کرتا ہے اور بھول جانے یا رحم کرنے کا مفہوم اسمیں نہیں ہے۔ رحیم یعنی رحم کرنے والے کا لفظ نہ لاکر حلیم کا لفظ رکھنا
اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ آخرت کا مواخذہ ہنوز باقی ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب " حقیقت جہاد " کے
صفحہ ۱۸ پر فرماتے ہیں۔
" جس دل میں جہاد کی نیت نہ ہو اور جن کے پیش نظر جہاد کا مقصد نہ ہو اسکی ساری عبادتیں بے معنی ہیں۔

ان بے معنی عبادت گزاریوں سے اگر تم گمان رکھتے ہو کہ خدا کا تقرب نصیب ہوتا ہے تو خدا کے ہاں جا کر تم خود دیکھ لو گے کہ انہوں نے تم کو اس سے کتنا قریب کیا"۔ رب العزت کا یہ ارشاد بھی بطور خاص ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ۃ یعنی اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ گویا صادقین کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ لازمہ مقرر فرمایا ہے کہ وہ موت سے نہ ڈریں بلکہ موت کی تمنا کریں۔ جن لوگوں کو آخرت کا یقین ہو اور اپنے ایمان پر بھروسہ ہو اور دل میں شک نہ ہو۔ وہ موت سے ہرگز نہ بھاگیں گے (اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور ہر حالت میں اس کے فضل کے طلبگار رہنا اور بات ہے اور موت سے ڈر کر بھاگنا جدا گانہ امر ہے) قابل غور ہے کہ جو لوگ حضرت رسول کو میدان جہاد میں چھوڑ کر اپنی جان بچانے فرار ہوں آیا ان پر صادقین کی تعریف صادق آتی ہے؟ جس نقطہ نظر سے بھی غور کیا جائے جہاد سے بھاگنا اور موت سے ڈر کر اپنی جان بچانا ہر قسم کے قبیح عناصر سے مملو ہے۔

بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرارین احد کو تو معاف کر دیا۔ معاف کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اب ایک موقع اور عنایت فرمایا کہ اب تو کہیں ثابت قدم ہو جائیں ورنہ منافقت تو جس جس کی ظاہر ہونے کی تھی وہ ظاہر ہو چکی سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۲ میں فرارین احد سے ایک مرتبہ درگزر کرنے کا ذکر ہے مگر وہ بھی جس تہدیدی پیرایہ میں سے قابلِ غور ہے۔ منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ ثم صرفکم عنہم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم ۃ یعنی تم سے کچھ تو طالب دُنیا ہیں کہ مالِ غنیمت وغیرہ حاصل کرنا جن کا مقصود ہے) اور کچھ طالب آخرت ہیں (کہ رسول اللہ پر اپنی جان فدا کر دی یا زخمی ہو کر بھی جمے رہے) پھر تمہیں ان (کفار) کی طرف سے پھیر دیا۔ (یعنی تم بھاگ کھڑے ہوئے) اس سے خدا کو تمہارا امتحان کرنا مقصود تھا۔ اس پر بھی خدا نے تم سے درگزر کیا۔ تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ متذکرہ صدر آیت روز احد نازل ہوئی۔ عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نازل نہ ہوئی میں ایسا نہ جانتا تھا کہ آنحضرتؐ کے اصحاب میں سے کوئی دُنیا کا خواہشمند ہے۔ درگزر کرنے سے قبل رب العزت یہ واضح کر دیتا ہے ان لوگوں میں سے کچھ طالبانِ آخرت تھے جنھوں نے جان فدا کر دی یا زخمی ہو کر بھی میدانِ جنگ میں جمے رہے اور کچھ طالبِ دُنیا تھے جو کافروں کے سامنے سے پلٹ کر بھاگے اور جن کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ اسی سورہ کی آیت ۱۳۵ میں معافی کی شرط بھی درج ہے کہ توبہ کے بعد گناہ پر پھر تکرار نہ ہو۔ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون

یعنے اور لوگ جب کوئی بُرا کام کر بیٹھتے ہیں یا آپ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور خدا کے سوائے گناہوں کا بخشنے والا اور ہے ہی کون اور جو (قصور) وہ کر بیٹھتے ہیں تو دیدہ و دانستہ اس پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسا اسکو کیا کہئے کہ اس معافی اور توبہ کے بعد بھی صحابہ جنگ سے بار بار بھاگتے رہے۔ حالانکہ فرار کے بعد آئندہ نہ بھاگنے کا وعدہ کر کے صحابہ نے حضرت رسولؐ کے ہاتھ پر بکر بیعت کی تھی چنانچہ مسند احمد ابن حنبل میں معقل بن یسار سے روایت ہے کہ روز حدیبیہ ہم لوگوں نے رسول اللہ کی بیعت اس بات پر کی تھی کہ جنگ سے فرار نہ ہونگے۔

جہاد ہی کے سلسلہ میں سورہ فتح کی آیت ۱۶ ہے وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما۔ یعنی اور
اگر تم نے جس طرح پہلے روگردانی کی تھی اب بھی روگردانی کروگے تو (خدائے تعالیٰ) تم کو دردناک عذاب کی سزا دیگا بالفاظ دیگر
جس طرح تم پہلے پلٹ کر بھاگے تھے اگر پھر پلٹ کر بھاگے تو سخت عذاب کے مستوجب ہوگے۔ میدان جنگ سے فرار
کوئی معمولی کوتاہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے بھاگنے والوں کو منافق، موردِ غضب اور مستحق جہنم قرار دیا ہے۔ چنانچہ
سورۂ انفال کی آیت ۱۵ و ۱۶ بھی اسی معنی میں واضح ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا
تولوھم الادبار ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب
من اللہ ومأواھم جھنم وبئس المصیر ۔ ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تم سے کفار سے میدان جنگ میں
مقابلہ ہو تو ان کی طرف پیٹھ نہ پھیرنا اور اس شخص کے سوا جو لڑائی کے واسطے کترائے یا کسی جماعت کے پاس (جاکر) موقع پائے
اور جو شخص بھی اس دن کفار کی طرف پیٹھ پھیرے گا وہ یقینی خدا کے غضب میں آگیا اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ
کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

آل عمران آیۃ ۱۴۲ ارشادِ باری ہے۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم
الصابرین یعنی (مسلمانو) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کے سب بہشت میں چلے ہی جاؤ گے اور کیا خدا نے ابھی تک تم میں سے
اُن لوگوں کو بھی نہیں پہچانا جنھوں نے جہاد کیا اور نہ ثابت قدم رہنے والوں ہی کو پہچانا۔ ان سب فہمائشوں کے باوجود
جنگ حنین میں جو احد کے پانچ سال بعد ۸ھ میں واقع ہوئی۔ صحابہ کرام پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سورہ توبہ کی آیت
۲۵ میں اس کا ذکر ہے۔ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما
رحبت ثم ولیتم مدبرین ۔ یعنی جنگ حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت (تعداد) نے مغرور کر دیا تھا۔ پھر وہ
کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ سورۂ توبہ کی
آیت ۱۲۰ ہے۔ ما کان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا
یرغبوا بانفسھم ۔ یعنی مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے گرد و نواح دیہاتیوں کو یہ جائز نہ تھا کہ رسول خدا کا ساتھ
چھوڑ دیں اور نہ یہ کہ رسول کی جانب سے بے پروا ہو کر اپنی جانوں کے بچانے کی فکر کریں۔ سورۂ توبہ کی آیات ۴۷ تا ۴۹ میں
وفیکم سمّٰعون لھم واللہ علیم بالظالمین لقد ابتغوا الفتنۃ من قبل وقلبوا لک الامور حتی جا
ء الحق وظہر امر اللہ وھم کرھون ومنھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی الا فی الفتنۃ سقطوا وان
جھنم لمحیطۃ بالکافرین ۔ یعنی اور تم میں سے ان کے جاسوس بھی ہیں جو تمہاری ان سے بیان کرے اور خدا
شریروں سے خوب واقف ہے اسمیں تو شک نہیں کہ ان لوگوں نے پہلے ہی فساد ڈالنا چاہا تھا اور تمہاری آن بہت سی باتیں
بہت سی باتیں الٹ پلٹ گئیں یہاں تک کہ حق آپہونچا اور خدا ہی کا حکم غالب رہا اور ان کو ناگوار ہوتا ہی رہا
اور ان لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو صاف کہتے ہیں کہ مجھے تو (پیچھے رہ جانے کی) اجازت دیجئے اور مجھے بلا میں نہ

پھنسائے۔ آگاہ ہو کہ یہ لوگ خود بلا میں گر پڑے اور جہنم تو یقیناً کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی جہاد سے فراری کا ذکر

صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۱ پر اور صحیح مسلم مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۳۲۴ پر حضرت عمر کے متعلق لکھا ہے۔ فرجع ایضاً منہزماً یعنی حضرت عمر دو مرتبہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر آئے۔ نیز حافظ ابو نعیم اصفہانی حلیۃ الاولیا جلد ۱ صفحہ ۶۲ پر محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول صفحہ ۴۰ پر اور نیز سیرت ابن ہشام میں ۱۱ اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۱۴ میں حضرت عمر کا میدان جنگ سے بھاگنا لکھا ہے۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے علویات سبعہ کے نام سے سات قصیدے لکھے ہیں اور انہیں سے ایک میں کہتے ہیں۔

آیا تم نے خیبر کی داستان نہیں سنی جس میں عجیب عجیب نکات اور رموز پوشیدہ ہیں جن سے عقلمند حیران ہیں چونکہ وہ دونوں (ابوبکر و عمر) علم سے کوئی اُنس اور علمداری سے کوئی لگاؤ نہ رکھتے تھے لہذا بھاگ کھڑے ہوئے حالانکہ جانتے تھے کہ میدان جہاد سے بھاگنا ایک کفر آمیز گناہ ہے اور جو باعظمت نشانِ فوج اپنے ساتھ لے گئے تھے اُس کو بھی ذلت و خواری کا جامہ پہنا دیا۔ لائف آف محمدؐ کے صفحہ ۲۰۰ پر جنگ حُنین کا ذکر کرتے ہوئے واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے:۔

Struck with sudden panic the Moslims turned and fled. In vain did Mohmet call upon them as their general or appeal to them as Prophet of God.

اہل حق کیلئے قابل غور ہے کہ حمیت و شجاعت رکھنے والے انسان اپنے دوست یا محبوب دُنیاوی کیلئے بھی جان پر کھیل جاتے ہیں نہ کہ محبوب کو دشمنوں کے نرغہ میں معرضِ ہلاکت میں چھوڑ کر اپنی جان کی خیر مناتے ہوئے راہِ فرار اختیار کریں۔ حسن بن صباح کے فدائیوں کا واقعہ ہے کہ بادشاہ وقت ان سے حسد اور رنجش رکھتا تھا ایک دفعہ حسن بن صباح مع اپنے پیروؤں کے اور بادشاہ مع اپنے باڈی گارڈ کے باتیں کرتے ہوئے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چلے گئے۔ حسن بن صباح نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تم کہو تو کیا تمہارے آدمی اس پہاڑ پر سے کود جائیں گے۔ بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کی طرف نظر ڈالی۔ سب نے کہا خداوندا کوئی آپ سے لڑنے آئے یا حملہ کرے تو پھر ہم اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں۔ پہاڑی سے کود کر کتے کی موت مرنے سے کیا فائدہ۔ اب اس کے بعد حسن بن صباح نے اپنے پیروؤں کی طرف نظر پلٹائی۔ پیرو سمجھ گئے کہ آقا ہم سے کسی خدمت کا طالب ہے اُن سے کچھ کہا بھی نہ تھا کہ برابر کے پورے پیرو پہاڑ سے نیچے کود گئے۔ اس سے یہاں بحث نہیں کہ حسن بن صباح خود کس قسم کے آدمی تھے۔ سوال انکے پیروؤں کا ہے کہ وفادار کس طرح عمل کرتے ہیں بقول شاعر ؎

گر پڑے ہے آگ میں پروانہ سا کرم ضعیف
آدمی سے کیا نہ ہووے پر محبت ہو تو ہو

جہاں نقلی اور ٹمٹماتی ہوئی شمعوں کے پروانوں میں یہ جذبۂ وفاداری ہو تو شمع حقیقت سراج مُنیر کے پروانے ہونے کا دعویٰ کرنیوالوں کی یہ مرکز گریزی بہت کچھ جاذب نظر ہے۔ جن کو رسولؐ پر ایمان اور انکی محبت کا دعویٰ ہو اور جس پر

رسولؐ کو اپنے نفس سے اولیٰ سمجھنا بھی مومن ہونے کیلئے لازم ہو تو کیا وہ رسول کو محل ہلاکت میں چھوڑ کر میدان سے فرار ہو سکتا ہے؟ اوپر ذکر آچکا ہے کہ اس جنگ میں جب حضرت حمزہ اور حضرت شیر خداؑ کے ہاتھ سے لشکر کفار کے دس علم بردار پے در پے مارے گئے تو لشکر کفار کے ساتھ آئی ہوئی ایک عورت نے (بھاگنے کا تو کیا ذکر) آگے بڑھ کر اپنے لشکر کا علم اپنے ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ بہادری بجائے خود ایک اعلیٰ صفت ہے خواہ وہ کافر ہی میں کیوں نہ ہو۔ افسوس ہے کہ یہ معززین صحابہ عورتوں سے بھی گئے گزرے ہوئے کیا کہیں بھاگنے والے بھی اس مرد میدان کے برابر ہو سکتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ "بنیان مرصوص" فرمائے، ذوالفقار عطا کرے۔ رسولؐ اللہ رجل کرار غیر فرار کہیں اور جبرئیلؑ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار کہکر سر دھنتے رہیں اور ملائکہ فخر و مباہات کریں۔ بزدلی دکھانا پیٹھ پلٹا کر بھاگنا اور پھر معاف کیا جانا اور اسکے بعد بھی پھر بھاگنا جداگانہ چیز ہے اور شاہ لا فتیٰ ہونا جداگانہ امر ہے۔ اس موقع پر ایک ہندو شاعر منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی کہتے ہیں ؎

یہ رعب یہ جلال کسی اور میں کہاں — شیروں سے جا کے پوچھئے مردِ جری کی شان
اتنا عظیم مردِ خدا اور کون ہے — حیدر کی شان ہے جو نہیں وہ کسی کی شان
پیغمبری کی شان کا ارمان کیا کرے — جسکی اماموں میں ہو پیغمبری کی شان

غزوہ بنی نضیر اور غزوہ ذات الرقاع

ہجرت کے چوتھے سال یہ دو غزوے واقع ہوئے۔ یہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں تھیں جو زیادہ مشہور نہیں ہیں مگر ان میں بھی ذوالفقار حیدریؑ کے جوہر برابر کھلتے رہے۔ غزوہ بنی نضیر کے دوران شیر خداؑ نے ایک بڑے کافر جری کو مارا۔ یہ شخص بنی نضیر سے تھا اور بڑی رات گئے اپنے قلعہ سے اس نیت سے نکلا تھا کہ چھپ کر حضرت رسولؐ کے خیمہ میں پہونچے اور آپکو قتل کرے۔ حضرت علی علیہ السلام بلا کسی فہمائش و فرمائش کے خود ہی ہمیشہ چوکنا اور حفاظتِ رسولؐ میں کوشاں اور مستعد رہتے تھے آپ نے تاڑ لیا کہ یہ کافر بری نیت سے خیمہ رسول کا رُخ کر رہا ہے۔ شیر خدا نے راستہ ہی میں اسکو جا لیا اور دم کے دم میں جہنم داخل کر دیا۔

غزوۂ خندق یا جنگ احزاب

جنگ خندق ہجرت کے پانچویں سال واقع ہوئی۔ قریش نے آخری کوشش یہ کی کہ جتنی جماعتیں ملک عرب میں اسلام کے خلاف ان کو مل سکتی تھیں سب کو متحد کر لیا اور یہود کو بھی ساز باز کرکے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اسی جتھہ بندی کی وجہ سے اس لڑائی کو جنگِ احزاب کا بھی نام دیا گیا ہے۔ (احزاب کے معنی جتھوں کے ہیں) اس طرح اجتماعی طاقت سے دس ہزار کا لشکر ابوسفیان کی ماتحتی میں روانہ ہوا اور کچھ دن مدینہ کا محاصرہ کیے ہوئے رہا۔ حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے جناب رسولِ خدا نے شہر کے اطراف خندق کھدوائی اسی لحاظ سے اسکو غزوۂ خندق کہا جاتا ہے۔

ایک روز عمرو ابن عبدود ابن ابی قیس عامری اور اسکا بیٹا حسل بن عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل اور عبداللہ بن مغیرہ، ضرار بن خطاب، نوفل بن عبداللہ اور ہبیرہ بن ابی لہب وغیرہ گھوڑوں کو مہمیز کرکے خندق کے اس پار نکل آئے اور خندق کے دوسرے کنارے پر ابوسفیان خالد بن ولید اور دیگر سالاران لشکر کفار خندق کے برابر پرے جما کر کھڑے

ہوگئے۔ عمر ابن عبدود بڑے جوش سے مُبارزہ طلب ہوا اور کہا کہ سُنا ہے مسلمان کہتے ہیں جو جہاد میں مارا جاتا ہے بہشت میں جاتا ہے آؤ! آگے ہاتھوں سب مُسلمانوں کو بہشت میں بھجوا دوں۔ اس مُبارزہ طلبی پر بجز علی مرتضیٰ کے اور کوئی نہ اُٹھا۔ عمر ابن عبدود ایک مشہور زمانہ پہلوان تھا جو ایک ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا اور اہل عرب نے بہادری کا ایک خاص نشان اسے دے رکھا تھا حضرت رسولِ خدا نے علی مرتضیٰؑ کو بٹھا دے کر دوسروں کی طرف دیکھا اور حضرت عمر کو مقابلہ کیلئے ایما بھی فرمایا مگر حضرت عمر جانے راضی نہ ہوئے اور یہ کہنے لگے کہ اس دیوزاد کے مقابلہ میں کون لڑائی کو نکلے گا اور ایک واقعہ سُنایا کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت عمر اور کچھ لوگ عمر ابن عبدود کے ہمسفر تھے۔ راستہ میں ڈاکوؤں کے ایک زبردست گروہ نے حملہ کر دیا۔ عمر ابن عبدود کے پاس کوئی سپر بھی نہ تھی ایک بچہ شتر کو اس نے مثل سپر اُٹھا لیا اور قزاقوں میں سے بہت سوں کو مار گرایا اور بقیہ کو بھگا دیا۔ الغرض حضرت عمر خود بھی نہ نکلے اور دوسروں کی ہمتیں بھی پست کرنے لگے۔

بہرحال تین مرتبہ عمر ابن عبدود مبارزہ طلب ہوا اور ہر مرتبہ بجز علی مرتضیٰؑ کے کوئی نہ اٹھا۔ آخرکار جب حضرت رسولؐ نے دیکھا کہ کوئی اُٹھتا ہی نہیں تو علیؑ کے سر پر اپنا عمامہ باندھا اپنی عبا اُڑھائی اور اپنی تلوار عنایت کی اور جب شیر خداؑ عبدود کے مقابلہ کو جانے لگے تو فرمایا برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ۔ یعنی ایمان مجسم کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ شیر خداؑ نے عمر ابن عبدود کے سامنے دو شرطیں رکھیں کہ یا تو اسلام قبول کر یا گھوڑے سے اُتر کر عرب کے قاعدہ کے موافق مجھ سے لڑ کہ میرے پاس گھوڑا نہیں ہے۔ عمر ابن عبدود نے کہا اے بھتیجہ! میں نہیں چاہتا کہ تجھ کو قتل کروں۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا مگر واللہ میں چاہتا ہوں کہ تجھے قتل کروں۔ عبدود ایک کوہ پیکر نبرد آزما بہادر تھا اپنی طاقت دکھانے اور رُعب جمانے کیلئے اپنے گھوڑے کو اُٹھا کر خندق میں پھینک دیا۔ گھوڑا بھی ایسا زبردست تھا جو اسی فیل پیکر کے وزن کو سنبھالتا تھا۔ بہرحال وہ علی مرتضیٰؑ کے مقابلہ میں آ گیا اور دیر تک شیر خدا کا مقابلہ کرتا رہا اس ردوبدل میں ایک گرد و غبار بلند ہوا اور شیر خدا کا نعرۂ تکبیر بلند ہوا جس سے زمین و زمان میں لرزش پیدا ہوئی۔ شیر خدا اس وقت نعرۂ تکبیر بلند فرماتے تھے جب ذوالفقار کو پھر چلنے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ اس ضرب حیدریؑ کے بعد کوئی نہ بچتا تھا اور آپکے نعرۂ تکبیر سے لشکر مخالفین کے ہاتھوں سے تلوار کے قبضے چھوٹ جاتے تھے بہرحال جب گرد و غبار چھٹا تو دیکھا گیا کہ ضرب حیدریؑ سے عمر ابن عبدود سر تا پا مع خود و زرہ بکتر دو ٹکڑے ہو کر کٹ پڑا ہے۔

عبدود کا انتقام لینے کچھ اور بھی سرداران لشکر کفار علی مرتضیٰؑ کے سامنے آ گئے اور ہر ایک واصل جہنم ہوا۔ عبدود کا بیٹا حسل بھی لقمۂ ذوالفقارِ حیدری ہوا۔ لشکر کفار کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ عکرمہ بن ابی جہل نیزہ پٹک کر بھاگ نکلا اور اسکے سب ساتھیوں نے راہ فرار اختیار کی اُس وقت جنگ کا عام دستور تھا کہ جو شخص کسی کو مقابلہ میں قتل کرے اسکی زرہ، تلوار اور ہتھیار لے لیا کرتا تھا مگر علی مرتضیٰؑ کا طریقہ تھا کہ کبھی مقتول کی زرہ یا تلوار یا اسلحہ کو ہاتھ نہ لگایا خواہ وہ ہزاروں کی مالیت کی کیوں نہ ہوں۔ تاریخ الخمیس میں ہے کہ عمر ابن عبدود کی بہن اپنے بھائی کی نعش پر آئی اور پوچھا کہ میرے ناقابل تسخیر بھائی پر کس کا قابو چل گیا۔ لوگوں نے کہا کہ علی مرتضیٰؑ نے مارا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے بھائی کے جسم سے

کوئی چیز نہیں دی گئی ہے تو کہنے لگی کہ جس بہادر نے میرے بھائی کو مارا ہے وہ بڑا کریم تھا۔ ایسے شجاع کے ہاتھ سے میرے بھائی کا مارا جانا اس کیلئے کوئی ذلت نہیں۔ پھر اس نے یہ شعر کہے۔ اگر عمر کا قاتل علیؑ دو دمان علیؑ ابن ابی طالب کے سوا اور کوئی ہوتا تو میں عمر بھر رو یا کرتی مگر یہ معلوم کرکے میرے دل کو تسکین ہو گئی کہ عمر کا قاتل وہ بے عیب شخص ہے جس کو لوگ ہمیشہ سے بیضۃ البلد کہتے ہیں۔ جب علی مرتضیٰؑ اس کافر دیو ہیکل عمر ابن عبدود اور اس کے دیگر ساتھوں کو فی النار کرکے لوٹے تو حضرت رسولؐ نے بڑھکر گلے لگا لیا اور فرمایا کہ۔ ضربت علی یوم الخندق افضل من عبادت الثقلین الی یوم القیامۃ (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۲)

جنگِ خندق کے متعلق خواجہ حسن نظامی کا بیان

مولانا خواجہ حسن نظامی اپنی کتاب "فاطمی دعوت اسلام" کے صفحہ ۱۱۲ پر جنگ خندق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ حضرت علیؑ نے جست کرکے ایک ایسا ہاتھ اس کی گردن پر مارا کہ تلوار گردن کو کاٹتی ہوئی بازو اور سینہ کو چیرتی ہوئی بائیں پہلو کی طرف سے باہر نکل آئی اور عمر ابن عبدود مردہ ہو کر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر کفار کے سات سردار گھوڑے کدا کر خندق کے اندر آئے اور حضرت علیؑ پر حملہ کیا۔ اسوقت حضرت عمر اور ایک صحابی نے آگے بڑھکر حضرت علیؑ کی مدد کرنی چاہی۔ مگر قبل اس کے کہ یہ امداد پہنچتی علیؑ نے سات میں سے تین آدمیوں کو مار ڈالا اور چار بھاگ گئے۔ ان بھاگنے والوں میں حضرت عمر کے ایک بھائی تھے جنہوں نے بھاگتے بھاگتے حضرت عمر کو زخمی کر دیا۔

دیلمی نے فردوس الاخبار میں عبداللہ ابن مسعود سے اور حاکم نے شہر بن حکیم سے بھی روایت ان الفاظ میں درج کی ہے۔ ضربۃ علی افضل من عمل امتی الی یوم القیامۃ ؕ

میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب **Hazrat Ali An Amir** پر تحریر فرماتے ہیں:

Not one from the Muslim camp was prepared to go against the Meccan hero Amr ibne Abd-ud It was only Ali who offered himself to go against the gaint like warrior champion of Meccans. In a single combat Ali killed his un-conquerable adversary at which the holy Prophet gave the historéc declaration.

Zarbatu Aliyyin yaumal Khandaq afzalu ibadatus saqalain ie the one strokeof Ali on the day of Ditch, is superior to the devetional prayers of both the worlds.

قرآن شریف میں ایک مستقل سورہ احزاب، جنگ احزاب (خندق) کے نام سے ہے اس سورہ کی آیت

۸ تا ۱۱ میں کفار کے چڑھ آنے کا ذکر اس طرح ہے ۔ اذ جاؤکم من فوقکم و من اسفل منکم و اذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر و تظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المومنون و زلزلو زلزالا شدیدا ۝ یعنی جس وقت وہ لوگ تمہارے اوپر سے آپڑے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی چل گئے اور جس وقت تمہاری آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں اور کلیجے منہ کو آگئے تھے اور خدا پر طرح طرح کے خیال کرنے لگے تھے۔ یہاں پر مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب اچھی طرح جھنجھوڑے گئے تھے۔

یہ صاف اشارہ فوج مشرکین کے خندق پر جمع ہو جانے اور وہیں جا کر کھڑے ہونے اور عمر ابن عبدود جبل بن عمر بن عبد ود، نوفل، عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ کے خندق پار کر کے خیمۂ رسول ؐ کے قریب آکر مبارز طلب ہونے کی طرف ہے اس کے بعد کی آیتوں میں اس حالت کا ذکر ہے جو مارے خوف کے بعض مسلمانوں پر طاری ہوگئی تھی۔ اس سورہ کی آیات ۱۸ و ۱۹ میں ہے :- قد یعلم اللہ المعوقین منکم والقائلین لاخوانھم ھلم الینا ولا یاتون الباس الا قلیلا اشحۃ علیکم فاذا جاء الخوف رایتھم ینظرون الیک تدور اعینھم کالذی یغشی علیہ من الموت ۝ یعنی تم میں سے جو لوگ دوسروں کو جہاد سے روکتے ہیں خدا ان کو خوب جانتا ہے اور ان کو بھی جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس چلے بھی آؤ اور خود بھی لڑائی میں بس ایک ذرا سا آکر اپنی جان چرائی اور چل دیئے جب خوف کا وقت آپڑا تو تم دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں کہ جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی چھا جائے - متذکرہ صدر آیات قرآنی جنگ خندق ہی سے متعلق ہیں اور سورۂ محمدؐ کی آیت ۲۰ میں بھی جہاد سے جی چرانے اور گھبرانے والوں کا ذکر ہے:-

وذکر فیھا القتال رایت الذین فی قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشی علیہ من الموت فاولی لھم ۝ یعنی جہاد کا بیان ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تو ان کو دیکھو گے کہ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی چھا جائے (اور ان کی آنکھیں پتھرا جائیں) تو ان لوگوں پر وائے ہو۔ ان آیتوں کو واقعات تاریخی سے ملا کر دیکھا جائے تو یہ صاف ان کیفیات کی طرف اشارہ نکلتا ہے جب صحابہ میں سے بعض خود بھی خوف کھا رہے تھے اور لوگوں کو بھی خوف دلا رہے تھے کہ عمر ابن عبدود کے مقابلہ کو کون جا سکتا ہے یہ تو ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے جو حضرت عمر کے خاص مداحوں میں سے تھے بے سند روایت یہ لکھنے کی کوشش کی ہے۔ جنگ خندق سے قبل ایک روز کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے زبیر کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا" مگر خود مولانا شبلی جو حضرت عمر کے دوسرے بڑے مداح ہیں اپنی کتاب "الفاروق" کے حصہ پر اپنے نوٹ میں اس واقعہ کی اس طرح تردید کر دی "یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے لیکن میں نے کسی کتاب میں اس کی سند نہیں پائی" اول تو روایت بے سند اور علانیہ موضوع اور پھر الفاظ بھی قابل غور کہ "جنگ خندق کے دن نہیں بلکہ جنگ خندق سے قبل ایک دن۔ اگر حضرت عمر میں ایسی ہی بہادری تھی تو

پھر جنگ خندق کے دن کیا ہو گیا کہ حضرت رسولؐ کی بار بار نہمائش پر بھی ٹس مس نہیں ہوتے اور دوسروں کو خوف دلاتے ہیں کہ اس ہزار آدمی کے برابر بہادر کے مقابلہ میں کون جا سکتا ہے" روایت کے مزید الفاظ ملاحظہ ہوں کہ کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا یعنی حملہ بھی نہیں ہوا بلکہ ارادہ کی خبر پا کر حضرت عمر پہونچ گئے اور آگے بڑھ کر روکا یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی اگر آگے بڑھنے والے ہوتے تو نہ خیبر میں علم لیکر بھاگتے نہ احد و حنین میں فرار ہوتے اور نہ خندق ہی میں حضرت رسولؐ کی نہمائش کے باوجود ایک کافر کے کھلے ہوئے چیلنج پر دم سادھ کر بیٹھے رہتے اور زبان کھولی بھی تو اس کافر کی بہادری کا کلمہ پڑھتے ہوئے۔

سورۂ احزاب کی آیات ۲۲ و ۲۳ میں حضرت شیر خدا علی مرتضیٰؑ کے جوش جہاد کا بھی نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ ولما راء المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ ۃ یعنی جب ایمانداروں نے (کفار کے) جھٹوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو وہی ہے جس کا خدا اور اسکے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا اور ان کا ایمان اور ان کی اطاعت اور بھی زیادہ ہو گئی اور مومنین میں سے ایسے بھی مرد ہیں کہ اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ سورۂ احزاب کے اسی رکوع میں وہ آیت (آیت ۲۵) بھی موجود ہے جس کے متعلق ابن طلحہ شافعی "مطالب السؤل" میں لکھتے ہیں کہ اسمیں حضرت علیؑ کا نام تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ وہ اس اس آیت کو یوں پڑھتے تھے۔ وکفی اللہ المومنین القتال بعلی وکان اللہ قویا عزیزا۔

اب یہ آیت صرف اس طرح درج ہے وکفی اللہ المومنین القتال وکان اللہ قویا عزیزا۔

بہرحال اس سے بحث نہیں کہ نام نکال دیا گیا یا نہیں نکالا گیا مگر حضرت شیر خدا کے کارنامے کو کہاں کوئی اپنی جگہ سے ہٹا سکتا ہے۔ یوں تو تمام جنگوں میں بھی بڑے بڑے پہلوانوں کے مقابلہ کیلئے اور اس جنگ میں بھی عمرو ابن عبدود کو قتل کرنے جس کو حضرت رسولؐ نے کُل کفر سے تشبیہ دی تھی۔ بجز ایمان مجسم علی مرتضیٰؑ شیر خدا کے اور کون آیا تھا، آیت پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ یہ حضرت شیر خداؑ کی تعریف میں ہے اور خواہ نام نکالا گیا ہو یا نہ نکالا گیا ہو۔ چشم بینا کو اس آیت میں نام علیؑ خود بخود نظر آ جاتا ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

اک ضرب ید اللٰہی اک سجدۂ شبیریؑ

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے

جنگِ خندق سے ایک عظیم گوشہ بھی اُبھر آیا۔ حضرت علی علیہ السلام تو کل ایمان، روح ایمان، عین ایمان تھے ہی تھے مگر یہ عبدود کیسے کُل کفر ہو گیا۔ بقول علاّمہ ناصر الدین اجتہادی مدظلہٗ کل کفر کا خطاب بھی آسانی سے نہیں ملتا۔ کل کفر ہوتا تو شیطان ہو سکتا مگر وہ بھی کان من الکفارین یعنی کافرین میں سے ایک تھا۔ مگر حضرت رسولؐ کے ارشاد نے یہ نکتہ واضح کر دیا کہ علیؑ کے مقابلہ میں جو کوئی بھی آئے، اب یا کبھی وہ کُل کفر بن جاتا ہے۔

جنگِ خیبر

۷ ہجری میں جنگ خیبر واقع ہوئی۔ خیبر مدینہ سے ۸۰، ۹۰ میل پر یہودیوں کی قلعہ بند آبادی تھی۔ فریق مخالف اس جنگ میں یہودیان خیبر تھے جن کی تعداد دس ہزار تھی اور یہ عنقریب مدینہ پر حملہ کرنیوالے تھے۔ رسولؐ خدا نے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے اس کثیر التعداد لشکر والے قلعہ خیبر پر چودہ سو پیدل اور دو سو

سواروں کے ساتھ چڑھائی فرمائی۔ مرحب سردار قلعہ تھا اس کا بھائی حارث جو مشہور پہلوان تھا اور ان ہی کا ایک ہم پلہ عنتر بھی سرداران لشکر یہود میں شامل تھے۔ حضرت رسول ؐ درد شقیقہ میں مبتلا تھے جس کا سلسلہ ۴۰ دن تک جاری رہا۔ علی مرتضیٰ ؑ بوجہ آشوب چشم پہلی منزل پر رہ گئے تھے تین مرتبہ ایسا ہوا کہ مختلف لوگوں کی سرداری میں جیسے حضرت ابو بکر و عمر بھی تھے، لشکر اسلام قلعہ خیبر پر جاتا اور شکست کھا کر پلٹ آتا۔ مرحب و حارث و عنتر لشکر اسلام کو دور تک بھگا کر واپس ہوتے۔ تاریخ طبری ص۷۹ اور مستدرک میں درج ہے کہ واپس بھاگ آنے پر حضرت عمر نے اپنے ساتھیوں پر نامردی کا الزام لگایا تھا اور ان کے ساتھی یہی الزام حضرت عمر پر لگاتے تھے۔ رسول خداؐ نے جب اس طرح مختلف لوگوں کا امتحان فرمالیا اور لوگوں نے بھی حقیقتِ حال دیکھ لی تو اب رسول خداؐ نے فرمایا لاعطین الرایۃ غدا رجلا کرارا غیر فرار یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ یفتح اللہ علی یدیہ و جبرئیل عن یمینہ و میکائیل عن یسارہ۔ مشکوٰۃ المصابیح ص۵۶۳ و حدیث البراء و باب طرغ الصغیر بہ روایت سہل بن سعد صحیح بخاری پاب ۱۲ ص۹۶ و ۱۰۲ و ۱۱۴ و باب (۴۸) ص۳۸۶ و باب ۷ ص۹ صحیح مسلم جلد ۲ ص۲۷ جامع ترمذی ص۲۱۴ مستدرک جلد ۳ ص۱۲۵ مسند امام حنبل جلد ۲ ص۲۱ طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول استیعاب جلد ۲ ص۴۳۴ ریاض النضرہ جلد ۲ ص۱۸۷ و اصابہ جلد ۲ ص۵۰۸ و اسد الغابہ جلد ۴ ص۲۱ و منتخب کنز العمال ص۱۳۰۔

یعنی کل میں علم ایسے مرد کو دینے والا ہوں جو تابڑ توڑ حملے کرنے والا ہے اور پلٹ کر بھاگنے والا نہیں ہے اور جو اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور رسولؐ اُسکو دوست رکھتے ہیں۔ اللہ اس کے ہاتھ پر فتح عطا کرے گا۔ جبرئیل اس کی دائیں جانب اور میکائیل اُس کی بائیں جانب ہوں گے۔ بہرحال یہ سُن کر بہت سارے لوگوں کو تشویش پیدا ہوئی کہ کاش ان صفات کے متصف ہم قرار دیئے جائیں اور ہم کو علم مل جائے۔ چونکہ حضرت علی مرتضیٰ بیمار اور پیچھے کی منزل میں رہ گئے تھے۔ لوگوں کو میدان اور بھی صاف نظر آیا اور خیال گزرا کہ موجودین میں سے ہی غالباً کسی کو علم عطا ہوگا۔ جب صبح ہوئی تو ایک ایک آدمی بڑے بڑے اسلحہ لگا کر سامنے آیا اور بعض مثلاً سعد ابن ابی وقاص نے تو اپنے اسلحہ کی نمائش اور اپنی طرف توجہ معطوف کرانے حضرت رسولؐ کے سامنے اپنے کو گرا بھی دیا۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ مجھے سرداری لشکر کی خواہش ایسی کبھی نہیں ہوئی تھی جیسی خیبر کے دن رسول اللہؐ کے اس ارشاد کے بعد ہوئی۔ بہرحال بہت سارے اپنی اپنی سرداری کی فکر میں رہے مگر پیغمبر خداؐ نے سب پر نظر ڈال کر فرمایا۔ "این علی ابن ابی طالب" علیؑ کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ وہ تو آشوب چشم سے بیمار اور پچھلی منزل پر ہیں۔ رسول خداؐ کو خود معلوم تھا مگر یہ فرمانے کا ایک ڈھنگ تھا۔ آپ نے سلمانؓ سے فرمایا کہ علی کو بلا لاؤ یہ رسولؐ کا وہ معتبر قاصد تھا جس پر آپکو پورا بھروسہ تھا کہ درمیان میں کچھ احکام کی تحریف کا امکان نہیں اسی لئے ایسے شخص کا انتخاب فرمایا تھا کہ جس کے متعلق ارشاد فرمایا تھا سلمان منا اھل البیت۔

بہرحال حضرت علی مرتضیٰؑ بحالت آشوب چشم تشریف لائے اور رسولؐ خدا نے اپنا لعاب دہن آنکھوں میں لگا دیا کہ آشوب جاتا رہا۔ اس کے بعد رسول خداؐ نے علم علی مرتضیٰؑ کو عطا کیا اور حضرت علی مرتضیٰؑ علم لئے ہوئے فوج سے آگے آگے خیبر پر روانہ ہو گئے۔ اس قلعہ کی یہ حالت تھی کہ کئی گز موٹی زبردست فصیل اطراف میں تھی اور اس کے نیچے خندق کھدی ہوئی تھی دروازہ اسکا لوہے کا تھا جس کو (۸۰) آدمی مل کر کھولتے اور بند کرتے تھے۔ اسی دروازہ کے منھ پر مرحب و حارث و عنتر ایک جرار لشکر لئے ہوئے کھڑے تھے۔ تاریخ الخمیس روضۃ الصفا اور حبیب السیر میں درج ہے کہ حضرت علیؑ نے وہ علم حصار قموص کے نیچے پتھر پر گاڑ دیا۔ احبار یہود

میں سے ایک شخص حصار پر کھڑا تھا اس نے آپ کا نام پوچھا۔ آپ نے فرمایا "حیدرؑ میرا ہی نام ہے" اس پر اس نے اپنی فوج سے
کہا کہ توریت کی قسم ہم مغلوب ہو گئے۔ یہ بغیر فتح کئے یہاں سے نہ لوٹے گا۔ صاحبِ مدارج النبوۃ لکھتے ہیں کہ کتب سابقہ میں
حضرت رسول خداؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ کے اوصاف اور حالات درج ہیں۔ اس یہودی نے اپنی کتابوں سے یہ علم
حاصل کیا تھا جو نام اس نے اپنی کتابوں میں دیکھا تھا۔ وہی یاد دلا کر شیرِ خداؑ نے فرمایا کہ "حیدرؑ میرا ہی نام ہے" پہلے جو شخص
لڑنے کے لئے نکلا وہ حارث برادر مرحب تھا جس کے نیزہ کی سنان تین سیر کی تھی۔ شیر خداؑ نے ایک ہی وار میں اس کا
کام تمام کر دیا اس پر مرحب آگ بگولا ہو گیا۔ یہ اپنی شجاعت کیلئے دُور دور تک مشہور تھا۔ یہ ایک دیو ہیکل پہلوان اور
فن حرب کا ماہر تھا۔ بڑے بڑے سورما اس کا نام سنکر کان پکڑتے تھے۔ آج یہ دو زرہیں پہنے ہوئے تھا اور دوؔ تلواریں حائل
تھیں دوہرا عمامہ باندھکر اس پر آہنی خود پہنا تھا۔ شیرِ خداؑ کے مقابلہ کے لئے رجز پڑھتا ہوا گھوڑے پر نکلا۔ حضرت علیؑ نے کہا:۔
انا الذی سمتنی امی حیدرہ۔ ضرغام اجام ولیث قسورہ: میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے
یعنی اسد بیشہ اور بہادر شیر کہتے ہیں کہ مرحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ اسکو شیر پھاڑ رہا ہے۔ حضرت نے اس شعر میں
اس کو وہ خواب یاد دلایا تھا۔ مرحب نے آتے ہی اپنے تین بھال والے نیزہ سے شیرِ خداؑ پر وار کیا۔ آپ نے اس کو رد کیا
اور نعرہ اللہ اکبر کے ساتھ ذوالفقار کا ایک بھرپور ہاتھ اس طرح سر پر مارا کہ خود دوہری زرہ بکتر، جسم اور گھوڑے کو کاٹتی
ہوئی ذوالفقار حیدریؑ پار نکل گئی اور پورا جسم مع گھوڑے کے دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ اس کے بعد عنتر جو مرحب و حارث کا
ہم پلہ پہلوان سمجھا جاتا تھا بل کھاتا ہوا نکلا اور آن کی آن میں طعمۂ ذوالفقار حیدریؑ ہوا۔ یہود کے دوسرے مشہور پہلوان
ربیع اور یاسر وغیرہ یکے بعد دیگرے آئے اور شیرِ خداؑ کی ایک ایک ضرب سے دو نیم ہو کر گرے۔ ایک آنِ مختصر میں ایسے
بڑے بڑے فیل تن سات پہلوانوں کو یوں کاٹ کر ڈال دینا کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا جوشِ شجاعت میں شیرِ خداؑ
درِ خیبر پر پہونچ گئے اور بائیں ہاتھ میں اس تین ہزار من لوہے کے دروازہ کو اس طرح اکھیڑ دیا کہ پورا قلعہ خیبر لرز گیا
اور حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب جو حضرت موسیٰؑ کے خاندان سے تھیں اور جو بعد میں زوجیت رسولؐ میں آ گئیں
اسی لرزش سے تخت پر سے نیچے گریں اور آپ کا ایک دانت ٹوٹ گیا پورا قلعہ زیر و زبر ہو گیا۔ شیرِ خدا دروازہ کو
اکھیڑ کر اس کو بطور سپر کام میں لا کر لڑتے رہے اور دروازہ ہاتھ پر تھام کر لوگوں کو اس پر سوار کرا کے خندق کے پار کر کے
قلعہ میں داخل کر دیا۔ خیبر کے باشندوں نے جب ایسی قوت کا مظاہرہ دیکھا تو الامان الامان کی آوازیں بلند کرنے لگے
سیوطی لکھتے ہیں کہ شیرِ خداؑ نے پتھر پر علم کے نیز کو اس زور سے مارا کہ نیزہ پتھر میں کئی فٹ در آیا اور اس طرح اسلام کا
پرچم قلعۂ خیبر پر لہرا دیا۔ مشکوٰۃ المصابیح اور باب بلوغ الصغیر میں درج ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا یا علی انت منی
وانا منک یعنی یا علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ اس موقع پر جبرئیلؑ بھی حاضر تھے اور کہا کہ وانا منکما یعنی میں
آپ دونوں سے ہوں۔
مدارج النبوۃ، روضۃ الصفا، حبیب السیر اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب خیبر فتح کر کے حضرت علیؑ واپس

آرہے تھے تو رسول خدا فرط محبت سے ان کے استقبال کے لئے خیمہ سے نکل آئے۔ حضرت علیؑ کو سینہ سے لپٹا لیا اور اور آنکھوں کو بوسہ دیکر فرمایا اے علیؑ تمہاری سعی مشکور ہوئی اور اللہ اور اسکا رسول دونوں تم سے خوش ہیں۔ حضرت علیؑ کی آنکھیں خوشی سے تر ہوگئیں۔ کسی نے خوب کہا ہے اور بچے اسکو بڑے جوش سے پڑھتے ہیں۔

للکار کے مرحب کو پچھاڑا کس نے	پتھر پہ علم دین کا گاڑا کس نے
پوچھو در خیبر کو اکھاڑا کس نے	اصحاب پیمبرؐ تو سبھی تھے حاضر

حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے قلعت باب الخیبر باالقوتہ الرحمانیہ لا باالقوتہ الجسمانیہ۔ یعنی میں نے در خیبر جسمانی طاقت سے نہیں بلکہ رحمانی طاقت سے اکھیڑا ہے۔ یہاں اس امر کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ اہل طریقت میں دعائے حیدری ایک مشہور دعا ہے جس میں دعائے نادعلیؑ کے پورے فقرے مع دیگر دعائیہ جملوں کے آئے ہیں اور حضرت رسولؐ اور اہلبیت اطہار کا واسطہ و حضرت علیہ السلام کو یا ولی اللہ یا محبوب اللہ یا ظہور اللہ یا مظہر العجائب وغیرہ سے خطاب کرکے اور آپ کے اسم اقدس کے وسیلہ سے بارگاہ رب العزت میں التماس کیا جاتا ہے۔ اسکی ابتدا یوں بیان کی جاتی ہے کہ ایک مشہور بزرگ حضرت عبدالحق راجولویؒ کو خواب میں حضرت علی علیہ السلام نے یہ دعا تلقین فرمائی تھی بعض بزرگان اہل طریقت نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جب خشوع و خضوع سے اور شرائط ملزومہ کے ساتھ یہ دعا پڑھی جاتی تو حضرت علی علیہ السلام کے نام کی دہائی کے ساتھ ہی دیوار پر لٹکی ہوئی تلوار خود بخود بلند ہو جاتی۔ لمحہ فکریہ ہے کہ جن نام کی دعائی میں یہ اثر ہو تو خود اس ذات کی کیا کیفیت ہوگی۔ لاریب قلعہ خیبر کو بائیں ہاتھ سے اکھیڑ دینا اس کے لئے بائیں ہاتھ ہی کا کھیل ہوگا۔ ید اللہ میں ایسی ہی قوت ہوگی اور ضرور ہوگی۔

لافتےٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار	شاہ مردان شیر یزداں قوت پروردگار

جنگ خیبر کے متعلق ولیم میور کا خیال

جنگ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے سر ولیم میور اپنی کتاب محمد اینڈ اسلام کے صفحہ ۱۲۸ پر رقمطراز ہیں: "ایک سخت معرکہ پیش آیا جس میں علی نے حسب معمول بے مثال شجاعت سے اپنے منفرد کمال کا لوہا منوالیا۔ جب ان کی ڈھال کھوگئی تو انھوں نے (خیبر کے) دروازہ کو اکھیڑ لیا اور سیمسن (جو دنیا کا طاقتور ترین انسان مشہور ہے) کی طرح ڈھال کی جگہ اسکو استعمال کرتے رہے" اصل عبارت یہ ہے:۔

'A severe engagement ensued in which Aly as usual distinguished himself by signal bravery. Having lost his shield he seized the lintel of a door which, Samson-like he wielded in its stead'.

یہاں ہم حضرت علیؑ کے سیرت نگاروں کے ایک متفقہ بیان کی طرف اشارہ برمحل سمجھتے ہیں کہ بچپن ہی میں جھولے میں آپکی قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بڑے اژدر کے کلّہ کو چیر کر دو کر دیا اور ابو جہل کو ایسا طمانچہ جھولے میں سے رسید کیا کہ تا عمر اس کی گردن ٹیڑھی ہو کر رہ گئی۔ اگر کسی کی کلائی پکڑ لیتے تو نبض ساقط اور سانس رک جاتی تھی معجز نمائی اور قوتِ ربانیہ کے اظہار کے قطع نظر قوتِ ظاہری کا بھی یہ حال تھا۔

غزوۂ حنین

آخری لڑائی جو لشکر اسلام اور کفار قریش کے درمیان ہوئی غزوۂ حنین ہے جو یکم شوال ۸ھ کو لڑی گئی اس میں زیادہ تر قبیلہ ہائے ہوازن و ثقیف شریک تھے مسلمانوں کا لشکر سولہ ہزار کا تھا جس میں مکہ کے دو ہزار باشندے بھی شریک تھے جو فتح مکہ کے بعد ابھی ابھی اسلام لائے تھے۔ ۶ شوال کو آنحضرتؐ دلدل پر سوار ہو کر مکہ سے نکلے۔ وادی حنین میں دشمن پہلے ہی سے پہونچ چکا تھا۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ آج ہم لشکر کی وجہ سے شکست نہ پا سکیں گے۔ دشمن نے کمین گاہ سے نکل کر اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے بعض مارے گئے اور اکثر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حبیب السیر اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلے خالد بن ولید بھاگے (جو مسلمان ہو کر اب لشکر اسلام میں شریک تھے) ان کے پیچھے قریش کے نو مسلم چلے پھر ایک ایک کر کے مہاجرین و انصار نے راہ فرار اختیار کی حضرات شیخین بھی بھاگے ابو سفیان جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام ظاہری لے آئے تھے "کفر در دل برزبان اللہ اکبر داشتن" کے مصداق تھے۔ بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو دیکھکر خوب خوب بغلیں بجا رہے تھے اور کہہ رہے تھے ابھی کیا ہے۔ ابھی تو مسلمان سمندر تک بھاگیں گے۔ صفوان بن امیّہ کا بھائی کلدہ کہہ رہا تھا اب محمد کا جادو جاتا رہا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابو قتادہ نے کہا سب مسلمان بھاگ نکلے اور ہم بھی بھاگے۔ ان ہی بھاگنے والوں میں حضرت عمر بھی تھے۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں بھاگے جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی مرضی یوں ہی ہے (تاریخ الخمیس) اور مسند ابن تیم وغیرہ میں حمیدی کی جمع بین الصحیحین، اور حلبی سیرۃ الحلبیہ جلد سوم ص ۱۲۳ میں لکھتے ہیں کہ جنگ حنین میں ایک وقت وہ آ گیا تھا سب صحابی بھاگ نکلے اور۔ صرف چار آدمی حضرت رسولِ خدا کے ساتھ رہ گئے تھے یعنی (۱) علیؑ (۲) عباس ابن عبد المطلب (۳) ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب ابو عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب کے بھائی جو جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ (۴) عبد اللہ ابن مسعود۔ ایک روایت کی بموجب جملہ نو آدمی ثابت قدم رہے تھے۔ مگر ان نو ثابت قدموں میں بھی حضرت ابوبکر، عمر و عثمان کا نام نہیں ہے۔ حضرت رسول فرارین کو غیرت دلانے یا اصحاب الشجرہ یا اصحاب السمرہ کہہ کر پکار رہے تھے اور آخر میں ایک ایک کا نام لیکر پکارا اِنِّی فلاں اِنِّی فلاں انا رسول اللہ۔ مگر کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھتا تھا۔ ایک شخص مالک ابن عوف نے آگے بڑھکر حضرت رسولؐ پر حملہ کیا۔ ایمن ابن ام ایمن آڑے آگئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ ذوالفقار حیدری حضرت رسولؐ پر سے دشمنوں کو دفاع کرنے میں شعلہ برق کی طرح چل رہی تھی۔ حضرت رسولؐ خود لڑنے آگے بڑھ گئے مگر حضرت عباس نے گھوڑے کی لگام تھام لی اور آپکو آگے بڑھنے نہ دیا۔ حضرت عباس کی آواز بڑی باٹ دار تھی۔ انصار کو انہوں نے قریب سے بھاگتے ہوئے دیکھکر للکارا۔ تقریباً (۱۰۰) انصار میدان جنگ میں واپس آ گئے مگر

بھاگ گئے۔ ہوئے مہاجرین میں سے پھر بھی کوئی واپس نہ آیا۔ ایک پہلوان ابوجرول جو کفار کا علمدار تھا رجز پڑھتا ہوا بڑھا اور مبارز طلب ہوا۔ اس کوہ پیکر کو دیکھکر مسلمانوں میں سے کسی کی جراءت سامنے جانے کی نہ ہوئی مگر شاہ لافتیٰ نے آگے بڑھکر ذوالفقار کی ایک ضرب میں ابوجرول کو عبدود۔ مرحب۔ حارث و منتر کے پاس پہونچا دیا اس جنگ میں جملہ (۷۰) کفار مارے گئے جیسیں سے (۴۰) خاص علی مرتضیٰ کی تلوار کے گھاٹ اترے۔ اس جنگ میں بھی علاوہ دیگر مہاجرین کے حضرت ابوبکر و عمر کا بھاگن صحیح بخاری میں بروایت ابوقتادہ درج ہے۔

تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ جنگ حنین میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایسے بدحواس ہو کر بھاگے کہ کوئی کسی کی طرف ملتفت نہ ہوتا تھا۔ مورخ ابن الوردی لکھتا ہے کہ بروز حنین صحابہ نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت رسول خدا نے عباس سے کہا کہ بھاگنے والوں کو آواز دو مگر کوئی نہ سنتا تھا۔

سیرۃ الحلبیہ۔ علامہ حلبی شافعی میں ہے کہ اسوقت ابوسفیان بن حارث بن مطلب (بنی ہاشم) پیغمبر صاحب کی رکاب تھامے ہوئے تھے اور آنحضرتؐ لوگوں کو گریز کرتے ہوئے دیکھکر فرمارہے تھے کہ تم کہاں بھاگے جاتے وہ کسی طرح التفات نہ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے عباس سے فرمایا کہ تم ان کو آواز دو کہ اے گروہ انصار اے اصحاب سمرہ (زیر درخت سمرہ بیعت رضوان کرنے والو) کہاں بھاگے جاتے ہو۔ مسند احمد ابن حنبل میں معقل بن یسار سے روایت ہے کہ روز حدیبیہ مسلمانوں نے رسول اللہ کی بیعت اس بات پر کی تھی کہ جنگ سے فرار نہ کریں گے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں کہ جب بروز غزوۂ حنین مسلمان پسپا ہو کر بھاگے تو حضرت علیؑ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔

کنزالعمال میں ہے کہ ابن عساکر نے حسینؑ بن علیؑ سے روایت کی ہے کہ بروز حنین جو لوگ رسولؐ کیساتھ ثابت قدم رہے وہ حضرت علیؑ۔ عباس۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابوطالب۔ زبیرؓ بن العوام اور عبداللہ ابن زبیر اور اسامہ بن زید ہیں۔ علامہ حلبی سیرۃ حلبیہ میں لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جب بروز حنین لوگوں نے رسول اللہ کے پاس سے فرار کیا تو آنحضرتؐ کے ساتھ چار شخص باقی رہ گئے تین بنی ہاشم یعنی علی ابن ابی طالبؑ عباس ابن عبدالمطلب اور ابوسفیان بن حارث بن مطلب اور ایک غیر بنی ہاشم عبداللہ ابن مسعود تھے۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب Hazrat Ali As An Amir کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں:۔

The entire Muslim army which became completely disorganised and miserably dispersed .....and some of the companions of the Holy Prophet fled away and the situation became very critical and the battle field became a valley of death for Muslims ... Hazrat Ali showed great leadership and by his dauntless courage he not only checked the advance of the enemy by successfully holding the defile but also slowly

and surely pushed the enemy back till at last the enemy wqs completely routed by a big counter attack by Ali who was not only fighting and guiding move against the enemy but also defending and protecting the Holy Prophet in person."

سورۂ توبہ کی آیت ۲۵ میں مسلمانوں کے روز حنین بھاگنے کا ذکر موجود ہے جس کا حوالہ پہلے بھی آچکا ہے ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین یعنی جنگ حنین کے دن جب تمہیں تمہاری اپنی کثرت نے مغرور کر دیا تھا پھر وہ کثرت تمہیں کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ علامہ ابن ابی الحدید اپنے ایک شعر میں حضرت ابوبکر و عمر کے فرار کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

ولیس بنکوفی حنین فرارہ   وفی احد قد فرخوفا و خیبرا

یعنی جنگ حنین سے حضرت ابوبکر و عمر کا فرار کوئی تعجب خیز نئی بات نہیں ہے کیونکہ یہ تو احد میں بھی اور خیبر میں بھی خوف کے مارے فرار ہو چکے تھے۔ صحیح بخاری باب غزوۂ حنین میں ابی قتادہ سے روایت ہے کہ جب مسلمان بھاگ گئے اور میں بھی بھاگا۔ تو ناگاہ میں نے عمر بن الخطاب کو لوگوں میں بھاگتے دیکھا تو میں نے دریافت کیا کہ کیا ہو گیا کہ لوگ سب کے سب بھاگ گئے۔ فرمایا۔ خدا کا حکم یہی تھا کہ ہم بھاگ جائیں نہ بھاگنا ہمارے اختیار میں نہ تھا۔ جہاد سے بھاگنے کی اس بلاوجہ کی تاویل پر ارشاد باری ہے۔ یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ ۔ یعنی ناحق اللہ تعالیٰ کے متعلق زمانۂ جاہلیت کی ایسی بدگمانیاں کرنے لگے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۵۴) ۹ھ میں وادی الرمل کی جنگ ہوئی حضرت ابوبکر و عمر بن العاص یہاں سے بھی ناکام واپس آئے تھے۔ حضرت علی نے یہ جنگ بھی فتح کی سورہ والعادیات اسی لڑائی کے متعلق نازل ہوا ہے جیسی دشمن کے دل پر گھس جانے کا ذکر ہے۔ حضرت رسولؐ کی وہ بے پناہ شجاعت تھی کہ خواہ زخمی ہوں خواہ نرغۂ اعداء میں گھر جائیں اور خواہ آپ کے بیشتر ساتھی بھاگ چکے ہوں میدان جنگ سے کبھی ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے۔ قابل غور ہے کہ ایسے شجاع پیغمبرؐ کے اصحاب کو اپنے پیغمبر کو میدان جنگ میں چھوڑ کر فرار ہونا کس حد تک زیب دیتا ہے۔ ایسے بہادر کی جانشینی کا دعویٰ فراری کس طرح کر سکتے ہیں اور پھر شاہ لافتیٰ فاتح بدر و حنین رجل کرار غیر فرار کے سامنے فراریں کو کیا تاب دم زدن ہے۔ سب سے پہلے تو یہ امر ہی معرض بحث میں آجاتا ہے کہ فرارین مومنین کی تعریف میں بھی آتے ہیں یا نہیں اس کیلئے ہم قرآن کی ایک واضح آیت کا حوالہ دیتے ہیں سورہ نور کی آیت ۶۲۔ انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ واذا کانو معہ علی امر جامع لم یذھبوحتی یستاذنوہ ان الذین یستاذنونک اولئک الذین یومنون باللہ ورسولہ ترجمہ:- ایمان والے تو بس وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور جب کسی ایسے کام کے لئے جیسی لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہے رسولؐ کے پاس

ہوتے ہیں تو جب تک اس سے اجازت نہیں لے لیتے اس کے پاس سے جاتے نہیں ہیں۔ جو لوگ تم سے اجازت لے کر جاتے ہیں بس وہی خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ آیت لفظ انما سے شروع ہوتی ہے جو حصر کے لئے آتا ہے اور اسمیں ارشاد یہ ہے کہ مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اس آیت کے مندرجہ شرائط کی تکمیل کرتے ہوں۔ یعنی جہاں سب لوگوں کے جمع رہنے کی ضرورت ہو وہاں سے بلا اجازت حضرت رسولؐ کو چھوڑ کر نہ چلے جائیں۔ یہ واضح امر ہے کہ جہاد ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کی حضرت رسول خدا کے ساتھ رہنے کی ضرورت تھی جو لوگ بغیر آنحضرتؐ سے اجازت لئے بلکہ آنحضرتؐ کے پکارتے رہنے کے باوجود بھاگ گئے یا چلے گئے وہ اس آیت کے مطابق مومنین کی تعریف سے خارج ہیں۔

تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۶۰ تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازی جلد ۶ صفحہ ۴۳۹ و خازن جلد ۳ صفحہ ۳۴۱ و تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۳۱۹

غرض ہر تفسیر میں نے اس امر کو وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اذا کانو معہ علی امر جامع کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ ان لوگوں کو جہاد وغیرہ کے لئے جمع کریں تو بغیر آنحضرتؐ کی اجازت کے وہاں سے نہ ہٹیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قدر واضح احکام کے بعد جہاد میں حضرت رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ جانیوالوں کو مومن کہنا کیا خدا کو جھٹلانا اور قرآن مجید کی مخالفت کرنا نہیں ہے۔

تاریخ اسلام کا یہ مسلّمہ واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان میدان جہاد سے کئی مرتبہ فرار ہو گئے۔ حالانکہ حضرت رسول خدا ایک ایک کا نام لیکر اپنی طرف لوٹنے کے لئے آواز دیتے رہے۔ غور کرنا ہوگا کہ آیت متذکرہ صدر کے لحاظ سے جہاد سے بھاگ جانے والے مومن کی تعریف میں آتے ہیں یا نہیں؟ جہاد سے متعلق سورہ محمدؐ کی آیات ۷، ۸، ۹ اور بھی قابل غور ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم والذین کفروا فتعسا لھم واضل اعمالھم ذالک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم۔ یعنی اے ایمان والو! اگر تم خدا (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ بھی تمہاری مدد کریگا اور تمہارے پاؤں اکھڑنے نہ دے گا۔ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کیلئے تو ڈگمگاہٹ ہے اور خدا ان کے اعمال برباد کر دے گا اور یہ اسلئے کہ خدا نے جو امر (حکم جہاد) نازل فرمایا تھا انہوں نے اس سے کراہت کی تو خدا نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے بہت سے امور واضح ہو گئے ہیں۔ پہلا امر تو یہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں سچی نیت سے حصہ لیں کہ دین خدا کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میدان جہاد سے ان کے پیر اکھڑنے نہ دیگا۔ اب جو لوگ میدانِ جہاد سے بھاگ گئے تو معلوم ہوا کہ میدان جہاد میں آنے سے ان کی نیت دین کی مدد کرنے کی نہ تھی کیونکہ اگر مدد کرنے کی نیت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ پر عمل فرماتا اور ان کے پاؤں اکھڑنے نہ دیتا۔ اس کے بعد کی آیت (۸) میں اس کی وضاحت ہے کہ جو لوگ پلٹ گئے گویا کفر اختیار کر لیا تو ان کے لئے ثابت قدمی کا کیا سوال؟ بلکہ ڈگمگاہٹ ہی ہے اور ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو (اگر کبھی کئے ہوئے کچھ اچھے عمل ہوں بھی) برباد کر دیگا۔ اس کے بعد کی آیت

۹ میں اسکی وجہ بھی ظاہر فرمادی گئی ہے کہ یہ اس وجہ سے کہ خدائے تعالیٰ نے جہاد کا حکم فرمایا تھا مگر انھوں نے جہاد سے کراہت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اعمال اکارت کر دیئے۔

خلاصہ یہ کہ جہاد سے کترانا۔ کراہت کرنا یا بھاگ جانا ایسا فعل مذموم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو کفر سے تعبیر فرمایا ہے اور ارشاد ہے کہ ایسے لوگوں کے سب اعمال اکارت کر دیئے گئے۔ اب اگر بعض لوگوں کی نظر میں (خواہ وہ غلط فہمی سے ہی کیوں نہ ہو) کسی کے کبھی کئے ہوئے اچھے عمل بھی ہوں تو اس کی دُہائی دیکر جہاد سے بھاگنے والوں کی بہادری یا ثنا خوانی کرنا سراسر حکم خداوندی کے خلاف ہے کیونکہ ارشاد باری تو یہ ہے کہ ان کے سب اعمال اکارت کر دیئے گئے۔ بہادری تو قوم عرب کا فطری خاصہ ہے اور ہمیشہ سے اس کے پوری دُنیا میں شہرت ہے اور جنگ سے بھاگنا عرب میں بڑا ہی عار سمجھا جاتا ہے۔ سچ پوچھو تو عرب کی اس روایتی بہادری کے افسانوں کو سُننے کے بعد جنگ و جہاد سے بھاگنے کا ذکر ایک اچنبھا اور عجوبہ بن کر پہلی مرتبہ اسوقت نظر میں آتا ہے جب اکثر صحابۂ کرام کے بھاگنے کے واقعات سامنے آتے ہیں۔ عربوں کی بہادری کی روایتیں ہمیشہ سے چلی آرہی تھیں بلکہ اب تک بھی جنکو پتہ نہیں ہے عام خیال یہی ہے کہ عرب جان دیدینگے مگر دشمن کے مقابلہ سے بھاگیں گے نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان روایتوں کو تباہ کرنیوالے اور عربوں کی بہادری کی لٹیا ڈبونے والے اگر کوئی نکلے تو صحابۂ کرام ہی نکلے۔

یہاں یہ لطیفہ بھی قابل ذکر ہے کہ جہاد سے خلفائے ثلاثہ کی ان پے در پے مسلّم فراریوں کے بعد بھی علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں حضرت ابوبکر کو اشجع الناس یعنی تمام دُنیا کے آدمیوں سے بہادر کہتے ہیں۔

شمس العلماء نذیر احمد کے اظہار خیال کے متعلق ہم چند سطور لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ امہات الامہ میں وہ فرماتے ہیں۔ ان کے (حضرت علیؑ کے) حق میں پیغمبر صاحب نے دمک دمی و لحمک لحمی اور انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ فرمایا تھا اور نہ بھی فرماتے تو ان کا اور پیغمبر کا گوشت پوست خون ایک تھا وہ پیغمبر کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ ان کو پیغمبر صاحب نے بچپن سے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ علیؑ طفل نوزائیدہ تھے دودھ کیلئے روتے اور کسی عورت کی چھاتی منہ میں نہ لیتے تو پیغمبر صاحب اپنی زبان ان کو چُساتے اور وہ سیر ہو کر سو جاتے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ پیغمبر صاحب نے اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہرا کو اُن سے بیاہ دیا تھا اور ان سے پیغمبر صاحب کی نسل چلی تھی۔ وہ اپنی ذات سے بڑے لایق تھے۔ پیغمبر صاحب نے انا مدینۃ العلم و علی بابھا سے ان کی لیاقت کی تصدیق و توثیق کی تھی۔ وہ شجاعت اور سخاوت، خطابت اور زور مندی میں بے مثل تھے۔ انکی اصابت رائے پر پیغمبر کو کلی اعتماد تھا کہ نوعمری ہی میں انکو یمامہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا تھا۔ جس رات کفار مکہ پیغمبر صاحب کو دفعتہً مار ڈالنے کے ارادے سے رات بھر پیغمبر صاحب کا گھر گھیرے پڑے رہے پیغمبر صاحب انکو اپنی جگہ لٹا کر چپکے سے باہر نکل آئے تھے۔ اینکا وار تو آیدو مرداں چنیں کنند۔ خیبر فتح نہیں ہوتا تھا آخر پیغمبر صاحب نے ایک دن فوجی افسروں کو جمع کر کے فرمایا کہ کل جھنڈا ایسے شخص کو دونگا جو اس مہم کو سر کرے گا اور وہ علیؑ تھے۔ علیؑ کی بجائے خود اتنی خصوصیتیں، اتنی خدمتیں اور اتنی

فضیلتیں تھیں کہ ان کے ہوتے علیؑ نے اگر توقع خلافت کو دل میں جگہ دی ہو تو کوئی اس توقع کو بے جا یا فرزوں از استحقاق نہیں کہہ سکتا۔"

یہ سب کچھ لکھکر بھی شمس العلماء لکھتے ہیں۔" علیؑ میں ہم صرف دو باتوں کی کسر پاتے ہیں۔ ایک تو ان کی نو عمری دوسری اس بات کی کہ اسلام کو جو فروغ حاصل ہوا تو وہ اکیلے علیؑ کی ذات سے نہیں ہوا۔ اس میں کتنے مہاجرین اور کتنے انصار شریک تھے۔"

ناظرین غور فرمائیں کہ اول تو شمس العلماء نے حضرت علی علیہ السلام کے ہزارہا اوصاف فضیلتوں اور امتیازات میں سے صرف چند کا وہ بھی مسلّمہ روایتوں کے بہت سے اجزاء کو اڑا دیکر ذکر کیا۔ بہر حال جو کچھ بھی ذکر کیا یہ تو تسلیم کیا کہ علیؑ کی بجائے خود بہت سی خصوصیتیں، خدمتیں اور فضیلتیں تھیں۔ وہ شجاعت، سخاوت، خطابت اور زور مندی میں بے مثل تھے۔ ان کی اصابت پر پیغمبرؐ کو کلی اعتماد تھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی لکھتے ہیں کہ علیؑ میں ایک کسر تو یہ تھی کہ وہ نو عمر تھے۔ یہ بھی ایک بلا وجہ کی بات ہے۔ حضرت رسولؐ کے انتقال کے وقت حضرت علیؑ اکتیس ۳۱ یا بتیس ۳۲ برس کے تھے۔ ہزارہا امتیازات رکھنے والے ۳۱ یا ۳۲ برس کی عمر والے شخص کو نو عمر کون کہہ سکتا ہے۔ پھر شمس العلماء لکھتے ہیں ان کی اصابت پر پیغمبر کو کلی اعتماد تھا کہ نو عمری ہی میں انکو یمامہ کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ یہ واقعہ بھی حضرت رسولؐ کے انتقال سے کئی سال پہلے کا ہے اب وقتِ وفات رسولؐ نو عمری کا کیا سوال رہا۔ شمس العلماء علیؑ میں دوسری کسر استحقاق خلافت کے نقطۂ نظر سے یہ بتاتے ہیں کہ اسلام کو جو فروغ حاصل ہوا وہ اکیلے علیؑ کی ذات سے نہیں ہوا بلکہ اسمیں بہت سے مہاجرین و انصار شریک تھے۔" ہم کو تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ لکھتے وقت شمس العلماء اپنے ہوش و حواس بالکل کھو بیٹھے تھے۔ کسر کے معنی کمی، سقم یا نقص کے ہیں اور یہ لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دوسروں میں تو یہ صفت موجود تھی اور جس شخص میں کسر بتائی جا رہی ہے اسی میں یہ کمی تھی۔ اب غور فرمایئے کہ یہ تمام دنیا کو علم ہے کہ حضرت رسولؐ کو دفاع اسلام کے لئے جتنی لڑائیاں لڑنی پڑیں اور اسلام کو جو کچھ استحکام و فروغ حاصل ہوا وہ حضرت علی علیہ السلام کی ہی شجاعت کا مرہون احسان ہے۔ یوں تو جہاں کوئی لشکر لڑنے کے لئے جاتے وہاں سردار کے ساتھ لشکر والے بھی لڑتے ہیں اور جانبازی دکھاتے ہیں۔ جسمیں سردار لشکر کی بہادری کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے اور جہاں خود سردار کے نمایاں کارنامے ہوں تو لشکریوں کی بہادری کی وجہ سے سردار کے کارناموں پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مگر یہاں تو معاملہ یہ رہا ہے کہ کم و بیش ہر ایک بڑی جنگ میں لشکریوں کو کچھ کرنا نہ پڑا بلکہ تنہا شیر خدا نے مہموں کو سر کیا۔ جنگ خندق کو لیجئے تو عمرو ابن عبدود اور اسکے ساتھی بہادر پہلوانوں کو تنہا علیؑ نے تہ تیغ کیا اور اسی پر جنگ فتح ہو گئی۔ جنگ خیبر میں مرحب و حارث و عنتر وغیرہ کو تن تنہا واصل جہنم کر کے درِ خیبر اکھیڑ کر لشکریوں کو اس پر سوار کرا کر خندق کے پار کرا دیا۔ اُحد میں جہاں سب صحابہ بھاگ گئے، شیر خداؑ نے مع دو تین بنی ہاشم کے حضرت رسولؐ کو کفار کے لشکر سے بچایا۔ دیگر جنگوں میں بھی شیر خدا غالب کل غالب رہے۔ کوئی ذرا بھی عقل رکھنے والا ان باتوں کو علیؑ کے امتیازات میں داخل کرے گا یا اسکو کسر

کہے گا؟ اگر مدعیانِ خلافت میں سے کسی میں یہ دم خم ہوتا اور علیؑ سے زیادہ شجاعت قوت ہوتی تو ان کے مقابلہ علیؑ میں سقم کا سوال پیدا ہوتا۔ مگر جہاں مدعیانِ خلافت میدانِ جنگ سے حضرت رسولؐ کو چھوڑ کر بار بار فرار کرتے رہے جس کے نتیجہ کے طور پر انکو شجاعت سے منسوب کرنا بھی لفظ شجاعت کے لئے توہین و ننگ و عار ہے توان فرارین سے تقابل میں علی جیسے حاملِ امتیازات میں "سقم" بیان کرنا یا تو شمس العلماء کی حواس باختگی کا نتیجہ ہے یا پھر دیدہ و دانستہ عیب تراشی اور اتہام ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

غزوہ طائف

اوپر ہم نے زیادہ مشہور غزوات کا حال لکھا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اور بھی نسبتاً چھوٹے غزوات ہیں جنکا مختصر ذکر ہم یہاں کر دیتے ہیں انھیں میں سے ایک غزوۂ طائف ہے اسکا واقعہ یہ ہے کہ حنین کی لڑائی کے بعد مالک ابن عوف جو مخالفین میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا طائف کو بھاگ گیا۔ طائف کے لوگ جنگجو قسم کے تھے اور ایک بت کی پرستش کرتے تھے جس کا نام انہوں نے "الات" رکھا تھا اور اپنی کامیابیوں کو اسی کا طفیل سمجھتے تھے۔ حضرت رسولؐ نے طائف والوں کی سرکشی کے باعث اس بت کو نکالنے کا تہیہ فرمایا اور ایک فوج طائف کے محاصرہ کیلئے روانہ فرمائی۔ طائف کے لڑنے والے قابو میں نہ آئے اور جوابی حملے کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں شہدا کی تعداد بڑھنے لگی۔ بالآخر حضرت رسولؐ نے فیصلہ کیا کہ علی کو روانہ کیا جائے۔ جب حضرت علی طائف کے نواح میں پہنچے تو انھوں نے وہاں کے مقامی بتوں کو توڑنا شروع کیا اس سے بنو خثعم جو طائف والوں کے ہوا خواہ تھے بہت برہم ہوئے اور لڑائی کیلئے نکلے اور انکا ایک زبردست پہلوان شہاب نامی مقابلہ کیلئے نکلا اور حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایسے بھاری پہلوان کے مارے جانے سے بنی خثعم نے مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دیئے طائف کے حلیف قبیلوں ہوازن اور بنی ثقیف کو بھی حضرت علی نے تھوڑے ہی وقت میں شکست دیدی اور طائف کی طرف بڑھے جہاں کے لوگ مطیع ہونے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ اہل طائف نے اپنا ایک وفد حضرت رسولؐ کی خدمت میں بھیجا کہ انکو اپنے بت کی پرستش جاری رکھنے ایک سال یا کچھ مہینے یا کم از کم ایک ہی مہینہ کی مہلت دیجائے۔ حضرت رسول نے جواب دیا کہ بغیر نماز کے مذہب کوئی مذہب نہیں ہے پھر انھوں نے کہا زکواۃ سے معافی دیجائے حضرت رسولؐ نے جواب دیا نماز، روزہ زکواۃ سب دین کے ارکان ہیں اور اگر وہ اس کی پابندی نہ کریں تو ایک شخص کو بھیجیں گے جو تمام باتوں میں حضرت رسولؐ جیسا ہے اور وہ انکو سیدھے راستہ پر لگا دیگا۔ پھر حضرت رسولؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور کہا قسم ہے یہ ہے وہ شخص جو یہ کام کریگا۔ اہل طائف کو راضی ہونا پڑا۔

وادی الرمل یا ذات السلاسل

۹ھ میں یا بعض روایات کے بموجب ۸ھ میں اطلاع ملی کہ وادی الرمل کے رہنے والے قبیلے مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور ہتھیار اور آدمی جمع کر رہے ہیں۔ اس وادی کے اطراف پہاڑیاں اور خاردار جھاڑیاں تھیں جہاں گھات میں بیٹھکر مقابل کی فوج کو نقصان پہنچانا آسان تھا حضرت رسولؐ کی بھیجی ہوئی فوج دو مرتبہ ان مقامی حالات کی

وجہ ناکام ہوئی۔ بالآخر حضرت رسولؐ نے علیؑ کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی۔ علی نے ابتداء میں ایک دوسرا رُخ اختیار کیا اور چند منازل طے کر چکنے کے بعد یکایک ایک دشوار گزار راستہ اختیار کر کے وادی الرمل کی طرف رُخ پھیر دیا اور حکم دیا کہ رات میں راستہ طے کریں اور دن میں آرام کریں۔ ساتھیوں نے راستہ کی خطرناکی پر احتجاج کیا مگر علی ان کی پروا کئے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ وہ اچانک دشمن کے سر پر پہنچ گئے اور وادی کو فتح کر لیا. اور سابق میں جو نقصانات اس وادی والوں نے پہنچائے تھے سب کا حساب چکا لیا۔ ادھر جبرئیل آیاتِ قرآنی لیکر نازل ہوئے اور آنحضرتؐ نے علیؑ کی فتح کی خبر اصحاب کو سُنائی جبکہ علی ابھی واپس بھی نہیں ہوئے تھے۔ جب علی واپس آرہے تھے تو حضرت رسولؐ معہ اصحاب ان کی پیشوائی کو تشریف لے گئے۔ آنحضرتؐ کو دیکھکر علیؑ گھوڑے سے اتر گئے لیکن آپ نے پھر اُن کو گھوڑے پر بٹھا دیا اور فرمایا علیؑ کی خدمات سے اللہ اور اس کا رسول خوش ہیں.

نبوزبودہ کے خلاف کارروائی

نبوزبودہ کا قبیلہ مدینہ کے مغرب میں رہتا تھا اور اسلام قبول کر چکا تھا۔ ان کا سردار ایک بہادر پہلوان عمر بن کرب تھا. عمر کی اسی قبیلے کے ایک دوسرے پہلوان ادشی خوسی سے دشمنی تھی جس نے عمر کے باپ کو مار دیا تھا. عمر نے موقعہ پا کر خوسی کو قید کر لیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ یہ معاملہ فیصلہ کیلئے حضرت رسولؐ کے سامنے لایا گیا۔ آنحضرت نے فیصلہ فرمایا کہ قبولِ اسلام کے بعد رشتہ داروں کے خون کا عوض خود لینے کا سوال باقی نہیں رہا۔ عمر اس پر ناراض ہو کر مرتد ہو گیا اور اس کے بعد ایک اور شخص حارث بن کعب کو قتل کر دیا۔ جو اسلام کے ایک دوست قبیلہ کا سردار تھا۔ اس پر حضرت رسولؐ نے نبوزبودہ کے مقابلہ میں ایک دستہ علی کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ عام لڑائی شروع ہونے سے قبل عمر بن کرب اپنے لشکر سے باہر نکلا اور حضرت علی کو اپنے سے لڑنے کے لیئے پکارا۔ یہ سنکر حضرت اسد اللہ الغالب گرجدار آواز سے رجز پڑھتے ہوئے باہر نکلے۔ شیر خدا کے صرف رجز پڑھنے کا یہ اثر ہوا کہ عمر بن کرب مارے دہشت کے میدان سے فرار کر گیا۔ نبوزبودہ نے جب اپنے سردار کی فراری دیکھی تو خود بھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

نبوطے کے خلاف کارروائی

قبیلہ طے کے مشرک پیشواؤں نے لوگوں کو اُبھارا کہ حضرت رسولؐ کے رسول ہونے سے انکار کریں۔ اس مشہور قبیلہ کے سرداروں میں سے ایک حاتم طائی تھا جس کی فیاضی اور نیکی کی داستانیں تاریخ کا جزو بن چکی ہیں۔ حاتم کا انتقال تھوڑے عرصہ قبل ہو چکا تھا اور پھر اسکا بیٹا ابی سردارِ قبیلہ بنا گیا۔ اگرچہ یہ فیاضی میں حاتم کا سچا جانشین تھا مگر اسمیں حاتم کا سا بہادری کا جوہر نہ تھا۔ اس قبیلہ کی بغاوت کو فرو کرنے حضرت رسولؐ نے علیؑ کو روانہ کیا۔ ابی بن حاتم اپنی بہن صفانہ اور قبیلہ والوں کو چھوڑ کر شام کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت علیؑ نے اس قبیلہ والوں کو قید کر کے حضرت رسولؐ کی خدمت میں بھیجدیا۔ جہاں آنحضرتؐ نے صفانہ کو آزاد کر دیا۔ مگر صفانہ نے آزادی قبول کرنے سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ اے خدا کے پیغمبر میرا باپ اب زندہ نہیں ہے اور جب آپ کا لشکر ہمارے علاقہ میں پہنچا تو میرا بھائی اور دوسرے رشتہ دار اپنی

جانیں بچا کر بھاگ گئے۔ میرا باپ ایک مشہور سردار تھا اور اپنی فیاضی کی وجہ نیک نام تھا اور قیدیوں کا تاوان ادا کر کے چھڑوا دیا کرتا تھا اور غریبوں کو کھانا کھلاتا اور عورتوں کی عزت کی حفاظت کرتا تھا۔ میں ایسے شخص کی بیٹی ہوں جو کبھی اپنی آزادی قبول نہ کرتا جب تک اُس کے قبیلہ والے آزاد نہ کئے جائیں۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ تمہارے باپ میں ایک مُسلمان کی ساری صفات تھیں اور میں تمہاری بات قبول کرتا ہوں۔ اس طرح سب بنی طے رہا کر دیئے گئے اور حضرت رسولؐ نے کچھ تحفے دیکر صفانہ کو اُس کے علاقہ کو روانہ کر دیا۔ صفانہ نے شام کو جا کر پیغمبر اسلام کی فیاضی اور کرم کا حال اپنے بھائی کو سنایا اور عدی بن حاتم سیدھا مدینہ پہنچا اور حضرت رسول کے قدموں پر گر کر اسلام قبول کیا۔ یہ ارشاد پاتے ہی پورے بنی طے مسلمان ہو گئے اور بعد کے موقعوں پر اسلام کے ثابت قدم کارکن ثابت ہوئے۔

غزوۂ تبوک ۹ھ (۶۳۱ء) میں حضرت رسولؐ کو خبر ملی کہ ہرقل شاہِ روم مدینہ پر حملہ کی غرض سے ایک فوج تیار کر رہا ہے۔ اس فوج کو آدھے راستہ میں روکنے کے خیال سے حضرت رسولؐ ایک لشکر لیکر روانہ ہوئے اور حضرت علی کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا تاکہ آپ کی جانب سے آپ کے تمام اعمال بجا لائیں۔ آنحضرتؐ نے اس موقعہ پر فرمایا کہ ابو سفیان بظاہر مسلمان ہوا ہے۔ مگر منافقت سے مدینہ میں سازش کرنا بھی اُس سے بعید نہیں جسکا انسداد بجز علی کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

یہ ایک واحد موقعہ تھا جب کہ حضرت رسولؐ علیؑ کو اپنے ساتھ نہیں لیگئے۔ ورنہ ہمیشہ علمدار لشکر علیؑ ہوتے تھے۔ یقیناً حضرت رسول کو معلوم تھا کہ یہ لڑائی ہونے والی نہیں ہے اور مشیت کا منشاء یہ تھا کہ عملی طور پر بھی علیؑ کو حضرت رسولؐ کا خلیفہ بنا کر بتا دیا جائے۔ چنانچہ لڑائی نہیں ہوئی اور حضرت رسولؐ کا وہ ارشاد ہوا جو حدیثِ منزلت کے نام سے معروف ہے یعنی علی کی منزلت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی ہارونؑ کی موسیٰؑ کیساتھ۔

بابُ ہفتم

وفاتِ رسولؐ سے قبل مُسلمانوں کی جانب سے مخالفتِ رسولؐ کے تین اہم واقعات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول مطابق ۲۹ اگست ۵۷۰ء یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء اور تاریخ وفات بروایات کتب شیعہ و بعض کتب اہل سنت ۲۸ صفر ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء اور بروایات دیگر کتب اہل سنت ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہے۔ مخالفت رسولؐ کے تین اہم واقعات جو مسلمانوں کی طرف سے حضرت رسولؐ کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں ڈھائی تین مہینے کے اندر وقوع میں آئے وہ تاریخ اسلام کے کبھی بھی

طالب علم کی نگاہ سے نہیں بچ سکتے اور ان کا ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہونا بھی کسی صاحب نظر کی چشم بصیرت سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا بلکہ معمولی طور پر بھی شواہد پر نظر ڈالنے سے ان کا ایک ہی غرض واحد کی پیشرفت میں عمل میں لایا جانا پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے۔ ان میں سے پہلا واقعہ "لیلۃ العقبہ" کا ہے "دوسرا واقعہ "قرطاس" کا اور تیسرا "تخلف جیش اسامہ" کا۔ ان واقعات کے نتائج پر غور کرنے کیلئے ان کے پس منظر پر نظر ڈالنا بھی ضروری ہوگا۔

بعثت ظاہری کے بعد رسول خدا نے جو مصیبتیں برداشت کیں اور کفار و مشرکین سے جو لڑائیاں لڑنے پر مجبور ہوئے اور اس میں جو فتوحات ہوئیں ان کے نتیجہ کے طور پر رسول خدا کی حیثیت بادی النظر میں ایک دنیوی بادشاہ کی بھی ظاہر ہونے لگی۔ یہ اور بات ہے کہ فقر و فاقہ کی وجہ سے اکثر و بیشتر آپ کے پیٹ پر پتھر بندھا رہتا تھا اور آپ "الفقر فخری" فرمایا کرتے تھے یعنی اس حالت فقر و فاقہ پر مجھے فخر ہے۔ لوگوں کی نظر اس حقیقی کیفیت فقر و فاقہ پر نہ تھی بلکہ ظاہری حکومت پر تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ کا ہر جنگ میں فقید المثال شجاعت و جانبازی کے متواتر کارنامے دکھانا اور اسد اللہ، بنیان مرصوص و سیف اللہ کے خطاب پانا اور بارگاہ رب الافواج سے ذوالفقار کا عطا کیا جانا اور فرشتوں کا لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار کہنا بھی سب لوگوں کی نظر میں تھا۔ جو لوگ بحکم خدا و رسولؐ اجر رسالت ادا کرکے اپنا ایمان قائم رکھنا چاہتے تھے وہ علی مرتضیٰ کی کامیابی پر خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے اور جو منافق تھے اور جن کے دل حب اہل بیت سے خالی اور اغراض ذاتی اور بغض و کینہ سے بھرے ہوئے تھے اور جو اجر رسالت کی ادائی کو ضروری نہ سمجھ کر ایمان کو مال غنیمت سمجھے ہوئے تھے ان کی آنکھوں میں علی مرتضیٰ کی کامیابی خار بن کر کھٹکتی تھی۔ یہ چیز ان لوگوں کیلئے تو اور بھی ناقابل برداشت تھی جو میدان جنگ سے بار بار فرار ہو چکے تھے اور رسول اللہ کے علی مرتضیٰ کو جنگ خیبر میں علم عطا کرتے وقت "رجل کرار غیر فرار" کہنے سے تو فراریں نہ معلوم کتنے چراغ پا ہوئے ہوں گے اور یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ کہنے سے ان کی آتش حسد کتنی بھڑکی ہوگی۔ بہرحال منافق علیؑ سے جلنے لگا تھا اور سچا مومن آپ کا دل و جان سے شیدا تھا۔ متعدد مرتبہ چہ میگوئیاں خود حضرت رسولؐ کے سامنے ہوتی رہیں۔ مسجد نبویؐ میں بحکم خدا سب کے دروازے اور روشندان بند کروا دئے اور علی کا دروازہ کھلا رکھا تو سب کے دم گھٹ گئے۔ علی مرتضیٰ سے سرگوشی کی تو کان کھڑے ہوئے۔ سید فی الدنیا والآخرہ فرمایا تو چونکے "باب العلم فرمایا تو کھٹکے" منار الایمان کہا تو بھڑکے "رایۃ الھدیٰ فرمایا تو بل کھائے "امام البررہ کہا تو بڑبڑائے" مومنین کا ولی و سرپرست کہا تو بچوں کی طرح بلکے "حبل المتین فرمایا تو سینہ پر سانپ لوٹے "قائد غر المحجلین فرمایا تو منہ جل گئے۔ قسیم الجنۃ والنار کہا تو آگ بگولہ ہو گئے "ساقی کوثر فرمایا تو اوس پڑ گئی "ثقلین میں شمار کیا تو سبک ہو گئے" قرآن ناطق کہا تو مبہوت ہو گئے۔ جامع صفات پیغمبران فرمایا تو ہوش اڑ گئے" استاد جبرئیل فرمایا تو ایمان کا رہا سہا سبق بھی بھولے" ابو تراب فرمایا تو زمین پاؤں تلے سے نکل گئی۔ نفس رسول فرمایا تو ٹھنڈی سانسیں بھریں "سفینہ نوح سے

شال دی تو نبضیں ڈوبنے لگیں۔ صاحب ہیئت موسیٰ فرمایا تو سہم گئے۔ شیر خدا فرمایا تو دبکے۔ قاتل الفجرہ فرمایا تو سسکیاں
لینے لگے۔ سیف اللہ فرمایا تو کٹ گئے۔ مثیل عیسیٰ فرمایا تو دم نکل گئے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ والنجم کی آیات سے رسولِ خدا کا ہر کام و کلام بحکم خدا ہونا مسلم فرما دیا اور حضرت رسولؐ نے
فرمایا میں نہیں بلکہ خود خدا علیؑ سے سرگوشی کرتا ہے۔ بہرحال حاسدین کو مطمئن کرنا مشکل ہے۔ رسولِ خدا کو اندازے ہونے
لگے کہ علیؑ کے دشمنوں کا گروہ تیار ہو رہا ہے اور ان مکدر القلوب کو جو مولفۃ القلوب سے بھی کہیں زیادہ گئے گزرے
اور مار آستین کی کیفیت رکھتے تھے سمجھانے اور راہ ایمان پر رکھنے کی خاطر رسول اللہ نے نصیحتوں اور ارشادات کا کوئی
دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ کہیں فرمایا جس نے علیؑ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا" جس نے علیؑ سے محبت
رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی" جس نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔ جس نے علیؑ کی تنقیص شان کی میری
تنقیص شان کی جس نے علیؑ سے لڑائی کی میں اس سے جنگ کرنے والا ہوں۔ کہیں فرمایا علیؑ سے بغض نہ رکھیگا
مگر منافق اور ناپاک ولادت والا اور محبت نہ رکھیگا بجز مومن اور پاک ولادت والا۔ کہیں فرمایا بہشت
ہے اس شخص کیلئے جس نے دوست رکھا علیؑ کو اور سچا جانا اس کو اور عذاب دوزخ ہے اس کے لئے جس نے دشمنی
رکھی علیؑ سے اور جھوٹا جانا اس کو" کہیں فرمایا حب علی ایمان" ذکر علی عبادۃ" النظر الی وجہ علی عبادۃ ایسے
واضح ارشادات رسول سے مومنین کے دل میں تو علیؑ کی محبت راسخ ہوتی گئی مگر منافقین کے دلوں میں نفاق کی
آگ تیز تر ہو گئی۔ واقعہ عقبہ متعدد کتب اہل سنت میں درج ہے چنانچہ حافظ ابوبکر بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور
امام احمد ابن حنبل نے مسند کی جلد پنجم میں ابو طفیل سے اور نیز ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اسکو درج کیا ہے۔

واقعہ لیلۃ العقبہ

اب نوبت حجۃ الوداع کی پہنچی اور حضرت رسولؐ اپنی عمر کا آخری حج فرمانیکے بعد
غدیر خم کی منزل پر پہنچے۔ ایک اعلان اہم کے متعلق وحی آتی رہی اور حضرت رسولؐ
موقعۂ مناسب کے منتظر تھے اور سارے پس منظر کی روشنی میں دیکھ رہے تھے کہ اعلان کے ساتھ ہی کوئی شر برپا
کیا جائے گا۔ بہرحال وحی پھر آئی اور تاکید کے ساتھ آئی اور اس امر کی ضمانت کے ساتھ آئی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے
شر سے محفوظ رکھیگا۔ وہ مشہور آیت یہ تھی۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔ وان لم تفعل
فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنی اے رسول پہنچا دو جو کچھ ہماری طرف سے نازل
کیا گیا ہے۔ اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو گویا تم نے اللہ کی کوئی رسالت ہی انجام نہ دی اور اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کے
شر سے محفوظ رکھیگا۔ بعد نزول اس آیت کے رسول اللہ نے لوگوں کو جمع ہونے فرمایا اور جو راستوں سے مڑ کر چلے گئے
تھے ان کو واپس طلب فرمایا اور چٹیل میدان میں چلچلاتی دھوپ میں اونٹوں کے کجاؤں کا ایک بلند منبر بنا کر
کرکے خطبہ ارشاد فرمایا اور وہ حدیث ارشاد فرمائی جس سے منافقین کے دل جل کر کباب ہو گئے۔ یعنی من
کنت مولاہ فعلی مولاہ الخ اس اعلان عظیم کے بعد دین کے کامل ہونے کی آیت رب العزت نے نازل فرمائی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا- ان آیات وحدیث کا ذکر ہم باب سوم میں کر آئے ہیں مگر یہاں بتلانا صرف اسی قدر ہے کہ علی کے متعلق اس ارشاد رسولؐ کے بعد کہ میں جس کا مولا ہوں ایس علی بھی اس کے مولا ہیں منافقین اب اپنے آپے میں نہ رہے۔ حضرت رسولؐ کے فرمانے کے بموجب سب جانتے تھے کہ یہ رسول اللہ کا آخری حج ہے اور آپ دنیا سے تشریف لیجانے والے ہیں۔ اب تک بات کچھ صاف صاف کچھ مبہم میں بہرحال چل رہی تھی اور مخالفین علی مرتضیٰ کی جانشینی سے متعلق نص صریحی میں لیت ولعل کا موقعہ پیدا کرنے کی تاک میں تھے۔ مگر اب جو یہ مرحلہ بھی بدرجہ اتم ہو چکی تو اب جن لوگوں کو علی مرتضیٰ کا حضرت رسول کا جانشین ہونا گوارا نہ تھا ان کو اپنی سب امیدیں خاک میں ملتی ہوئی نظر آئیں۔ سورہ معارج کی آیات اور ۲ شاہد ہیں کہ بعض منافقین نے تو اسی وقت حضرت رسول پر اعتراض کر دیا۔ سال سائل بعذاب واقع اللکافرین لیس لہ دافع یعنی مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب کہ ہونے والا ہے۔ کافروں کے لیے نہیں کوئی اسکا دفع کرنے والا۔ اس آیت کے ضمن میں امام ابو اسحاق ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب غدیر خم پر حضرت رسول خدا نے خطبہ ارشاد فرمایا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا اور یہ حدیث سب تک پہنچ گئی تو حارث بن نعمان الفہری حضرت کی خدمت میں دوڑتا ہوا آیا اور اپنی اونٹنی بٹھا کر کہنے لگا یا محمدؐ آپ نے لا الہ الا اللہ پر گواہی دینے فرمایا ہم نے مان لیا۔ پھر آپ نے پانچ نمازوں زکوٰۃ، حج، روزوں کا حکم دیا ہم نے مان لیا۔ آپ اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ اور آپ نے اپنے ابن عم کے بازو کو پکڑ کر ان کو آپ نے ہم پر فضیلت دی اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا۔ آیا یہ حکم آپ کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے حضرت نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں یہ خدا کا حکم ہے۔ حارث بن نعمان یہ کہتا ہوا اپنی اونٹنی کی طرف لوٹا کہ اے خدا اگر جو کچھ محمد کہتے ہیں سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا ہمیں دردناک عذاب پہنچا۔ ابھی وہ اپنی اونٹنی کے پاس پہنچا بھی نہ تھا آسمان سے اس کے سر پر ایک پتھر گرا اور جسم کے آر پار نکل گیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جو اوپر درج کی گئی۔ اس سے مخالفین علیؑ کے انداز فکر کا پتہ چلتا ہے۔ بہرحال منافقین اب تو اسفل السافلین کے اس آخری قعر ذلت میں اتر آئے جہاں انھوں نے اپنے مقصد کے حصول کیلئے حضرت رسولؐ کی جان لینے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ منافقین میں سازش ہونے کے بعد ان میں سے سولہ سترہ نفر رسولؐ اللہ پر حملہ کیلئے تیار ہو گئے۔ بعض روایتوں کے اعتبار سے یہ واقعہ آخر ماہ شعبان ۹ھ کا ہے جب کہ حضرت رسول حضرت علیؑ کو مدینے میں اپنا خلیفہ بنا کر اور یہ فرما کر اپنے آخری غزوہ پر تشریف لے گئے تھے کہ یا علی انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی یعنی یا علیؑ تمہاری نسبت مجھ سے ایسی ہے جیسی ہارون کو موسیٰ سے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے جب کہ فی الواقعی کوئی جنگ بھی نہیں ہوئی ہے اور بعض روایتوں کے اعتبار سے یہ واقعہ ذالحجہ ۱۰ھ کا ہے۔ جب کہ غدیر خم کے خطبہ کے کچھ دن بعد آنحضرت مقام عقبہ پر وقت شب پہنچے۔ بہرحال یہ آپ کے آخری زمانہ ہی کا واقعہ ہے جب کہ آنحضرت نے حضرت علیؑ کو یا تو مدینے میں اپنا خلیفہ بنا کر حدیث منزلت ارشاد فرمائی تھی یا جب غدیر خم میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا اعلان فرمایا تھا۔ اس مقام پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور وادیاں ہیں اور راستہ

ایک تنگ وادی کے درمیان سے گزرتا تھا۔ سازشیوں نے کچھ منافقین کو پہلے سے آگے بھیج دیا تھا جو پہاڑی کے اوپر گھاٹی کے کناروں پر ٹین کے ڈبے وغیرہ آواز کرنے والی چیزیں دیکر بٹھادیے گئے تھے۔ چونکہ راستہ خراب تھا عمار بن یاسر رسول اللہ کے اونٹ کی مہار تھامے چل رہے تھے اور حذیفہ یمانی اونٹ کو ہانکتے جاتے تھے۔ جونہی اونٹ اس گھاٹی میں داخل ہوا اوپر سے ٹین کے ڈبے وغیرہ لڑھکائے گئے۔ اتنے میں وہ سولہ سترہ نفر ملاعین تلواریں لئے ہوئے گھوڑوں پر سوار پیچھے سے پہنچ گئے۔ نقشہ یہ جمایا تھا کہ اونٹ بدک کر بھاگے اور حضرت رسول نیچے گر جائیں اور سب مل کر آپ کو شہید کردیں۔ اللہ تعالی نے حفاظت کا وعدہ پہلے ہی فرمادیا تھا۔ رسول اللہ نے حذیفہ سے کہا بلا خوف جاؤ اور ان کو دیکھ آؤ۔ چنانچہ حذیفہ نے جاکر گھوڑوں کے منہ پر چابک مارنا شروع کئے۔ روایت ہے کہ بحکم خدا بجلی چمکی اور حذیفہ کو منہ ڈھانکے ہوئے منافق سب نظر آگئے۔ اب منافق وہاں سے بھاگے۔ رسول خدا نے حذیفہ سے پوچھا کہ کون کون تھے۔ حذیفہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ان عاقبت بربادوں نے منہ باندھ رکھے تھے لیکن میں نے سواریوں سے پہچان لیا کہ فلانے فلانے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسول خدا نے خود بھی ان حملہ آوروں کے نام حذیفہ کو بتائے۔ خلاصۃ الکلام فی تاریخ خیر الانام کے مؤلف لکھتے ہیں کہ "افسوس ہے کہ اصحاب عقبہ کے نام کسی مورخ نے نہیں لکھے۔ اس سبب سے مسلمانوں کے ایک فریق کو بہت بڑی جرأت مل گئی وہ کہتے ہیں کہ مورخین نے جان کر ان ناموں کو نہیں لکھا (جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے) وہ کہتے ہیں کہ نام نہ لینے کی یہی وجہ تھی کہ وہ اکابر صحابہ سے تھے۔ کیونکہ عوام میں جو منافق گزرے ہیں انکی تشہیر و ملامت میں مورخین اہل سنت نے درگزر نہیں کی۔ ان کے ذی اثر ہونے اور بارسوخ ہونے ہی کی وجہ سے حضرت رسول نے حذیفہ وغیرہ کو ان کے نام ظاہر کرنے کی ممانعت فرمائی تھی تاکہ یہ اپنی نقاب الٹ کر اسلام کی کھلم کھلا مخالفت پر نہ اتر آئیں۔ ایک مشہور عالم ابن بابویہ نے حذیفہ بن الیمان کی زبانی اہل سنت کے جلیل القدر صحابیوں کے نام لکھے ہیں۔ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر حذیفہ بن الیمان سے پوچھا کرتے تھے کہ اے حذیفہ تم منافقوں کو جاننے میں حضرت رسول کے رازدار ہو۔ پس مجھ میں تو کوئی علامت نفاق کی نہیں پاتے۔ معارج النبوۃ میں یہ قول پیش کیا ہے چونکہ منافق منہ ڈھانکے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے حضرت عمر کو خیال ہوا کہ شاید رسول خدا نے مجھ کو بھی ان لوگوں میں سمجھ لیا ہو۔ چنانچہ حضرت عمر ایک عرصہ تک حذیفہ کے پاس جاتے اور قسمیں دے دے کر پوچھتے رہے کہ مجھ کو تو رسول اللہ نے گروہ منافقین میں شامل نہیں کیا تھا۔ حذیفہ نے یہ نہیں کہا کہ تمہارا نام منافقین میں نہیں ہے بلکہ ہر دفعہ یہی کہتے کہ میں رسول اللہ کا راز ظاہر کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ میزان الاعتدال میں درج ہے کہ یہ سن کر حضرت عمر فرماتے "یا حذیفہ انا باللہ من المنافقین" (اے حذیفہ خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں) ملا عبدالرحمن جامی نے شواہد النبوۃ میں لکھا ہے کہ یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ حملہ آور صحابی تھے۔ نام انھوں نے بھی درج نہیں کیے۔ کتب اہل سنت میں فلانے فلانے لکھا ہوا ہے۔ کسی کا نام نہیں لکھا ہے۔ کتب شیعہ و تاریخ واقدی میں وہ سب نام درج ہیں۔ بہرحال:-

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

حملہ آوروں کی ان سولہ سترہ کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حملہ کسی ایک آدھ آدمی کی ذاتی مخاصمت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ کسی

آدمیوں کا بنایا ہوا اسکیم تھا۔ یہ امر بھی بدیہی طور پر ظاہر ہے کہ یہ کام ان لوگوں کا تھا جن کو علی مرتضیٰ کی خلافت منظور نہ تھی اور خود اپنی حکومت کے منصوبے ان کے پیش نظر ہوں گے۔ اس قسم کی انقلابی اور سیاسی سازشیں بڑے لوگ ہی کرتے ہیں جس کا پتہ ہر ملک کی تاریخ دیتی ہے خواہ وہ سازش اچھی غرض کیلئے ہو یا بری غرض کیلئے۔

غور کرو تو اس حملہ لیلۃ العقبہ کی کیفیت حضرت رسول خدا کے گھر پر شب ہجرت کے حملہ سے بہت مماثلت رکھتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں حملہ اسلام کی ابتدا میں حضرت رسول کو ختم کرکے اسلام کو مٹانے کی غرض سے مشرکین کی طرف سے تھا تو یہاں حملہ اسلام کی تکمیل کے موقعہ پر حضرت رسول کو ختم کرکے ایک اہم متمم ایمان کی اشاعت کو درہم برہم کرنے کی غرض سے منافقین کی طرف سے کیا گیا تھا۔ درسگاہ کفر و شرک سے ان مسلمان نما کافروں نے جو سبق لیا تھا یہاں اسے ایک بار پھر دہرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی اپنے رسول اور نفس رسول کی حفاظت فرمائی اور یہاں بھی محفوظ رکھا۔

حدیث قرطاس

دوسرا واقعہ جو مسلمانوں کی جانب سے رسول اللہ کی مخالفت میں آپ کی وفات کے ۳ دن قبل ظہور میں آیا وہ واقعہ قرطاس کے نام سے صحاح ستہ میں درج ہے۔ بخاری، مسلمؒ، احمد ابن حنبلؒ طبرانی وغیرہ متعدد محدثین نے اس کو درج کیا ہے اصل متن عربی مشکوٰۃ صفحہ (۵۴۸) پر بخاری نے بروایت عبداللہ ابن عباس یہ واقعہ اس طرح درج کیا ہے۔ ابن عباس قال لما حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی بیت رجال فیھم عمر بن الخطاب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھلموا اکتب لکم کتابا لن تضلو بعدہ فقال عمر قد غلبۃ علیہ الوجع وعندکم القران حسبکم کتاب اللہ مختلف اھل البیت واختصمو فمنھم من یقول قربو یکتب لکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنھم من یقول ما قال عمر فلما اکثرو اللغط والاختلاف قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوموعنی قال عبد اللہ فکان ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین ان یکتب لھم ذالک الکتاب لاختلافھم ولغطھم (وفی روایۃ سلیمان بن ابی مسلم) الاحول قال ابن عباس یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی حتی بل دمعہ الحصی قلت یا ابن عباس وما یوم الخمیس قال اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ فقال ائتونی بکتف اکتب لکم کتاب الا تضلو بعدہ ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالو ما شانہ اھجر استفھموہ فذھبو یردون علیہ فقال دعونی ذرونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ۔

(متفق علیہ)

ترجمہ:۔ جب آنحضرت صلعم مرض الموت میں تھے اسوقت گھر میں کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں عمر بن الخطاب بھی تھے۔ آنحضرت صلعم نے صحابہ سے فرمایا ادھر آؤ تم کو ایک کتاب (وصیت نامہ) لکھوائے دیتا ہوں تم اس پر چلتے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اسپر عمر نے کہا ان پر بیماری کی سختی غالب ہے اور ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے اب جو لوگ تھے ان میں اختلاف پیدا ہوا اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ ان میں سے بعض کہتے لکھنے کا سامان لاؤ اور نوشتہ

لکھوا دو جب تم اس پر چلو گے تو گمراہ نہ ہو گے اور بعضوں نے وہی کہا جو عمر نے کہا تھا (یعنی ان پر مرض غالب ہے
ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے) جب جھگڑا بہت ہو گیا اور بکواس ہونے لگی تو آنحضرت صلعم نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔
عبداللہ اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ ابن عباس یہ حدیث بیان کر کے کہا کرتے تھے افسوس صد افسوس ان لوگوں نے
گلپ اور بک بک کر کے آنحضرت کو یہ وصیت نامہ نہ لکھوانے دیا۔ سلیمان بن ابی مسلم کی روایت میں ہے کہ ابن عباس نے
کہا جمعرات کا دن ہائے جمعرات کا دن پھر رونے لگے۔ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے زمین کی کنکریاں رنگ گئیں۔ اس کے بعد
کہا کہ آنحضرت کی بیماری جمعرات کے دن سخت ہو گئی آپ نے فرمایا لکھنے کا سامان لاؤ میں تم کو ایک نوشتہ لکھوا دوں
تاکہ تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ یہ سنکر صحابہ نے جھگڑا کرنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا پیغمبر کے سامنے جھگڑنا زیبا نہیں۔ صحابہ کہنے لگے
آنحضرت ہذیان کہہ رہے ہیں۔ پوچھو کیا فرماتے ہیں اور کیا غرض رکھتے ہیں۔ پس شروع کیا بعض صحابہ نے تکرار کرنا آنحضرت نے
فرمایا چلو مجھ کو نہ چھیڑو۔ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس سے تم میری نسبت کرتے ہو۔ حدیث قرطاس کی یہ
روایت صحیح بخاری و مسلم و احمد بن حنبل و طبرانی وغیرہ کی ہے اور اس کے راوی دو جلیل القدر صحابی حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری
اور حضرت عبداللہ ابن عباس ہیں جو رسول اللہ کے چچا کے بیٹے تھے اور جن کے علم و فضل کے متعلق بھی صحیح بخاری میں متعدد
روایات موجود ہیں۔ باوجود ان کی نوعمری کے خود حضرت عمر ان کو شیوخ بدر کے برابر بٹھایا کرتے تھے۔ بخاری کی روایت
(تیسیر البخاری مترجمہ وحید الزماں صاحب پارہ کتاب المناسک صفحہ ۴۴) سے ظاہر ہے کہ حجۃ الوداع کے وقت عبداللہ بن
عباس بالغ اور شادی شدہ تھے۔ بخاری کی ایک اور روایت کے اعتبار سے رسول اللہ نے ابن عباس کے لئے دعا فرمائی تھی کہ
یا اللہ اس کو حکمت عطا فرما۔ متعدد روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ عبداللہ ابن عباس انتہائی ذہین اور کم عمری ہی سے اہل علم میں
تھے اور آگے چل کر بڑے عالم مشہور ہوئے۔ ایسے ذہین عاقل و بالغ عالم اور معتبر راوی کی روایت پر جو صحیح بخاری میں درج
ہوا اہل سنت کی جانب سے کسی شبہ کے اظہار کا موقعہ نہیں ہے۔ امام بخاری نے متعدد معتبر صحابہ کی زبانی یہ روایت درج
کی ہے جن میں سے عبداللہ ابن عباس نے بیان کیا تھا انہیں میں سے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضرت
عمر نے کہا ان الرجل یہجر یہجر حسبنا کتاب اللہ یعنی یہ آدمی (رسول اللہ) ہذیان کہہ رہا ہے ہذیان کہہ رہا ہے
ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس پر کسی نے کہا کاغذ قلم لاؤ کسی نے حضرت عمر کی تائید میں کہا مت لاؤ۔ گلخپ ہونے لگی
شور و غوغا بلند ہوا۔ اس پر رسول خدا نے ناراض ہو کر فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ "قوموا عنی" شہاب الدین خفاجی
کتاب نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ
پیغمبر صاحب ہذیان بکتے ہیں۔ اسی موضوع میں طبرانی نے خود حضرت عمر سے جو ذیل کی روایت درج کی ہے قابل غور ہے۔
جناب رسول خدا نے بحالت مرض ارشاد کیا کہ کاغذ اور دوات وغیرہ میرے پاس لاؤ کہ میں ایک ایسا کتبہ
لکھ دوں جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ مگر کسی نے اس کی تعمیل نہ کی۔ مخدرات عصمت نے پردہ کے اندر سے
اصحاب کو مخاطب کر کے کہا کیا تم لوگ رسول اللہ کا ارشاد نہیں سنتے ہو۔ حضرت عمر نے ان بیبیوں کو جواب دیا کہ تمہاری

مثال یوسف کی ہمنشین عورتوں کی ہے پیغمبر صاحب کی بیماری میں روتی ہو۔ اور بوقت صحت ان کی گردن پر سوار ہوتی ہو۔ یہ سنکر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان عورتوں سے معترض نہ ہو یہ تم سے پھر بھی غنیمت اور بہتر ہیں۔ طبرانی کی یہ روایت بخاری و مسلم و احمد ابن حنبل کی حدیث قرطاس کی پوری طرح تائید کرتی ہے اور یہ خود حضرت عمر کی زبانی ہے۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ کے حکم کی جب صحابہ نے تعمیل نہ کی تو پردے کے اندر سے ازواج رسولؐ نے اصحاب کو متنبہ کیا مگر حضرت عمر نے الٹا ازواج پر اعتراض کر دیا۔ مگر حضرت رسولِ خدا نے حضرت عمر کو آگاہ کیا کہ وہ معترض نہوں اور یہ کہ ازواج جو حکم رسولؐ کی تعمیل کی طرف توجہ دلا رہی تھیں وہ پھر بھی حضرت عمر سے بہتر اور غنیمت تھیں۔ قابل غور ہے کہ ان تمام مرحلوں کے بعد بھی حضرت عمر یا ان کے ہم خیال صحابہ تعمیل حکم رسولؐ کیلئے آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت عمر ہی کی زبانی یہ روایت بھی آئی ہے کہ حضرت رسول وقت آخر علیؑ کیلئے وصیت لکھوانا چاہتے تھے مگر میں مانع ہوا۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی ملل و نحل میں حدیث قرطاس کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ پہلا شبہ جو خلیفہ کے متعلق واقع ہوا وہ ابلیس ملعون کا تھا اور اسلام میں جو پہلا تنازعہ ہوا وہ رسول اللہؐ کے مرض میں ہوا۔

صاحبانِ عقل غور فرما سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا علالت کی حالت میں یہ فرمانا کہ ایک نوشتہ لکھوا دوں تاکہ میرے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو کس قدر سلجھی ہوئی بات تھی۔ شرع کے اعتبار سے بھی ہر مسلمان کو مرنے سے قبل وصیت کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں سورۂ نساء میں متعدد جگہ وصیت کے تعلق سے ذکر آیا ہے مثلاً آیت ۱۱ میں ہے من بعد وصیۃ یوصی بھا۔ صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الوصایا صفحہ ۳۸ پر بروایت ابن عمر و بروایت ابن شہاب درج ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ سخت تر مسلمان پر اس سے زیادہ کوئی امر نہیں ہے کہ اس کے مرنے کو صرف دو راتیں رہ گئی ہوں اور اسکی تحریری وصیت تیار نہ ہو۔ جب کہ رسول اللہ پہلے ہی اعلان فرما چکے تھے کہ اب وقت آچکا ہے کہ اللہ کا فرشتہ (ملک الموت) آئے اور میں اس کو قبول کروں اور بحالت علالت وصیت کے فرض کو انجام دینا چاہتے تھے اور وہ بھی کوئی خانگی معاملہ تھا بلکہ یہ فرما رہے تھے کہ ایک ایسا نوشتہ لکھوا دوں جس سے مسلمان بعد میں گمراہ نہ ہوں تو یہ ارشاد عین منصبِ نبوت کے اعتبار سے ہی تھا۔ اور اس میں ہذیان کا تصور کیسے کسی کو پیدا ہو سکتا ہے۔ جہاں قرآن پاک میں صریح اور سخت ہدایتیں موجود ہوں کہ رسولؐ کے حکم کی تعمیل کرو اور اپنی آوازیں رسولؐ کی آواز پر بلند نہ کرو اور رسولؐ کے سامنے باتیں نہ کرو جیسے آپس میں کیا کرتے ہیں اور جب رسول مخاطب ہوں تو منہ ادھر ادھر نہ پلٹاؤ۔ رسول جو دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو تو ان سب سے قطع نظر کر کے رسولؐ کی بات سے اختلاف کرنا اور ارشاد رسول کی تعمیل نہ کرنا اور دوسروں کو بھی تعمیل سے یہ کہکر روک دینا کہ اس آدمی کو ہذیان ہو رہا ہے کس انداز کا اظہار خیال ہے اور اس کے تیور کیا ہیں جس حلق کے منہ سے قرآن ملا اور جس کے کہنے سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن ہے اس کے منہ پر یہ کہنا کہ ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے اور جو لوگ کہہ رہے تھے کہ رسولؐ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے (یعنی نوشتہ لکھے جانے دوات قلم کاغذ لانا چاہیے) ان سے جھگڑا کرنا اور رسولِ خدا کے سامنے شور مچانا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا اس کے صاف صاف یہ معنی نہیں کہ ہم کو تو قرآن مل چکا۔ اب ہم کو رسولؐ کے

کچھ کہنے سُننے کی حاجت نہیں۔ گویا رسولؐ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ بالفاظ دیگر ع اب کیا غرض کسی سے جو مطلب نکل گیا۔
کیا یہ عمل اور قول اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی تعمیل کی تعریف میں آتا ہے یا اس کی نفی ہے۔ ایمان و انصاف سے غور کرو تو وقتِ آخر خاتم النبیین کی اس سے بڑھ کر مخالفت اور کیا ہوگی۔

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالۃ "اسلام اور بنوامیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ (۹) پر لکھتے ہیں۔
حضرت عمر نے بوقت انتقال رسول ارشاد فرمایا حسبنا کتاب اللہ۔ بس کتاب ہمارے لئے کافی ہے معلم کتاب کی ہم کو ضرورت نہیں ہم خود بغیر استاد کے کتاب پڑھ لیں گے حالانکہ قول رسولؐ اسطرح تھا کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی۔ رسول اللہؐ نے اپنی دوربین نظر سے پتہ لگالیا تھا کہ امت فکر و نظر میں نابالغ ہے اور اس کو ایک نگاہ جین ولی اور سرپرست کی ضرورت ہے۔ علمائے اہل سنت اسکی کس کس طرح توجیہہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لائق ملاحظہ ہے۔
مترجم مشکوٰۃ مولوی قطب الدین صاحب اپنے ترجمہ مظاہر حق جلد چہارم کے صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے حسبکم کتاب اللہ کہا تو اتفاق ہے علماء کا اسپر کہ یہ انکی دلائل فقہ اور دقائق نظر و فہم سے ہے اس لئے کہ وہ ڈرے اس سے کہ مبادا آنحضرت ایسے امور لکھدیں کہ لوگ ان کے کرنے سے عاجز رہیں اور عذاب کے مستحق ہوں۔ بہ سبب ہونے ان کے ثابت نص سے کہ نہیں گنجائش ہے اس میں اجتہاد کی اور اشارہ کیا ساتھ اس قول اپنے کے حسبکم کتاب اللہ طرف قول اللہ تعالٰی کے ما فرطنا من کتاب شیئ اور طرف قول اللہ تعالیٰ کے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی (بقول قطب الدین صاحب علمائے اہل سنت کا اسپر اتفاق ہے کہ حضرت عمر نے حسبکم کتاب اللہ تمہارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے) اس وجہ سے کہا تھا کہ قرآن میں ہر چیز موجود ہے اور دین کے مکمل ہونے کی آیت بھی نازل ہو چکی ہے یعنی اب رسول اللہ کے مزید کچھ کہنے یا نہمائش کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر ساتھ ہی ساتھ اس کے حضرت عمر کا یہ بھی خیال تھا کہ ممکن ہے رسول اللہ کوئی ایسی (نا واجبی یا غلط بات (معاذ اللہ) لکھوا دیں کہ لوگ اس پر عمل کرنے سے عاجز ہوں اور مستحق عذاب ہوں۔ ان وجوہات سے حضرت عمر نے حضرت رسول اللہؐ کے وصیت نامہ لکھوانے کو روک دیا۔ قطب الدین صاحب کے اس قول کے اعتبار سے علمائے اہل سنت کے یہ دو متفقہ امور لائق غور ہیں۔
(۱) جب دین مکمل ہو چکا تھا اور قرآن میں ہر چیز موجود ہے تو حضرت رسول کی جانب سے مزید کسی نصیحت یا وصیت نامہ کی حاجت نہ تھی (۲) اس امر کا امکان تھا کہ حضرت رسول کوئی نا واجبی بات ایسی لکھوا دیں گے۔ جس پر عمل کرنے سے لوگ عاجز ہوں، اور مستحق عذاب ہوں۔
حضرت رسولؐ کے کسی نصیحت یا وصیت نامہ سے بے نیازی مسلمانوں کو کس طرح حاصل ہو گئی اور صاحب ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کے متعلق کسی نا واجبی یا ناقابل عمل امر دین کا حکم دینے کا شبہ آخر کن وجوہات کی بنا پر پیدا ہوا۔ ایسے شبہ کرنے والوں کا جواب سورہ نور کی آیت ۵۰ میں اللہ تعالیٰ نے پہلا ہی سے دے رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ افی قلوبھم مرض ام ارتابوا ام یخافون ان یحیف اللہ علیھم و رسولہ بل اولیٓک

ھم الظالمون ۰ ترجمہ :- کیا ان کے دل میں (کفر کا) مرض باقی ہے یا شک میں پڑے ہوئے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ خدا اور اس کا رسول ان پر زیادتی کرے گا (یہ سب کچھ نہیں) بلکہ یہی لوگ ظالم ہیں۔ اب ملاحظہ ہو مترجم بخاری مولوی وحیدالزماں صاحب اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :- "حضرت عمر تمام صحابہ میں بڑے عاقل اور دوراندیش تھے اور سیاست میں اور انتظامی امور میں تو اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں بیماری کی شدت میں آنحضرت کتاب لکھوائیں اور شائد آپ کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس پر منافقوں کو طعن و تشنیع کا موقعہ ملے تو آئندہ اسلام کی اشاعت میں بڑا خلل ہوگا" پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ "حضرت عمر کی یہ غرض تھی کہ ایسی بیماری کی حالت میں آنحضرت کو کتاب لکھوانے کی کیوں تکلیف دی جائے۔ قرآن شریف جس میں سب احکام موجود ہیں ہمارے لئے کافی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کی ہم کو حاجت نہیں۔ معاذ اللہ حضرت عمر ایسا کیوں کہنے لگے جب خود قرآن شریف میں حدیث پر عمل کرنے کا حکم ہے"۔

ناظرین ان متضاد توجیہات پر غور فرمائیں۔ کہیں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر ایسا کیوں کہتے جب حدیث پر عمل کرنے کا حکم خود قرآن میں موجود ہے اور پھر یہ حجت بھی پیش کی جاتی ہے کہ قرآن میں ہر چیز موجود ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اس لئے نوشتہ لکھوانے سے روکا۔ حضرت رسول ؐ کی وصیت نامہ لکھوانے کی خواہش کو رد کر کے حسبنا کتاب اللہ کہنا ہی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صاف مطلب یہی تھا کہ اب حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ جہاں رسول خدا کوئی حدیث بیان فرما رہے ہوں اور وہ بھی ایسا حکم منصب نبوت سے دے رہے ہوں کہ آپ کے بعد امت کو گمراہی سے بچانے والا ہو تو اس حکم سے اختلاف کرنے اور روک دینے کے کیا معنی ہیں۔ جیسا کہ صوفیا مسئلہ اقتضار کی اصولی توجیہہ پیش کرتے ہیں کہ کسی شئے کے وجود کے ساتھ ہی اسکی کوئی نہ کوئی شکل کا قائم ہو جانا ایک لازمہ ہے اور جہاں شئے مخلوقہ ہے اسکی شکل ظہور نہ ہے یہی شکل کو اقتضا کہتے ہیں۔ اسیطرح قول حسبنا کتاب اللہ کا منطقی اور نفسیاتی تجزیہ یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ کسی نوشتہ کے (آنحضرت کی طرف سے) پیش کئے جانے کے جواب میں ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے کہنے کے ساتھ ہی یہ لازمہ اقتضا قائم ہو جاتا ہے کہ اس نوشتہ کی ضرورت نہیں بلکہ کتاب ہی کافی ہے۔ بالفاظ مختصر اس قول حسبنا میں حضرت رسول ؐ کی طرف سے نوشتہ پیش کئے جانے کی نفی خود بخود مضمر ہے اور اس قول کا اقتضا ہی تردید قول رسول ؐ ہے۔

کہیں یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر کی یہ غرض تھی کہ بیماری کی حالت میں آنحضرت کو کتاب لکھوانے کی کیوں تکلیف دی جائے۔ اس میں تکلیف کا کیا سوال تھا بلکہ خود حضرت رسول ؐ کو اپنی وصیت کر دینے سے اطمینان و سکون نصیب ہوتا۔ حضرت رسول ؐ خود فرما رہے تھے کہ ادھر آؤ میں تمہارے لئے ایسا نوشتہ لکھوا دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ وصیت کرنا تو ہر مسلمان کا بھی فرض ہے۔ حضرت رسول ؐ اپنے وقت آخر امت کو گمراہی سے بچانے وصیت کرنا چاہتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ آپ تکلیف مت فرمائیے ہم کو ضرورت نہیں۔ مرنے والے کی وصیت پر تو اس کے رشتہ دار دوست کان لگا دیتے ہیں کہ سن تو لو مرنے والا کیا کہہ رہا ہے۔ وہ عین مرتے مرتے بھی کچھ کہہ رہا ہو تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں۔ یہاں

یہ الٹی منطق ہے کہ حضرت رسول صاف صاف فرما رہے ہیں کہ تم کو گمراہی سے بچانے کے لئے ایک نوشتہ لکھوا دوں ادھر آؤ تو ادھر حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ لگا کر آپ کو روک دیا جاتا ہے۔ پھر حضرت رسولؐ اس واقعہ کے چار دن بعد تک زندہ رہے اور جو کچھ کلام آپ فرما رہے تھے وہ ایک ایک حرف سنجیدگی اور عقل کی میزان میں تلا ہوا اور منصب نبوت کا حکم تھا۔ یہ بھی قیاس کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ کو بات کرنے میں تکلیف ہو رہی ہے یا معاذ اللہ کوئی بے معنی بات آپ کے منہ سے نکل رہی ہے۔ اس کا تو کہیں شائبہ تک نہ تھا۔ وحید الزماں صاحب مترجم بخاری پھر یہ بھی لکھتے ہیں۔ ہجر کے معنی یہی ہیں کہ بیماری میں بیہودہ کلام نکال رہے ہیں مگر یہ آنحضرتؐ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ آپ بیماری غیر بیماری ہر حال میں جھگے تک ہذیان اور بیہودہ گوئی سے محفوظ تھے" شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے صفحہ (۲۹۷) پر لکھتے ہیں" خداوند عالم انبیا کو غشی اور بیہوشی کی حالت میں بھی اپنی مرضی کے خلاف کوئی چیز کہنے نہیں دیتا اور وہ ہر حال میں معصوم ہوتے ہیں اور خواب میں بھی بیدار رہتے ہیں رسولؐ کے معنی ہی پیغام پہنچانے والے ہیں۔ اسکا ہر قول وحی ہوتا ہے؟ جب یہ سب باتیں مسلمہ ہیں تو پھر حضرت عمر کو لفظ ہذیان استعمال کرنے کی کیا وجہ تھی اور حضرت رسولؐ سے متعلق ایسے لفظ کے استعمال کا کیا جواز تھا۔ مترجم بخاری وحید الزماں صاحب کی یہ حجت ہے کہ حضرت عمر کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شائد آنحضرتؐ کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس پر منافقوں کو طعن تشنیع کا موقعہ ملے۔ حضرت رسولؐ کے متعلق ایسا سمجھنا تو عین رسالت کی نفی کے برابر ہے۔ یہ خیال ہی کیسے پیدا ہوا کہ حضرت رسولؐ کوئی ایسی بے سروپا بات لکھوا دیں گے جس پر منافقین کو طعن و تشنیع کا موقعہ ملے۔ اس ضمن میں خود دوسرے سنی عالم مولانا شبلی نے جو کچھ لکھا ہے وہ مولوی قطب الدین صاحب مترجم مشکواۃ اور مولوی وحید الزماں صاحب مترجم بخاری کی کھڑی کی ہوئی عمارت کو بنیاد ہی سے گرا دیتا ہے۔ چنانچہ مولانا شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں۔

" ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ صلعم بستر مرگ پر ہیں اور امت کی ہمدردی اور غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی۔ اس لئے اس میں خطا و سہو کا امکان نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہے۔ ہم کو قرآن کافی ہے۔ طرہ یہ ہے کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا۔ نعوذ باللہ"۔

اس کے بعد شبلی یہ کہکر کہ حضرت عمر کا لفظ" ہذیان" استعمال کرنا کہیں استفہامیہ تو نہ تھا خود ہی اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ" روایت میں ایسے صریح الفاظ ان الرجل یھجر یعنی یہ شخص ہذیان کہہ رہا ہے۔ ہذیان کہہ رہا ہے) موجود ہیں جو ہمارے اس خیال کی تائید نہیں کرتے" یعنی مولانا شبلی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر کا جملہ ان الرجل لیھجر سوالیہ نہیں تھا بلکہ بیانیہ تھا۔ یہ سب کچھ لکھ کر آخر میں مولانا شبلی یہ کہکر چھٹکارا حاصل

کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ پر ہذیان کا اور حضرت عمرؓ پر گستاخی کا الزام عاید کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اس حدیث قرطاس کی صحت ہی سے انکار کر دیا جائے۔ بقول شخصے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ لوگ کہیں گے۔ بخاری کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔ بہرحال انگشتِ حیرت در دہان نیمہ دروں نیمہ بروں کی کیفیت میں وہ اس معاملہ کو چھوڑ کر پہلو بچا جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس عنوان کے شروع میں لکھ آئے ہیں اس حدیث کو نہ صرف طبری طبرانی مسلم اور بخاری نے عبداللہ ابن عباس کی زبانی روایت کیا ہے بلکہ احمد ابن حنبل نے اپنی مسند کی جلد ۳ صفحہ ۳۴۶ مطبوعہ مصر پر اسکو جابر بن عبداللہ انصاری کی زبانی بھی روایت کیا ہے جو ان الفاظ میں ہے:۔

حَدَّثَنَا عَبْدَ اللهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا مُوسٰی بْنِ دَاوُدَ حَدَّثَنَا اِبْنِ لَهِيْعَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا عِنْدَ مَوْتِهِ بِصَحِيْفَةٍ لِيَكْتُبَ فِيْهَا كِتَابًا لَا يُضِلُّوْنَ بَعْدَهُ قَالَ فَخَالَفَ عَلَيْهَا عُمَرُ بْنِ الْخَطَّابِ حَتّٰى رَفَضَهَا۔

ترجمہ:۔ احمد ابن حنبل سے عبداللہ نے۔ اُن سے اُن کے باپ نے اُن سے موسیٰ نے اُن سے ابن لہیعہ نے اُن سے ابو الزبیر نے اور اُن سے جابر بن عبداللہ انصاری نے بیان کیا کہ حضرتِ رسولِ خدا نے اپنی وفات کے قریب کاغذ مانگا تاکہ اسمیں ایسا وصیت نامہ لکھوا دیں جسکے بعد اہل اسلام گمراہ نہ ہوں تو اُس کے متعلق عمر بن الخطاب نے حضرت رسولِ خدا سے مخالفت کی یہاں تک کہ اسی کاغذ کو لیکر پھینک دیا۔

مسند احمد ابن حنبل کو صحاح ستہ کے برابر ہی درجہ دیا جاتا ہے۔ بلکہ صحیح ابن ماجہ کی اُن روایتوں کو جسمیں اہل قزوین کی تعریف کی گئی ہے علماء نے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے کہ ابن ماجہ نے اپنے اہل وطن کی ترجیح کی ہے۔ مسند احمد ابن حنبل کے متعلق ایسا کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔ احمد ابن حنبل خود امام بخاری مسلم ابو زرعہ اور ابو داؤد سجستانی کے اُستاد تھے ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے جنازہ میں آٹھ لاکھ آدمی شریک ہوئے۔ ترجمہ مشکوٰۃ طبع لاہور جلد ۱ دیباچہ کے صفحہ ۴ پر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کی مقبولیت اتنی تھی کہ ان کی وفات کے دن بیس ہزار یہود و نصاریٰ مسلمان ہوئے ان کی مسند میں تیس ہزار حدیثیں درج ہیں ادھر جابر بن عبداللہ انصاری کی یہ کیفیت ہے کہ انکا شمار رسول اللہ کے جلیل القدر صحابیوں میں ہے۔ ہر محدث نے انکو نہایت درجہ قابل اعتبار راوی مانا ہے ۷۸ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں انکی وفات ہوئی اسطرح ۱۱ھ میں حضرت رسولؐ کی وفات کے وقت انکی عمر ۲۷ سال تھی ان کے متعلق کم عمری کا بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ مولوی شبلی نے عبداللہ ابن عباس کے متعلق

• خواہ مخواہ وارد کیا ہے۔ جہاں ایسے ثقہ راوی کی زبانی روایت احمد بن حنبل جیسے بلند پایہ محدث نے کی ہو تو اسکا پایۂ اعتبار کسی طرح متزلزل نہیں ہے۔ پھر مسلم، بخاری، طبرانی، طبری (جلد ۳ ص ۱۹۳) سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

مولوی شبلی نے جو خود ایک متبحر عالم سمجھے جاتے ہیں اور خاص طور پر حدیثِ قرطاس کے متعلق جنہوں نے

سیرۃ النبیؐ اور الفاروقؓ میں کئی صفحے کالے کئے ہیں تو یہ سمجھنا مشکل ہے کہ مسند احمد ابن حنبل جیسی مشہور و معروف کتاب انکی نظر سے نہ گزری ہو۔ اب یا تو انکی کوتاہ نظری کہئے یا دیدہ دلیری جو یہ لکھتے ہیں کہ "بجز عبداللہ ابن عباس کے کسی اور صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں ہے مگر ہمیں مکتب است و ایں ملّا ہ کار طفلاں تمام خواہد شد"

الغرض حضرت عمرؓ کا رسول اللہؐ کے متعلق یہ کہنا کہ "یہ آدمی ہذیان کہہ رہا ہے اور ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے" ایک مسلّمہ واقعہ ہے۔

الف :۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں :۔

ہجر کے معنی خبط و مختلط ہونے کے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ ہم اس کے معنی ہذیان و فحش کے لیں۔ کیونکہ یہ جملہ کہکر کتابت سے روکنے والے حضرت عمرؓ تھے اور ان کی نسبت یہ قیاس جائز نہیں ہوسکتا۔ قابلِ غور ہے کہ الفاظ کے مسلّمہ معنی بھی بدلنے کی کوشش کیجا رہی ہے۔

مسلّمہ روایتوں سے جو باتیں ثابت ہوں وہاں ہم کو دخل دیکر یہ کہنا کہ ہم ایسا قیاس نہیں کر سکتے کس حد تک قابلِ قبول ہے۔ اصول پر شخصیتوں کو جانچا جاتا ہے نہ یہ کہ شخصیتوں کی خاطر مسلّمہ اصول بھی توڑے مروڑے جائیں۔

جہاں کسی صحابی رسولؐ پر اعتراض وارد ہوتا ہو تو مسئلہ کف اللسان (یعنی زبان بند رکھنے) کی دیوار بیچ میں کھڑی کر دی جاتی ہے۔ جیسا کہ امیر معاویہ کے معاملہ میں بھی تسلیم کرتے ہوئے کہ جناب امیر علیہ السّلام حق پر تھے اور معاویہ برسرِ خطا تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ معاویہ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ صحابئ رسولؐ تھے۔ کف اللسان ہی بہتر اصول ٹھیرا تو شیطان پر کیوں لعنت کیجائے اور اس سے پناہ کیوں مانگی جائے۔ ایک دفعہ تو شیطان معلم الملکوت رہ ہی چکا ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ پھر اسکو معاف کر دے لہٰذا اپنی زبان کیوں لعنت کہکر آلودہ کیجائے۔ مگر عقلِ انسانی اور احکامِ خداوندی دونوں اعتبارات سے یہ خیال اور نظریہ ہی غلط ہے برے کو برا اور اچھے کو اچھا کہنا ہی پڑے گا۔ اس کتاب میں ہم نے دیگر مقام پر ان آیتوں کا حوالہ دیا ہے جن میں خدا تعالیٰ برے لوگوں پر نہ صرف خود لعنت کرتا ہے بلکہ عام لوگوں سے بھی ان پر لعنت کا متوقع ہے برے کو برا نہ سمجھنا یا برا جانتے ہوئے بھی اسکی تعریف کرنا ایک ظاہر بہ ظاہر بے معنی بات ہے۔

ایک سنی عالم شیخ سرہند فاروقی تو جو امام ربانی مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں کسی تاویل وغیرہ کی جھنجھٹ میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے بلکہ اپنے مکتوب نمبر ۱۹۶ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مترجمہ عالم الدین صاحب) میں صاف صاف فرما دیتے ہیں کہ "آنحضرتؐ کے تمام اقوال و گفتار وحی کے مطابق نہ تھے اور سہو و نسیان پیغمبر پر جائز بلکہ واقع ہے۔ احکام اجتہادیہ اور امور عقلیہ میں اصحاب کرام کو آنحضرتؐ سے گفتگو کی گنجائش اور رد و بدل کی مجال تھی۔ اگر آنحضرتؐ چاہتے تھے کہ اپنے فکر و اجتہاد کی رو سے (یہ نوشتہ) لکھیں تو وقت یا وری نہیں کرتا۔ کیونکہ پایۂ اجتہاد آپکی رحلت فرما جانے کے بعد بھی باقی ہے۔ آپ کی امت کے مستنبط اور مجتہد لوگ کتاب اللہ سے جو دین کا اصل اصول ہے احکام اجتہادیہ کو نکال لیں گے" ناظرین غور فرمائیں گے کہ مجدد صاحب نے حضرت عمرؓ کے عمل اور قول کے ہر ہر جزو کو جائز اور واجبی قرار دیا ہے۔ خواہ حضرت رسولؐ پر کیسے ہی اعتراضات کیوں نہ وارد ہو جائیں۔ جہاں شبلی لکھتے ہیں کہ

بستر مرگ پر گمراہی سے بچانے کے لیۓ جو ہدایت نامہ ہوگا وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگا اور شاہ عبدالعزیز کہتے ہیں کہ رسول کا ہر قول وحی ہے مجدد صاحب کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے تمام اقوال و گفتار وحی کے مطابق نہ تھے۔ حضرت عمر نے حضرت رسول کے ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تو جہاں شبلی کہتے ہیں اس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا مجدد صاحب کہتے ہیں۔ سہو و نسیان پیغمبر پر جائز بلکہ واقع ہے۔ یعنی بطور واقعہ حضرت رسولؐ کی یہ گفتگو ہذیان تھی۔ (معاذ اللہ) ادھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اطیعوا الرسول اور دوسری جگہ خذو ما اتاکم الرسول۔ ادھر مجدد صاحب کہتے ہیں اصحاب کو آنحضرتؐ سے گفتگو اور رد و بدل کی گنجائش و مجال موجود تھی یعنی صاف صاف یہ کہ رسول پر اعتراض کرنا اس کے حکم پر رد و قدح کرنا سب کچھ جائز تھا اگر مجدد صاحب یہہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کے بعض اقوال مطابق وحی نہ بھی تھے تو جہاں اطیعوا اللّٰہ کا حکم ہے وہاں اطیعوا الرسول کا بھی تو حکم ہے۔ گمراہی سے بچانے کیلئے نوشتہ لکھوانے کے صاف دینی حکم پر بھی رد و قدح اور بحث بحثی کی جائے تو آخر اطیعوا الرسول کا حکم خداوندی کس موقعہ کے لئے ہے وما محمد الا رسول کے کیا معنی ہیں اور خذو وما آتاکم الرسول (یعنی لے لو جو کچھ رسول دے) کیا فقط مال غنیمت وصول کرنے کے لئے ہے۔ سورۂ انفال کی آیت ۲۴ میں بھی یہ صریح حکم موجود ہے کہ جب رسول کسی کام کے لیۓ تم کو بلائے جس میں تمہاری روحانی زندگی ہے تو تم رسول کی بات مان لو اور نافرمانی مت کرو۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:۔ یاایھا الّذین آمنوا استجیبوا اللّٰہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم امت کو آئندہ گمراہی سے بچانے کی غرض سے نوشتہ لکھوانے کا غذ قلم لانے کا جو حکم حضرت رسول دے رہے تھے وہ جس کسی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے۔ صد فیصد ایسا حکم تھا جس میں امّت کی روحانی زندگی تھی۔ پھر ایسے حکم کی نافرمانی کا کیا جواز ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر کے قول حسبنا کتاب اللّٰہ کو مجدد صاحب اس طرح واجبی قرار دیتے ہیں کہ "آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد بھی پایۂ اجتہاد باقی ہے مجتہد کتاب اللہ سے جو دین کا اصل اصول ہے احکام اجتہادیہ کو نکال لیں گے" یعنی صاف مطلب ہوا کہ فہمائیش رسول یا بالفاظ دیگر سنت رسولؐ کی ضرورت نہیں۔ مجتہد خود کتاب خدا سے نکال لیں گے۔ حسبنا کتاب اللہ کی واجبیت پر مجدد صاحب نے اپنے ان الفاظ سے مزید زور دیا ہے کہ "کتاب اللہ جو دین کا اصل اصول ہے اجتہاد کے لیۓ کافی ہے" یعنی گویا کہ قول رسول کی کوئی اصل نہیں ہے۔ معاذ اللہ۔ اگر اتنی عقل سب میں آجاتی کہ قرآن کے سب مطالب سمجھ جاتے تو رسول یا ہادی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جبرئیل کتب آسمانی لاکر حوالہ زمین کر کے چلتے بنتے۔ اور ہر ہزار سال کو ایک مجدد صاحب پیدا ہو کر سب کچھ اجتہاد فرما دیتے۔ ناظرین انصاف فرمائیں کیا اسلام رسول خدا سے ایسی ہی بے اعتنائی اور آنحضرت کے اقوال دین پرور سے ایسی ہی بیزارگی سکھاتا ہے۔ مجدد صاحب کا انداز گفتگو بالکل اسی نوعیت کا ہے جیسے اس کتاب میں میں نے ایک صاحب کا ذکر کیا ہے جو کہتے تھے کہ "رسولؐ کو مانے بغیر بھی کوئی شخص مسلمان باقی رہتا ہے۔ کیونکہ خدا کو جو پیام بھیجنا مقصود تھا وہ قرآن ہے۔ رسول صرف پہنچانے والے تھے۔ پیام مل چکا تو بس پھر قاصد کی کیا ضرورت رہی۔ اگر اسی کو مسلمانی کہتے ہیں تو صد ہزار خندۂ کفر است بر مسلمانی۔

مجدد الف ثانی امام ربانی کہلائے جانیوالے شیخ سرہندی فاروقی نے بمصداق "پلید نہ ہرچہ توانند پسر تمام کند" حضرت عمرؓ کے قول ان الرجل لیہجر ہجر کو یہاں تک پہنچا دیا کہ من چہ پروائے مصطفیٰؐ دارم کہ پنجہ در پنجۂ خدا دارم (اُردو بلٹز [illegible])
یعنی مصطفیٰؐ کی میں کیا پرواہ کرتا ہوں۔ میں تو اللہ سے پنجہ کشی کرتا ہوں۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں جب کسی امر اہم کے متعلق وصیت منظور تھی جس کو رسول اللہ لکھوانا چاہتے تھے اور لوگوں نے روک دیا تھا تو آپ نے زبانی کیوں نہ فرما دیا اور اگر خلافت علیؑ کی وصیت مقصود تھی تو علیؑ کا نام زبان سے کیوں نہ لیا۔ اول تو یہ اعتراض خود حضرت رسولؐ کے خلاف پڑتا ہے اور فی نفسہ بھی اس وجہ سے غلط ہے کہ جس امر اہم کیلئے نوشتہ لکھوانا چاہتے تھے اس کو حضرت رسولؐ نے خود ظاہر فرما دیا تھا کہ وہ ایسا امر ہے جو امت کو آئندہ گمراہی سے بچانے والا ہے۔ یہ امر اہم ہی تھا اس کو غیر اہم کیسے کہا جا سکتا ہے اس بات کے جواب کے لئے جب ایسا اہم امر تھا تو زبانی کیوں نہ فرما دیا ان ارشادات کو جو حضرت رسولؐ اسوقت تک ہی فرما چکے تھے اور نیز فطرت انسانی نفسیات اور اسوقت کے ماحول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس ضمن میں دو امور تشخیص طلب قرار پاتے ہیں۔ حضرات شیعہ کا کہنا ہے کہ خلافت علیؑ کی تحریری وصیت حضرت رسولؐ لکھوانا چاہتے تھے۔ حضرات اہل سنّت کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے۔ لہٰذا پہلا امر تنقیح طلب یہ ہے کہ خلافت علیؑ کی وصیت منظور تھی یا کسی اور کی پھر دوسرا امر یہ ہے کہ جس کسی کیلئے بھی وصیت کرنی تھی زبانی وصیت کیوں نہ فرما دی۔ پہلے جزو کی حد تک یہ مسلمہ ہے کہ حضرت علیؑ کے متعلق حضرت رسولؐ واضح ارشادات اپنا وصی و جانشین ہونے کے متعلق بارہا فرما چکے تھے جن کا ذکر اس کتاب میں علٰحدہ آیا ہے۔ سوائے حضرت علیؑ کے کسی اور کا جانشین رسولؐ ہونا کسی کے خیال میں بھی نہ آ سکتا تھا۔ حکم و منشائے رسولؐ صاف ظاہر ہو چکا تھا۔ ان حالات میں قیاس غالب بلکہ ناقابل تردید یہی ہے کہ اگر اپنی جانشینی کیلئے کسی کا نام بوقت انتقال لیتے تو وہ حضرت علیؑ ہی کا نام ہوتا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک طرف تو چند ہی دن پہلے حضرت رسول من کنت مولا فعلی مولا فرماتے اور یہ فرماتے کہ انی تارک فیکما الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی۔ یعنی قرآن اور اپنے اہل بیت کو چھوڑے جا رہا ہوں ان دونوں سے متمسک رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے اور پھر بعد میں امت کو گمراہی سے بچانے کے لئے جو نوشتہ لکھوانا چاہتے تھے وہ اس کے خلاف ہوتا یا حضرت ابوبکر کیلئے ہوتا جیسا کہ علمائے اہل سنّت کہتے ہیں۔ اقوال رسولؐ میں ایسا تضاد ناممکن تھا۔ حضرت رسولؐ کے مسلسل ارشادات کی روشنی میں تحریری وصیت میں بھی علیؑ کا نام آتا ہے۔ جن لوگوں کو علیؑ کی خلافت منظور نہ تھی ان لوگوں کے لئے اس خیال کا گزرنا ناگزیر تھا کہ اب تحریری وصیت میں بھی علیؑ کا نام آتا ہے۔ ~~~ منظور نہ تھی انھوں نے شور و غل مچا کر اور رسولؐ کے کلام کو ہذیان سے تعبیر کر کے اس مجلس کو درہم برہم کر دیا اور نوشتہ لکھوانے سے روک دیا۔

شاہ عبدالعزیز نے تحفہ میں اپنی [illegible] دکھلائی ہے کہ "حضرت [illegible] متوجہ بہ [illegible] بلکہ صحابہ کو [illegible] بتحریر

حضرت عمرؓ نے اقرار کیا کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کے نام کی صراحت کرنا چاہتے تھے اور حضرت عمرؓ مانع ہوئے۔ بعض روایتیں تو ایسی صاف ملتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اقرار کیا کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کے نام کی صراحت کرنا چاہتے تھے اور حضرت عمرؓ مانع ہوئے۔ چنانچہ احمد بن ابی طاہر نے تاریخ بغداد میں عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ

حضرت عمر نے کہا کہ رسول اللہ حالتِ مرض میں حضرت علیؑ کے نام کی صراحت کرنا چاہتے تھے لیکن میں مانع ہوا۔ رسول عقل کل ہوتا ہے اور اسکی نظر میں ارض و سما کا علم ہوتا ہے۔ کیا حضرت رسولؐ کو یہ اندازہ نہ ہوا ہوگا کہ اب لوگوں کے کیا تیور ہوگئے ہیں۔ اندازہ کا لفظ بھی صحیح حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ آپ نے تو ظاہر بظاہر دیکھ ہی لیا تھا چنانچہ آپ نے فرمایا بھی کہ میں اس سے کہیں بہتر حالت میں ہوں جو تم مجھ سے منسوب کرتے ہو۔ حضرت رسول یقیناً سمجھ گئے کہ اب حرمت رسولؐ ان لوگوں کے دلوں میں باقی نہیں رہی۔ کہتے ہیں کہ گمراہی سے بچانے والا نوشتہ لکھدوں تو کہا جاتا ہے کہ ہذیان ہذیان ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے یعنی صاف معنی یہہ کہ آپ کے کلام و نصیحت کی ضرورت نہیں۔ تو اب رسولؐ خدا کو ان لوگوں سے کیا توقع رہ سکتی تھی اور واضح امکان اس امر کا پیدا ہو چکا تھا کہ یہہ ہذیان ہذیان بکنے والا گروہ حضرت رسولؐ کی شان میں مزید کوئی گستاخی کرنے سے دریغ نہ کرے گا۔ مترجم بخاری یہ لکھتے ہیں کہ "اگر رسول خدا اصرار سے فرماتے کہ نہیں دوات قلم لاؤ وصیت نامہ ضرور لکھوایا جائے گا تو حضرت عمر یا کسی اور کی کیا مجال تھی کہ اس کے خلاف کرتے بالفرض اگر حضرت عمر پیغمبر کی مخالفت کرتے تو صدہا ہزارہا انصاری لوگ موجود تھے وہ حضرت عمر کے ٹکڑے اڑا دیتے۔"

ناظرین غور فرمائیں کہ مترجم صاحب بخاری کی یہ توجیہ کہاں تک انصاف پر مبنی ہے۔ حضرت رسولؐ نے نہایت وضاحت اور کمال سنجیدگی سے کلام فرمایا اور اس کی اہمیت بھی ظاہر فرمادی مگر اس کا جواب یہ ملا کہ "ان الرجل یھجر یھجر حسبنا کتاب اللہ" اور لوگوں میں گلخپ شروع ہوگئی تو اب کیا رسولِ خدا تکرار و تنازعہ شروع فرمادیتے۔ حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں کے تیور صاف عیاں ہو چکے تھے۔ بدلی ہوئی نگاہیں اور زُود در رد گستاخانہ کلام خود ملاحظہ فرما چکے تھے۔ اب کیا توقع ہو سکتی تھی۔ مترجم صاحب کا یہ کہنا بھی کہ "ہزارہا انصاری موجود تھے جو مخالفت رسولؐ پر حضرت عمر کے ٹکڑے اڑا دیتے۔" بجائے خود غلط ہے۔ اول تو حضرت رسولؐ کے مکان میں اسوقت ہزارہا انصاری موجود ہی کہاں تھے اس کے برخلاف وہاں حضرت عمر کے ہم خیال بہت سے لوگ موجود تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمر نے متذکرہ صدر الفاظ کہے اور تعمیل حکم رسولؐ سے روک دیا تو چند حاضرین نے کہا کہ حکم رسول کی تعمیل کرو اور قلم کاغذ لاؤ۔ ایسے حضرت عمر کے ہم خیال لوگوں نے بالفاظ روایت وہی کہا جو حضرت عمر نے کہا تھا "یعنی بہت سے لوگوں نے بھی حضرت رسولؐ کے کلام کو ہذیان سے تعبیر کیا اور حسبنا کتاب اللہ کہا۔ اگر امیں سے ہر شخص نے وہ سب الفاظ نہ بھی دہرائے تو مسلم ہے کہ انھوں نے بھی قلم کاغذ لانے سے روک دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ آپس میں گلخپ اور بک بک کرنے لگے اور بالفاظ روایت جھگڑا اٹھ گیا۔ جب یہ حالات تھے تو مترجم صاحب بخاری کا یہ کہنا کہ مخالفت رسولؐ پر لوگ حضرت عمر کے ٹکڑے اڑا دیتے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ بہت سارے لوگ تو حضرت عمر کے ہم رائے تھے۔ اس گلخپ اور بک بک کے درمیان آنحضرتؐ اس کے سوا اور کیا فرماتے کہ "قوموا عنی" یعنی میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ اگر بالفرض قلم کاغذ لانے پر اصرار فرماتے یا زبانی کوئی امر فرماتے جو ان الرجل یھجر یھجر کہنے والے گروہ کے خلاف مرضی ہوتا تو کیا بعید تھا کہ یہ گروہ شان رسولؐ میں مزید گستاخی کرتا اور حرمت رسالت ضائع ہوتی بعد کے واقعات نے کہ وفات حضرت رسولؐ کے دو تین ہی دن کے اندر خاتون جنت سیدۃ النساء العالمین فاطمہ زہرا کے

گھر پر آگ لیجا کر جلانے کی دھمکی دی گئی اور علی مرتضیٰ کو گردن میں رومال ڈال کر کھینچا گیا حضرت رسولؐ کے ان صد فیصد صحیح اندازوں کی تصدیق کر دی۔ رسولِ خدا ان لوگوں کی افتادِ طبع اور بغضوں سے خوب واقف تھے اور اس چوب خشک کو اسی حد تک موڑتے تھے کہ ٹوٹ نہ جائے حضرت رسولؐ نے اس ماحول میں جو یعجر یعجر حسبنا کتاب اللہ کہنے والے گروہ نے پیدا کر دیا تھا اصل موضوع پر کچھ کہنا بعید از مصلحت ہونے کے سبب یہ کہنے پر اکتفا فرمایا کہ رسولؐ کے پاس شور و غوغا کرنا زیبا نہیں۔ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔ جو امر آپ تحریر فرمانا چاہتے تھے وہ گرکہ اہم ضرور تھا مگر ظاہر بہ ظاہر کوئی نیا نہ تھا اور جیسا کہ چند سطور قبل ہم لکھ چکے ہیں یقیناً خلافت علیؑ اور اپنے اہل بیت طاہرین کی پیروی و تمسک سے متعلق تھا جسکا اظہار و ایما آپ متعدد بار فرما چکے تھے۔ اب ہر قسم کی رفع حجت کیلئے اس کو تحریری وصیت کی شکل بھی دے دینا چاہتے تھے مگر جب یہ نقشہ دیکھا جس کا ذکر اوپر آیا ہے تو اس کے مدنظر کہ آپ کے منشا کا اظہار تو بارہا ہو چکا ہے جو صاحبان ایمان کیلئے کافی ہے اور حاضرین وقت خود اپنی دینی بھلائی کے لئے بھی کوئی نوشتہ لینے تیار نہیں ہیں بلکہ جھگڑا اور آمادہ فساد ہیں تو فوراً موقع فرما کر حرمت رسالت کا تحفظ فرما لیا۔

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنو امیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۲۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔
یوں تو اسی وقت سے جب کہ حج آخر کی واپسی میں رسولؐ کے غدیر خم کے مقام پر حضرت علیؑ کی خلافت و نیابت اور مولائیت کا اعلان فرمایا تھا بنی امیہ نے اور انہیں ان کی ذہنیت کے دوسرے منافق صحابہ نے رسولؐ کی مخالفت شروع کر دی تھی ان لوگوں نے رسولؐ کے ناقہ کو بھڑکا کر شمع رسالت کو گل کرنے کی کوشش کی تھی اور ان سازشیوں کو آپ نے پہچان بھی لیا تھا اور ان کے نام بھی حضورؐ نے حذیفہ یمانی کو بتا دئے تھے اور رسولؐ کے انتقال کے بعد حضرت عمر جناب حذیفہ سے پوچھا بھی کرتے تھے کہ ان سازشی منافقوں میں رسولؐ نے میرا نام تو نہیں لیا تھا انہیں لوگوں کی سازش سے رسولؐ کو کھانے میں زہر دیا گیا۔ وہ تو حجۃ الوداع کے بعد زیادہ عرصہ تک حضورؐ زندہ نہ رہے اگر آپ کی حیات کچھ اور طول کھینچتی تو یقیناً آپ کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر دیتے۔"

تاریخ ابو الفدا میں درج ہے کہ متذکرہ صدر واقعہ کے بعد جب بھی صحابہ نے کہلا بھیجا کہ زیارت رسولؐ کیلئے آنا چاہتے تو آپ نے جواب میں فرما بھیجا کہ میری بیماری کی مصیبت تمہاری موجودگی کے اعتبار سے کمتر ہے۔ واقعہ قرطاس کے بعد صحابہ کو پھر رسول خدا کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ تجہیز و تکفین و تدفین میں بھی شریک نہ ہوئے بلکہ تین دن تک کاروائی سقیفہ بنی ساعدہ میں مصروف رہے۔ علامہ صلاح کشفی حنفی حضرت عمر کی خطا تسلیم کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھتے ہیں کہ ہمارا جواب یہی ہے کہ: خطائے بزرگان گرفتن خطا است۔ یعنی بزرگوں کی غلطی پکڑنا بھی غلطی ہے۔

علمائے اہلسنت مولانا شبلی شاہ ولی اللہ شیخ عبد الحق و حید الزماں مترجم بخاری و قطب الدین مترجم مشکواۃ نے جو بے سروپا تاویلیں کرنے کی کوشش کی ہے اس کی پوری بنیاد کو خود ایک مشہور سنی عالم شمس العلماء حافظ نذیر احمد خاں نے اپنی کتاب "الفرائض والحقوق" میں اکھاڑ پھینکا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں: "جن لوگوں کے دلوں میں خلافت کی کھچڑی پک رہی تھی

اُس کا بھانڈا دوات و قلم طلب کرتے وقت پھوٹ گیا۔ پیغمبر صاحب نے کچھ صراحت نہ فرمائی تھی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے مگر جن کے دلوں میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انھوں نے دھینگا مشتی سے منصوبہ کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مزاحمت کی یہ تاویل کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے۔ خلافت حضرت ابوبکر اور سقیفہ کے واقعہ پر بھی شمس العلماء موصوف نے "امہات الامہ" میں صاف صاف اظہار خیال کردیا ہے کہ "یہ حضرت ابوبکر و عمر صاحبان کی ملی بھگت تھی"۔ حضرت رسول سے گستاخی کرنے والے صحابہ کے متعلق شمس العلماء امہات الامہ فرماتے ہیں! "یہ کہنا آسان ہے کہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہ تھے بہ نسبت اس کے کہ پیغمبر کے حکم سے سرتابی کرتے تھے"۔

حیدرآباد کے ایک مشہور محب اہل بیت اہل طریقت کے عالم فرزند کا جو ایک سینیر سرکاری عہدہ دار بھی رہ چکے ہیں۔ یہ کہنا ایک نہایت معتبر ذریعہ سے حال میں میرے کانوں تک پہنچا کہ جب حضرت رسولِ خدا نے ناراض ہو کر قوموا عنی کہکر حضرت عمر کو اپنے پاس سے ہٹا دیا تو پھر کونسی روایت یا شہادت ہے کہ حضرت رسول نے پھر حضرت عمر کو کبھی واپس بلایا۔ موصوف بزرگ محترم نے عند الملاقات میرے سامنے اپنے اس قول کا شد و مد سے اعادہ فرمایا اور لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی کی آیت پڑھتے ہوئے فرمایا کہ "اگر کسی کی آواز نبی کی آواز سے صرف بلند ہو جائے تو اسکی سزا اعمال کا حبط ہو جانا ہے اور اگر کہیں کسی کی آواز نبی کی آواز کے خلاف بلند ہو جائے تو اس کا کیا حشر ہوگا"۔

مشہور مفکر ڈاکٹر عبد اللطیف کا بیان واقعہ قرطاس کے متعلق

جناب مولوی صالح محمد خاں صاحب ناغڑ ولد مولوی محمد ابراہیم خاں صاحب سابق مددگار مہتمم پولس کی زبانی حیدرآباد کے مشہور مفکر ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب کا یہ کلام بتاریخ ۱۸؍ اگسٹ ۱۹۷۷ء میرے کان تک پہنچا کہ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے: "حضرت علی مظلوم تھے۔ جب رسول نے علیؑ کیلئے وصیت نامہ لکھنا چاہا تو عمر صاحب نے قولِ رسول کو ہذیان کہکر لکھنے نہ دیا۔ میت کو جلد دفن کرنے کا حکم ہے مگر جب رسول اللہ کا انتقال ہوا ابوبکر و عمر صاحبان خلیفہ بننے کی فکر میں تین دن تک سقیفہ میں چلے گئے۔" (صالح محمد خاں صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا ایک اور بہت سخت جملہ دُہرایا جس کو ہم بپاس رواداری متروک کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ صالح محمد خاں صاحب کی اجازت سے انکا یہ بیان میں نے یہاں نقل کیا ہے)

۱۹۵۵ء میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اکیڈیمی آف اسلامک اسٹڈیز کی کونسل کا منظورہ ایک پمفلٹ "افکار اسلامی کی تشکیل جدید" کے نام سے جاری فرمایا۔ اس کے صفحہ ۱۳ پر وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ امر کہ نبی کریم صلعم کی شخصی زندگی میں قرآن بنفس نفیس کس طرح کارفرما رہا ہمارے لئے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اسلئے کہ قرآن نبی کریم صلعم کو ہمارے لئے ایک نمونہ قرار دیتا ہے۔ یقیناً اس بات کا علم کہ پیغمبر نے اپنی شخصی زندگی اور اپنی امت کی زندگی کے حالات میں الفاظِ قرآن کو کس طرح عملی جامہ پہنایا کسی طرح دیدہ و دانستہ نظر سے پوشیدہ نہیں رکھا جاسکتا جس طرح ہم قرآن کے معانی و مطالب جاننے کے آرزومند ہیں اسی طرح ہمیں ذاتِ رسالت کو بھی جاننے اور سمجھنے کا متمنی ہونا چاہئے اسلئے کہ یہی ذات عملاً خود قرآن تھی"۔

ڈاکٹر صاحب کے یہ ارشادات یقیناً صحیح اسلامی نظریہ کے آئینہ دار ہیں۔ بغیر رسولؐ دو صحیح جانشینانِ رسولؐ کے جنکو حضرت رسولؐ نے اپنے بارہ خلیفہ اور وراثت کے امام قرار دیا ہے، صرف قرآن نہ تو پوری طرح ہماری سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ کافی ہو سکتا ہے۔ قابل غور ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کہنا اور وہ بھی حضرت رسولؐ کے رُو در رُو کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ ہمکو رسولؐ کے کہنے سننے یا کوئی نوشتہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے۔

واقعہ قرطاس کے متعلق ولیم میور کا خیال

سر ولیم میور اپنی کتاب محمدؐ اینڈ اسلام کے صفحہ ۲۳۰ پر واقعہ قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حضرت رسولؐ نے فرمایا قلم دوات میرے پاس لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھدوں جو تمکو ہمیشہ کیلئے گمراہ ہونے سے باز رکھے۔ عمرؓ نے کہا ان کو ہذیان ہو رہا ہے۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا جاؤ مجھے اکیلا چھوڑ دو میری حالت اُس سے کہیں بہتر جو تم مجھ سے منسوب کرتے ہو۔"
اصل عبارت یہ ہے:-

'Fetch me hither pen and ink that I may make a writing for you that shall hinder you from going astray for ever'. Omar said: 'he wandereth in his mind'...'leave me thus alone' he (Prophet) said, 'my present state is better than that which you call me to'.

ایڈورڈ گبن کا خیال

ایڈورڈ گبن اپنی کتاب دی ڈیکلائین اینڈ فال آف دی رومن امپائر جلد ۲ کے صفحہ ۱۱۲ پر لکھتا ہے:- "پیغمبر نے اپنی تمام تبلیغات اور نازل شدہ وحیوں کا نچوڑ ایک الہامی کتاب کی شکل میں لکھنے یا غالباً لکھوانے قلم اور روشنائی طلب کی اس پر آپ کے حجرہ میں ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا کہ آیا قرآن کی موجودگی میں ان کو کچھ اور کہنے اور قرآن سے تجاوز کرنے کا موقعہ دینا چاہیے۔ پیغمبر کو اپنے صحابیوں کے اس ناشائستہ جبر و تشدد پر سرزنش کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اگر ازواج و اصحاب پیغمبر کی روایات پر ذرا بھی اعتبار کیا جائے تو یہ امر مسلّمہ ہے کہ پیغمبر نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک بھی اپنی پیغمبرانہ عظمت کو برقرار رکھا۔" اصل عبارت یہ ہے:

'He (Prophet) called for pen and ink to write or more probably to dictate a divine book, the sum and accomplishment of all revelations, a dispute arose in the chamber, whether he should be allowed to supersede the authority of Koran and the Prophet was forced to reprove the indecent vehemence of his desciples. If the slightest credit may be afforded to the traditions of his wives and companions, he maintained to the last moments of his life the dignity of an apostle'.

گبن نے اگرچہ حضرت عمر کے نام کی صراحت نہیں کی ہے مگر دیگر یورپین مورخین اور صحیح بخاری وغیرہ کی تمام روایات میں حضرت عمر کا نام بصراحت موجود ہے کہ انھوں نے ارشادِ رسولؐ کو ہذیان سے تعبیر کیا اور حسبنا کتاب اللہ یعنی ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے کہا۔ گبن کی تحریر سے صحابہ کا یہ خیال ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ قرآن کے احکام سے تجاوز کر جائینگے۔ قرآن کی آیتیں تو قطعی طور پر بتاتی ہیں کہ رسولؐ وحی کا پابند ہے اور اپنی خواہش نفس سے کلام ہی نہیں کرتا۔ اب یہاں صحابہ کو اس خیال کا پیدا ہوتا کہ رسولؐ احکام قرآن سے تجاوز کر جائینگے خود احکام قرآن کی اور حضرت رسولؐ کو رسولؐ ماننے ہی کی نفی ہے اور ظاہر بظاہر ایک ارتداد آمیز کلام ہے اور قرآن میں اطیعوا الرسول اور خذو ما اتٰکم الرسول کے متعدد تاکیدی احکام کے باوجود مخالفتِ رسولؐ کا کھلا ہوا مظاہرہ اور مناقشہ ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کا خیال

حضرت مخدوم جہانیاں قدسرہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں اور علامہ کشفی ترمذی نے کوکب دری کے مقدمہ کے صـ۲۸ و صـ۲۹ پر اسکو درج کیا ہے:۔ "روز سہ شنبہ ۲۳ رجب کو پیغمبر صلعم کے بعد صحابہ کے باہمی اختلاف کا ذکر ہو رہا تھا۔ مخدوم صاحب نے فرمایا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے رسولِ خدا کی مٹی برابر کی تو ہمارے دل منکر ہوگئے۔ نیز فرمایا تم میرے پاس کاغذ لے آؤ تاکہ میں تمہارے واسطے ایک وصیت لکھدوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو۔ اس اثنا میں عمر بن خطاب نے کہا! حسبنا کتاب اللہ انّ ھذا الرجل قد اشتد وجعہٗ یعنی" ہمکو خدا کی کتاب کافی ہے۔ بہ تحقیق اس مرد (پیغمبر) پر درد نے غلبہ کیا ہے۔" جب اختلاف حدِ اعتدال سے تجاوز کر گیا تو آنحضرت نے فرمایا قوموا عنّی یعنی میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا جو بدعت اور ضلالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ظہور میں آئی وہ صحابہ کے اختلاف سے ظاہر ہوئی۔"

آخر میں ہم چند آیات قرآنی کا حوالہ دیدینا مناسب سمجھتے ہیں جن میں رب العزت نے اطاعت رسولؐ کے تاکیدی احکام مختلف وضاحتوں کے ساتھ دئیے ہیں اور اس کو بھی واضح فرما دیا ہے کہ حکم رسولؐ سے سرتابی روگردانی یا عدول حکمی یا رسول کو ایذا دینے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا حکم تو کلام پاک میں جا بجا آیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنی رسول کی اطاعت کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کی اطاعت کرنا کرنا۔ سورۂ نساء کی آیت ۶۴ ہے۔ وما ارسلنا من الرسول الا لیطاع باذن اللہ یعنی ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ خدا کے حکم سے لوگ اس کی اطاعت کریں۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳۲ ہے۔ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین یعنی (اے رسول) کہدو کہ خدا اور رسولؐ کی فرماں برداری کرو۔ پھر یہ لوگ اگر اس سے سرتابی کریں (تو سمجھ لیں) خدا کافروں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا) اس حکم خداوندی کے اعتبار سے خدا اور رسولؐ کے حکم سے سرتابی کفر کے مترادف ہے۔ اسی سورہ کی آیت ۳۱ ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی اے رسول (ؐ) کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تم کو دوست رکھیگا۔ سورۂ حشر کی آیت ۷ ہے:۔

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب یعنی تمکو رسول جو دیں وہ لے لو اور جس سے رسول منع کریں اس سے باز رہو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ خدا سخت عذاب دینے والا ہے سورہ انفال کی آیت ۴۲ ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (یعنی اے ایمان والو! جب تم کو رسول ایسے کام کیلئے بلائے جس میں تمہاری روحانی زندگی ہے تو تم اللہ اور رسول کی بات مان لیا کرو اور نافرمانی نہ کرو۔ سورہ انفال کی آیت ۲۰ ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون (یعنی خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس کی طرف سے منہ نہ ہٹاؤ جب تم سن رہے ہو اور ان لوگوں کے ایسے نہ ہو جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم سن رہے ہیں حالانکہ وہ نہیں سنتے تھے۔ سورۂ محمد کی آیت ۳۲ ہے۔ ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ وشاقوا الرسول من بعد ما تبین لھم الھدیٰ لن یضروا اللہ شیئا وسیحبط اعمالھم۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔ (یعنی جن لوگوں پر سیدھی راہ صاف ظاہر ہو گئی اور اس کے بعد انکار کر بیٹھے ہیں اور (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت کی تو وہ خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ ان کا سب کیا کرایا اکارت کر دے گا۔ اے ایمان والو خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرو اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔ سورۂ بقر کی آیت ۱۰۸ ہے ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسیٰ من قبل ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل (یعنی مسلمانو!) کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے بھی ویسے ہی بے ڈھنگے سوالات کرو جس طرح ماسبق زمانہ میں موسیٰ سے کئے گئے تھے اور یاد رکھو) جس شخص نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کیا تو وہ یقینی سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔ سورۂ نساء کی آیت ۱۴ ہے۔ ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا (یعنی اور جس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی اور اس کی حدود سے گزر گیا تو بس خدا اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ سورۂ احزاب کی آیت ۵۷ ہے۔ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لھم عذابا مھینا۔ یعنی جو لوگ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں۔ بتحقیق کہ ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے رسوائی کا عذاب تیار رکھا گیا ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت ۳۶ ہے۔ ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (یعنی جس شخص نے خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا۔ سورۂ توبہ کی آیت ۶۱ ہے۔ ومنھم الذین یؤذون النبی۔ یعنی ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں۔ پھر اسی آیت کا آخری جز و ہے۔ والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم۔ یعنی جو لوگ رسول اللہ کو ستاتے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

سورۂ نور کی آیت ۴۷ ہے:- ویقولون آمنا باللہ وبالرسول واطعنا ثم یتولی فریق منھم من بعد ذالک وما اولئک بالمومنین۔ ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہم خدا اور رسول پر ایمان لائے ہیں اور ان کی اطاعت کی ہے۔

اور باوجود اس کے اُن میں سے ایک گروہ مُنہ پھیرتے اور اطاعت نہیں کرتے ہیں اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ صاحبانِ بصیرت غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس آیت کا ایک ایک حرف "حسبنا کتاب اللہ" کہنے والے اصحاب پر چسپیدہ ہوتا ہے اور یہ لوگ "ما اولئک بالمومنین" کے پورے مصداق ہیں۔ سورہ انفال کی آیت ۲۵ ہے۔ واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ واعلموا ان اللہ شدید العقاب۔ یعنی اس فتنہ سے ڈرو جو صرف ان لوگوں ہی پر نہیں پڑے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے (بلکہ تم سب اس میں پڑ جاؤ گے) اور یقین جان رکھو کہ خدا بڑا سخت عذاب کرنے والا ہے۔ ان لوگوں کے اعمال کی ذمہ داری جنہوں نے مخصوص طور پر ظلم کیا ہو بطور اجتماعی بھی اللہ تعالیٰ ان سب پر ڈالتا ہے جو اس ظلم کے موقعہ پر شریک تھے اور اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔ جہاں ظلم کو روک سکتے تھے اور نہ روکا تو وہ بھی اس آیت کی رو سے خود ظلم کرنے والوں کے مماثل ہوگئے۔ سورۂ مجادلۃ کی آیت ۹ ہے۔ فلا تتناجوا بالاثم والعدوان و معصیت الرسول۔ یعنی آپس میں گناہ اور زیادتی اور رسولؐ کی نافرمانی کی سرگوشی مت کرو۔ سورہ حجرات کی آیات ۲ و ۳ ہیں: یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم۔ ترجمہ اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو پتہ بھی نہ چلے۔ بیشک جو لوگ رسول خداؐ کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کر لیا کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے اور ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ رسولؐ کے سامنے بات چیت میں کیسا ادب و لحاظ ضروری ہے۔ اس حکم خداوندی میں پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ اس پاس و لحاظ اور آوازیں دھیمی رکھنے کی اہمیت اس درجہ زیادہ ہونا بیان فرمایا ہے کہ اگر بے خیالی میں بھی کسی کی آواز رسولؐ کی آواز سے بلند ہوگئی تو سب اعمال حبط ہو جائیں گے اور پتہ تک نہ چلیگا۔ کمال تو یہ ہے کہ یہ تنبیہی آیتیں ایک سابقہ موقعہ پر خود حضرت ابوبکر و عمر ہی کے حضرت رسول خداؐ کے سامنے بلند آواز سے باتیں کرنے پر نازل ہوئی تھیں۔ چنانچہ تیسیر البخاری پارہ ۱۷ کتاب مغازی صفحہ ۸۳ پر درج ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کے آنحضرتؐ کے روبرو بلند آواز سے باتیں کرنے پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور نیز پارہ ۲۰ کتاب تفسیر صفحہ ۳۰ پر درج ہے کہ سورہ حجرات کی ان آیات کے نزول کا باعث حضرات شیخین ہیں۔ صحیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷ پر بھی یہی روایت درج ہے۔ یہ بظاہر تعجب کی بات معلوم ہوتی ہے کہ بے خیالی میں بھی کسی کی آواز رسولؐ کی آواز سے بلند ہو تو اس کے سب اعمال جو ممکن ہے بہت ہی صالح ہوں مگر سب کے سب بس اتنی سی بات پر بالکلیہ اکارت ہو جائیں اور پتہ تک نہ چلے۔ مگر یہ حکم خداوندی ہے۔ رسولؐ کو جب تک اتنی بڑی اہمیت نہ دی جائے اور اس کے سامنے ذرہ برابر بھی سوء ادبی کو بالکلیہ غارت کنندہ اعمال نہ قرار دیا جائے رسولؐ کی حقیقی تعظیم کا تیقن نہ ہوتا اور جب تک اللہ تعالیٰ ایسی ہی کڑی پابندی نہ لگادے

ممکن تھا کچھ لوگ نہ سمجھتے۔ اس آیت میں رسولؐ کے سامنے آواز دھیمی رکھنے والوں کو اجرِ عظیم کی بشارت بھی دیگئی ہے۔ نیاض حقیقی نے جس نے نفسیات خود قائم فرمائی ہیں اس طرف لطیف پیرایہ میں اشارہ کر دیا ہے کہ چھوٹی باتوں سے حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے۔ آواز دھیمی رکھکر رسولؐ سے بات کرنے والوں کے دل کا امتحان اللہ تعالیٰ نے اسی بات پر لے لیا کہ ان کے دل میں رسولؐ کی کتنی وقعت ہے اور پھر اسی دھیمی آواز رکھنے کی سعادت مندی پر جو اجرِ عظیم اور بخشائش کی خوشخبری بھی سُنادی۔ اللہ تعالیٰ کا منشاء رسولؐ کے سامنے اس چھوٹی سی خلاف ورزی پر سخت ترین سزا اور چھوٹی سی انکساری پر اجرِ عظیم عطا فرمانے کا یہی ہے کہ رسولؐ کی وقعت میں ذرّہ برابر فرق نہ آنے پائے کیونکہ رسولؐ کی عزت نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی توہین کے مترادف ہے۔

ناظرین واقعہ کے قرطاس کے ہر ہر جزو پر کامل غور فرمائیں اور اس کا اندازہ لگائیں کہ حضرت عمر اور بعض دیگر صحابہ کی جانب سے جو کچھ بھی کیا گیا آیا وہ اللہ اور رسولؐ کے حکم کی تعمیل میں داخل ہے یا اس کی نفی ہے اور یہ بھی غور فرمائیں کہ ایک مرتبہ جب خود حضرت عمر ابوبکر کے بلند آواز سے حضرت رسولؐ کے سامنے باتیں کرنے پر سورۂ حجرات کی وہ تنبیہی آیتیں نازل ہوئیں تھیں جس کا ذکر اوپر کیا گیا اور جس میں بصورت خلاف ورزی سب اعمال حبط ہو جانے کا بھی ارشاد موجود تھا تو اس سب کی موجودگی میں حضرت عمر کا کلام زیر بحث اور انداز گفتگو کس قسم کا عمل ہے۔ تیسر البخاری پارہ ۲۹ کتاب اعتصام صفحہ ۹۹ پر آنحضرتؐ کا یہ ارشاد درج ہے کہ جس نے آنحضرتؐ کی بات نہ سنی وہ دوزخ میں جائیگا۔

تخلفِ جیشِ اُسامہ

آخر صفر ۱۱ھ میں رسول اللہؐ کی طبیعت علیل ہو گئی اور اسی اثناء میں آپ کو رومیوں کی شورش کی خبر ملی آنحضرتؐ نے باوجود علالت ایک لشکر ترتیب دیکر اسامہ بن زید کو اس کا سردار مقرر فرمایا اور بجز علی مرتضیٰ کے تمام اعیان مہاجرین و انصار بشمول حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو متابعت اسامہ کی تاکید فرمائی اور ان کے سرداری میں رومیوں پر فوج کشی کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ اُسامہ بن زید کی امارت پر چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ رسول اللہؐ نے بڑے بڑے مہاجر و انصار پر ایک کم عمر ۱۷ سالہ غلام زادہ کو امیر بنا دیا ہے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں پس و پیش اور آنا کانی کرنے کے باعث فوج کی روانگی میں ایک دن کی تاخیر ہوگئی۔ جب رسولِ خداؐ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ کو بہت ناگوار گزرا اور حالتِ علالت میں مکان سے باہر تشریف لاکر بالائے منبر تشریف لے گئے اور غضبناک ہوکر فرمانے لگے۔ تم لوگ جو اسامہ کی امارت پر طعنہ زن ہوتے ہو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تم نے اس سے قبل بھی اس کے باپ زید بن حارثہ کی امارت پر بھی طعنہ کیا تھا حالانکہ اسامہ امارت کے لائق ہے اور اس کا باپ بھی امارت کے لائق تھا۔ پھر ارشاد فرمایا لعن الله من تخلف عن جيش الاسامه۔ یعنی لشکر اسامہ کی مخالفت کرنیوالوں پر خدا لعنت کرے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں کم و بیش بالکل اسی مضمون کی روایت عبداللہ بن عمر سے درج ہے مورخ ابن الوردی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت رسولؐ نے بحالت بیماری اپنے غلام زید کے بیٹے اسامہ کی افسری میں ایک لشکر تیار کیا اور اسکی روانگی کے لئے سخت تاکید فرمائی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ پھر دوسرے دن باوجود شدت

مرض آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے ایک علم جنگ بنا کر اسامہ کو دیا اور فرمایا کہ بسم اللہ جاؤ اور خدا کی راہ میں کفار سے جہاد کرو۔ اسامہ نے باہر نکل کر وہ نشان بریدہ بن الخصیب کو دیا اور ان کو لشکر کا علمدار بنایا۔ اور پھر مدینہ سے روانہ ہو کر موضع جرف میں قیام کیا۔ جو مدینہ منورہ سے قریب ہے تا اینکہ فوج وہاں جمع ہوئی۔ پیغمبر صاحب نے یہ حکم دیا تھا کہ سوائے حضرت علیؑ کے کل اعیان مہاجرین و انصار بھی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن الجراح وغیرہم اس لشکر میں اسامہ کے ساتھ جائیں۔ بعض اصحاب پر یہ بات گراں گزری کہ آنحضرتؐ نے ایک غلام کو اکابر مہاجرین و انصار پر امیر مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس باب میں سر مجلس چہ میگوئیاں کیں۔ جب یہ خبر رسول اللہ کے گوش مبارک تک پہنچی تو آنحضرتؐ رنجیدہ خاطر ہوئے اور باوجود تپ و درد سر بحالت غضب محلسرا سے باہر آ کر منبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے بطور خطبہ ارشاد فرمایا کہ ایھا الناس یہ کیا باتیں ہیں جو تم لوگ اسامہ کے امیر لشکر مقرر ہونے پر کر رہے ہو۔ جیسا کہ غزوہ موتہ میں تم نے پدر اسامہ کے سردار فوج ہونے پر کی تھیں۔ خدا کی قسم اسامہ سزاوار امارت ہے اور اس کا باپ بھی امیر فوج ہونے کے قابل تھا۔ کتاب ملل ونحل شہرستانی و مجمع الکرام نواب صدیق حسن خاں میں ہے کہ آنحضرتؐ نے صحابہ سے ارشاد کیا کہ لشکر اسامہ کی جلد تیاری کرو۔ خدا لعنت کرے اس پر جو جیش اسامہ سے تخلف کرے۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ پھر اسامہ نے حسب حکم نبوی لشکرگاہ میں جا کر کوچ کا حکم دیا اور اس طرح رسول اللہ کے تاکیدی حکم کے بعد لشکر اسلام روانہ ہوا۔ اور مدینہ سے نکل کر بمقام جرف خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے اسامہ کا قصد ملک شام کی طرف کوچ کرنے کا تھا۔ اس دوران میں کچھ صحابہ رسول اللہ کو دیکھنے کے عذر سے مدینہ چلے گئے اور یہ خبر لائے کہ علالت رسول بڑھ گئی ہے۔ حیلہ جو طبیعتوں کے لئے جو لعنت خدا کی تنبیہ کے بعد بڑی مشکل سے روانگی پر آمادہ ہوئی تھیں ایک نیا عذر نکل آیا اور لوگ چلنے میں پھر سابق کی طرح حیلہ حوالہ کرنے لگے۔ رسول خدا نے اپنی علالت سے قبل ہی حجۃ الوداع کے بعد خطبہ غدیر خم کے موقع پر اپنی وفات کی خبر دیدی تھی اور انی تارک فیکم الثقلین کی حدیث ارشاد کرتے وقت بھی فرمایا تھا کہ اے لوگو قریب ہے کہ فرشتہ (ملک الموت) آئے اور میں اس کو قبول کروں۔ اس اعلان کے بعد حالت علالت میں آپ نے لشکر تیار کروایا اور روانگی میں ایک دن کا توقف بھی گوارا نہ فرمایا اور جیش اسامہ سے تخلف کرنے والوں کو مورد لعن قرار دیا۔ صاحبان فکر غور کر سکتے ہیں کہ رومیوں پر فوج کشی کرنے کا آپ کا یہ آخری حکم جو آنجناب کی غور پسند طبیعت سے شرف نفاذ پایا تھا اور اپنی وفات کے زمانہ میں جس کا نہ صرف آپ کو علم تھا بلکہ آپ نے اعلان بھی فرما دیا تھا صرف حضرت علیؑ کو اپنے قریب رکھ کر باقی تمام اعیان مہاجر و انصار بشمول حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و ابو عبیدہ بن الجراح و سعد ابن ابی وقاص وغیرہم کو دور روانہ کر دینا بہت سی مصلحتوں پر مبنی ہوگا اور یقیناً مصلح نبی آدم پیغمبر اولو العزم نے جمہور اسلام کی بہبودی و بہتری کو اس میں ضرور مد نظر رکھا ہوگا۔ اپنے آخری زمانہ میں ان اکابر صحابہ کو ایک ۱۷ سالہ غلام زادہ (اسامہ بن زید) کی ماتحتی میں دینے سے حضرت رسول خدا کا یہ منشا صاف عیاں تھا کہ ان لوگوں پر

واضح ہو جائے کہ وہ اپنے متعلق کسی خوش فہمی یا زعم باطل میں مبتلا نہ رہیں اور بمصداق "ایاز قدر خود بشناس" اپنی حیثیت کو اچھی طرح محسوس کرلیں کہ وہ ایک نو عمر غلام زادہ کی جس کی کوئی نمایاں شخصیت بھی نہ تھی ماتحتی میں دیئے جانے کے ہی درجہ میں ہیں اور کہیں امارت و سرداری کے خواب نہ دیکھنے لگیں۔ حضرت نے یہ بھی یاد دلایا کہ زید بھی جو خود غلام تھے ان اکابر صحابہ پر امر کرنے کے قابل تھے۔ جس طرح ان کا بیٹا اسامہ ان پر امر کرنے کے قابل ہے۔ وقت آخر جب کہ عنقریب ہی آپ کی جانشینی کے معاملہ میں نزاع پیدا کیا جانے والی ہو جس کا اندازہ حضرت رسولؐ کو صحابہ کے طور طریق سے پورا ہو چکا تھا تو آنحضرتؐ کا متذکرہ صدر عمل اور قول ارباب توفیق کے لئے رہنمائی کی بہت کچھ روشن دلیلیں لئے ہوئے ہے۔

افسوس ہے کہ باوجود آنجناب کے تاکید کرنے اور غضبناک ہونے اور متوجب لعن قرار دینے کے بھی اس حکم کی تعمیل میں پہلو تہی کی گئی اور لیت و لعل کے ذریعہ عمداً اس کو معرض التواء میں ڈالدیا گیا۔ حتیٰ کہ لشکر اسلام ایک منزل سے آگے کوچ نہ کر سکا اور آپ جہان فانی سے رحلت فرما ہو گئے۔ بہر حال صفحہ تاریخ پر یہ امر محفوظ رہ گیا کہ حضرت رسول کے اسامہ بن زید کی سرداری کے حکم پر صحابہ معترض ہوئے اور تعمیل میں لیت و لعل کی اور نوبت یہ پہنچی کہ حضرت رسولؐ کو جیش اسامہ سے تخلف کرنیوالوں کو مورد لعنت قرار دینا پڑا۔

واقعہ عقبہ قرطاس و واقعہ تخلف جیش اسامہ کو جو یکے بعد دیگرے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر وفات رسولؐ کے قریب رونما ہوئے اور علانیہ طور پر ایک ہی سلسلہ کی کڑی تھے غور کرنے سے اسوقت عامۃ المسلمین کے خیالات و رجحانات کا پتہ چلانا کچھ مشکل نہیں رہتا اور چند امور بیک نظر سامنے آجاتے ہیں (۱) سب سے پہلے یہ کہ صحابہ میں منافقین کا ایک ذی اثر گروہ موجود تھا جو نہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی امارت کا مخالف تھا بلکہ حصول اقتدار کیلئے خود اپنے منصوبے رکھتا تھا (۲) جب اس گروہ نے یہ دیکھ لیا کہ حضرت رسول کے ارشادات و عمل سے حضرت علیؑ کا جانشین رسول ہونا روز بروز مستحکم تر ہوتا جا رہا ہے تو اس نے تصفیہ کر لیا کہ حضرت رسولؐ ہی کو ختم کر دیا جائے اور بطور واقعہ آپ پر حملہ بھی کیا جو بہ مشیت ایزدی ناکام رہا۔ اس سے یہ امر بھی ظاہر ہو گیا کہ ان کے دلوں میں حضرت رسولؐ کی مطلقاً کوئی حرمت باقی نہ رہ گئی تھی اور مخالفت رسولؐ پر یہ قسم کھا کر متحد ہو چکے تھے (۳) واقعہ قرطاس نے متذکرہ صدر امور کو اور واضح کر دیا اور نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ بعض صحابہ نے مخالفت رسولؐ کا تہیہ کر لیا تھا بلکہ ان مخالف صحابہ کی شخصیتیں بھی سامنے آگئیں اور حضرت عمر اس مخالف گروہ کے لیڈر کی حیثیت سب سے سامنے آگئے اور جیسا کہ بعد میں انھوں نے خود اقرار کیا کہ حضرت رسول علیؑ کیلئے وصیت لکھوانا چاہتے تھے اور میں مانع ہوا (۴) صحابہ کے اس گروہ مخالف کو سرکار دو عالم نے قوموا عنی (میرے پاس سے اٹھ جاؤ) کہکر اپنے دربار سے نکال دیا اور پھر ان کو حضرت رسولؐ کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ اور جب بعد میں اس گروہ نے حاضری کی اجازت مانگی تو آنحضرتؐ نے ان کو آنے سے روک دیا اور ان پر اپنی ناراضگی کی مزید توضیح یہ کہکر فرما دی کہ تم کو اپنے سامنے دیکھنے کی تکلیف سے میری بیماری کی تکلیف کمتر ہے (۵) اپنے مرض الموت میں (جیسا کہ آنحضرتؐ نے اعلان فرما دیا تھا کہ اب آپ اس دنیا سے جانے والے ہیں) صرف حضرت علیؑ اور چند بنی ہاشم کو اپنے پاس رکھ کر باقی تمام اکابر صحابہ کو اسامہ بن زید کی ماتحتی میں جانے کا حکم دیا اور صحابہ کے عذر و حیلہ کرنے کی صورت میں ان کے

موردِ لعن ہونے کا اظہار فرما کر حضرت رسولؐ نے یہ واضح فرما دیا کہ وہ عالمِ اسباب میں ایسا ماحول پیدا کر دینا چاہتے تھے کہ مخالفین حضرت علیؑ و خواہشمندانِ اقتدار مدینہ سے دور چلے جائیں اور حضرت علیؑ کی جانشینیٔ رسولؐ کی عملی شکل قائم ہو جانے میں کسی کی مزاحمت اور رکاوٹ نہ ہو (۶) اکابر صحابہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان ابو عبیدہ بن جراح سعد ابن ابی وقاص عبدالرحمن بن عوف معاذ بن جبل وغیرہم کو غلام زادہ اسامہ بن زید معمر، اسامہ کی ماتحتی میں دیکر حضرت رسولؐ نے ان صحابہ کو ان کا حقیقی مقام بتا دیا کہ اللہ کے رسولؐ کی نظر میں اُن کی حیثیت ایک نوعمر غلام زادہ سے بھی کم ہے (۷) ان اکابر صحابہ نے باوجود موردِ لعن ہونے کے حضرت رسولؐ کے حکم کی تعمیل نہیں کی اور تھوڑے فاصلہ تک جا کر ادل تو ٹھیر گئے اور پھر واپس چلے آئے (۸) گو کہ ان صحابہ نے اپنی واپسی کا حیلہ حضرت رسولؐ کی علالت کو قرار دیا (حالانکہ اپنے مرض الموت کے اعلان کے بعد ہی آنحضرتؐ نے یہ لشکر روانہ کیا تھا) مگر واپس آ جانے کے بعد بھی بجائے تجہیز و تکفین رسول میں شرکت کرنے کے ان لوگوں نے ایک خفیہ شوریٰ کے مقام سقیفہ بنو ساعدہ کو اپنا مرکز بنایا اور وہاں نہ صرف چند گھنٹے بلکہ مسلسل تین دن اپنے حصولِ اقتدار کی جد و جہد میں مصروف رہے اور حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا اور اپنا مقصد حاصل ہونے تک وہاں سے نہ نکلے اور حضرت رسولؐ کے دفن میں بھی شریک نہ ہوئے۔ ان تمام امور کے منطقی اور نفسیاتی نکات پر جتنا بھی غور و تفحص کیا جائے اس گروہِ صحابہ کی حضرت علیؑ سے کدورت اور حضرت رسول سے مخالفت واضح ہوتی جاتی ہے اور مزید تفصیلات میں گئے بغیر ہم اسکو صاحبانِ عقل و انصاف کے غور و تعمق کیلئے چھوڑتے ہیں۔

باب ہشتم

قیام خلافت خلفائے ثلاثہ

کارروائی سقیفہ بنو ساعدہ و خلافت حضرت ابوبکر

خلفائے ثلاثہ کی خلافتیں کس طرح قائم ہوئیں اسکا ذکر کسی قدر تفصیل سے بعد میں آئیگا خلاصہ اسکا یہ ہے کہ جب رسولِ خدا کا انتقال ہوا تو حضرت عمر تلوار لیکر مسجد میں ٹہلتے رہے کہ جو کوئی کہے کہ رسول اللہ کا انتقال ہو گیا ہے اس کو قتل کر دونگا۔

اس کے بعد سیدھے اپنے ہمدمی ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس گئے اور ان کو خلیفہ بنانا چاہا اس کے بعد حضرت ابوبکر کے ساتھ سقیفہ بنو ساعدہ جا کر جد و جہد کر کے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا اور حضرت ابوبکر نے اپنے انتقال کے وقت حضرت عثمان کے ہاتھ سے ایک خلافت نامہ لکھوا کر حضرت عمر کو خلیفہ قرار دیا اور حضرت ابوبکر ابھی زندہ ہی تھے کہ اس خلافت نامہ کی بنیاد پر حضرت عمر کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ جب حضرت ابوبکر کو خلافت نامہ لکھوانے کے دوران بوجہ شدت مرض غشی آ گیا تو حضرت عثمان نے حضرت عمر کا نام اپنی طرف سے اس خیال سے لکھ دیا کہ اگر اس غشی میں حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا تو خلافت نامہ

نا مکمل رہ جائے گا۔ حضرت ابوبکر نے ہوش میں آ کر پوچھا کہ کیا لکھا تو حضرت عثمان نے کہا کہ حضرت عمر کا نام لکھ دیا ہوں۔ بس
پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ کیا بہتر نام تم نے لکھا ہے۔ اسطرح خلیفہ بننے کے بعد جب حضرت عمر کا وقت آخر آیا تو انہوں نے یہ کہا کہ
اگر ابو عبیدہ جراح زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا۔ پھر کہا کہ معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو انکو خلیفہ بناتا سالم مولا یعنی غلام
حذیفہ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ بناتا۔ پھر کہا کہ لوگ سعدؓ سے بیعت کر لیں تو بہتر ہے اس کے بعد حضرت عمر نے چھ آدمی کا ایک
شوریٰ مقرر کیا جسکا سرپنچ حضرت عثمان کے بہنوی عبدالرحمٰن بن عوف کو قرار دیا اور انکو دو راویوں کا اختیار دیا اور کہا کہ عبدالرحمٰن بن عوف
حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ بن عمر سے مشورہ کریں اور یہ حکم دیا کہ ان چھ آدمیوں میں سے جس کی طرف غالب رائے ہو جائے اور ان چھ میں کا
کوئی شخص اسکو تسلیم نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے بہ حیثیت سرپنچ حضرت علیؑ کے سامنے یہ شرط
رکھی کہ اگر آپ سنت رسولؐ کے علاوہ سیرت شیخین کی پابندی کا وعدہ کریں تو میں آپ کو خلیفہ بناتا ہوں۔ حضرت علیؑ نے سیرت
شیخین کی پابندی کی شرط قبول نہ فرمائی اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے سالے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور انکو
خلیفہ قرار دیدیا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے اسی بہنوئی عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں وصیت نامہ خلافت
لکھ بھی دیا تھا۔ مگر حضرت عثمان کی عام شکایتوں اور قتل کی وجہ سے کسی نے اس پر دھیان نہ دیا۔

حضرت ابوبکر صفر ۱۱ھ سے جمادی الآخر ۱۳ھ تک دو سال چار ماہ خلیفہ رہے۔ حضرت عمر جمادی الآخر ۱۳ھ سے
ذی الحجہ ۲۳ھ تک دس سال چھ ماہ اور حضرت عثمان ۲ محرم ۲۴ھ سے ذی الحجہ ۳۵ھ تک کچھ دن کم بارہ سال خلیفہ رہے۔

خلافتِ ابوبکر کیلئے حضرت عائشہ نے نقشہ جمایا

جرمن مورخ کورت فریشلر آلمانی اپنی کتاب "عائشہ بعد از پیغمبر" میں جس کا فارسی ترجمہ ذبیح اللہ منصوری نے
کیا ہے صفحہ ۲۵۱ (ترجمہ) پر یوں رقمطراز ہیں:- (واضح رہے کہ اصل کتاب میں یہ ریفرنٹ موجود ہے کہ کورت فریشلر نے تمام روایتیں محدثین اہلسنت کی کتابوں سے لی ہیں)

عائشہ بہ ابوبکر گفت: دستۂ اول قبیلۂ بنی ہاشمی است کہ نامزد آنہا علی میباشد
تو میدانی کہ علی برائے تو رقیبے خطرناک بشمار مے آید۔ چوں داماد پیغمبر است و فرزندانش فرزندانِ دختر پیغمبر میباشند۔
اگر تو با سرعت اقدام نکنی او خود را جانشین پیغمبر معرفی نمائی علی خود را جانشین پیغمبر اعلام خواہد نمود و خلیفہ و زمامدار مسلمین خواہد شد۔۔۔۔ باید ہر دم بہ عمر
بن الخطاب بگوئیم کہ اینجا بیاید با تو مذاکرہ کنند و تبو نہما ندکہ باید خود را نامزد جانشینی پیغمبر کنی۔۔ عمر و عائشہ بہ مسجد نزدیک شدند عمر خود را بہ ابوبکر رسانید ابوبکر
و عمر و عائشہ مشغول بہ مذاکرہ شدند۔ عائشہ در آں روز مردان خانوادۂ بنی ہاشم را در خانہ پیغمبر نگاہ داشت
و در جائے دیگر مجمع بوجود آورد تا در آنجا بدون حضور مردان خانوادۂ بنی ہاشم پیروشں ابوبکر را برائے خلافت
انتخاب نماید۔ و پیش نہاد عائشہ بہ علی ابن ابی طالب برائے شستن جسد پیغمبر برائے این بود کہ ہیچیک از مردان خانوادۂ
ہاشم نتوانند در مجمعے کہ تشکیل میشود شرکت نماید سپس علی روئے خود را متوجہ ابوبکر و عائشہ کرد و گفت وائے بر شما کہ
ہنگام شستن و دفن جسد پیغمبر مشغول زد و بند سیاسی بودید و علم و اطلاع داشتید چہ مے کنید۔ اے ابوبکر آیا برائے تو
خلافت بیشتر ارزش داشت یا حضور یافتن در خانہ پیغمبر ہنگامیکہ جسد او را مے شستیم و مے خواستیم بخاک بسپاریم۔

ابوبکر خطاب بہ داماد پیغمبر گفت یا علی ہمہ با من بیعت کردہ اند تو ہم با من بیعت کن۔ علی جواب داد من با تو بیعت نمی کنم۔ ابوبکر پرسید برائے چہ علی گفت برائے اینکہ انتخاب تو بخلافت مسلمین دارائے جنبۂ عادی و منظم نیست و در موقع انتخاب تو متوسل بدسیسہ شدہ اند من ہم در مدینہ نخواہم ماند و ازیں شہر خواہم رفت۔ دراں روز تصور نمی کردم کہ نقش انتخاب ابوبکر بہ خلافت مسلمین باعادت از طرز عائشہ طرح گردید۔ بعد از آں حقائق بر من آشکار گردید و دریافتم کہ عائشہ با یک نقشہ ماہرانہ مانع از ایں شد کہ علی و عباس، دراں روز بہ نتیجہ بازرگانان بردند۔

ذیل میں ہم عبارت صدر کا اقتباسی ترجمہ درج کر دیتے ہیں" عائشہ نے ابوبکر سے کہا علی آپکے خطرناک رقیب ہیں کیونکہ پیغمبر کے داماد ہیں اور ان کے بیٹے پیغمبر کی بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اگر آپ فوراً خلافت پر قابض نہ ہو جائیں تو علی خلیفہ ہو جائینگے میں عمر کو بلاتی ہوں کہ آپکو سمجھائیں کہ خود کو پیغمبر کا جانشین نامزد کر لیں۔ عمر آئے اور تینوں ملکر مشوروں میں مشغول ہوگئے عائشہ نے اس روز ایک طرف خانہ پیغمبر میں بنی ہاشم کے لوگوں پر نگرانی رکھی دوسری طرف اپنے لوگوں کو جمع کیا کہ بنی ہاشم کو دور رکھکر اس کے باپ ابوبکر کو خلیفہ بنا دیں۔

بعد میں علی نے ابوبکر اور عائشہ سے کہا وائے ہو تم پر کہ پیغمبر کے کفن دفن کے وقت تم سیاسی جوڑ توڑ میں لگے رہے۔ حالانکہ خوب جانتے تھے کہ کیا کر رہے ہو۔ اے ابوبکر کیا خلافت کی فکر تمہارے لئے بہتر تھی یا خانۂ پیغمبر میں موجودگی جبکہ ہم غسل و کفن و دفن میں مصروف تھے۔ ابوبکر نے علی سے کہا سب لوگ میری بیعت کر چکے ہیں آپ بھی بیعت کرلیں۔ علی نے جواب دیا میں تمہاری بیعت نہیں کرونگا۔ خلافت پر تمہاری نامزدگی صحیح طور پر نہیں ہوتی ہے۔ میں مدینہ میں بھی نہیں رہونگا اور کہیں چلا جاؤنگا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ بعد میں میری سمجھ میں آیا کہ عائشہ کے ایک ماہرانہ نقشہ کی وجہ سے علی اور عباس دور رہے اور عائشہ کی چال سے ابوبکر خلیفۂ مسلمین بن گئے۔

اب ہم کارروائی سقیفہ کی کچھ تفصیلات درج کرتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ سقیفہ بنو ساعدہ چھوٹے مشورے کرنے کا ایک مخفی مقام تھا اور لوگ چھوٹے مشوروں کے لئے وہاں جمع ہوا کرتے تھے۔ میرے والد صاحب قبلہ جب حج کیلئے حاضر ہوئے تھے تو بطور خاص اس مکان سقیفہ کو جاکر دیکھا تھا اور اس حجرہ کی پیمائش کر کے نوٹ کر کے لائے تھے۔ یہ کوئی ایسا مکان نہ تھا جس میں کوئی بڑا مجمع سما سکے بلکہ چند گز لمبا چوڑا ایک حجرہ ہے جس میں چند خفیہ سازشی کرنیوالے جمع ہوا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ سازش کا مخفی مقام کوئی لمبا چوڑا مکان ہو بھی نہیں سکتا۔ لغت میں سقیفہ کے معنی ہی چھوٹے مشوروں کا مقام دیئے ہوئے ہیں اس مقام پر رسول خدا کی وفات کے بعد جبکہ بنی ہاشم ادھر حضرت رسولؐ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے تین دن سقیفہ میں ٹھہر کر اور جنازۂ رسولؐ میں شریک نہ ہو کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا تصفیہ کیا گیا۔ جو کچھ کارروائی اس ضمن میں ہوئی اس کے متعلق ہم صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر محدثین اہل سنت کی کچھ روایتیں اور علامہ ابوبکر عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی مورخ و محدث اہل سنت کی مستند کتاب تاریخ الخلفاء (مترجمہ مولانا خلیل الرحمٰن مطبوعہ صدیقی لاہور) اور دیگر سنی مورخین کی مختلف

روایتیں بلاکم وکاست درج ذیل کر دیتے ہیں جس سے کارروائی کی نوعیت کا اندازہ پڑھنے والے خود ہی لگا سکتے ہیں۔

صحیح بخاری ترجمہ وحید الزمان صاحب الموسوم بہ تیسیر البخاری کے پارہ (۵) کتاب الجنائز کے صفحہ پر یہ روایت درج ہے اور علامہ شہرستانی نے ملل ونحل میں اس کو لکھا ہے اور علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب "الفاروق" میں اس کو درج کیا ہے کہ جب حضرت رسولؐ خدا کا انتقال ہوا تو حضرت عمر اس قدر از خود رفتہ ہوگئے کہ مسجد نبوی میں جا کر یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی ہے تو اسکو قتل کر دوں گا اس کے بعد حضرت عمر بیعت کرنے کے لئے اپنے سمدھی ابو عبیدہ بن الجراح کے مکان پر گئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن سعد نے ابراہیم التیمی سے روایت کی ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو حضرت عمر اپنے سمدھی ابو عبیدہ بن الجراح (جو سابق میں مکہ میں گورکن کا کام کیا کرتے تھے) کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ ہاتھ بڑھا یئے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امین امت کہا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ جب سے تم اسلام لائے ہو میں نے تم میں کبھی ضعف رائے نہیں پایا۔ تعجب ہے کہ تم مجھ سے بیعت کرنے پر آمادہ ہو۔ محمد بن جریر طبری اپنی تاریخ جلد دوم صفحہ ۴۵۶ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ خانہ رسولؐ کے دروازہ تک گئے۔ مگر اندر نہیں گئے۔ اور باہر سے ہی حضرت ابوبکر کو کہلا بھیجا کہ ضروری کام درپیش ہے فوراً آجاؤ۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ احمد نے عبدالرحمن سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسولؐ نے وفات پائی۔ حضرت ابوبکر مدینہ میں کسی مقام پر ایک گروہ کے ہمراہ تھے بعض روایتوں میں یہ صراحت ہے کہ مقام سنح پر اپنی نئی بیوی کے ساتھ تھے۔ خبر وفات سن کر آئے اور حضرت کا چہرہ مبارک کھول کر بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں جتنے آپ حیات میں خوبصورت تھے ویسے ہی بعد ممات بھی ہیں۔ قسم ہے خدا کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ پھر وہاں سے نکل کر مع حضرت عمر کے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے انصار میں پہونچے اور حضرت ابوبکر نے انصار کی شان میں جو کچھ نازل ہوا تھا جو کچھ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا تھا بلاکم وکاست سب کا اعادہ کیا۔ پھر سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری موجودگی میں یہ فرمایا تھا کہ قریش خلافت کے مستحق ہیں۔ نیک لوگ ان کی نیکیوں کی اطاعت کریں گے اور برے ان کے بروں کی۔ سعد نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں ہم وزیر ہیں اور آپ امیر۔ ابن سعد نے بہ روایت محمد لکھا ہے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا کہ لاؤ ہاتھ بڑھاؤ میں آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ مجھ سے قوی تر ہیں۔ اسی میں رد وبدل ہوتا رہا۔ آخر حضرت عمر نے یہ کہکر کہ میری قوت آپ کے لئے صرف آپ کے فضل کے سبب سے ہے حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۶ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲ صواعق محرقہ صفحہ ۲ مسند احمد بن حنبل جلد ا صفحہ ۵۵ بخاری باب ۲۸ صفحہ ۳۶۵ مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹ پر روایت ہے کہ حضرت عمر نے بعد از واپسی (از سقیفہ بنو ساعدہ) خطبہ میں لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ فلاں شخص یہ کہتا ہے کہ جب عمر مر جائے گا تو میں فلاں شخص سے بیعت کروں گا وہ شخص اس بات پر نہ بھولے کہ حضرت ابوبکر کی بیعت لوگوں نے بے سوچے سمجھے یکایک کر لی گو درحقیقت بات یہی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ خدا نے لوگوں کو اس یکایک بیعت سے پیدا ہونے والے فتنے سے بچا لیا اور آج تم میں ایسا کوئی بھی نظر نہیں آتا کہ جس کو لوگ حاکم بنالیں جیسا کہ

ابوبکر کو بنالیا۔ کیونکہ ان سے بہتر کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا تھا۔ قصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت علیؓ اور زبیرؓ اور ان کے ساتھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں بیٹھ رہے اور کل انصار ہم سے جُدا ہو کر سقیفہ بنو ساعدہ میں ٹھہر گئے اور تمام مہاجرین بلا اجماع حضرت ابوبکر کے حامی ہوگئے یہ دیکھکر میں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ برادران انصار کی طرف چلئے آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہم بھی قصداً ساتھ ہوگئے۔ راستہ میں ہم کو دو شخص صالح ملے اور انہوں نے لوگوں کا حال بیان کرکے پوچھا کہ اے گروہ مہاجرین آپ کا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ برادران انصار کے پاس انھوں نے جواب دیا کہ بہتر ہوگا کہ تم انصار کے یہاں نہ جاؤ اور ترک ارادہ کرکے یہیں سے لوٹ جاؤ۔ مگر ہم نے ان کو کہا کہ قسم ہے خدا کی ضرور جائیں گے۔ چنانچہ ہم سیدھے سقیفہ بنو ساعدہ پہونچے جہاں انصار جمع تھے۔ ان کے پس پشت ایک شخص چادر اوڑھے بیٹھا تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ سعد بن عبادہ ہیں اور درد میں مبتلا ہیں۔ جب ہم بیٹھ گئے تو ان کا ایک خطیب کھڑا ہوا اور خدا کی حمد و ثنا حسب لیاقت خود کرکے کہنے لگا کہ ہم انصار خدا اور لشکر اسلام ہیں اور تم اے مہاجرین معدودے چند اور ہم میں سے تم نے بہ آہستہ روی مشورہ کیا ہے اور تمہارا ارادہ ہے کہ سب کو نکال باہر کردو اور خلافت سے ہمارا واسطہ ہی نہ رکھو۔ جب وہ چپ ہوئے تو میں نے کچھ روبرو حضرت ابوبکر کے کہنا چاہا کیونکہ میں اس موقع کے لئے ایک عمدہ تقریر تیار کرکے لایا تھا اور میں بعض امور کی کوششوں کو آپ سے دُور کرنا چاہتا تھا مگر آپ مجھ سے بہتر اور صاحب عزت تھے۔ پس حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ ہٹ جاؤ میں نے آپکو ناخوش کرنا گوارا نہ کیا۔ کیونکہ آپ مجھ سے زیادہ عالم تھے پس میں چپ ہو رہا اور حضرت ابوبکر نے خود بعینہٖ وہی تقریر بلکہ مجھ سے بہتر کی جو میں کرنا چاہتا تھا۔ قسم بہ خدا انہوں نے ایک لفظ کم و بیش نہیں کیا بلکہ بے ساختہ اعلیٰ تقریر فرمائی جس کو میں سن کر حیران رہ گیا اور پھر فرمایا کہ جو کچھ تم انصار نے اپنی نسبت کہا ہے۔ بیشک تم ایسے ہی ہو مگر میں عرب کو عہدہ خلافت کے قابل نہیں سمجھتا ہوں سوائے اس قبیلۂ قریش کے کیونکہ وہ وسط عرب سے ہے بلحاظ سکونت ونسب میں آپ کیلئے اس امر پر راضی ہوں کہ حضرت عمر اور عبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑ کر اگر تم ان دونوں آدمیوں سے کسی ایک کی بیعت کرلو۔ حضرت ابوبکر نے جو کچھ کہا اس سے مجھے اتفاق تھا مگر قسم ہے خدا کی کہ میری نسبت انہوں نے جو کچھ اشارہ کیا وہ مجھے سخت ناگوار گزرا۔ اگر میری گردن کاٹ دی جاتی تو بہتر تھا بہ نسبت اس کے کہ میں ان کے مقابلہ میں خلیفہ بنایا جاتا اور نہ مجھے یہ گوارا تھا جس قوم میں ابوبکر ہوں میں ان پر حاکم بنوں۔ غرض انصار میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم بھی تو آخر قوی لوگ ہیں تنہ ہائے استوار و خرمائے ثمردار صاحب حیثیت و معتبا ہیں اسلئے اے قوم قریش بہتر یہ ہوگا کہ ایک شخص کو ہم امیر بنائیں اور ایک شخص کو تم (منا امیر و منکم امیر) اس پر سخت شور و غوغا پیدا ہوا یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں فساد نہ ہو جائے۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے چنانچہ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور پہلے میں نے بیعت کی اور پھر باقی مہاجرین اور پھر انصار نے۔ یاد رکھو کہ قسم بخدا حاضرین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو حضرت ابوبکر سے زیادہ لایق خلافت ہوتا اور ہمیں خوف پیدا ہوگیا کہ اگر قوم میں تفرقہ پڑ گیا اور آپ سے بیعت نہ ہوئی تو لوگ کسی اور سے بیعت کرلیں گے پس ہمیں مجبور ہونا پڑے گا کہ اس شخص کی بیعت کریں جس پر ہم راضی نہیں تھے۔

یا ہم اس کی مخالفت کرینگے تو فسادِ عظیم ہوگا۔

الفاروق جلد ۲ صا ۲۱ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں "(حضرت عمرؓ) معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے ان میں تیار ہو کر جاتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے میں خوب تیار ہو کر گیا تھا۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر نے جو خطبہ دیا اس کو علاوہ دیگر مورخین کے ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ المذہبۃ الثانیہ کے صفہ پر درج کیا ہے۔

"حضرت ابوبکر خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا اسے جاننا چاہیے کہ محمدؐ مر گئے اور جو خدا کی عبادت کرتا ہے وہ معلوم کرے کہ خدا زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا اس امر کے لئے ضروری ہے کہ حاکم مقرر کیا جائے پس آؤ اور اپنی رائیں دو۔ لوگوں نے کہا کہ تم نے یہ درست کہا ہم ابھی مشورہ کرتے ہیں۔" اس کلام کے اجزاء نفسیاتی طور پر بہت کچھ قابل غور ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام اور بنی ہاشم حضرت رسولؐ کے کفن و دفن و گریہ و ماتم میں معروف تھے اور ان بزرگواروں کی عدم موجودگی سب لوگوں کو یقیناً کھٹکتی ہوگی کہ مشورہ میں وہ بھی شریک تو ہوتے نفسیاتی طور پر حضرت ابوبکر نے لوگوں کا رُخ اس خیال کی طرف پھیر دیا کہ رسولؐ خدا کی موت پر گریہ و زاری کرنے والے گویا محمدؐ کی عبادت کرنے والے لوگ ہیں انکی عدم موجودگی سے کوئی ہرج نہیں اور خدا کی عبادت کرنیوالے یہاں سقیفہ میں جمع ہیں۔ لہٰذا فوراً حاکم مقرر کر لینا چاہیئے۔

علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمران کے ہمراہی ابو عبیدہ چند اصحاب کے ساتھ سقیفہ سے چلے اور راستہ میں جو ملتا اس کا ہاتھ پکڑ کے حضرت ابوبکر کے ہاتھ سے مس کر دیتے۔ ابن اسحٰق نے سیرت میں انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جب بمقام سقیفہ حضرت ابوبکر سے بیعت ہو چکی تو اس کے دوسرے روز حضرت ابوبکر منبر پر بیٹھے مگر آپکی تقریر سے پہلے حضرت عمر کھڑے ہو کر خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا کہ خدا نے تم سب کو معاملہ خلافت میں ایسے شخص پر جمع کیا ہے جو سب میں بہتر ہے اور جو غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا پس کھڑے ہو جاؤ اور ان سے بیعت کرو چنانچہ لوگوں نے کھڑے ہو کر از سر نو حضرت ابوبکر سے بیعت کی۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی ملل و نحل میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسولؐ خدا کا انتقال ہوا تو حضرت عمر نے کہا کہ جو کہے گا کہ حضرت رسولؐ اللہ کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کو اپنی تلوار سے قتل کر دوں گا۔ اسوقت حضرت ابوبکر اپنے مکان واقع سنخ میں تھے۔ انتقال کی خبر دی گئی تو آئے اور حضرت رسولؐ کی میّت دیکھنے کے بعد وہ سب بعجلت سقیفہ بنو ساعدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ بنو ساعدہ میں پہونچ کر کہا کہ ہم لوگ رسولؐ خدا کے رفیق و عشیرت ہیں اور سب سے زیادہ خلافت نبیؐ کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ابن جریر طبری نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ ہاتھ پھیلاؤ تاکہ میں تمہاری بیعت کروں۔ حضرت ابوبکر بولے کہ نہیں بلکہ تم اپنا ہاتھ پھیلاؤ کیونکہ تم مجھ سے ہر طرح قوی تر ہو۔ کچھ دیر یہی کشمکش رہی۔ بالآخر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ پھیلا کر ان کی بیعت کی اور کہا کہ اپنی قوت کے ساتھ میری قوت کو بھی شامل سمجھو۔ نہایہ ابن اثیر جوزی و مجمع البحار ملا طاہر فتنی و ملل و نحل شہرستانی میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ ابوبکر کی بیعت کا معاملہ ایک ناگہانی واقعہ تھا خدا نے اس کے

شر سے بچا دیا۔ تاریخ الخمیس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر کو بیعت سے فراغت حاصل ہوئی تو وہ سقیفہ بنو ساعدہ سے مسجد نبوی میں آکر منبر پر بیٹھے اور وہاں بھی لوگ ان کی بیعت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ دن گزر گیا اور لوگ رسول اللہ کے دفن میں شریک ہونے سے آخر شب سہ شنبہ تک قاصر رہے کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۱۲ھ میں عروہ سے مروی ہے کہ پیغمبر صاحبؐ کے دفن کے وقت حضرت ابوبکر و حضرت عمر موجود نہ تھے بلکہ یہ مقام سقیفہ بنو ساعدہ مجمع انصار میں تشریف رکھتے تھے۔ رسول خدا کا جنازہ تین روز تک دفن نہیں ہوا اور قبل اس کے کہ یہ دونوں صاحب وہاں سے واپس آئیں رسول اللہ دفن ہو چکے تھے۔ تاریخ ابوالفدا اور ابن الوردی میں ہے کہ آنحضرتؐ نے دوشنبہ کو انتقال فرمایا اور اس کے دوسرے روز منگل کو اور بروایتے چہار شنبہ کو مدفون ہوئے نیز بعضوں کا قول ہے کہ آنحضرتؐ تین دن تک دفن نہیں ہوئے۔ تاریخ خمیس میں بروایت محمد ابن اسحاق منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے دوشنبہ کو وفات پائی اور شب چہار شنبہ کو مدفون ہوئے۔

اب ہم روضۃ الصفا اور اعثم کوفی کے بیانات کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کے ساتھ ہی ہر محلہ میں جھگڑے ہونے لگے اور یہ چرچا شروع ہو گیا کہ اب امارت و خلافت کس کے پاس پہونچنی چاہیئے۔ ابوالہیثم بن تیہان ابوبکر اور دوسرے مہاجرو انصار نے طے کیا کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو کر اس مسئلہ کو طے کیا جائے سقیفہ میں عویم بن ساعدہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ سب سے پہلے جس قوم نے رسولؐ کی حمایت میں تلوار اُٹھائی تم تھے اور سب سے پہلے جو گروہ ان کے احباب و اقرباء کے خلاف کریگا وہ بھی تم ہی ہو گے۔ خلافت کو خاندان نبوتؐ میں چھوڑ دو اور نفاق سے باز آؤ۔ حضرت ابوبکر نے فضائل و حقوق کا اظہار کیا کہ عرب بجز قریش کے کسی کی امارت پر راضی نہ ہونگے۔ حباب نے جو قبیلۂ خزرج سے تھا انصار سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر مہاجر تمہاری خلافت پر راضی نہیں ہوئے تو تم امیر بنالو اور وہ اپنا امیر بنالیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے حباب تم نے ٹھیک بات نہیں کہی۔ عرب تمہاری امارت پر راضی نہ ہونگے اور خاندانِ نبوت میں سے کسی کو چاہیں گے (اعثم کوفی) طبری میں ہے کہ جب مہاجرین نے اپنی فضیلت کا اظہار کیا تو انصار نے کہا۔ بجز علیؑ سے بیعت کرو وہ پسر عم رسولؐ ہیں۔ کامل ابن اثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ڈرے کہ اختلاف ہوگا ابوبکر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ تم سے بیعت کریں (طبری) حضرت ابوبکر نے کہا تم مجھ سے زیادہ مضبوط ہو تم ہاتھ بڑھاؤ۔ حضرت عمر نے جلدی ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کرلی اور پھر ان کے ہمدمی ابوعبیدہ بن الجراح نے بیعت کی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں۔ سعد بن عبادہ اس ہنگامے میں مرتے مرتے بچے اور جب تک زندہ رہے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کسی کی بیعت نہ کی۔ سعد نہ ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور نہ بات کرتے تھے عمر کی مسند نشینی پر سعد بن عبادہ شام کی طرف چلے گئے۔

تاریخ طبری مترجمہ سید ابراہیم صاحب مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد جلد اول حصہ چہارم صفحہ ۱۵ تا ۱۸ پر درج ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت عمر نے انصار سے کہا کہ بخدا عرب اس بات کو نہیں مانیں گے کہ تم ان پر حکومت کرو جبکہ ان کے نبیؐ تمہارے علاوہ دوسرے قبیلہ کے ہوں۔ ہاں البتہ عربوں کو اس قبیلہ کی حکومت تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا جس میں نبوت تھی اور انہی میں سے ان کے امیر ہونے چاہیں اور اس شکل میں عربوں میں سے کوئی اسکی امارت ماننے سے انکار کریگا تو اسکے

مقابلہ میں ہمارے کھلی ہوئی دلیل اور کھلا ہوا حق ہوگا۔ محمدؐ کی حکومت اور امارت میں کون ہم سے تنازعہ کر سکتا ہے۔ ان کے بعد اب ہم ان کے ولی اور خاندان والے اس کے مستحق ہیں۔ صرف جو گمراہ ہوگا گنہگار ہوگا۔ یا ورطۂ ہلاکت میں گرفتار ہوگا۔ وہی اس تجویز کی مخالفت کرے گا اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

صاحبانِ انصاف تصفیہ فرمائیں کہ حضرت عمرؓ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ حکومت اور امارت محمدؐ کی ہے اور محمدؐ کے ولی اور خاندان والے اس کے مستحق ہیں کیونکہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل ہے اور ان کا حق کھلا ہوا ہے اور پھر یہ بھی کہ جو اس کی مخالفت کرے وہ گمراہ، گنہگار اور ورطۂ ہلاکت میں گرفتار ہوگا اور دوسری طرف اہلبیت رسول حضرت علی علیہ السلام کو گویا بے دخل کر کے رسول اللہؐ کے ولی اور اہل خاندان خود بن جاتے ہیں۔ نص قرآنی اور ارشادات رسول اور حضرت علی علیہ السلام کے دیگر فضائل تو رہے ایک طرف طبری نے سقیفہ بنو ساعدہ کی اور کچھ کاروائی کا نقشہ صفحات محولہ صدر ہی میں اس طرح کھینچا ہے:-

"سعد (بن عبادہ) کے کسی آدمی نے کہا کہ سعد کو بچاؤ ان کو نہ روندو۔ عمر نے کہا کہ اللہ اسے ہلاک کرے اسے قتل کر دو۔ اور خود ان کے سرہانے آکر کھڑے ہوگئے اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہیں روند کر ہلاک کر دوں۔ سعدؓ نے عمر کی داڑھی پکڑ لی۔ جب حباب بن المنذر کھڑے ہوئے تھے تو انہوں نے تلوار نکال لی اور کہا کہ میں ابھی اس کا تصفیہ کر دیتا ہوں۔ عمر نے اس پر حملہ کیا اور اس کے ہاتھ پر وار کیا۔ تلوار گر پڑی عمر نے اسے اٹھا لیا اور پھر سعد پر جھپٹے اور لوگ بھی سعدؓ پر جھپٹے۔ اس وقت عہد جاہلیت کا سا منظر پیش آیا اور تو تو میں میں ہونے لگی۔" یہ رہا جانشین رسولؐ کے انتخاب کا طریقہ۔

تاریخ ابو الفدا میں ہے کہ عتبہ بن ابی لہب نے اس موقع پر چند شعر لکھے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں نہ جانتا تھا کہ خلافت اور حکومت ہاشم کی اولاد سے نکل جائیگی اور ابو الحسن (علیؑ) کو بھی نہ ملے گی جو سب سے پہلے ایمان لائے اور قرآن و سنت کے ماہر ہیں اور جنہوں نے آخری وقت میں رسول اللہؐ کو غسل دیا۔ ان کو چھوڑ کر یہ حکومت کسی دوسرے کو مل جائیگی۔ تمام بنی ہاشم اور مہاجرین میں سے سلمان فارسیؓ ابوذر غفاریؓ مقدادؓ عمار یاسرؓ براء بن عازب خالد بن سعید بن عاص اور بریدہ اسلمی اور انصار میں سے ابو ایوب انصاریؓ خزیمہ بن ثابتؓ ذوشہادتین، ابی بن کعب، ابو الہیثم مالک بن تیہان۔ عثمان بن حنیف اور سہیل بن حنیف حضرت علیؑ کے ساتھ رہے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کی۔ ابو سفیان بھی نئی حکومت سے پہلے پہلے کھنچا رہا (ابو الفدا) اور حضرت علیؑ سے کہا کہ آپ اپنا حق چھوڑ بیٹھے۔ اگر آپ خلافت کا دعویٰ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں تو صحرائے مدینہ کو مکہ کے سواروں سے بھر دوں اور ابوبکر کی خلافت کو غت ربود کر دوں حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ابو سفیان جب تم کافر تھے جب بھی فساد انگیزی کیا کرتے تھے اور اب کہ تم نے ظاہرا اسلام اختیار کیا ہے تمہاری وہی فساد انگیزی باقی ہے۔ حضرت علیؑ کے پاس سے یہ جواب سن کر ابو سفیان حضرات شیخین کے پاس گئے، اور کہنے لگے کہ تم لوگوں نے خلافت جالی اور ہم کسی قسم کے فائدے میں شریک نہ ہو سکے۔ اگر ہمارے لئے کچھ نہیں کرتے تو ہم اس خلافت کے معاملہ کو تہ و بالا کر دینگے اس پر حضرات شیخین نے ابو سفیان کو شام کی گورنری پیش کی اور ان کے ایماء پر اس کا بڑا بیٹا یزید بن ابو سفیان شام کا گورنر مقرر کیا گیا۔ ڈاکٹر ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے

مقالۂ "اسلام اور بنی اُمیّہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں "خلیفہ اور ان کے مشیروں کو یہ خوف ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ (ابو سفیان) بنی اُمیہ اور مومنین کو ساتھ لیکر حضرت علیؑ کی حمایت میں ہمارے خلاف اُٹھ کھڑا ہو اور ہمارے سارے کئے دھرے پر پانی پھر جائے۔ جناب خلافت مآب نے اسے مُنہ بھرائی دینا ضروری سمجھا اور اس کے بیٹے یزید کو شام کا گورنر بنا دیا۔"

اعثم کوفی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت قائم ہونے کے بعد جب انصار باہر نکلے تو عبدالرحمٰن بن عوف نے طنزاً کہا تم نے انصار کو مہاجرین پر ترجیح دی۔ زید بن ارقم نے جواب دیا کہ اے ابن عوف اگر علیؑ رسولؐ کی تجہیز و تکفین میں معروف نہ ہوتے تو تم سب کا کام ناتمام رہ جاتا۔ شمس العلماء نذیر احمد صاحب "امہات الائمہ" میں لکھتے ہیں کہ یہ ابوبکر و عمر صاحبان کی ملی بھگت تھی ایک اور مستند روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس بات کا پتہ چل چکا تھا کہ حضرت ابوبکر و عمر میں قول و قرار ہو چکا ہے حضرت ابوبکر خلیفہ بن جائیں تو ان کے بعد خلافت حضرت عمر کے حصّہ میں آئیگی۔ چنانچہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر محمد عبد العلی صاحب اپنی کتاب CALIPH ALI کے صفحہ ۳ پر درج کرتے ہیں۔

" After the Prophet's death two leading men from Arabs, Abbas and Abu Suffian called on Ali and proferred their hands to accept his leadership and his Caliphate, Abu Suffian declaring 'Abu Baker will be Caliph now who is from the tribe of Tayum and after him Omer will get the chance ......"

خلافت کے متعلق حضرت ابوبکر و عمر کی باہمی قرارداد کی تائید سیوطی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت ابوبکر کے والد ابی قحافہ کو حضرت رسولؐ کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ آپکی جگہ کون ہوا۔ جب لوگوں نے کہا کہ آپکے بیٹے ابوبکر ہوئے تو ابی قحافہ نے کہا کہ یوں کیوں نہیں کہتے کہ عمر کے دوست۔

ابوبکر کی حیات میں اجماع نامکمل فخرالدین رازی کا بیان

فخرالدین رازی نہایت العقول میں لکھتے ہیں کہ خلافت ابوبکر پر ان کی حیات میں اجماع منعقد نہیں ہوا بلکہ ان کی وفات کے بعد زمانۂ خلافت عمر میں جبکہ سعد بن عُبادہ کی ہلاکت ہوئی اجماع منعقد ہوا۔

ابلیس کا حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا

یہاں ہم پہلی دفعہ شیعوں کی دو معتبر کتب بحار الانوار اور حق الیقین کی دو روایتوں کا حوالہ دے رہے ہیں۔ یہ امر محتاج فکر ہے کہ جہاں شیعوں کی کتابوں کے مندرجہ تقریباً صد فی صد واقعات کی کتب اہلسنت سے تائید ہوتی ہو تو محض اس بنا پر کہ کسی شیعہ نے لکھا ہے ہر کتاب کے واقعات کو (جن میں رواۃ کے نام و سلسلے بصراحت درج ہیں) کان نہ دھرنے کے قابل کیوں ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ایک مقام پر درج کیا ہے ڈاکٹر سیّد عبداللطیف صاحب نے بھی اکیڈیمی فار اسلامک اسٹڈیز کی کونسل کے منظورہ پمفلٹ میں بھی شیعوں کی کتابوں سے اخذ حدیث کرنے کی تجویز پیش کی ہے جس میں بحار الانوار کا نام بھی انھوں نے دیا ہے۔ ہم اسی کتاب کی دو روایتیں لے رہے ہیں۔ بہر حال پھر بھی ہمکو کتب شیعہ سے استدلال منظور نہیں ہے۔

بلکہ اُن کے قابل قبول ہونے یا نہ ہونے پر غور کرنیکے لئے ناظرین کو متوجہ کر دینا ہے۔ ان میں سے ایک اہم روایت کی تائید تو ہمکو ایک سُنی عالم مسعود بن ناصر سیستانی کی کتاب ولایت سے مل گئی اور ایک عیسائی مورخ کی کتاب میں بھی وہ روایت ملی۔ صرف ایک روایت اہلسنت کی کسی کتاب میں مجھے نہ مل سکی مگر یہاں کہنا یہ ہے کہ جب تمام قرائن جو کتب اہلسنت سے نمایاں طور پر ظاہر ہیں کتب شیعہ کی ان روایات کی بالواسطہ تائید کرتے ہیں تو ان کو رد کر دینے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ دیگر روایات کی تو نہ صرف راست اور بلاواسطہ تائید موجود ہے بلکہ وہ روایات خود کتب اہلسنت میں درج ہیں۔

چنانچہ ایسی سیکڑوں روایتیں ہم نے اس کتاب میں کتب اہلسنت سے لی ہیں۔ جن دو روایتوں کو میں بحارالانوار اور حق الیقین سے نقل کر رہا ہوں ان میں سے ایک تو ابلیس کی حضرت ابوبکر سے بیعت سے متعلق ہے اور دوسری روایت جو عیسائی مورخ کے ہاں بھی ہے پانچ اشخاص کے خانۂ کعبہ میں جا کر اس امر پر متفق ہونے اور ایک معاہدہ پر دستخط کرنے سے متعلق ہے کہ محمد رحلت کریں یا قتل کر دیئے جائیں تو اہلبیت رسولؐ کو خلافت سے دور رکھیں گے۔ جب یہ دیکھنے میں آئیگا کہ جن لوگوں کے نام اس روایت میں درج ہیں ان کا طرز عمل کس طرح کا رہا ہے اور حضرت علی علیہ السلام سے غصب خلافت کیلئے ان لوگوں نے کیا کیا ظلم کئے ہیں جو کتب اہلسنت سے پوری طرح ثابت ہیں تو ان روایات کو قبول کرنے میں کوئی امر مانع نظر نہ آئیگا۔ خصوصاً جبکہ آیات قرآنی سے ان کی تائید ہوتی ہو جنکو ہم نے برموقعہ درج کر دیا ہے۔ پہلی روایت ہم یہاں درج کر رہے ہیں اور دوسری روایت ایک اور مقام پر درج ہوئی ہے۔

بحارالانوار اور حق الیقین میں بحوالہ رواۃ درج ہے کہ سقیفہ کی کاروائی کے بعد جب حضرت عمر نے مسجد میں بجبر لوگوں سے حضرت ابوبکر کی بیعت لینی شروع کی تو اس کے بعد سلمانؓ نے آ کر حضرت علی علیہ السلام سے بیان کیا۔ آنجنابؑ نے پوچھا کہ ابوبکر کے ہاتھ پر سب سے پہلے کس نے بیعت کی۔ سلمانؓ نے کہا کہ حضرت عمر کے بعد ابو عبیدہ جراح سالم غلام حذیفہ عثمان بن عفان، معاذ بن جبل بشر بن سعد بن ثعلبہ اور اسید بن الحصین نے بیعت کی۔ حضرت علی نے فرمایا سلمان میں یہ نہیں پوچھتا بلکہ یہ بتاؤ مسجد میں بالائے منبر سب سے پہلے کس نے ابوبکر کی بیعت کی۔ حضرت سلمان نے جواب دیا نہیں معلوم وہ کون شخص تھا مگر ایک مرد پیر کو دیکھا کہ اپنے عصا پر ٹیکہ دیئے ہوئے تھا اور اسکی پیشانی پر سجدہ کی علامت تھی۔ جب ابوبکر منبر پر گئے سب سے پہلے وہی شخص منبر پر گیا۔ گریہ کرنے کے بعد کہا خدا کا شکر ہے کہ میں دُنیا سے نہیں اُٹھا جب تک تجھے اس مقام پر نہ دیکھ لیا اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا یہ دن بھی مثل آدم کے دن کے ہے۔ حضرت علی نے فرمایا سلمان تم نے پہچانا وہ کون تھا۔ سلمان نے کہا نہیں مگر اسکا کلام مجھے ناگوار گذرا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رسولِ خدا کی وفات پر خوشامت کرتا تھا۔ حضرت نے فرمایا وہ ابلیس تھا اور حضرت رسولِ خداؐ نے مجھے تفصیل کے ساتھ اسکی خبر دی تھی۔ حضرت امیر نے وہ مزید تفصیلات بیان کیں جو حضرت رسولؐ نے آنجناب سے فرمائی تھیں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یوم غدیر ابلیس آپ کے سامنے آیا تھا اور کہا تھا کہ بہت کم لوگوں نے آپ کی بات پر دھیان دیا ہے۔ آیت ذیل اسی موقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المومنین ط (سورۂ سبا آیت ۲۰) یعنی:- بہ تحقیق

شیطان نے لوگوں پر اپنا گمان راست کیا لوگوں نے اسکی متابعت کی مگر مومنوں کے ایک گروہ نے اسکی متابعت سے منہ پھیر لیا۔

ہم نے ایک سے زیادہ ارشاداتِ رسولؐ اس کتاب میں اسناد کے ساتھ درج کئے ہیں کہ آنجناب نے فرمایا کہ جو لوگ علی کی مخالفت کرینگے اور علی کو چھوڑ کر دوسرے کی متابعت کرینگے وہ شیطان کا گروہ بن جائینگے۔ احکامِ خدا اور رسولؐ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بجائے علی کو خلیفۂ رسولؐ ماننے کے حضرت ابوبکر کا خود خلیفہ بن بیٹھنا واقعی ایسا سنگین کام تھا اور لوگوں کو غلط راستہ پر ڈالنے کیلئے شیطان کی اسکیم کی کامیابی میں ایسی زبردست امداد تھی کہ خود ابلیس نے بھی حضرت ابوبکر کی اس کارگزاری کا اعتراف ان کی بیعت کر کے کیا۔ اس طرح ظاہر بظاہر بھی ارشادِ رسولؐ کی تصدیق ہوگئی کہ علی کی مخالفت کرنے والا گروہ شیطان کا گروہ ہے جس میں شیطان نہ صرف وسوسہ ڈالنے کی حد تک بلکہ جسمانی اعتبار سے بھی خود ساتھ اور موجود تھا۔ مشہور سنی مورخ حافظ ابی بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۷۳ بروایت ابا اسحاق لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کہتے تھے کہ ابوبکر کا ایمان اور ابلیس کا ایمان ایک ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ادعائے حق خلافت اور حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرنا

علامہ عبداللہ ابن مسلم ابن قتیبہ دینوری کتاب الامامت والسیاست میں لکھتے ہیں جناب علی مرتضیٰؑ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا جس وقت وہ ابوبکر کے پاس آئے تو یہ فرمایا کہ میں بہ نسبت تمہارے اس امر کا زیادہ مستحق ہوں میں تمہاری بیعت نہیں کر سکتا بلکہ میری بیعت تم کو کرنی چاہیے۔ تم لوگوں نے قرابتِ رسول پر حجت پکڑ کے اس امر کو انصار سے لیا ہے اور ہم اہلبیتِ نبوتؐ سے براہ غصب تم نے یہ حق چھینا ہے۔ آیا تم کو یہ زعم نہیں ہے کہ تم انصار سے امر خلافت کیلئے اولیٰ ہو بوجہ اسکے کہ محمد صلعم آپ کے ہیں اور انصار نے اسی قرابتِ رسولؐ کے لحاظ سے امارت چھوڑ دی اور تم کو تسلیم کر دی پس اب میں وہی حجت تم پر پکڑتا ہوں جو تم نے انصار پر حجت پکڑی تھی۔ میں زندگی و موت میں اولیٰ ہوں ساتھ رسول خدا کے۔ پس اگر تم لوگوں کا ایمان خدا پر ہے اور خدا سے ڈرتے ہو تو ہمارا انصاف کرو۔ ورنہ یہ بات ہے کہ تم دیدہ و دانستہ ظلم کرتے ہو اے گروہ مہاجرین! خدا کو یاد کرو۔ اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سرداری عرب ان کے گھر سے خارج کر کے اپنے گھروں میں نہ لیجاؤ۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ نے درِ خانہ پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے قوم! تم نے رسول اللہ کی نعش مقدس کو چھوڑ دیا اور خود خلیفہ بن گئے اور ہمارے حق پر نظر نہ کی۔ اسنی المطالب میں شمس الدین جزری صاحب حصن حصین بروایت اُم کلثوم بنتِ فاطمہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ آیا تم لوگ رسول اللہ کا وہ قول بھول گئے جو آنحضرتؐ نے بروز غدیر خم فرمایا تھا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ نیز فرمایا تھا کہ علیؑ مجھ سے اسی منزلت پر ہیں جس منزلت پر موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ تھے۔ ابن قتیبہ دینوری اپنے سلسلۂ عبارت میں لکھتے ہیں کہ اس پر حضرت عمر نے (حضرت علیؑ سے) کہا۔ ہم تجھ کو نہیں چھوڑیں گے جب تک تو بیعت نہ کرے گا۔ اس پر علی مرتضیٰؑ نے کہا تم نے اپنا حصہ اس میں ٹھہرا لیا ہے۔ آج تم ابوبکر کے لئے مضبوطی کرتے ہو اور اس کو خلافت پر قائم کرتے ہو وہ کل تم پر لوٹا دے گا۔ پھر فرمایا خدا کی قسم اے عمر میں تمہارا قول کبھی نہ مانوں گا اور ہرگز ابوبکر سے بیعت نہ کرونگا اس پر ابوبکر نے کہا کہ اگر تم میری بیعت نہیں کرتے تو میں تم کو مجبور نہیں کرتا۔ اس پر ابوعبیدہ بن الجراح نے جو امین الامت کہلاتے ہیں کہا کہ

سعدجمی) حضرت علیؑ سے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! تم ابھی کم عمر ہو اور یہ تمہاری قوم کے بوڑھے ہیں۔ ابھی تم بہت دنوں تک زندہ رہو گے ابھی بچہ ہو یہ تو چند روز میں مر جائینگا تم اس امر خلافت کے لئے نہایت درجہ مستحق ہو اور بوجہ اپنے فضل و بزرگی اور اپنے دین و علم اور فہم اور سابقہ اور نسب اور دامادی کے تم مستحق تر ہو۔ پس فرمایا علی ترتضیٰ نے اے گروہ مہاجرین اللہ اللہ محمد صلعم کی سلطنت عرب ان کے مکان سے خارج کر کے اپنے گھروں میں مت لے جاؤ اور رسول خدا کے اہل کو رسول خدا کے مقام سے نہ نکالو۔ اس کا حق دور مت کرو۔ قسم ہے خدا کی اے معشر مہاجرین! البتہ میں سب آدمیوں میں زیادہ تر مستحق ہوں اس کا کیونکہ میں اہلبیت نبیؐ ہوں اور تم لوگوں کی بہ نسبت خلافت کا حقدار ہوں قسم ہے خدائے تعالیٰ کی جو کوئی قاری کتاب اللہ اور فقہ دین اللہ اور عالم سنت رسول اللہ اور مطلع بہ امر رعیت اور دافع امور سیئہ اندیشاں اور قاسم باسویا ہے وہ البتہ ہم میں سے ہے پس تم لوگ ہوا و ہوس کی پیروی مت کرو۔ تم لوگ خدا کے راستہ سے گمراہ ہو گئے اور حق سے بہت دُور جا پڑے ہو۔ اس پر قیس بن سعد انصاری نے کہا یا علیؑ! یہ گفتگو آپکی انصار لوگ ابوبکر کی بیعت سے پہلے سُنتے تو ہرگز دو آدمی بھی تمہاری خلافت پر اختلاف نہ کرتے اور سب بیعت کر لیتے (اس کے بعد روایت میں ہے) کہ رات کو حضرت علیؑ جناب فاطمہ کو سوار کرا کے انصار کے مکان پر لے گئے اور ان سے نصرت امداد و طلب کی۔ مگر ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے دختر رسول صلعم ہم لوگوں نے اس شخص کی یعنی ابوبکر کی بیعت کر لی ہے۔ اگر تمہارے شوہر اور ابن عمؑ ابوبکر سے پیشتر ہمارے پاس آتے تو ہم ہرگز ان کے فرمانے سے عدول نہ کرتے۔ جب انصار نے یہ جواب دیا تو علی مرتضیٰؑ نے فرمایا۔ میں بھی رسول خدا کو بے تجہیز و تکفین گھر میں پڑا رہنے دیتا اور لوگوں سے خلافت کی نزاع کرنے آتا۔"

متذکرہ صدر پوری عبارت ابن قتیبہ دینوری کی ہے جن کے علم و فضل و ثقاہت کے متعلق مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے ص۳۰۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔ ابن قتیبہ کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ وہ ابوحاتم السجستانی اور اسحٰق بن راہویہ جیسے ائمہ کا شاگرد اور دینور کا قاضی تھا۔ ابن کثیر اسکے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور صاحب فضل و شرف آدمی تھا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ نہایت سچا آدمی خطیب بغدادی کہتے ہیں وہ ثقہ دیندار اور فاضل تھا۔ سلمہ بن قاسم کہتے ہیں نہایت سچا آدمی تھا اور اہل سنت میں سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اسحٰق بن راہویہ کا پیرو تھا۔ ابن حزم کہتے ہیں اپنے دین و علم میں بھروسہ کے قابل۔ السلفی کہتے ہیں کہ ابن قتیبہ ثقہ اور اہلسنت سے تھا۔"

مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ جب بروز سقیفہ حضرت ابوبکر کی بیعت کی گئی تو حضرت علیؑ نے جا کر حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم نے ہمارے اُمور کو تباہ کیا۔ ہم سے کچھ نہ پوچھا اور ہمارے حق کا لحاظ اور نگہداشت نہ کی۔ خواجہ احمد بن اعثم کوفی "تاریخ اعثم کوفی مطبوعہ مطبع یوسفی سن ۱۹۰۱ء کے صفحہ ۳ و ۴ پر لکھتے ہیں:-

حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ کو بلانے کا پیغام بھیجا آپ نے قبول کیا اور جس وقت مجمع میں تشریف لائے سلام

کلام الوں
سلام ادا کر کے اپنے مرتبہ سے ہو بیٹھے اور فرمایا مجھے کس لئے بلایا ہے۔ عمر بن خطاب نے کہا آپ کو سب مہاجرین و انصار نے
اسی لئے بلایا ہے کہ آپ بھی ہم سے متفق ہو جائیں اور جس طرح جملہ اصحاب نے ابوبکر کو خلیفہ مان کر بیعت کر لی ہے آپ بھی
بیعت کر لیں۔ حضرت علیؑ نے کہا تم نے اس منصب کو ہمارے ہاتھ سے بہانہ کر کے چھینا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رشتہ داری کے ذریعہ سے اپنے آپ کو برتر بتایا ہے۔ میں تمہاری حجت کو تم ہی پر تمام کرتا
ہوں اور وہی دعوے تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ مجھ سے وہ بات سنو جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے اور تم کو لازم
تھا کہ اسے بیان کرتے اے رسولؐ کے صحابیو دیکھو اور یاد رکھو دنیا میں حضرت محمد صلعم کا کون زیادہ قریبی رشتہ دار ہے۔ خدا سے
ڈرو۔ بہانہ نہ ڈھونڈو۔ انصاف پر قادر ہو کر انصاف کی بات کہو۔ ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا اے ابوالحسن! تم ہی
اس کام کے لائق ہو بلکہ سب سے پہلے اسلام لانے اور قرابت میں سب پر فضیلت رکھنے کے سبب اس سے بھی
زیادہ منصب کے سزاوار ہو لیکن اب رسولؐ کے اصحاب نے اتفاق کر لیا ہے اور ایک کام پورا ہو چکا ہے تم بھی اصحاب کی
خوشی کے لئے رضامند ہو جاؤ اور جھگڑا کر کے اس مصلحت کو درہم برہم نہ کرو۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ اے ابو عبیدہ!
تم نبی صلعم کے پیارے اور امین کہلاتے ہو اور اس اُمت کے معتمد۔ اپنے حال پر رحم کھاؤ اور جو سچ بات ہے اسے
ظاہر کرو۔ رب العزت نے جو بزرگی خاندان نبوت کو عطا کی ہے اسے اپنے کنبوں کی طرف منتقل نہ کرو۔ ہمارے گھر
میں قرآن نازل ہوا ہے۔ ہمارے ہی مکانوں میں جبرئیلؑ وحی لے کر آئے ہیں۔ علم اور فقہ اور دین اور سنت اور فرائض کے
معدن ہم ہی ہیں۔ خلق اللہ کی بھلائی کو ہم ہی خوب جانتے ہیں تم لالچ خور نہ بنو اور اپنے آپ کو ہلاکت کے بھنور میں
نہ ڈالو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ بشیر بن البراء نے کہا کہ اے ابوالحسن! خدا کی قسم اگر تمہاری یہ باتیں بیعت سے
پہلے لوگوں کے کان تک پہنچتیں تو کوئی صحابی آپ کی مرضی کے خلاف نہ کرتا اور یکدل ایک زبان ہو کر آپ کی بیعت اختیار
کر لیتے لیکن تم تو اپنے گھر میں ہو بیٹھے اور ہم سے علیحدگی اختیار کی۔ لوگوں نے جانا کہ تم بہانہ کر کے اس کام سے الگ
تھلگ رہنا چاہتے ہو۔ جب بات طے ہو گئی تو آپ تشریف لائے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ اے بشیر! کیا تو اس بات کو پسند
کرتا تھا کہ میں رسول خدا صلعم کی نعش مطہر کو گھر میں پڑی دیکھتا اور کفن دفن کی تدبیر نہ کر کے جھگڑے کے لئے کمربستہ ہو جاتا
اور خلافت لینے پر آمادہ ہو بیٹھتا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے ابوالحسن! اگر میں جانتا کہ تم اس کام میں جھگڑا کرو گے تو میں
خلافت ہرگز قبول نہ کرتا۔ اب تو لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔ اور تم بھی ساتھ ہو جاؤ تو ہماری غلطی نیکی کے درجہ پر
پہونچ جائے مگر تم اس بات کو قبول نہیں کر سکتے اور کچھ فکر و تامل ہے تو تم سے کچھ غرض نہیں ہے۔ اس وقت حضرت علیؑ نے
بغیر بیعت کئے ہوئے جلسہ سے مراجعت فرمائی۔

اعثم کوفی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کو بیعت کے لئے طلب کیا۔ آپ آئے تو فرمایا۔ جس دلیل سے تم نے انصار پر
فوقیت حاصل کی ہے اسی دلیل سے میری فضیلت تم پر ثابت ہوتی ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ جب تک

بیعت نہ کرو گے ہم نہ چھوڑیں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا جب تک جان میں جان ہے حق پر جمے رہیں گے۔ ابوعبیدہ جراح نے کہا کہ آپ کی فضیلت اور سبقت اسلام سب پر روشن ہے آپ اہلبیت رسولؐ ہیں۔ آپ کا حق زیادہ ہے۔ مگر اب سب لوگوں نے ابوبکر کی بیعت پر اتفاق کر لیا ہے لہذا آپ بھی شامل ہو جائیے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ اے ابوعبیدہ! وہ بات نہ کر جو حق سے دُور ہو۔ خدا نے جو عزت خاندان رسالت رسالتؐ کو دی ہے اس کو دوسروں کے گھر میں منتقل نہ کر۔ ہمارے گھر میں قرآن نازل ہوا۔ ہم علم دین اور سنت نبویؐ کے معدن ہیں۔ شریعت اور مصالح ملت کو اوروں سے زیادہ جانتے ہیں اپنے دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ بشیر ابن سعد انصاری نے کہا کہ یا علیؑ! ابوبکر کی بیعت سے پہلے اگر آپ اپنے حق کا ادعا کرتے تو دو آدمیوں سے زیادہ کوئی آپ کی مخالفت نہ کرتا۔ آپ گھر میں بیٹھے رہے توسب کو خیال ہوا کہ آپکو خلافت کی طرف رغبت نہیں ہے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ اے بشیر! کیا تجھے یہ پسند ہے کہ میں رسول اللہؐ کی نعش بے غسل وکفن چھوڑ کر ریاست و امارت کی فکر میں دوڑتا۔ احمد بن حنبل ابوطفیل کی زبانی روایت نقل کرتے ہیں جس کو علامہ سیوطی نے بھی تاریخ الخلفاء میں درج کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور کہا کہ میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ یوم غدیر کو رسول اللہؐ نے میری نسبت کیا فرمایا تھا۔ تین آدمی اٹھ کھڑے ہوئے اور شہادت دی کہ ہم نے اس روز رسول اللہ صلعم سے یہ سُنا تھا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ یعنی میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولا ہیں۔ یا اللہ دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے علیؑ کو اور دشمن رکھ اس کو جو عداوت کرے علیؑ سے۔ روضۃ الاحباب جمال الدین محدث میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر کو بھی بیعت سے فراغت حاصل ہوئی تو انہوں نے بعض مہاجر و انصار کے ذریعہ حضرت علیؑ کو طلب کیا۔ حضرت علیؑ نے آکر پوچھا کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔ حضرت عمر بولے کہ اسلئے بلایا گیا ہے کہ جس طرح دوسروں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے تم بھی کر لو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جس بات کو تم نے انصار پر حجت قرار دیکر منصب خلافت حاصل کیا ہے۔ اسی کو میں تم پر حجت قرار دیتا ہوں۔ سچ بتاؤ کہ جو شخص رسالتمآبؐ سے قریب تر ہے وہ کون ہے۔ حضرت عمر نے کہا جب تک تم بیعت نہ کرو گے میں تم کو نہ چھوڑوں گا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ پہلے تم میری بات کا جواب دو اس کے بعد مجھ سے بیعت کو کہو۔ ابوعبیدہ بن الجراح (حضرت عمر کے ہمدمی) نے کہا کہ اے ابوالحسن سبقت اسلامی اور رسول اللہؐ کے ساتھ قرابت قریبہ کا شرف تم کو حاصل ہے اور اس کی وجہ سے بیشک تمہیں حکومت و خلافت کے مستحق ہو۔ مگر چونکہ صحابہ نے ابوبکر سے اتفاق کر لیا ہے لہذا مناسب ہے کہ تم بھی ان کا ساتھ دو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے ابوعبیدہ! خدا نے جو فضیلت خاندان رسالتؐ کو عطا کی ہے کیا تم چاہتے ہو کہ اس کو دوسری جگہ منتقل کر دو۔ دیکھو مہبط و مورد امر دینی اور منبع فضل وعلم و معدن عقل و علم ہم ہیں۔ یہ سن کر بشیر ابن سعد نے کہا کہ اے ابوالحسن! تمہارے گھر میں بیٹھے رہنے کے باعث یہ گمان ہوا کہ شاید تم کو امر خلافت سے کنارہ کشی منظور ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے بشیر! تم لوگ اس بات کو روا رکھتے ہو کہ میں رسول اللہؐ کے جسد اطہر کو بلا تجہیز و تکفین چھوڑ کر طلب خلافت کیلئے منازعت و مخاصمت میں مشغول ہوتا۔ جب یہ باتیں حضرت ابوبکر نے سماعت کیں اور دیکھا کہ ان میں سے ہر بات

ہزار باتوں کے مقابلہ میں محکم واستوار ہے تو نہایت نرمی سے ارشاد کیا کہ اے ابوالحسن میں نے خیال کیا تھا کہ تم کو میری بیعت میں مضائقہ نہ ہوگا اگر میں جانتا کہ تم میری بیعت سے تخلف کروگے تو میں اس کو ہرگز قبول نہ کرتا۔ اب چونکہ لوگ میری بیعت کر چکے ہیں۔ اگر چاہو تو میرے خیال کے مطابق تم بھی ان سے موافقت کرو۔ اگر اس باب میں تم کو کچھ توقف اور تامل ہو تو کوئی الزام بھی نہیں ہے پس حضرت علیؑ وہاں سے اُٹھ کر اپنے گھر چلے آئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کتاب الاتقان فی علوم القرآن جزو اول ص۵۷ و ۵۹ پر لکھتے ہیں:۔
حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب جناب رسولِ خدا کا انتقال ہوا تو میں نے قسم کھائی کہ میں اپنے کندھے پر ردا نہ ڈالوں گا سوائے نماز کے لئے یہاں تک کہ میں قرآن کو جمع کروں۔ چنانچہ میں نے جمع کر لیا۔ حضرت علیؑ کو جب بیعت کے لئے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ سوائے نماز کے کبھی ردا اپنے کندھے پر نہ ڈالوں گا۔ جب تک کہ قرآن شریف کو جمع نہ کرلوں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ بہتر۔ ایسا ہی کیجئے۔

حضرت ابوبکر کی حضرت عمر کو ہدایت کہ علیؑ بیعت کے لئے نہ نکلیں تو ان سے قتال کرو

حضرت ابوبکر نے شروع میں تو حضرت علیؑ کے استدلال سے لاجواب ہو کر نرم گفتگو کی مگر جب حضرت علیؑ کی طرف سے محض زبانی استدلال پر اکتفا کیا گیا تو اب حضرت ابوبکر کی جانب سے سختی کا پہلو اختیار کیا گیا۔ حتیٰ کہ حضرت علیؑ سے قتال کرنے کا بھی حکم دیا گیا۔ چنانچہ شہاب الدین ابی عبدربہ اندلسی عقد الفرید میں لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے خلاف ورزی کی وہ علیؑ اور عباسؓ زبیرؓ اور سعد بن عبادہ تھے جن میں سے حضرت علیؑ اور عباس اور زبیر بیعت الشرف جناب فاطمہؑ میں بیٹھ رہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا کہ جو لوگ خانہ سیدہ میں ہیں ان کو نکال دیں اور اگر وہ لوگ گھر سے نہ نکلیں تو ان سے قتال کریں۔ چنانچہ حضرت عمر تھوڑی چنگاریاں لے کر اس قصد سے وہاں پہنچے کہ گھر میں آگ لگا دیں۔ پس جناب فاطمہؑ نے فرمایا۔ اے پسر خطاب! کیا تو میرا گھر جلانے آیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہاں اسی ارادہ سے آیا ہوں ورنہ تم لوگ ابوبکر کی بیعت کرنے والوں میں داخل ہو۔ تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ حضرت عمر تھوڑی سی آگ لے کر اس قصد سے آئے کہ حضرت فاطمہؑ کا گھر جلادیں یہ معلوم کر کے جناب سیدہ نے کہا کہ اے خطاب کے بیٹے! کیا تو اس غرض سے آیا ہے کہ میرے گھر میں آگ لگائے۔ حضرت عمر بولے کہ ہاں! اور کہا تم لوگ ابوبکر کی بیعت کرنے والوں میں داخل ہو۔

واقدی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ عمر ایک گروہ کو لیکر جن میں اسید بن حصین اور سلمہ بن اسلم شہبلی بھی تھے۔ حضرت علی کے گھر پر آگ لیکر گئے۔ زید بن اسلم نے بیان کیا ہے کہ میں ان لوگوں میں تھا جو عمر کے ساتھ لکڑیاں لیکر فاطمہ کا گھر جلانے کیلئے گئے تھے۔ عبدالکریم شہرستانی نے ملل ونحل میں بھی نظام سے ایسی ہی روایت کی ہے۔

تاریخ ابن جریر میں ہے کہ حضرت عمر نے دولت سرائے مرتضوی پر پہونچ کر جہاں طلحہؓ، زبیرؓ اور بعض اصحاب مہاجر بھی تھے۔ کہا کہ خدا کی قسم تمہارے گھر میں آگ لگادوں گا ورنہ تم لوگ بیعت کے لئے باہر نکلو۔

Historians History of the World کے صفحہ ۱۶۲ پر یہ عبارت درج ہے۔

Abu Bekr sent Omar to Fatima's house where Ali and some of his friends were to compel them by force, to come and do fealty to him, if they were not persuaded by fair means. Omar was going to fire the house when Fatima asked him what he meant. He told her that he would certainly burn the house down unless they would be content to do as the rest of the people had done.

Lives of the Successors of Mohomet کے صفحہ ۸ پر واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے:۔

He (Abu Beker) requested Omar to proceed with an armed band to the mansion of Fatima and maintain tranquility in that quarter. Omar surrounded the house with his followers announced to Ali the election of Abu Baker and demanded his concurrence. Ali attempted to remonstrate alleging his own claims, but Omar proclaimed the penalty of death ......and threatened to enforce it by setting fire to the house and consuming its inmates.

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں ہذیل بن شرجیل کی یہ روایت درج کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر علیؑ پر حکم کرتے جو کہ موصی رسولؐ اللہ کے تھے اور حضرت ابوبکر کی یہ خواہش تھی کہ رسول اللہؐ سے ایسی کوئی دلیل مل جائے جس سے حضرت علیؑ کی ناک میں نکیل پڑ جائے۔ ابن قتیبہ دینوری کتاب "امامت والسیاستہ" میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس واپس گئے تو انہوں نے کہا کہ علیؑ کو کیوں گرفتار نہیں کرتے جو تمہاری بیعت سے تخلف کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ کو بھیجا کہ علیؑ کو میرے پاس لے آ قنفذ نے جا کر حضرت علیؑ سے کہا کہ خلیفۂ رسولؐ بلاتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے بہت جلد رسول اللہؐ پر افترا پردازی کی۔ قنفذ واپس آ گیا اور اس نے حضرت ابوبکر سے حضرت علیؑ کا ارشاد عرض کیا۔ حضرت عمر نے دوبارہ حضرت ابوبکر سے کہا کہ علیؑ کو مہلت نہ دو جو تمہاری بیعت سے کنارہ کشی کئے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے پھر قنفذ کو حکم دیا کہ جا کر علیؑ سے کہو کہ تم کو امیر المومنین بیعت کے لئے بلاتے ہیں۔ قنفذ نے جا کر حضرت ابوبکر کا پیام پہونچایا۔ حضرت علیؑ نے باواز بلند فرمایا۔ سبحان اللہ! تیرے آقا نے اس لقب کا ادعا کیا ہے جس سے اسکو کچھ تعلق نہیں ہے۔ قنفذ نے جا کر حضرت ابوبکر سے کہا کہ حضرت علیؑ یہ کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر یہ سُن کر رونے لگے۔ پس حضرت عمر اٹھے اور ایک جماعت کو بشمول عبدالرحمٰن بن عوف، خالد بن ولید، اسید بن حضیر، سلمہ ابن اسلم و زید بن اسلم کو ساتھ لیکر خانہ فاطمہؑ پر پہونچ کر انہوں نے دق الباب کیا۔ لکڑیاں اور آگ بھی ساتھ لے گئے تھے اور گھر جلانے کی دھمکی دی۔

حضرت فاطمہؑ لوگوں کی صدائیں کر با آواز بلند رونے لگیں اور فریاد کرنے لگیں کہ یا پدر بزرگوار یا رسول اللہؐ! آپ کے بعد پسر خطاب اور پسر ابو قحافہ سے ہم کو یہ کیسی مصیبت پہونچی ہے۔ جب لوگوں نے حضرت فاطمہؑ کی فریاد و زاری سُنی تو ان میں سے اکثر روتے ہوئے واپس گئے اور چند نفر حضرت عمر کے ساتھ باقی رہ گئے۔ پس حضرت علی دولت سرا سے باہر نکلے اور ان کے ہمراہ حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں پھر آپ سے کہا گیا کہ بیعت کرو۔ آپ نے کہا اور اگر میں بیعت نہ کروں؟ وہ بولے کہ اگر بیعت نہ کروگے تو خدا کی قسم ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ایسے شخص کو قتل کروگے جو عبداللہ اور اخوئے رسول اللہ ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ۔ عبداللہ تو خیر۔ مگر ہم اس کو نہیں مانتے کہ تم رسول اللہؐ کے بھائی ہو۔ حضرت ابوبکر اس وقت بالکل چُپ تھے حضرت عمر نے ان سے کہا کہ تم حکم کیوں نہیں کرتے اور خاموش بیٹھے ہو۔ حضرت ابوبکر بولے کہ میں فاطمہؑ کے ہوتے ہوئے علیؑ کو مجبور نہ کروں گا پس حضرت علیؑ وہاں سے اٹھ کر جناب رسالتمآبؐ کے مزار اقدس پر گئے اور مزار سے لپٹ کر آپ نے یہ آہ و زاری فریاد کی" ملحق علی بقبر رسول اللہ صلعم یصیح و یبکی و ینادی یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی (لپٹ گئے علی رسول اللہ کی قبر سے اور چیخ مار کر روئے اور فریاد کی کہ اے میرے ماں جائے اس قوم نے مجھے ضعیف کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے)

یہ دل گداز اور روح فرسا واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ شیر خداؑ کے ساتھ اکابر صحابہ کا کیا طریقہ عمل رہا اور فاطمہ زہراؑ علی مرتضیٰؑ اور رسولؐ کے خورد سال نواسہ نواسیوں حسنینؑ اور زینبؑ و ام کلثومؑ کے لئے ان کے دولت سرا پر ہنگامہ برپا کر کے کیا کیا دہشت کے سامان پیدا کئے گئے۔ حضرت رسولؐ کی رحلت کے تین ہی دن کے اندر یہ کایا پلٹ اور یا تو رسولؐ اور اہلبیتؑ رسولؐ کا وہ احترام و عزت یا یہ بے توقیری کہ جناب سیدہؑ کے گھر پر آگ لے جا کر اُن کے احتجاج کے باوجود یہ حکم کہ ہماری بیعت کرو ورنہ تمہارے گھر کو آگ لگا دیں گے" بہت کچھ محلِ عبرت ہے اور تھوڑی سی بھی عقل سلیم رکھنے والوں کیلئے واضح نشان راہ ہے کہ حق کس طرف ہے اور باطل کس طرف؟ اور جیسا کہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ (الحجر آیت ۷۵) یعنے بیشک تاڑ جانے والوں کے لئے اس میں بہت سے نشان موجود ہیں۔

تاریخ اس کی شاہد ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر کی بیعت کبھی نہیں کی اور عزلت نشینی اختیار فرمائی چنانچہ تاریخ الخمیس اور تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ علی مرتضیٰؑ اور بنی ہاشم نے ابوبکر کی بیعت سے تخلف اختیار کیا۔ استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت کی گئی تو حضرت علیؑ نے ان کی بیعت نہیں کی اور خانہ نشینی اختیار کی۔

بیعت حضرت ابوبکر کے متعلق بخاری کی روایت پر تبصرہ

بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ "جب تک حضرت فاطمہ زندہ تھیں تو لوگ حضرت علیؑ پر بہت توجہ رکھتے تھے جب ان کی وفات ہوگئی تو حضرت علیؑ نے دیکھا کہ لوگوں کے منہ آپکی طرف سے پھرتے معلوم ہوتے ہیں۔ اس وقت انہوں نے حضرت ابوبکر سے صلح کر لینا اور بیعت کرنا چاہا۔ اس سے پہلے چھ مہینہ تک انہوں نے حضرت ابوبکر کی

بیعت نہیں کی تھی۔ پھر انہوں نے ابوبکر کو بلا بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ تم اکیلے آؤ اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لاؤ۔ ان کو یہ منظور نہ تھا کہ حضرت عمر ان کے ساتھ آئیں۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا خدا کی قسم تم اکیلے ان کے پاس نہ جانا۔ ابوبکر نے کہا کہ کیوں میرے ساتھ وہ کیا کریں گے۔ میں تو خدا کی قسم ضرور ان کے پاس جاؤں گا۔

اس روایت میں مزید یہ بھی درج ہے کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ ہم کو تمہارے خلیفہ بن جانے سے کوئی حسد نہیں ہے مگر ہم کو صرف یہ بُرا معلوم ہوا کہ تم نے اکیلے ہی اکیلے خلافت اُڑالی۔ ہم کو یہ خیال تھا کہ ہم اس مشورہ میں ضرور شریک کئے جائینگے کیونکہ ہم کو آنحضرتؐ سے رشتہ داری و قرابت تھی۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رونے لگے (ملاحظہ ہو تیسیر البخاری مترجمہ وحید الزماں صاحب پارہ ۱۷ کتاب مغازی ص۱۲۲) اس روایت سے یہ امر پوری طرح مسلّم ہو جاتا ہے کہ چھ مہینے تک تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور آپسمیں لڑائی تھی جب ہی تو صلح کرنے کے لئے بُلا بھیجنے کا ذکر روایت میں ہے۔ اور وہ بھی اس صراحت کے ساتھ کہ حضرت ابوبکر تنہا آئیں کیونکہ حضرت عمر کا آنا حضرت علیؓ کو منظور نہ تھا۔ اس سے حضرت علیؓ اور حضرت عمر کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ صلح کے لئے حضرت ابوبکر کے آنے کی صورت میں بھی حضرت عمر کا آنا حضرت علیؓ کو گوارا نہ تھا۔ اس روایت کے ضمن میں میرے والد صاحب قبلہ مرحوم نے بشکل تبصرہ جو اپنا نوٹ درج فرمایا تھا میں اسکو تبرکاً بجنسہٖ نقل کر دیتا ہوں۔

" روایت مذکور میں ہے کہ جب تک حضرت فاطمہؓ زندہ تھیں تو لوگ حضرت علیؓ کی طرف بہت توجہ رکھتے تھے جب ان کی وفات ہو گئی تو حضرت علیؓ کی طرف سے لوگوں کے رُخ پھر گئے۔ سبحان اللہ یہ لوگ صحابۂ رسولؐ تھے۔ آنحضرتؐ کے تربیت یافتہ سب سے اچھے زمانہ کی آب و ہوا میں ان کی نشو و نما ہوئی تھی ان کا یہ عمل رسول اللہؐ کے عزیز داماد اور وصی کے ساتھ تھا۔ ہمارے زمانہ میں لوگ آل نبیؐ و اولاد علیؓ کے ساتھ جو کریں تھوڑا ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ابوبکر سے صلح کر لی اور ان سے بیعت کر لینا چاہا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت علیؓ کی ابوبکر سے لڑائی تھی۔ روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر کو تنہا بلایا اور حضرت عمر کو ساتھ لانے سے منع کر دیا۔ ہم تو سمجھے تھے کہ یہ بزرگوار آپسمیں شیر و شکر تھے اور حضرت عمر کی نسبت ہمارا خیال تھا کہ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی

اب بخاری شریف سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کو حضرت عمر کی ذات سے اندیشہ تھا کہ یہ صلح نہونے دیں گے۔ بلکہ خطرہ تھا کہ صحبت اور بھی بدمزہ ہو جائے اس سے حضرت علیؓ اور حضرت عمر کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت عمر کی جناب میں کہیں حضرت علیؓ کی بدگمانی تو نہ تھی۔ بھلا رسول اللہ کا جانشین اور دوست بعد رسولؐ تمام انسانوں میں دوسرے نمبر کا افضل انسان وہ ابوبکر و علیؓ میں صلح کراتا یا لڑائی کرا دیتا بقول وحید الزماں صاحب حضرت عمر کو یہ ڈر ہوا کہ حضرت ابوبکر اور بنی ہاشم میں کہیں جھگڑا نہ ہو جائے اس لئے بطور باڈی گارڈ حضرت ابوبکر کے ساتھ ہو جانا چاہتے تھے۔ بمقتضائے احتیاط بھی یہی تھا۔

مقابلہ ہے رقیبوں سے روز محشر میں چھپا ہوا کوئی خنجر مرے کفن میں رہے

ہمارے خیال میں یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ اس مصالحت کو پسند نہ کرتے ہوں اور بہ نظر سیاست و تدبر حضرت علیؓ و ابوبکر کا اختلاف امت کے لئے موجب رحمت تصور کرتے ہوں؟ بغوائے روایت حضرت عمرؓ کا حضرت ابوبکر کو تنہا جانے سے روکنا بھی معنی خیز ہے اور فریقین کی یہ قسمیں بھی خدا کی قسم لاجواب ہیں؟ روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر سے خلافت کے بارے میں شکایت کی۔ ہم کو صرف یہی بُرا معلوم ہوا کہ تم نے اکیلے ہی اکیلے خلافت اُڑالی۔ ہم کو یہ خیال تھا کہ اس مشورہ میں ہم ضرور شریک کئے جائیں گے کیونکہ آنحضرتؐ سے ہم کو رشتہ داری اور قرابت تھی۔ حضرت ابوبکر نے حضرت علیؓ کے مذکورہ بالا اعتراض کا کیا جواب دیا۔ کیا حضرت ابوبکر نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و نواب محسن الملک و شمس العلماء نذیر احمد خاں اور مولانا شبلی وغیرہ گواہان چُست کی طرح حضرت علیؓ سے فرمایا اس وقت مدینہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا۔ رومی چیل کوّے اسلام کی نیم مردہ لاش پر منڈلا رہے تھے۔ ایرانی گھوڑوں کی ٹاپیں کوہستان مدینہ میں گونج رہی تھیں۔ مسیلمہ کذاب پیغمبری کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ عربوں کے متعدد قبائل مرتد ہو گئے تھے۔ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر ایک امیر ہم میں سے ایک امیر تم میں سے پکار رہے تھے۔ مہاجرین و انصار کی تلواریں خانہ جنگی کے لئے میانوں میں تڑپ رہی تھیں۔ قریب تھا کہ افتراق و انتشار کی بجلی خرمن اسلام کو جلا کر خاک کر دے۔ ایسے وقت میں اگر تمہاری طرح ہم بھی رسول اللہ کی میت کے گرد بیٹھ کر رونے دھونے میں مصروف ہو جاتے یا اس بات کا انتظار کرتے کہ آنحضرتؐ کے کفن دفن سے فارغ ہو کر جب تم آؤ گے اس وقت خلافت کی کانفرنس منعقد کریں گے تو اس وقت تک نہ معلوم کیا کیا قیامت ہائے صغریٰ و کبریٰ برپا ہو جاتیں۔ اسلئے ہم نے رسول اللہؐ کی تجہیز و تکفین سے بھی زیادہ اس کام کو مقدم سمجھا کہ جس طرح ہو سکے رسول اللہؐ کا کوئی نہ کوئی جانشین بنا لیا جائے پھر جو ہوگا دیکھ لیں گے۔ پس ہم نے اس اہم ترین کام کی انجام دہی میں ایک منٹ ضائع نہیں کیا۔ اپنی بے مثل سیاست و تدبیر سے آنے والے زبردست سیلاب کو روک دیا اور اپنی حکمت عملی سے اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچا دیا۔ تم کو ہماری اصابت رائے کی داد دینی چاہیے نہ کہ بجائے شکریہ کے اُلٹا شکوہ۔ مگر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے متذکرہ بالا عذرات میں سے کوئی عذر پیش نہ کیا بلکہ وہ بیچارے شرم کے مارے رونے لگے اگر حضرت ابوبکر رسول اللہ کی وفات کے وقت کی نزاکت موقع کی اہمیت اور ماحول کی ہیئت جو بعض علماء کو اب ساڑھے تیرہ سو برس بعد سجھائی دے رہی ہے حضرت علیؓ کو ان کے مکان پر سمجھا دیتے تو وہ مسجد نبویؐ میں جا کر حضرت ابوبکر سے پھر وہی شکایتی جملے نہ دہراتے بلکہ اپنی شکایت واپس لیتے ہوئے فرماتے کہ واقعی ایسے نازک موقع پر جس آسانی کے ساتھ تم نے خلافت کی اونٹنی کو سیدھی کروٹ بٹھا دیا وہ تمہارا ہی حصہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تاویل کرنے والوں کی جولانیاں اپنے اپنے موقعوں اور مصلحت کے لحاظ سے نت نیا انداز فکر اختیار کرتی ہیں۔ بقول اقبال ؎

حقیقت ابدی ہے مقام شبیریؑ بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی زندگی تک تو حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کی۔ جب جناب سیدہ کی وفات ہوگئی اور ارباب زمانہ کی آنکھیں پھر گئیں تو بیعت کرلی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت ابوبکر سے حضرت علیؑ کا بیعت کرنا جناب سیدہ کے خلافِ مرضی تھا۔ اگر وہ زندہ رہتیں تو حضرت علیؑ بیعت نہ کرتے۔ اس روایت کے اعتبار سے بیعت کرنا فرض بھی کیا جائے تو حضرت علیؑ کی مجبوری خود روایت سے ظاہر ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت فاطمہؑ کے انتقال کے ساتھ ہی سب کی نگاہیں پھر گئیں۔ روضۂ رسولؐ کی مجاوری بھی نہ چھوڑ سکتے تھے۔ رہنا سہنا مدینہ ہی میں تھا۔ صلح کرلی اگر حضرت فاطمہؑ کی وفات نہ ہوتی اور مدینہ والوں کے منہ آپ کی طرف سے نہ پھر جاتے تو کیا عجب ہے کہ عمر بھر بھی صلح نہ کرتے۔ وحیدالزماں صاحب کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے بیعت کرلی تو وہ بھی اجماع میں شریک ہوگئے۔ اللہ سمجھ عنایت فرمائے اگر اسی طرح بائیکاٹ کرکے اجماع ہوتا ہے ہوتا تو سبحان اللہ واہ رے اجماع۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی حضرت ابوبکر سے ناراضگی کی روایت پر مولوی وحیدالزماں صاحب نے جو اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس پر حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم نے اپنے نوٹ میں حسب ذیل تبصرہ فرمایا ہے۔ مولوی وحیدالزماں صاحب اس ناراضگی پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں جو جناب فاطمہؑ اور ابوبکر کے درمیان تھی جس کی وجہ سے جناب سیدہؑ کو اندیشہ تھا کہ اگر دن میں جنازہ اٹھایا گیا تو حضرات ابوبکر و عمر وغیرہ مخالفین گھس بیٹھ کرکے خواہ مخواہ شریک جنازہ ہوجائیں گے اور اگر ان کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت نہ دی گئی تو کشت و خون کی نوبت آئیگی اس وقت قاعدہ یہ تھا کہ خلیفہ نماز جنازہ پڑھایا کرتا تھا مگر حضرت علیؑ و فاطمہؑ نے گوارا نہ کیا کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھائیں (بالفاظ دیگر) جب جناب فاطمہؑ کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر حضرت علیؑ نے رات ہی کو ان کو دفن کردیا اور ابوبکر کو ان کی وفات کی خبر نہ دی اور حضرت علیؑ نے ان پر نماز پڑھی۔ مولوی وحیدالزماں صاحب ناحق گواہ چست کے مصداق ہوتے ہیں۔ خلافت کی بڑھوں دوڑ اور حضرت علیؑ اور بنی ہاشم کی ناراضگی کا اصلی سبب خود روایت میں موجود ہے۔ عذر گناہ بدتر از گناہ اور ملاحظہ ہو مولوی وحیدالزماں صاحب فرماتے ہیں کہ بنی ہاشم آنحضرتؐ کی وفات کے صدمہ میں مبتلا تھے۔ اس وجہ سے انہوں حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کی۔ اگر یہ سچ ہے تو معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کے مرنے کا جو غم تھا وہ سب بنی ہاشم ہی کو تھا۔ ابوبکر و عمر وغیرہ نے یہ غم نہ خریدا۔ حضرت علیؑ کا حضرت فاطمہؑ کی دلجوئی اور تیمارداری میں معروف رہنا بھی حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرنے کا معقول عذر ہے۔ رسول اللہ کی صاحبزادی کی دلجوئی تسلی اور تیمارداری صرف حضرت علیؑ پر ہی واجب تھی۔ دوسروں کو اس طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت تھی بقول مولوی صاحب رسول اللہؐ کی وفات کا صدمہ بنی ہاشم کو ہوا اور حضرت فاطمہؑ کی تیمارداری حضرت علیؑ کو کرنی پڑی۔ سچ ہے جگر جگر دگر دگر۔"

تیسر البخاری پارہ (۱۲) کتاب جہاد و سیر ص ۶۳ پر ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر اپنی خلافت میں ان جائیداد کی آنحضرتؐ کی بیویوں کے اور دوسرے ضروری مصارف کرتے رہے۔ لیکن حضرت عثمان نے اپنی خلافت میں فدک بطور

مقطعہ کے مروان کو دیدیا۔ حضرت عثمان بہت غنی تھے ان کو یہ ضرورت نہ تھی کہ فدک سے اپنے مصارف چلاتے تو انہوں نے مروان کو جو ان کا عزیز تھا یہ جائیداد دے دی" وحید الزماں صاحب نے تو فدک کو حضرت عثمان ہی کی ملک قرار دیا اور مروان کو فدک دینے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حضرت عثمان خود مالدار تھے فدک سے اپنے مصارف چلانے کی ان کو ضرورت نہ تھی"

"افسوس صد افسوس وہ فدک جس کے نہ دینے سے جناب سیدہؑ ناراض ہوئیں اور حضرت ابوبکر سے مرتے دم تک بات نہ کی اپنے جنازہ پر ان کا پرچھاواں نہ ڈلنے دیا۔ وہ فدک حضرت عثمان نے اپنے سالے مروان کو جاگیر میں دیدیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مروان کو حضرت عثمان کا سالا لکھتے ہوئے مولوی وحید الزماں صاحب کو شرم معلوم ہوئی اسلئے اُچٹتے ہوئے صرف عزیز کہہ دیا۔ حضرت عثمان کا یہ عمل بھی قابل داد ہے کہ فدک کے متعلق نہ رسولؐ کی پیروی کی نہ ابوبکر و عمر کی ہے۔ زدیم بر صف رندان و ہرچہ بادا باد۔ فدک کے بارے میں اگر قیامت میں سوال ہوا تو جوابدہی بآسانی ہوسکتی ہے بشرطیکہ مولوی وحید الزماں صاحب کو وکیل کرلیا جائے۔" (حضرت والد صاحب مرحوم کا تبصرہ ختم ہوا)

بعض بزرگان صحابہ کا حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرنا

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ بنی ہاشم نیز زبیر اور مقداد، سلمان فارسی، ابوذر غفاری اور عمار یاسر نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ حضرت عمر اور دوسرے اشخاص نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی مگر کل انصار یا بعض انصار اور بالخصوص سعد بن عبادہ نے کہا کہ ہم سوائے علی کے اور کسی کی بیعت نہ کریں گے۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر کی یا حضرت عمر کی بھی بیعت نہیں کی اور شام چلے گئے جہاں ان کے قبیلہ کے کچھ لوگ رہتے تھے۔

صحیح بخاری اور تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ قتل اللہ سعد بن عبادہ انہ منافق۔ یعنی اللہ سعد بن عبادہ کو قتل کرے وہ منافق ہے۔ تاریخ بلاذری میں ہے کہ حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں محمد بن اسلمہ انصاری (جو سعد بن عبادہ کے مخالف قبیلہ کے تھے) اور خالد بن ولید کو مدینہ سے سعد بن عبادہ کے قتل کے لئے شام روانہ کیا اور ان دونوں نے چھپ کر تیر مار کر سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا اور مشہور یہ کیا گیا کہ جنوں نے ان کو مار ڈالا ہے۔

ابن محمد عسقلانی اور بلاذری اپنی تاریخ میں، محمد خاوند شاہ روضۃ الصفا میں اور ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں کہ سعد بن عبادہ، ان کے قبیلۂ خزرج اور قریش کے ایک گروہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور نیز اٹھارہ بزرگان صحابہ نے بیعت نہیں کی اور رافضی ہوگئے۔ یہ لوگ علی ابن ابی طالب کے شیعہ تھے۔ ان اٹھارہ اصحاب کے نام یہ تھے (۱) سلمان فارسی (۲) ابوذر غفاری (۳) مقداد بن اسود الکندی (۴) عمار یاسر (۵) حذیفہ بن الیمان (۶) جابر ابن عبداللہ انصاری (۷) ابوایوب انصاری (۸) عبداللہ ابن عباس (۹) سعد بن عبادہ (۱۰) قیس بن عبادہ (۱۱) بریدہ اسلمی (۱۲) ابی بن کعب (۱۳) زید بن ارقم (۱۴) خالد بن سعید بن العاص اموی (۱۵) خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین (۱۶) ابوالہیثم بن التیہان (۱۷) سہل بن حنیف (۱۸) عثمان بن حنیف۔

ابو ایوب انصاری سے ایک مفصل روایت شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۱۸ میں حموینی سے، سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ فی القربیٰ مودۃ پنجم میں، دیلمی نے فردوس الاخبار میں نیز دیگر علمائے اہل سنت نے بھی کی ہے کہ جب لوگوں نے ابو ایوب انصاری پر اعتراض کیا کہ تم نے ابوبکر کی بیعت کیوں نہیں کی اور کیوں علیؑ کے طرفدار ہوگئے تو انہوں نے جواب میں حضرت رسولؐ کی یہ حدیث سنائی کہ میں ایک روز رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ عمار یاسر وارد ہوئے اور آنحضرتؐ سے ایک سوال کیا۔ حضرت رسول نے فرمایا اے عمار اگر تمام لوگ ایک راستہ پر جائیں اور تنہا علیؑ ایک راستہ پر تو تم علیؑ ہی کے راستہ پر چلنا اور دوسروں سے بے نیاز ہو جانا اے عمار! علیؑ تم کو ہدایت کے راستہ سے برگشتہ نہ کریں گے اور ہلاکت کی طرف نہ پہونچائیں گے۔ اے عمار! علیؑ کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

یعقوبی نے اپنی تاریخ میں حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرنے والوں میں یہ نام لکھے ہیں: سلمان، ابوذر، عمار یاسر، مقداد، عباس ابن عبد المطلب، فضل ابن عباس، زبیر بن العوام بن العاص، خالد بن سعید، ابی بن کعب اور براء بن عازب۔

مقداد اور عمار یاسر کا احتجاج

تاریخ کامل ابن اثیر اور تاریخ طبری میں ہے کہ مقداد نے کہا کہ میں نے ایسا برتاؤ نہیں دیکھا جیسا کہ اہلبیتؑ نبوتؐ کے ساتھ ان کے نبیؐ کے بعد کیا گیا مجھے تعجب ہے کہ قریش نے ایسے شخص کو ترک کیا جس سے بڑھ کر نہ میں کسی کو عالم جانتا ہوں نہ اقضے بالعدل کہہ سکتا ہوں۔ خدا کی قسم اگر میں ناصر مددگار پاتا۔ مقداد اتنا کہنے پائے تھے کہ عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ اے مقداد! اپنی جان کے لئے ڈرو۔ مجھے خوف ہے کہیں تم پر فتنہ برپا نہ ہو مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ مقداد نے کھڑے ہو کر کہا کہ جیسی ایذا اہلبیتؑ رسالتؐ کو پہونچائی گئی ہے ایسی تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ عبد الرحمن نے کہا اے مقداد تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ مقداد بولے کیوں نہ کہوں کہ میں اہلبیت رسالت کو جب رسولؐ کی وجہ سے دوست رکھتا ہوں اور بیشک حق ان ہی کے ساتھ ہے اور ان ہی میں ہے اے عبد الرحمن میں تعجب کرتا ہوں قریش سے جنھیں تم غلبہ دلانے کی کوشش کرتے ہو اور جو اس بات پر مجتمع ہوئے ہیں کہ رسولؐ کی محبت اور عظمت کو آنحضرتؐ کے بعد ان کے اہلبیتؑ سے چھین لیں اے عبد الرحمن! آگاہ ہو کہ میں انصار و مددگار پاتا تو خدا کی قسم قریش کے ساتھ اسی طرح قتال کرتا جس طرح میں نے بدر میں جنگ کی ہے۔ تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ عمار بن یاسر نے کہا کہ ایہا الناس خدائے عزوجلال نے اپنے دین کے ساتھ ہم کو عزت دی اور اپنے نبیؐ کے سبب سے ہم کو بزرگی عطا فرمائی۔ پس تم امر خلافت اپنے نبیؐ کے اہلبیتؑ سے کہاں پھیر رہے ہو۔ مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ عمار یاسر نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر کہا کہ اے قریش جبکہ تم امر خلافت کو اپنے نبیؐ کے اہلبیت سے پھیر کر کبھی یہاں لے گئے اور کبھی وہاں تو تم کو اس بات سے بھی خوف نہ ہونا چاہیئے خدا اس امر کو تم سے لے کر تمہارے غیر کو دیدے جیسا کہ تم نے اس کو اس کے اہل سے لے لیا ہے۔

اسامہ بن زید کا اعتراض

تاریخ خمیس اور تاریخ طبری میں ہے کہ اسامہ بن زید نے حضرت ابوبکر و عمر پر اعتراض کیا کہ حکم رسولؐ سے میں تمہارا سردار بنایا گیا تھا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اپنے حکم ہونے کے

ہاتھ پر بیعت کر دں۔

خلافت حضرت ابوبکر و حضرت عمر پر ابو قحافہ والد حضرت ابوبکر کا طنز اور ترکہ حضرت ابوبکر سے اپنا حصۂ شرعی نہ لینا

ایسی کئی روایتیں ہیں کہ حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ نے حضرت ابوبکر کی خلافت پر اظہارِ تعجب کیا اور آپکی حیات میں حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا تو ان کے ترکہ سے حِصّہ بھی نہیں لیا۔ اور حضرت عمر کی خلافت پر طنز کیا۔

حاکم نے مستدرک میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ کو یہ خبر سنائی گئی کہ آپکے صاحبزادے رسول اللہ کی جگہ بٹھائے گئے ہیں تو ان کو تعجب ہوا اور پوچھا کہ بنی عبد مناف اور بنو مغیرہ اس پر راضی ہوگئے۔ ابن مسیب نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ کو حضرت ابوبکر کے انتقال کی خبر لوگوں نے سنائی تو آپ نے پوچھا ابوبکر کی جگہ کون ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عمر۔ اس پر ابو قحافہ نے فرمایا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ ابوبکر کے دوست" سیوطی نے مجاہد سے روایت کی ہے ابو قحافہ نے اپنے بیٹے حضرت ابوبکر کے ترکہ سے اپنا حِصّہ شرعی نہیں لیا۔ حضرت ابو قحافہ کا اپنے بیٹے حضرت ابوبکر کی خلافت پر اظہارِ تعجب کرنا اور پھر حضرت عمر کی خلافت پر طنز کرنا کہ وہ حضرت ابوبکر کے دوست ہونے کی وجہ سے خلیفہ بنے اور پھر حضرت ابوبکر کے ترکہ سے اپنا حِصّہ شرعی لینے سے انکار کرنا یہ سب اُمور ملا کر ایک سوالیہ نشان بن جاتے ہیں کہ خود حضرت ابوبکر کے والد ان کی اور پھر حضرت عمر کی خلافت کے متعلق کیا خیال رکھتے تھے کتب شیعہ میں یہ مزید تفصیل دیکھنے میں آتی ہے کہ ابو قحافہ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ بنی ہاشم اور علیؑ کے ہوتے ہوئے تم کیسے خلیفہ بن گئے۔ جب حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ میں صحابی رسولؐ اور عمر میں زاید ہوں تو ابو قحافہ نے کہا کہ صحابیٔ رسولؐ اور تجھ سے عمر میں زائد تو میں تیرا باپ موجود ہوں۔

خلافت حضرت ابوبکر پر مالک ابن نویرہ کا اعتراض اور مالک کی سرگزشت

تاریخ خمیس تاریخ طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر میں یہ واقعات درج ہیں کہ حضرت رسولؐ کے صحابی مالک ابن نویرہ بنی تمیم کے سردار قبیلہ تھے۔ بہت ہی نیک صفات و شجاع و شیریں کلام اور مخلص مسلمان تھے اور حضرت علیؑ کے مطیع اور وابستۂ دامن تھے جب بعد رحلت ختمی مرتبت مالک مدینہ آئے تو بروز جمعہ حضرت ابوبکر کو منبر پر خطبہ پڑھتے دیکھکر بے حد رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ تم ہمارے دینی بھائی نہیں ہو۔ جواب دیا ہاں۔ پھر کہا کہ آنحضرتؐ نے جس شخص کو ہم پر وصی بنایا تھا وہ کہاں ہیں؛ لوگوں نے کہا کہ بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ایک کام کے بعد دوسرا کام درپیش ہو جاتا ہے۔ مالک نے کہا کہ کوئی کام خدا کی قسم ان کو (حضرت علیؑ) لاحق نہیں ہوا بلکہ تم نے خدا اور رسولؐ کے امر میں خیانت کی ہے۔ پھر حضرت ابوبکر کی طرف رُخ کرکے فرمایا علیؑ ابن ابی طالب وصی پیغمبر کے ہوتے ہوئے تمہیں کس نے منبر پر چڑھا دیا۔ حضرت ابوبکر نے حاضرین سے کہا کہ اس اعرابی کو مسجد سے نکال دو۔ پس قنفذ (غلام حضرت ابوبکر) اور خالد بن ولید اُٹھے اور مالک کو دھکے دیکر نکال دیا۔ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ پر درج ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے کے عذر پر جنگ

کرنے حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو مالک ابن نویرہ کے مقابلہ کو بھیجا۔ واضح رہے کہ یہ لوگ زکواۃ کے منکر نہ تھے بلکہ حضرت ابوبکر کو زکواۃ دینے سے یہ کہکر انکار کیا کہ ہم زکواۃ (نبی) پیغمبرؐ کو دینگے غرض خالد نے مالک اور ان کے اہل و عیال کو اسیر کر لیا اور باوجود لوگوں کے گواہی دینے کے مالک مسلمان ہیں اور احکام خدا کی پابندی کرتے ہیں۔ مگر چونکہ مالک کی بیوی ام تمیم دختر منہال نہایت حسین عورت تھی اسکی خاطر خالد نے مالک کو قتل کر کے اسی شب مالک کی بیوی سے مجامعت کی اور مالک کے سر کا چولھا بنا کر اس پر دیگچی چڑھائی گئی۔ جب یہ خبر حضرت ابوبکر کو ملی تو خوش ہو کر کہنے لگے دوسری عورتیں خالد جیسا بہادر جننے سے عاجز ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۱ ونیز تاریخ کامل ابن اثیر صفحہ ۱۲۱)

جب حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ خالد نے مالک کی زوجہ سے زنا کیا ہے اسے سنگسار کر داؤ تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ خالد سے تاویل میں خطا ہو گئی ہے۔ یعنی خطائے اجتہادی ہے اور میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا جسے خدا نے لوگوں پر کھینچا ہے۔ قابل غور ہے کہ خالد کے علانیہ خلاف شرع حرکات ایک مسلمان کے ہتھیار ڈال دینے اور اسیر ہونے کے بعد زکواۃ دینے کے عذر پر قتل کر دینے اور اس کی بیوہ سے اسی شب زنا کرنے کو کس طرح جائز ٹھہرایا جا سکتا ہے پھر اسکی کیا دلیل ہے کہ خالد کو اللہ تعالیٰ نے مامور کیا تھا اللہ کی تلوار کا خطاب ان کو کس نے دیا۔ کونسی آیت یا کونسا ارشاد رسولؐ اس بارے میں ہے۔ حیات رسولؐ میں تو خالد کا کارنامہ تھا کہ جنگ اُحد میں جب یہ مشرکین کی فوج میں شریک تھے تو موقع پا کر خالد نے لشکر رسولؐ پر چھاپہ مارا تھا۔ جنگ حنین کے موقع پر خالد بن ولید ہی سب سے پہلے تھے جو حضرت رسولؐ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر فرار ہوئے تھے اور یہ وہی خالد تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی مسلمانوں کو قتل کیا تھا اور آنحضرتؐ نے اس سے بیزاری ظاہر فرمائی تھی (ملاحظہ ہو تیسیر البخاری پارہ ۱۲ کتاب الجہاد صفحہ ۱۰ اور پارہ ۱۷ کتاب مغازی صفحہ ۷۶ اور پارہ ۲۶ صفحہ ۳۳)

عبداللہ ابن عباس کا حضرت عمر سے خلافت کے متعلق مکالمہ

تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر جزری میں عبداللہ ابن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ ایک روز حضرت عمر نے (اپنے زمانہ خلافت میں) مجھ سے پوچھا کہ اے ابن عباس محمد صلعم کے بعد کس بات نے تم (بنی ہاشم) کو امر خلافت سے محروم رکھا میں نے اس کا جواب دینا خلاف مصلحت سمجھ کر کہا کہ اگر میں نہیں جانتا تو آپ مجھے آگاہ کریں۔ حضرت عمر نے کہا کہ قوم نے اس بات سے کراہت کی کہ نبوت اور خلافت دونوں تم میں جمع ہوں اور تم اس پر خوش ہو کر اتراتے پھرو چنانچہ قوم اس کے اختیار کرنے میں مصیب اور موفق ہوئی۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ خفا نہ ہوں تو میں بھی کچھ عرض کروں۔ انہوں نے فرمایا کہو۔ میں نے کہا کہ آپ کا فرمانا قابل نظر ہے کہ قوم خلافت کے اختیار کرنے میں مصیب و موفق ہوئی اس لئے کہ اگر قوم خلافت کو خدا کی مرضی کے موافق اختیار کرتی تو بلاشبہ مصیب ہوتی۔ نیز آپ کا یہ فرمانا بھی قابل نظر ہے کہ قوم نے ہم میں نبوت اور خلافت کے جمع ہونے سے کراہت کی۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ قوم کی کراہت کا وصف اپنے کلام میں ان الفاظ سے فرماتا ہے

ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ یعنی چونکہ حکم خدا سے انہوں نے کراہت کی لہذا ان کے اعمال اکارت گئے) یہ سن کر حضرت عمرؓ بولے کہ افسوس اے ابن عباس خدا کی قسم تمہاری نسبت مجھے ایسی باتوں کی خبریں پہونچائی گئی ہیں جن کو کرید کر تمہاری منزلت اپنے دل سے زائل کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے کہا اے امیرالمومنین آپ فرمائیں تو سہی اگر درحقیقت وہ باتیں حق پر مبنی ہیں تو میری منزلت ضائع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ تم (بنی ہاشم) کہتے ہو کہ خلافت ہم سے بہ ظلم و حسد لی گئی ہے۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین ظلم کا مفہوم تو ہر جاہل و علیم پر روشن ہے رہا حسد پس ابلیس نے حضرت آدمؑ پر حسد کیا اور ہم آدمؑ ہی کی اولاد ہیں محسود ہوا چاہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اے بنی ہاشم تمہارے قلوب میں حسد اور کینہ کے سوائے کچھ نہیں ہے اور حسد اور کینہ بھی ایسا جو مٹ نہیں سکتا۔ میں نے کہا بس اے امیرالمومنین ان لوگوں کے قلوب کو حسد اور کینہ کے ساتھ منسوب نہ کیجئے جن کو بمصداق آیۂ تطہیر خدا نے ہر برائی اور خباثت سے پاک و صاف رکھا ہے اور غور کیجئے کہ خود رسول اللہؐ کا قلب بھی قلوب بنی ہاشم میں سے ہے۔ حضرت عمر نے (بگڑ کر) کہا کہ اے ابن عباس میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ جب میں نے اٹھنے کا قصد کیا تو انہوں نے بہ مقتضائے شرم مجھے پھر بٹھا دیا اور فرمایا کہ اے ابن عباس! واللہ میں تمہارے حقوق کی حفاظت ملحوظ رکھوں گا اور تمہاری بھلائی کا خواہاں رہوں گا۔ میں نے کہا اے امیرالمومنین تم پر اور کل مسلمانوں پر ہمارا حق ہے۔ جس نے اس کو ملحوظ رکھا مصیب ہوا اور جس نے اسکو ضائع کیا خطا کی۔

حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت کے متعلق امیر معاویہ کا اظہار خیال

امیر معاویہ نے محمد بن ابوبکر کے نام ایک خط میں صاف طور پر یہ لکھا کہ حضرت ابوبکر و عمر ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے باہم سمجھوتہ کر کے استبدادی طریقہ پر علیؑ کے حق کو چھین لیا اور امر خلافت کے متعلق علیؑ کی مخالفت کی۔ اگر وہ ایسا برتاؤ عمل میں نہ لاتے تو ہم بھی علیؑ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ ان کے مطیع رہتے۔

تاریخ مروج الذہب مسعودی سے ہم محمد بن ابوبکر کا خط اور معاویہ کے جواب کا متن درج ذیل کرتے ہیں۔

جنگ صفین سے پہلے محمد بن ابوبکر نے (جو حضرت علیؑ کے طرفدار تھے) معاویہ کو ایک خط اس مضمون کا لکھا

• محمد بن ابوبکر کی جانب سے گمراہ معاویہ بن صخر کو (حضرت علیؑ کے بہت سے فضائل کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں) حضرت علیؑ ان تمام باتوں میں ایسی سبقت لے گئے کہ نہ پیروانِ رسولؐ میں ان کا نظیر ہو سکتا ہے اور نہ اعمال حسنہ میں کوئی ان کی برابری کر سکتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تو ان پر فوقیت ڈھونڈتا ہے حالانکہ تو تو ہی ہے اور وہ وہ ہی ہیں۔ وہ اپنی نیت کی بنا پر اصدق الناس اور اپنی ذریت کے اعتبار سے افضل الناس اور فاطمہ زہراؑ کے شوہر ہونے کی وجہ سے خیرالناس اور ان کے باپ وہ شخص ہیں جو پیغمبر خداؐ کی تکلیفوں کو دور کرتے رہے اور ان کے چچا سید الشہداء جنگ احد میں شہید ہوئے اور اے معاویہ تو خود بھی نفریں کردہ شدہ ہے اور تیرا باپ بھی۔ تم باپ بیٹے رسول اللہؐ کی ایذا رسانی کے خواہاں اور نور خدا کے بجھانے میں کوشاں رہے ایسی حالت میں تیرا باپ مر گیا اور تو اس کا قائم مقام ہوا۔ وائے ہو تجھ پر کہ تو علیؑ کے مقابل ہیں

آتاہے۔ حالانکہ علیؑ وارث و وصی رسولؐ ہیں۔ علیؑ کی اولاد رسول مقبولؐ کی اولاد ہے اور علیؑ پیغمبر خدا کی پیروی کرنے اور آنحضرتؐ سے اقرب ہونے میں اول الناس ہیں جن کو آنحضرتؐ نے اپنے تمام اُمور و اسرار پر آگاہ و مطلع کیا اور تو خود بھی ان کا دشمن اور تیرا باپ بھی ان کا دشمن تھا۔ تو خدا کو دھوکہ دے رہا ہے۔ جس نے تیرے مکر کے باوجود ڈھیل دے رکھی ہے۔ وہ تیری گھات میں ہے اور تو اس سے بے خبر۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔" اس کے جواب میں معاویہ نے لکھا۔

" اپنے پدر کو عیب لگانے والے پسر محمد بن ابی بکر کے منجانب معاویہ ابن صخر واضح ہو کہ ہم سب جن میں تیرے باپ بھی شامل ہیں علی ابن ابی طالبؑ کا فضل اور ان کے حقوق کا لازم اور میبرد ہونا اچھی طرح جانتے تھے مگر جب خدا نے اپنے رسولؐ کو دین و حجت کے کامل اور آشکار ہونے کے بعد اپنے پاس بلالیا تو تیرے باپ اور ان کے فاروق ہی اوّل وہ شخص تھے جنھوں نے باہم اتفاق کر کے علیؑ کے حق کو چھین لیا اور امر خلافت کے متعلق علیؑ کی مخالفت کی۔ پھر دونوں صاحبوں نے علیؑ کو اپنی بیعت کے لئے بلایا مگر وہ عرصہ تک کنارہ کش رہے۔ چنانچہ اسی کنارہ کشی پر دونوں صاحبوں نے علیؑ کی نسبت ایسے اہم اور عظیم منصوبے قائم کئے کہ علیؑ کو مجبور ہونا پڑا تاہم ان دونوں صاحبوں نے علیؑ کو نہ اپنے کسی امر میں شریک کیا اور نہ اپنے بھید کی اطلاع دی حتیٰ کہ وہ دونوں دُنیا سے گزر گئے اور عثمان ان کے قائم مقام ہوئے اور ان کی سیرت و طریقت پر پورا عمل کیا۔ اے ابوبکر کے بیٹے تو اپنے بالشت کو اپنی انگلیوں کی درمیانی وسعت پر قیاس کر جس معاملہ کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں اگر وہ ٹھیک ہے تو تیرے باپ ہی نے استبدادی طریقہ سے اس کی ابتداء کی اور ہم سب ان کے فعل میں شریک رہے اگر تیرے باپ قبل ازیں ایسا برتاؤ عمل میں نہ لاتے تو پھر ہم بھی علیؑ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ ان کے مطیع رہتے جب ہم نے تیرے باپ کو ایسا کرتے دیکھا تو انہیں کی مثال ہم نے اختیار کی۔ اب اگر تو عیب و الزام لگائے تو اپنے باپ پر لگائے یا اس خیال کو چھوڑ دے۔ والسلام۔"

ایک یہودی عالم کا حضرت عمر کی خلافت پر اعتراض

احسن الکبار میں عمر عاص سے منقول ہے اور اسکو علامہ کشفی ترمذی نے کوکب دری کے صـ۲۷۲ پر درج کیا ہے کہ ابوبکر کے انتقال کے بعد جب عمر مسند نشین ہوئے تو ایک یہودی عالم نے آکر کہا کہ تم میں کتاب خدا اور سنت پیغمبر کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ عمر نے علی کی طرف اشارہ کیا۔ اُس عالم نے کہا اے خلیفہ جب تو خود اقرار کرتا ہے کہ وہ اعلم ہے تو پھر لوگوں سے تو بیعت کیوں لیتا ہے۔ اس کے بعد یہودی عالم حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہوا اور مختلف سوالات کیے اور جوابات سنکر مسلمان ہوا اور کلمہ پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد انّ محمد الرسول اللہ و اشھد انک وصی رسول اللہ۔

یزید کا خط عبداللہ بن عمر کے نام

تاریخ بلاذری کے صـ۲۶۲ پر ہے کہ قتل امام حسینؑ کے بعد عبداللہ بن عمر نے یزید کو لکھا کہ اسلام میں مصیبت عظیم واقع ہوئی اور حادثہ جانکاہ رونما ہوا۔ یزید نے جواب میں لکھا کہ اے احمق میں خانہ مستحکم میں فرش گستردہ

سے ایسے ظلم کی سنت باشت ہائے بلند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوں پس اس مثال میں جناب غیر برحق ہیں تو یہ الزام تجھ پر ہے کہ آگے تمہارے بزرگوں سے جاری ہوئی۔ اسی بنا پر لوگوں نے کہا ہے کہ حسینؑ قتل ہوئے اجماع سقیفہ کے دن۔ یزید نے اس خط میں اپنے باپ معاویہ کے نام حضرت عمر کے خط کی تفصیل بھی دی ہے جس میں انہوں نے اپنی منافقت کا کھلا اظہار کیا ہے اس خط کا متن ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

حضرت عمر کا خط معاویہ کے نام

اسی باب میں مختلف تاریخوں کے حوالہ سے اس امر کا تذکرہ آچکا ہے کہ وادی عقبہ میں حضرت رسول کے قتل کی نیت سے پتھر پھینکنے والوں میں حضرت عمر اور معاویہ بھی شریک تھے اور یہ اُن افراد میں بھی شامل جنھوں نے کعبہ میں جاکر علی کو خلافت سے دور رکھنے کا تحریری معاہدہ کرکے دستاویز حضرت عمر کے سمدھی ابو عبیدہ جراح کے پاس رکھا دی تھی۔ حضرت رسول کے انتقال کے بعد جب ابو سفیان نے اپنے رسوخ سے حضرت ابوبکر و عمر کو اقتدار سے ہٹانے کی دھمکی دی تو حضرات شیخین نے ابو سفیان سے سازش کرکے اسکے بیٹے یزید کو پھر اس کے مرنے کے بعد معاویہ کو شام کا حاکم بنا دیا تھا اور معاویہ کی طاقت کو مستحکم کرنے زیادہ سے زیادہ علاقے ان کی حکومت میں دیتے گئے۔

جب حکومت حضرت عثمان تک پہنچی تو ابو سفیان نے انکو اچھی طرح ذہن نشین کرایا کہ حکومت ہاتھ آئی ہے تو اسکو گیند کی طرح اچھالو اور بنو امیہ کے خاندان میں حکومت رہنے کا پورا بندوبست کردو عثمان کے انتقال کے بعد جب معاویہ نے حضرت علی سے بغاوت کرکے جنگ صفین آغاز کی تو محمد بن ابوبکر نے جو حضرت علی کے شیدائیوں میں تھے معاویہ کو خط لکھا کہ اپنے اس غلط عمل سے باز رہے اس کے جواب میں معاویہ نے محمد بن ابوبکر کو لکھا کہ علی کو خلافت سے دور رکھنے کی داغ بیل تو شروع ہی سے تیرے باپ ابوبکر اور چچا عمر نے ڈالی ہے اور ہم بھی ان کے ہم نوا رہے اب الزام دینا ہے تو اپنے باپ کو دے (اس خط کا ذکر ہم نے باب ہشتم ص۴۳۶ پر کیا ہے)

حضرت عمر نے جو حضرت رسول سے علانیہ مقابلہ پر آگئے تھے اور جنھوں نے صاحب سرالنبی حذیفہ بن یمان بار بار پوچھنے کے بعد کہ آیا رسول اللہ نے عقبہ میں پتھر پھینکنے والوں میں اُنکا نام بھی بتایا تھا آخر زچ ہوکر خود ہی کہہ دیا کہ "انا من المنافقین"۔ یعنی میں منافقوں میں سے ہوں اپنی حکومت کے زمانہ میں سابقہ اسکیموں کے شریک معاویہ کو جب وہ شام کے حاکم تھے حضرت عمر نے ایک خط لکھا جسمیں اپنی منافقت کا کھل کر اظہار کرکے جتایا تھا کہ آل محمد کی بیخ کنی سے غافل نہ رہنا اور ایسا بندوبست کرنا کہ ذریت محمد کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ چنانچہ معاویہ نے خلافت پر قبضہ کرنیکے بعد اپنی زندگی کے آخری دنوں میں یزید کے ہاتھ پر لوگوں سے بیعت کروادی۔ جب یزید کو حکومت مل چکی اور اس نے کربلا میں حسین کو مع خانوادہ رسول قتل کرا دیا تو عبداللہ بن عمر نے (جنھوں نے بعد میں خود یزید کی بیعت کرلی) یزید کو ایک خط لکھا کہ

قتل حسین سے تو نے اسلام کو ایک مصیبت عظیم میں ڈال دیا ہے تو یزید نے ایک لمبا چوڑا خط عبداللہ بن عمر کو لکھا جسمیں حضرت عمر کے اُس خط کا مضمون بھی دہرایا جو اُنھوں نے معاویہ کو لکھا تھا۔ اس خط کا متن احمد بن یحیٰی بن صابر بلاذری کی تاریخ الجامع بلاذری (سنہ ۲۰۰ ہجری) کے صہ ۶۲ پر اور نیز نعمت اللہ جزائری کی انوار النعمانیہ جزو اول کے صہ ۲۱ پر درج ہے۔ اسکی اصل عبارت اور حضرت عمر کے خط کے متن کی حد تک ترجمہ ہم درج ذیل کرتے ہیں:۔

ما ذکرہ البلاذری وھو من الجمہور فی تاریخہ قال لما قتل الحسین بن علیؑ کتب عبداللہ ابن عمر الی یزید بن معاویہ اما بعد فقد عظمت الرزیۃ وجلت المصیبۃ وحدث فی الاسلام حدث عظیم ولا یوم کیوم الحسین فکتب الیہ یزید لعنہ اللہ یا احمق انا جئنا الی بیوت منجدۃ وفرش ممھدۃ ووسائد منضدۃ فقاتلنا عنھا فان یکن الحق لنا نحن حقنا قاتلنا وان یکن لغیرنا فابوک اوّل من سن ھذا وابتزہ واستاثر بالحق علی اھلہ فبعث الی عبداللہ ابن عمر عھد الکتب ابوہ الی معٰویہ ھذا عھد من عمر بن الخطاب الی معاویۃ ابن ابی سفیان اعلم یا معاویۃ ان محمدًا قد جاءنا فلک والسحر ومنعنا فی اللات والعزّی وحول وجوھنا الی الکعبۃ التی یزعم انھا القبلۃ الاسلامیۃ فکان ھذا فی غایۃ غلوہ وعلوہ ومھارۃ فی السحر الذی ابھی بہ علی موسیٰ وعیسیٰ وکافۃ بنی اسرائیل ونحن علی الذی کنا قبل ذلک وما ترکنا اللات والعزّی والھبل ولما توفی محمد تواطینا مع اربعین رجلا من آل نحلتنا وشھدنا انہ قال الائمۃ من قریش وعزلنا علیًا عن الخلافۃ التی وضعھا الیہ وجلعلھا مخصوصۃ لہ ثم کتفنا علیًا واخرجناہ من بیتہ وجئنا بہ الی ابی بکر وامرنا الناس ببیعتہ وکنا نظاھر بسنۃ محمد لئلا یھرب الناس عنا ولکننا فی باطن الامر علی الذی کنا قبل ذلک ثم بعد ذلک انتقمنا من اولادہ وذراریہ علی حسب طاقتنا وقدرتنا واما انت یا معاویہ فاوصیک ان لا تسامح فیھا واقتل من اولادہ واحفادہ ما تصل الیہ یدک وقدرتک ولو لم تقدر علی استیصال طائفۃ خوفا من تنفر الناس وتباعدھم عنک وخروجھم علیک فکن فی باطن الامر علی دفعھم وازالتھم عن مقامھم وانحطاط مراتبھم ولا تخرج محبۃ اللات والعزّی عن قلبک فانھا طریقتنا وطریقۃ اباءنا وانا علی اثارھم مقتدون"

عمر بن الخطاب کی جانب سے معاویہ ابن ابی سفیان کے نام :-

ترجمہ :- نامۂ ہذا عمر بن الخطاب کی جانب سے معاویہ ابن ابی سفیان کے نام۔

"اے معاویہ! آگاہ ہو کہ محمدؐ نے جو کچھ ہمکو سکھلایا اور بتلایا وہ سراسر بہتان اور جھوٹ تھا۔ وہ ایسے جادوگر تھے جس نے موسیٰ عیسیٰ و بنی اسرائیل کے چراغ ٹھنڈے کرا دیئے ہمارا منہ پھروا کر نماز پڑھوائی کعبہ کی طرف ہمکو روکا۔ لات و عزیٰ کی پرستش سے ہمکو روکا۔ ہم نے اپنے معبودانِ حقیقی لات و عزیٰ کی پرستش سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ جب محمدؐ مر گئے تو ہم نے مع اپنے جتھے کے چالیس آدمیوں اور قوم قبیلہ کی امداد سے زمینِ اسلام کو روند ڈالا اور محمدؐ نے امامت کو جو قریش میں منحصر کر دیا تھا اور جس خلافت کو علی سے مخصوص کیا تھا وہ ہم نے اُن سے لے لی اور انکو گھر سے نکال کر ابوبکر کی اطاعت کا طوق ان کے گلہ میں ڈالدیا۔ صرف اس لئے کہ لوگ ہم سے متنفر نہ ہو جائیں ہم ظاہر میں محمدؐ کے طریقہ کی اتباع کرتے رہے اور باطن میں اپنے اصلی اعتقاد پر قائم رہے اور محمدؐ کی ذریت سے پورا انتقام لیا۔ اے معاویہ میں تمکو نصیحت کرتا ہوں کہ محمدؐ کے خاندان کی بیخ کنی سے غافل نہ رہنا اور اگر لوگوں کے تنفر کے خوف سے خود ایسا نہ کر سکو تو تدابیر شائستہ سے ایسا بندوبست کر دینا کہ محمدؐ کے اہل خاندان کی تذلیل و تنقیص شان ہوتی رہے اور انکو ان کے درجہ سے گرایا جائے حتیٰ کہ انکا نام صفحہ ہستی سے مٹ جائے اور تم لات و عزیٰ کی محبت سے ہرگز خارج نہ ہونا اور اپنے آبائی قدیم عقائد پر قائم رہنا۔"

حضرت عمر کا معاویہ کیلئے پہلے سے راستہ صاف کرنا

تفصیلات علیحدہ آئی ہیں مگر مختصراً یہ کہ حضرت عمر اور انکے ساتھیوں کا ہمیشہ سے یہ منصوبہ تھا کہ علی کو خلافت سے دور رکھا جائے اسکی پیش رفت میں رسول اللہ کی زندگی ہی میں کئی اقدامات کئے گئے جیسے عقبہ کا حملہ تخلف جیشِ اُسامہ ارشادِ رسولؐ کو ہذیان کہکر وصیت نامہ لکھنے سے باز رکھنا وغیرہ۔ رسول کے بعد پہلا قدم سقیفہ کی کارروائی دوسرا مرحلہ حضرت عثمان کی کتابت سے حضرت ابوبکر کی طرف سے عمر کیلئے خلافت نامہ پھر کاتبِ خلافت نامہ کیلئے شوریٰ کی شطرنج۔ گو کہ حضرت عثمان کی تمنّا اپنے بہنوئی عبدالرحمن بن عوف کو خلیفہ بنانے کی تھی مگر حضرت عمر نے اندازہ کر لیا تھا کہ علی کے واقعی حریف صرف معاویہ ہو سکتے ہیں جو مکر و فریب میں طاق ہونے کے علاوہ علی سے ذاتی پرخاش بھی رکھتے ہیں کہ علی کی تلوار سے ان کے نانا عتبہ ماموں ولید بھائی حنظلہ اور کئی بنی اُمیّہ مارے گئے تھے۔ سقیفہ کے بعد ابوسفیان کی منہ بھرائی میں انکے بیٹوں یزید پھر معاویہ کو شام کی گورنری پر جانے کے علاوہ حضرت عمر نے ابتدا ہی سے معاویہ کے لئے راستہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ ہم صرف ایک مستند حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ ابن حجر مکی اپنی کتاب تطہیر الجنان کے صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں :-

اِنَّ عمر حض الناس علیٰ اِتباع معاویۃ والہجرۃ الیہ اِلی الشام اِذا وقعت فرقۃ

یعنی: حضرت عمر لوگوں کو معاویہ کی پیروی پر ابھارتے تھے اور انھیں آمادہ کرتے تھے کہ جس وقت لوگوں میں پھوٹ پڑے تو شام کو ہجرت کر کے معاویہ سے مل جائیں۔

حضرت ابوبکر کا اپنے کو لوگوں کا بنایا ہوا امیر اور ناقابل خلافت ہونا تسلیم کرنا

بیعت ہو چکنے کے بعد حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ حاضرین مجھے آپ لوگوں نے اپنا امیر بنایا ہے حالانکہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ اگر میں کوئی بھلائی کروں تو میری مدد کرو اگر کوئی برائی مجھ سے سرزد ہو تو میری سرزنش کرو۔ جبتک میں خدا کی فرمانبرداری کروں میری اطاعت کرو جب دیکھو کہ میں نافرمانی اللہ اور رسول کی کرتا ہوں تو میری اطاعت تم پر واجب نہ ہوگی ابن سعد نے لکھا ہے کہ حسن بصری کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر سے لوگ بیعت کر چکے تو آپ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھکر فرمایا میں نے خلافت کو قبول تو کر لیا ہے۔ مگر میں اس کے ناقابل ہوں۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس کو سنبھال لے واللہ تو بہتر ہے لیکن تم نے اگر یہ تکلیف بالایطاق اس بنا پر دی ہے کہ میں تم پر مثل رسول اللہ حکم و عمل کروں سو یہ میری طاقت سے باہر ہے کیونکہ میں کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تو نہیں ہوں کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ معصوم تھے اور میں معمولی آدمی اور تم سے بہتر نہیں ہوں کہ تم پر خلیفہ بنوں۔ پس جب تک تم مجھ میں استقامت پاؤ میری اطاعت کرو اور جہاں میرا قدم ڈگمگاتا دیکھو مجھے ملامت کرو شیطان مجھ پر بھی غالب ہے۔ امام احمد بن حنبل، قیس ابن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ اگر تم لوگ سنت نبی صلعم کے متعلق مجھ سے باز پرس کریں تو میں عاجز ہوں۔ مجھ سے یہ بار نہیں اٹھایا جاتا اور شیطان مجھ پر بھی مسلط ہے۔ لائق غور ہے کہ باوجود اس کے بھی جیسا کہ ابوسعید خدری کی روایت سے ابن عساکر نے لکھا ہے کہ جب بعض صحابہ نے حضرت ابوبکر کی خلافت پر اعتراض کیا تو حضرت ابوبکر نے اپنی فضیلت اور خلافت کے قابل ہونا بیان کرنا شروع کر دیا۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں کہا کہ ہم لوگ رسول خدا کی عشرت اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

امامت کے متعلق حضرت ابوبکر کا تصور

یہ امر کہ خلافت کے متعلق حضرت ابوبکر کا کیا تصور تھا اور اپنے آپ کو وہ امام سمجھتے تھے یا نہیں ذیل کی روایت سے ظاہر ہوگا جو علامہ سیوطی قیس ابن ابی حازم کی زبانی یوں درج کرتے ہیں حضرت ابوبکر نے ایک عورت قبیلہ احمس سے دیکھی جس کا نام زینب تھا۔ وہ کلام نہیں کرتی تھی آپ نے فرمایا کہ یہ کیوں کلام نہیں کرتی۔ لوگوں نے کہا کہ اس نے خاموش رہنے کا روزہ رکھا ہے۔ آپ نے اسکو فرمایا کہ کلام کر کیونکہ یہ طریقہ ناجائز ہے پس اس نے گفتگو شروع کی اور کہنے لگی کہ تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا سردار مہاجرین اس نے کہا کہ مہاجرین کون ہیں۔ آپ نے فرمایا قریش سے ہیں اس نے کہا کہ کونسے قریش۔ آپ نے فرمایا کہ تو بہت باتونی ہے میں ابوبکر ہوں۔ اس نے کہا کہ ہم کو اس دین صالح پر جو بعد جاہلیت آیا کون قائم رکھے گا۔ آپ نے فرمایا تمہارا قیام اوپر دین کے تمہارے اماموں کے ذمہ ہے۔ اس نے کہا کہ ائمہ کون ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے قبیلہ میں سردار یا بزرگ لوگ جو تم پر حکومت کرتے ہوں نہیں ہیں۔ اس نے

کلمۃ الحق   حضرت ابوبکر کے اس قول سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔
کہاہاں ہوتے ہیں آپ نے فرمایا کہ بس وہی امام ہیں ۔ (۲) دوسرے یہ کہ جس قوم و قبیلہ کا
(۱) ایک تو یہ کہ لوگوں کو دین پر قائم رکھنے کا ذمہ دار ان کا امام ہوتا ہے
جو سردار یا حکومت کرنیوالا ہوتا ہے وہی امام ہوتا ہے (۳) تیسرے یہ کہ خود حضرت ابوبکر اپنے آپ کو امام تصوّر
نہیں کرتے تھے ورنہ اگر آپ اپنے کو امام وقت تصوّر کرتے تو اس عورت سے یہ نہ کہتے کہ اس کے قبیلہ کا سردار اسکا امام۔
یہ امر کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مامور کردہ امام   یا خلیفہ نہ تھے حضرت ابوبکر نے متعدد مرتبہ تسلیم فرمایا اور وہ روایات
درج ہو چکی ہیں جہاں آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے ان کو اپنا امیر بنایا اور انہوں نے خلافت قبول کرلی۔ مگر وہ اس کے قابل نہیں ہیں
اور یہ کہا کہ میں بھی معمولی آدمی ہوں اور تم سے بہتر نہیں کہ تم پر خلیفہ بنوں۔ شیطان مجھ پر بھی غالب ہے۔ بہرحال آپکو کسی
نوعیت کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام یہ خلیفہ مقرر کئے جانے کا نہ تھا۔

امامت کے متعلق حضرت عمرؓ کا تصوّر

منصب امامت کی حضرت عمر کی نظر میں کیا اہمیت تھی ان کے اس قول سے مترشح ہوتا ہے جو مولانا شبلی نے
"الفاروق" کے ص۲۷۷ پر نقل کیا ہے۔ حضرت عمر نے ایک خطبہ میں جو مجمع عام میں دیا تھا عاملوں کو مخاطب کرکے یہ الفاظ
فرمائے۔ یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کرکے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے" حضرت عمر کہا
کرتے تھے کہ وہ خود نہیں سمجھ سکے کہ وہ خلیفہ ہیں یا بادشاہ! اپنے آخر وقت تک بھی وہ یہ کہتے رہے کہ کئی چیزیں
آپکی سمجھ میں نہیں آئی ہیں اور حضرت رسولؐ بھی ان کو نہ سمجھا سکے جسمیں سے ایک یہ تھی کہ خلافت کیا چیز ہے۔
حضرت عمر کے ان اقوال کے حوالے اس کتاب میں دوسرے مقام پر آئے ہیں۔ عاملان حکومت کو لوگوں کا امام
بنا کر بھیجنا بھی ایک طرفہ مضمون ہے۔

قرآنی آیات کے معنی بتانے اور مسائل شرعیہ کے جواب سے حضرت ابوبکر کی معذوری

قرآنی آیات کے معنی بتانے سے کئی مرتبہ آپنے عجز ظاہر فرمایا سیوطی لکھتے ہیں کہ ابوالقاسم بغوی نے سوملیکہ سے روایت کی ہے کہ حضرت
ابوبکر سے کسی آیت کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں ایسے معنی بتادوں جو خلاف منشائے خدا ہوں تو
میں کس زمین پر بسوں اور کس آسمان کے نیچے رہوں۔ ابوعبیدہ نے ابراہیم التیمی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر سے
فکھتہ واباً کے معنی پوچھے گئے تو آپنے معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف
معنی بیان کروں تو مجھ کو زمین و آسمان پناہ نہ دیں گے۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر سے "کلالہ" کے معنی
پوچھے گئے جو قرآن میں مذکور ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں جو کچھ کہوں گا وہ میری رائے ہو گی اگر ٹھیک ہے تو خدا کا
احسان سمجھا جائے ورنہ میرا اور شیطان کا فعل خیال کرنا میری نزدیک تو اس سے سوائے ترکہ ولد اور والد مقصود
ہے جب عمر خلیفہ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ جو بات (خواہ غلط ہو) حضرت ابوبکر نے کہی ہے اسکو میں رد

کر دوں۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ و شافعی وحنبل و مالک نے قبیصہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص متوفی کی دادی حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کی میراث کا دعویٰ کیا۔ پس آپ نے کہا کہ بروئے کتاب اللہ وسنت تیرا کوئی حق اس میت کی میراث میں نہیں ہے۔ فی الحال تو چلی جا ہم دیگر صحابیوں سے دریافت کریں گے۔ پس آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا۔ مغیرہ بن شیبہ نے عرض کی کہ حضرت رسولؐ نے چھٹا حصہ اس حالت میں دلایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس موقع پر کوئی اور موجود تھا۔ پس محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ مغیرہ کا قول درست ہے۔ پس آپ نے اس پر فیصلہ خود بحق دادی سائلہ کے صادر فرمایا۔ مالک اور دار قطنی نے قاسم بن محمد سے روایت کی ہے کہ دو مستورات ایک نانی دوسری دادی نے متوفی میت کے ورثہ کا دعویٰ حضرت ابوبکر کے پاس حاضر ہو کر کیا۔ پس آپ نے ترکہ نانی کو دلا دیا اس پر عبدالرحمٰن بن سہیل انصاری نے جو جنگ بدر میں حاضر تھے اور بنی حارثہ کے بھائی تھے عرض کی کہ اے خلیفہ رسولؐ آپ نے ایسی عورت کو ترکہ عطا کیا ہے کہ اگر وہ مر جائے تو اس کا کوئی بھی وارث نہ ہو۔ یہ سن کر آپ نے نانی اور دادی دونوں کے درمیان نصفا نصف تقسیم کر دیا۔ روایات صدر سے ظاہر ہے کہ شرع کے مسائل پر حضرت ابوبکر کو مطلق عبور نہ تھا اور دیگر اصحاب سے پوچھ کر دعاوی کا تصفیہ فرمایا کرتے تھے اور جہاں آپکی غلطی کی نشاندہی کر دی جائے تو اپنے کئے ہوئے فیصلوں کو تبدیل بھی فرما دیتے تھے۔ بہرحال سنت رسولؐ اور مضائے قرآن بتانے پر قادر نہ ہونے کا آپ کو کھلے دل سے اعتراف تھا اور اس میں شبہ نہیں کہ جس کو علم لدنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا ہوا نہ ہو اور راسخون فی العلم میں نہ ہو ایسا جھوٹا دعویٰ کر بھی نہیں کر سکتا۔ بیہقی نے شعب الایمان میں ضحاک سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ کاش میں کنارہ سڑک کے ایک درخت ہوتا اور کوئی اونٹ آ کر مجھے چبا جاتا اور نگل جاتا اور پھر مینگنی کر کے نکال دیتا مگر میں انسان نہ ہوتا اور حضرت عمر نے فرمایا کہ کاش میں دنبہ ہوتا اور مجھے پال کر ایسا موٹا کیا جاتا کہ لوگ چاہ سے مجھے دیکھنے آتے پھر مجھے ذبح کر ڈالتے اور میرے کچھ گوشت کو بھون کر کھاتے اور کچھ پارچہ بنا کر پکا کر کھا جاتے مگر میں انسان نہ ہوتا (ملاحظہ ہو صـ ۹۹ تاریخ الخلفاء سیوطی مترجمہ مولانا خلیل الرحمٰن مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور طبع چہارم) سیوطی نے مزید ایک روایت قتادہ سے درج کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ کاش میں گھاس پات ہوتا جسے جانور اور چوپائے کھا جاتے۔ سیوطی نے سعد سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ کاش میں ابوبکر کے سینہ کا ایک بال ہوتا۔ سیوطی نے بیہقی روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا کاش میں مرد مومن کے سینہ کا ایک بال ہوتا۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص سے اسکی بساط سے بڑھکر منصب کے متعلق کر دیئے جانے سے جو بھاری ذمہ داریاں پڑ جاتی ہے اور بہ تقاضائے بشری اس سے جو کوتاہیاں یا فروگزاشتیں ہو جاسکتی ہیں ان کے مدنظر یہ کہا جانا کسی کے لئے بھی مناسب ہو سکتا ہے کہ کاش وہ انسان نہ ہوتا اور یہ بوجھ ذمہ داریاں اس کے گلے نہ پڑ گئی ہوتیں۔ ہاں کوئی اللہ کی طرف سے مامور کیا جائے اور علم لدنی اس کو عطا کیا جائے تو اس کو اپنی کمی علم کی شکایت نہ ہوگی۔ اس قسم کا دعویٰ مثل "سلونی قبل ان تفقدونی" یا "پوچھو مجھ سے عرش کے ستونوں کا حال کہ میں اس کے تمام کوچوں سے واقف ہوں"

کرنے کا کام کسی امام منصوص من اللہ ہی کا ہو سکتا ہے۔ عام آدمی ایسا دعویٰ کر ہی نہیں سکتا۔

حضرت علیؑ اور اہلبیت اطہارؑ کی نسبت بعض موقعوں پر حضرت ابوبکر و عمر کا اظہار خیال

اس بارے میں کہ حضرت ابوبکر و عمر کے اقوال ظاہری حضرت علیؑ اور اہلبیت علیہم السلام کے متعلق کیا تھے ہم سیوطی کی چند روایات درج کرتے ہیں۔

ابو نعیم نے عبد الرحمن اصفہانی سے روایت کی ہے نیز صواعق محرقہ میں دار قطنی کے حوالہ سے بھی اس کو درج کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت حسن تشریف لائے۔ آپ کو منبر پر دیکھکر فرمانے لگے۔ انزل عن مجلس ابیؑ یعنی میرے باپ کے منبر پر سے اُتر کھڑا ہو۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو بیشک منبر تمہارے باپ کا ہی ہے۔ حضرت حسنؑ کو گود میں لے لیا اور رو پڑے۔ حضرت علیؑ بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے حسنؑ سے کچھ نہیں کہا۔ حضرت ابوبکر نے کہا آپ سچ کہتے ہیں۔ میں کچھ آپ پر الزام تو نہیں لگاتا۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت امام حسنؑ کے حضرت عمر کو منبر سے اُترنے کہنے کے متعلق بھی ہے۔ ابن عساکر نے ابو البختری سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت عمر منبر رسولؐ پر وعظ کر رہے تھے کہ حضرت حسنؑ کھیلتے ہوئے آئے اور فرمانے لگے "انزل عن مجلس ابیؑ میرے باپ کے منبر سے نیچے اُتر جا۔ حضرت حسنؑ کی عمر اس وقت دس گیارہ سال کی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ بیشک منبر تمہارے ہی باپ کا ہے میرے باپ کا نہیں ہے مگر یہ تو بتلاؤ کہ تمہیں کس نے سکھلایا ہے حضرت علیؑ تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ حضرت عمر نے کہا کہ آپ سچ کہنے پر ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ بیشک منبر ان کے باپ کا ہی ہے (سیوطی لکھتے ہیں کہ اس روایت کے اسناد صحیح ہیں اس روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر دل میں یہی سمجھتے تھے کہ منبر رسولؐ درحقیقت حضرت علیؑ ہی کے بیٹھنے کی جگہ تھی جب ہی تو حضرت عمر نے امام حسنؑ سے کہا کہ بیشک منبر تمہارے باپ کا ہی ہے اور پھر حضرت علیؑ سے بھی فرمایا کہ آپ سچ کہنے پر کیوں امام حسنؑ پر ناراض ہوتے ہیں۔

حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے کہ ہم اہلبیتؑ پر کسی کا قیاس نہ کرنا اور فرماتے ہیں "صغارنا کبارنا موانا" یعنی ہمارے چھوٹے بھی بڑے ہیں اور اسی عمر میں آپ کو حضرت رسولؐ نے سردار اہل جنت فرمایا اور آیت تطہیر بھی آپکی شان میں نازل ہوئی بعض بچے مثلاً حضرت عیسیٰ اور حضرت زکریا بچپن ہی میں پیغمبر ہوئے جیسا کہ حضرت عیسیٰ کا جھولے سے کلام کرنا سورۂ مریم کی آیت ۳۰ میں اس طرح درج ہے۔

انی عبد اللہ آتنی الکتاب وجعلنی نبیاۃ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے اور سورہ مریم کی آیت ۱۲ ہے۔ یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ وآتینہ الحکم صبیاۃ یعنی یحییٰ کتاب توریت مضبوطی کیساتھ لے لو اور ہم نے انہیں بچپن ہی میں نبوت عطا کی۔ واقعات متذکرہ صدر کے وقت امام حسنؑ کی عمر کوئی دس گیارہ برس کی تھی اور یہ کوئی ایسی بھی عمر نہیں ہوتی کہ بالکل ناسمجھ کہا جاسکے۔

اسی عمر میں حضرت علی علیہ السلام نے حضرت رسولؐ کی رسالت کی تصدیق فرمائی تھی اور بحکم قرآن اسی عمر میں آپکو پوری کتاب خدا کا علم حاصل تھا۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ حسنینؑ لوحِ محفوظ کی عبارت حضرت رسولؐ کو سنایا کرتے تھے۔ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے تین سال کی عمر میں حضرت رسولؐ سے پورے احکامات شریعت کا علم حاصل کر لیا تھا۔ اہلبیت طاہرینؑ کے اماموں کو بچپن ہی سے علم و حکمت اور اس عمر میں ان سے معجزات کا ظہور ہونا شواہد تاریخ سے پوری طرح ثابت ہے۔ اس کتاب کے باب یازدہم میں نو دس سال کی عمر میں نویں امام حضرت محمد تقی علیہ السلام کے علم و حکمت اور معجزات کا ذکر اور مولانا عبدالرحمٰن چشتی کی کتاب کے حوالہ سے بارھویں امام علیہ السلام کا پانچ سال کی عمر میں بارہ کتب سماوی (بشمول ان کے جو فرشتوں اور واجبۃ پر نازل ہوئیں) کی تعلیم حضرت بدیع الدین زندہ شاہ مدارؒ کو دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس معصوم سلسلۂ ائمہ خاندان پیغمبرؐ کے علم سے کس کو انکار ہے۔ بہرحال حضرت حسنؑ سردار اہل جنت اور حامل طہارت ازلی تو تھے ہی آپ کے فرمانے کو محض بچوں کی بات کہکر ٹال نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے والد بزرگوار حضرت علی مرتضیٰؑ کے ساتھ اپنے جدِ نامدار حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور طریقہ اور محبت و منزلت اور ارشادات سے واقف رہ کر یہ فطری امر تھا کہ حضرت حسنؑ کو یہ یقین واثق ہو کہ منبر رسولؐ اب حضرت علی مرتضیٰ ہی کی جگہ ہے چنانچہ حضرت حسنؑ کے اس طرح فرمانے پر حضرت ابوبکر نے بھی کہا کہ تم سچ کہتے ہو۔ بیشک! منبر تمہارے باپ کا ہی ہے۔ اس روایت سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے دل میں اس امر کا احساس تھا کہ یہ منبر رسولؐ دراصل حضرت علیؑ ہی کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور آپکو جو خلافت سپرد کی گئی ہے وہ کسی اور کا حق تھا۔ ورنہ حضرت ابوبکر یہ کہتے ہوتے کہ بیشک یہ منبر حضرت علیؑ کا ہی ہے ورنہ بڑتے اور وہ بھی حضرت علیؑ کی موجودگی میں۔

سیوطی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر فرماتے تھے کہ اہلبیتؑ رسول اللہ کی تابعداری اور نگہداشت کرو۔ حضرت ابوبکر کے اس خیال سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت کے تعلق سے جو کھٹک آپ کے دل میں تھی وہ اہلبیتؑ رسولؐ کے ہی استحقاق خلافت رسولؐ کی نسبت تھی کیونکہ اہلبیتؑ رسولؐ کی تابعداری اور نگہداشت کی نصیحت دوسروں کو کرنے کے بعد یہ خلش ان کے دل میں ضرور لاحق ہوئی ہوگی کہ اہلبیتؑ رسولؐ حضرت علیؑ کے خلیفہ بننے کے بجائے خود حضرت ابوبکر خلیفہ بن گئے۔

ایک اور مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ حضرت حسنؑ نے ان سے کہا کہ تو میرا غلام ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اگر ایسا فرمایا ہے تو تیرے لئے بڑی خوش قسمتی کی بات ہے تو جا کر ان سے ایک چٹھی پر لکھوا لے کہ تو ان کا غلام ہے تاکہ تیرے لئے پروانۂ جنت حاصل ہو جائے ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمر انتظام حکومت کے کام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت حسنؑ کچھ کام سے تشریف لے گئے۔ یہ معلوم ہونے پر کہ حضرت عمر نے اپنے صاحبزادہ کو بغیر ملے واپس کر دیا ہے۔ آپ یہ سمجھ کر لوٹ گئے فرصت نہ ہوگی۔ جب حضرت عمر کو معلوم ہوا کہ آپ لوٹ کر جا رہے ہیں تو

آدمی بھیج کر آپ کو بُلایا اور کہا کہ میرے بیٹے کو آپ سے کیا نسبت ہے۔ کیا میرے سر کے بال آپ ہی کے اُگائے ہوئے نہیں ہیں۔ ریاض النضرۃ کی یہ روایت بھی قابل غور ہے جس کے شعبی ناقل ہیں کہ حضرت رسولؐ کی وفات کے کچھ دن بعد حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ زیارت قبر اطہر کے لئے آئے تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں ہرگز ایسے شخص پر تقدم نہیں کر سکتا جس کی شان میں، میں نے حضرت رسولؐ کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ علیؑ کی منزلت مجھ سے ایسی ہے جیسی کہ میری منزلت خدا سے۔ حیاتِ رسولؐ میں حضرت علیؑ کے ساتھ حضرت ابوبکر کے اس عمل اور بیان کی روایتیں بھی جا بجا صحاح ستہ میں موجود ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؑ کے چہرے کو تکا کرتے تھے اور جب لوگ پوچھتے تو کہتے کیا تم کو نہیں معلوم حضرت رسولؐ فرماتے ہیں کہ علیؑ کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے حضرت ابوبکر کے متعلق ابن سمان کی یہ روایت بھی قابل غور ہے جو قیس ابن حازم کی زبانی درج کی گئی ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ جناب امیر علیہ السلام سے ملے اور آپ کو دیکھ کر ہنسے۔ حضرت امیرؑ نے ہنسنے کی وجہ دریافت فرمائی تو کہنے لگے میں نے حضرت سرورِ کائناتؐ کو فرماتے سُنا ہے کہ قیامت کے روز علیؑ کے پروانۂ راہداری کے سوا کوئی شخص صراط سے نہیں گزر سکے گا۔ غوارزمی، دار قطنی، محب الطبری اور ابن سمانؔ نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ دو اعرابی جھگڑتے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے حضرت عمر نے جناب امیر علیہ السلام سے عرض کیا کہ یا ابوالحسن آپ ان کا فیصلہ کر دیں۔ ان دونوں میں سے ایک شخص یہ کہنے لگا کہ یہ کیا ہمارا فیصلہ کریں گے۔ حضرت عمر نے کود کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ افسوس ہے تجھ پر۔ تو نہیں جانتا یہ کون ہیں، یہ میرا اور ہر ایک مومن کا مولا ہے جس کا یہ مولا نہیں وہ مومن نہیں۔

ابوبکر ابن مردویہ نے مسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے حضرت علی علیہ السلام کو یا امیرالمومنینؑ کہہ کر سلام کیا کسی نے پوچھا کیا آپ حضرت رسولؐ کی زندگی میں بھی اسی طرح کہا کرتے تھے تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ آنحضرتؐ ہی نے ہم کو یہ حکم دیا تھا۔ احمد بن حنبل کی ایک اور مستند روایت جو خود حضرت عمر کی زبانی ہے، قابل ملاحظہ ہے حضرت عمر کہتے ہیں کہ بہ تحقیق حضرت رسول خدا حضرت علیؑ سے فرما رہے تھے کہ تم سب مومنوں سے پہلے میرے ساتھ ایمان لانے والے ہو اور تم ان سب سے خدا کی آیتوں کے ساتھ زیادہ تر علم رکھنے والے ہو۔ تم ان سب سے خدا کے عہد کو زیادہ پورا کرنے والے ہو اور ان سب سے رعیت کے ساتھ زیادہ مہربانی کرنے والے اور ان سب سے اللہ کے نزدیک بڑے رتبہ والے ہو۔ کنز العمال صـ۳۹۳ پر حضرت عمر کا یہ قول درج ہے کہ جب کبھی علیؑ کا ذکر کرو تو ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرو اور اگر تم علیؑ کو غصہ دلاؤ گے تو رسول خداؐ کو ان کی قبر میں غصہ دلاؤ گے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ جب حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی نظر میں اہلبیتؑ رسولؐ کی یہ عزت تھی کہ ان کی غلامی کو پروانۂ جنت تصوّر کرتے تھے اور ان کو اپنا مولا سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو ان کے ساختہ پر داختہ کہتے تھے۔ اور حضرت علیؑ کے دیئے ہوئے پروانے کے بغیر صراط پر سے گزرنا محال سمجھتے تھے اور جو علیؑ کو اپنا مولا نہ سمجھے اس کا مومن نہ ہونا بھی تسلیم کرتے تھے اور حضرت علیؑ کو امیرالمومنین بھی کہہ کر پکارتے تھے تو تصفیہ خلافت اور کارروائی سقیفہ بنو ساعدہ کے

وقت اور پھر حضرت عمر کے نام خلافت نامہ لکھے جانے کے وقت ان باتوں کو نسیا منسیا کرتے اور خود خلیفہ بن جانے کی کیا وجہ تھی؟
اگر قول کچھ ہو اور عمل کچھ ہو تو آخر اس کو کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ سب منھ سے کہنے کی باتیں تھیں اور دل میں کچھ اور تھا؟ منبر حضرت علیؑ کا تسلیم کرتے جانا اور خود یکے بعد دیگرے اس پر بیٹھتے جانا۔ ہر بات میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بڑے رتبہ والا علیؑ ہے کہتے جانا اور اسی بڑے رتبہ والے کو اپنا محکوم بنانے اور اس سے بہ جبر اپنی بیعت لینے کی کوشش کرنا یہ اجتماع ضدین کیا معنی رکھتا ہے۔ تصفیہ کرنا پڑے گا کہ قول و عمل میں کہاں تک یکسانیت رہی اور ارشاداتِ رسولؐ کی کیا تعمیل ہوئی؟

بخاری، طبری، ابوالفدا، ابن خلدون، مسعودی، اعثم کوفی اور سیوطی وغیرہ کی روایتوں کا خلاصہ

محمد اسمٰعیل بخاری، طبری، ابوالفدا، ابن خلدون، مسعودی، اعثم کوفی، اور جلال الدین سیوطی وغیرہ کی درج کردہ مختلف روایتوں سے جو صفحات ماقبل پر آگئی ہیں اور جن میں سے بعض آگے درج ہوئی ہیں حسبِ ذیل امور واضح ہوتے ہیں۔

(۱) حضرت رسول خدا کے انتقال کے بعد حضرت عمر پہلے تلوار لیکر مسجد میں یہ کہتے رہے کہ جو شخص کہے کہ رسول اللہؐ نے انتقال کیا اسے قتل کردوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کے انتقال کی خبر عام نہ ہونے پائے اور خلافت کا معاملہ اپنے حسبِ مرضی طے کر لیا جائے۔ اس انتظام کے بعد حضرت عمر اپنے سمدھی ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس گئے اور ان کو خلیفہ بنانا چاہا (۲) جب ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے خلیفہ بنائے جانے پر تعجب کا اظہار کیا تو اس کے بعد حضرت عمر نے خانۂ رسولؐ کے دروازے پر پہونچ کر باہر ہی سے حضرت ابوبکر کو بلا بھیجا تاکہ حضرت علیؑ اور بنی ہاشم جو خانۂ رسولؐ میں موجود تھے مطلع نہ ہو جائیں (۳) حضرت ابوبکر اور دیگر مہاجرین نے تجویز کی کہ سقیفہ بنو ساعدہ چل کر خلافت کا مسئلہ طے کریں۔
(۴) بوقت وفات رسول خدا حضرت ابوبکر ایک گروہ کے ہمراہ مدینے سے کچھ فاصلہ پر مقام "سنح" میں تھے وہاں سے آکر رسول اللہؐ کا چہرۂ مبارک دیکھنے کے بعد حضرت عمر کے دروازہ کے باہر ہی بلانے پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے سقیفہ بنو ساعدہ پہونچے۔ اگر اجماع کرنا مقصود ہوتا تو اس طرح پوشیدہ طور پر جانے کی بجائے تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے کہ اجماع اور رائے دہی کے لئے حاضر ہو جاؤ (۵) انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہونا چاہیے۔ منا امیر و منکم امیر کا نعرہ ہی یہ بتاتا ہے کہ ہر ایک کو اپنے اپنے خلیفہ بننے کی فکر تھی اور کسی کو پرواہ نہ تھی کہ اصل مستحق کون ہے؟
(۶) حضرت عمر ایک عمدہ تقریر اس موقع کے لئے تیار کرکے لے گئے تھے۔ گویا سقیفہ کو جانا اور حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانے کے لئے تقریر کی تیاری ایک سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ تھی۔ ورنہ انتقال رسولؐ کے ساتھ ہی تلوار لیکر مسجد میں ٹہلنے اور لوگوں کو قتل کی دھمکی دینے اور پھر اپنے سمدھی کے گھر جاکر ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی آمادگی ظاہر کرنے کی اس داد و دہش میں کسی عمدہ تقریر کے پہلے سے تیار کرنے کا موقع کہاں مل سکتا تھا! (۷) سقیفہ میں پہونچنے کے بعد حضرت عمر بعض کوششوں کو حضرت ابوبکر سے دور کرنا چاہتے تھے مگر حضرت ابوبکر نے ویسی ہی تقریر خود فرمائی اور ایک لفظ بھی

کی ہوئی تقریروں کی یہ ہم آہنگی بھی قابلِ غور ہے۔ (۸) حضرت ابوبکرؓ نے حصولِ خلافت کی کوشش میں تیاری کم و بیش نہ کیا۔ اپنا ادعائے خلافت اس بناء پر پیش کیا کہ خلافت اس وجہ سے قریش کا حق ہے کہ حضرت رسولؐ قریش سے تھے۔ (۹) یہ نہ تھا کہ حضرت علیؑ کا لوگوں کو خیال نہ آیا ہو بلکہ جب مہاجرین نے قریش سے ہونے کے سبب حضرت رسولؐ سے اپنی قربت پیش کی تو انصار نے کہا پھر حضرت علیؑ سے بیعت کر لو۔ (۱۰) خود حضرت ابوبکر نے انصار سے کہا کہ عرب تمہاری خلافت پر راضی نہ ہوں گے اور خاندانِ نبوت میں سے کسی کو چاہیں گے۔ (۱۱) بعض انصاریوں (مثلاً عویم بن ساعد) نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ نفاق سے باز آؤ اور خلافت خاندانِ نبوت میں چھوڑ دو (۱۲) حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ لاؤ ہاتھ بڑھاؤ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ مجھ سے قوی تر ہیں اسی میں ردوبدل ہوتا رہا۔ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کا معاملہ رہا (۱۳) جب انصار نے کہا کہ حضرت علیؑ سے بیعت کرلو تو حضرت عمر ڈرے کہ کہیں علیؑ کے ہاتھ پر بیعت نہ ہو جائے اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ ہاتھ بڑھایئے اور بیعت کر لی (۱۴) حضرت عمر نے بعد میں تسلیم کیا کہ حضرت رسولؐ اپنے مرض الموت میں قرطاس و قلم طلب کرکے علیؑ کی خلافت کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے مگر میں مانع ہوا۔ (۱۵) انصار و مہاجرین میں شور و غوغا بلند ہوا اور نوبت فساد کی پہونچی اور سعد بن عبادہ کو حضرت ابوبکر کی خلافت پر معترض ہونے کے سبب زد و کوب کیا گیا اور وہ مرتے مرتے بچے۔ عمر بھر انہوں نے حضرت ابوبکر و عمر سے بات نہیں کی اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ بروایتے ہنگامۂ سقیفہ میں زد و کوب سے سعد بن عبادہ کا انتقال ہو گیا۔ (۱۶) حضرت عمر نے سقیفہ سے تیسرے دن واپسی کے بعد یہ بیان کیا کہ حقیقت یہی تھی کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت بغیر سوچے سمجھے یکایک کر لی۔ (۱۷) سقیفہ بنی ساعدہ سے (تیسرے دن) واپسی کے بعد مسجد میں بھی حضرت عمر نے تقریر کی اور لوگوں سے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اور حضرت ابوبکر کی بیعت کرو۔ اس طرح یہاں بھی حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کروائی (۱۸) حضرت ابوبکر نے یہ بیان کیا کہ ان کو لوگوں نے اپنا امیر بنایا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے خلافت قبول تو کر لی ہے مگر اس کے قابل نہیں ہیں اور معمولی آدمیوں سے بہتر نہیں ہیں کہ ان پر خلیفہ بنیں اور یہ کہ شیطان ان پر بھی غالب ہے (۱۹) حضرت ابوبکر برابر کہتے رہے کہ میں خلافت کے قابل نہیں ہوں اور بہتر ہو کہ کوئی دوسرا اس کو قبول کر لے۔ ایک طرف حضرت علیؑ کی افضلیت بھی تسلیم کرتے رہے مگر جب حضرت علیؑ نے اپنے حقِ خلافت کا ادعا فرمایا تو بھی حضرت ابوبکر تختِ خلافت پر جمے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؑ کو بیعت پر مجبور کرنے جبر و استبداد کے طریقے استعمال کئے گئے۔ (۲۰) سقیفہ بنی ساعدہ کی یہ ساری کارروائی حضرت رسولؐ کے کفن دفن میں شریک نہ ہو کر تین دن تک جاری رہی اور تیسرے دن بھی حضرت ابوبکر کا خلیفہ بنایا جانا اس وقت ہو رہا تھا جب بنی ہاشم اور اقربائے رسولؐ تجہیز و تکفین و تدفین رسولؐ میں مصروف تھے (۲۱) حضرت علیؑ یا بنی ہاشم میں کوئی بھی سقیفہ بنی ساعدہ یا اس کے سلسلہ کی کسی کارروائی میں شریک نہ تھا (۲۲) حضرت ابوبکر سے بعض لوگوں نے بیعت نہیں کی اور ان کو دیکھ کر حضرت ابوبکر نے یہ کہتے ہوئے کہ کس چیز نے ان کو آپکی بیعت سے

بازرکھا ہے اپنی فضیلت بیان کی۔ مقداد و عمار یاسر نے بھی موافقت علیؑ میں احتجاج کیا۔ طلحہ و زبیر نے کہا کہ ہماری تلواریں میان میں نہ جائیں گی جب تک علیؑ کے ہاتھ پر بیعت نہ ہو۔ (۲۳) حضرت رسولؐ کے دفن سے فارغ ہو کر حضرت علی علیہ السلام نے خود اپنا استحقاق خلافت پیش کیا اور لوگوں کو جمع کر کے قسم دے کر پوچھا اور تیس آدمیوں نے یوم غدیر حضرت رسول خدا کے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہنے کی گواہی دی (۲۴) حضرت عمر نے صاف صاف تسلیم کیا کہ ہم نے ابوبکر کی بیعت جلدی میں اس لئے کرلی کہ لوگ اگر کسی اور کی بیعت کریں تو ہمیں مجبور ہونا پڑے گا کہ اس شخص کی بیعت کریں جس پر ہم راضی نہیں ہیں (۲۵) حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں بھی تسلیم کیا کہ بنی ہاشم خلافت سے اس وجہ سے محروم کئے گئے کہ ہم نے نہ چاہا کہ نبوت اور خلافت دونوں خاندانِ رسالت میں جمع ہوں اور بنی ہاشم کو فخر کا موقع ملے۔ حضرت عمر نے یہ بھی تسلیم کیا کہ حضرت رسولؐ اپنے مرض الموت میں علیؑ کی خلافت کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے مگر میں مانع ہوا (۲۶) حضرت ابوبکر، حضرت علی مرتضیٰؑ پر اپنا حکم چلانے کے لئے اس فکر میں تھے کہ ارشادات رسولؐ میں سے کوئی ایسی دلیل مل جائے جس سے حضرت علیؑ ان کے قابو میں آجائیں یا بالفاظ روایت حضرت علیؑ کی ناک میں نکیل پڑ جائے (۲۷) حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو ہدایت دی کہ علیؑ بیعت کو نہ نکلیں تو ان سے قتال کرو۔
(۲۸) حضرت عمر معہ ایک گروہ کے آگ لے کر جناب فاطمہؑ کے گھر پر گئے اور قسم کھا کر کہا کہ اس گھر کو آگ لگا دوں گا ورنہ تم لوگ ابوبکر کی بیعت میں داخل ہو (۲۹) حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی بلکہ خانہ نشین ہو گئے اور آپس میں رنجش رہی (۳۰) جب حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کو صلح کے لئے طلب فرمایا تو یہ کہا کہ حضرت عمر نہ آئیں کیونکہ حضرت علیؑ، حضرت عمر سے کراہت کرتے تھے (۳۱) خلافت حضرت ابوبکر و حضرت عمر پر خود حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ نے طنز کیا اور حضرت ابوبکر کے ترکہ میں سے اپنا حصۂ شرعی نہیں لیا (۳۲) تجہیز و تکفین و دفنِ رسولؐ میں بجز اہل بیت علیہم السلام و بنی ہاشم سلمان و ابوذر و مقداد و عمار یاسر کے صحابہ میں سے کوئی شریک نہ تھا۔ (۳۳) بلادِ مکہ، یمن، جدہ، طائف، حبشہ اور دوسرے شہر اور دیہات میں پھیلے ہوئے مسلمانوں میں سے سقیفہ میں کوئی موجود نہ تھا اگر اجماع ہی سے انتخاب کرنا صحیح بھی ہو تو کیا بلادِ متذکرہ صدر کے مسلمان امتِ رسولؐ میں شامل نہ تھے اور ان کو رائے دینے کا حق نہ تھا؟ علامہ فخر الدین رازی نہایت الاصول میں لکھتے ہیں کہ:-
"اجماع اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس سے اختلاف نہ کرے۔ ابوبکر و عمر میں ہرگز اجماع واقع نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ سعد بن عبادہ کے قتل ہو جانے کے بعد اجماع منعقد ہوا۔" (۳۴) حضرت رسولؐ نے یہ فرمایا تھا کہ عنقریب میری امت میں فتنہ برپا ہوگا۔ جب ایسا ہو تو تم ملازمت علیؑ کی اختیار کرنا پھر یہ بھی فرما دیا تھا کہ لوگ آپ کے بعد غیر حقدار کو حقدار کے مقابلہ میں ترجیح دیں گے اور دنیا اختیار کریں گے اور حضرت علیؑ کو صدمہ پہنچائیں گے۔ (۳۰) بخاری جلد ۱ ص۳۱ پر ابوہریرہ سے مروی ہے کہ فرمایا حضرت رسولِ خدا نے کہ تم لوگوں کو عنقریب حرص و طمع خلافت کی پیدا ہوگی اور اس فعل کے باعث تم لوگوں کو بروز قیامت ندامت و خجالت لاحق ہوگی۔ (۳۶) حضرت علیؑ سے خلافت کا غصب

کیا جانا اُس زمانہ میں بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی چنانچہ امیر معاویہ نے اپنی تحریر میں تسلیم کیا کہ سب سے پہلے
جنھوں نے حضرت علیؑ کا حق خلافت چھینا وہ حضرت ابوبکر و عمر تھے اور یہ کہا کہ ورنہ ہم بھی علیؑ کی متابعت کرتے۔
(۳۷) حضرت ابوبکر و عمرؓ جناب علی مرتضیٰؑ اور حسنین علیہم السلام کی بزرگی کا اعتراف اور ان کی تابعداری اور اطاعت
کی نمائش صرف زبان سے کرتے تھے اور عمل اس کے برخلاف تھا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر نے اپنے انتقال کے وقت
یعنی خلافت کے مرحلہ دوم پر بھی علیؑ کو محروم کرکے حضرت عمر کے نام استخلاف نامہ لکھ دیا اور اپنی زندگی ہی میں حضرت عمر
کی بیعت کروا دی (۳۸) خلافت نامہ حضرت عثمان کے ہاتھ سے لکھوایا اور درمیان میں حضرت ابوبکر بے ہوش ہوگئے تو
حضرت عثمان نے اپنی طرف سے حضرت عمر کا نام لکھ دیا بعد میں حضرت ابوبکر کو سُنایا تو کہا کہ کیا بہتر نام تم نے لکھا ہے"۔

ایک قابل غور پہلو یہ بھی نمایاں ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کو ایسی کیا عجلت لاحق ہوئی تھی کہ رسول اللہؐ
کے کفن و دفن میں شرکت غیر ضروری خیال کرکے پہلے تو حضرت عمر نے اپنے سمدھی ابو عبیدہ بن جرّاح کے پاس پہونچکر
ان کو خلیفہ بنانا چاہا اور پھر حضرت ابوبکر و عمر دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ پہونچے اور
جب راستہ میں کچھ لوگوں نے منع بھی کیا تو کہا کہ خدا کی قسم ہم ضرور جائیں گے اور پھر حضرت عمر ایک عمدہ تقریر بھی اس
موقع کے لئے تیار کر چکے تھے اور بعض امور کی کوشش کو حضرت ابوبکر سے دور کرنا چاہتے تھے۔ تقریر کا پہلے سے تیار کیا
جانا صاف طور پر ایک سوچے سمجھے منصوبہ پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ رسولؐ کے کفن و دفن کو چھوڑ کر تقریر تیار کرنے کی
کس کو سوجھتی؟ آخر چند گھنٹوں کے گزرنے میں اور کفن و دفن رسولؐ کی تکمیل کر دینے میں ایسی کیا دُنیا بدل جاتی!
کہیں یہ تو مطلب نہیں تھا کہ اس گڑبڑ کے موقع پر جبکہ حضرت علی اور سب بنی ہاشم رسولؐ کے کفن و دفن میں لگے ہوئے
ہیں اپنی خلافت جما لو ورنہ جب حضرت علیؑ اپنے ادعائے خلافت کے ساتھ نکل آئیں تو پھر کسی کا چراغ ان کے آگے
نہ جل سکے گا۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حضرت عمر کی نظریں جب مختلف اشخاص پر پڑ رہی تھیں اور آپ ہی کی روایت کے
اعتبار سے حسب ارشاد رسولؐ حضرت علیؑ تمام لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا مرتبہ رکھنے والے تھے۔
اور ابھی ڈیڑھ دو مہینہ پہلے ہی ۱۸ ذی الحجہ کو مقام غدیر پر رسولِ خداؐ کا ارشاد من کنت مولاہ فعلی مولاہ
سُن کر بڑی شدّ و مد سے حضرت علیؑ کو مبارکباد دے چکے تھے اور حضرت علیؑ سے متعلق حضورِ رسولؐ کے کثیر و
متواتر ارشادات سے بھی حضرت عمر ناواقف تصوّر نہیں کئے جا سکتے تو آخر ایسے موقع پر حضرت علیؑ کی طرف خلافت کے
معاملہ میں خیال نہ جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ برعکس اس کے حضرت عمر کا یہ ارشاد بھی قابل غور ہے کہ اگر ہم عجلت میں
حضرت ابوبکر کو خلیفہ نہ بنا دیتے تو لوگ کسی اور کو خلیفہ بنا دیتے اور ہم کو مجبور ہونا پڑتا کہ ایسے شخص کی بیعت کریں جس کے
ہم راضی نہیں ہیں۔ ایسا استحقاق خلافت رکھنے والا سوائے علیؑ کے اور کون تھا جس کو لوگ خلیفۂ رسولؐ تسلیم کر لیتے
لہٰذا کیا حضرت عمر کا یہ صاف اشارہ حضرت علیؑ کی طرف نہیں تھا۔ پھر حضرت عمر نے صاف صاف بھی تو کہہ دیا کہ ہم نے
اور دیگر قریش نے نہ چاہا کہ خلافت بھی خاندان نبوت میں رہے اور بنی ہاشم کو فخر کا موقع ملے۔ حضرت عمر نے بعد میں یہ بھی

تسلیم کیا کہ حضرت رسولؐ مرض الموت میں علیؑ کی خلافت کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے مگر میں مانع ہوا۔ یہ فطرتِ انسانی کا تقاضہ ہے کہ جب کوئی بڑا اور مشکل مقصد (خواہ اچھا ہو یا بُرا) حاصل ہو چکتا ہے اور اس پر قابو حاصل ہو کر اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہتا تو پھر جس جس نے بھی اس حصولِ مقصد میں کوششیں کی ہیں بطور تعلی بیان کرتا ہے کہ ہم نے ایسا کیا ایسا کیا اور ایسی حکمت عملی دکھائی۔ خلافتِ اول اور خلافت ثانیہ مستحکم ہو چکنے اور استحقاق خلافت کا ادعا رکھنے والوں کی طاقت کا قلع قمع کر دینے کے بعد اب اسی نفسیاتی اصول کے اعتبار سے حضرت عمر نے صاف صاف فرما دیا کہ ہم نے ایسی ایسی تدبیریں کیں۔ پہلے سے ایک عمدہ تقریر بھی اس موقع کیلئے تیار کر کے رکھی اور کفن دفن رسولؐ کو چھوڑ کر سقیفہ پہونچ کر عجلت میں حضرت ابوبکر کو خلیفہ محض اسی وجہ سے بنایا گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ دوسرے کی (یعنی بالفاظ دیگر حضرت علیؑ کی) بیعت کر لیتے تو ہم کو بھی ان کی بیعت پر مجبور ہونا پڑتا جس کے لئے ہم راضی نہ تھے۔ یہ کارروائی حضرت علیؑ کو خلافتِ رسولؐ سے محروم کرنے کے سوا آخر اور کونسے انداز کی ہے۔ جہاں صاف صاف اعتراف ہو تو وہاں تاویلات اور خیال آرائیوں کی ضرورت کیا ہے؟ اور وہ بھی ایسی پھسپھسی تاویلات جو عقل انسانی و فطرت و نفسیات کے اصولوں کے معیار پر کسی طرح پوری نہیں اترتیں۔ صاحبانِ عقل کے لئے ایسی طفل تسلیوں سے کام نہیں چل سکتا۔ حضرت رسولؐ تو یہ فرمائیں کہ قرآن اور میرے اہل بیت کی پیروی کرو اور ارشادِ باری ہو وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً ۔ یعنی ہم نے ان امام بنایا اور اُمتی یہ کہیں کہ ہم نے نہ چاہا کہ علیؑ خلیفہ ہوں اور نبوت اور خلافت ایک ہی خاندان میں جمع ہوں اور بنی ہاشم کو فخر کا موقع ملے۔ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اُمت کا یہ عمل غور کیا جائے تو اللہ اور رسولؐ کے حکم کے مقابلہ میں ایک کھلی ہوئی بغاوت ہے مگر بقول شخصے پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا" اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے"۔

سورۂ صف کی آیت ۸ میں ارشاد رب العزت ہے يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔ یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ تو اپنے نور کو ضرور پورا کر کے رہے گا۔ اگرچہ منکرین بُرا ہی مانا کریں۔

حضرت عمر نے اپنی حکمت عملی سے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا کر ان کو تمام تر ایک کٹھ پتلی خلیفہ کی طرح استعمال کیا۔ شروع سے آخر تک واقعات اس کے شاہد ہیں اور کئی آزاد اہل الرائے نے یہی نتیجہ نکالا ہے۔ ڈاکٹر سید احمد خاں تہذیب الاخلاق" جلد دوم مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور میں لکھتے ہیں۔ ابوبکر بذاتِ خود اتنی قابلیت نہ رکھتے تھے عمر ہی نے ان کو خلیفہ کیا اور وہ ہی معاملات خلافت کو انجام دیتے رہے۔ ہمارے نزدیک دورِ ابوبکر عین دورِ عمر ہے" ترجمہ صحیح مسلم مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور صفحہ ۸۸۳ پر درج ہے کہ "ابوبکر بذاتِ خود کوئی کام نہ کرتے تھے۔ ہر امر میں ان کو اطاعت عمر کی کرنی پڑتی تھی"۔

رسول اللہؐ کے کفن و دفن کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کی اس اضطراری کارروائی کی توجیہہ بعض علمائے

اہل سنت ایک نئے ڈھنگ سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی جہاں دوسروں نے حالاتِ سیاسی کی بنا پر جلدی سے کسی نہ کسی کو خلیفہ بنا دینے کی ضرورت پر زور دینے کی کوشش کی ہے تو بعض علماء نے مذہبی اعتبار سے ایسی فوری کارروائی کی توجیہہ کرنی چاہی ہے۔ چنانچہ صاحب شرح عقائد نسفی اپنے کتاب کے صہ ۹۴ پر لکھتے ہیں کہ (متفق علیہ حدیث ہے) من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ (یعنی جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا اور مر گیا تو وہ کفر کی موت مرا) کی رُو سے کسی نہ کسی کو فوراً امام بنا دینا لازمی تھا۔ نیز یہ بھی لکھتے ہیں کہ "اس حدیث کی رُو سے امام کا نصب کرنا خلق پر واجب ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ پر۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بے دلیل گفتگو ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور ہر فرقہ اس کو صحیح مانتا ہے مگر اسمیں ارشادِ رسولؐ یہی ہے کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا اور مر گیا تو وہ کافر مرا" یہ مطلب حدیث میں داخل نہیں کیا جا سکتا کہ ہر شخص پر یہ بھی فرض ہے کہ اپنا اپنا امام خود مقرر کر دے۔ فرض صرف اسی امر کو قرار دیا گیا ہے کہ جو برحق امام زمانہ ہو اس کی معرفت حاصل کرے۔ اس طرح یہ واضح ہو گیا کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی سوچی سمجھی کارروائی کی توجیہہ اس حدیث کی بناء پر بھی نہیں ہو سکتی۔ فرض تو یہ تھا کہ بجائے کبھی ابو عبیدہ بن جراح کو کبھی حضرت عمرؓ کو اور کبھی ابو بکرؓ کو امام بنانے کی متبادل کوششوں اور دوڑ دھوپ کے معرفت اُس امام کی حاصل کرتے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے لئے امام مقرر فرما دیا تھا اور اگر آیاتِ قرآنی اور فرمودۂ رسولؐ کی روشنی میں صدقِ دل سے اور اغراضِ دُنیاوی سے بری ہو کر اُس امام زمانہ کی تلاش کرنا چاہتے تو کچھ مشکل بھی نہ تھا کہ وہ امام زمانہ آفتاب سے زیادہ روشن تھا اور کچھ دُور بھی نہ تھا بلکہ میں دو چار قدم پر تجہیز و تکفین و تدفین رسولؐ میں مصروف موجود تھا جیسا کہ صوفیائے کرام میں سے کسی نے کہا ہے ؎

امامے کہ روزِ وفاتِ پیغمبرؐ　　خلافت گزار و بہ ماتم نشیند

یہی نہیں بلکہ کفن و دفن رسولؐ سے فارغ ہو کر اس امام برحق نے اپنے استحقاق خلافت کا ادّعا واضح طور پر اور بالاعلان فرمایا اور اپنی نسبت اقوالِ رسولؐ مقبول کے متعلق لوگوں سے گواہی بھی دلوائی۔ یہ امر قابل نظر ہے کہ حضرت علیؑ کے اس ادعائے حق خلافت وطلبی شہادت اور لوگوں کے گواہی دینے پر بھی حضرت ابو بکر و عمر نے کچھ دھیان نہ دیا اور حضرت ابو بکر اپنے آپ کو خلافت کے ناقابل تسلیم کرتے ہوئے اور مُنھ سے یہ کہتے ہوئے بھی کہ بہتر ہو کہ کوئی اور خلافت کو قبول کرے نہ صرف خود تختِ خلافت پر اپنی حیات تک بیٹھے رہے بلکہ اپنے انتقال کے وقت عمرؓ کے نام پر ایک استخلاف نامہ بھی لکھوا کر اپنی حیات ہی میں حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر لوگوں سے بیعت کرا دی اور جب طلحہؓ و زبیرؓ نے حضرت عمرؓ کے اس طرح خلیفہ بنا دیئے جانے پر حضرت ابو بکر سے کہا کہ آپ اب خدا کے پاس جاتے ہیں خدا کو کیا جواب دیں گے تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ جواب دوں گا کہ بہترین خلائق کو میں نے خلیفہ بنایا ہے۔ قابل غور ہے کہ جیسا متعدد روایات ہم نے اپنے اپنے مقام پر درج کی ہیں حضرت ابو بکر کا حضرت علیؑ کو اپنا مولاؑ تسلیم کرنا حضرت رسولؐ کی زندگی میں حضرت کو امیر المومنین پکارنا اور آپ کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت

سمجھ کر آپکے چہرہ کو گھورتے رہنا آپکی تابعداری کرنے کا دوسروں کو حکم دینا یہ سب اپنے لئے کدھر نسیا منسیا ہو گئے۔ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عمل ارشاد خداوندی تواصوا بالحق یعنی مرتے وقت احق بات کی وصیت کرو سے مطابقت پاتا ہے۔ مولانائے روم اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں ؎

اہل دُنیا کار دُنیا ساختند مصطفٰےؐ را بے کفن انداختند

اہلِ دُنیا از کہین واز مہین لعنت اللہ علیہم اجمعین

یعنی اہل دنیا نے اپنے دنیاوی کام بنالئے اور حضرت رسولؐ کو بے کفن چھوڑ دیا۔ ان اہل دنیا میں چھوٹے اور بڑے یعنی کم حیثیت والے اور بڑی حیثیت والے ہر قسم کے لوگ شامل تھے ان تمام کے تمام پر خدا لعنت کرے" زمانہ کے امام برحق سے تعارض کا کیا نتیجہ ہوتا ہے اس کے متعلق کتب اہل سنّت میں حضرت ابوبکر کی زبانی یہ روایت درج ہے۔ دیلمی نے حضرت ابوبکر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خُدا نے فرمایا کہ "جو شخص باوجودگی امامؑ کے اپنے یا غیر کے واسطے کوشش کرے اس پر خدا اور اس کے فرشتے اور آدمیوں کی لعنت ہے اسکو قتل کر ڈالو"۔

طالبان حق کے لئے پہلا امر تعین طلب یہ ہے کہ ارشادات خداوندی اور فرمودات رسولؐ کی روشنی میں بعد حضرت رسولؐ علی امام وقت تھے یا نہیں؛ اگر تھے تو جب لوگوں نے (بجز چند کے) آپ کو امام نہ مانا اور آپسے تعارض کیا اور بالفاظ شبلی نعمانی حضرت علیؑ سے اپنی بیعت بزور لینی چاہی تو ان لوگوں کی حیثیت اس حدیث رسولؐ کی روشنی میں کیا قرار پاتی ہے؛ اور بعض صوفیائے کرام اور بہت سے سُنّی حضرات بھی جو بارہ ائمہ اہل بیت کو ماننے کا ادعا کرتے ہیں جن میں حضرت علی علیہ السلام امام اوّل ہیں تو آخر اس ماننے کا کیا مطلب ہے؛

خلافت سے متعلق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے تاثرات

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصر کے ایک ممتاز ادیب اور نقّاد ہیں۔ تاریخ و تمدن کے بہت سے مسائل نیز عربی شعر و ادب اور عرب شعراء پر ان کی تصانیف نے پورے عرب ممالک میں ان کو نمایاں شہرت اور امتیاز کا مالک بنا دیا ہے اور انہوں نے خود اپنی سوانح عمری جزء الایام کے نام سے دو جلدوں میں لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یورپ کی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔ مذہبی اعتبار سے یہ اہلسنت ہیں مگر اپنی کتاب "فتنۃ الکبریٰ" میں انہوں نے تاریخ کی روشنی میں جو حقائق درج کئے ہیں وہ حضرت علیؑ کے خلافت سے ناحق محروم کئے جانے کی ایک اقراری شکل رکھتے ہیں۔ چنانچہ اپنی کتاب متذکرہ صدر (مترجمہ عبدالحمید صاحب نعمانی) جلد اول کے صفحہ ۲۱۹ پر لکھتے ہیں:۔

"حضرت علیؑ کا آنحضرتؐ سے رشتہ اور آپکی نگاہوں میں ان کا مرتبہ بلاشبہ ہمارے کسی بیان سے بے نیاز ہے حضرت علیؑ بتوں کے متعلق کچھ نہ جانتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے وہ بتوں کے تصور سے خالی تھے پس اسلام کے سابقین اولین میں آپ کو یہ امتیاز ہے کہ آپکی تربیت خالص اسلامی ماحول میں ہوئی۔ زیادہ جامع تعبیر میں یوں کہئے کہ آپ کی پرورش کاشانۂ وحی میں ہوئی پھر وہ آپ ہی ہیں جن کو مدینہ کی ہجرت کے موقع پر آنحضرتؐ نے اپنا جانشین بنایا کہ وہ تمام امانتیں

جو لوگوں نے آپ کے پاس رکھی تھیں ان کو واپس کریں (ص۲۲۰) اگر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مسلمان یہ کہتے کہ علیؑ آنحضرتؐ کے سب سے قریبی رشتہ دار ہیں اور مواخات کی تقریب سے آپکے بھائی ہیں پھر آپ کے داماد اور آپکی چلنے والی نسل کے جدِ امجد ہیں آپکے علمبردار ہیں آپ کے گھر کے جانشین اور آپ کے لئے موسیٰؑ کے ہارون ہیں مسلمان یہ سب کچھ کہتے اور ان وجوہ کی بناء پر ان کو خلیفہ بنا لیتے تو یہ نہ کوئی سرتابی ہوتی اور نہ راستہ سے دُور ہوتا (ص۲۱۵) لیکن صورتحال یہ ہوئی کہ نبیؐ کی وفات پر چند دن نہیں چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ اسلام نے سیادت کی ایک نئی شکل دیکھی جو بذاتِ خود حکومت سے شدید اتصال رکھتی ہے چنانچہ جب خلافت پر بحث شروع ہوئی تو انصار نے قریش سے کہا کہ "ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے" (ص۲۲۱) قریش کی اکثریت بنی ہاشم سے خلافت اس خوف سے نکالنا چاہتی تھی کہ مبادا وہ انکی وراثت ہو جائے اور پھر قیامت تک قریش کے کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو پائے۔ بنی ہاشم کو قصداً اس سے دور رکھا (ص۲۴۷ و ۲۴۸) اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہ بن جراح کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ "خلفاء قریش سے ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ عام قریشی خلافت کے حقدار ہیں۔ قریش کی رائے اگر معقول ہوتی تو بنی ہاشم دلیل میں غالب آجاتے اور جب تک بھی سنبھال سکتے خلافت کا بار اٹھانے کے زیادہ مستحق تھے (ص۳۰) حضرت عمرؓ (حضرت ابوبکرؓ) کی حکومت کو بھی پورے معنوں میں جمہوری نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ پورے مسلمانوں نے ان کو خلافت کے لئے منتخب نہیں کیا تھا۔ پھر ان عربوں سے تو مشورہ ہی نہیں کیا گیا۔ جو مکہ طائف اور قرب و جوار کے دیہاتوں میں آباد تھے۔ ایسی حالت میں مرتدوں میں سے بعض کا یہ کہنا محل تعجب نہیں کہ رسول اللہ جب تک ہم میں تھے ہم نے ان کی اطاعت کی۔ اللہ کے بندو اور رسولؐ کے بعد یہ ابوبکر کون ہوتے ہیں ؟ (اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا فیالعباد اللہ ما لابوبکر)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب "فتنۃ الکبریٰ" کے حصّہ دوم علی و بنوہ مترجمہ مولوی عبدالحمید نعمانی ص۲۲۵ پر تحریر کرتے ہیں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت مسلمانوں کے باہم مشورہ سے نہیں ہوئی بلکہ وہ تو ایک اتفاقی بات تھی۔ بقول حضرت عمرؓ اللہ نے اس کے (اس ناگہانی تصفیہ خلافت) کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ (۲) وہ خود حضرت عمرؓ کی بیعت بھی مسلمانوں کے مشورہ سے عمل میں نہیں آئی بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو نامزد کیا۔ وہ مجلس شوریٰ جس نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا اطمینان بخش رضامندی کی حامل نہ تھی۔ جلد دوم کے ص۲۲۲ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین تحریر فرماتے ہیں "حضرت علیؑ کو اس میں کبھی شک نہیں رہا کہ خلافت کے وہ سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر جب موقع آیا تو یہ خیال کر کے کہ حقدار کو حق مل گیا۔ آپ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی (ص۲۱۹) پر تحریر فرماتے ہیں "حضرت علیؑ رسول اللہ صلعم کے بعد خلافت کا سب سے زیادہ حقدار اپنے آپ کو خیال کرتے تھے لیکن جب اس کا رُخ دوسرے خلفاء کی طرف کر دیا گیا تو آپ صبر سے کام لیتے رہے" ص۳۱۲ پر فرماتے ہیں "(حضرت علیؑ نے) طبیعت کو تقاضہ کے خلاف دبایا اور مسلمانوں کی خاطر اپنی طبیعت کو اس بات پر راضی کر لیا کہ اپنے حق سے چشم پوشی کر لیں" ص۲۸۶ پر فرماتے ہیں کچھ لوگ ایسے ہیں جو حضرت علیؑ سے دشمنی میں حد سے

آگے نکل گئے اور یہی بات ان کی گمراہی کا باعث ہوئی۔ ورنہ حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں کا معاملہ ایک سیدھی سی بات ہے اور تکلف اور تصنع سے خالی ہے۔"

صفحہ ۴۸۷ پر تحریر فرماتے ہیں "یہ تو تم نے دیکھ لیا کہ حضرت علیؓ کی زندگی سراپا ابتلا اور مصیبت تھی۔ حجاز میں حضرت علی محسوس فرماتے تھے کہ وفات نبویؐ کے بعد سے ان کے دن مصائب اور آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ حقدار خیال کرتے تھے لیکن خلافت کا رُخ سابق تین خلفاء کی طرف پھیر کر ان کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ آپ نے آزمائش پر صبر سے کام لیا۔ پھر جب تخت خلافت پر بیٹھے یا یوں کہیے کہ خلافت آپ تک پہونچی تب بھی اس کے ہاتھوں آپ کو مصیبت ہی مصیبت رہی۔ اپنی زندگی کے تیس سال حضرت علیؓ کڑی سے کڑی آزمائش میں مبتلا کئے گئے۔" جلد دوم صفحہ ۳۰۹ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ "انہوں (حضرت عمرؓ) نے ٹھیک اندازہ کیا تھا جس میں کوئی غلطی نہ تھی کہ اگر حضرت علیؓ کو خلافت دیدی جاتی تو وہ لوگوں کو سیدھی راہ سے بھٹکنے نہ دیتے۔" ڈاکٹر صاحب موصوف فتنۃ الکبریٰ حصہ اول صفحہ ۲۲۲ پر لکھتے ہیں۔ "حضرت عمر کی خلافت کے بعد (بھی) خلافت کے لئے ہر بات حضرت علیؓ کے حق میں تھی۔ نبیؐ سے آپ کا رشتہ اسلام کی طرف آپکی سبقت، مسلمانوں کی نگاہ میں آپ کا درجہ، اللہ کی راہ میں ثابت قدمی، آپکی صاف ستھری زندگی جس پر کہیں دھبہ نہیں، دین میں آپکی بصیرت، کتاب و سنت میں آپ کا تفقہ مشکلات اور پیچیدگیوں کے وقت آپکی صحت فکر اور اصابت رائے۔" کتاب مذکورہ کے حصہ دوم صفحہ ۲۱۳ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

"(بعد انتقال حضرت ابوبکر) حضرت علیؓ کو یقین تھا کہ نہ قریش انکی ہمنوائی کریں گے اور نہ ان کا حق تسلیم کرینگے۔ تو اپنے لئے تحریک کی نہ لوگوں پر ان کی مرضی کے خلاف جبر کرنا چاہا۔ اگر کرنا بھی چاہتے تو اس کی کوئی صورت نہ تھی اسلئے کہ آپ کی حمایت میں کوئی جماعت نہ تھی اور نہ آپ کسی زبردست کی پناہ میں جاسکتے تھے۔ ہاں! کچھ تھوڑے سے اچھے مسلمان آپ کے ہم خیال تھے جو دبی زبان سے آپ کیلئے تحریک کرتے تھے لیکن وہ کمزور تھے۔ ان کے پاس جو کچھ قوت تھی وہ ایمان کی تھی نہ وہ کوئی مادّی طاقت رکھتے تھے اور نہ خاندانی عصبیت کا زور جیسے حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان اور حضرت ابوذر غفاریؓ۔" جلد دوم کے صفحہ ۴۶۹ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں۔ "رسول اللہ مدینہ اور دوسرے مقامات کے منافقوں کو پہچانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ ان کی نشاندہی اور ان کے حالات کی اطلاع کردیا کرتا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا ہو کہ بعض ایسے منافقین ہیں جن کو صرف میں جانتا ہوں۔ پھر جب نبیؐ وفات پاگئے اور منافقین کے معلوم کرنے کا ذریعہ جاتا رہا تو مسلمان کالے بالوں میں سفید بال کی طرح تھے۔ جیسا کہ نبیؐ کا فرمان ہے۔ قلۃ قلیلۃ یعنی چھوٹی سی اقلیت۔"

جلد اول صفحہ ۵۳ پر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں "پھر ہمیں یہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے خواہ انسان کے بارے میں حسن ظن رکھنے والے کتنا ہی پیچ و تاب کھائیں کہ دین آشنا بیدار و زندہ دل اکثر ابتلاء

وآزمائش کی آماجگاہ ہوتا ہے اور بڑے بڑے حوادث اور مصائب سے گزرتا ہے۔ انسان بہت کوشش کرتا ہے کہ اس کا قلب حق وانصاف کا گھر بنا رہے لیکن فتنہ وفساد کی لپیٹ اتنی سخت اور اس قدر پیہم ہوتی ہے کہ بعض معاملات میں مجبور ہو کر شروع شروع میں تاویل کی زمین پر پاؤں ٹیک دیتا ہے۔ اور پھر تاویل وتعلیل کی مختلف منزلوں سے گزرتا گزرتا بالکل نئی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جب وہ مڑ کر دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص اور اس کے درمیان ایک بڑی مسافت حائل ہوتی ہے (ص۵۵) ..... ان حالات میں ذرا بھی حیرت نہ ہونا چاہیئے اگر بہت سے بزرگ حتیٰ کہ بعض صحابہ بھی جن کا یہ حال تھا کہ اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون ؁ یعنی جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں) فتنہ وفریب کی لپیٹ میں آگئے ہوں اور ان پر ایسے مصائب اور حوادث گزرے ہوں جنھوں نے ان کو اس فضا سے دور کر دیا ہو جس میں وہ دن رات نبیؐ کی صحبت میں رہتے تھے۔ فریب اور فتنہ کے اسباب بکثرت تھے اور ان میں اتنی قوت اور دلکشی تھی کہ اس کی تاب صرف اولوالعزم لا سکتے تھے جن کی تعداد ہر زمانہ میں بہت کم رہی ہے۔ میری طرف سے اس میں نہ رنگ آمیزی ہے نہ تکلف نہ دل آزاری نہ کینہ پروری لیکن میں اصحاب رسولؐ میں ایسی جماعت پاتا ہوں جس نے اسلام کی راہ میں آزمائش کی وہ منزل پالی جہاں پہنچ کر خود نبیؐ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرما کر ان کے لئے جنّت کی ضمانت دی۔ پھر ایک زمانہ گزرنے کے بعد ایسے حالات نے ان کا استقبال کیا جن میں قوت واقتدار کی شوکت کے ساتھ ساتھ مال ودولت کی فراوانی تھی۔ وہ اس امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کے معاملات میں خرابی آگئی۔ ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو گیا۔ بعض نے بعض کو قتل کر دیا۔ باہم دگر اتنے بدخواہ اور بدگمان ہو گئے جتنا کوئی انسان دوسرے سے ہو سکتا ہے آپ اندازہ کیجئے کہ ان کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر کیا ہو۔ ہم ان سب کے کارناموں سے اپنی رضامندی اور اتفاق کا اظہار نہیں کر سکتے۔ اسمیں نہ صرف اپنی عقلوں کو معطل اور فکروں کو تاریک کر لینا ہے بلکہ دین کی عمارت کو بھی ڈھا دینا ہے۔

یہ سب کچھ لکھ کر بھی جناب طٰہٰ حسین صاحب فرماتے ہیں ... ص۵۵ نہ ہم ان لوگوں کو بھی خطاکار کہہ سکتے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے خطا کی ہے ... پھر ہماری طبیعت کو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان کے معاصرین کا مسلک اختیار کر لیں اور کسی کو حق پر اور کسی کو غلطی پر بتادیں..... " قابل غور ہے کہ لوگوں کے بڑے کارناموں سے اتفاق کرنے کو دین کی عمارت ڈھا دینے کے مترادف تصوّر کرتے اور کسی کے خطاکار ہونے کی رائے قائم ہو چکنے کے بعد بھی ان کو خطاکار نہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور پھر طبیعت کے گوارا کرنے کا معاملہ بھی خوب ہے کہ جن کو خود بھی خطاکار سمجھتے ہیں اور ان کے معاصرین نے بھی ان کو خطاکار جانا اور کہا مگر پھر بھی آپکی طبیعت کچھ عجب انداز رکھتی ہے کہ بُروں کو بُرا کہنا گوارا نہیں کرتی۔ ان خطاکاروں سے آپ کی جانبداری کی کیا وجہ ہے۔ آخر آپ کے دل میں وہ کون سا چور چھپا ہوا ہے جو حق بات منہ سے

نکلنے نہیں دیتا۔ اسی اصول پر ہمیں ابلیس کو بھی خطا کار نہ کہنا چاہیئے خواہ اس کو آپ دل میں خطا کار سمجھتے ہوں۔ اور وہ مردود بارگاہِ الٰہی ہو۔ جہاں آیات قرآنی شاہد ہوں کہ لوگ مومن ہونے کے بعد بھی کافر ہو جاتے ہیں اور کافر مرتے ہیں اور حضرت رسولؐ کا بھی ارشاد ہو کہ بعض صحابہ دین کو چھوڑ کر دنیا پر مائل ہو جائیں گے اور حوضِ کوثر سے نکالے جائینگے۔ اور یہ بھی واضح ارشاد موجود ہے کہ تم لوگوں کو عنقریب حرص و طمع خلافت کی پیدا ہوگی اور اس فعل کے باعث تم کو بروز قیامت ندامت اُٹھانی پڑے گی تو پھر حق و باطل سمجھ میں آچکنے کے بعد بھی حق کو حق اور باطل کو باطل نہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے؛ اور پھر بقول آپ ہی کے اپنی عقلوں کو معطل اور فکروں کو تاریک کر لینا کیا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد لا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون ۵ (حق کو باطل کے ساتھ نہ ملا دو۔ اور حق کو نہ چھپاؤ جب تم جان چکے ہو) سے یہ کھُلا ہوا اعراض کیا حکم خداوندی کا عدول نہیں ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ "ہمیں تو ان کے اعمال، اقوال اور سیرتوں میں صرف یہ پتہ چلانا چاہیئے کہ کونسی بات حق اور انصاف کے قریب ہے اور کون نہیں اور وہ بھی بقدر ضرورت۔" خواہ بقدر ضرورت ہی سہی مگر جب یہ پتہ چلانا ٹھیرا کہ کونسی بات حق و انصاف کے قریب ہے اور کون نہیں" تو ضرور پتہ چلایئے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ مگر جب آپ کا اصول یہ ٹھیرا کہ نہ بُرے کو بُرا کہنا ہے اور نہ اچھے کو اچھا تو آپ پتہ چلا کر بھی کیا کریں گے جب کہ اس تحقیقات کے نتیجہ پر آپ کچھ عمل کرنا ہی نہیں چاہتے اور زبان سے کہنے کو تک حرام جانتے ہیں اس سے تو بہتر یہی تھا کہ آپ پتہ ہی نہ چلاتے اور

WHERE IGNORANCE IS BLISS IT IS FOLLY TO BE WISE

پر عمل پیرا ہوتے پر اکتفا کرتے۔ معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب پراگندہ خیالی اور متضاد تخیلات کی کشمکش میں گھرے ہوئے ہیں اور کبھی کچھ کہتے ہیں اور کبھی کچھ اور کسی نتیجہ پر پہونچتے ہی نہیں اور بقول غالب ان کا حال یہ ہے۔

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر ؎ کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

خیر! ڈاکٹر صاحب خود کوئی نتیجہ نکالیں یا نہ نکالیں اور اس پر عمل کریں یا نہ کریں مگر جو بہت ساری باتیں انہوں نے تاریخ و احادیث کی روشنی میں لکھدی ہیں ان سے پڑھنے والے خود نتیجہ نکال سکتے ہیں۔

کارروائی سقیفہ کے متعلق مولانا شبلی نعمانی کا اظہار خیال

مولانا شبلی نعمانی نے کارروائی سقیفہ کے متعلق جو اظہار خیال کیا ہے اس کو درج کرنے سے قبل ہم یہاں یہ بھی نوٹ کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ مولانا شبلی نے صحیح بخاری اور اہل سنت کی مستند کتب احادیث کی بعض مستند روایتوں کے متعلق بھی کیا لکھا ہے۔ الفاروق میں وہ لکھتے ہیں "ہم ان روایتوں کو صحیح نہیں مان سکتے لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ایسی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس سے مطابق نہیں ہو سکتیں، جب ان کتابوں میں جن کو صحاح ستہ تسلیم کیا جاتا ہو، ہر قسم کی تصریحات کے ساتھ روایتیں موجود ہوں تو صحاح کو ماننے والوں کو اس سے انکار کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ مگر شبلی صاحب کی تحریر سے یہ امر ضرور واضح

ہوگیا کہ ان روایتوں سے ان صحابہ کی نسبت جن کے متعلق یہ روایات ہیں عجیب عجیب طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہی قرآن کو ماننے سے انکار کرنا مقصود ہے جہاں کسی کا عمل قابل اعتراض اور اپنی توقعات اور منشاء کے خلاف مسلمہ روایتوں سے پایا جاتا ہو وہاں ان روایتوں ہی سے انکار کر دینا بالکل یہی معنی رکھے گا کہ "میٹھے میٹھے ہپ اور کڑوے کڑوے تھو۔" آخر ان مسلمہ روایتوں سے انکار کس اصول پر مبنی ہے شبلی صاحب ہار تھک کر یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ایسی تصریحات موجود ہیں جو ان کے قیاس سے مطابق نہیں ہو سکتیں۔ اب ملاحظہ ہو۔ کالہ وائی سقیفہ کے متعلق وہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

"یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے خیال میں آسکتا ہے کہ رسول اللہؐ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بند و بست میں مصروف ہوں کہ مسندِ حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔ تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابوبکر و عمرؓ) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس واقعہ کی ناگواری اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؓ اور خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے ان کو آنحضرتؐ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے۔" مولانا شبلی یہ بھی لکھتے ہیں کہ "یہ سچ ہے کہ حضرت عمر (حضرت ابوبکر وغیرہ) آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے تھے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہونچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح کی کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ ہی پیش نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنی ہاشم اور حضرت علیؓ سے بزور منوانا چاہا۔ گو بنی ہاشم نے آسانی سے آپ کی خلافت تسلیم نہیں کی۔" مولانا شبلی پھر بخاری، طبری اور امام مالک کی روایات زبانی حضرت عمر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "آنحضرتؐ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے (۱) انصار (۲) مہاجرین (۳) بنو ہاشم۔ حضرت عمر کی روایت ہے کہ انصار نے ہماری مخالفت کی اور علیؓ اور زبیرؓ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔ زبیرؓ نے تلوار میان سے کھینچ لی کہ جب تک علیؑ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا۔ لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمر نے یہ رنگ دیکھ کر دفعۃً حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں پھر عثمانؓ، ابو عبیدہ بن جراح اور عبدالرحمن بن عوف نے ہاتھ بڑھائے پھر عام لوگوں نے بیعت کی اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے اور صرف بنو ہاشم اپنے ادعا پر رکے رہے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے بزوران سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کے ابتدائے زمانۂ خلافت میں کسی قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؑ نے چھ مہینے تک حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر بیعت نہیں کی تھی۔ ابن شیبہ نے منصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہ! خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ عزیز ہیں تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح سے مجمع کرتے رہیں تو میں گھر میں آگ لگا دوں گا۔"

اس کے بعد شبلی کہتے ہیں "روایت کے اعتبار سے اس واقعہ سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمرؓ کی تُند مزاجی سے یہ حرکت بعید نہیں"۔ اس کے بعد کہتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت پر حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں مگر ان ہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنی ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعتِ اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں"۔ شبلی کی تحریر سے یہ صاف واضح ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ کے انتقال کے بعد ہی خلافت کا ادعا ین جانب سے ہو رہا تھا اور حضرت علی علیہ السلام خود اپنا ادعا پیش فرما رہے تھے۔ جب ایسا تھا تو آپ کے ادعا کو ٹھکرانے کی کیا وجہ تھی؛ وہ تمام احکام قرآنی اور ارشاداتِ رسولؐ جو حضرت علی علیہ السلام کی شان میں تھے کو بھی بھلا دیئے گئے۔ کہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ گرما گرمی میں دفعۃً حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی گویا حضرت علیؑ کو اپنا ادّعا پیش کرنے کا موقع نہ ملا اور کہیں یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنا ادّعا پیش کیا اور زبیر اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ ہو کر بیٹھ گئے اور زبیر نے تلوار میان سے کھینچ لی کہ جب تک علیؑ کے ہاتھ پر بیعت نہ ہو تلوار میان میں نہ ڈالوں گا اور بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا کسی اور آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے اور حضرت علیؑ حق خلافت کے اپنے ادّعا پر قائم رہے اور چھ مہینے تک حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی اور آپس میں شکر رنجی رہی آخر ان دو متضاد امور میں سے کس بات کو صحیح سمجھی جائے اور ایسا متضاد استدلال کس طرح قابل ہو سکتا ہے۔ مولانا شبلی کا حضرت علی مرتضےٰ کے ادعائے خلافت کو فتنہ اور سازشوں سے تعبیر کرنا بھی ایک عبرت انگیز واقعہ ہے۔ صاحبزادیٔ رسولؐ جناب سیدہ کے گھر میں سوائے حضرت رسولؐ کے قریب ترین رشتہ داروں کے اور کون جمع ہو سکتا تھا جو یقیناً جناب سیدہؑ کو حضرت رسولؐ کا پُرسہ دینے آتے ہوں گے اور انہوں نے ایک کھلے ہوئے اندھیر کے آگے آوازِ حق بلند بھی کی ہو تو اس کا کیا جواز پیدا ہو سکتا ہے کہ جناب سیدہ کے گھر کو آگ لگا دی جائے۔ اصل بات یہ تھی جیسا کہ خود شبلی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت قائم ہو جانے کے بعد ایسی کارروائیوں کا مقصد (بالفاظ شبلی) حضرت فاطمہؑ کے گھر سے اٹھنے والے فساد و فتنوں کا انسداد کرنا تھا۔ یعنی صاف الفاظ میں حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے استحکام کیلئے

حضرت علیؑ کے ادّعائے حق کو دبانا تھا خواہ حضرت علیؑ سے خلافت ابوبکر منوانے کے لئے زور استعمال کرنا پڑے یا جناب سیدۂ کے گھر میں آگ لگانا پڑے۔ بالفاظ دیگر مقصد یہ تھا کہ رسولؐ کے گھر میں آگ لگا کر اپنی حکومت کا استحکام کیا جائے۔ الفاروق صفحہ ۲۱۱ پر مولانا شبلی یہ بھی لکھتے ہیں کہ:-

بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نظر سے دیکھتے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے تیمی اور عدی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ حضرت عمر کی سطوت نے بنو ہاشم کے ادّعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی۔"

یہ تاریخ کا مسلّم واقعہ ہے۔ جب حضرت ابوبکر کی خلافت قائم ہوگئی تو ابوسفیان پدر امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کے پاس آکر کہا کہ ابوبکر کی خلافت قائم ہوگئی اور آپ حضرت رسولؐ کے داماد اور قریب تر رشتہ دار اپنا حق چھوڑ بیٹھے۔ آپ کہیں تو وادیٔ مدینہ کو مکّہ کے سواروں سے بھر دوں اور خلافت ابوبکر کو ابھی زیر و زبر کر دوں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم کو خوب جانتا ہوں تم حضرت رسولؐ کے زمانہ میں بھی سازشیں کرتے رہے اور اب مجھ کو اپنی سازش کا آلۂ کار بنانا چاہتے ہو۔ میں تمہاری حصول اغراض کی کوششوں سے واقف ہوں میرے پاس سے چلے جاؤ۔ اگر حضرت علی علیہ السلام اس قسم کے سازشیوں سے مل کر کوئی ساز باز کرتے تو اگرچہ کہ آپ بہرصورت حق پر تھے اور آپ کا عمل طلب حق کے لئے ہی ہوتا مگر معترضین کو سازش کا لفظ زبان پر لانے کا موقع ملتا۔ جہاں امداد کی کھلی ہوئی پیشکش کو آپ نے ٹھکرا دیا کہ یہ مدد خلوص و نیک نیتی کی بنا پر نہیں ہے تو پھر رسولؐ کے مخلص رشتہ داروں کے حضرت علیؑ کی تائید و حمایت میں آواز حق بلند کرنے کو کس طرح سازش کہا جا سکتا ہے ؛ ہاں سازش یوں ہوتی ہے کہ جب حضرت علیؑ نے ابوسفیان کے پیشکش کو اس طرح ٹھکرا دیا تو وہ سیدھے حضرت ابوبکر کے پاس پہونچے اور ان لوگوں نے فوراً ابوسفیان کے بڑے بیٹے یزید ابن ابوسفیان کو حاکم شام بنا دیا اور جب یزید بن ابوسفیان کا انتقال ہوا تو اس کے بھائی معاویہ بن ابوسفیان کو حاکم شام مقرر کر دیا اور معاویہ بیس برس حاکم شام مسلسل تینوں خلافتوں کے زمانہ میں رہے اور اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰؑ اور امام حسنؑ سے لڑ کر مزید بیس سال خلیفۂ رسولؐ بنے رہے۔ بہرحال تاویلات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جس طرح اور جس چیز کو چاہے توڑا مروڑا جائے اور حقیقت کے پرخچے اڑائے جائیں۔ مگر صاحبان ادراک جن کا ضمیر صاف ہو کذب و افترا کے غلافوں کے اندر سے بھی حقیقت کے نور کو یقیناً دیکھ ہی لیں گے۔ مولانا شبلی کا یہ خیال بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت علیؑ رسول اللہؐ کے بعد خلیفہ بنتے تو وہی خانہ جنگیاں پیدا ہوتیں جو بیس برس بعد آپ کے خلیفہ بننے کے بعد واقع ہوئیں۔ یعنی شبلی کے خیال میں کوئی بنیادی خرابی حضرت علیؑ علیہ السلام ہی میں تھی کہ ان کے جانشین رسولؐ قرار پانے سے خانہ جنگیاں پیدا ہونا ضروری تھا۔ اگر دشمنانِ خدا و رسول موجود ہوں اور حق کے مقابلہ میں جنگ کرنے پر آمادہ ہوں تو لامحالہ حق کے محافظ کو ان دشمنان خدا سے لڑنا پڑے گا۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ غلطی کس کی ہے، اگر ہر حالت میں جنگ کرنا ہی قابل اعتراض ہے تو غزوات رسولؐ پر بھی معترضین (جھوٹا) اعتراض کر سکتے ہیں۔

اگر مخالفین حق، حق کو پہچانتے اور ارشادات باری اور واضح احکامات رسولؐ کو پیش نظر رکھتے اور وصی رسولؐ حضرت علی مرتضیٰؑ کی اطاعت کرتے تو پھر جنگ کا سوال ہی کیا تھا۔ یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ خدا اور رسولؐ کی مخالفت خود کرو۔ احکام باری و فرمودہ رسولؐ کو پس پشت ڈال دو اور رسولؐ کے جانشین برحق ولی خدا سے لڑو اور الزام اسی ولیٔ خدا پر رکھو کہ تمہاری وجہ سے خانہ جنگی برپا کرتی ہے۔ ایسی حق کشی کی مثال بھی شاید ہی کہیں دُنیا میں ملے۔

یورپین محققین جن کی جانبداری کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس مسئلہ پر یہی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا جائز حق نوبت اوّل ہی پر تسلیم کر لیا جاتا تو پھر فتنہ و فساد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چنانچہ سیڈی لاٹ وغیرہ کا قول ہم نے دوسری جگہ درج کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے علامہ شبلی امامت کے تصوّر سے یا تو ناآشنا ہیں یا پھر انہوں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔ امام سے جنگ کرنے کو بھی وہ بالکل ویسا ہی سمجھتے ہیں جیسے کہ کسی ظالم یا جابر بادشاہ سے جنگ کرنا۔ اس موقع پر ہم چند حدیثوں کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ دیلمی نے حضرت ابو بکر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خُدا نے فرمایا کہ جو شخص بموجودگی امام اپنے لئے یا غیر کے لئے لڑے اس پر خدا اور اس کے فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے اس کو قتل کر ڈالو۔ اسی طرح ایک اور حدیث دیلمیؒ اور خوارزمی و ابنِ عبدالبر نے ابو لیلیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خُدا نے فرمایا کہ عنقریب میری اُمت میں فتنہ برپا ہوگا جب ایسا ہو تو تم علیؑ کی ملازمت اختیار کرنا یہ تحقیق وہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔ ابو نعیمؒ نے الحلیہ میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خُدا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ علیؑ عَلَم ہے ہدایت کا اور میرے دوستوں کا امام ہے اور اللہ تعالیٰ علیؑ کو مصیبت سے آزمائے گا۔ اور اس کے بارے میں لوگوں کی آزمائش کی جائیگی۔ اس قسم کی اور بکثرت احادیث ہیں۔ جو لوگ حضرت امیرؑ کی افضلیت کے قائل ہیں یا جو اس نتیجہ پر پہونچیں کہ رسولِ خُدا کے انتقال کے بعد ان کے وصی اور جانشینِ برحق اور امام وقت حضرت علی علیہ السلام تھے تو پھر ان کو ان احادیث کی روشنی میں سوچنا پڑے گا کہ جن لوگوں نے حضرت علیؑ کے ادعائے خلافت کو نہ مانا بلکہ خود اپنی خلافت پر بیعت لینے کے لئے مجبور کیا یا بالفاظ شبلیؒ بزور منوانا چاہا یا گھر پر آگ لے جا کر گھر جلانے کی دھمکی دی یا پھر حضرت امیرؑ کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں جنھوں نے آپ سے جنگ آرائی کی آیا وہ سرورِ کائناتؐ کی متذکرہ صدر احادیث کی زد میں تو نہیں آجاتے۔

خلافت شیخین کے متعلق امام غزالی کی صاف گوئی

امام غزالی (زین الدین ابو حامد محمد بن محمد الغزالی) اپنی کتاب "سر العالمین" کے صفحہ ۹ وصفحہ ۱۰ پر اپنی رائے کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔ اجمع الجماھیر علی متن الحدیث عن خطبۃ فی یوم غدیر خم باتفاق الجمیع و ھو القول من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بخ بخ یا ابا الحسن لقد اصبحت مولائی و مولا کل مؤمن و مومنۃ فھذا تسلیم و رضیٰ و تحکیم ثم بعد ھذا غلب الھوا لحُبّ الریاسۃ و حمل عمود الخلافۃ

وعقود البنود وخفقان الھوائی فی قعقعۃ الرایات واشتباک ازدحام الخیول
وفتح الامصار وسقاھم کاس الھوی فجعلھم الی الخلافۃ فعادوا الی الخلاف الاول
فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمناً قلیلاً فبئس ما یشترون۔"

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔ جمہور نے اس حدیث غدیر خم کے صحیح ہونے پر اجماع کیا ہے اور سب کا اس پر
اتفاق ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں پس عمر ابن
الخطاب نے کہا مبارک ہو آپ کو اے ابوالحسن کہ آپکی صبح ہوئی درآنحالیکہ آپ ہمارے اور کل مومن اور مومنہ کے
مولا ہوئے۔ ایسا کہنا عمر کا خلافت علیؑ کو مان لینا ہے اور ان کے استخلاف پر راضی ہونا ہے اور حضرت علیؑ کو حاکم
سمجھنا ہے مگر بعد اس سمجھنے کے خواہش نفسانی نے واسطے حاصل کرنے ریاست اور حکومت خاقی نے غلبہ کیا۔
ایک ریاست عطیہ کا ہاتھ آنا اور خلافت کے نشان کا ہر دیار و امصار میں گڑھ جانا اور پھر یروں کا علم کی ہوا میں
اڑنا اور ہوا کا بیرقوں سے پٹنا اور سواروں کا دونوں طرف جلوس میں چلنا اور گھوڑوں کی ٹاپوں کا شش جہال کے معلوم
ہونا اور ملکوں اور شہروں کا فتح ہونا ان سب خیالات نے ان لوگوں کو جام خواہش نفسانی پلا کر مخمور کر دیا اور اسی
مدہوشی نے ان کو خلیفہ کر دیا اور جیسے قبل اسلام کے تھے ویسے کے ویسے ہو گئے اور اس عہد مبارک کو ان لوگوں نے پس پشت
ڈال دیا اور اس عہد شکنی کے ساتھ ادنیٰ چیز کو خرید کیا۔ پس کیا بری چیز ان لوگوں نے خرید کی بقول علامہ اقبال سے

متاعِ دین و دُنیا لٹ گئی اللہ والوں کی ۔۔۔ یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

امام غزالی کے اس قول کا خلاصہ علامہ سبط ابن جوزی نے بھی اپنی کتاب "تذکرۃ الخواص الامۃ" میں درج کیا ہے
حضرت غزالی نے خلفائے ثلاثہ کے متعلق یعنی جنہوں نے حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کیا اور حضرت عمر کا تو
نام لیکر یہ صاف صاف لکھ دیا ہے کہ دنیا کی ہوس نے ان لوگوں کو مدہوش کر کے خلیفہ بنا دیا۔ اور جیسے قبل اسلام کے تھے
ویسے ہو گئے" یعنی مرتد ہو گئے"۔ ناظرین غور فرمائیں کہ خلفائے ثلاثہ کے متعلق کوئی شیعہ بھی اس سے بڑھ کر کیا کہے گا۔

ابن عقدہ کا بیان

حافظ ابن عقدہ ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید ہمدانی متوفی ۳۳۳ھ جلیل القدر علماء
اہل سنت سے تھے ان کے متعلق علامہ ذہبی یافعی اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ بہت ثقہ
اور سچے تھے اور ایک لاکھ سے اوپر حدیثیں ان کو مع اسناد یاد تھیں لیکن کوفہ اور جامع مسجد براثا بغداد کے عام
مجموں میں ابوبکر و عمر کے معائب اور برائیاں بیان کرتے تھے لہٰذا لوگ ان کو رافضی کہنے لگے اور
ان کی روایتیں ترک کر دیں ورنہ ان کے سچے اور معتبر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے" خطیب بغدادی بھی اپنی تاریخ
میں لکھتے ہیں کہ ابن عقدہ جو سچے اور معتبر تھے رافضی ہو گئے تھے اور ابوبکر و عمر کے عیوب بیان کرنے لگے۔

علامہ فخر الدین رازی کا اظہار خیال

علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں آیت ما الفت بین
قلوبکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں" جب رسول اللہ نے انکی

دعوت اسلام کی طرف کی اور خدا کی عبادت کی طرف رغبت دلائی اور ترک خواہشات دُنیا و میل کی طرف آخرت کے ترغیب دی تو بغض و عناد باخود ہا کا دور ہوا اور مثل بھائی بند کے ہو گئے لیکن جب رسول اللہ نے وفات پائی اور ابواب دُنیا ان لوگوں پر کھل گئے اور اس کے خواہاں و جویاں ہوئے تو پھر اپنی حالت سابقہ پر عود کر گئے اور آپسمیں جنگ و جدال شروع کر دی یہی سبب حقیقی ہے ان لوگوں کے تنازعات و جنگ و جدل و حرب و قتال کا"
نیز علامہ فخرالدین رازی نہایت العقول میں کہتے ہیں" خلافت ابوبکر پر انکی حالت حیات میں اجماع منعقدہ نہیں ہوا بلکہ انکی وفات کے بعد زمانِ خلافت عمر میں جبکہ سعد بن عبادہ ہلاک ہوئے، اجماع منعقد ہوا"۔

شمس العلماء نذیر احمد خاں کا خیال

شمس العلماء حافظ نذیر احمد خاں صاحب اپنی کتاب "امہات الامہ" میں کارروائی سقیفہ کے متعلق اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:- "یہ ابوبکر و عمر صاحبان کی ملی بھگت تھی"۔ رویائے صادقہ کے صہ۱۰۱ و صہ۱۰۷ پر وہ مزید اظہار خیال اس طرح کرتے ہیں:"سب سے زیادہ مکروہ پیرایہ جو اس اختلاف کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ وہ لوگ پیغمبر صاحبؐ کے حواری اور شاگرد اور قرابت مند اور ان کے تربیت یافتہ ہو کر خلافت کے لئے لڑے اور ضرور ہے کہ دو مخالفوں میں ایک حق پر ہو اور دوسرا ناحق پر تو جو ناحق پر تھے کیوں اس کو جانشین پیغمبرؐ اور کیوں اس کو واجب الادب مانا جائے" یہ لکھکر ممدوح اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں۔
" طلب سلطنت کو ان لوگوں کی شان کے خلاف سمجھنا پہلی غلطی تو یہی ہے۔ اگر پیغمبرؐ کے رفقاء نے ان کے شاگردوں نے ان کے عزیزوں نے سلطنت کی خواہش کی اور خواہش کے ساتھ مناقشہ یعنی ہر ایک دعویدار نے چاہا کہ یہ نعمت اسی کے ہاتھ لگے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس خواہش اور مناقشے سے ان کے اسلام میں کیوں فتور واقع ہونے لگا"۔
علامہ موصوف نے خود ہی ایک تنقیح قائم کر کے اس کا جو جواب دیا ہے ہماری دانست میں تشفی بخش ہرگز نہیں ہے اول تو خلافت رسولؐ کو علامہ موصوف نے محض نے سلطنت تصور فرمایا ہے خلافت کے مذہبی اور روحانی پہلو کو نظر انداز کرنے کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ خود علمائے اہل سنت بھی خلافت کو محض سلطنت تصور نہیں کرتے ایسا فرض بھی کر لیا جائے تو تنقیح کے اس جزو کا جواب ہنوز داطلب رہتا ہے کہ ضرور ہے کہ ایک حق پر اور دوسرا ناحق پر تھا کیوں اس کو جانشین پیغمبرؐ اور واجب الادب مانا جائے۔ اس کے جواب میں وہ اسی قدر فرماتے ہیں کہ سلطنت کی خواہش ہر ایک کو ہوتی ہے"۔ یہ تو بالکلیہ اس بات کو تسلیم کر لینا ہے کہ "اہل دُنیا کار دُنیا ساختند"۔
خواہش تو ہر ایک کو ہوا ہی کرتی ہے مگر کسی مستحق کو محروم کر کے غیر مستحق کسی امر کو حاصل کرے تو کیا مستحق کو محروم کرنے کا جواز خواہش نفسانی کی دلیل پر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ دلیل بالکل ویسی ہے کہ کوئی ڈاکو یہ سمجھے کہ مجھے فلاں شخص کے جواہرات اچھے معلوم ہوئے اور خواہش پیدا ہوئی تو میں نے اس کو قتل کر کے جواہرات حاصل کر لئے۔
صہ۵۲ پر حافظ نذیر احمد خاں لکھتے ہیں:۔ "حضرت علیؑ خلافت کے دعویدار ضرور تھے اور کیوں نہ ہوتے

پیغمبر صاحبؐ کے بعد داماد کہو، بیٹا کہو، بھائی کہو یہی تھے اور چند در چند قرابتوں کے علاوہ علم و فضل اور شجاعت میں بھی کوئی اُن کا ہمسر نہ تھا اور سب استحقاق ایک طرف اور فاطمہؑ کا موجود ہونا ایک طرف۔ کوئی ہے جو اتنے استحقاقوں کے ہوتے ہوئے سلطنت جیسی چیز کو چھوڑ بیٹھے اور یہ نہ صرف علیؑ کا خیال تھا بلکہ کثیر احادیث کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صاحب کے تمام قرابت مندان جدی کا یہی خیال تھا۔"

صفحہ ۱۵۲ پر وہ کہتے ہیں دُنیا کے اعتبار سے تو میں شیعہ ہوں اگر میرے ہوتے ہوئے وہ واقعات پیش آتے تو غالباً میں اہل بیت کا ساتھ دیتا۔ میں مرجاتا اور حضرت فاطمہؑ کی آنکھ پر میل نہ آنے دیتا اور جو کچھ وہ فرماتیں بجا یا بیجا ہر موامیں فرق نہ کرتا۔ اسلامی سلطنت رہتی یا جاتی اور جاتی ہی کیوں؟ ایسے ہی موقعہ کیلئے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے — تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی

شمس العلما نذیر احمد کا ایک اور قول ہم حدیث قرطاس کے ضمن میں درج کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اس کے آخری فقرے کو دُہرا دیتے ہیں؛ "جن کے دنوں میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انہوں نے دھینگا مشتی سے (پیغمبر صاحب) کے منصوبہ کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مزاحمت کی یہ تاویل کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس ہے۔"

ڈاکٹر سر سید احمد خاں کی رائے

"تہذیب الاخلاق" جلد دوم میں ڈاکٹر سر سید احمد خاں تحریر فرماتے ہیں "اگر مسلمان عقل سلیم سے کام لیتے اور توفیق ایزدی ان کے شامل حال ہوتی تو بعد آنحضرت امام حسن کو جو کہ ملک اسلام کے وارث حقیقی تھے، مسند خلافت پر بٹھاتے اور سب مل جل کر نیک نیتی سے ان کی پیش دستی میں بطور کونسل مہمات اسلام کو انجام دیتے تو کبھی کوئی فساد برپا نہ ہوتا۔"

سقیفہ کی نسبت مولانا خواجہ حسن نظامی کا اظہار خیال

موصوف نے اپنے ماہنامہ "منادی" جلد ۴۳ شمارہ (۱۱) میں عنوان "الیکشن اور سقیفہ" کے تحت جو تحریر فرمایا ہے اس کا آخری پیراگراف یہ ہے:۔

"یہ ڈبونے والی آگ اور جلانے والا پانی ہے یہ پیاسوں کے لئے بھی تشنگی اور سیرابوں کے لئے بھی پیاس ہے۔ یہ رات کے لئے اندھیرا اور دن کے لئے دھوپ ہے اس کے سر نہیں مگر پاؤں ہیں۔ اس میں دل نہیں ہے دماغ نہیں ہے۔ مگر جسم بہت خوبصورت ہے اس کی ناک میں ایک سو سوراخ ہیں اور اس کے چہرہ پر ہزار ہزار آنکھیں ہیں اس کی غذا جھوٹ ہے، مکر ہے۔ فریب ہے۔ اس کی شکل بلی سے زیادہ مسکین مگر پنجہ شیر سے بڑھکر خار دار ہے۔ مانٹیگو سابق وزیر ہند کو لائیڈ جارج سابق وزیر اعظم نے اسی الیکشن کے لئے قربانی کا بکرا بنایا تھا اور دنیا نے مانٹیگو جیسے بیشمار بکرے اسی دیوی پر قربان ہوتے ہوئے دیکھے ہیں۔ الیکشن قربانی اور بھینٹ لینے والا ایک سیاسی دیوتا بن گیا ہے۔ میں اس کا حلیہ لکھوں تو ساری دُنیا کی زمین کا غذ اور سب سمندروں کو دوات اور سب درختوں کو قلم بنا کر بھی پورا حلیہ ادا نہ کر سکوں بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ انسان کی انگلی کے ناخن میں ایسے بیشمار الیکشن موجود ہیں۔ اگر سقیفہ کے دن وہ گھر سے باہر نہ آیا تو کیا ڈر ہے وہ الیکشن کی حکمتوں سے تہی دست تو نہ تھا (وہ) کون؟

میرا باپ پھر میرا دادا اور رسول خدا کے بعد سب سے بڑا آدمی علی مرتضیٰ علیہ السلام"۔

واشنگٹن ارونگ کی رائے

Lives of Successors of Mahomet کے صفحہ ۳ پر واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے:-

" The right of succession in order of consanguinity lay with Ali and his virtues and services eminently entitled him to it. On the first burst of his generous zeal when Islamism was a derided and persecuted faith, he had been pronounced by Mahomet his brother his Vicegerent: he had ever since been devoted to him in word and deed and had honoured the cause by his magnanimity as signally as he had vindicated it by his valour."

اسی کتاب کے صفحہ ۲۴۹ پر واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے:-

" Themost prominent candidate was Ali who had the strongest natural claim, being cousin,son-in-law of Mahomet, and his children by Fatima being the only Posterity of the prophet. He was of the noblest branch of the noble race of Koreish. He possessed the three qualities most prized by Arabs, courage,eloquence and munificence. His interpid spirit had gained him from the prophet the appellation of Lion of God, specimens of his eloquence remain in verses and sayings preserved among the Arbs. Of his magnanimity we have given repeated instances his noble scorn of every thing false and mean and the absence in his conduct of everything like selfish intrigue. He was opposed however, as formerly by the implacable Ayesha.

ایڈرو ڈ گبن کا خیال

ایڈورڈ گبن کی عبارت نقل کرنے سے پہلے یہ امر قابل ذکر ہے کہ گبن نے جس قدر بھی حضرت رسول حضرت ابو طالب اور حضرت علیؑ کے متعلق لکھا ہے اس کا سب مواد اہلسنت کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ چنانچہ گبن کی مشہور کتاب ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر کے ۱۸۶۲ء کے ایڈیشن پر ڈاکٹر ولیم اسمتھ ڈی۔ سی۔ ایل۔ ایل ایل ڈی نے حاشیہ لکھا ہے جس کے صفحہ ۱۲۷ پر وہ لکھتے ہیں:- گبن نے ان تمام امور کے متعلق تمام تر عربی اہلسنت لکھنے والوں سے مواد حاصل کیا ہے اور جب گبن نے اپنی تاریخ مکمل کی

اسوقت صرف یہی (سنی مورخین) کی کتابیں انکو مل سکتی تھیں۔ البتہ میجر پرائس نے فارسی مصنفین سے بھی اخذ کیاہے اور اسطرح ہمکو مقابلہ کا موقعہ ملتا ہے۔ ولیم اسمتھ کی اصل عبارت درج ذیل ہے:۔

Dr. William Smith, D.C.L., LL.D. has written comments on the 1887 Edition of Edward Gibbon's The Decline and Fall of the Roman Empire in which Dr. Smith writes on Page 270: Gibbon wrote chiefly from the Arabic of of Sunnite accounts of these transactions, the only source accessable at the time when he completed his history. Major Price writing from Persian authorities gives us the occasion of comparing".

ایڈورڈ گبن، ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائرؔ میں لکھتا ہے:۔

"علیؑ کے عادات وخصائل، خاندان اور قرابت اونھیں ہموطنوں سے زیادہ بلند مرتبہ ٹھہراتے تھے اور عرب کے خالی تخت کے لئے اونکا حق جائز ٹھہرایا جاسکتا تھا۔ ابن ابوطالبؑ خود اپنے حق سے خاندان بنی ہاشم کے سردار اور شہر کے علاوہ معبد کعبہ کے متولی تھے۔ نبیؐ اب زندہ نہ تھے لیکن زوجِ فاطمہؑ ان کے باپ کی میراث اور جگہ کی اُمید کر سکتے تھے۔ عرب اکثر اوقات عورتوں کی حکومت سے راضی رہے ہیں۔ رسولؐ نے اپنے دو۲ نواسوں کو گود میں پلا تھا اور منبر سے لوگوں کو دکھایا تھا کہ یہ جوانانِ بہشت کے سردار اور میری آخری عمر کی اُمید گاہ ہیں۔ ان میں (علیؑ میں) شاعر سپاہی اور ولی ہونے کی صفات جمع تھیں اونکی عقل اب تک ایک اخلاقی اور مذہبی مجموعہ اقوال میں ظہور فرما ہے۔ اونکا ہر دشمن خواہ وہ تلوار سے لڑے یا زبان سے اونکی جرأت وفصاحت سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ دعوتِ نبوتؐ کے پہلے لمحہ سے تجہیز وتکفین کے آخری کام تک اس عالی ہمت دوست نے رسولؐ کو نہ چھوڑا۔ رسولؐ نے اونکو برضا ورغبت اپنا بھائی ولیعہد اور دوسرے موسیٰؑ کا ہارون کہا تھا"۔

فرانسیسی مورخ سیڈلاٹ کا خیال | فرانسیسی مورخ سیڈلاٹ لکھتے ہیں:۔

"Had the principle of heriditory succession (in favour of Ali) been recognized at the outset, it would have prevented the rise of those disastrous pretensions which engulfed Islam in the blood of Muslims... The husband of Fatima united in his person the right of succession as the lawful heir of the prophet, as well as the right by election. It might have been thought that all would submit themselves before his glory so pure and so grand. But it was not to be."

"یعنی فاطمہؑ کے شوہر علیؑ میں پیغمبر کے وارث جائز کی حیثیت سے جانشینی کا حق اور نیز انتخاب کے ذریعہ جانشینی کا استحقاق دونوں باتیں جمع تھیں۔ خیال کیا جا سکتا تھا کہ علیؑ کی پاک و پاکیزہ اور ارفع و اعلیٰ شان کے آگے سب اپنا سر تسلیم خم کر دیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اگر مرحلہ اول ہی پر علیؑ کا حق جانشینی رسولؐ تسلیم کر لیا جاتا تو وہ فساد اور خونریزی برپا نہ ہوتی جس نے آگے چل کر اسلام کو گھیر لیا۔"

میجر پرائس کی رائے | میجر پرائس اپنی کتاب History of Mohammedan Empire کے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں:-

"On his return from Mecca on this occasion the prophet's demeanour with respect to Ali gave indication sufficiently strong of the person whom he designed to succeed him....At Chadir-i-Khuam having caused a sort of tribunal to be formed with the furniture of his camels and summoned the observant multitude to attend. He ascended this with Ali on his right hand and addressed the assembly...Heproceeded to say that to all whom he was truly dear, Ali the son of Abu Talib must be equally so...Resuming his address the prophet now said that as many in the great assembly as acknowledged himself for Soverign Lord, would not fail to offer the same acknowledgement to Ali. After this he returned to his tents directing Ali to repair to his own, whither the whole assembly were enjoined to meet and offer him his congratulations on this public and solemn designation of his appointment to succeed."

محمد قاسم دیوبندی کا خیال | مولانا اپنی کتاب انتباہ المومنین صفحہ ۳ پر خلافت کے ضمن میں لکھتے ہیں: "القصہ عجب نیست کہ دریں واقعہ ہم کم و بیش بمقتضائے طبیعت بشری محبت نسبی میلان خاطر انور بجانب حضرت امیر رضی اللہ عنہ باشد۔" قابل غور ہے کہ خلافت علی کیلئے رسول اللہ کا جو میلان علماء دیوبند کو چودہ سو سال بعد بھی نظر آ رہا ہے رسول اللہ کی صحبت میں بیٹھنے والوں کو کبھی نظر ہی نہ آیا۔ ع ۔ بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

ایڈورڈ گبن اور ہٹی کا بیان | ایڈورڈ گبن اپنی کتاب دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر جلد ۲ کے صفحہ ۱۲۴ پر لکھتا ہے:-

"محمد (صلعم) کا پیچھا کرنے اور اذیت پہنچانے والوں نے ان کے اہلبیت کا حق غصب کر لیا اور کل تک جو بت پرستی کے علم بردار تھے آج محمدؐ کے مذہب اور سلطنت کے کرتا دھرتا بن بیٹھے۔"

اصل عبارت یہ ہے:-

'The persecutors of Mohammed userped the inheritence of his children and the champions of idolatory became the supreme heads of his religion and empire'.

فلپ کے۔ ہٹی اپنی کتاب میکرس آف عرب ہسٹری کے صـ۱۰۳ پر لکھتا ہے:۔

"مذہب کو سیاست کی تابعدار کنیز بنا دینا اسلام میں کوئی نئی بات نہ رہی"

اصل عبارت یہ ہے:۔

' Making religion a hand-maid of politics was no novelty in Islam'.

ایڈورڈ گبن صـ۱۱۹ پر سقیفہ کی کاروائی کے ضمن میں مزید لکھتا ہے:۔

"خود عمر نے منبر سے اقرار کیا کہ آئیندہ اگر کوئی مسلمان کسی کو خلیفہ بنانے والے داہی کریگا یا کوئی پیش قیاسی کریگا تو جو خلیفہ منتخب ہو اور وہ سب جو انتخاب میں حصہ لیں لائق قتل ہوں گے" اصل عبارت یہ ہے:۔

'Omar himself confessed from the pulpit that if any Musalman should hereafter presume to anticipate the sufferage of his brethren, both the elector and the elected would be worthy of death'.

گبن نے حضرت عمر کی اس تقریر کو اقرار سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت عمر کی طرف سے یہ واضح طور پر اس بات کا اعتراف ہے کہ سقیفہ میں ہم نے جسکو خلیفہ مقرر کیا ہے وہ اور ہم خود جنھوں نے خلیفہ بنایا ہے سب واجب القتل ہیں جب ہی تو حضرت عمر نے ایسا کہا کہ اگر آیندہ کوئی ایسا کرے تو وہ سب لائق قتل ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اپنا کام نکال لینے کے بعد حضرت عمر کی طرف سے یہ اس امر کی روک تھام تھی کہ حسب فرمانِ خدا و رسولؐ اور اپنی ذاتی قابلیت و استحقاق کی بناء پر حضرت علی کو لوگ کبھی خلیفہ تسلیم نہ کرلیں۔

ایڈورڈ گبن صـ۱۱۹ پر مزید رقم طراز ہے:۔ "صرف بنی ہاشم (ابوبکر کی) بیعت سے انکار پر اٹل رہے اور ان کے سردار (حضرت علیؑ) نے عمر کی دھمکیوں کی پرواہ کئے بغیر جس نے پیغمبر کی صاحبزادی کے گھر کو آگ لگا دینے تک اقدام کیا اپنے مکان میں چھ مہینہ سے زائد عرصہ تک ایک خفگی آمیز علیحدگی کو برقرار رکھا۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

'The Hashemits alone declined the oath of fidelity and their chief (ALI) in his own house maintained abbve six months and independent reserve without listening to the threats of Omar, who attempted to consume with fire the habitation of the daughter of the apostle'.

فلپ کے ہٹی میکرس آف عرب ہسٹری کے صفحہ ۱۸۰ پر لکھا ہے :۔

"شروع سے آخر تک امام شافعی کا یہ اصرار رہا ہے کہ جہاں پیغمبر کی کھلی ہوئی حدیث موجود ہو تو وہ مسلمانوں کے کسی بھی مروجہ طریقہ کو منسوخ اور بے اثر کردے گی"۔ اصل عبارت یہ ہے :۔

' Throughout Al-Shafi'i insisted that a clear saying of the Prophet over-rules any prevailing practice of the Muslem community'.

قابلِ غور ہے کہ جہاں حضرت رسول کے صاف و صریح اور متعدد و بکثرت و بہ تکرار ارشادات موجود ہوں کہ علیؑ میرا خلیفہ، وصی اور جانشین ہے تو پھر کسی نام نہاد اجماع، استخلاف، شوریٰ و قہر و غلبہ کی حیثیت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔

مولانا شاہد زعیم فاطمی کا اظہارِ خیال

اپنے مقالہ "حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف" مطبوعہ رسالہ "سرفراز لکھنؤ" مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۷۷ء کے صفحہ ۵۳ و ۵۵ پر مولانا شاہد زعیم فاطمی فرماتے ہیں :۔

"تاریخ کا اگر غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے اور خلافت کے باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کا پتہ چلایا جائے تو یہ جاننے میں کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی کہ حضور کی دلی تمنا اور آپکی خواہش یہی تھی کہ آپ کے بعد علی ابن ابی طالب آپ کے جانشین ہوں۔ بیشمار روایات و احادیث اس دعوی کے ثبوت میں پیش کیجا سکتی ہیں۔ ..... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب سے اظہار محبت کے ساتھ ساتھ بعض ایسے اقدامات بھی فرمائے جن سے یہ واضح ہوتا تھا کہ حضور اپنے بعد علی ابن ابی طالب کی خلافت کیلئے راستہ ہموار فرما رہے ہیں اور بعض موقعوں پر آپ نے کھل کر اس خواہش کا برملا اظہار بھی فرمایا۔ حضور نے جہاں کہیں ذاتی نمایندگی کی ضرورت محسوس کی وہاں علی ابن ابی طالب کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی۔ ہجرت کی رات ہو یا معرکۂ تبوک، خیبر کا معرکہ ہو یا آیت برأت کے اعلان کا مرحلہ ہر موقعہ پر حضور کی نمایندگی اور جانشینی کا شرف حضرت علی کو حاصل ہوا۔ حضور نے فرمایا: مَن کُنتُ مَولاہ فھٰذا علیٌ مولاہ اللھم وال من والاہ وعادِ من عاداہ، اس طرح مولائے کائنات علی ابن ابی طالب کے ساتھ عہد موالات استوار کرنا ہر اس شخص کیلئے مذہبی فریضہ قرار پایا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لایا ہو۔ حضور نے علی ابن ابی طالب کی ولایت کو اپنی ولایت کیلئے شرطِ لازم قرار دیا اور اس طرح خلافتِ علی پر مہر تصدیق ثبت کردی"۔

مقالہ کے صفحہ ۵۹ پر مولانا شاہد زعیم سورۂ فرقان کی آیت ۳۵ "ولقد آتینا موسی الکتاب وجعلنا معه اخاه هارون وزیرا" اور ارشادِ رسول "یا علی انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ" وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"اس قدر واضح نص قطعی کی موجودگی میں حضرت علی ابن ابی طالب کو وزارت کا نا اہل قرار دیکر اس منصب پر کسی دوسرے صحابی کو لاکر بٹھانا اور سیاسی تدبیروں سے حضرت علی پر فوقیت دینا صریحاً بددیانتی ہے اور اسے بجز بغض علی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

ڈیون پورٹ اور کارلائل

ڈیون پورٹ "اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن" میں اور تھامس کارلائل "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں لکھتے ہیں کہ بعثت کے ابتدائی زمانہ ہی میں رسولؐ نے اپنے عزیزوں کو دعوت دیکر (بوقت نزول آیت انذر عشیرتک الاقربین) علیؑ کو اپنا وزیر اور خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور گو علیؑ کی کم عمری کی وجہ سے اسوقت یہ بات مضحکہ خیز معلوم ہوئی تھی مگر تاریخ نے بتادیا کہ یہ ہنسنے کے قابل بات نہ تھی۔"

جسٹس امیر علی کا خیال

آنریبل سید امیر علی "اسپرٹ آف اسلام" میں فرماتے ہیں:- اپنے آقا و مولا کی وفات سے متیقن ہو کر مسلمانوں نے عام ماتم برپا کر دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ جمہور کا خلیفہ کون ہو؟ آنجناب نے اکثر دفعہ حضرت علیؑ کو خلیفہ کرنے کا اشارہ کیا تھا مگر کوئی ضابطہ مقرر نہیں فرمایا تھا۔ اس بات سے ذاتی طمع مفادِ اسلام پر غالب آگئی اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں اور مذہب میں رخنہ پڑ گیا۔ اگر اس وقت علیؑ خلیفہ بنا دیئے جاتے تو مسلمانوں میں تباہی خیز خونریزیاں ظہور میں نہ آتیں۔"

رائے ٹھاکر پرشاد جج کا خیال

رائے ٹھاکر پرشاد دوبے ایم اے ایل ایل بی اسپیشل جج جونپور کے مشہور مقدمہ میں اپنا معرکۃ الآرا فیصلہ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۸ء صادر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"As I gather from History written by Muslims and non-Muslims alike, Ali was prophet's constant shadow. He was the Boswell of a Johnson in his dealings with the prophet. Ali can rightly be said to be the chief builder of the Prophet's powers, wise in council chamber and valiant warrior in the battle field was he. To his sword had fallen the momontous victories of Khandek, Ohad Badr and Khaiber. But for these, Mohammed's mission would have perished in its very inception and the world would have lost a reformation unequalled in man's history. The consolidation of the temporal power of Mohammed by Ali made it possible for the message of Islam to be delivered in an unbelieving age. It would thus appear that Ali was the most highly entitled and the best deserved for succession to the Imamate of Islam, both on the strength of his family relationship to the prophet and on the ground of his own merits as being the sincerest friend and follower of the prophet.

جسٹس آرنلڈ کا اظہار خیال

بمبئی ہائیکورٹ کے مشہور خوجہ کیس ۱۹۳۵ء انڈین لاء رپورٹ میں جسٹس آرنلڈ نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے :-

' He (Ali) was and deserved to be deeply beloved being clearly and beyond comparison the most heroic of the time, fertile in heroes....a man brave and wise and just and self denying in a degree hardly exceeded by any character in history...The General expectation of Islam had been that Ali the first desciple, the beloved companion of the Apostle of God, the husband of his only surviving child Fatima, would be the first Caliph. It was not to be. The influence of Aisha the young and favourite wife of Mohammed a rancorous enemey of Fatima and Ali procured the election of her own father Abu-Bakar

یورپی مورخ لامنس کا نظریہ

علامہ عمر ابو النصر اپنی کتاب "علیؑ و عائشہ" مترجمہ مولوی محمد احمد صاحب پانی پتی مطبوعہ مقبول اکیڈیمی لاہور کے ص۱۵ و ص۱۶ پر لکھتے ہیں :-

"بعض مستشرقین کے نظریات ہمارے نظریات سے بالکل مختلف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابوبکر کی خلافت کوئی اتفاقی امر نہ تھا بلکہ ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھی جس کے خطوط پہلے سے متعین کر لئے گئے تھے۔ اس سازش کے مرکزی کردار حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بیان کئے گئے اور دو عورتیں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ۔ سب سے پہلے مشہور مستشرق لامنس نے یہ نظریہ پیش کیا جس نے اسلامی سلطنت کے عہد اولیں اور دولت امویہ کے قیام کے بارے میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ گو لامنس اس نظریہ کو پیش کرنے میں اکیلا نہیں ہے۔ اس سے قبل بعض شیعہ مورخین اور نیز نہج البلاغہ کے شارح ابن ابی الحدید نے بھی اس سے ملتی جلتی باتیں بیان کی ہیں۔

لامنس لکھتا ہے کہ خلیفہ اول، محمدؐ کے اصحاب میں سب سے زیادہ زیرک، معاملہ فہم اور دور رس انسان تھے مدت سے انہیں محمدؐ کی جانشینی کی آرزو تھی۔ عمر اور ابوعبیدہ اس معاملہ میں ان کے کامل ہمنوا تھے۔ ان تینوں میں یہ بات پہلے سے طے پا چکی تھی کہ محمدؐ کی وفات کے بعد ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ کی مدد سے خلافت کے حصول کی کوشش کریں گے اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو اپنی زندگی میں اپنے بعد عمر کو خلافت کے لئے نامزد کر دیں گے۔ عمر اپنے عہد میں ابوعبیدہ کی خلافت کی وصیت کر جائیں گے۔ ابوبکر کی تمنا بر آئی اور وہ عمر اور ابوعبیدہ کی مدد سے بآسانی خلافت پر قابض ہو گئے۔ ابوبکر نے عمر کو برسر اقتدار لانے کی تدبیر یہ اختیار کی۔ انہوں نے عمر کو قضاء کا اور ابوعبیدہ کو مال غنیمت کی نگرانی کا کام سپرد کر دیا۔ جب ان کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے حسب وعدہ

عمر کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور بڑے بڑے صحابہ کو بلا کر ان سے بھی عمر کے تقرر کی توثیق کر دی۔ عمر نے اپنے عہد خلافت میں ابوعبیدہ کو خالد بن ولید کی جگہ شام اور فلسطین کے اسلامی لشکروں کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ حالانکہ خالد بن ولید کے ذریعہ مسلمانوں کو روز افزوں فتوحات حاصل ہو رہی تھیں تاہم ابوعبیدہ عہد عمر میں فوت ہو جانے کے باعث اپنا موعودہ حصّہ حاصل نہ کر سکے (ابوعبیدہ کے انتقال کے بعد بھی حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں اپنے بعد انھیں خلیفہ بناتا) لامنس لکھتا ہے کہ اس سازش میں دو عورتیں یعنی عائشہ بنت ابوبکر اور حفصہ بنت عمر بھی شریک تھیں۔ علاّمہ عمر ابوالنصر لکھتے ہیں۔ لامنس نے حضرت عائشہ کی عقل و فراست کے بیان میں بخل سے کام نہیں لیا ہے وہ ان کی ذکاوت، فطانت اور سیاسی بصیرت کا کمال درجہ معترف ہے۔

علاّمہ عمر ابوالنصر کا خیال

ابوالنصر اپنی کتاب کے صلا پر لکھتے ہیں "انھیں (حضرت علیؓ کو) یہ خیال بھی نہ آسکتا تھا کہ رسول اللہ کی جانشینی کے سوال پر مسلمانوں میں سے کوئی شخص ان کے مقابل آسکتا ہے یا مسلمان انہیں خلافت سے محروم کر کے کسی اور قبیلہ کے فرد کو خلافت تفویض کر سکتے ہیں"۔

صـ۱۳ و صـ۱۴ پر وہ لکھتے ہیں "چند ہاشمیوں کے سوا جن میں نمایاں نام حضرت علیؑ کا ہے باقی تمام مسلمانوں نے برضا و رغبت آپ (حضرت ابوبکر) کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت علیؑ نے بھی بیعت تو کر لی۔ مگر بہت تردد کے بعد اور بعض مورخین کے قول کے بموجب آپ حضرت فاطمہؑ کی وفات تک بیعت سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علیؑ کی بیعت کا مطلب یہ نہ تھا کہ انہوں نے اپنے حق سے دستبرداری کر لی تھی۔ انہوں نے بعض سیاسی مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا کیا تھا (حضرت علیؑ کا بیعت کرنا عمر ابوالنصر کی ذاتی رائے ہے)

صـ۱۵ پر علاّمہ موصوف لکھتے ہیں "حضرت عمر کی خلافت کے دوران میں اس سلسلہ میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا البتہ حضرت علیؑ کو خلافت سے محرومی کا بے حد رنج تھا تاہم انہوں نے اس رنج کو دل میں دبائے رکھا۔"

صـ۲۰۵ پر عمر ابوالنصر فرماتے ہیں:۔

"بظاہر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضور کی یہ خواہش تھی کہ آپ کا کوئی صلبی بیٹا آپ کی جانشینی کے فرائض انجام دے تاہم اس سلسلہ میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی کیونکہ ابراہیم دو سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ بعد میں وہ واقعات پیش آئے جن سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے تاہم یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لڑکا بقید حیات ہوتا تو یقیناً تاریخ اسلام کا رُخ کچھ اور ہی ہوتا۔"

اس بارے میں سُنّی علماء کی مضطرب الخیالی بھی قابل غور ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس بات کا یقین ہے کہ اگر حضرت رسولؐ کا کوئی فرزند بقید حیات ہوتا تو وہی حضرت رسولؐ کا جانشین ہوتا اور تاریخ اسلام کا رُخ کچھ اور ہوتا۔ کوئی (شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد) کہتے ہیں کہ "اسلام کے لئے خیر گزری کہ پیغمبر صاحبؐ کا کوئی بیٹا زندہ نہ رہا ورنہ شاید وہ پسر نوحؑ ثابت ہوتا۔"

صحیح طور پر غور کیا جائے تو دیدہ دہنی کے قطع نظر یہ سب حقیقت اور انصاف سے گریز کرنے کی باتیں ہیں۔ حضرت علیؑ کے متعلق حضرت رسولؐ نے کیا کچھ نہ کہا۔ بچپن سے پالا اور اپنا وزیر، بھائی، وصی، جانشین، خلیفہ، ابن عمِ موسیٰؑ کا ہارونؑ اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ وغیرہ وغیرہ کتنے ارشادات نہ فرمائے۔ حضرت رسولؐ کے ہم خاندان و عم زاد بھائی اور آپکی صاحبزادی سیّدۃ النساء العٰلمین کے شوہر اور بہترین ذاتی صفات، عصمت و طہارت ولایت شجاعت علم سے آراستہ ہونا اس پر مستزاد۔ آخر حضرت رسولؐ کے رشتہ دار کی حیثیت سے بھی آپ میں کمی کس بات کی تھی؟ فرزند کا نام لیا جاتا ہے تو حسینؑ کو نہ صرف حضرت رسولؐ نے اپنے بیٹے فرمایا بلکہ بروئے قرآن بھی آپ فرزند رسولؐ قرار پائے۔ سرداران جنت بھی خطاب ملا۔ لباس عصمت و طہارت سے آراستہ بھی تھے اہل ایمان کے علم میں یہ بات بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے خود اپنے فرزند حضرت ابراہیم کو حسینؑ پر سے فدا کر دیا جبکہ جبرئیلؑ آپ سے اس بارے میں بہ حکم خدا دریافت کرنے آئے تھے۔ اس طرح خود حضرت رسولؐ کی نظر میں حسینؑ آپکے فرزند صلبی سے بھی عزیز تر تھے اور یوں بھی ان کو ماں اور باپ دونوں کے معصوم نصی ہونے کا وہ شرف حاصل تھا جو دنیا میں کسی کو نہ ملا حسنین علیہم السلام جب حضرت رسولؐ کی نظر میں بھی آپکی صلبی اولاد سے مرجح تھے تو اب یہ کہنے والے غور فرمائیں کہ اگر حضرت رسولؐ کا کوئی فرزند بقید حیات ہوتا تو وہ جانشین رسولؐ ہوتا اور تاریخ کا رُخ کچھ اور ہوتا۔ خاندانِ رسولؐ میں علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنینؑ جیسی ہستیاں ہوتے ہوئے امت نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا! محتاج انصاف ہے جس کی داد کو صرف خدا تعالیٰ ہی پہونچ سکتا ہے۔ اب یہ تو عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے کہ حضرت رسولؐ کا فرزند ہوتا تو وہ خلیفہ ہوتا۔ حضرت عمرؓ اور قریش میں سے آپ کے ہمنواؤں نے بار بار اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم نے نہ چاہا کہ خلافت بھی خاندانِ رسولؐ میں رہے۔ چنانچہ خانوادۂ رسالتؐ کو بالعمد اور ڈنکے کی چوٹ خلافت سے علاحدہ رکھا گیا اور ایسا کرنے کا واضح ادّعا بھی کیا گیا۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب "علی و بنوہ" مترجمہ مولوی عبدالحمید صاحب نعمانی فتنۃ الکبریٰ کی جلد دوم مطبوعہ ستمبر ۱۹۶۱ء ص ۳۰۶ پر لکھتے ہیں:-

"لوگ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ نبی کریمؐ کی وفات کے بعد قریش نے خلافت کا رُخ بنی ہاشم کی طرف سے اس وجہ سے پھیر دیا کہ نبوت اور خلافت قریش کے اس خاندان میں جمع کرنا امن و عافیت کے خلاف ہے اور نامناسب بھی لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ اللہ نے بنی ہاشم کو نبوت سے نواز کر بہت کچھ خیر و برکت کا مالک بنا دیا۔ اب ان کو اسی فضل و کرم پر قناعت کرنی چاہیئے۔" قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ خانوادۂ رسول کو فضل و بزرگی عطا فرمائے اور حاسدین طعنہ زن ہوں۔ انہیں کے لئے ارشاد باری ہے۔ ام یحسدون الناس علیٰ ما اٰتاھم اللہ من فضلہ (سورۂ نساء آیت ۵۴)

کارروائی سقیفہ کے متعلق ڈاکٹر ابوبکر خاں صاحب کا اظہار خیال

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی جو کسی زمانہ میں مدح صحابہ کی تحریک میں

حصّہ لے چکے تھے، بعد تحقیق کئی مقالے سپردِ قلم فرمائے ہیں۔ ان میں سے مقالہ "اسلام اور بنی اُمیّہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صنا وصلا اور صلا و صلا پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"منافقین کے نقطۂ نظر سے وفاتِ رسولؐ کا وقت ہی اس کے لئے نہایت مناسب و معود تھا کہ وہ بھولے بھالے مسلمانوں کی مدد سے اپنی دیرینہ آرزوئیں بروئے کار لائیں اور ۲۳ سال تک جس بات کو دل کی گہرائیوں اور منافقت کے پردوں میں چھپائے ہوئے تھے، ظاہر کر کے رہیں۔..... رسولؐ کے انتقال کے بعد ہی جبکہ ابھی حضورِ اکرم کی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہوئی تھی۔ جنازہ کو چھوڑ کر صحابہ کا اقتدار پسند گروہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گیا اور انصار و مہاجرین میں سے ہر ایک گروہ نیابت رسولؐ کی کوشش کرنے لگا اور بالآخر حضرت ابوبکر خلیفہ بن گئے۔.... مقام غور ہے کہ وہی سب طاقتیں جن کو پیغمبر اسلامؐ (۲۳) سال میں فنا کر چکے تھے، بعد رسول یکبارگی کیسے اُبھر آئیں جس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ سادہ لوح مسلم اور چالاک منافق مرے نہیں تھے بلکہ منافقت کی نقاب چہرہ پر ڈال کر مسلمانوں سے مل گئے تھے اور اس دن کا انتظار کر رہے تھے کہ پیغمبرؐ کی آنکھیں بند ہوں اور سلطنت اسلامی پر قبضہ جما کر خوب گلچھرے اُڑائیں..... سرورِ کائناتؐ کے ہاتھوں تکمیل دین کے ساتھ ہی نعمت عطا کی گئی تھی مگر وہ نعمت صالحین آلِ محمدؐ تک منافقوں نے نہ پہونچنے دی۔ دینداری ہی کی حکمرانی و سرداری نعمت خدا متصور ہوتی ہے اور جب حکمرانی اور سرداری غیر صالحین کے ہاتھوں میں پہونچ جاتی ہے تو عذاب خدا اور لعنت بن جاتی ہے۔ اگر اس موقع پر یہ کہا جائے کہ بعد رسولؐ سیاسی غلبہ صالحین آلِ محمدؐ کے ہاتھوں سے نکل گیا جس کے سبب نعمت اُمتِ محمدی کو نصیب نہیں ہوئی اور آج تک گروہ مسلمین و منافقین اللہ کی نعمت کو غصب و ضائع کرنے لعنتی بنا ہوا ہے تو بیجا نہ ہوگا۔...رسولؐ کے انتقال کے فوراً بعد ہی ان کے جنازہ کو بے گور و کفن چھوڑ کر سقیفہ کی کارروائی برپا کرنا امام وقت سے کھلی بغاوت تھی اور اسے تعلیم و فرمان محمدی سے علانیہ انحراف کے مترادف سمجھا جا سکتا ہے۔ وفاتِ سرورِ کائناتؐ کے بعد ان نام نہاد مسلمانوں نے جو حقیقتاً اسلام میں کفر و نفاق کے نمائندے کی حیثیت سے گھس آئے تھے جو کچھ کیا وہ جس قسم کی حکومت وجود میں لائے انہوں نے محمدؐ عربی کی تعلیم کو ٹھکرا کر من مانی کارروائیاں کیں اور اپنی اندرونی اُلجھنوں کو دبانے کے لئے عربوں کے جذبۂ قومی کو اُکسا کر انھیں ہمسایہ ممالک پر لشکر کشی کے لئے اُبھارا اور انسانی آبادیوں میں تباہ کاری کارروائیاں کیں ان سب کی ذمہ داری جناب رسالتمآبؐ یا انکی تعلیمات یا انکے حقیقی جانشین حضرت علیؑ یا سلسلۂ امامت کی بقیہ کڑیوں پر عاید نہیں ہوتی۔"

مولانا صحوی شاہ و مولانا سیّد عبداللہ شاہ کا اظہارِ خیال

سلسلۂ غوثیہ کمالیہ کے ایک بزرگ مولانا صحوی شاہ خلف مولانا غوثی شاہ نے اپنی کتاب "رد منافقت" مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۷۵ء میں سورۂ تکویر آیت ۲۴ "وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ" (رسول غیب کی باتیں بتلانے میں بخیل نہیں ہے) کے حوالہ سے کئی ایسے اُمور کی نشاندہی کی ہے۔ جو حضرت رسولؐ نے

پہلے ہی بیان کردئے تھے اور وہ بعد میں صحیح ثابت ہوئے۔ اسی کے ضمن میں بعد رسول حضرت علی سے اُمّت کی بے وفائی کے واقعہ کو بھی درج کیا ہے جس کی حضرت رسول نے پیشگوئی فرمادی تھی۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۳۶ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

"جن لوگوں کے دل میں کھوٹ ہے اور جو حضور کے ساتھ مساوات بشریت کے فریب میں مبتلا ہیں ان کے نزدیک حضور کے علم غیب کا انکار بھی ایک ضروری امر ہے اور ان کے یہاں آداب رسالت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" ص۹۹ پر بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم (مستدرک حاکم) بروایت عبداللہ ابن عباس و نیز بروایت حضرت علی علیہ السلام درج کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم سے اُمت میرے بعد بے وفائی کرے گی۔ روایت زبانی عبداللہ ابن عباس میں مزید تفصیل ہے کہ "حضرت رسول نے فرمایا کہ اے علیؑ خبردار کہ تم کو میرے بعد مصیبت پیش آئے گی حضرت علیؑ نے استفسار فرمایا کہ کیا یہ مصیبت میری سلامتی دین کے ساتھ پیش آئیگی۔ فرمایا ہاں تمہاری سلامتی دین کے ساتھ۔"

ص۶۷ پر مولانا موصوف بحوالہ مشکوٰۃ جلد دوم ص۸۰ و صحیح بخاری جلد ۳ حدیث ۵۳۰۶ حدیث حوض کو بروایت سہیل بن سعد اس طرح درج کرتے ہیں :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہارا میر سامان ہونگا۔ جو شخص میرے پاس سے گزریگا وہ پانی پیئے گا۔ البتہ میرے پاس کچھ لوگ آئینگے میں ان کو پہچان لونگا اور وہ بھی مجھے پہچان لینگے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کردی جائیگی۔ میں کہونگا یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ اسکے جواب میں بتایا جائے گا تم کو معلوم نہیں انھوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کی ہیں (یہ سنکر) میں کہونگا وہ لوگ دور ہوں مجھ سے دور خدا کی رحمت سے جنھوں نے میرے دین میں میرے بعد تبدیلی کرڈالی ہے۔"

مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری اپنی کتاب شہادت نامہ، مطبوعہ ۱۳۸۳ھ کے ص۵ پر حضرت رسول کا یہ ارشاد درج کرتے ہیں :- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :-

"میری اُمّت پر کسی چیز کا اتنا خوف نہیں ہے جتنا خوف کہ "ھَوٰی و طُولِ اَمَل" کا ہے ھوٰی یعنی خواہش نفسانی اُن کو حق سے روک دیگی اور طُولِ اَمَل یعنی بڑی بڑی اُمیدیں کرنا اُن سے آخرت کو بھلا دیگا۔"

یعنی حضرت رسولؐ کو اپنی امت سے سب سے بڑا خدشہ یہی تھا کہ خواہشات نفسانی کی پیروی ان کو حق کے راستہ سے ہٹا دے گی اور اپنے لئے بڑی بڑی اُمیدیں دنیوی جاہ و منصب کی باندھ کر آخرت کو بھلا بیٹھینگے۔

حضرت رسول کے اتنے واضح ارشادات ہر صاحب عقل کے کان کھول دینے کیلئے پوری طرح کافی ہیں۔ اور وہ خود یہ دیکھ لے سکتے ہیں کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ہوسِ اقتدار و منصب میں حق کے راستہ سے روگردانی کردی اور اسی کے حصول کے منصوبے بنا کر آخرت کو خیر باد کہدیا۔

میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب کے تاثرات

میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب (سُنّی المذہب) سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب Hazrat Ali as an Amir کے صـ۱۶ـ و صـ۱۷ـ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

" It is a matter of serious consideration for every intelligent and sincere student of Islamic History that the first choice of the Holy Prophet in regard to the one to serve as to govern his affairs, to execute all his duties in his absence fell on none else but the great General Ali. The world around had already witnessed the unique qualities, Ali exclusively possessed, to act in place of Holy Prophet, with the same wisdom, courage, justice and sacrifice needed to defend the rights of the Muslims and manage their affairs, both spiritual and secular. When the Holy Prophet led the expedition to Tabuk Ali was appointed by the Holy Prophet to the important post of the Amir or his Viceroy at Madina, saying..' O Ali thou art to me as Haron to Moses. This is undoubtedly an open declaration of clearest guidance to the Muslims as to who they should trust in his absence. Circumstances and the state of affairs fully justify the decision of the Holy Prophet, that the state first formed constituted by the converts to Islam who were mostly half-hearted and hypocritical needed only a Military genius like Ali combined with the unique personal qualities which he and none else possessed.

جنرل صاحب موصوف مزید لکھتے ہیں:۔

The argument advanced in favour of Hazarat Ali presenting unique qualities and matchless are such historic events and unquestionable truth that not even the worst of Ali's enemies contest or even question the genuineness or the authenticity of the points.

(اس کے بعد جنرل صاحب موصوف نے حضرت علی علیہ السلام کے پندرہ صفات و فضائل سلسلہ وار درج کئے ہیں جو سوائے ذاتِ علیؑ کے کسی اور میں موجود نہ تھے) اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:۔

Inspite of all the above unique points the turn of events which immediately followed the departure of the Holy Prophet from the world, did not allow this Godly General to rule over the destinies of the people.

اس کے بعد جنرل صاحب موصوف یہ کہتے ہوئے کہ ایک شخص ثالث کی زبان سے حقیقت کا اظہار مناسب ہوگا مشہور مصنف سیڈلاٹ کے وہ الفاظ درج کئے ہیں جس کو ہم نے بھی اس کتاب میں درج کیا ہے۔

جنرل صاحب مزید فرماتے ہیں۔

If the glorious name of being the First Muslim, a comarade of the Holy Prophet in exile, his faithful companion in the struggle for the faith his intimate associate in life and his kinsman of a true knowledge of the spirit of his teachings and of the Book (the Holy Quran) of self-abnegation, practice of justice, honesty,purity andlove for truth, of the knowledge of law and science constitute a claim for pre-eminence, then all must regard Ali as the foremost Muslim.(p.16)

کاروائی سقیفہ اور خلافت ابوبکر کے متعلق محقق حق گو شاہد زعیم فاطمی کا اظہار خیال

محقق حق گو جناب سیّد شاہد زعیم فاطمی اپنے مقالہ "حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف" مطبوعہ رسالہ سرفراز لکھنؤ مورخہ ۲ر اگست ۱۹۷۷ء کے صـ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد صحابہ میں جس چپقلش کا آغاز ہوا تاریخ آج تک اس کا ماتم کرنے سے فارغ نہیں ہوئی ہے۔ انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں جو ہنگامہ کھڑا کیا گیا وہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس طرح حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا اور اس موقعہ پر جس قسم کی دھاندلی روا رکھی گئی وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اسکا ادنیٰ ثبوت سعد بن عُبادہ کا قصہ ہے جنھیں صرف اس جرم میں کہ وہ علی ابن ابی طالب کو خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں اس بیدردی سے مارا پیٹا گیا اور پاؤں تلے روندا گیا کہ ان کے لئے جان بر ہونا ثابت ہوا۔ یہ سعد بن عبادہ اصحاب بدر میں سے اور انصار مدینہ کے معزز و محترم سردار تھے"۔

مولانائے موصوف صـ۲۳ پر فرماتے ہیں:۔

"........ لیکن قریش کے چند منہ زور افراد نے نہ حدیث کو ملحوظ رکھا نہ انصار کے استحقاق کو در خور اعتنا سمجھا اور دھاندلی اور دھونس سے ایک ایسا فیصلہ بروئے کار لانے میں کامیاب ہوگئے جو نوامیسِ اللہ اور فرامین

نبوّت کے سراسر خلاف تھا...... یہ جو کہا جا رہا ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع ہوا تھا اور اجماع کا انکار کفر ہے تو یہ بھی ایک مذہبی اور تاریخی فریب کے سوا کچھ نہیں۔ تمام کتب تاریخ اسکی شاہد ہیں کہ انصار بہ حیثیت مجموعی ابوبکر کے حق میں نہ تھے انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ ابوبکر کو خلیفہ تسلیم کریں جبر و اکراہ کو اجماع کا نام نہیں دیا جا سکتا مگر یہ کہ اگر امت کا اجماع کسی ایسی بات پر ہو جائے جو احکامِ قرآنی کے سراسر خلاف ہو تو ایسے اجماع کی شرعاً کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی"۔

اسی صفحہ پر مولانا موصوف مزید فرماتے ہیں:-

" سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین کے ایک گروہ نے خلافت کیلئے جو ملی بھگت کی قرآن مقدس کی اُن آیات کے بعد جو ہم نے وراثت انبیاء کے قانون کے بارے میں پیش کی ہیں اس کی کیا حیثیت باقی رہتی ہے"

خلافت سے فائدہ اٹھانے کا سوال

بعض لوگ یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ نے خلافت سے کیا فائدہ اُٹھا اور کیا مالی منفعت حاصل کی، سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ احکام خداوندی اور ارشاداتِ رسول کی تعمیل کی گئی یا نہیں۔ اگر ان احکام کی خلاف ورزی سرزد ہوئی ہو تو عام اس سے کہ خلافت سے جلب منفعت مالی کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو وہ خلافت ہی بر خود غلط قرار پاتی ہے اور جلبِ منفعت کرنا نہ بھی قرار دیا جائے تو وہ خلافت کی اس بنیادی ناجوازی کو رفع نہیں کر سکتا۔ جلبِ منفعت کرنا نہ کرنا بعد کی بات ہے اب لبغرض تکمیل حجت اس پر غور بھی کیا جائے کہ خلافت سے کیا فائدہ حاصل کیا گیا تو اس کیلئے نفسیات اور فطرتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالنا ضروری ہے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ فائدے کس کس قسم کے ہو سکتے ہیں اور فائدہ کے معنوں میں کون کون سی چیزیں داخل ہیں عقل اور قانون نے جلب منفعت کی تعریف میں حظِ نفس کو بھی شامل کیا ہے خواہ وہ حصول حظِ نفس یا تکمیل خواہش نفس کسی ذریعہ سے بھی کرائی جائے کسی عہدہ یا امارت کا حاصل کرنا بھی بہ نفسہ ایک جلبِ منفعت کی صورت رکھتا ہے۔ اپنی فطرت کے علٰحدہ علٰحدہ تقاضوں کے اعتبار سے انسان مختلف چیزوں سے حظِ نفس حاصل کرتا ہے۔ کوئی محض دولت یکر زر و جواہر جمع کر کے خوش ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خواہ وہ اس کو اپنے پر صرف بھی نہ کرے۔ وہ دولت پر صرف اپنا قابو حاصل رہنے سے مطمئن رہتا ہے اور اسی سے لُطف اُٹھاتا رہتا ہے۔ کوئی روپیہ پیسہ سے نہیں بلکہ عیاشی کے ذریعہ استحصال حظ کر کے اسی سے مطمئن ہوتا ہے جیسا کہ حیدر آباد کا ایک پُرانا مقولہ ہے کہ کہیں روپے کی جھنکار ہے تو کہیں پازیب کی جھنکار۔ کوئی حکومت اور امارت کے نشہ سے مگن اور سرشار رہتا ہے۔ امارت و سرداری کی عزت ظاہری کوئی کم اہم چیز نہیں ہے اور حکومت کا نشہ کوئی بے وزن امر نہیں ہے انگلستان کا مشہور شاعر شیلے کہتا ہے:-

Power like a desolating pestilence
pollutes what'er it touches."

یعنی اقتدار ایک تباہ کن بلا ہے جو گندہ ہی کر دیتی ہے خواہ جس کسی کو بھی چھو جائے۔
پروفیسر محمد عبدالعلی صاحب اپنی کتاب Caliph Ali کے صفحہ ۱۰۱ پر لکھتے ہیں:۔

Even menof God when they come to power learn to play the game of power to act and believe otherwise is to force things against nature and ignore human traits.

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب "حقیقت جہاد" کے صفحہ ۱۸ پر فرماتے ہیں:۔
"حکومت اور فرمانروائی جیسی کچھ بلا ہے ہر شخص اس کو جانتا ہے اس کے حاصل ہونے کا خیال کرتے ہی انسان کے اندر لالچ کے طوفان اٹھنے لگتے ہیں۔ خواہشاتِ نفسانی یہ چاہتی ہے کہ زمین کے خزانے اور خلق خدا کی گردنیں اپنے ہاتھ میں آئیں تو دل کھول کر خدائی کی جائے۔"

خلفائے ثلاثہ میں ہر ایک کے زمانہ میں اپنی اپنی پسند اور اپنی طبیعت کے اعتبار سے اور اپنے اٹھنے کے لوگوں کو گورنریاں اور عہدے دیئے گئے۔ ان تینوں خلافتوں میں کسی ایک بنی ہاشم کو حتیٰ کہ حضرت علی علیہ السلام کو بھی (گو کہ آپ دنیاوی دولت و حکومت سے بے نیاز تھے) کبھی کوئی عہدہ پیش نہیں کیا گیا۔ عہدوں کی تقسیم پر یہ قابو اور یہ امارت کی شان اپنی یہ دھاک دنیاوی نقطۂ نظر سے کیا کم ہے اور دور و نزدیک کے ملکوں میں امیر المومنین اور خلیفہ رسول کہلوائے جا کر اپنی شان بڑھانا بھی کیا کم ہے یہ لازمی نہیں کہ کوئی روپیہ پیسہ ہی جمع کرتا جائے اور پھر معاملہ زیر بحث میں بھی مال غنیمت کی جو کچھ تقسیم ہوتی تھی اسمیں ہر شخص کا حصّہ رہتا تھا۔ اور تقسیم کا یہ اختیار خلیفہ کو رہتا تھا اور اپنی امارت و حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے تقسیم کا یہ اختیار بھی کافی اہمیت رکھتا تھا۔ عوام الناس کو جو ہوا اور حرص میں مبتلا تھے اور جن میں سے اکثر کا متمح نظر ہی حصول دولت تھا حکومت کی طرف سے مطمئن رکھنے کی صورت یہی تھی کہ دولت میں سے ان کو حصّہ ملتا جائے ورنہ جن لوگوں نے امارت دی تھی وہ اس امارت سے ہٹا بھی دے سکتے تھے خلفائے ثلاثہ خود اپنی تنخواہیں بھی ہر ماہ علاوہ مال غنیمت کے لیا کرتے تھے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۸۱ سطر ۱۷ تا ۱۹ پر لکھتے ہیں "ابن سعد نے میمون سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر کی دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی مگر آپ نے عذر کیا کہ میرا کنبہ بڑا ہے اور مجھے بوجہ اشغال خلافت کے تجارت نہ ہو سکے گی۔ اس لئے کچھ زیادہ دیا جائے۔ چنانچہ پانچسو اور ترقی کر دی گئی" اسی صفحہ کی سطر ۱۵ و ۱۶ میں درج ہے "حضرت ابو عبیدہ ہر روز آپ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آدھی بکری کا گوشت اور جو کچھ تن ڈھکنے اور پیٹ بھرنے کو چاہیئے تھا بھیج دیا کرتے تھے" الفاروق جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ پر شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی تنخواہ پانچہزار درہم مقرر ہوئی۔ حضرت عمر نے جب انتقال کیا تو بہ روایت سیوطی ۸۶ ہزار کا قرض انہوں نے

چھوڑا اس سے ان کے خرچہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت عثمان نے تو مسلمانوں کا روپیہ کھلم کھلا اپنے اوپر اور اپنے عزیزوں پر صرف کیا۔ آپ کا تمام عہدے اور گورنریاں محض اپنے خاندان میں تقسیم کرنا اور آپ کے اقرباء کا مسلمانوں کا کروڑوں کا مال بے حلق کی نا تاریخ سے پوری طرح ثابت ہے جس کا ذکر علیحدہ آیا ہے۔ صرف شکایت زبان پر لانے کی علت میں جلیل القدر صحابیوں ابوذر غفاری، عمار یاسر اور عبداللہ ابن مسعود کے مقررہ روزینے بھی بند کر کے کسی کو شہر بدر کیا گیا۔ کسی کو زدوکوب کیا گیا اور اپنے عزیزوں کو اس طرح دیا گیا کہ مثلاً مروان کو ملک آفریقہ کا (۵) لاکھ دینار (ایک کروڑ درہم) خمس بخش کر فدک جو جناب سیدہ سے چھینا گیا تھا مروان کی جاگیر میں دیدیا گیا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب "بھائی بھائی" میں لکھتے ہیں: "ان کے دور میں کنبہ پروری کی وبا پھیل گئی تھی خود خلیفہ ثالث اور ان کے وزیر مروان بن حکم نے اچھے اچھے مکانات بنوائے تھے" حضرت عثمان نے اپنی چار بیٹیوں میں سے ہر ایک کی شادی کے وقت بیس بیس لاکھ درہم دیئے۔ کیا ان تمام مسلّمہ حقایق کے بعد بھی یہ کہا جائے گا کہ خلافت سے کیا فائدہ اٹھایا گیا؟ بہرحال جس جس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے جلب منفعت اپنی کسی نہ کسی شکل میں موجود نظر آئیگی اور یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ خلافت سے کیا فائدہ حاصل کیا گیا۔

خلفائے ثلاثہ کا مبیّنہ جہاد

بعض لوگوں میں ایک تصور یہ پایا جاتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ نے بیسیوں شہر اور ملک فتح کئے اور اسلام پھیلایا اور اس طرح جہاد کیا" بیس ہزار مسجدیں بنوائیں، مسلمانوں کی تعداد میں لاکھوں کا اضافہ کیا اس طرح انہوں نے بڑا کارنامہ انجام دیا۔ مگر اس سلسلہ میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ کیا دین اسلام ملکوں کو فتح کرنے آیا اور آیا اس کا مقصد ملک گیری تھا یا پُرامن ذرائع اور لوگوں کے دلوں کو مائل کر کے لا اکراہ فی الدین کے اصولوں پر دین کی تبلیغ کرنا تھا۔ حضرت رسولِ خدا کے تمام غزوات بالکلیہ مدافعانہ نوعیت کے تھے اور آپ نے اسی صورت میں جنگ کی جب فریق مخالف نے پہل کر دی اور اپنی حفاظت کا سوال درپیش ہو گیا۔ اس طرح ملک عرب کے اندر ایک محدود علاقہ آپکے زیر تسلط آیا۔ سوائے پُرامن تبلیغ دین کے جارحانہ منصوبے کبھی آپ کے پیش نظر نہ رہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپکے خلفاء کے لئے یہ امر جائز ہو سکتا ہے کہ خلافت رسول کو ایک حکومت دنیوی اور بادشاہت کی طرح سمجھ کے ملک گیری اور فتح امصار اور حصول مال غنیمت کے لئے اطراف و اکناف اور دور نزدیک کے ملکوں پر جارحانہ لشکر روانہ کریں۔ کیا یہ عمل اسلام کی صحیح اسپرٹ کے موافق ہے اور پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت رسولؐ کا قائم کردہ حقیقی دین اسلام ان جنگوں کے ضمن میں رواج پایا یا یہ اسلام کی ایک مسخ شدہ صورت تھی جو لوگوں کے سامنے آئی مشہور اسلامی مفکر علامہ سر سید احمد خاں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ قرآن مجید میں جو احکام لڑائی کے نہایت نیکی اور انصاف پر مبنی تھے ان کو مسلمانوں نے جو خلیفوں اور بادشاہوں کے نام سے مشہور ہوئے دینداری کے

بہانے سے اپنی خواہش نفسانی کے پورا کرنے اور ملک گیری کے لیے نہایت بداخلاقی اور نا انصافی سے برتا اور وحشی درندوں سے بھی بدتر کام کئے اور علمائے اسلام نے ان کی تائید کے لئے ایسے مسئلے بیان کئے جو اسلام کی روحانی نیکی کے خلاف تھے۔" غور کیا جائے تو علامہ سر سید احمد خاں نے ان مختصر الفاظ میں بہت سے حقائق پیش کر دیئے ہیں اور اس قسم کے نام نہاد جہاد کو اصول اسلام کے بالکل منافی اور ملک گیری کی جنگ قرار دیا ہے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہر تو تو میں یا ہر ملک گیری کی جنگ کو جہاد کا نام دیدیا جائے۔ دن رات کے (۲۴) گھنٹہ میں جس وقت جی میں آئے نماز پڑھ لینے سے فریضہ ادا نہیں ہو جاتا۔ ہر فقیر کو پیسہ دیدینے سے زکواۃ ادا نہیں ہو جاتی ہر زمانہ میں خانہ کعبہ کا طواف کرنیوالا حاجی نہیں ہوتا اسی طرح ہر لڑائی جہاد نہیں ہوا کرتی علامہ شبلی نعمانی "سیرۃ النبی" جلد اول صفحہ ۲۴۹ پر لکھتے ہیں :-

"سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا" جہاد فی سبیل اللہ نبی یا امام وقت کے حکم سے خاص شرائط کے تحت ہوتا ہے۔ فیض الباری ترجمہ صحیح بخاری پارہ ۱۲ صفحہ ۱۳ پر یہ حدیث درج ہے۔ یقاتل من وراء الامام و یتقی بہ "یعنی امام کے پیچھے لڑائی کی جاتی ہے اور اس کے سبب سے بچاؤ کیا جاتا ہے۔ خلفائے ثلاثہ نے جتنی بھی جنگیں کیں اور جو سب کی سب ملک گیری کی جنگیں تھیں ان میں سے کسی ایک میں بھی حضرت علیؑ نے حصہ نہیں لیا اور آپ سے ایک موقعہ پر سپہ سالار بننے کی خواہش بھی کی گئی تو اس کو آپ نے رد کر دیا چنانچہ "الفاروق" صفحہ ۱۲۲ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں :- "ایرانیوں کے خلاف فوج کشی کے موقع پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں خود سپہ سالار بنوں گا۔ لوگوں نے منع کیا۔ خالد اور ابو عبیدہ شام کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علیؑ سے درخواست کی گئی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔" یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں سب ملک گیری کی جنگیں تھیں خواہ مصلحت وقت سے انہوں نے ان کو جہاد کا نام دیا ہو اور مرنے والوں کو شہید اور بچنے والوں کو مدافع عن الدین کے نام سے پکارا ہو مگر خود اپنے ظاہر بظاہر عمل ہے ان جنگوں کو ملک گیری اور کشورستانی کی جنگ انہوں نے تسلیم کر لیا تھا۔ مولانا شبلی "الفاروق" کے صفحہ ۳۵۵ پر لکھتے ہیں :- "جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کر لیا گیا تھا صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا کسی اور کا ممنون ہونا نہیں پڑا۔" مولانا شبلی "الفاروق" کے صفحہ ۱۰۶ پر لکھتے ہیں :- "حضرت ابوبکرؓ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں سے جو شخص مارا جائے گا شہید ہو گا اور جو بچ جائے گا مدافع عن الدین ہو گا۔" صفحہ ۱۰۹ پر وہ تحریر کرتے ہیں :- "حضرت عمرؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کیا۔"

"الفاروق" صفحہ ۲۵۸ پر مولانا شبلی صاف صاف لکھتے ہیں کہ :- "جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کی برابر فاتح اور کشورستان نہیں گزرا۔" اس کے ساتھ ہی صفحہ ۲۵۶ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں :- "حضرت عمرؓ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ فوجیں ہر جگہ کام کرتی تھیں البتہ ان کی باگ حضرت عمرؓ کے

ہاتھ میں رہتی تھی۔" الفاروق کے صـ۲۱۶ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔"حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔

سنہ ۲۱ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔ صـ۲۲۴ حضرت عمرؓ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں احنف بن قیس بھی تھے اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احنف نے سنہ ۲۲ھ میں خراسان کا رُخ کیا صـ۲۲۶ سیستان کے قبضہ میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لیکر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔" صـ۲۲۵ ...... یہاں سے کبھی کبھی اُٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آجاتے اس طرح اردشیر، سابور، اصطخر، ارجان کے بہت سے حصے دبالئے۔" ایران پر چڑھائی کا ذکر کرتے ہوئے الفاروق صـ۱۲۹ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔"رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہونچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کرکے جنس و غلہ لوٹ میں لاتیں البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔" صـ۳۵۸۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا علیٰ قدرِ مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا۔ اس کی انتہا نہ تھی۔ چنانچہ جلولا میں نو نو ہزار اور نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے" ان ملک گیری کی جنگوں کی یہ کیفیت تھی کہ حملہ کرنے جو فوجیں جاتیں اسمیں عورتیں بھی جنگ کرنے جایا کرتی تھیں چنانچہ الفاروق صـ۱۴۷ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

"اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اسمیں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں۔ امیر معاویہ کی ماں ہندہ حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں۔ امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی" صـ۱۴۹ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

"(ابتدائی حملہ میں مسلمان) ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آگئے۔ عورتوں کو یہ دیکھکر سخت غصہ آیا اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑلیں اور پکاریں کہ نامردو! ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دینگے۔" صـ۱۸۱ "رومی بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہونچ گئے عورتیں یہ حالت دیکھکر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔" عورتوں پر سے جہاد تو ساقط ہے اور کبھی تلوار لیکر مردوں سے لڑنے کا مسلمان عورتوں کو خدا یا رسولؐ نے حکم نہیں دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ملک گیری کی جنگیں تھیں جس میں لوٹ مار کرنے، زمینوں اور مالِ غنیمت پر قبضہ کرنے عورت مرد سب ملکر شریک ہوتے تھے۔ ملک گیری کے ان حملوں کی وجہ سے مسلمان دیگر اقوام کی نظروں سے گر گئے اور اسلام کی سخت بدنامی ہوئی اور لوگوں کو اس دین حق سے محبت کی بجائے نفرت ہونے لگی۔ دیگر قومیں ان حملوں کو کیا سمجھتی تھیں مولانا شبلی کی تحریر ذیل سے بھی واضح ہوتا ہے (الفاروق صـ۱۷۵) "عیسائیوں کے سردار باہان نے کہا اے اہل عرب تمہاری قوم کے لوگ جو ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کئے ہمارا خیال تھا۔ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو۔ تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئے اب تم کو کہ تمام دنیا میں

تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل وحشی اور بے سروسامان نہیں۔ یہ حوصلہ ہوا ہے" صد۲۱۲ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔ حضرت عمرؓ نے ایران پر حملہ کے لئے نعمان ابن مقرن کو سپہ سالار مقرر کیا۔ نعمان نے سفارت کے لئے مغیرہ بن شیبہ کو بھیجا۔ ایران کے مردان شاہ نے اس طرح گفتگو کی "اے اہل عرب! سب سے زیادہ بدبخت سب سے زیادہ فاقہ مست سب سے زیادہ ناپاک جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو۔ یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں معاف کر دوں گا" مغیرہ نے کہا کہ ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل وحقیر تھے لیکن اس ملک میں آکر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا اور یہ مزے ہم سے اسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں"۔

علاّمہ مناظر احسن صاحب گیلانی (سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ) اپنی کتاب "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "میرا حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وہ معجز اور حکیمانہ فقرہ نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے دین کا داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ "جابی" یعنی ٹیکسوں کے وصول کرنے کے لئے۔ خدا نے ان کو رسولؐ بنایا تھا جو سب سے زیادہ آدمیوں سے ٹیکس وصول کرنے میں کامیاب ہو۔ اگر لوگوں کے سامنے اسلامی نقطۂ نظر سے بھی وہی سب سے بڑا کامیاب ہے اور محصول ادا کرنے والوں کی تعداد میں جو اضافہ نہ کر سکا وہی اسلام کا سب سے ناکام آدمی ہے تو اب ایسوں سے آپ ہی بتایئے کہ کیا بات کی جائے؟"

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنوامیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صد۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "غالباً آپ (حضرت عمرؓ) تعلیم محمدی کو ایک لشکر جرار کی تربیت و اجتماع کا ذریعہ سمجھتے تھے جس سے کام لیکر اقطاع ارض پر غلبہ اور اقتدار جمانے اور حکمرانی کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ چنانچہ آپ کے دور میں عربوں نے قرب وجوار کی قوموں کو مقہور و مغلوب کر ڈالا اور ان کی ہزاروں لاکھوں برس پرانی تہذیب کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ عربوں کی اس ہوس ملک گیری نے بڑے بڑے مذاہب عالم اور اسلام کے درمیان اختلاف و معاندت کی ایک وسیع خلیج پیدا کر دی جس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ اور پیغمبر اسلامؐ کی تعلیمات سے نفرت پیدا ہو گئی اور اقوام عالم کی نظر میں مسلمان کا نشان بن کر کھٹکنے لگے۔ ہلال وصلیب کی آویزش اسی ہوس ملک گیری کا نتیجہ ہے۔" ڈاکٹر صاحب موصوف صد۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "حقیقی اسلام ہرگز تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلا۔ ممکن ہے عرب سامراج اور عرب معاشرہ تلوار کے ذریعہ پھیلا ہو۔ بانی اسلام سے لیکر گیارھویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام تک منافق مسلمانوں نے برابر اپنی تلوار سے گلوئے آل محمدؐ کو کاٹا ہے۔ ان ائمہ نے نہ کسی ملک پر قبضہ کیا نہ تلوار چلائی نہ امن وچین کی زندگی بسر کرنے والے انسانوں کے گلے کاٹے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دین تلوار چلانے کا نام نہیں ہے۔ لا اکراہ فی الدین کے بعد دین میں زبردستی ممنوع ہے۔ لکم دینکم کے بعد فساد برپا کرنے کا جواز ہی نہیں رہ گیا تھا۔"

ہم اس سلسلہ میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب کی کتاب فتنۃ الکبریٰ کی بھی بعض عبارتوں کا حوالہ دینگے جن سے ظاہر ہوگا کہ شہروں اور ملکوں کی یہ فتوحات کس طور طریق کی تھیں صـ۶۱ پر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں "لیکن صورتحال یہ ہوئی کہ نبیؐ کی وفات پر چند دن نہیں چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ اسلام نے سیادت کی ایک نئی شکل دیکھی جو بذاتِ خود حکومت سے شدید اتصال رکھتی تھی"۔

(صـ۵۳) "حضرت ابوبکر نہ صرف فتنۂ ارتداد کو فرو کرنے میں کامیاب رہے بلکہ آپ نے عربوں کا رُخ فتوحات کی طرف پھیر دیا" صـ۱۲۱ "حضرت عثمان کی رعایا میں سے ایک تیسرا گروپ ان عربوں کا تھا جو دل سے یا بادلِ ناخواستہ مسلمان ہوئے تھے۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے انکو جہاد اور فتوحات کے لئے روانہ کر دیا تھا" صـ۱۱۶ "بہرحال اسلام کے متعلق ان ایمان لانے والوں کا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ ایک دین ہے جس کا تعلق دونوں کی دُنیا سے ہے جو اللہ کے شعائر اور حقوق سے وابستہ ہے بلکہ وہ تو اس کو ایک چانس تصوّر کرتے تھے جس طرح کہ وہ بہت سے مواقع سے کبھی اپنے ملک میں اور کبھی بیرونی ممالک میں فائدہ اُٹھاتے رہے"۔ صـ۱۵۱ "آپ (حضرت عثمانؓ) کے زمانہ میں تو صوبے کے گورنروں میں شدید مقابلہ رہا کہ فتوحات میں کس کا پلّہ بھاری رہتا ہے پھر سرحد کے سپہ سالاروں میں یہی بڑے مقابلہ کی بات تھی کہ اس میدان یا اس معرکہ میں کون پہلے دشمن پر حملہ کرتا ہے! اس شہر پر اس آبادی پر کون پہلے قبضہ کرتا ہے اور کون سب سے زیادہ مال غنیمت حاصل کرکے ایک طرف فوج کو دوسری طرف صوبہ کے حاکم کو تیسری طرف مدینہ میں خلیفہ اور اصحاب رسول اللہ صلعم کو خوش کرتا ہے"! صـ۷۶ "اس مقصد کا تقاضہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک مستقل حربی سیاست ہو جسمیں تنظیم کے ساتھ ایسی صلاحیت ہو کہ وہ دُنیا میں پھیلے اور فتوحات کا سلسلہ زمین کے گوشوں تک پہونچادے۔ اس قسم کی مسلسل اور پیہم فتح کے لئے ان کے مستقل اسباب کی فراہمی ضروری تھی۔ یعنی ایسی فوج جو صرف مقررہ مقاصد کے لئے پیش قدمی کرے پھر اس فوج کی ترتیب اس بدوی مزاج عناصر سے ہوتی تھی ...... جو غارت گیری سے واقف تھے اور لوٹ مار خوب جانتے تھے"۔ صـ۱۶۵ "وہ (عبداللہ بن عامر حضرت عثمان کا گورنر بصرہ) فتوحات کے میدان میں خود بھی اُترا اور عوام کو بھی اُتارا۔ اس سلسلہ میں وہ سعید بن العاص سے بھی بازی لے گیا۔ لڑکی ساتھ اس کے طرزِ عمل میں قریشی امتیاز نمایاں تھا جو صحابہ کے اخلاق سے میل نہیں کھاتا لیکن مصریوں کی عصبیت کے لئے فتوحات کے لئے اور مالِ غنیمت کے لئے ان کی حرص و ہوس کے مناسب حال تھا" صـ۱۶۲ "وہ (معاویہ بہ حیثیت گورنر حضرت عثمان) سرما اور گرما دونوں موسموں میں دشمنوں سے نبرد آزما رہتے اور اس طرح کافی مالِ غنیمت حاصل کرکے ایک طرف فوج کو خوش کرتے اور دوسری طرف بیت المال کو کامیاب بناتے" صـ۱۶۷ "حضرت عثمان نے افریقہ کی فتح پر غیر معمولی توجہ کی اور ابی سرح (اپنے گورنر) کی نصرت و قوت کے لئے ایک بڑی تعداد ساتھ کر دی جسمیں چند صحابہ اور کچھ قریش کے نوجوان اور بہت سے انصار شریک تھے اور تاکید کر دی کہ افریقہ کی فتح سے فارغ ہو کر فوج کا ایک دستہ بحری راستہ سے اندلس سے مقابلہ کے لئے بھیج دینا۔ ابن ابی سرح نے ملک

آفریقہ فتح کرلیا اور بہت سا مال غنیمت لوگوں میں تقسیم کیا اور خمس کا پانچواں حصہ لیکر باقی حضرت عثمان کی خدمت میں بھیجدیا ...... اس پانچویں حصہ کو مروان بن الحکم نے ایک لاکھ دینار (بیس لاکھ درہم) میں خرید لیا اور قیمت کا کچھ حصہ ادا کیا اور باقی حضرت عثمان نے اس کو ہبہ کر دیا۔"

ص۲۴۹ "حضرت عثمان کے فوجی افسران سرحدوں پر جو کوفہ اور بصرہ سے متصل تھیں فاتحانہ آگے بڑھتے رہے جہاں کہیں یزدگرد (شاہ ایران) کے حامی گئے انہوں نے ان کا تعاقب کیا۔ بادشاہ سے اس کی جمعیت کو منتشر کیا ان شہروں اور صوبوں پر قبضہ کیا جن پر یزدگرد کا دھمی یا واقعی اقتدار تھا اور بالآخر اسکو مجبور کیا کہ وہ بے یار و مددگار بھاگتا پھرتا مقتول ہو کر اپنی موت سے جاملے اس کے بعد حضرت عثمان کے یہ حکام اور سپہ سالار بدستور فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھاتے رہے تاآنکہ ترکوں کی سرزمین تک پہونچ گئے۔ آرمینیا فتح ہوا آفریقہ فتح ہوا اور اندلس پر حملہ کا آغاز ہوا اور قبرص فتح کر لیا گیا۔"

ص۳۰۵ "حضرت عثمان نے (جب ان کے خلاف شکایت میں آوازیں بلند ہوئیں) اپنے چاروں گورنروں معاویہؓ، عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح، عبداللہ بن عامر اور سعید ابن العاص کو طلب کرکے مشورہ کیا۔ عبداللہ ابن عامر نے مشورہ دیا کہ لوگوں کو جہاد پر بھیج دیا جائے۔ جنگ ان کو سرحدوں پر کافی عرصہ تک مشغول رکھے گی۔ حضرت عثمان نے اس رائے کو پسند کیا اور تاکید کردی کہ ...... رعایا پر پوری نگرانی رکھتے ہوئے انکو جہاد پر بھیجیں اور جس کی طرف سے بھی کسی ٹیڑھ کا پتہ چلے انکا وظیفہ بند کردیں —" ان جارحانہ حملوں اور فتوحات کی داستانوں، لوٹ مار اور مال غنیمت کے بٹوارہ کے واقعات کو پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی رسولؐ کے خلیفہ کا ذکر نہیں بلکہ ملک گیری کے حریص دنیوی بادشاہوں کا تذکرہ ہے اور نام نہاد جہاد کو محض ذاتی اور سیاسی اغراض اور ملک گیری کا آلۂ کار بنا یا گیا۔" تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱۳۹ پر حضرت عمر کا یہ قول درج ہے۔" واللہ ما ادری خلیفہ انا ام ملک" (خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں آیا خلیفہ ہوں یا بادشاہ) "الفاروق" ص۱۵۴ پر ہے کہ "حضرت عمرؓ فارس کے چند لوگوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے"۔

ص۱۱۱ پر ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں "اسمیں شک نہیں کہ مسلمانوں نے سیاسی امور میں، انتظامی معاملات اور جنگی فنون میں قیصری اور کسروی نظاموں سے بہت کچھ اقتباس کیا جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں سے

کہ اوّل مومنان را شاہی آموخت
ولیکن آن خلافت راہ گم کرد

ص۱۸ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:- "ان سیاسی، جنگی اور انتظامی مشکلات پر ایک مشکل مذہبی ورثہ کی جس کی حمایت خلیفہ کا فرض ہے اور جس کے قیام میں وہی راہ اختیار کرنی ضروری ہے جو نبیؐ نے خدا کے حکم سے اختیار کی تھی"۔ ڈاکٹر صاحب نے متذکرہ صدر تحریر میں عام لوگوں اور خود خلیفہ کے تصورات کی ترجمانی کی ہے کہ وہ خلیفہ کیلئے سیاست، جنگ اور فتوحات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور مذہبی امور کی رہنمائی کو ایک بھرتی کی بات اور

بلا وجہ کا بوجھ خیال کرتے ہیں۔ جو جنگی سیاست کے لئے ایک طرح کی رکاوٹ کا کام کرتی تھی۔ شہدا مصار کی فتوحات کی ان جنگوں کے سلسلہ میں مفتوحہ علاقوں کے لوگ چار و ناچار مسلمان بھی ہو گئے تو یہ قابلِ غور ہے کہ یہ کہاں تک صحیح اسلام کی تبلیغ کی تعریف میں آتا ہے اور ان فتوحات اور لوٹ اور غارت اور علامہ سر سید احمد خاں کی زبان میں "وحشی درندوں سے بھی بدتر کام" کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں دینِ اسلام سے محبت پیدا ہوئی یا نفرت؟ اور یہ بھی قابل غور ہے کہ جیسا کہ سر سید فرماتے ہیں کہ "علمائے اسلام نے بھی اس ملک گیری کو جائز بنانے ایسے مسئلے پیدا کئے جو اسلام کی روحانی نیکی کے برخلاف تھے" ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب فتنۃ الکبریٰ جلد دوم صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں "فتوحات کی کمزوری یہ کہ دولت نے ایسے مفاد اور اغراض کو جگا دیا جو سو رہے تھے۔ اور ان افراد کو متوجہ کر لیا جن کی فکر و نظر کا گوشہ دیق تھا پھر تو اسی دولت نے عربوں کے سامنے عیش و عشرت کے ساز و سامان پیش کر کے ان کو اس کا اس طرح عادی بنا دیا کہ فریفتہ ہو گئے۔ ہاں کچھ تھوڑے سے لوگ رہ گئے جنھوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی اور اپنی توجہ دولت، مفاد اور ساز و سامان سے ہٹا کر اللہ کی طرف کر لی"۔

سید ابوالحسن ندوی سیرت احمد شہید صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں:۔ "جو اسلام کے معنی اسلامی تمدن سمجھتے ہیں اور اسلامی تمدن سے ان کی مراد بغداد، قرطبہ، دمشق، غرناطہ کا تمدن ہوتا ہے وہ اسلام کی ترقی کو میناروں کی بلندی، فنِ تعمیر کی ترقی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی کے پیمانہ سے ناپتے ہیں لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک عملی روحانی اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے ان کو اس کی ترقی بغداد قرطبہ کے عالیشان دار الخلافہ اور سر بفلک مسجدوں کی بجائے مدینہ کی جھونپڑی میں نظر آئے گی۔" آگے چلکر علامہ ندوی لکھتے ہیں:۔ "اہل حق گوشہ نشین ہو گئے اور اپنے اپنے حلقہ میں اپنا فرض انجام دیتے رہے لیکن ان کی حالت بالکل ذمیوں کی سی ہو گئی"۔ اسلامی ملک میں مسلمانوں کا ذمی ہونا کن امور کی طرف اشارہ کرتا ہے ارباب نظر غور فرمائیں ہے

جیمبرس انسائیکلو پیڈیا میں اسلام کے روحانی پیغام کے متعلق یہ مضمون درج ہے:۔ "اسلام کا وہ حصہ جو تغیر و تبدل سے محفوظ رہا ہے وہ اس کی عظیم الشان روحانیت کا پیام ہے۔ قرآن کی تعلیمات ان تحریفوں سے پاک ہیں جو دنیا کے دوسرے آسمانی صحیفوں کو پیش آئیں اور اسکا سبب یہ ہے کہ محمدؐ کے روحانی جانشینوں (ائمہ اہلبیتؑ) نے اسلام کے اس حصہ کو گرد آلود ہونے سے بچا لیا"۔

مولانا سید عبدالوہاب صاحب بخاری ایم اے ایل ٹی پرنسپل نیو کالج مدراس اسلام کے متعلق اپنی تقاریر کے ایک مجموعہ میں جو Islam and Modern Challenges کے نام سے طبع ہوا ہے صفحہ ۹۲ پر فرماتے ہیں:۔

" It is not through empires and kingdoms that the word of God and His Prophet was brought to the hearts of people, it was through these men of God that God's message spread on earth."

خلفاء ثلاثہ کے مبینہ جہاد کے متعلق مولانا شاہد زعیم فاطمی کا اظہار خیال

مولانا شاہد زعیم فاطمی جو ایک حق گو محقق ہیں اپنے مقالہ "علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف" مطبوعہ رسالہ سرفراز لکھنؤ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"اول تو یہ بات سرے سے غلط ہے کہ مسلمانوں کا عہد ماضی تابناک ہے اور ان کے اسلاف مثالی کردار کے لوگ تھے۔ عہد صحابہ سے لیکر صلاح الدین ایوبی کے دور کے حالات کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہو جائیگا کہ جس دور کو انسانیت کا عہد زریں کہا جا رہا ہے اس میں عوام کو چھوڑیئے خواص کی اخلاقی پستی اور فکری اور عملی زبوں حالی کا کیا حال تھا" صفحہ ۴۲ پر وہ تحریر فرماتے ہیں :- "یہ کیسی اسلامی حکومت تھی جسنے بلاشبہ افریقہ یورپ وسط ایشیا تک یلغار کی مگر جس کی اپنی حدود سلطنت میں عوام ظلم و ستم کی چکی پیس رہے تھے۔ جس نے انفرادی و اجتماعی آزادیوں کا گلا گھونٹ دیا۔ جس کے جبر و استبداد کے ہاتھوں حرم کعبہ تک محفوظ نہ رہا۔ جس کی چیرہ دستیوں نے مدینۃ الرسول کی عزت و ناموس کو لوٹا اور جس نے لاکھوں بے گناہوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس ظلم و استبداد کے ساتھ یہ لوگ ایک عالم کو مسلمان بنانے نکلے تھے اور دنیا میں اسلام پھیلانا ان کا مطمع نظر تھا۔

مع :- تو درون در چہ کردی کہ برون خانہ آئی۔"

جان ڈیون پورٹ کی رائے

جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب "این اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن" کے صفحہ ۵۲ پر خلفاء ثلاثہ کے مبینہ جہاد کے سلسلہ میں لکھتا ہے :-

"بارہ برس کے عرصہ میں انہوں نے ۳۶ ہزار شہر قریئے اور قلعے زیر کئے اور چار ہزار مندروں اور کلیساؤں کو ڈھا دیا اور چودہ سو مسجدیں تعمیر کرائیں"

'In twelve years they reduced to obedience 36 thousand cities, towns and Castles, destroyed four thousand temples or churches and built fourteen hundred Mosques'.

فلپ ہٹی کی رائے

فلپ کے۔ ہٹی اپنی کتاب میکرس آف عرب ہسٹری کے صفحہ ۱۹ پر رسول اللہ کے بعد مسلمانوں کی جانب سے دوسروں کے ملکوں پر حملوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :- "ان لڑائیوں کے پورے طویل دور میں پیغمبر محمد کی تصویر ایک جھوٹے رسول اور جعل ساز کی بنی رہی" (معاذ اللہ)

'Throughout that long period of conflict, portrait of Prophet Mohammed was that of a false prophet, an imposter'.

اس سلسلہ میں حضرت رسولؐ کے چند ارشادات جو صحاح اور دیگر کتب حدیث میں مندرج ہیں۔ بہت کچھ دعوتِ فکر دیتے ہیں:- بخاری جلد ۲ صلا طبع مصر ۱۳۲۰ھ اور شواہد النبوت جامی طبع نول کشور ۱۲۹۲ھ پر حسب ذیل ارشاد رسولؐ درج ہے:- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیویّد ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ در منثور جلد اول ص۱۰۵ مطبوعہ ۱۳۱۴ھ پر یہ روایت درج ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیویّد ھذا الدین باقوام لاخلاق لھم۔ یعنی رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ دین اسلام کی نصرت مرد فاسق و فاجر سے بھی لی جائیگی اور وہ قوم بھی اس دین الٰہی کی تائید کرے گی اس دین میں جس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ یعنی بالفاظ دیگر "عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد"۔ بخاری جلد ۳ طبع مصر ص۳۲ پر یہ روایت درج ہے:- سہیل بن سعد سعدی کا بیان ہے کہ جب آنحضرتؐ کو مشرکین سے قتال کرنا ہوا اور دونوں طرف کے لشکر آمادہ قتال ہوگئے تو آنحضرتؐ کے اصحاب سے ایک شخص کسی کو تنہا یا کچھ لوگوں کو یکجا پاتا تو چھوڑتا نہیں تھا بلکہ پشت پر جاکر تلوار سے حملہ کر دیتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ جیسا کام اس نے آج کیا ہے ہم میں سے کسی نے بھی نہیں کیا تو حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا مگر یہ دوزخی ہے۔ سننے والوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں اس کے ساتھ رہوں گا۔ وہ کھڑا ہوتا یا دوڑتا تو یہ اسکو دیکھتا رہتا یہاں تک کہ وہ زخمی ہوگیا۔ جلد مرنے کے لئے اس نے اپنی تلوار زمین پر رکھ کر اپنے سینہ میں اتارلی اور خودکشی کرلی۔ یہ واقعہ دیکھکر پیچھے جانیوالا شخص بلٹا اور آنحضرتؐ سے آکر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ رسول خداؐ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا کہ جس شخص کے لئے آپ نے دوزخی ہونے کی خبر دی تھی اسکا یہ واقعہ ہوا تو اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لوگ اہل جنت کے کام لوگوں کی نظر میں کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جہنمی ہے۔

تفسیر زاہدی میں ہے کہ حرقوص ابن زبیر منافق تھا جس کے قتل کے لئے حضرات شیخین تشریف لے گئے اور اوس کو حالت نماز میں پاکر قتل نہیں کیا حالانکہ پیغمبر اسلام نے اوسی حالت میں قتل کا حکم دیا تھا۔ مسند احمد ابن حنبل میں ہے کہ حضرت ابوبکر خدمت رسولؐ میں آئے اور کہا کہ ایک شخص کو میں نماز پڑھتے دیکھ رہا ہوں اور اوس کے خشوع و خضوع کی تعریف کرنے لگے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جاکر اوس کو قتل کردو۔ مگر حضرت ابوبکر یہ کام نہ کرسکے۔ پھر حضرت عمر بھی نہ کرسکے بعد میں جناب امیر علیہ السلام نے حکم رسالتؐ کی تعمیل کی۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب "بھائی بھائی" میں لکھتے ہیں:- "قبل از ظہور پاکستان راولپنڈی میں ایک سکھ رہا کرتے تھے سردار آتما سنگھ نامدھاری۔ انہوں نے صرف ایک مسجد بنوائی تو سارا علاقہ ادنھیں مسلمان سمجھنے لگا۔" ظاہر ہے کہ مسجد بنوانے سے وہ سکھ صاحب مسلمان نہیں ہوگئے اور لوگوں نے اونھیں مسلمان سمجھا تو غلطی کی تاریخ کا مسلّمہ واقعہ ہے کہ مدینہ سے قریب منافقوں نے ایک مسجد بنوائی تھی (مسجد ضرارہ) تو حضرت رسولِ خدا نے اوسکو منہدم کروادیا۔ اللہ تعالٰی نے

ایمان اور تقویٰ کے دیگر لوازم کے ساتھ ویقیمون الصلوٰۃ کے ذکر کے علاوہ وبالآخرۃ ھم یوقنون (اور وہی آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں) کی شرط بھی عاید فرمائی ہے۔ استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تھے ابوسفیان آکر اون کے پاس کہنے لگے کہ بنی تیم اور عدی کے بعد اب خلافت تم کو پہونچی ہے تو اوسکو گیند کی طرح جدھر چاہو پھراؤ اور بنی امیہ کے ذریعہ اوس کی بنیادوں کو مضبوط کر دو کیونکہ یہ سلطنت ہے پرہ گیا جنت دوزخ کا قصہ تو اوسکو میں کچھ سمجھتا ہی نہیں یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو وبالآخرۃ ھم یوقنون کی شرط کو پورا نہیں کرتے۔

ہر مسجد بنانے والا یا ہر نماز پڑھنے والا مستحق ثواب نہیں ہوتا اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر غازی اللہ و رسولؐ اور روزِ آخرت پر بھی ایمان رکھتا ہے اور نہ حقیقتاً اوس کی نمازوں سے مسجدیں آباد ہوتی ہیں۔ میدان کربلا میں یزیدی لشکر میں بہت سے صحابی رسولؐ اور حافظ قرآن تھے حضرت حسین علیہ السلام کو قتل کر کے یزیدی لشکر نے نماز شکرانہ پڑھی۔ امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوا کر معاویہ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ جن اہلبیت کرام علیہم التحیۃ والثنا علیہم السلام کی محبت اللہ تعالیٰ نے واجب فرمائی تھی اور اس کو اجر رسالتؐ اور ایمان کی قیمت قرار دیا تھا جب وہی نشانۂ ظلم و ستم بنائے گئے تو پھر نمازوں میں ان پر درود بھیجنے کے کیا معنی رہے۔ عملاً تو ان پر ظلم کرنا اور نماز میں اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد کہنا نفاق نہیں تو کیا ہوا۔ اسی طرح آل محمدؐ پر ظلم کرنے والوں سے ہمدردی اور ہمنوائی اور منہ سے آل محمدؐ پر درود تو اس نماز میں خلوص کہاں رہا۔ بقول حضرت خواجہ اجمیریؒ ؎

کفر در دل بر زبان اللہ اکبر داشتن | آل احمد کشتن و ہم حُبِّ حیدرؓ داشتن
مر مرا باور نمی آید ز روئے اعتقاد | حق زہرا خوردن و دینِ پیمبرؐ داشتن

اور پھر نماز پڑھنے کے لئے پہلے ایمان شرط ہے۔ اجر رسالت یعنی اپنے ایمان کی قیمت حُبّ آل محمدؐ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ خدا کے مقرر کردہ پروانہ یا لائیسنس کے حاصل کئے بغیر ایمان کے دائرہ میں داخلہ کہاں ممکن پہلے یہ خدائی ٹیکس ادا کرو تو پھر ایمان کے حدود میں قدم رکھنے کی منزل آئیگی۔ جب یہ ٹیکس ہی ادا نہ کیا ہو تو کیا ایمانؑ کہاں کی نمازؑ کدھر کی عبادت۔ حضرت والد صاحب مرحوم امام حسین علیہ السلام پر ایک نوحہ میں فرماتے ہیں ؎

جن دشمن نے تجھے مانا امام | پڑھتے ہیں سب تجھ پہ درود و سلام
بن تری الفت کے عبادت حرام | زہد عبث خرقہ ہے اک مکر و فن

خوارزمی نے ابن عباس سے اور ترمذی نے عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ کی محبت ایمان ہے اور میرے اہل بیتؑ کی محبت کے بغیر ایمان دلوں میں داخل نہیں ہوتا۔ اور دیلمی نے معاذ ابن جبل سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علیؑ کی محبت کے بغیر کوئی نیکی فائدہ نہیں دے سکتی اور خطیب خوارزم اور محمد بن یوسف الکنجی لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ علیؑ سے تولا اور علیؑ کے دشمنوں سے برأت کے بغیر کسی کا ایمان قابل قبول نہیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ کچھ لوگ باوجود نماز پڑھنے روزہ رکھنے اور حج وغیرہ کرنے کے بھی منافق ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ

یارسول اللہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ اپنے امام کو نہیں مانتے۔
عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مابین رکن و مقام (کعبہ میں) اپنے دونوں قدموں پر کھڑا ہو کر روزہ رکھے اور نماز پڑھتا رہے ایسی حالت میں کہ وہ آل محمدؐ سے بغض رکھتا ہو پھر وہ مرجائے تو دوزخ میں داخل ہوگا۔

ثعلبی نے روایت کی ہے، علامہ فخرالدین رازی نے لکھا ہے اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے جوامع الکلم میں بھی منقول ہے کہ من مات علیٰ بغض آل محمدؐ مات کافر او لم یشم راحت الجنۃ۔ یعنی جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کا دل آل محمدؐ کی طرف سے صاف نہ ہو کافر مرا اور کبھی جنت کی بو نہ پائے گا۔
سورہ مریم کی آیت ۶۰ کا مطلب بھی قابل غور ہے" فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا۔ ترجمہ۔ پھر ان کے بعد کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے جنھوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور عنقریب یہ لوگ گمراہی کا نتیجہ یقیناً پائیں گے۔
سورۂ محمدؐ کی آیت ۲۲ و ۲۳ ہے۔ فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمیٰ ابصارھم ترجمہ:۔ اگر تم لوگ حاکم بنے تو روئے زمین میں فساد پھیلانے لگو اور اپنے رشتے ناطے توڑنے لگو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور انکو اندھا بہرا کر دیا ہے۔

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

یہاں ہم ایک ہندو مفکر، شاعر و اہل قلم جناب وشوا ناتھ پرشاد صاحب ماتھر لکھنوی کے مقالہ "اسلام کیونکر پھیلا" مطبوعہ محرم ۱۳۸۲ھ کا ایک مختصر اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:۔

"ہمیں اس وقت یہ نہیں کہنا ہے کہ کونسا مذہب حق ہے اور کونسا باطل۔ درحقیقت میں تو ہندو ہونے کے باوجود بغیر کسی تعصب اور جنبہ داری کے آپکو بتانا چاہتا ہوں کہ میرے نقطۂ نظر سے حقیقی مذہب اسلام کی ترویج اور ترقی کیونکر ہوئی اور وہ دنیا میں کس طرح پھیلا جہاں تک اسلام کے اصول و فروع کا تعلق ہے اس کے متعلق میں کوئی رائے ظاہر کرنا نہیں چاہتا لیکن صرف اتنا کہوں گا کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو بنیادی اعتبار سے فطرت انسانی سے اسلئے بہت قریب ہو جاتا ہے کہ اس نے انسان اور انسانی خدمات کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اسلئے دیکھنا یہ ہے کہ وہ مذہب اسلام جس کو حضرت محمدؐ (صلعم) صاحب دنیا میں لائے تھے، سرزمین عرب سے کیونکر آگے بڑھا اور دنیا میں اس کی نشر و اشاعت کیونکر ہوئی۔ درحقیقت اسلام میں یکتائی ضرور ہے۔ لیکن تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھ جیسا غیر مسلم اس نتیجہ پر پہونچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہی اسلام حضرت محمدؐ (صلعم) صاحب کے بعد دو قسموں میں منقسم ہو گیا۔ ایک وہ اسلام جو سلطنت جاہ و حشم دولت و ثروت اور

ملک گیری کے مقصد کا حامل یعنی (STATE RELIGION) تھا اور دوسرا دہ اسلام جس کو پیغمبرؐ کے بعد حضرت علی (علیہ السلام) کی بلا فصل سرپرستی حاصل ہوئی۔ وہ اسلام جو دولت و ثروت اور سلطنت کا مالک تھا اور اسی طرح پھیلا جس طرح ملک گیری کے جذبہ کے ساتھ اسے پھیلنا چاہیئے تھا۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں اس لیئے کہ تاریخ اسلام کے اوراق خود ہی اس حقیقت کو واضح کر دیتے ہیں کہ پیغمبرؐ کی جانشینی کے دعویدار کس طرح فوجوں کے ساتھ دوسرے ممالک میں پہونچے لشکروں نے غیر ملکوں پر حملہ کرنے کے بعد اسلام پھیلایا تھا یا اس اسلام کی تبلیغ کے لئے دورِ خلافت اول و دوم و ثالث میں مبلغین اسلام بھیجے گئے تھے اب رہ گیا وہ اسلام جس کو رسولؐ لائے تھے اور اپنے بعد حضرت علیؑ کو سونپ کر گئے تھے وہ اسلام حقیقتاً اسلام ہے اور یہ اسلام وہ اسلام ہے جو نہ تو تلوار کے زور سے پھیلا نہ دولت نے اس اسلام کی اعانت کی اولاً تو دولت تھی ہی کس کے پاس؟ حضرت علیؑ کی زندگی کا وہی عالم تھا جو خود پیغمبر اسلامؐ کا تھا۔ یعنی فاقے کرنا اور پیٹ پر پتھر باندھنا اور خلوص دین کے خدمت کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کو جب ظاہری خلافت ملی تو انہوں نے رسول خداؐ کے بعد جو تین لڑائیاں لڑیں وہ یہودیوں یا عیسائیوں سے نہیں لڑیں بلکہ ان مسلمانوں سے لڑیں جو اسلام کے صحیح مقصد کو دولت و ثروت پر بھینٹ چڑھا چکے تھے اور وہ اسلام کے معنی سلطنت یا ملک گیری ہی کے جانتے تھے چنانچہ معاویہ نے پہلوں اور برسول حضرت محمدؐ (صلعم) صاحب کے حقیقی جانشین حضرت علیؑ سے جنگ صفین لڑی۔ ظاہر ہے کہ اگر معاویہ اور ان کا اسلام اور ان کی فوجوں کے مسلمان حق پر ہوتے تو پھر حضرت علیؑ کی مشہور ذوالفقار میدان جنگ میں جھکی ہوئی کیوں نظر آتی؟ اسلئے واقعات کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ صحیح اور حقیقی اسلام وہی تھا جس کی رہبری حضرت علیؑ ابتداء سے آخر تک کرتے رہے اور ان کے بعد اس حقیقی اسلام کی حفاظت کا بار انکے بڑے بیٹے حضرت امام حسنؑ نے اٹھایا۔ انکو بھی اتنا مجبور کیا گیا کہ آخر ان کو معاویہ سے صلح کرنا پڑی۔ حضرت امام حسنؑ کے بعد اپنے نانا کے جانشین حضرت امام حسینؑ نے اسلام کی حفاظت کی سالہ ہجری میں جب دنیا اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری واقعہ جنگ کی شکل میں میدان کربلا میں دیکھتی ہے تو پھر اس وقت اسلام حقیقت اور مجاز دو شکلوں میں واضح طور پر دکھائی دینے لگتا ہے۔ ایک جانب وہی دولت و ثروت وہی جاہ و حشم وہی ظلم و استبداد نظر آتا ہے جس کا میں ابتدائی سطور میں ذکر کر چکا ہوں اور جس کو اسلام جیسا فطری مذہب اپنے اصول و فروع کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، جو اپنے نانا کی صحیح تعلیم کو لیکر اس اسلام کے مقابلہ میں آئے جو اسلام دنیاوی آرائشوں سے سجا ہوا تھا اور جس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ حقیقتوں کو دفن کر دیا جائے۔ واقعہ کربلا نے دنیا کے دل و دماغ پر یہ بات اچھی طرح مرتسم کر دی کہ حقیقی اسلام وہی ہے جو اپنے اصول و فروع کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے۔ مجھے واقعہ کربلا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اسلام کی دو تصویریں جس کی جانب ابتداء سے اشارہ کرتا آیا، دکھانا چاہتا ہوں۔ وہ اسلام جو جاہ و ثروت کی بنیاد پر دنیا کے سامنے آیا۔

وہ اگر واقعی اسلام تھا تو کم از کم میں اس اسلام کو دین الہٰی تسلیم نہیں کر سکتا جس اسلام نے ملک گیری کا مظاہرہ کیا کوئی بھی دین اور مذہب کیوں نہ ہو وہ ملک گیری اور جاہ طلبی کے لئے دُنیا میں نہیں آتا کیونکہ شہنشاہیت دوسری چیز ہے اور الہٰیت کی منزل اور ہے۔ میں نے جہاں تک اسلام کے اصول و فروع کا مطالعہ کیا ہے اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ اسلام میں کونسا ایسا حکم موجود ہے یا پیغمبر اسلامؐ کی وہ کونسی حدیث ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ مسلمانو! دُنیا بھر کو زبردستی مسلمان بناؤ اور دین الہٰی کو جبری طور سے دماغوں میں ٹھونس دو (مسلمانوں کی کتاب میں تو یہ ہے کہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنی دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں) پھر یہ کیسی زبردستی ہے؟ کیا خود پیغمبر اسلامؐ نے کسی کافر کو زبردستی مسلمان کیا یا پیغمبرِ خدا کے زمانہ میں اور ان کی موجودگی میں کسی دوسرے ملک پر جارحانہ حملہ کیا گیا۔ میں تو یہی جانتا ہوں کہ پیغمبر خدا کے زمانہ میں جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں وہ سب دفاعی حیثیت کی تھیں۔ ایک بھی واقعہ میری نظر سے ایسا نہیں گزرا جس میں کسی ایک کافر کو بھی پیغمبر اسلامؐ نے اسکی مرضی کے خلاف زبردستی مسلمان بنایا ہو اور بالکل یہی طریقہ اور طرزِ عمل پیغمبر خدا کے بعد انکے حقیقی خلیفہ حضرت علی علیہ السلام کا رہا۔ اگر حضرت عمر نے ایران، مصر اور شام پر جارحانہ حملے کئے تھے تو حضرت علیؑ جو دنیائے عرب کے سب سے بڑے شجاع اور بہادر تھے وہ بھی دو ایک ملک تو اپنے دورِ خلافت میں ضرور ہی فتح کر لیتے۔ مگر دنیا کی کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ حضرت علیؑ نے کسی دوسرے کے ملک کی چپہ بھر زمین بھی حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔

اب تو یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ اسلام حقیقت اور مجاز کے دو گروہوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک گروہ تھا جو دین الہٰی کا پیرو تھا اور دوسرا وہ جو سلطنت، دولت اور ملک گیری کو اپنا مطمح نظر بنائے تھا اور وہ دُنیا بھر کو زبردستی مسلمان کر لینے کی فکر میں تھا۔ انہیں کی بدولت یہ اعتراض سُننے میں آتے رہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، حالانکہ حقیقی اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ حسینؑ کے بے گناہ خون کی طاقت سے پھیلا اور یتیم سکینہؑ کے ان آنسوؤں سے پھیلا جو شمر کے تازیانے کھانے کے بعد معصوم رُخساروں پر جاری ہوئے تھے اور واضح الفاظ میں حضرت زینبؑ کی آہوں سے پھیلا۔ حضرت امام حسینؑ کے صاحبزادہ علی اصغرؑ کے اشاروں سے پھیلا، علی اکبر کے لٹے ہوئے شباب سے پھیلا۔ شہادت کے بعد بھی اسلام اُن کے غم کی بنیاد پر پھیلتا رہا۔ بلکہ یوں کہوں کہ حقیقی اسلام واقعہ کربلا کے بعد جس نے پھیلایا وہ اُن کے غم میں رونے والے ہیں جو یادِ حسینؑ میں رو رو کر حقیقی اسلام سے دُنیا کو متعارف کرتے رہتے ہیں۔ اسی خیال کو میں نے اس قطعہ میں عرض کیا ہے سہ

کب دین کے جلوے پھیل سکے ٹوٹی ہوئی تلواروں سے	ایماں کی ضیائیں تیز ہوئیں مظلوم کے خون کی دھاروں سے
شبیرؑ کے غم کی طاقت نے دُنیا کے دِلوں کو کھینچ لیا	اسلام کا مذہب پھیلا ہے اشکوں کے چمکتے تاروں سے

(باقر لکھنوی)

مبینہ حکم امامت نماز حضرت ابوبکر بعض سُنّی حضرات اس مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے اپنے زمانۂ علالت میں حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا

حکم دیا تھا۔ یہ قطعاً غلط ہے بلکہ اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے زمانۂ علالت میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اور تقریباً تمام سربرآوردہ صحابہ کو (بجز حضرت علی علیہ السلام کے) اسامہ بن زید کی ماتحتی میں رومیوں سے جنگ کے لئے جانے کا تاکیدی حکم دیا تھا اور خلاف ورزی کی صورت میں موردِ لعن قرار دیا تھا۔ یہ امر کہ حضرت ابوبکر حضرت رسول خداؐ کی وفات سے تین چار دن قبل سے حضرت رسول خداؐ کے اس تاکیدی حکم کی بنا پر لشکر اسامہ بن زید کے ساتھ مدینہ سے ایک منزل دور مقام جرف میں تھے یا بخلاف ورزیٔ حکم واپس آگئے تھے یا یہ کہ حضرت ابوبکر کو امامت نماز کا حکم حضرت رسولؐ نے دیا تھا یا مستورات کی طرف سے کوئی مصنوعی حکم تھا۔ مختلف فیہ اور متضاد روایات کا مجموعہ ہے۔ بہت سارے سنی مورخ بھی امامت نماز حضرت ابوبکر کے واقعہ کو نہیں مانتے چنانچہ تاریخ طبری اور اعثم کوفی اور حیات القلوب میں امامت نماز حضرت ابوبکر سے اختلاف کیا گیا ہے۔

حافظ ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے بیماری کی حالت میں ارشاد کیا کہ علیؑ کو میرے پاس بلاؤ۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ کاش آپ ابوبکر کو بلاتے اور حفصہ نے کہا کہ کاش آپ عمر کو بلاتے اتنے میں یہ حضرات (ابوبکر و عمر) وہاں مجتمع ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگ واپس جاؤ یہ سن کر یہ حضرات چلے گئے۔ مدارج النبوت اور روضۃ الاحباب میں ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب موذن نے آپکو نماز کی اطلاع دی تو آپ نے عبداللہ بن زمعہ سے کہا کہ لوگوں سے جاکر کہو کہ نماز پڑھ لیں۔ راستہ میں عبداللہ کو حضرت عمر مل گئے انہوں نے ان سے کہہ دیا کہ نماز پڑھا دو۔ حضرت عمر کی آواز کرخت تھی۔ نماز پڑھانے لگے تو آنحضرتؐ کے کان میں آواز پہونچی۔ فرمایا نہیں ابوبکر نماز پڑھائیں۔ حضرت عمر ہٹ گئے عبداللہ سے کہا۔ تم نے کمال کیا۔ عبداللہ کہنے لگے مجھ سے تو حضرتؐ نے کسی خاص شخص کے لئے نہیں کہا تھا" خلاصۃ الکلام فی تاریخ خیرالانامؐ کے مولف لکھتے ہیں:۔

"یہ امامت نماز ابوبکر کی روایتیں ایسی متضاد اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں کہ کوئی صاحب تحقیق ان پر اعتماد نہیں کرسکتا بلکہ صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ خوش اعتقادوں کی بندش ہے یا ان لوگوں کی ساختہ ہیں جو معاویہ کے انعام کی امید پر اس قسم کی حدیثیں گڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید اور صاحب نصائح کافیہ نے لکھا ہے کہ معاویہ فضائل خلفائے ثلاثہ بنوایا کرتے تھے اور دنیا والوں کو مالا مال کیا کرتے تھے۔ ہم شیخین کی بابت ایسا سوء ظن نہیں کرسکتے۔ کہ رسول اللہؐ بار بار فرمائیں کہ جو شخص جیش اسامہ کے پیچھے رہ جائے گا۔ اس پر خدا کی لعنت ہو اور پھر شیخین لشکر اسامہ کے ساتھ نہ گئے ہوں پھر جب یہ دونوں بزرگ لشکر اسامہ کے ساتھ چلے گئے اور مدینہ میں تھے ہی نہیں تو رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھنے کا حکم دیا کیونکر؟ حالانکہ دوسری روایتیں یہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ ان آخری سترہ نمازوں کے لئے بھی رسول اللہؐ مسجد میں تشریف لاتے رہے"۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت رسولؐ نے عین حالت مرض میں یہ حکم فرمایا تھا کہ اسامہ بن زید روم کی طرف لشکر لے جائیں اور بجز حضرت علیؑ کے سب صحابہ بشمول حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو تاکید فرمائی تھی کہ اسامہ بن زید کی سرکردگی میں جائیں اور جب صحابہ نے سرداری اسامہ بن زید پر اعتراض کیا تو رسول اللہؐ نے انکو تنبیہ کی کہ تم لوگوں نے اسامہ بن زید کے

والد یعنی زید کی سرداری پر بھی اسی طرح اعتراض کیا تھا حالانکہ زید بھی سرداری لشکر کے قابل تھے اور اسامہ بھی سرداری کے قابل ہے۔ جب معلوم ہوا کہ صحابہ جانے میں پس و پیش اور حیلہ حوالہ کر رہے ہیں تو حضرت پیغمبر خدا نے حالت مرض میں باہر نکل کر فرمایا کہ جو شخص لشکر اسامہ سے تخلف کرے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ یہ حکم سننے کے بعد سب صحابہ بشمول حضرت ابوبکر و عمر و عثمان، اسامہ بن زید کے ساتھ روانہ ہوئے اور یہ قافلہ مدینہ سے ایک منزل دور جا کر جرف پر اترا۔ یہ عقل میں آنے کی بات نہیں کہ رسول اللہ کے ایسے تاکیدی حکم کے بعد صحابہ لشکر کے ساتھ جا کر علانیہ طور پر بخلاف ورزی حکم واپس ہو کر رسول اللہ کے سامنے آ موجود ہوئے ہوں۔ ہاں اگر کوئی چوری چھپی آ گیا ہو تو وہ بات دوسری ہے مگر چوری چھپی آنے والے رسول اللہ کے سامنے آنے کی کیسے جرات کرتے جبکہ آپ نے جیش اسامہ سے تخلف کرنیوالوں کو مورد لعنت قرار دیا ہو تو اس کا ہر گز قرینہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوبکر علانیہ واپس آ گئے ہوں اور پھر حضرت رسول تخلف کرنے والوں کو مورد لعنت قرار دینے کے باوجود حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہو۔ ہاں رسول خدا کی شدت مرض اور غش کی کیفیت سے فائدہ اٹھا کے صحابہ آن موجود ہوئے ہوں اور نماز پڑھانے کا کوئی جعلی حکم ان کو دیدیا گیا ہو اور اس طرح حضرت ابوبکر نے نماز پڑھانا شروع کیا ہو تو اس کا امکان ہو سکتا ہے۔ بہر حال بنیادی امر یہ ہے کہ رسول اللہ کے جیش اسامہ کے ساتھ جانے کے تاکیدی حکم اور بصورت خلاف ورزی مورد لعنت قرار دینے کے بعد رسول اللہ کے انتقال کے کئی دن پہلے سے حضرت ابوبکر کی مدینہ میں موجودگی باور نہیں کی جا سکتی۔ تصفیہ خلافت کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہونچ جانا وہ حضرت رسول کے انتقال کے بعد کی بات ہے۔ اس سلسلہ میں جو روایات ہیں وہ یہ ہیں:۔ مدارج النبوۃ میں زہری سے روایت ہے کہ نماز پڑھانے کے لئے حضرت رسول خدا نے کسی کے نام حکم نہیں دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عبد اللہ بن زمعہ نے جن کے ذریعہ حکم امامت حضرت ابوبکر کو دیا جانا کہا جاتا ہے، قسم کھا کر کہا کہ مجھ کو کسی کا نام لیکر حکم نماز نہیں دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حفصہ صاحبزادی حضرت عمر نے حضرت عمر کو نماز پڑھانے یا ہر کہلا بھیجا اور کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عمر نماز پڑھانے لگے تو چونکہ حضرت عمر کی آواز کرخت تھی۔ رسول اللہ نے منع کروا دیا کہ حضرت عمر نماز روک دیں اور حضرت عائشہ کے ذریعہ کہلوایا کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھائیں۔ یہ نماز باختلاف روایات عصر کی کہی جاتی ہے اسمیں قابل توجہ یہ بات ہے کہ نماز عصر یا ظہر یعنی آواز سے نہیں پڑھی جاتی۔ ایسی صورت میں رسول اللہ کا حضرت عمر کی آواز کی کرختگی محسوس کرنا بھی قابل غور ہو جاتا ہے۔ پھر یہ امر بھی محتاج غور ہے کہ اگر حسب بیان حضرت حفصہ رسول اللہ نے حضرت عمر کو نماز پڑھانے کہا ہو تو محض اس بات پر کہ پڑھانے والے کی آواز کرخت ہے، نماز پڑھانے سے دوران نماز میں کیوں روک دیتے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عمر کی آواز سے رسول خدا واقف نہ تھے۔ جب کرختگی آواز سے واقف ہوتے ہوئے بھی حکم دیا تھا تو پھر اس حکم کی تعمیل کو کیوں روک دیتے؛ پھر بطور عمومی بھی کوئی شخص نماز جماعت پڑھا رہا ہو تو شروع ہو چکنے کے بعد جماعت توڑ کر اس شخص کو نماز پڑھانے سے منع کر دینا بالکل سمجھ نہیں آتا اور یہ صرف

اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ کوئی شخص خلاف حکم رسولؐ امامت کے لئے کھڑا ہو گیا ہو۔ ایک روایت بخاری میں عروہ کی زبانی اس طرح درج ہے جب حضرت رسولؐ نے اپنے مرض میں خفت پائی پس باہر آئے اور محراب کی طرف تشریف لے گئے پس ابوبکرؓ حضرتؐ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے اور تمام لوگ ابوبکر کی نماز کی یعنی تکبیر سے نماز پڑھتے تھے۔

بخاری کی ایک اور روایت زبانی حضرت عائشہ اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ نے ہائے سر درد کہا تو رسول اللہؐ نے فرمایا کاش اسی درد سر میں تمہارا انتقال ہو جاتا تو بہتر تھا اور میں تمہارے لئے استغفار کرتا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ تو میرا مرنا ہی چاہتے ہیں۔ رسول خدا نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ میں خود درد سر میں مبتلا ہوں ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ تم لوگ یوسف کی ہم نشین عورتوں جیسی ہو۔ ایک اور روایت بخاری کی حضرت عائشہ ہی کی زبانی اس طرح ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ تب میں نے عرض کی کہ ابوبکر بہت رقیق القلب ہیں آپکی جگہ کھڑے ہونگے تو جوش گریہ سے نماز نہ پڑھا سکیں گے آپ حضرت عمر سے فرمائیے کہ وہ نماز پڑھائیں اس کے بعد حضرت عائشہ نے حفصہ سے کہا کہ اس امر میں تم رسول خدا کو سمجھاؤ حضرت حفصہ نے رسول اللہؐ کو سمجھایا جس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم لوگ یوسف کی ہم نشین عورتوں جیسی ہو۔

ایک روایت کے اعتبار سے حضرت حفصہ نے حضرت عمر کو نماز پڑھانے کہلا بھیجا تھا۔ رسول اللہؐ نے حضرت عمر کی آواز سن کر نماز شکست کروادی اور دوبارہ جب عورتوں نے حضرت ابوبکر کے لئے اذن نماز دیا اور جب رسول اللہ کو خبر ہوئی تو آپ نے باوجود بیماری و نقاہت کے باہر آکر امامت نماز سے حضرت ابوبکر کو ہٹا کر خود نماز پڑھائی اور جب یہ حال معلوم ہوا کہ عورتوں نے یہ حکم دیا تھا تو آپ نے فرمایا۔ انکن صواحب یوسف وان کیدکن عظیم۔ یعنی یہ یوسفؑ کی ہم نشین عورتوں جیسی ہیں اور ان کا مکر بڑا عظیم ہے۔ یوروپی محقق لامنس نے بھی یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ خلافت کی سازش اور حضرت ابوبکر کو آگے بڑھانے میں حضرت عائشہ اور حفصہ دونوں شریک تھیں۔ علامہ ابن ابی الحدید نے اپنے ایک شعر میں حضرت ابوبکر کے خدمت اعلان سورہ برأت سے معزول کئے جانے اور امامتِ نماز سے ہٹانے کا ذکر حضرت علی علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے اس طرح کیا ہے ؎

وما کان معزولا عند اتیہ برائتہ ولا فی صلوٰۃ امر فیہا موخرا

یعنی حضرت علی علیہ السلام وہ نہیں ہیں جن کو سورۂ برأت لے جانے کی خدمت سے معزول کیا گیا ہو اور پھر امامت نماز سے ہٹا دیا گیا ہو۔ یہ روایت بھی جو دار قطنی نے افراد میں اور خطیب اور ابن عساکر نے درج کی ہیں قابل غور ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ عرض کیا کہ علیؑ کو امام بنایا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ انکار کیا اور ابوبکر کو ہی نماز پڑھانے کا حکم ہوا۔ یہ امر محتاج فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ کے درمیان ایسا شدید اختلاف رائے ہو کہ رسول اللہؐ بار بار اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے جائیں کہ علیؑ کو امام بنایا جائے اور اللہ تعالیٰ اس استدعا کو رد کرتا جائے جس علیؑ کی شان حسب روایات مندرجہ کتب اہل سنت (۳۰۰) آیات نازل ہوئی ہوں صاحب تطہیر وارث کتاب خدا

صاحب من عندہ علم الکتاب ولی خدا ہو اور جن کے متعلق رسول خدا فرمائیں کہ یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ۔ یعنی علیؑ اللہ اور رسولؐ کو چاہتا ہے اور اللہ و رسولؐ علیؑ کو چاہتے ہیں) یہ حکم یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک ...... الخ تھوڑے ہی دن پہلے جس کی مولائیت کا اعلان غدیر خم پر رسول اللہ نے فرمایا ہو اور جس اعلان کے بعد دین اسلام حسب آیت الیوم اکملت لکم دینکم ...... الخ مکمل ہوا ہو تو اس نے (معاذ اللہ) ایسا کیا تصور کیا تھا کہ رسول اللہؐ کے تین مرتبہ عرض کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اس کو رد فرماتا چلا جائے۔ اگر بالفرض ایک مرتبہ رسول اللہ کے عرض کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو رد فرمایا تھا تو رسول خداؐ کیوں ایسی ضد خلاف مرضی خدا فرماتے کہ پھر حضرت علیؑ کا نام بار بار پیش کرتے۔ یہ باتیں کسی صاحب عقل کی سمجھ میں نہیں آسکتیں اور ظاہر ہے کہ یہ اور اس قسم کی روایتیں اسلئے گڑھی گئی ہیں کہ کسی طرح حضرت ابوبکر کی امامت نماز ثابت کرنے کی کوشش کی جائے مگر واضعانِ روایت کو یہ خیال نہ رہا کہ رسول اللہ کے تین مرتبہ باوجود اللہ تعالیٰ کے انکار کے حضرت علیؑ کا نام پیش کرتے جانے (کے بتینہ ادعا) سے یہ امر خود بخود مسلّم ہو جاتا ہے کہ رسول خدا بجز علیؑ کے اور کسی کو امام بنانا نہیں چاہتے تھے۔ اس روایت کو تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ علیؑ کو چاہتے تھے۔ اور حضرت ابوبکر کو نہیں چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ علیؑ کو نہیں چاہتا تھا اور حضرت ابوبکر کو چاہتا تھا۔ اللہ اور رسول اللہ کی مرضی میں ایسا اختلاف کس کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس قسم کے فتنہ پردازوں کے متعلق جو اللہ اور رسولؐ کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں، سورۂ نساء کی آیت ۱۵۰ موجود ہے۔

ویریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ و یقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض و یریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولئک ھم الکٰفرون حقا۔ یعنی جو لوگ خدا اور اس کے رسول کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کفر و ایمان کے درمیان ایک دوسری راہ نکالیں حقیقتاً یہی لوگ کافر ہیں۔ یہ امر بھی خیال میں رکھنے کے قابل ہے کہ بتینہ امامت نماز حضرت ابوبکر کے متعلق متضاد و مختلف فیہ بہر حال قسم قسم کی بھی اور جتنی روایتیں آئی ہیں وہ سب حضرت عائشہ کی زبانی ہیں۔ ان کا یہ مسلّم ہے کہ وہ رسول اللہ کو حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے رجوع کرتی تھیں صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: "مجھے رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں انہیں کچھ لکھوا دوں میں ڈر گئی کہ کوئی اور شخص اگر کچھ تمنا نہ کر بیٹھے اور اپنے کو افضل ظاہر کرے مگر شکر ہے کہ خدا نے اور مسلمانوں نے ابوبکر ہی کا انتخاب کیا"۔

حضرت عائشہ کی نیت کا اندازہ خود ان کی اسی روایت سے ہوتا ہے کہ وہ ڈر گئی تھیں کہ کہیں اور شخص آکر خلافت کی تمنا نہ کر بیٹھے اور اپنے کو افضل ظاہر کرے۔ یہ امر بھی خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہ کا یہ اشارہ کس کی طرف تھا! کون رسول خداؐ کے قریب آپکی حالت مرض میں بھی آسکتا تھا اور اپنی خلافت کا طالب ہو سکتا تھا اور کس میں وہ فضائل تھے جو ہر ایک کے مقابلہ میں اپنی فضیلت کا ادعا کر سکتا تھا۔ یہ صاف اشارہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف ہے۔ پھر

حضرت عائشہ اس کے بعد کہتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بن گئے تو ان کا یہ خدشہ جاتا رہا اور انہوں نے شکر ادا کیا۔

یورپ میں محقق مسٹر پامر لکھتے ہیں کہ عائشہ ان حضرت علیؑ سے سخت ناراض تھیں اس لئے علیؑ کی جانشینی کو رد کرنے کے لئے عائشہ نے اپنے تمام اقتدارات اور زور استعمال کئے" مسٹر پامر مزید لکھتے ہیں کہ عائشہ جو علیؑ کے خاندان کے لئے ایک خواب موکل کے تھیں وہ بھی چند برسوں بعد مر گئیں۔ کہتے ہیں کہ معاویہ نے ان کو مروا ڈالا" مولوی وحید الدین خاں آزاد "صد تحقیق بہ شرح سُنی" کے صـ۵۳ پر لکھتے ہیں" اور مورخ گبن لکھتا ہے کہ علیؑ کو حصول خلافت میں بوجہ سازش تین بار شکست ہوئی (یعنی تینوں خلافتوں کے وقت) اور ظاہر ہے کہ خلافت اگر حضرت علیؑ کو درجۂ چہارم پر ملی بھی تو اس کا انجام بوجہ سازش عائشہ کے یہ ہوا کہ حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر کو بلا کر خود لڑیں اور کرتہ خون آلودہ حضرت عثمان کا دمشق میں معاویہ کے پاس بھیجا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو باوصف وعدہ سابق کے حضرت رسولؐ کے قریب دفن نہ ہونے دیا۔"

Lives of Successors of Mohamet کے صـ۷ پر" واشنگٹن اردنگ" لکھتا ہے:-

'His (Abu Beker's) claims were strongly urged by his daughter Ayasha who had great influence among the faithful and who was stimulated not so much by zeal for her father as by hatred of Ali."

Lives of Successors of Mohamet. کے صـ۱۹۵ پر واشنگٹن اِرونگ لکھتا ہے:-

" She (Ayesha) was generally denominated the mother of the faithful, although she had never borne any issue to Mahomet; and had employed her widow-hood in intrigues to prevent Ali and his children who were the only progeny of the prophet, from sitting on the throne of the cliphs.

صحیح نسائی میں نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں گئے اور حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ حضرت عائشہ کو چلاتے ہوئے سنا کہ حضرتؐ سے کہہ رہی تھیں خدا کی قسم میں جانتی ہوں میرے باپ سے آپکو علیؑ زیادہ عزیز ہیں۔ حضرت ابوبکر نے بڑھ کر قصد کیا کہ ان کو طمانچہ لگائیں اور کہنے لگے کہ اے فلاں کی بیٹی! حضرتؐ پر چلاتی ہے!

عرب کے مشہور عالم عمر ابوالنصر اپنی کتاب "علیؑ اور عائشہ" مترجمہ مولوی محمد احمد صاحب پانی پتی کے صـ۳۹ پر لکھتے ہیں:- " بہر حال حضرت علیؑ سمجھتے تھے کہ حضرت ابوبکر کی بیعت انکی بیٹی کی مخفی در مخفی تدابیر کی وجہ سے ہوئی ہے اور ان کو خلیفہ بنانے میں حضرت عائشہ کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ علامہ ابوالنصر نے یورپی محقق لامنس کے بھی اسی نظریہ کا ذکر کیا ہے جس کی طرف ہم نے چند سطور قبل اشارہ کیا ہے۔ حضرت عائشہ کے متعلق صحیح بخاری کی ایک حدیث ہم بلا کسی تنقید کے بجنسہٖ نقل کر دیتے ہیں۔ صحیح بخاری موسومہ تیسیر البخاری مترجمہ وحید الزمان صاحب المخاطب وقار نواز جنگ

مطبوعہ مطبع احمدی لاہور کے پارہ ۱۲ کتاب جہاد و سیر کے صفحہ ۶ پر یہ حدیث درج ہے "آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا کہ ادھر ہی سے فتنے نکلیں گے یہیں سے شیطان کا سر نمودار ہوگا۔"

جہاں بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی وہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے تسبیح و تصفیق میں غلطی کی تو رسول اللہؐ نے اصلاح فرمائی۔ بس سے تو وہ مضمون صادق آیا کہ نماز بخشوانے گئے تو روزے گلے پڑے۔ کہاں حضرت ابوبکر کی امامت نماز ثابت کی جانی مقصود تھی مگر مضمون یہ نکل آیا کہ حضرت ابوبکر کو تسبیح و تصفیق بھی صحیح نہیں آتی تھی۔ بہرحال یہ سب متضاد روایتیں بے سروپا باتوں کا مجموعہ ہیں کا اگر ہائے سر درد 'اور آپ تو میرا مرنا ہی چاہتے ہیں' سے ابتدا ہو کر حکم نماز حضرت ابوبکر درمیان میں آتا ہے تو یوسف کی ہم نشین عورتوں والی عبارت پر انتہا ہوتی ہے۔ مدارج النبوۃ اور موطا میں یہ بھی درج ہے کہ رسول اللہؐ نے عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے بھی نماز پڑھی تھی اور یہ واقعہ حضرت ابوبکر کی مُتَنِیہ امامت نماز سے پہلے کا تھا۔ اگر محض امامت نماز سے کوئی حق خلافت مستنبط کرنا ہو تو متذکرہ صدر روایت کتب اہل سنت کے اعتبار سے عبدالرحمٰن بن عوف کا حق مرجح ہو سکتا تھا۔ امامت نماز حضرت ابوبکر کا ذکر کرتے ہوئے ہدایت اللہ صاحب ہندوستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اسلامی قانون پر اپنی کتاب کے سولھویں ایڈیشن میں تمہید کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں:۔

" There is no special qualification for leading a prayer. Any Muslim can act as imam."

مختصر یہ کہ تمام امور پر نظر غائر ڈالنے کے بعد نہ تو حضرت ابوبکر کی مسجد نبوی میں موجودگی بوجہ تخلف جیش اسامہ کرنے والے کو حضرت رسولؐ کے مورد لعنت ٹھہرانے کے ثابت ہوتی ہے اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر کو امامت نماز کا حکم دیا۔ اگر حضرت ابوبکر تخلف جیش اسامہ کر کے آ بھی گئے ہوں اور اگر رسول خداؐ کے مرض اور کیفیت غشی سے فائدہ اٹھا کر کسی نے کوئی حکم اپنی طرف سے دے بھی دیا تو انھیں روایتوں میں ہے کہ رسول اللہؐ نے اس نماز میں پہونچ کر نماز پڑھانے والے کو ہٹا کر خود نماز پڑھائی اور اپنے من مانے حکم دینے والوں کو یوسف کی ہم نشین عورتوں سے تعبیر فرمایا۔ وہ صاحب خلق عظیم، امین و صادق، رحمت اللعٰلمین اپنے وقت آخر یوسف کی ہم نشین عورتوں کا سخت ریمارک بلا وجہ نہیں فرما سکتا تھا۔ جب تک کہ فی الواقعی کوئی مکر نہ کیا گیا ہو۔

خلافت ظاہری کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے جہاد نہ کرنے کا سبب

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر خلفائے ثلاثہ کی خلافت غصبی اور ناجائز تھی تو حضرت علیؑ نے ان سے جہاد کیوں نہ کیا۔ اس بات کا جواب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح ارشادات اور خود آنحضرتؐ کے عمل سے مل جاتا ہے۔ حضرت رسولؐ نے اولاً تو اپنی امت کو واضح ہدایتیں فرما دی تھیں کہ علیؑ کی متابعت و ملازمت اختیار کرنا اور پھر بحیثیت شاہد کائنات اس امر کی پیشگوئی بھی فرما دی تھی کہ میری امت میں عنقریب فتنہ برپا ہوگا اور لوگ غیر حقدار کو حقدار کے مقابلہ میں ترجیح دینگے۔ حضرت علیؑ کو صدمہ پہونچائیں گے۔ دین میں خرابی ڈالیں گے،

اللہ کا مال کھا جائیں گے، دُنیا پر مائل ہونگے اور آخرت کو چھوڑ دینگے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت علی علیہ السلام سے بھی یہ فرما دیا تھا کہ تم ہرگز دل تنگ نہ ہونا اور جب حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ میں صبر کروں گا تو آنحضرتؐ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! علیؑ کا مددگار رہیو۔ ذیل میں چند مستند روایتیں درج کرتے ہیں جو ان امور میں سے ہر ہر جزو کو واضح کرتی ہیں:۔

دیلمی، خوارزمی اور ابن عبدالبر نے ابولیلی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ میری اُمت میں عنقریب فتنہ برپا ہوگا اور جب ایسا ہو تو تم ملازمت علیؑ کی اختیار کرنا۔

ابونعیم نے حلیہ میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ علیؑ ہدایت کا علم ہے اور میرے دوستوں کا امام ہے اور اللہ تعالیٰ علیؑ کو مصیبت سے آزمائے گا اور اس کے بارے میں لوگوں کی آزمائش کی جائیگی۔ سیوطی نے ابوقتادہ انصاری سے روایت کی ہے کہ ہم سے حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ لوگ حقدار پر غیر حقدار کو اختیار کرینگے (نیز ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۷)

طبری اور دار قطنی میں روایت ہے کہ قریب وفات آنحضرتؐ نے علی مرتضیٰؑ کو اپنے قرض کی ادائی کے متعلق وصیت فرمائی جو آنحضرتؐ نے لشکر اسامہ بن زید کی روانگی کی غرض سے لیا تھا اور پھر آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ اے علیؑ! میرے بعد لوگ تم کو صدمہ پہونچائیں گے تم ہرگز دل تنگ نہ ہونا اور جب تم دیکھنا کہ لوگوں نے دُنیا اختیار کی تو تم عاقبت اختیار کرنا۔ سیوطی نے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے اپنی وفات سے قبل حضرت علیؑ سے خاص عہد لئے تھے۔

الحافظ الثقفی نے حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ مجھ سے سرور کائناتؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ! جب لوگ دُنیا سے رغبت کرینگے اور آخرت کو چھوڑ دینگے اور لوگوں کی میراث کھا جائیں گے اور دین کو خرابی میں ڈالیں گے اور اللہ کا مال لوٹیں گے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ میں انکو چھوڑ دوں گا اور جو وہ اختیار کرینگے اس کو ترک کر دوں گا اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور عاقبت کے گھر کو اختیار کروں گا اور دُنیا کی مصیبتوں پر صبر کروں گا یہاں تک کہ میں انشاء اللہ آپ سے ملاقات کروں گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا تو نے سچ کہا ہے اور دُعا فرمائی کہ یا اللہ اس کا مددگار رہیو۔ مستدرک جلد ۳ ص ۱۴۲ پر حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے مجھے مطلع فرما دیا تھا کہ اُمت کے لوگ میری اطاعت کرنے میں قائم رہیں گے کنز العمال ص ۵۹ پر حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد درج ہے کہ علیؑ کی موت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک اسکا سینہ رنج و غم سے بھر نہ جائے اور پھر وہ شہید کیا جائیگا کنز العمال ص ۶۲ پر یہ روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ! تم میری سُنت پر مروگے۔

فقیہ واسطی ابن مغازلی شافعی اور خطیب خوارزمی نے مناقب میں نقل کیا ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اُمت تمہاری طرف سے دلوں میں کینے رکھتی ہے اور میرے بعد عنقریب یہ لوگ تم کو دھوکا دینگے۔ اور جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس کو ظاہر کرینگے اسوقت تم صبر و تحمل سے کام لینا کہ خدا تم کو اس کا اجر اور

جزائے خیر عنایت فرمائے گا"۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر حضرت علیؑ کے لئے اللہ تعالیٰ کے اور حضرت رسولؐ کے واقعی ارشادات ہوتے تو ان کو پس پشت ڈالکر حضرت ابوبکر و عمر اور دیگر مسلمان حضرت رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی حضرت علیؑ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کیسے خلیفہ بن جاتے اس کے جوابات عقلی اور نقلی بہت سے ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ حضرت علیؑ کے لئے رب العزت اور حضرت رسولؐ کے ایسے ارشادات فی الواقعی موجود ہیں اور کثرت سے ہیں۔ پھر قرآن میں یہ بھی ہے کہ بعض لوگ جھوٹے خلیفہ بن جاتے ہیں اور یہ ایسے امام ہوتے ہیں جو جہنم میں لیجاتے ہیں اور پھر حضرت رسولؐ کے بکثرت ارشادات اور تنبیہیں موجود ہیں کہ میرے بعد صحابہ دولت، اقتدار اور خلافت کی ہوس میں مبتلا ہوں گے اور یہ چیز ان کی عاقبت بربادی کا باعث ہوگی۔ پھر حضرت رسولؐ کی زندگی ہی میں اس کا ثبوت مل چکا تھا کہ بعض صحابہ کو آپ سے بیزاری پیدا ہو چکی تھی اور اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے منصوبہ بنا کر وادئ عقبہ میں آپ پر حملہ بھی کر دیا تھا اور پھر مرض الموت کی حالت میں تو رسولؐ کے حکم جیش اسامہ سے تخلف کرکے اور پھر رُو در رُو آپ سے سرکشی اور مخالفت کرکے اور آپکے فرمان کو ہذیان سے تعبیر کرکے بعض اکابر صحابہ نے یہ بتا دیا تھا کہ حکم رسولؐ کی منزلت اب ان کے نزدیک ذرّہ برابر بھی باقی نہیں رہی۔ عقل سلیم مسلسل واقعات سے خود نتیجے نکالتی ہے اور جہاں معاملہ دو اور دو چار کی طرح صاف ہو تو چون و چرا کی گنجائش ہی کیا ہے۔ بہت سارے علماء اور صوفیائے اہل طریقت نے بھی حضرات ثلاثہ کی خلافت کو محض حکومت دنیوی قرار دیا ہے اور امام غزالی نے تو حضرت علیؑ کے حق سے انحراف کرنے والے صحابہ کو مرتد کی تعریف میں داخل کیا ہے۔ ان سب دلائل عقلی و شواہد نقلی سے قطع نظر بھی قرآن میں ایسی عملی مثالیں بھی ملتی ہیں جہاں پیغمبروں کی اُمّت نے چشم زدن میں ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیا۔

چنانچہ سورۂ اعراف کی آیات ۱۵۰ تا ۱۵۲ میں حضرت موسیٰؑ کی اُمّت کا حال درج ہے کہ جب ایک قلیل عرصہ کے لئے حضرت موسیٰؑ بحکم خدا طور پر گئے اور اپنے بھائی ہارُون کو اُمّت پر اپنا خلیفہ مقرر کر گئے تو باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰؑ ایک پُر ہیبت شخصیت کے مالک تھے اور پھر ظاہر بظاہر بھی عصاء اور یدِ بیضیٰ کے معجزے رکھتے تھے اور چند ہی دن کے لئے جا کر آنیوالے تھے مگر حضرت موسیٰؑ کی پیٹھ پھرتے ہی ان کی اُمّت نے سب چیزوں کو بالائے طاق رکھ کے حضرت ہارونؑ سے منہ موڑا اور توریت کی تختیوں کو پھینک دیا اور سامری کے بہکانے پر اس کے بنائے ہوئے گئوسالہ کی پرستش شروع کر دی۔ سورہ اعراف کی آیات محولۂ صدر کے اجزاء ہم نیچے درج کر دیتے ہیں۔

ولما رجع موسیٰ الی قومه غضبان اسفًا قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم والقی الالواح (ترجمہ) اور جب موسیٰؑ پلٹ کر اپنی قوم کی طرف ..... آئے تو یہ حالت دیکھ کر رنج و غصہ میں کہنے لگے تم لوگوں نے میرے بعد بہت بُری حرکت کی تم لوگ اپنے پروردگار کے حکم (میرے آنے میں) کس قدر جلدی کر بیٹھے اور (توریت کی) تختیوں کو پھینک دیا۔ اُمّت کے لوگوں نے حضرت ہارون کو جو تکالیف دیں اس کی شکایت حضرت موسیٰؑ سے

اِس طرح کی اِ قال ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی (یعنی) اے میرے ماں جائے قوم نے مجھے کمزور کردیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں الغرض فطرت کی دنائیت اور دُنیائے دوں کی لالچ چیز ہی ایسی ہے کہ دُنیا کے بندے جو بھی کریں کم ہے۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹۶ پر حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول درج ہے۔ واللہ ما منعنی الجبن ولا کراھیۃ الموت ولکن منعنی ذالک العھد اخی رسول اللہ یعنی خدا کی قسم جنگ سے مجھے بزدلی یا موت کے ڈرنے نہیں روکا بلکہ مجھے میرے بھائی رسول اللہ کے عہد اور وصیت نے مجبور کر دیا۔

اب اسباب ظاہر اور اس زمانہ کے حالات پر نظر ڈالئے کہ حضرت علی علیہ السلام کو کیا مجبوریاں لاحق تھیں اپنے خطبہ شقشقیہ میں آپ نے ان وجوہ کو خود ظاہر فرمایا ہے کہ قلت اعوان و انصار کی وجہ سے میں اپنے کو بالکل مجبور و بے دست و پا پاتا تھا لہٰذا میں نے اس بلائے تیرہ و تار پر صبر اختیار کیا۔ حضرت رسول خدا کا عمل بھی مصیبتوں کے موقعوں پر بالکلیہ اسی قسم کا تھا۔ جب تک آپ کے اعوان و انصار کی تعداد قابل لحاظ نہ ہوگئی آپ نے کفّار و مشرکین سے جنگ نہیں فرمائی۔ تاریخ ابوالفدا اور متعدد تواریخ میں ہے کہ اوّل تو تین سال تک آنحضرتؐ نے مخفی طور پر دعوت اسلام فرمائی۔ نماز بھی علانیہ نہیں ہوتی تھی۔ مکہ میں مشرکین آپ کو طرح طرح کی ایذا پہونچاتے رہے تمسخر و تضحیک کرتے تھے۔ شاعر، ساحر اور مجنوں کہتے تھے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھاتے سر پر خاک ڈالتے اور پتھر مارتے تھے۔ جسمانی اور روحانی تکلیفیں دیتے اور ہر طرح کا مقاطعہ آپ سے کر رکھا تھا۔ شعب ابی طالب میں حضرت مصیبت کی حالت میں بسر فرماتے تھے گو کہ حضرت ابوطالب نے آپکو ممکنہ آرام پہونچانے کی کوشش میں تن من دھن کی بازی لگا دی تھی اور حضرت رسولؐ کو مشرکین قتل کر دینے کے خوف سے بستر بدل بدل کر اپنے کسی فرزند کو حضرت رسولؐ کی جگہ سُلایا کرتے تھے اور جناب فاطمہ بنت اسد اپنے بیٹوں سے زیادہ آپکو چاہتی تھیں مگر لوگوں کے مقاطعہ کی وجہ سے مایحتاج فراہم ہونے میں ہر طرح کی دشواری تھی اور سب کو فاقوں کی نوبت آتی تھی پھر ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد تو نوبت یہاں تک پہونچی کہ کفار قریش نے قتل کرنے کا ارادہ کرکے آپکے دولت کدہ کو گھیر لیا اور آپ نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو اپنی چادر اُڑھا کر اور اپنے بستر پر سُلا کر راتوں رات مکّہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی اور راستہ میں غار ثور میں بھی چھپنا پڑا۔ یہ اسوقت کا ذکر ہے جبکہ بعثت کو تیرہ سال گزر چکے تھے اور کچھ نہ کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے باوجود اس کے حضرت نے جہاد کرنا مناسب نہ سمجھا اور بشکل تقیہ چھُپ کے ہجرت فرمائی۔ کرنے والا (جھوٹا) اعتراض کر سکتا ہے کہ جب آپ اللہ کے سچے رسولؐ تھے تو پھر اسی وقت کفار سے جہاد کیوں نہ کیا۔ یہ اعتراض سوائے فہم کی کمی کے اور کسی بناء پر نہیں ہو سکتا۔ خالق عالم نے کارگاہ حیات میں اسباب ظاہری کی بناء پر علّت و معلول قرار دیئے ہیں جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۰ میں ہے۔ ارشاد ہے۔ وتلک الایام نداولھا بین الناس۔ یعنی یہ لوازمات زمانہ ہیں جو ہم لوگوں کے درمیان باری باری اُلٹ پھیر کیا کرتے ہیں۔ سنّت خدا بھی بمصداق لن تجد لہ سنۃ اللہ تبدیلا ہمیشہ ایک اُصول اور ایک طریق کے موافق رہتی ہے۔ اس عالم اسباب میں ہمیشہ سے حکم خدا بھی تمام مصالح ظاہری و باطنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہوا کرتا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ جاؤ

بیجا قوت کے استعمال یا جنگ و جہاد کا ہی حکم دیا جائے۔ حضرت رسول ؐ کے لئے ہجرت کرنے کا حکم بھی اللہ کی طرف سے تھا۔ موقع اور مصلحت کو دیکھکر کوئی کام کیا جاتا ہے سوائے اس کے کہ رسول ؐ یا امام ہر موقع پر معجزے دکھلاتا جائے اور قوت ربانیہ کا استعمال ہر جگہ کرتا جائے یہ ممکن نہیں ہے کہ ظاہر بظاہر قلت اعوان و انصار کے باوجود جنگ و جہاد کر ہی دیا جائے۔ اظہار معجزات کا محل دوسرا ہوا کرتا ہے۔ بعد ہجرت جب انصار مدینہ سے بھی حضرت کا بازو قوی ہوا اور آپ نے اپنے آپکو مدافعت کے قابل پایا تو اسوقت آپ نے جہاد فرمایا مگر اس کے باوجود بھی اور جب متعدد جنگوں میں فتح بھی ہو چکی تھی صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت نے پھر مصلحت کو پیش نظر رکھا اور بظاہر ایسے شرائط پر کفار مکہ سے صلح فرمائی جو مسلمانوں کے لئے سخت اور کفار کے موافق تھے۔ اس موقع پر تو حضرت عمر وغیرہ نے رسالت رسول ؐ پر گہرا شک بھی ظاہر کیا تھا مگر حضرت رسالتمآبؐ کا عمل عین مصلحت دینی پر مبنی اور موافق حکم خدا تھا۔

رسول خدا ؐ کے انتقال کے ساتھ ہی اہل بیت رسول ؐ اور حضرت علی مرتضیٰ سے اہل زمانہ کی آنکھیں کس طرح پھر گئیں، تاریخ اس کی پوری طرح شاہد ہے۔ بجز گنتی کے چند صحابائے جلیل القدر کے، جن کے متعلق حسب روایت کتب اہل سنت بھی حضرت رسول ؐ نے محبت رکھنے کا حکم دیا تھا، مثل سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد الکندی و عمار یاسر اور ان کے علاوہ مہاجرین میں سے حذیفہ یمانی، اویس قرنی (جو موقع پر موجود نہ تھے) بریدہ اسلمی، خالد بن سعید اموی بلال اور انصار میں سے ابو ایوب انصاری، جابر بن عبداللہ انصاری اور ابو ہیثم و ابن تیہان انصاری، خزیمہ انصاری، ابی بن کعب، عثمان حنیف، سہیل ابن حنیف اور دو ایک اور کے سوا اور صحابہ میں سے کوئی شخص حضرت علی ؑ کا مددگار نہ تھا۔ بعض لوگوں نے خالد بن سعید اموی کے دو بھائیوں عمر ابن سعید اور عمران ابن سعید کا نام بھی لکھا ہے یہ اس وقت کے انصار علی ؑ کی تقریباً مکمل فہرست ہے بلکہ اسمیں کے بھی دو ایک نام مشتبہ کہے جاتے ہیں۔ ابتدائی چار نام بہر طور موثق ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کی ان کے متعلق صاحب حبیب السیر جزو اول جلد چہارم ص۲ پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔ روز دیگر بیعت عام بوقوع پیوست اما بمقتضائے این بیت ؎

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است علیؑ و آل او مارا تمام است

فرقہ اہل اسلام بآن مہم رضا نہ دادند و گفتند ما با ہیچ کس بیعت نہ نمایم مگر بعلی ابن ابی طالب و جزوہم سلمان فارسی، عمار بن یاسر، مقداد بن الاسود، خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین، و ابوذر غفاری، و ابوایوب انصاری، جابر بن عبداللہ ابوسعید الخدری، بریدہ بن اسلمی، ازاں جملہ بودند۔ "

خلافت حضرت ابوبکر کے وقت جب حضرت علی علیہ اسلام نے اپنا ادعاء خلافت پیش کر کے ارشاد رسول یوم غدیر خم کی گواہی طلب کی تو حالانکہ تقریباً ایک لاکھ کا مجمع حضرت سرور کائنات ؐ کے خطبۂ غدیر خم کو سماعت کر چکا تھا مگر بجز بارہ یا بروایتے (۳۰) اشخاص کے کسی نے گواہی تک دینا پسند نہیں کیا۔ متعدد روایات ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے گواہی طلب کرتے وقت انس بن مالک اور زید بن ارقم صحابی بھی موجود تھے جو خطبۂ غدیر میں

چکے تھے مگر ان دونوں نے بھی اخفاء شہادت کیا۔ جب حضرت علیؑ نے انس بن مالک سے ارشاد فرمایا تو غدیر خم کے خطبہ کے وقت موجود تھا تو نے کیوں گواہی نہ دی تو انس بن مالک نے جواب دیا کہ بوڑھا آدمی ہوں بھول گیا تھا۔ حضرت امیرؑ کو حقیقت حال کا خوب اندازہ تھا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ یا اللہ یہ جھوٹا ہو تو اس کے چہرہ پر برص ظاہر فرما کہ عمامہ اس کو چھپا نہ سکے چنانچہ اسی وقت انس بن مالک کے چہرہ پر دونوں آنکھوں کے بیچ میں برص ظاہر ہوا۔ زید بن ارقم بھی دانستہ اخفاء شہادت کے سبب جناب امیرؑ کے ارشاد پر اندھے ہوگئے اور بعد میں تا عمر کہتے رہے کہ بوجہ اخفاء شہادت حضرت علیؑ کی بددعا سے اندھا ہو گیا ہوں۔ بہر حال صورتحال یہ تھی کہ بڑے بڑے لوگوں کے قدم ہوس دنیا نے ڈگمگا دیئے تھے اور جب حضرت ابو بکر کے سقیفہ میں خلیفہ بننے کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے حق خلافت کا ادعار کیا تو کسی نے عمداً اس کی تائید نہیں کی اور کوئی حکومت کے ڈر سے اخفاء شہادت کرتا رہا اور بجز گنتی کے ۱۵، ۱۶ کے حضرت علی مرتضیٰؑ کا کوئی طرفدار صحابۂ رسولؐ میں سے باقی نہ رہا۔ کیا اس پندرہ سولہ کی جماعت جسمیں سے اکثر بوڑھے تھے اور مٹھی بھر بنی ہاشم کو لیکر حضرت علیؑ ہزاروں مخالفین کے ایک جم غفیر کے مقابلہ میں جہاد فرما سکتے تھے؟

نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں لکھا ہے نیز سلیم بن قیس الہلالی نے جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام سے لیکر امام محمد باقر علیہ السلام تک کا زمانہ دیکھا اپنی کتاب میں بحوالہ سلمان لکھتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کے ارشاد کے بموجب کہ اے علی اگر انصار پاؤ کہ جنگ کر سکو تو جنگ کرنا ورنہ صبر اختیار کرنا حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ اگر چالیس آدمی مجھے مل جائیں تو ابو بکر کی حکومت کا تختہ الٹ دونگا۔ حضرت علی رات کو جناب فاطمہ کو ایک مرکب پر سوار کرکے اور حسنین کو ساتھ لیکر انصار و مہاجرین کے دروازہ پر گئے اور اپنا حق یاد دلایا اور نصرت کی دعوت دی۔ صرف ۴۴ آدمیوں نے لبیک کہی آپ نے حکم دیا کہ علی الصباح اسلحہ لگا کر آجائیں اور موت کیلئے بیعت کریں۔ اب جو صبح ہوئی تو صرف چار آدمی آئے۔ یہ زبیرؔ، سلمانؔ، ابوذرؔ اور مقدادؔ تھے دوسری شب اور تیسری شب علی پھر گئے اور سمجھایا مگر صبح کو انھیں چار آدمی کے سوا اور کوئی نہ آیا۔ جب آپ نے لوگوں کی غداری اور بیوفائی دیکھ لی تو خاموشی اختیار کی۔ اب دوسری خلافت کے وقت حالات پر غور فرمایئے۔ جب حضرت عمر خلیفہ بنے اب تو حکومت ظاہری اور مستحکم ہو چکی تھی اور آل رسولؐ کی مختلف طریقے سے بے توقیری کرکے ان کو اور بھی بے بس کر دیا جا چکا تھا۔ حضرت ابو بکر کے حضرت عمر کے نام خلافت نامہ لکھدینے اور اپنی زندگی میں حضرت عمر کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت کروانے کے بعد اور بزمانہ حضرت ابو بکر اہلبیت رسولؐ کی بے توقیری از قسم بیعت کے لئے حضرت علیؑ کی گردن میں رومال ڈالکر کھینچے حضرت فاطمہؑ کا گھر جلانے آگ لیجانے اور فدک اور میراث رسولؐ سے حضرت فاطمہ زہرؑا کے محروم کئے جانے اور حضرت علی علیہ السلام اور حضرات حسنینؑ کی شہادت ناقابل قبول ٹھہرا کر دعوئے فدک کو جھوٹا قرار دیکر خارج کرنے کے بعد اب حضرت علی علیہ السلام کے مددگاروں میں کیا اضافہ ہوا تھا جو اب آپ ایک اور زیادہ مستحکم حکومت کے خلاف جہاد فرما سکتے۔ اس کے بعد پھر حضرت عثمان کی خلافت کے وقت حالات حضرت علیؑ کے لئے کونسے سازگار تھے۔

حضرت عمر نے تو یہ حکم دیدیا تھا کہ چھ اشخاص کے شوریٰ میں سے جسمیں حضرت علیؑ کا نام بھی شامل تھا جو شخص اکثریت کی رائے سے متفق نہ ہو اُس کو قتل کر دیا جائے اس طرح حضرت عثمان کو خلیفہ تسلیم نہ کرنے کی صورت میں حضرت علیؑ کے قتل کا بندوبست بھی ہو چکا تھا۔ اس قسم کے حالات میں حضرت علیؑ کے لئے قوت ظاہری سے جہاد کا کیا امکان تھا۔

انوار نعمانیہ میں درج ہے کہ کسی شخص نے امام رضا علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ جناب علی مرتضیٰ نے بعد حیات رسول خدا (۲۵) برس تک اپنے اعداء کے خلاف کیوں جہاد نہ کیا حالانکہ اپنے عہد خلافت میں آپ نے جہاد کیا۔

حضرت امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ نے جناب رسول خدا کے ساتھ ترکِ جہاد میں اقتدا کی۔ جناب رسول خدا نے نبوت حاصل ہونے کے بعد ۱۳ سال تک مکہ میں اور ۱۸ مہینہ تک مدینہ آنے پر بھی کفار سے جہاد نہیں کرنے کا سبب یہ تھا کہ اتنے عرصہ تک آپکے اعوان و انصار بہت ہی قلیل تھے لیکن اتنے عرصہ تک جہاد نہ کرنے سے آپکی نبوت باطل نہیں ہوئی۔ اسی طرح ترک جہاد سے حضرت علیؑ کی امامت میں کوئی فرق نہ آیا۔

قرآن شریف میں ایک ایسی قسم کے مواقع کا ذکر ہے جہاں حضرت موسیٰ کے غیاب میں آپکی اُمت نے گوسالہ پرستی اختیار کرلی اور حضرت ہارونؑ سے پوچھا بھی کہ تم نے جہاد کیوں نہیں کیا! حضرت ہارونؑ کا عمل فعلِ پیغمبر تھا اور حق تعالےٰ نے اس عمل پر کوئی اعتراض نہ فرمایا اور اس طرح جائز قرار دیا۔ سورہ طٰہٰ کی آیات ۹۲ تا ۹۴ اس ضمن میں حسب ذیل ہیں۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ترجمہ (حضرت موسیٰؑ نے) کہا اے ہارون جب تم نے اونکو دیکھ لیا تھا کہ گمراہ ہوگئے ہیں تو تمہیں میری پیروی کرنے کو کس نے منع کیا تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہارونؑ نے کہا اے میرے بھائی میری داڑھی نہ پکڑیئے اور میرے سر کے بال ہیں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا بھی خیال نہ رکھا۔ اس موقع پر تو حضرت موسیٰؑ جہاد کرنے کا حکم بھی حضرت ہارون کو دے گئے تھے اس وجہ سے ان سے کہا کہ تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی مگر حضرت ہارون نے اپنے جہاد نہ کرنے کا سبب بیان کیا کہ میں نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈالنا مناسب نہ سمجھا اور یہ خیال کیا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ میری بات کا بھی خیال نہ رکھا۔ حضرت نوحؑ بھی جب اپنی قوم کے فسق و فجور سے تنگ آگئے تو آپ نے ان سے جہاد نہیں کیا کہ بارگاہ رب العزت میں یہ معروضہ کرنے پر اکتفا کیا "رب انی مغلوب فانتصر" پالنے والے انہوں نے مجھے مغلوب کر رکھا ہے تو میری مدد فرما۔

اس طرح مندرجات قرآن سے بھی یہ امر ثابت ہے کہ جہاد موقع کی مناسبت اور مصلحتِ وقت پر مبنی ہوتا ہے اور جہاد نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کارروائی سے کہیں فوراً پھوٹ اور انتشار کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے اور اس طرح کشمکش باہمی و جنگ میں رہے سہے گنتی کے سچے مومنین بھی ایک انبوہ کثیر سے لڑ کر قتل نہ ہو جائیں یا اور مصیبتوں میں نہ پڑ جائیں۔ راہ خدا میں جہاد کچھ اپنی غرض ذاتی کے لئے تو کیا نہیں جاتا بلکہ اس کا مقصد

محض دین کو بچانا اور تباہ ہونے سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام جو بحکم قرآن ایک بے نفس بندہ تھے اور اپنا نفس اللہ کے ہاتھ بیچ چکے تھے اور جن کی یہ حالت تھی کہ ایک پچھاڑے ہوئے پہلوان کے سینہ پر سے آپ اتر آئے تھے جس نے آپ پر بے ادبا تھوک دیا تھا تاکہ کہیں شائبۂ نفس کی شمولیت کا قیاس نہ ہو اور ایک مرتبہ خود اپنے زمانۂ خلافت ظاہری میں ایک غریب کی جائز حمایت کے سبب ایک دوکاندار نے اُٹھ کر آپ کو دھکہ دیکر ڈھکیل دیا تو بھی اس شیرِ خدا نے تحمل فرمایا تھا اور اُف تک نہ کی بجز اچھی نصیحت کرنے کے۔ ایسا عالی ظرف انسان اپنی محرومی خلافت کے انتقام کے لئے تو جنگ نہ کر سکتا تھا جو اسکی شان سے بعید تھا۔ جیسا کہ حضرت رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا تھا "میرا اور میرے اہل بیت کا قیاس اوروں پر نہیں کیا جا سکتا۔" آپ کا نفس عالیہ ایسا تو نہ تھا کہ ذاتی عناد کو کام میں لاتے یا انتقام ذاتی کے لئے میدان میں اتر آتے۔ ایک شخص عامی اور امام معصوم میں یہی تو فرق ہوتا ہے۔ شخص عامی اپنی سطح پر معاملات کو پہونچتا ہے اور اسی وجہ سے معاملات جو فوق البشر بلندیوں کے حامل ہوں اس کو قابل اعتراض نظر آتے ہیں حالانکہ عقلِ سلیم کے صحیح استعمال سے ان معاملات کے وجوہ بھی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ تمام انبیاءؑ کی نسبت ارشاد خداوندی ہے کُلٌّ مِنَ الصَّابِرِین۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت ارشاد ہے اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ۔ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت کے ائمہ کے متعلق بالخصوص ارشاد ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا یعنی ہم نے اُن میں سے امام بنائے جو ہمارے ہی امر سے ہدایت کرتے جبکہ انہوں نے صبر کیا۔" ان تمام ارشاداتِ خداوندی سے واضح ہے کہ صبر و تحمل و حلم نبوت و امامت کی خاص علامت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک طرف شیرِ خداؑ کی بےبسی اور دوسری طرف آپکی عالی ظرفی اور شان امامت سے دُنیا والوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ انکو معلوم تھا کہ یہ وہ ذات نہیں ہے جو ذاتی عناد کی بنا پر بیجا لڑنے پر آمادہ ہوجائے۔ جب آپکو قتل کی بھی دھمکی دی گئی تو شیرِ خداؑ نے تو یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی کہ "کیا بندۂ خدا اور رسولؐ کے بھائی کو قتل کروگے۔" یہ ظرف تو شان امامت کی دلیل ہے۔ یہ کلیۂ فطرت ہے کہ نیت کا اندازہ آدمی تو کیا جانوروں تک کو ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آفریقہ کے جنگل میں وہاں کے ہرن اور اس قسم کے جانور جو شیر ببر کی خاص غذا ہیں جب یہ دیکھتے ہیں کہ حملہ کا اسکا ارادہ نہیں ہے تو اس کو عین اپنے منڈے کے درمیان میں سے گزر جانے دیتے ہیں اور مطلقاً نہیں ڈرتے۔ ہاں جب اس کے حملہ کے تیور پاتے ہیں تو دور ہی سے دیکھکر پورا منڈہ میدان چھوڑ جاتا ہے۔

بہرحال یہ ایک موٹی مثال تھی جو نفسیاتی اعتبار سے غور کرنے کے لئے میں نے دی۔ کریم النفسی دکھلانا عالی ظرفوں کا شعار ہے اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا یہ دُنیا والوں کا شیوہ ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید حضرت علی علیہ السلام کے حلم اور کریم النفسی کا ذکر جنگ جمل کے سلسلہ میں اس طرح کرتے ہیں:- "وَلَوْ فَعَلَتْ عَائِشَۃُ بِہٖ عُمَرَ مَا فَعَلَتْ بِعَلِیٍّ وَ شَقَّتْ عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ لَقَتَلَھَا وَمَزَّقَھَا اِرْبًا اِرْبًا وَلٰکِنْ عَلِیٌّ کَانَ حَلِیْمًا کَرِیْمًا۔ (یعنی اگر حضرت عائشہ اس طرح کی جنگ حضرت عمر سے کرتیں جیسا کہ انہوں نے حضرت علیؑ سے کی تو حضرت عمر حضرت عائشہ کو

قتل کرکے ٹکڑے ٹکڑے کردیتے لیکن ذات علیؑ حلیم وکریم تھی۔

میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب Hazarat Ali an Amir میں لکھتے ہیں۔

Even among the Muslim admirers of Hazarat Ali, I am bold enough to say that there are many whose knowledge about personal qualities and the greatness of his unique personality is miserably meagre and limited... It's strongest point was peace harmony and benevolence and that he abhorred war and blood-shed and would avoid it as far as possible (and would accept it when it is thrust upon him and gets unavoidable).(p.2)

.... It was most certainly this noble motive which prompted him to serve Allah's cause rather than his own self (p.40)

Ali is the one who never cared at all for any wordly office or glory when the world around him was busy hunting for it (p.20).

His forbearance and magnanimity were misunderstood and his humanity and love of truth were turned by his enemies to their own advantage.(p.41)

پروفیسر محمد عبدالعلی صاحب اپنی کتاب Caliph Ali میں لکھتے ہیں:-

It is true that after the death of the prophet Ali desired to become the Caliph but Abu Baker was chosen by leading men while Ali was busy performing the last rites of burial of the prophet. (p.59)

Ali's claim for Caliphate was at best technical from the death of the Prophet. It goes to his credit that claim he never pressed to make it an issue for Islam or to serve it as a means for its disintegration. He always eschewed the claim for the larger interest of Islam and to maintain its solidarity(p.29)

It might be that people took advantage of his honesty and straightforwardness, and while paying lip service to his qualities of head and heart and arms, manipulated to keep him out of office.

That may be so because he did not believe, in the traits of politicians, in duplicity, in expediecy, in disparity of of thought and deed.

یعنی یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں نے آپ (حضرت علیؑ) کی ایمانداری اور راستبازی سے فائدہ اٹھایا اور ادھر آپ کے دل ودماغ کی صلاحیتوں اور شجاعت کی زبانی تعریفیں کرتے ہوئے اُدھر آپکو خلافت سے دور رکھنے کی چال اختیار کی ممکن ہے کہ ایسا ہی کیونکہ آپ سیاسی چالوں "دوغلہ پن" ابن الوقتی اور قول وفعل کے تضاد کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

مولانا کامل القادری صاحب اپنے مقالہ "دورِ آمریت اور ائمہ" مطبوعہ حیدر آباد فروری ۱۹۶۴ء میں فرماتے ہیں:۔
"حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت (۸ جون ۶۳۲ء تا ۲۴ جولائی ۶۳۴ء) حضرت علیؑ نے کچھ دنوں گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ انھیں مشورہ کے لئے بلایا جاتا لیکن وہ کنارہ کشی کو افضل جانتے ہوئے معذرت کرلیا کرتے۔ لیکن بعد میں انہوں نے اُمورِ مذہبی میں جب ان سے مشورہ طلب کیا جاتا تو بخوشی اپنی صائب رائے دیتے۔ حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت عمرؓ و حضرت عثمان مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت علیؑ ان سے اشتراکِ عمل کا ثبوت دیتے رہے اور مشورہ کے ساتھ ہی ساتھ انھیں ہلاکت انگیز روّیہ سے روکتے رہے اور غالباً اسی وجہ حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا۔ حضرت علیؑ کے اشتراکِ عمل کی متعدد مثالوں سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ گو وہ ان کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے لیکن اسلام اور امّت کے وسیع ترین مقاصد کے پیشِ نظر انہوں نے اشتراکِ عمل کو احسن سمجھا اور جہاں کوئی کام قرآن اور سنتِ رسوؐل کے خلاف ہوتے ہوئے دیکھا یا تینوں خلفاء میں سے کسی نے تجاوز کیا تو انہوں نے فوراً صدائے حق بلند کی۔ عبادت و ریاضت کے ساتھ خدمتِ خلق اور قیام عدل کو پیشِ نظر رکھا اور کوئی ایسا روّیہ اختیار نہ کیا جو شیرازۂ اسلام کی درہمی برہمی کا باعث ہوتا"۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا قول ہم صرف اس امر کی تائید میں درج کرتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام اور خلفائے ثلاثہ کے درمیان اختلاف موجود تھا۔ فتنۃ الکبریٰ کے صفحہ ۲۲۵ پر وہ لکھتے ہیں "حضرت علی علیہ السلام تینوں خلفاء کے مخالف تھے لیکن شیخین نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے خفیف اعتراض کا بھی انکو موقع ملتا۔ چہ جائیکہ تلخ تنقید

اور کردی نکتہ چینی کا یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے حضرت علیؑ کی مخالفت نمایاں نہیں ہوئی .... جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؑ کی مخالفت میں تھوڑی شدت مجلس شوریٰ کے موقع پر پیدا ہوئی ...صفحہ ۲ پر ڈاکٹر طٰہٰ صاحب لکھتے ہیں حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا کہ "تم بھی جلا وطنی ہی کے قابل ہو" تاریخ مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا کہ "تم مروان سے افضل نہیں ہو"۔

جسٹس امیر علی نے اگرچہ کہ تفصیل سے نہیں لکھا ہے مگر یہ لکھتے ہوئے کہ حضرت ابوبکر اسوقت خلیفہ بنا دیئے گئے جب قرابتداران رسول اور بنی ہاشم، آنحضرتؐ کے کفن دفن لگے ہوئے تھے۔ یہ صاف لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے باوجود تین مرتبہ اپنی محرومی کے اپنی عادتی عالی ظرفی کی بنا پر خفیف سے بھی جھگڑے اور فساد کے قریب نہ پھٹکنے کے خیال سے کوئی اختلاف کھڑا نہ کیا مگر ایک پُر عظمت خود داری اور خاموشی کے ساتھ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ ہم جسٹس امیر علیؑ کے الفاظ ہی نقل کئے دیتے ہیں۔

" The Hashmites maintained that the Office had devolved by appointment and succession upon Ali. Whilst the kinsmen of Mohammed were engaged in his obsequies, Abu Bakar was elected to the Caliphate by votes of the Koresh and some of the Medinite Ansar.

With his usual magnanimity and devotion to the faith, scrupulously anxious to avoid the least discord among the desciples of the Master, Ali at-once gave in his adhesion to Abu Baker. Three times was he set aside and on every occasion he accepted the choice of the electors without demur.

He always maintained a dignified reserve and noble independence of character. In his retirement he had chiefly devoted himself to study and the peaceful occupation of domestic life.

Lives of Successors of Mohomet کے صفحہ پر واشنگٹن اروِنگ لکھتا ہے:-

Ali however held himself apart in proud and indignant reserve until the death of Fatima. He retired in disgust into the interior of Arabia, taking with him his two sons Hassan and Husein, the only descendants of the prophet.

خلفائے ثلاثہ کے خلاف حضرت علی علیہ السلام کے جہاد نہ کرنے کا سبب مولانا شاہد زعیم فاطمی کی رائے

مولانا شاہد زعیم فاطمی اپنے مقالہ حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف مطبوعہ رسالہ سرفراز لکھنؤ مورخہ ۲۲ر اگست ۱۹۷۲ء کے ص۵ پر تحریر فرماتے ہیں:- "سچ پوچھئے تو پوری اسلامی تاریخی میں ایثار اور اپنے جائز حق سے دست برداری کی ایسی شریفانہ مثال دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسکی حق تلفی ہو رہی ہے محض اسلام کے وسیع تر مفاد کی خاطر اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہے اور پھر اُن لوگوں کے خلاف جو اس حق کے غاصب تھے نہ اُنھوں نے کسی سازش میں حصّہ لیا نہ ان کے خلاف دل میں بغض و حسد کے جذبات رکھے نہ انھیں اپنے خیر خواہانہ مشوروں سے محروم کیا نہ کوئی ایسا اقدام فرمایا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ انھیں اپنے ہم چشموں سے عناد و کد ہے۔ علی ابن ابی طالب جیسا بہادر اور شریف النفس انسان فرومایگی کے ہر عمل سے کوسوں دور رہا۔ لیکن مقام کی اس عظمت کو وہ لوگ کیونکر سمجھ سکتے ہیں جنکی نگاہ میں معاویہ بن ابی سفیان ایک پسندیدہ شخصیت ہو جسکی زندگی کا کل اثاثہ ہی سازش، جل، فریب، سیاسی جوڑ توڑ، دھونس، دھاندلی خود غرضی اور مصلحت کیشی رہا ہو۔ شرافت کے اِن تقاضوں کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان خود بھی شرافت سے تہی دامن نہ ہو۔ انسانی عظمت کو پرکھنے کیلئے نگاہ و دل کا پاکیزہ ہونا شرط ہے"۔

ص۷ پر مولانا رقمطراز ہیں:- "حضرت امام عالیمقام سیدنا امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی عظمت کردار کیلئے یہی ایک واقعہ بطور ثبوت کافی ہے کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں فدک کی اس سرزمین کو جو خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے اہلبیت کیلئے مخصوص فرمادی تھی اور جسے ابوبکر و عمر کے عہد میں اہلبیت سے چھین لیا گیا تھا واپس لینے کوئی اقدام نہیں فرمایا"۔

حضرت علی علیہ السّلام کی مسلّمہ برتری اور نصِ قرآن و حدیث کے باوجود لوگ دوسروں کی بیعت پر کیوں راضی ہوگئے

بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیہ السلام کے فضائل، کارنامے برتری اور نصِ قرآنی اور ارشادات رسول تو مسلّمہ تھے اور آپ کے مقابل کسی دوسرے کا تصور بھی نہیں آسکتا تھا پھر کیا وجہ ہوئی کہ آپ کے ہوتے ہوئے لوگوں نے دوسرے اشخاص کی بیعت کرلی۔ اِس بات کا جواب بہت آسان ہے اور اسوقت کے حالات اور پس منظر کو پیش نظر رکھنے اور اہل دنیا کی ریشہ دوانیوں اور کارسازیوں کو دیکھنے سے فوراً مل جاتا ہے۔ تفصیلات میں جانے سے پہلے چند بنیادی اُمور کو نظر میں رکھنا ضروری ہوگا جس سے ایک یہ ہے کہ اُس زمانہ کے مسلمانوں میں سے نوّے فیصدی سے زیادہ صحیح اسلامی عقیدہ تک پہنچنے ہی نہ پائے تھے اور شرک اور زمانۂ جاہلیت کی بوباس اُن میں جوں کی توں موجود تھی۔ یہ لوگ فرمودات قرآن اور ارشادات رسول سے بالکلیہ نابلد تھے اور بہت سے جان بوجھ کر بھی اپنے اغراض ذاتی کے مقابلہ میں دین کی مبادیات کو بھی تسلیم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ قرآن پاک نے یہ واضح کردیا کہ یہ لوگ بس اتنا تو کہہ لیں کہ ہم

اسلام لائے ہیں مگر ایمان تو ان کے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اُدھر سورۂ منافقون نے بتا دیا کہ صرف دیہاتی بدو ہی
نہیں رسول اللہ کے قریب رہنے والے بہت سے اہل مدینہ بھی منافق تھے۔ قرآن نے امامت کو لاکھ اہمیت دی ہو اطیعوا اللہ
واطیعوا الرسول کے ساتھ اُولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہو مگر اولی الامر یعنی امام وقت سے تعارف حاصل کرتے اور متابعت
کرنے کا حکم اسوقت کے مسلمانوں کے تو کیا اب تک بھی اکثریت کے ذہن میں نہیں سمایا۔ شرک و جہالت کے تقاضوں سے
اُن مسلمانوں کو کبھی چھٹکارا نصیب ہی نہیں ہوا۔ جب نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جاتی تھی تو یہ مسلمان آستینوں میں بت چھپا کر
بجائے خُدا کے بتوں کو سجدہ کیا کرتے تھے جہاں سے باجے بجاتا ہوا کوئی قافلہ آیا یا تجارت کا میلہ شروع ہوا۔ رسول اللہ کے
پیچھے نماز جماعت کو چھوڑ کر یہ لوگ بازار میں نکل آتے۔ جب عورتیں نماز جماعت میں شریک ہوتی تھیں تو یہ نمازی خاص طور پر
عورتوں کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کی نشست برخاست پر نظر جمائے رہتے تھے۔ غور فرمایئے کہ آخر یہ کیسے مُسلمان تھے اور
رسول اللہ کے فیضِ صحبت کا ان پر کس حد تک اثر پڑ سکا تھا۔ فتح مکہ کے بعد ابو سفیان کے گروہ کے مولفتہ القلوب مُسلمان
وجود میں آئے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ اسلام کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ یہ محض ظاہر کے مسلمان تھے۔ ایسے
بھی تھے جنھوں نے مال و زر کے حصُول کی توقع میں مسلمانی اختیار کی تھی۔ ان سادہ لوح اور ادھ کچے مُسلمانوں میں وہ گرم و سرد
روزگار چشیدہ پُرکار منافق بھی تھے جنمیں کے با اثر افراد ہوسِ اقتدار میں مبتلا اور خلافتِ رسول پر قبضہ جمانے کی فکر
اور تدبیروں میں لگے ہوئے تھے۔ اعلان غدیر کے بعد انھیں میں سے چند منافقین نے کعبہ میں بیٹھ کر عہد نامہ تحریر کیا تھا کہ
علی کو ہر طرح خلافتِ رسول سے دور رکھا جائیگا۔ انھیں میں وہ بھی تھے کہ جنھوں نے رات کے وقت وادی عقبہ میں حضرت رسول کو
قتل کرنے کا پورا انتظام کیا تھا اور اسکا اقدام بھی کر دیا مگر قدرت نے حضرت رسول پر ان منافقین کو بے نقاب کر دیا۔ انھیں
میں وہ بھی تھے کہ حضرت رسول کے احکام سے علانیہ روگردانی کرتے رہے اور آخر وقت تو آپ کے کلام کو ہذیان سے تعبیر کر کے اور
ہمارے لئے قرآن کافی ہے کہکر ذاتِ رسول سے بھی تبرا کر لیا تھا۔ ان کے تیور بتارہے تھے کہ یہ ابھی چند دن میں شیرِ خدا کے گلے
میں رومال ڈال کر گھسیٹنے اور خاتونِ جنت کے گھر کو آگ لگانے اور پہلو پر دروازہ گرانے والے ہیں۔ اُدھر لوگوں میں یہ خیال جمانے کی
کوشش کی گئی کہ بنی ہاشم میں رسالت آگئی سو یہی بہت ہو گیا اب خلافت کو بنی ہاشم میں جانے نہ دینگے۔ ان سازشی
منافقوں کے حدود دہ میں حضرت عائشہ کا زبردست پارٹ رہا اور ان کے دل میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا
اور حضرت علی علیہ السلام سے جو حسد و بغض و کینہ سرایت کئے ہوئے تھے اسکو وہ دل کھول کر بروئے کار لاتی رہیں۔ حضرت
رسول کے مرضِ موت میں منٹ منٹ کی خبریں یہ ان مخصوص منافقین کو پہنچواتی رہیں۔ خلافتِ حضرت ابوبکر و عمر کے
ڈرامہ میں بھی یہ اہم کردار بنی رہیں۔ اس کے بعد انکا منصوبہ طلحہ کو خلیفہ بنانے کا تھا جو آپ کو ایک ہزار درہم گزارہ دیا کرتے
تھے۔ طلحہ سے لوگ ناراض تھے اور انکا خلیفہ بننا ممکن نہ تھا تو حضرت عثمان سے پانچ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ کا اقرار لیکر
انکو خلیفہ بنانے کی مہم شروع کر دی۔ مگر جب خلیفہ بننے کے بعد حضرت عثمان بنو اُمیہ کی پرورش میں لگ گئے اور اضافہ
وظیفہ کے اقرار کو پورا نہ کر سکے تو طلحہ و زبیر کی سازش سے ان کے قتل کا کامیاب نقشہ جما دیا۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا مگر

مورخین و مستشرقین کا دسیر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ کی ساری زندگی مخالفت علی و خانوادہ رسول میں گزر گئی۔ ایک
دوسرا اہم پہلو یہ تھا کہ ان مشرکین کے زخم خوردہ رشتہ دار اور بھائی بند جو مختلف غزوات میں شیر خدا کے ہاتھ سے واصل
جہنم ہوئے تھے جنکی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے علی کے خلاف کینہ و بغض کو اپنے دل میں پرورش کرتے رہے اور مخالفتِ
علی انکا مطمح نظر تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت نے علی کی شرافت، سادہ زندگی اور بلند کردار کو دیکھتے ہوئے آپ کی سرداری کو
قبول کرنے کی بجائے فطرتاً اپنے ہمنواؤں سے گٹھ جوڑ کر لیا جنکی حکومت میں وہ اپنی من مانی کر سکیں۔ حضرت رسول نے بنی امیہ
ان کے جبلتی قبائح کی بنا پر جس قدر کہ دور کر دیا تھا حضرت ابوبکر و عمر نے اپنے اغراض ذاتی کے تحت ان کو بڑے بڑے عہدے
دیکر بام عروج پر پہنچا دیا پہلے ابوسفیان کے بڑے بیٹے یزید کو شام کا گورنر بنایا۔ پھر اس کے انتقال کے بعد معاویہ کو گورنر
بنادیا جو چالیس سال حکومت شام پر قابض رہے۔ یہ ہم نے مجمل خاکہ پیش کیا۔ اب اسی کی کسی قدر تفصیلات بیان کرتے ہیں۔

(۱) حضرت علی علیہ السلام کے کثیر فضائل سے بجز مخلص مومنین کے بہت سے لوگ حسد کرنے لگے تھے اور ان کے دلوں
میں آنجناب کی طرف سے بغض پیدا ہو چکا تھا جس کے متعلق حضرت رسولِ خدا نے مختلف موقعوں پر اپنے ارشادات میں
واضح اشارہ فرما دیا تھا (اسکا ذکر علیحدہ موقعہ پر آچکا ہے) (۲) حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مشرکین کا ایک انبوہ کثیر دور
رسالت میں واصلِ جہنم ہو چکا تھا جنکی تعداد کا اندازہ دس ہزار کیا گیا ہے۔ مشرکین کے خاندانوں میں شاید ہی کوئی خاندان
قبیلہ گھر بچا ہو جس کے اہل کفر و نفاق افراد طعمہ ذوالفقار حیدری نہ ہوئے ہوں پھر حضرت علی نے ابتداء زمانہ تبلیغ یعنی دعوت
ذوالعشیرہ کے وقت ہی جو یہ کہا تھا کہ یا رسول اللہ جو آپکی مخالفت کریگا اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دونگا۔
پیٹ پھاڑ دونگا اور آنکھیں نکال دونگا سو اسکو اپنے لڑکپن یعنی دس بارہ سال ہی کی عمر سے پورا کر دکھایا۔ کفارِ قریش
بہت سارے لڑکوں کو حضرت رسولؐ کی ایذا رسانی کیلئے ایک موثر حربہ سمجھکر مامور کرتے تھے کہ محمد لڑکوں سے معترض
ہوں تو خود مورد اعتراض ہوں گے۔ مگر علی ان سب اپنے سے زیادہ عمر والوں کو بھی مار کر ہاتھ پاؤں ٹوٹی ہوئی حالت
میں ان کے گھروں کو روانہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ لڑکپن ہی میں خضم کہلانے لگے جس کے ایک معنی ٹھوکنے والے کے ہی ہیں۔
یہ سب دست و پا شکستہ اپنے ماں باپ کے سامنے رونا روتے تھے اور بہ تقاضائے فطرت ان سب کے دلیں علی کی
دشمنی بیٹھتی جاتی تھی۔ عرب کا کینہ مشہور ہے۔ ان سب بچپن کے اور پھر معرکہ ہائے جہاد میں زخم خوردوں اور ان کی اولاد
اور رشتہ دار جنکے متعلق کہنا پڑیگا کہ بعد میں برائے نام مسلمان ہوئے تھے باوجود حضرت رسول کی تاکید کے کہ علی کی محبت
ایمان ہے علی سے بغض رکھنے لگے تھے (۳) علی سے دشمنی کی مثالیں کھل کر اہل عقبہ اور اصحاب معاہدہ کے عمل سے سامنے
آتی ہیں۔ انکا گروہ پہلے سے تیار ہو چکا تھا حتیٰ کہ حضرت رسولؐ کی زندگی ہی میں از قسم تخلف جیش اسامہ آنحضرتؐ کے
حکم سے سرتابی (باوجود موردِ لعنت ہونیکے) شروع کر دی تھی اور آپ کے ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کرنا شروع کر دیا
تھا (اہل عقبہ کا ذکر اس کتاب کے صفحات ۳۵۲ تا ۳۵۳ پر تخلف جیش اسامہ کا ذکر صفحات ۳۶۹ تا ۳۷۱ پر اور
آنجناب کے ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کرنیکا ذکر صفحات ۳۵۴ تا ۳۶۰ پر آچکا ہے سولہ سترہ یا برداییتے چودہ سربرآوردہ

اصحاب رسول نے مجتمع ہوکر حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم سے واپسی کے موقعہ پر حضرت رسولؐ ہی کو ختم کر دینے کی نیت سے وادئ عقبہ میں آنحضرتؐ پر پتھر پھینکے تھے اور ننگی تلواریں لئے قتل کیلئے تیار کھڑے تھے اللہ نے ان کے اسکیم کو ناکام بنادیا اور ان کو بے نقاب بھی کر دیا۔ اصحاب معاہدہ وہ پانچ اشخاص تھے جنھوں نے مقام منیٰ میں حضرت رسولؐ کے اِنّی تارکٌ فیکُمُ الثَّقَلَین کتاب اللّٰہ وعترتی اہلبیتی ..... الخ ارشاد فرمانے کے بعد خانۂ کعبہ میں پہنچکر قسم کھائی تھی اور ایک معاہدہ پر دستخط کئے تھے کہ محمد (صلعم) رحلت کریں یا قتل کر دیے جائیں تو اہلبیت کو خلافت سے دور رکھیں گے۔

واقعۂ معاہدہ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف اور واقعۂ عقبہ حضرت رسولِ خدا کے خلاف ایک ہی تسلسل میں واقع ہوئے جس کی یہاں ہم کسی قدر تفصیل بیان کرتے ہیں۔

علیؑ کو خلافت سے دور رکھنے پانچ بڑے صحابہ کا کعبہ میں معاہدہ

مسعود بن ناصر سیستانی نے کتاب ولایت میں عبداللہ ابن عباس سے اور بحارالانوار اور حق الیقین میں بحوالہ دیگر کتب حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ ایام تشریق کے روز آخر یعنی تیرھویں ماہ ذی الحجہ کو حق تعالیٰ سورۂ اذا جاء نصر اللہ ..... نازل فرمایا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا میری موت کی خبر دی گئی ہے لہٰذا اب لازم ہے کہ عالم قدس کی طرف متوجہ ہوں۔ پس منیٰ میں مسجد خیف کے اندر تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ لوگوں کو ندا کریں کہ سب حاضر ہوں آپ نے خطبہ پڑھا اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا:- ایہا الناس انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی اہلبیتی اَحَدُھُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ اَنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَاِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ اُس وقت اصحاب رسولؐ کے ایک گروہ نے جمع ہو کر باہم یہ کہا کہ محمد چاہتے ہیں کہ امامت اپنے اہلبیت میں قرار دیں۔ پس انہیں سے پانچ یا بروایتے چار اشخاص نکل کر کعبہ میں گئے اور اپنے درمیان ایک نامہ لکھا اور باہم یہ عہد کیا کہ اگر محمد رحلت کریں یا قتل ہو جائیں تو وہ لوگ خلافت کو حضرت کے اہلبیت تک نہ پہنچنے دیں گے۔ پس حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّھُمْ وَنَجْوٰھُمْ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْھِمْ یَکْتُبُوْنَ (سورۂ زخرف آیت ۷۹، ۸۰) یعنی:- آیا ان لوگوں نے ایک امر کو محکم کر لیا ہے پس ہم بھی اپنا کام محکم کرتے ہیں کیا وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم اُن کے راز و سرگوشی کو نہیں سنتے ہیں، ہمارے رسولؐ (یعنی فرشتے) ان کے پاس ہیں ان کے قول و فعل کو لکھتے ہیں۔

کُتب متذکرہ صدر میں معاہدہ کرنیوالے ان پانچ صحابہ کے یہ نام دیئے گئے ہیں: (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) ابوعبیدہ جراح (۴) سالم غلام حذیفہ (۵) معاذ بن جبل (بعض روایتوں میں پانچواں نام مغیرہ بن شعبہ کا بتایا گیا ہے) ایک عیسائی مورخ نے بھی اپنی کتاب سبعۃ عشر رمضان و غداۃ کربلا میں اس معاہدہ کا ذکر کیا ہے۔

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے لوگوں کو اجازت دی کہ (منیٰ سے) بار کریں اور مدینہ کی طرف متوجہ ہوں۔ جب صحنان میں پہنچے حضرت کو حق تعالیٰ کا یہ حکم پہنچا کہ امامت علی کو علانیہ لوگوں میں کہیں۔ پس آنحضرتؐ نے جحفہ میں

نزول فرمایا جو غدیر خم سے متصل ہے۔ وہاں یہ آیت نازل ہوئی۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس (سورۂ مائدہ۔ آیت ۶۷) پس حضرت نے حکم دیا لوگوں کو جمع کریں جو آگے گئے ہیں لوٹائے جائیں جو نہیں گئے ہیں ٹھہرائے جائیں۔ ابو ذر و سلمان و مقداد سے فرمایا کہ ان کے درختوں کے نیچے زمین صاف کریں۔ اونٹوں کے کجاؤں اور پتھروں کو قرینہ سے رکھیں کہ بقدر قامت رسالت مآب منبر بن جائے۔ اس پر ایک کپڑا ڈال دیا گیا۔ رسالت مآب نے ایک خطبہ طولانی نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ادا کیا (روایت میں دیگر تفصیلات ہیں جنکو ہم حذف کرتے ہیں کیونکہ دیگر مقامات پر وہ اسناد کے ساتھ درج ہو چکی ہیں) پھر آنحضرتؐ نے حضرت علی کو اپنے دونوں ہاتھوں پر بلند کرکے فرمایا۔ من کنت مولاہ فہذا علیاً مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دارہ (اس کے بعد کی تفصیلات بھی دیگر مقام پر درج ہو چکی ہیں) اس کے بعد ہی دین کے مکمل ہونے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (مائدہ آیت ۳) ابو سعید سمعان سے روایت ہے کہ روز غدیر شیطان ایک مرد پیر کی صورت میں حضرت رسولِ خدا کے پاس آیا اور کہا کہ وہ لوگ بہت کم ہیں جنھوں نے اس امر پر آپکی پیروی کی جس کو اپنے ابن عم کے حق میں آپ نے فرمایا ہے۔ پس حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْھِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّہٗ فَاتَّبَعُوْہُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۂ سبا آیت ۲۰) یعنی بہ تحقیق کہ شیطان نے لوگوں پر اپنا گمان راست کیا پس لوگوں نے اسکی متابعت کی مگر مومنوں کے ایک گروہ نے اسکی متابعت سے منہ پھیر لیا۔ پس ایک گروہ منافقین نے حضرت رسالت مآب کے عہد کو توڑ ڈالا اور کہا کہ حضرت محمدؐ نے کل مسجد خیف میں کہا جو کچھ کہ کہا اور آج یہاں بھی کہا جو کچھ کہ کہا۔ مدینہ میں واپسی پر ضرور اس بیعت کی تاکید کرینگے۔ لہذا مصلحت اس میں ہے کہ انھیں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک کر ڈالیں۔ پس جب رات ہوئی منافقوں کے چودہ شخص عقبہ میں حضرت کی کمین میں بیٹھے کہ آپکو قتل کریں اور وہ مقام عقبہ جحفہ اور ابوا کے درمیان تھا سات شخص عقبہ کے داہنی طرف اور سات شخص بائیں طرف بیٹھے۔ حضرت رسول صحیح سالم بچ گئے اور جب آپ اس گروہ کے نزدیک پہنچے تو انکو ان کے باپوں کے نام کے ساتھ پکارا۔ وہ لوگ رسالت مآب کی آواز سنکر نیچے اتر گئے اور قافلہ میں مل گئے۔ پھر حضرت نے عقبہ سے نیچے اترنے کے بعد فرمایا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ چند لوگ کعبہ میں باہم سوگند ہوئے کہ اگر محمد رحلت کریں یا قتل ہوں امر خلافت ان کے اہلبیت کو نہ پہنچنے دینگے پھر اس کے بعد ایسا ارادہ میری نسبت کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے جب یہ سُنا خدمت رسول میں حاضر ہوئے اور قسم کھائی کہ ایسا ارادہ نہیں کیا۔ پس اُس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِھِمْ وَھَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَکُ خَیْرًا لَّھُمْ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَا لَھُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (سورہ توبہ آیت ۷۴)

یعنی:- ان لوگوں نے خدا کی قسم کھائی کہ جو کچھ ان کے ساتھ نسبت دیا گیا ہے وہ انھوں نے نہیں کیا ہے اور البتہ کلمہ کفر کہا ہے اور اپنا اسلام ظاہر کرنے کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور ایسے امر کا ارادہ کیا جس تک نہیں پہنچے۔

کلبی اور مجاہد نے جو اہلسنت کے مفسرین ہیں کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت کا ناقہ بھڑکا نے اور حضرت کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا ہے اور دین اسلام میں کوئی عیب نہ کر سکے مگر یہ کہ خدا اور اس کا رسول اپنے فضل سے ان کو غنی کرے۔ پس اگر توبہ کریں قرآن کے لئے بہتر ہوگا اور اگر حق سے پیٹھ پھیرینگے خدا ایک عذاب الیم کے ساتھ دنیا و آخرت میں انکو عذاب کرے گا اور روئے زمین پر ان کا کوئی دوست دیا ورنہ ہوگا۔ ان چودہ صحابیوں کے نام جنھوں نے حضرت رسالتمآب کے قتل کا ارادہ کیا تھا بحار الانوار حق الیقین وغیرہ کے علاوہ تاریخ واقدی میں درج ہیں جو مورخین اہلسنت سے ہے۔ حذیفہ بن الیمان کی روایت کے بموجب انہیں سے نو قریش سے تھے جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) طلحہ (۵) عبدالرحمن بن عوف (۶) سعد ابن ابی وقاص (۷) ابو عبیدہ بن جراح (۸) معاویہ بن ابوسفیان (۹) عمرو بن العاص قریش کے ان لوگوں کے علاوہ دیگر پانچ نام یہ ہیں:۔ (۱۰) ابو موسیٰ اشعری (۱۱) مغیرہ بن شعبہ (۱۲) اوس بن حدثان (۱۳) ابو ہریرہ (۱۴) ابو طلحہ انصاری۔

حضرت عمر نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھادی تھی کہ نبوت اور خلافت ایک خاندان میں جمع نہیں ہو سکتے اور یہ کہ ہم اس پر راضی نہ ہونگے کہ بنی ہاشم کو فخر کا موقع ملے ان کے لیے یہی بات کافی ہے کہ نبوت ان کے خاندان میں ہے (ان روایتوں کا ذکر بھی اس کتاب میں علیحدہ آیا ہے) اس کے علاوہ حضرت ابوبکر نے ایک اور بات باور کرانے کی کوشش کی کہ حضرت رسولؐ نے ایسا فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم اہلبیت کو خلافت دینے راضی نہ ہوا۔ اس موضوعہ روایت کی تائید حضرت علیؑ کے خلاف کعبہ میں معاہدہ کرنے والوں یعنی حضرت ابوبکر حضرت عمرؓ ابو عبیدہ جراح سالم غلام حذیفہ اور معاذ بن جبل نے کی علاوہ جبر و تشدد کے ہر قسم کے چھوٹے پروپگنڈے سے بھی اہلبیت رسولؐ کو خلافت سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی رہی۔

(۵) مختلف روایات بتاتی ہیں اور حالات معرصہ تاریخ سے یہ صاف ظاہر ہے اور جیسا کہ حافظ نذیر احمد نے مختلف پیرایوں میں لکھا ہے (جس کا ذکر علیحدہ آیا ہے) کہ اصحاب رسولؐ میں سے ایک گروہ تھا جس کے دل میں خلافت کی تمنا کروٹیں لے رہی تھی اور جنھوں نے حسبنا کتاب اللہ کہکر حضرت رسولؐ کو وصیت نامہ لکھنے نہ دیا۔ یہ گروہ رسولؐ کی آنکھ بند ہونے کا منتظر تھا اور باوجود حضرت رسولؐ کی تاکید اور مورد لعنت قرار دیئے جانے کے بھی اسامہ بن زید کے لشکر سے اختلاف کرکے اور ساتھ نہ جاکر جرف کے مقام سے ہی کسی نہ کسی طرح مدینہ لوٹ آیا اور سقیفہ میں جاکر جو چوروں کے مشورہ کرنے کا مقام تھا حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانے کی وہ کاروائی کی جس کا ذکر تفصیل سے اپنے مقام پر آچکا ہے۔ حضرت عائشہ کی مدد ان لوگوں کو ہر نوعیت پر حاصل رہی۔

(۶) قبیلہ خزرج اور اوس کی قدیم دشمنی ابھی تک کسی نہ کسی شکل میں باقی تھی اگرچہ حضرت رسول خدا نے

ان میں ظاہرًا صلح کرادی تھی۔ سعد بن عبادہ کے ایک چچا زاد بھائی بشر بن ثعلبہ انصاری ان کے مخالف تھے اور لوگوں کو سعد بن عبادہ کی تائید کرتا ہوا دیکھ کر معہ چند دیگر اپنے ہم خیال انصاریوں کے حضرت ابوبکر و عمر کی تائید کیلئے تیار ہوگئے۔

(۷) حضرت رسولؐ کی رحلت کے بعد جب حضرت امیر دفن و کفنِ رسول خدا میں مصروف تھے تو اہل دنیا نے سقیفہ میں جمع ہو کر لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھائی شروع کردی کہ علی وفاتِ رسولؐ کے غم سے متاثر ہیں اور خلافت سے آپ نے دست برداری کرلی۔ یہ معلوم ہونے پر انصار نے کہا کہ جس کے حق میں نص موجود ہے (یعنی حضرت علی علیہ السلام) وہی خلافت نہیں چاہتے تو پھر ہم اور تم دونوں برابر ہیں۔ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہونا چاہیئے۔ سعد بن عبادہ ایک جلیل القدر صحابی تھے اور قبیلہ خزرج کے سردار تھے انصار میں سے اکثر کی نظریں سعد پر پڑنے لگیں تو حضرت ابوبکر و عمر نے یہ حجت پیش کی کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے خلفا قریش میں سے ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی لپک کر حضرت عمر نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کیلئے ہاتھ مارا اور حضرت عمر کی پارٹی والوں میں سے ابو عبیدہ جراح (حضرت عمر کے سمدھی) حضرت عثمان (حضرت عمر کے لئے استخلاف نامہ کے کاتب) عبدالرحمٰن بن عوف (حضرت عثمان کے بہنوئی) سالم غلام حذیفہ، معاذ بن جبل، بشر بن ثعلبہ اور اسید بن الحصین نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس سلسلہ کی ہم بعض اور روایتیں یہاں درج کرتے ہیں تاکہ مختلف پہلو نظر کے سامنے آئیں۔

الف:۔ محمد بن جریر طبری شافعی نے کتاب المواہب میں ابو علقمہ سے روایت کی ہے اور وہ سعد بن عبادہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب جناب رسالتمآب نے رحلت فرمائی تو حضرت امیر المومنین معہ اپنے اصحاب کے جو بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم پر مشتمل تھے، آنحضرت کی تجہیز و تکفین و رسم تعزیت میں مشغول ہوگئے اور حضرت کو خیال تھا کہ میری موجودگی میں کوئی شخص خلافت کی طمع نہ کریگا۔ لیکن اُن لوگوں نے جو حضرت علی سے منحرف تھے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالدیا کہ علی کو چونکہ وفات رسولؐ کا بہت بڑا صدمہ ہوا ہے وہ خلافت سے دست بردار ہوگئے اور خانہ نشینی اختیار کرلی ہے۔ تو خزیمہ انصاری نے آکر اپنی قوم سے وہ بیان کردیا جو امیر المومنین کے متعلق سنا تھا اور کہا کہ کسی کا خلیفہ ہونا ضروری ہے اور سوائے امیر المومنین کے کوئی قریشی اس کے لائق نہیں ہے یہ سن کر انصار کو خوف ہوا کہ کہیں کوئی تند و سخت قریشی خلیفہ نہ ہوجائے جو بدر کے کینوں اور جاہلیت کے خونوں کا بدلہ لے تو مصیبت ہو یہ خیال کرکے اکثر انصار سعد بن عبادہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے خواہش کی کہ خلافت قبول کریں لیکن انھوں نے بسبب امیر المومنین کے مرتبہ کے اور بوجہ ان کے خدا و رسولؐ کی طرف سے منصوص بہ خلافت ہونے کے خود خلافت قبول کرنے سے انکار کیا۔ قریش نے جو موقعہ کی تاک میں تھے ابوبکر کی بیعت لینی چاہی تو انصار نے کہا جب تم نے خدا و رسولؐ کی نص کو ترک کردیا تو پھر امیر المومنین علی کے بعد ہم اور تم برابر ہیں لہٰذا ایک ہم میں امیر ہو اور ایک تم میں سے ہو تو ابوبکر اور ان کے ساتھیوں نے کہا رسالت مآب فرما گئے ہیں امام قریش میں سے ہوں گے۔ سعد نے انکار کیا اور کہا جس شخص کی خلافت منصوص من اللہ ہے وہ تمہارے علاوہ ہے۔ یہ بحث جاری رہی اور پھر اضطراب ہوا یہاں تک کہ بشر بن ثعلبہ انصاری کا

قلب اس خیال سے کہ اپنے چچا زاد بھائی سعد بن عبادہ کو شکست دے معہ چند دیگر قبیلۂ خزرج والوں کے قریش کو ترجیح دینے اور ان کی موافقت کی طرف مائل ہوا۔ اب قریش کی پارٹی والوں کو موقعہ مل گیا اور عمر نے دوڑ کر ابوبکر کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور ایک جماعت نے جو مثل انھیں کے تھی ناگہانی بیعت کر لی جیسا کہ خود بعد کو کہتے تھے:۔

بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ وقی اللّٰہ شرھا عن المسلمین ۔ پھر یہ بھی کہتے تھے کہ آئیندہ اگر کوئی اس طرح خلیفہ نصب کرے تو اسکو اور خلیفہ دونوں کو قتل کر دیا جائے۔

ب:۔ ایک اور روایت ہم شرح دعائے صنمی قریش سے نقل کرتے ہیں جس کی تائید دیگر کتب تاریخ وغیرہ سے بھی ہوتی ہے کہ ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ اور ان کے بھائی سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر اپنی بیعت و حکومت کے خواستگار ہوئے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک اپنی حکومت چاہتا تھا اور اپنے ساتھی کی طرف پھیرنا چاہتا تھا تو انصار نے انکار کیا اور اسکے دفع کرنے میں اصرار کرتے ہوئے وہ احادیث پیش کیں جنہیں آنحضرتؐ نے امیر المومنین سیدنا علیؑ کی امامت پر تاکید فرمائی تھی اور اُن لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت کو امیر المومنین کہکر سلام کیا کریں۔ ابوبکر نے کہا یہ سب ٹھیک ہے مگر آنحضرت صلعم نے یہ فرما کر کہ ہم اہلبیت کو اللہ نے منتخب کیا اور نبوت بخشی اور ہمارے لئے دنیا پر راضی نہیں ہوا اور نہ ہمارے لئے نبوت و خلافت کو جمع کریگا۔ ابوبکر کے اس قول کی عمر و ابو عبیدہ سالم غلام حذیفہ اور معاذ بن جبل نے ہاں میں ہاں ملائی اور حضرت امیر کے تجہیز و تکفین رسولؐ میں مشغول ہونیکی وجہ یہ بیان کی کہ وہ خود بھی اسی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ان کو خلافت سے علیحدہ کر دیا ہے۔

یہاں ہم اس امر کی طرف متوجہ کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے جو کچھ کہا یعنی رسول اللہ سے یہ قول منسوب کیا کہ اللہ ہمارے لئے دنیا پر راضی نہیں ہوا۔ (قطع نظر اس کے کہ وہ ایک بالکلیہ موضوع بیان تھا) اُس سے حضرت ابوبکر کا یہ یقین و تاثر خود صاف صاف عیاں ہے کہ وہ خلافت کو محض دنیاوی چیز یعنی حکومت دنیاوی سمجھتے تھے یا پھر متبادل صورت یہ ہے کہ حقیقت کو جانتے ہوئے بھی دنیوی مقصد براری کیلئے انھوں نے اس کو اس رنگ میں پیش کیا۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ متعدد آیات قرآنی اور ارشادات رسول سے واضح ہے کہ اللہ و رسولؐ کی خلافت ایک خالص دینی امر ہے اور کوئی حکومتِ ظاہری اس کے تحت قائم ہو جائے تو یہ محض ایک ضمنی اور ثانوی چیز ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اغراض دنیاوی کے تحت اور حکومت دنیاوی پر قبضہ کرنے کی غرض سے حضرت ابوبکر نے ایسا قول حضرت رسولؐ سے منسوب کیا جو احکام قرآن اور متفق علیہ ارشاداتِ رسول کے بالکلیہ مخالف ہے۔ اور پھر اسی مبینہ قول فاسد کی دہائی دیتے ہوئے (علاوہ دیگر جوڑ توڑ کے) نہ صرف حکومت ظاہری پر قبضہ کر لیا بلکہ اپنے کو رسولؐ اللہ کا خلیفہ بھی کہنے لگے۔

حضرت رسولؐ تو اپنے بارہ خلفاء آئمۂ اہلبیت کے ناموں کی صراحت حضرت علی سے لیکر حضرت محمد مہدی بن حسن عسکری علیہم السلام کی بار بار فرمائیں۔ قرآن اور اہلبیت اطہار دونوں سے تمسک کی تاکید فرماتے رہے۔ علیؑ کی

متابعت کرنے اور ملازمت اختیار کرنے کی موکد فہمائیش کرتے رہیں علی کو چھوڑنے والوں کو شیطان کا گروہ قرار دیں
اور علیؑ کے اپنا وزیر شریک کار وصی اور خلیفہ ہونے کا اعلان ابتدائے نبوت یعنی دعوت ذوالعشیرہ سے لیکر تبوک
مقام منیٰ مسجد حنیف، عرفات، غدیر خم وغیرہ ہر ہر منزل پر اور اپنے مرض الموت کے دوران میں بھی فرماتے جائیں
اور حضرت ابوبکر یہ قول رسول اللہ سے منسوب کریں کہ اللہ ہم اہلبیت کی خلافت پر راضی نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک
مفتری اور موضوع قول ہے اور محض اقتدار پسندوں کے ذہن کی پیداوار ہے جس کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مگر اہل
دُنیا نے اپنی کارسازی کیلئے اسکو استعمال ضرور کر لیا۔ ج :- محمد بن جریر طبری کی کتاب المواہب میں جس کا حوالہ اوپر دیا گیا۔
ابو علقمہ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب مختلف کارسازیوں کی بنا پر اہل سقیفہ نے ابوبکر کی بیعت کر لی تو میں نے
سعد بن عبادہ سے کہا کہ تم کیوں ایسی چیز میں داخل نہیں ہوتے جسمیں اور لوگ ہو چکے ہیں تو ابن عبادہ نے کہا خدا کی
قسم میں نے خود رسالت مآب کو یہ کہتے سُنا ہے کہ میں انتقال کر جاؤں اور لوگ اپنے پچھلے حالات کی طرف واپس
ہو جائیں اور خواہشوں میں گمراہی پیدا ہو تو اس دن حق علی کے ساتھ ہوگا اور کتاب خدا ان کے ہاتھ میں ہوگی لہذا انکے
سوا کسی اور کی بیعت نہ کرنا۔

متذکرہ صدر امور پر یکجائی نظر ڈالنے سے یہ امر متحقق ہو جائیگا کہ حضرت علی کے فضائل و برتری اور نص کے
اعتراف کے باوجود آپ کے مخالفین نے جنکے دلیں خود ہوس اقتدار تھی لوگوں کو جنکی مثال " العوام کالانعام " (یعنی
عوام مثل جانوروں کے ہوتے ہیں) ایک طرف تو یہ باور کرایا کہ خود اللہ نے نہ چاہا اور رسول اللہ نے بھی اپنے اہلبیت کو
خلافت سے علیحدہ کر دیا اور دوسری طرف یہ کہا کہ اسوجہ سے خود حضرت علی خلافت سے دست بردار ہیں۔ اس پر
مستزاد یہ بات بھی ذہنوں میں بٹھائی گئی کہ حضرت رسولؐ کی وفات کے صدمہ کے سبب سے حضرت علی خانہ نشین
ہوگئے ہیں اور آپکو خلافت سے دلچسپی نہیں ہے۔ ان اہل دُنیا نے جو اپنی مطلب برآری کیلئے خوب دماغ رکھتے تھے۔
ہر قسم کی نفسیاتی گھیرابندی کر دی اور ہر قسم کا حربہ استعمال کیا کہ جو بات بھی عوام کے دل کو لگ جائے اس سے فائدہ
اٹھائیں۔ چنانچہ جب یہ امور بیک وقت لوگوں کے سامنے آئے جو سقیفہ میں جمع تھے یا پھر بعد میں جن سے ابوبکر کی بیعت
لی گئی تو حضرت عمر اور ان کے ساتھیوں کی دھاندلی اور دھونس اپنا کام کر گئے اور حضرت علی کی بیعت کرنیکا کوئی سوال
یا موقعہ لوگوں کے سامنے باقی نہ رہا۔ اصل میں تو اس معاملہ کو یوں دیکھنے کی بجائے کہ لوگ علی کے سوا دوسرے کی بیعت پر
کیوں راضی ہوگئے صحیح نقطۂ نظر یہ ہوگا کہ یہ دیکھا جائے کہ سقیفہ کی کارروائی کے بعد لوگ ابوبکر کے مقابلہ میں کیوں کھڑے
نہیں ہوگئے اور حضرت علیؑ کی خلافت پر کیوں اصرار نہ کیا۔ کیونکہ سقیفہ کی ساری کارروائی جو چوروں کی سازش کا
مقام تھا اور اس کے بعد تیسرے چوتھے دن مسجد میں لوگوں سے بہ جبر بیعت لینے کا سارا معاملہ تو دھونس دھاندلی اور
افترا پردازی سے سرانجام پایا تھا مگر عوام تو کالانعام اور جس کی لاٹھی اسکی بھینس کے مقولہ کے پابند ہوتے ہی ہیں۔
اور بجز معدودے چند کے مسلمانوں کی اکثریت کی جو حالت تھی اس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ چنانچہ بوقت رحلت رسولؐ

علیؑ کے سچے ساتھیوں کی تعداد سترہ اٹھارہ سے متجاوز نہ تھی جس کا ذکر علیٰحدہ مقام پر آچکا ہے۔ انصار نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ خلافت سے دست بردار نہیں ہوئے ہیں تو ایک شخص بھی سوائے آپ کے کسی اور کی بیعت نہ کرتا۔ بہرحال جس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے بات ایک ہی ہے اور پر ہم نے جو وجوہات سلسلہ وار درج کی ہیں اُن پر یکجائی نظر ڈالنے سے سوال زیر بحث کا جواب خود بخود نکل آتا ہے۔

یہ تو تھی خلافت ابوبکر کے وقت کی روداد جسکو ہم نے کسی قدر تفصیل سے بیان کیا۔ پھر خلافت عمر کی یہ کیفیت رہی کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں ایک تو حکومت نے اپنی جڑیں مضبوط کرلیں اور آلِ رسول کو ذلیل کرنیکی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور پھر لوگوں کو مالِ غنیمت کے سبز باغ دکھا کر حصولِ دولت کے راستہ پر جو ڈالا گیا تو دنیا طلبی کا عنصر ان میں سرایت کرتا گیا۔ پھر آخر میں یہ رہا کہ حضرت ابوبکر نے اپنے مرنے سے پہلے ہی علیؑ کو خلافت سے دور رکھنے کا بندوبست اس طرح کر دیا کہ اپنی زندگی ہی میں خلافت نامہ حضرت عمر کے نام حضرت عثمان سے لکھوا کر اپنے سامنے ہی لوگوں سے عمر کی بیعت کروادی یہ ایسے حالات جمع کر دیئے گئے کہ حضرت علی علیہ السلام کو آواز اٹھانے کا بھی کوئی موقعہ مشکل سے بھی حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ اہلسنت کی کتب میں یہ بھی آیا ہے (جسکا ذکر اس کتاب میں کیا جاچکا ہے) کہ جب حضرت عمر خلافت پر قابض ہو چکے تو ایک دن حضرت حسن جو ۸، ۹ سال کی عمر کے تھے مسجد نبوی میں آئے اور عمر کو منبر پر دیکھکر فرمایا میرے باپ کے منبر سے نیچے اتر کھڑا ہو۔ بہرحال اس سردارِ جنت کی آواز کو بھی سُننے والا کون مسلمان تھا۔

پھر حضرت عثمان کی خلافت جن ہتھکنڈوں سے ہوئی اور حضرت عمر نے جو شطرنج کے مہرے جما کر بساط عبدالرحمٰن ابن عوف برادرِ نسبتی عثمان کے حوالہ کی اور عبدالرحمٰن نے جو بازیگری دکھلائی وہ سب کو معلوم ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قریش کا عمل از ابتدا تا انتہا حضرت علی علیہ السلام کے خلاف رہا حتیٰ کہ جنگ صفین کے موقعہ پر بھی جب کہ سب لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے تھے، بنی ہاشم کے علاوہ قریش کے صرف پانچ آدمی (محمد بن ابوبکر، جعدہ بن ہبیرہ مخزومی، ابوالربیع بن ابی العاص بن ربیعہ، محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ اور ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص) حضرت علی کے ساتھ تھے اور معاویہ کے ساتھ قریش کے تیرہ قبیلے معہ اپنے اہل و عیال کے تھے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بعض خطبوں میں اظہار شکایت کرتے ہوئے فرمایا:۔ "بار الٰہا میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ تو قریش سے میرا انتقام لے ان لوگوں نے میری قرابت کو منقطع کر دیا اور میرے ظرف کو اُلٹ دیا اور میرا حق چھیننے پر اجماع کیا اور مجھ سے کہا کہ یہ بھی حق ہے کہ تم خلافت کو لو اور یہ بھی حق ہے کہ خلافت تمکو نہ دی جائے۔ پس یا تو اس غم پر صبر کرو یا افسوس کرتے کرتے مرجاؤ۔ میں نے جو دیکھا تو کوئی میرا مددگار و ہمدرد سوائے میرے اہلبیت اور معدودے چند دیگر کے نہیں رہا۔ پس میں نے موت سے اس امر میں بخل کیا کہ اپنے اہلبیت کو اُسے دیدوں۔ لہٰذا میں نے ایسی ایسی باتوں پر صبر کیا جو علقم سے زیادہ تلخ اور چھریوں سے زیادہ قلب کے لئے ایذا رساں تھیں"۔

خطبۂ شقشقیہ | تاریخ کامل ابن اثیر اور تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ جب حضرت عمر کے مقرر کئے ہوئے شوریٰ کے

بموجب حضرت عثمان کی بیعت کا اعلان ہوا تو حضرت علیؑ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے ملکر ہم پر غلبہ حاصل کیا خیر صبر بہتر ہے۔ روضۃ الاحباب جمال الدین محدث میں ہے کہ جب حضرت عثمان کے بعد حضرت علیؑ کے ہاتھ پر سب لوگوں کی بیعت ہو چکی تو آپ نے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا کہ "الحمد للّٰہ الذی علی احسانہ قد رجع الحق الی مکانہ یعنی خدائے پاک کے احسان کا شکر ہے کہ حق اپنی جگہ لوٹ آیا۔

جناب امیر علیہ السلام کی حضرات شیخین سے ناراضگی کوئی مخفی یا نامعلوم بات نہ تھی بلکہ خود حضرات شیخین اس سے واقف تھے جیسا کہ صحیح مسلم صفحہ ۹۱ طبع نول کشور بخاری کتاب المغازی فتح الباری اور کتاب الخمیس کی روایت ذیل سے ظاہر ہے کہ عمر ابن خطاب عباس (عم رسول اللہؐ) سے کہتے تھے جب ابوبکر خلیفہ تھے تو تم دونوں (عباس و علیؑ) نے انکو گنہگار و دغاباز خائن سمجھ رکھا تھا اور اب اسی طرح مجھے بھی کاذب، آثم، غدار اور خائن سمجھتے ہو۔

حضرت علی مرتضیٰؑ نے اپنے زمانہ خلافت ظاہری میں کوفہ کے منبر پر ایک مرتبہ خلافت خلفائے ثلاثہ کا ذکر اپنے ایک خطبہ میں فرمایا جو خطبہ شقشقیہ کے نام سے مشہور ہے اس خطبہ کو شیخ محمد خضری نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ صفحہ ۱۲۷ پر اور شیخ محمد عبدہ مفتی مصر نے اور نیز علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں درج کیا ہے جس کے کچھ حصہ کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ "قسم خدا کی ابوبکر ابن قحافہ نے جامۂ خلافت کو کھینچ تان کر بہ تکلف پہن لیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میری حیثیت معاملۂ خلافت میں قطب آسیہ کی ہے۔ مجھ سے علم کی سیل جاری ہوتی ہے اور میری بلندیوں کو کسی کے خیال کا طائر پرواز نہیں پہنچ سکتا پس ڈال دیا ہم نے خلافت ابوبکر پر پردہ اور اس سے پہلو تہی کی۔ میں نے سوچا کہ کیا باوجود اپنی بے دست و پائی کے ابوبکر پر حملہ کر دوں یا اس بلائے تیرہ و تار پر صبر کر دوں جس کے صدمہ سے بوڑھے بیکار ہو گئے اور نوجوان بوڑھے ہو گئے اور ہر مومن تا دم مرگ رنج اٹھاتا رہے گا پس مناسب وقت یہی معلوم ہوا کہ اس مصیبت پر صبر ہی کرنا بہتر ہے پس صبر کیا میں نے اس کیفیت میں کہ گویا میری آنکھوں میں گرد پڑ گئی تھی اور میرے حلق میں ہڈی پھنسی ہوئی تھی۔ میں اپنی میراث خلافت کو لٹتے دیکھتا تھا یہاں تک کہ اس حالت میں پہلے خلیفہ نے وفات پائی مگر اپنے بعد خلافت کو فلاں کے حوالے کر گیا لیکن تعجب ہے کہ وہ اوّل اپنی حیات میں اپنی بیعت کو توڑ دینے کا حکم کرتا تھا کہ اس کو لوگ چھوڑ دیں لیکن مرتے وقت دوسرے فلاں کے حوالے کر گیا اور واقعہ یہ ہے کہ ناقہ خلافت کی پستان کو دونوں نے آپس میں خوب بانٹ لیا۔ افسوس خلافت کو ایک درشت مزاج اور تند خو کے حوالے کر گیا۔ جس کی زبان کے زخم نہایت کاری تھے اور جس کا چھونا بھی ناگوار تھا جس کے کردار و گفتار دونوں ناہموار تھے اور اپنی لغزشوں پر عذر خواہ بھی ہوتا تھا۔ اس شخص کی مثال ویسی ہے جیسے بوجھ نہ اٹھانے والے اونٹ پر سواری کی یا اس کی ناک پاش پاش کر دے یا اسکو چھوڑ دے تو خود گرے حیات خداوندی کی قسم کہ لوگ اس کے سبب سے غیظ میں مبتلا ہو گئے۔ متلون مزاجیاں دامنگیر ہو گئیں اعتراضوں کی بوچھاڑ ہونے لگی بہرکیف میں نے اس طویل مدت پر صبر کیا یہاں تک کہ یہ شخص اپنے راستہ پر گزر گیا اور امر خلافت کو ایک جماعت کے سپرد کر گیا اور گمان تھا کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں یا اللہ! میں اس شوریٰ کی بابتہ فریاد کرتا ہوں۔ مجھ کو اوّل کے مثل بنا کب پسند تھا کہ

ایسوں میں سے ایک ہو جاؤں لیکن لوگ جب زمین کی طرف اترے تو میں بھی اُترا اور جب یہ اونچے اُڑان گئے تو مجھ کو بھی جانا پڑا پس ان کا ایک شخص بغض سے میرا دشمن ہو گیا اور دوسرا اپنے داماد کیطرف مائل ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ اس قوم میں تیسرا فلاں شخص خلافت پر قائم ہو گیا اور اسکی حالت یہ تھی کہ اپنے معدہ کو مالِ دُنیا سے بھر گیا اور اس کے بھائی بندھ بھی مال خدا کو اسطرح کھانے لگے جیسے اونٹ فصل بہار کی گھاس چر جاتے ہیں یہاں تک کہ قبیلے اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے عمل نے اسکو قتل کر ڈالا اور اسکی شکم پُری نے اسکو اوندھا منہ کے بل گرا دیا اس وقت بھی کسی چیز نے مجھے خوف و خطر میں مبتلا نہیں کیا مگر یہ لوگ میری طرف ہجوم کر کے آئے اور چار طرف سے بیعت کے لئے مجھے گھیر لیا یہاں تک کہ حسنینؑ اسی کشمکش میں پامال ہوئے اور میری ردا شگافتہ ہو گئی اور بکریوں کے گلے کی طرح لوگ میرے گرد جمع ہو رہے تھے۔ جب میں نے امر خلافت کو قائم کیا تو ایک گروہ ناکثین میں داخل ہو گیا ایک جماعت خوارج اپنے اقوال سے پھر گئی اور کچھ لوگ فاسق ہو کر اطاعت خداوندی سے باہر ہو گئے۔ گویا انہوں نے خدا کا یہ کلام سُنا ہی نہ تھا۔ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (سورہ قصص آیت ۸۳) یعنی آخرت کا مکان میں نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں سرداری جاہ طلبی اور فتنہ و فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور آخرت تو بس پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے انہیں انہوں نے اس کلام کو سُنا تھا اور ان کے دلوں میں محفوظ تھا لیکن ان کی آنکھوں کے سامنے دُنیا حائل ہو گئی اور اپنے جمال پر انکو فریفتہ کر لیا۔ ہاں! آگاہ ہو قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور انسان کو خلق کیا ہے اگر حاضرین کی کثرت نہ ہوتی اور ناصرین کا ہجوم قیام حجت کیلئے نہ ہوتا اور مجھے اس عہد و میثاق کا بھی خیال نہ ہوتا جو پروردگار نے علماء سے لیا ہے کہ ظالم کو مسکینوں اور غریبوں کا مال کھانے کی اجازت نہ دی جائے اور مظلوم ظالم کے ستم سے بھوکا نہ رہے تو بیشک میں خلافت کی مہار کو اس اونٹ کے کوہان پر ڈال دیتا اور مثل قبل کے اس کو ترک کر دیتا اور دُنیا میرے نزدیک بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ذلیل ہے"۔

طلحہ و زبیر کے نکث بیعت کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام کا خطبہ

ابراہیم بن محمد ثقفی جو ثقات علمائے اہلسنت سے ہیں اپنی کتاب میں اور ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں اور علی بن محمد ہمدانی اور نیز کلبی لکھتے ہیں کہ جب طلحہ اور زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت توڑ دی اور بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ وفاتِ رسولؐ کے بعد ہم نے کہا کہ ہم اہل بیت پیغمبرؐ ہیں۔ آپکے عزیز و وارث، آپکی عترت، آپکے اولیاء اور اہل عالم میں آپکی جانب سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ آنحضرتؐ کے حق سلطنت میں ہمارا کوئی فریق نہ تھا لیکن منافقین کے ایک گروہ نے گٹھ جوڑ کر کے ہمارے نبیؐ کی حکومت و سلطنت کو ہم سے چھین لیا اور ہمارے غیر کے سپرد کر دیا۔ پس خدا کی قسم اس سے ہماری آنکھیں اور ہمارے دل روئے اور ہمارے سینے غم و غصہ سے لبریز ہو گئے۔ خدا کی قسم اگر مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا کہ وہ اپنے دین سے پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں گے تو ہم اس خلافت کا تختہ پلٹ دیتے۔ وہ لوگ مسندِ خلافت پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ٹھکانے لگے اور خدا نے امر خلافت کو میری طرف پلٹا دیا۔ چنانچہ ان دونوں (طلحہ و زبیر) نے بھی میری بیعت کی۔

اور اس کے بعد محض اس لئے بصرہ کی جانب کوچ کیا کہ ہماری جماعت میں پھوٹ الیں اور خانہ جنگی پیدا کریں۔"

استخلافِ حضرت عمر

حضرت عمر کی خلافت کسی قسم کے انتخاب یا اجماع یا رائے دہی سے نہیں ہوئی بلکہ آپ ایک شخص واحد حضرت ابوبکر کے آپکو خلیفہ نامزد کردینے سے جس کو اصطلاح میں استخلاف (خلیفہ بنانا) کہا جاتا ہے خلیفہ بنے اس واقعہ کو ہم کتب اہل سنت کی ان مسلّمہ روایتوں کی بناء پر لکھتے ہیں جو علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اور علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب الفاروق میں درج کی ہیں۔

جب حضرت ابوبکر علیل ہوئے تو آپ نے حضرت عثمان کے ہاتھ سے (جنھوں نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر حضرت عمر کے بعد ہی دوسرے نمبر پہ بیعت کی تھی اور جو بعد میں خلیفہ سوم ہوئے) خلافت نامہ لکھوایا۔ لکھواتے لکھواتے جب عبارت یہاں تک پہونچی کہ "میں اپنے بعد خلیفہ مقرر کرتا ہوں" کہ حضرت ابوبکر کو غشی آگیا۔ حضرت عثمان نے اس خیال سے کہ حضرت ابوبکر کا انتقال ہوگیا یا شاید پھر ان کو ہوش نہ آئے تو خلافت نامہ نا تمام رہ جائے گا اپنی طرف سے حضرت عمر کا نام لکھدیا اس کے تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر کو ہوش آیا تو پوچھا کہ کیا لکھا۔ حضرت عثمان نے کہا کہ عمر کا نا لکھدیا ہے اس لئے کہ آپ ان کو پسند کرتے ہیں اس پر حضرت ابوبکر اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا کیا بہتر نام تم نے لکھا ہے۔ خدا تم کو جزائے خیر دے۔

جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمر کے نام سے خلافت نامہ لکھا جارہا ہے تو بعض لوگ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابوبکر آپ خدا کے پاس جارہے ہیں خدا کو کیا جواب دیں گے، کہ عمر جیسے سخت مزاج شخص کو ہم پر خلیفہ مقرر کئے جاتے ہیں۔ شبلی نعمانی نے مزید صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ طلحہؓ نے ابوبکر سے جاکر کہا کہ آپکے موجود ہوتے ہوئے عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا اب وہ خود خلیفہ بنیں گے تو کیا کرینگے، آپ اب خدا کے پاس جاتے ہیں، سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دینگے؟ ابوبکر نے کہا کہ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ میں اللہ کو یہ جواب دونگا کہ مسلمانوں پر ان میں سے سب سے بہتر آدمی کو خلیفہ بنا آیا ہے۔

حضرت عثمان وہ تحریر لیکر چلے آئے اور لوگوں نے حضرت ابوبکر کی زندگی میں ہی حضرت عمر سے بیعت کی۔ ان کے بعد حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلوت میں بلا کر کچھ باتیں کیں اس طرح حضرت ابوبکر کے نامزد کردینے کی بناء پر حضرت ابوبکر کے انتقال سے قبل ہی حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کروادی گئی۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۵۲، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۶۳، امامت وسیاست جلد ا صفحہ ۳۳ میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر سے خلافت نامہ لکھوا لیا گیا تو حضرت عمر ایک ڈنڈا لئے ہوئے اس خلافت نامہ کو حضرت ابوبکر کے غلام شدید کے ہاتھ میں دیکر لے چلے اور جو کوئی راستہ میں ملتا اپنے خلیفہ بنائے جانے کا اعلان کرتے جاتے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ میں لکھتے ہیں "حضرت ابوبکر جب خلافت نامہ لکھواتے ہوئے ان الفاظ پر پہونچے کہ میری خواہش ہے کہ میں تمہارا خلیفہ" تو حضرت عثمان نے اس کے بعد کے الفاظ ...... "عمر کو بناؤں" اپنی طرف سے لکھ دیئے" صفحہ ۵ "پھر جب حضرت عمر کے لئے بیعت شروع ہوئی تو سب سے پہلے حضرت عثمان نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھایا اور خلیفۃ المسلمین کے ساتھ مشورے اخلاص اور خیر خواہی کی باتیں کیں۔"

حضرت عمر کو حضرت ابوبکر کا خلیفہ مقرر کرانے میں حضرت عائشہ کی جد وجہد

جرمن مورخ کورٹ فریشلر آلمانی اپنی کتاب "عائشہ بعد از پیغمبر" میں جسکا ترجمہ ذبیح اللہ منصوری نے کیا ہے صفحہ ۲۸۳ (ترجمہ) پر رقمطراز ہیں۔ عائشہ گفت اے پدر اگر تو برائے خود جانشین تعین

نکنی علی ابن ابی طالب خلیفہ خواہد شد۔ عائشہ از عدہ ای مردان با نفوذ اسلام دعوت کرد کہ بعنوان عیادت بربالین خلیفہ حضور بہم رسانیدہ او را وادار کنند کہ جانشین خود را معین نماید سپس ابوبکر گفت کاغذ و قلم و دوات حاضر کن وانچہ میگویم بنویس۔ خلیفہ چنین گفت:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ این است وصیت نامہ ابوبکر فرزند ابی قحافہ راجع بہ جانشین او اینک کہ مرگ خود را نزدیک مے بیند از تمام مسلمین درخواست مے نماید کہ پس از مرگ وے ..... وقتے کلام ابوبکر اینجا رسید سکوت کرد و چشمہایش بستہ شدند۔ عائشہ وارد اطاق شد بنزدیک من گردید د آہستہ گفت ممکن است کہ دیگر پدرم بحال نیاید و زندگی را بدرود بگوید۔ من بتو اطمینان مے دہم کہ اگر پدرم ہوش و حواس مے داشت دمے توانست حرف بزند نام عمر بن الخطاب را بر زبان میاورد و گفت بنویس: پس از مرگ وے عمر بن الخطاب را خلیفہ خود بدانند و با وی بیعت وازدے اطاعت کنند" من اسم عمر بن الخطاب را در آں کاغذ نوشتم و وصیت نامۂ ابوبکر را بطوریکہ عائشہ گفت تکمیل کردم۔ ہمیں کہ وصیت نامہ تکمیل شد ابوبکر چشمہا را بکشود۔ گفتم اے خلیفہ از اینکہ تو چشمہا فروبستی من برحسب گفتۂ عائشہ وصیت نامہ تکمیل کردم و اسم عمر بن الخطاب را دراں نوشتم۔ ابوبکر گفت خداوند تو برکت بدہد کہ شخصی را در وصیت نامہ نوشتی کہ من میخواستم او را جانشین خود کنم مہا از بالائے سرم بردار و وصیت نامہ را مہر کن۔ ما سہ نفر عمر و عائشہ و من ابوبکر را بلند کردیم و بطرف پنجرہ بردیم ابوبکر خطاب بہ مسلمین کرد (و اعلان استخلاف عمر کرد) ما ابوبکر را از پنجرہ دور کردیم و بر جالیش بگردانیدیم"۔

ذیل میں ہم عبارتِ صدر کا اقتباسی ترجمہ درج کر دیتے ہیں:۔

"عائشہ نے ابوبکر سے کہا کہ اگر آپ اپنا جانشین مقرر نہ کرینگے تو علی خلیفہ ہو جائینگے عائشہ نے کئی با اثر اشخاص کو دعوت دی کہ عیادت کے بہانے ابوبکر کے سرہانے آئیں اور جانشین مقرر کرنیکی نمائش کریں۔ (جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو) ابوبکر نے کہا کاغذ دوات قلم لاؤ اور جو میں لکھواتا ہوں لکھو۔ ابوبکر نے لکھوانا شروع کیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ ہے ابوبکر ابن ابی قحافہ کا وصیت نامہ کہ میں موت کو قریب پاتا ہوں اور تمام مسلمین سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد ....." یہاں تک لکھوانے کے بعد ابوبکر ساکت ہو گئے اور ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اتنے میں عائشہ کمرہ میں داخل ہوئیں اور میرے (کاتب وصیت نامہ) نزدیک آ کر آہستہ سے کہا ممکن ہے میرے باپ اب ہوش میں نہ آئیں اور انتقال کر جائیں۔ میں اطمینان دلاتی ہوں کہ اگر میرے باپ لکھوانے کے قابل ہوتے تو عمر بن خطاب کا ہی نام لکھواتے لہٰذا لکھو: میری موت کے بعد عمر بن خطاب کو خلیفہ سمجھیں اور اُن کی بیعت اور اطاعت کریں۔ میں نے عمر کا نام لکھا اور عائشہ کے کہنے کے بموجب وصیت نامہ مکمل کیا۔ اس کے ساتھ ہی ابوبکر نے آنکھیں کھولیں اور میں نے کہا کہ آپکے آنکھیں بند کر لینے کے بعد میں نے عائشہ کے کہنے کے بموجب وصیت نامہ کی تکمیل کر دی ہے اور عمر بن خطاب کا نام لکھا ہے۔ ابوبکر نے کہا خدا تمکو برکت دے میں جو نام چاہتا تھا

وہی تم نے لکھا ہے۔ میرے سرہانے سے باہر نکال کر اس پر ثبت کردو۔ میرا کاتب) عائشہ اور عمر ملکر ابوبکر کو اٹھا کر دریچہ کے پاس لیگئے۔ ابوبکر نے عمر کو خلیفہ مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ پھر ہم نے ابوبکر کو ان کے بستر پر لٹا دیا۔

Lives of Successors of Mahomed کے صفحہ ۲۶۲ پر واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے:۔

The nomination of Omar to the succession was supported by Ayasha and acquiesced in by Ali who saw that opposition would be in-effectual.

استخلاف حضرت عمر کے متعلق مولانا شاہد زعیم فاطمی کی رائے

مولانا شاہد زعیم فاطمی اپنے مقالہ "حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف" مطبوعہ رسالہ سرفراز لکھنؤ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۱۱ و صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانے میں حضرت عمر کا ہاتھ تھا۔ حضور کے وصال کے فوراً بعد سقیفہ بنو ساعدہ میں جو ڈرامہ کھیلا گیا اس کا مرکزی کردار حضرت عمر ابن خطاب کی ذات تھی۔ حضرت ابوبکر کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ زیادہ دیر تک دادِ خلافت نہ دے سکے لیکن اپنی وفات سے قبل وہ حضرت عمر کو اپنا جانشین بنا گئے۔ پیغمبر اسلام مہبط وحی درسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ وہ اپنی خلافت جیسے اہم مسئلہ کو امت کی صوابدید پر چھوڑ گئے تھے، پھر نامزدگی بیچ میں کہاں سے آگئی؛ جو کام حضورؐ نے نہ کیا اس کی جرات ابوبکر کو کیونکر ہوئی؟ انھیں اسکی سندِ جواز کہاں سے مل گئی؛ مسئلہ وراثت میں حضور کا مبینہ فرمان یاد رہا لیکن نامزدگی کے معاملہ میں حضور کا طرز عمل اور اسوۂ حسنہ کا بھولے سے بھی خیال نہ آیا"۔

حضرت ابوبکر کے سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ بن کر آنے کے بعد جب حضرت علیؑ نے اپنا ادّعائے خلافت پیش کیا تھا تو اس وقت حضرت علیؑ سے حضرت عمر کے سمدھی ابو عبیدہ بن جراح نے کہا تھا کہ گو کہ آپ خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں مگر ابھی آپ بچے ہیں۔ آپ بہت دن زندہ رہیں گے اور یہ (ابوبکر) بوڑھے ہیں تھوڑے دن میں مرجائیں گے۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ آپ اپنے استحقاق خلافت کی وجہ سے حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد خلیفہ بنائے جائیں گے۔ یہ سب باتیں دھری رہ گئیں اور اجماع بھی دھرا رہا۔ اب تو خلافت نامہ لکھکر خلیفہ بنانے کی نوبت آگئی اور حضرت ابوبکر نے اپنی زندگی میں حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کرادی۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت ابوبکر نے لوگوں کے اعتراض کے جواب میں یہ فرمایا کہ خدا کو یہ جواب دوں گا کہ مسلمانوں میں سے سب سے بہترین شخص کو میں نے خلیفہ بنایا ہے۔ نہ معلوم حضرت علیؑ کے متعلق حضرت رسول خدا کے بیشمار ارشادات کو حضرت ابوبکر کس طرح بھول گئے اور فضائل علیؑ کے باب میں وہ بکثرت روایتیں جو خود حضرت ابوبکر کی زبانی صحاح ستہ میں بھری پڑی ہیں، کس طرح نسیاً منسیا ہوگئیں جن میں یہ بھی ہے کہ جب لوگ آپ سے پوچھا کرتے تھے کہ حضرت علیؑ کے چہرہ کو آپ کیوں تکا کرتے ہیں تو حضرت ابوبکر کہتے تھے، حضرت

وہی تم نے لکھا ہے۔ میرے سرہانے سے مہر نکال کر اس پر ثبت کر دو۔ میں (کاتب) عائشہ اور عمر علکر ابو بکر کو اٹھا کر دریچہ کے پاس لیگئے۔ ابو بکر نے عمر کو خلیفہ مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ پھر ہم نے ابو بکر کو ان کے بستر پر لٹا دیا۔

Lives of Successors of Mahomed کے ص۳۱ پر واشنگٹن اردنگ لکھتا ہے۔

The nomination of Omar to the succession was support-ed by Ayasha and acquiesced in by Ali who saw that opposition would be in-effectual.

استخلاف حضرت عمر کے متعلق مولانا شاہد زعیم فاطمی کی رائے

مولانا شاہد زعیم فاطمی اپنے مقالہ "حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف" مطبوعہ رسالہ سرفراز لکھنؤ مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۷۷ء کے ص۱۲ و ص۱۷ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنانے میں حضرت عمر کا ہاتھ تھا۔ حضور کے وصال کے فوراً بعد سقیفہ بنو ساعدہ میں جو ڈرامہ کھیلا گیا اس کا مرکزی کردار حضرت عمر ابن خطاب کی ذات تھی۔ حضرت ابو بکر کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ زیادہ دیر تک دادِ خلافت نہ دے سکے لیکن اپنی وفات سے قبل وہ حضرت عمر کو اپنا جانشین بنا گئے۔

پیغمبر اسلام مہبط وحی ورسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ وہ اپنی خلافت جیسے اہم مسئلہ کو امت کی صوابدید پر چھوڑ گئے تھے۔ پھر نامزدگی بیچ میں کہاں سے آگئی؛ جو کام حضور نے نہ کیا اس کی جرات ابو بکر کو کیونکر ہوئی؛ انھیں اسکی سندِ جواز کہاں سے مل گئی؛ مسئلہ وراثت میں تو حضور کا بعینہ فرمان یاد رہا لیکن نامزدگی کے معاملہ میں حضور کا طرزِ عمل اور اسوۂ حسنہ کا بھولے سے بھی خیال نہ آیا۔"

حضرت ابو بکر کے سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ بن کر آنے کے بعد جب حضرت علیؑ نے اپنا ادعائے خلافت پیش کیا تھا تو اس وقت حضرت علیؑ سے حضرت عمر کے سمدھی ابو عبیدہ بن جراح نے کہا تھا کہ گو کہ آپ خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں مگر ابھی آپ بچے ہیں۔ آپ بہت دن زندہ رہیں گے اور یہ (ابو بکر) بوڑھے ہیں تھوڑے دن میں مر جائیں گے۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ آپ اپنے استحقاق خلافت کی وجہ سے حضرت ابو بکر کے انتقال کے بعد خلیفہ بنائے جائیں گے۔ یہ سب باتیں دھری کی دھری رہ گئیں اور اجماع بھی دھرا رہا۔ اب تو خلافت نامہ لکھکر خلیفہ بنانے کی نوبت آگئی اور حضرت ابو بکر نے اپنی زندگی میں حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کرادی۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت ابو بکر نے لوگوں کے اعتراض کے جواب میں یہ فرمایا کہ خدا کو یہ جواب دوں گا کہ مسلمانوں میں سے سب سے بہترین شخص کو میں نے خلیفہ بنایا ہے۔ نہ معلوم حضرت علیؑ کے متعلق حضرت رسولِ خدا کے بیشمار ارشادات کو حضرت ابو بکر کس طرح بھول گئے اور فضائل علیؑ کے باب میں وہ بکثرت روایتیں جو خود حضرت ابو بکر کی زبانی صحاح ستہ میں بھری پڑی ہیں کس طرح نسیاً منسیاً ہو گئیں جن میں یہ بھی ہے کہ جب لوگ آپ سے پوچھا کرتے تھے کہ حضرت علیؑ کے چہرہ کو آپ کیوں تکا کرتے ہیں تو حضرت ابو بکر کہتے تھے حضرت

رسول ؐ کا ارشاد ہے کہ علی ؑ کے چہرہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے اور ایک موقع پر خود اپنے متعلق فرمایا تھا کہ میں ایسے شخص کے آگے قدم نہیں بڑھا سکتا جس کی نسبت رسول اللہ ؐ کو میں نے یہ فرماتے سُنا ہے کہ علی ؑ کی نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی میری نسبت اللہ کے ساتھ اور پھر حضرت ابوبکر دوسروں کو بھی یہ نصیحت بھی کرتے تھے کہ اہلبیت ؑ رسول ؐ کی تابعداری کرو۔ مقام تعجب ہے کہ اپنے وقتِ آخر حضرت عمر کے متعلق یہ کہتے وقت کہ وہ خدا کو یہ جواب دیں گے کہ مسلمانوں میں سب سے بہترین آدمی کو خلیفہ بنایا ہے، حضرت ابوبکر کو ایسی ذات کا خیال تک نہ آیا جس کے چہرہ کو دیکھنا عبادت سمجھ کر وہ خود ہمیشہ گوارا کرتے تھے اور اس سے ایک قدم آگے چلنا بھی اپنے لئے مناسب نہ سمجھتے تھے اور دوسروں کو تابعداری کی نصیحت کرتے تھے۔ یہ سب باتیں بالائے طاق رہیں اور خلافت نامہ حضرت عمر کے نام رہا۔

عالیجناب ہدایت اللہ صاحب ہندوستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اسلامی قانون پر اپنی کتاب کے سولھویں ایڈیشن میں تمہید کے صفحہ ۱۲ و صفحہ ۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

Even when he (Abu Bakr) was caliph, the power behind him was Omar......It is said that Abu Bakr named Omar as his successor. Even if this be not true, it is obvious that the election was a mere formality.

یعنی جب حضرت ابوبکر خلیفہ بھی تھے تو ان کے پیچھے ساری قوت حضرت عمر کی تھی" آخری سطور کا ترجمہ یہ ہے کہ "یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا اور اگر یہ صحیح نہ بھی ہو تو یہ امر بدیہی ہے کہ اجماع تو محض ایک تکمیل ضابطہ تھا" یعنی خواہ نامزدگی ہو یا اجماع کی غیر ضروری تکمیل، حضرت عمر کا خلیفہ بنایا جانا ایک طے شدہ امر تھا۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت ابوبکر ان خطوط پر چل رہے تھے تو پھر حضرت علی ؑ کا یا حضرت رسول ؐ کے ارشادات کا خیال آ بھی کیسے سکتا تھا۔ یہاں واقعہ قرطاس کی طرف بھی اشارہ بے محل نہ ہوگا۔ احمد بن ابی طاہر نے تاریخ بغداد میں عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ حضرت رسول خدا ؐ حالت مرض میں حضرت علی ؑ کے نام کی صراحت کرنا چاہتے تھے لیکن میں مانع ہوا۔ حدیث قرطاس کے متعلق ہم باب ہفتم میں صحیح بخاری کی اور دیگر روایتوں کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کر چکے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ حضرت رسول خدا کو وصیت نامہ لکھوانے سے روک دیا گیا۔ جس میں پورا حصہ حضرت عمر کا رہا اور سرور کائنات کے ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا گیا مگر حضرت ابوبکر نے البتہ ایک وصیت نامہ نہایت کشادہ دلی سے خلافت حضرت عمر کو سونپنے کے متعلق لکھ دیا۔ کہنا پڑتا ہے کہ اجماع کے ڈھونگ کی ساری قلعی اس استخلاف نامہ نے پوری طرح کھول دی۔ ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنو امیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۲۵ پر لکھتے ہیں "سقیفہ کے ٹوٹے پھوٹے اور ناقص اجماع کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنیوالی نام نہاد جمہوری خلافت دو سال کے

اندر استخلاف سے بدل گئی اور خلافت کے لئے وصیت بھی ہوئی تو ان بزرگ کے لئے جو سقیفہ کی کاروائی کے بانی مبانی تھے۔ ص۵ پر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں "اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اسلام جمہوری نظام ہے تو دوسری بار خلیفہ کو بجائے منتخب کرنے کے نامزد کر دینے کی کیوں ضرورت پیش آئی ؟ وہاں عوام خود ہی چن لیتے۔ قریش ہی میں تمام اصحاب تھے مگر یہ کیا احتیاط تھی کہ حضرت عمر ہی نامزد فرمائے گئے" سقیفہ بنی ساعدہ کے سلسلہ کی ہی ایک روایت یہاں قابل غور ہے:

صحیح بخاری باب رجم الحبلی اذا احصنت و تاریخ طبری جزو ثالث ص۲۰۰ و تاریخ کامل جلد ۳ ص۱۲۴ اور صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب اول ص۱۵، مسند احمد بن حنبل جزو اول ص۵۵، ریاض النضرۃ جزو ثانی ص۱۶۲ اور سیرۃ النبیؐ ابن ہشام جزو رابع ص۳۳۸ پر موجود ہے وھو ہذا "مجھے خبر پہونچی ہے کہ تم میں سے ایک کہنے والا کہتا ہے کہ بخدا اگر عمر مر جائیگا تو میں فلاں شخص سے بیعت کروں گا۔ کسی شخص کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہیئے کہ ابوبکر کی بیعت تو ایک ناگہانی اچانک آفت تھی۔ لیکن وہ پوری ہوگئی۔ خبردار ! بیشک ابوبکر کی بیعت ناگہانی آفت تھی لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے شر سے، جو اسکا لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا، مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اسی طرح اٹھتی ہوں جس طرح ابوبکر کی طرف اٹھتی تھیں۔ آیندہ جو کوئی شخص کسی سے بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت کر لے تو نہ تو اسکی بیعت کی جائے جس کی بیعت اس نے بغیر مشورہ کے کی ہے اور نہ اس بیعت کرنے والے کی پیروی کی جائے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے ص۸ پر بحوالہ کنز العمال جلدہ روایت ۲۵۷۷ حضرت عمر کا یہ قول نقل کرتے ہیں "جو شخص مسلمانوں سے مشورہ کے بغیر اپنی یا اور کسی شخص کی امارت کے لئے دعوت دے تو تمھارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ اسے قتل نہ کرو۔ بحوالہ کنز العمال جلدہ روایت ۲۳۵۴ حضرت عمر کا یہ قول بھی درج ہے: "مشورہ کے بغیر کوئی خلافت نہیں۔" قابل غور ہے کہ حضرت عمر کے ان الفاظ کا اشارہ کس کی طرف ہے کہ کوئی شخص بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے کسی کی بیعت کرے تو اس کی بیعت نہ کی جائے؟ بنی ہاشم اور کچھ مخلص صحابہؓ حضرت علیؑ کی خلافت کے طالب تھے لہٰذا حضرت عمر نے اس کا بندوبست بھی کر دیا کہ سیاست میں اُلجھے ہوئے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر اگر کوئی حضرت علیؑ کی بیعت کو بھی لے تو اسکو قبول نہ کیا جائے۔

اب تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوبکر کے لئے تو اجماع کا ادعا ہے اور پھر حضرت عمر نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ بغیر مسلمانوں سے مشورہ کہ کسی کی بیعت نہ کی جائے اور نہ اس کو مانا جائے مگر خود اپنے لئے حضرت عمر نے یہ کیا کہ مسلمانوں سے مشورہ وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا راست حضرت ابوبکر سے اپنے لئے ایک خلافت نامہ لکھوا لیا اور حضرت ابوبکر کی زندگی ہی میں اس خلافت نامہ کی بنا پر لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لینی شروع کر دی۔ پھر اُدھر حضرت رسولؐ وصیت لکھنا چاہتے تھے تو اس پر بھی حضرت عمر کا اعتراض رہا اور وصیت نامہ کو رد کروا دیا اور ادھر اپنے حق میں

حضرت ابوبکر سے خلافت کی وصیت لکھوائی گویا جتنے اُصول ہیں دوسروں کے لئے قابل پابندی ہیں خود اُصول بیان کرنے والے اُن سے مستثنیٰ ہیں۔

حضرت رسولؐ نے اگر یہ فرمایا تھا کہ حق علیؑ کے پیچھے چلتا ہے جس طرف بھی وہ جائے اس کے جواب میں کچھ لوگوں نے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے نظریہ کو کام میں لاکر یہ قرار دیا کہ اُصول ہمارے پیچھے چلتے ہیں جس طرح ہم چاہیں ان کو توڑیں مروڑیں۔ حضرت عمر جمادی الآخر ۱۳ھ سے ذی الحجہ ۲۳ھ تک دس سال چھ ماہ خلیفہ رہے۔ آپ کے انتقال کا واقعہ سیوطی نے اس طرح درج کیا ہے۔ ایک شخص مغیرہ نامی کا غلام ابولولو تھا جو چکیاں بنایا کرتا تھا۔ مغیرہ نے اس پر چار درہم روزانہ ٹیکس لگا رکھا تھا۔ ابولولو نے آکر حضرت عمر سے شکایت کی کہ مغیرہ مجھ پر اس طرح سختی کرتا ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ تجھ پر ٹیکس زیادہ نہیں ہے۔ تجھے اپنے آقا سے اچھا سلوک کرنا چاہیئے۔ ابولولو نے کہا کہ یہ تو کچھ انصاف کی بات نہیں ہے اور غصہ میں آکر چلا گیا۔ بعد میں ابولولو نے دو دھاری خنجر زہر میں بجھا کر موقع پا کر حضرت عمر کے کندھے اور کولھے پر وار کیا۔ حضرت عمر زخمی ہو کر گرے۔ ان کو نبیذ (ایک قسم کی کھجور کی شراب) پلائی گئی مگر زخموں کی راہ سے نکل گئی ۲۴ ذی الحجہ کو آپ پر حملہ ہوا تھا اور ماہ ذی الحجہ کی آخری تاریخ (۲۹ یا ۳۰) کو آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے (۸۶) ہزار کا قرض چھوڑا۔

حضرت عمر کے (۸۶) ہزار درہم قرض کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے الفاروق ص۲۲۶ پر فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ ص۵۳ کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔ لیکن عمر بن شیبہ نے کتاب الائمہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمر کے غلام تھے، کہتے تھے کہ عمر پر قرض کیونکر ہو سکتا تھا حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصۂ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا۔ تیسرا البخاری پارہ ۱۱ باب شرط مع الناس ص۳ پر یہ روایت درج ہے کہ یہودیوں نے ابن عمر کے ہاتھ پاؤں مروڑے اور حضرت عمر نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دیا۔ سیوطی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی آپ کے متعلق کہتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جو جہنم کے دروازے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اس میں جانے سے روکے گا۔ بخاری نے تیسرا البخاری پارہ ۱ کتاب الوضو ص۱۰۱ پر حضرت عمر کا یہ قول بھی درج کیا ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا دُبر کو قابو میں رکھتا ہے۔ کنز العمال جلد ۴ ص۲۳۴ پر یہ روایت بھی درج ہے کہ حضرت عمر نماز میں جوئیں مارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا ہاتھ خون میں بھر جاتا تھا۔

"الفاروق" ص۱۵ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔ حضرت عمر پہلے شخص تھے جس نے پولیٹیکل خطبے دیئے۔"

ص۱۵ پر مولانا شبلی حضرت عمر کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں "سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہو" الفاروق ص۵۲۵ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں " (حضرت عمر) فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو تو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی یہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوتا ہوں اور فوجیں تیار کیا کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کے جزیہ کا حساب کیا..... بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے۔"

اِن تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر دین اور عبادات کے مقابلہ میں فوج کشی دنیوی اُمور اور سیاست کی طرف زیادہ متوجہ تھے۔ کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۶ پر خود حضرت عمر کا یہ قول درج ہے کہ:- ما ادری خلیفۃ انا ام ملک" یعنی مجھے خود معلوم نہیں کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔"

حضرت عمر نے متعہ کو حرام قرار دیا حالانکہ قرآن شریف میں متعہ کا حکم موجود ہے اور اسکی ناسخ کوئی آیت نہیں ہے حضرت رسولؐ کے زمانہ میں لوگ برابر متعہ کرتے رہے اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بھی متعہ ہوتے رہے۔ حضرت عمر نے خلاف قرآن وسنت یہ حکم دیا کہ "میں متعہ کو حرام قرار دیتا ہوں۔" اذان میں سے حضرت عمر نے حیّ علی خیر العمل کا جملہ خارج کروا دیا اور ایک دفعہ نماز فجر کے وقت نیند کے غلبہ سے آپکو اُٹھنے میں زحمت محسوس ہوئی تو "الصلواۃ خیرٌ من النوم" کے الفاظ صبح کی اذان میں اضافہ کروا دیئے۔ رمضان کی تراویح بھی حضرت عمر کی ایجاد ہے۔ نہ قرآن میں اس کا حکم ہے اور نہ کبھی حضرت رسولؐ نے اس کا حکم دیا۔

بعض اہل سنت اہل قلم نے اس کا بھی تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے کہ حضرت عمر بعض موقعوں پر خلاف واقعہ گواہی کی بھی ہمت افزائی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب اپنی کتاب فتنۃ الکبریٰ حصّہ دوم صفحہ ۳۳۵ پر لکھتے ہیں:-

"ہم نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ تردّد آمیز گواہی پر خود زیاد کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ جب بعض لوگوں نے مغیرہ ابن شیبہ پر (زنا کا) الزام لگایا تھا محض اس خوف سے کہ رسول اللہ کا صحبت یافتہ کہیں رسوا نہ ہو۔ اسی طرح ہم نے حضرت عثمان کو دیکھا کہ ہرمزان کے قتل کے معاملہ میں عبیداللہ ابن عمر کو معاف کرنے کے لئے تکلفات سے کام لیا۔ جس پر بہت سے مسلمان اور بعض خاص صحابہ آپ سے ناراض ہوئے۔"

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے حضرت عمر کی غلط گواہی کی ہمت افزائی کرنے کا جو ذکر کیا ہے۔ اسکی تفصیل جو تاریخوں میں ملتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مغیرہ ابن شیبہ جو بنی اُمیّہ کے بدنام ترین لوگوں میں سے تھا حضرت عمر کے زمانہ میں بصرہ کا گورنر تھا۔ ابوبکرہ کا مکان مغیرہ کے مکان کے بالمقابل تھا۔ نافع الشبل بن معبد اور زیاد بھی ابوبکرہ کے گھر میں موجود تھے۔ اور ان چاروں اشخاص نے مقابل کی ایک کھڑکی سے دن کے وقت مغیرہ بن شیبہ کو قبیلۂ بنی ہلال کی ایک عورت اُم جمیل بنت رقعم کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا اس کے بعد بلا غسل مغیرہ نے مسجد میں آکر نماز پڑھائی۔ ابوبکرہ نے اسکی شکایت حضرت عمر سے کی اور علاوہ اپنے تین دیگر اشخاص بھی رویت کے گواہ ہونا بیان کیا۔ حضرت عمر نے ان گواہوں کو طلب کیا پہلے دن زیاد حاضر نہ آسکا اور ابوبکرہ نافع اور شبل بن معبد نے گواہی دی کہ ہم نے بچشم خود شیبہ کو اُم جمیل سے مجامعت کرتے دیکھا ہے۔ حضرت عمر نے جب ان سے یہ کہا کہ کیا تم نے اس طرح دیکھا ہے جیسے سُرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے۔ تب بھی ان لوگوں نے اثبات میں جواب دیا اور ان کے بیان میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا۔ اس کے بعد کسی اور دن جب زیاد حاضر آیا تو حضرت عمر نے کہا کہ میں ایسے شخص کو دیکھتا ہوں جس کی زبان کے سبب حق تعالیٰ مہاجروں کے ایک شخص کو ہرگز ذلیل وخوار نہ کرے گا" پھر حضرت عمر نے مزید تہدید اسکو کی کہ زیاد ناقص گواہی ادا کرے اور مغیرہ

بجائے۔ ان حالات میں زیادتے مضطرب گواہی دی اور واقعہ کی تفصیلات میں کچھ اصطلاحی اختلاف دیگر تین گواہوں سے پیدا ہوا (جن کو آج کل کا قانون بھی شہادت پر ہرگز موثر نہیں سمجھتا) بہرحال حضرت عمر نے تین آدمیوں کی شہادت کو رد کر کے مغیرہ کو بری کر دیا اور اُلٹے ابوبکرہ پر جھوٹی گواہی کی حد جاری کر دی۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اگر مجھے مغیرہ پر قابو ملے تو اس پر زنا کی حد جاری کروں گا۔

تاریخ عمر ابن الخطاب تالیف امام جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی کے ص۱۵۷ و ص۱۶۰ پر درج ہے:۔

"عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب عمر کو زخم مہلک لگا تو لوگوں نے کہا کہ امیرالمومنین آپ شربت پئیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے نبیذ پلاؤ۔ حضرت عمر کو تمام شرابوں میں نبیذ بہت محبوب تھی۔ نبیذ پلائی گئی لیکن وہ زخم کے راستے سے نکل گئی۔ اسوقت سب لوگوں کو آپکی موت کا یقین ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا اگر دُنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج چمکتا ہے میرے پاس ہوتیں تو میں ان سب کو اس کے بدلے میں دیدیتا جو اب میرے پر آنے والا ہے ...... قسم بخدا اگر تمام زمین سونا ہوتی تو میں اس عذاب الٰہی کے بدلے جو مجھ پر نازل ہونیوالا ہے اس سب کو دیدیتا قبل اس کے کہ میرے اوپر وہ عذاب نازل ہوتا" عنایت اللہ شاہ بخاری تحریرات الحدیث علیٰ احوال التحقیق ص۱۶۱ پر حضرت عمر کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک تیز و تند نبیذ پیا کرتے تھے کہ اگر کوئی اور پی لے تو اسکی عقل چلی جائے۔

حضرت عمر کے بعد طلحہ کو خلیفہ بنانے حضرت عائشہ کا منصوبہ

جرمن مورخ کورٹ فریشلر اپنی کتاب "عائشہ بعد از پیغمبر" میں جسکا فارسی ترجمہ ذبیح اللہ منصوری نے کیا ہے ص۳۹ پر رقمطراز ہے۔ طلحہ با این کہ حاکم فلسطین بود و میبایید پیوست در بیت المقدس باشد ولاکن بیشتر اوقاتِ خود در مدینہ و در خانۂ عائشہ میگذرانید و شہرت داشت کہ طلحہ ازیں جہت در خانہ عائشہ بسر میبرد کہ قرأتِ قرآن را از عائشہ یاد بگیرد۔ عائشہ از کمک طلحہ خیلے استفادہ کرد۔ ص۱۵۱ عائشہ نمے خواست کہ علی بخلافت انتخاب شود۔ اطلاع دارم کہ عائشہ با طلحہ مشغول کار است تا اینکہ طلحہ را بخلافت انتخاب کند گفتم من طلحہ را مے شناسم و میدانم مردے است طماع و حریص و کینہ توز و بے رحم و برائے خلافت صالح نے باشد ولے چوں عائشہ از وے طرفداری میکند بعید نیست کہ بخلافت برسد۔ من یقین داشتم کہ عائشہ تصمیم گرفتہ کہ طلحہ را بجائے عمر بنشاند۔ عائشہ خودش خود را بخانہ سرشناسان مدینہ فرستاد و از آنہا دعوت کرد کہ روز سوم ماہ محرم الحرام در سال بیست و چہارم بعد از ہجرت در تیمچۂ بازرگانانِ مدینہ جمع شوند و راجع بجانشینی عمر بن الخطاب تصمیم گیرند۔

عبارتِ صدر کا ہم اقتباسی ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

ص۳۹ کی عبارت: طلحہ باوجود اس کے کہ فلسطین کے حاکم تھے اور ہر وقت بیت المقدس میں رہنا ان کے لئے ضروری تھا مگر اپنے وقت کا زیادہ حصہ مدینہ میں عائشہ کے گھر میں گزارتے تھے اور شہرت یہ تھی کہ طلحہ قرأت قرآن سیکھنے کی غرض سے عائشہ کے گھر میں رہتے ہیں۔ عائشہ نے طلحہ کی مدد سے بہت کچھ استفادہ کیا۔

ہم یہاں طبقات ابن سعد جزو خامس حصّہ دوم مترجمہ مولانا عبداللہ عمادی مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ ۱۹۴۴ء ص ۱۴۱ کی ایک روایت کا حوالہ برمحل تصور کرتے ہیں کہ محمد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ طلحہ ہر سال جب ان کی آمدنی آتی تو عائشہ کو دس ہزار درہم بھیجتے تھے اسی روایت میں مذکور ہے کہ طلحہ کو علاقہ سراۃ سے دس لاکھ دینار کی آمدنی ہوتی تھی اور علاقہ عراق سے چار اور پانچ لاکھ کے درمیان آمدنی تھی ص ۱۴۲ طبقات پر عمر بن العاص سے روایت ہے کہ طلحہ نے ایک سو بہار سونا چھوڑا تھا۔ ہر بہار میں تین قنطار سونا تھا۔ ایک قنطار ایک سو رطل کا ہوتا ہے اور بہارُ بیل کی کھال کا تھیلہ ہوتا تھا (ایک رطل نصف کیلو کا ہوتا ہے اور اس طرح سونے کی یہ مقدار تیس ہزار (۳۰۰۰۰) رطل یعنی پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) کیلو قرار پاتی ہے جس کی قیمت آجکل کے حساب سے ڈھائی ارب روپیہ ہوتی ہے۔ روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ طلحہ نے جو جائداد چھوڑی اور نقد چھوڑا اسکی قیمت تین کروڑ درہم تھی۔ دو لاکھ دینار اور بائیس لاکھ درہم نقد اور باقی مال و جائداد تھی۔ کورٹ فریشلر کی صفحہ ۳۹۱ کی عبارت کا ترجمہ :- عائشہ نہیں چاہتی تھیں کہ علی خلیفہ بنیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ عائشہ طلحہ کے ساتھ مِل کر کام کر رہی ہیں۔ تاکہ طلحہ کو خلیفہ بنایا جائے۔ میں نے کہا کہ طلحہ کو میں جانتا ہوں وہ ایک طماع، حریص، کینہ دوز اور بے رحم شخص ہے اور خلافت کے قابل نہیں ہے۔ لیکن چونکہ عائشہ انکی طرفدار تھیں تو بعید نہ تھا کہ طلحہ خلیفہ بن جاتے۔ مجھے یقین تھا کہ عائشہ نے طلحہ کو خلیفہ بنانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔

شوریٰ اور خلافت حضرت عثمانؓ

روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال سے کئی سال پہلے سے بعض لوگوں کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ابو عبیدہ بن جراح (حضرت عمرؓ کے سمدھی) کی زندگی میں میں دُنیا سے اٹھوں تو میں ابو عبیدہ بن جراح کو خلیفہ بناؤں گا اگر خدا مجھ سے سوال کرے تو کہوں گا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سُنا ہے کہ ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے۔ اور میرے امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پھر کہا کہ اگر میرے مرتے وقت ابو عبیدہ بن جراح انتقال کر چکے ہوں تو میں معاذ بن جبل کو (جنھوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر سقیفہ بنی ساعدہ میں عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ ہی بیعت کی تھی) خلیفہ بناؤں گا۔ اگر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، ابو عبیدہ بن جراح اور عبدالرحمٰن میں اُن کی نسبت مجھ سے خدا نے سوال کیا تو میں کہوں گا کہ رسول اللہؐ سے میں نے سُنا ہے کہ معاذ بن جبل روز قیامت بوجہ بزرگی علماء کے گروہ میں شمار ہوں گے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں خلافت کے زیادہ مستحق ہیں اگر یہ دونوں آپکے اثنائے خلافت ہی میں فوت ہو چکے تھے) ڈاکٹر طہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں آپ (حضرت عمرؓ) نے فرمایا کہ اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں انکو خلیفہ بناتا، اگر سالم مولیٰ ابی حذیفہ زندہ ہوتے تو انھیں یہ امانت سپرد کرتا اور یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ قریشی نہیں تھے بلکہ وہ نسباً عرب بھی نہ تھے وہ بچپن ہی سے اصطخر سے لائے گئے تھے۔ ایک انصاری عورت نے جو انکی مالکہ تھی انکو آزاد کر دیا تھا پھر ابو حذیفہ قریشی کی ولاد (ولاء) میراث میں آئے۔

حضرت علی کو خلافت سے دور رکھنے حضرت عثمان کی خلافت کیلئے حضرت عائشہ کی جد و جہد

جرمن مورخ کورت فریشلر آلمانی اپنی کتاب "عائشہ بعد از پیغمبر" مترجمہ ذبیح اللہ منصوری بزبان فارسی صفحہ ۲۵ (ترجمہ ایرین) رقمطراز ہے:- چوں عائشہ بدانست کہ مردم از طلحہ متنفر ہستند و در برائے خلافت انتخاب نخواہند کرد آں "موقعہ سراقہ بن مالک المدلجی از عائشہ الہام گرفتہ دام المومنین او را ماموں کرد کہ در جلسۂ مشاورت نام عثمان برائے خلافت بر زبان بیارد۔ طرز عمل عائشہ از ایں قرار بود کہ "در آغاز اسم طلحہ را بر زبانہا بیندازد۔ ... یعنی عثمان د عائشہ موافقت شدہ کہ عائشہ برائے خلافت عثمان جدیت کند و او را بر جائے عمر بن الخطاب بنشاند و در عوض عثمان بر مستمری عائشہ بیفزاید و ہر سال از بیت المال پانصد ہزار درھم (پنج لک) باد مستمری بدہد)

عائشہ برائے خلافت عثمان زحمت کشید گرچہ کمکے عائشہ بہ عثمان کرد برائے مخالفت با علی بود و از یں جہت عثمان را میان آورد کہ علی خلیفہ نہ شود۔

عبارتِ صدر کا اقتباسی ترجمہ یہ ہے:- جب عائشہ کو پتہ چل گیا کہ لوگ طلحہ سے متنفر ہیں اور خلافت کیلئے انکا انتخاب نہیں کرینگے تو عائشہ نے سراقہ بن مالک کو مقرر کیا کہ جلسۂ مشاورت میں خلافت کیلئے عثمان کا نام لیں۔ عائشہ کا یہ عمل اسکے برخلاف تھا کہ پہلے وہ طلحہ کو خلیفہ بنانا چاہتی تھیں۔ مگر اب عثمان اور عائشہ میں معاہدہ ہو گیا تھا کہ عائشہ عثمان کو خلیفہ بنانے جد و جہد کریں اور اس کے معاوضہ میں عثمان خلیفہ ہونے کے بعد (بجائے ایک لاکھ اسی ہزار درھم کے) اضافہ کرکے پانچ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ بیت المال سے دیا کریں۔ عائشہ نے عثمان کیلئے جو زحمت اٹھائی وہ عثمان کی خاطر نہ تھی بلکہ علی کی مخالفت میں عثمان کا نام درمیان میں لایا گیا۔

حضرت عثمان کو خلیفہ کرنا حضرت عمر کے منصوبہ میں پہلے سے شامل تھا

کنز العمال میں ابو مجاز سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں سے دریافت کیا کہ میرے بعد تم کس کو خلیفہ کرنا چاہتے ہو۔ ایک شخص نے کہا زبیر بن العوام کو۔ حضرت عمر نے کہا ایسے آدمی کو خلیفہ کروگے جو بخیل اور بد اخلاق ہے۔ پھر اس شخص نے کہا ہم طلحؓ کو خلیفہ کرینگے حضرت عمر نے کہا کہ ایسے شخص کو خلیفہ کروگے جسنے رسول اللہؐ کی عطا کی ہوئی زمین ایک یہودیہ کے ہاں رہن کر دی۔ یہ سن کر ایک تیسرے شخص نے کہا کہ ہم علیؑ کو خلیفہ کرینگے۔ حضرت عمر نے کہا کہ قسم ہے میری جان کی تم علیؑ کو خلیفہ نہ کروگے اور بخدا اگر علیؑ کو خلیفہ کروگے تو چاہے تم ناخوش ہی کیوں نہ ہوں وہ تم کو امر حق پر قائم کئے بغیر نہ رہیں گے۔ یہ سن کر ولید بن عقبہ بولا میں سمجھ گیا کہ آپکے بعد خلیفہ کون ہوگا۔ حضرت عمر اٹھ کر بیٹھ گئے اور پوچھا کون ــــ؟ ولید نے کہا عثمان۔

حذیفہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر سے جب وہ مدینہ میں تھے، پوچھا گیا کہ آپ کے بعد کون شخص آپکا خلیفہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ عثمان بن عفان۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ صفحہ ۱۲۴ پر لکھتے ہیں:- "حضرت عثمان سے انہوں

(حضرت عمرؓ) نے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا کہ اگر تم خلیفہ ہو جاتا تو عوام پر بنی امیہ اور ابو معیط کا خاندان مُسلط نہ کر دینا...... اور حضرت عمرؓ نے انکو یہ وصیت بھی کی تھی کہ میرے مقرر کردہ گورنروں کو ایک سال تک معزول نہ کرنا۔ شوریٰ کے متعلق تواریخ میں جو روایتیں ملتی ہیں اور جن کا ذکر ہم نے بعد میں کیا ہے، وہ صاف ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایسا مستحکم بندوبست کر دیا تھا کہ حضرت علیؑ خلافت سے دور رہیں اور حضرت عثمان خلیفہ بن جائیں۔ سیوطی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خلافت کے لئے ان چھ آدمیوں سے زیادہ کسی کو مستحق نہیں سمجھتا جن سے رسول اللہؐ انتقال فرماتے وقت تک خوش رہے۔ ان چھ اشخاص میں سے بھی ہر ایک کو حضرت عمرؓ داغدار بتایا اور ہر ایک کے کچھ عیب تجویز کئے" الفاروق" صفحہ ۲۲۲ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

"تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علیؑ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن وقاص (حضرت عثمان کے چچا زاد بھائی) اور عبدالرحمٰن بن عوف۔ لیکن حضرت عمرؓ ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک مفصل مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں حضرت علیؑ کو سب بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے انکی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔"

مولانا شبلی اس پر نوٹ یہ لکھتے ہیں (صفحہ ۲۲۳):۔ "حضرت عمرؓ نے اور بزرگوں کی نسبت جو خوردہ گیریاں کیں گو ہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں چنداں کلام نہیں۔ البتہ حضرت علیؑ کے متعلق نکتہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی تمام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ" ان کے مزاج میں ظرافت ہے" یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ ظریف تھے۔ مگر صرف اسی قدر جتنا کہ ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔" ان چھ آدمیوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا اگر خلافت سعد کو ملے تو وہ اس کے مستحق ہیں ورنہ جس کو تم چاہو منتخب کر لو۔ حضرت عمرؓ نے ان چھ اشخاص کا شوریٰ مقرر کیا اور ان میں سے عبدالرحمٰن بن عوف کو سرپنچ بنا کر دو رایوں کا اختیار انکو دیا اور جیسا کہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

"حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا تھا کہ ان چھ آدمیوں میں سے تین تین آدمی اگر ایک طرف ہوں تو حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو حکم بنایا جائے اور یہ اس رائے سے اتفاق کریں جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں۔ یہ بھی وصیت کی تھی اگر پانچ شخص ایک رائے رکھتے ہوں اور ایک مخالفت کرے تو اسکی گردن مار دی جائے۔ اس طرح اگر دو شخص مخالفت کریں تو وہ بھی قتل کر دیئے جائیں۔" تاریخ کامل میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے امر امامت عثمانؓ، علیؑ، طلحہؓ، زبیرؓ عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص پر منحصر کیا اور صہیب سے ارشاد کیا کہ تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھائے اور ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں داخل کر کے ان کے سروں پر کھڑا ہو۔ پس اگر ان میں سے پانچ آدمی باہم اتفاق کر لیں اور ایک شخص اختلاف کرے تو اس کا سر اڑا دے اور اگر چار شخص متفق ہوں اور دو آدمی انکار کریں تو ان دونوں کا سر کاٹ دے اور اگر تین آدمی ایک رائے پر ہوں اور تین ایک رائے پر فیصلہ کے لئے (میرے بیٹے) عبداللہ بن عمرؓ کو حکم قرار دیا جائے۔ اگر یہ لوگ عبداللہ بن عمرؓ کا حکم بننا منظور نہ کریں تو جس گروہ میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں

اسکو اختیار کرکے باقی تین اشخاص کو قتل کر دیا جائے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ کے صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں:۔ "اس میں شک نہیں کہ شوریٰ کے لئے جو نظام ترتیب دیا گیا تھا اسمیں خامی تھی اور بڑی خامی تھی۔ حضرت علیؑ نے جب یہ بندوبست سُنا تو ابن عباس سے کہا کہ ہمارے خلیفہ ہونے کی کیا اُمید ہے؟ عبداللہ، عثمان کا داماد ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف چچا زاد بھائی ہے۔ سعد بن ابی وقاص عبدالرحمٰن کا ساتھی ہے، طلحہ و زبیر ہمارا ساتھ دیں بھی تو اپنی جان جوکھوں میں ڈالیں گے۔"

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنو اُمیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۳۵ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "پھر انہو (حضرت عمر) نے بھی اپنے مرتے وقت جمہور اور طریقہ انتخاب کی خوب دُرگت بنائی، چھ اشخاص کی کمیٹی کو اس ڈھنگ سے نامزد کیا کہ کسی طرح بھی خلافت ظاہری مولا علیؑ تک نہ پہونچنے پائے۔" ڈاکٹر صاحب موصوف صفحہ ۶۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "خلیفہ دوم نے جب اپنی حکومت کے دس سال پورے کئے تو اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں ایسی جمہوری طرز حکومت کو جس پر آج تک صحابہ پرست مسلمانوں کو ناز ہے، پھر ایک بار طرح طرح کی شرطوں سے مقید وصیت کے ذریعہ اتنا جکڑا کہ قبائے شریعت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے جسم پر ٹھیک نہ آسکی بلکہ وہ حضرت عثمان کے جسم پر فِٹ آئی۔" حضرت عمر کے اِنتقال و دفن کے بعد یہ شوریٰ انتخاب کے لئے بیٹھا۔ پس شیخ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ پہلے مشورہ کے لئے اپنی اپنی طرف سے تین آدمی منتخب کئے جائیں۔ چنانچہ زبیر نے علیؑ کی نسبت رائے دی اور سعد نے جو عبدالرحمٰن کے رشتہ دار تھے، عبدالرحمٰن کے لئے اور طلحہ نے عثمان کے لئے۔ چنانچہ ان تینوں حضرات نے خلوت کی۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ میں تو خلیفہ بننا نہیں چاہتا۔ اب تم میں سے جو خلافت سے بری ہو وہ امیر بنا دیا جائے گا اور اسکو امر خلافت ہم سپرد کر دینگے اور جو کوئی ہو سب سے ضروری یہ ہے کہ وہ افضل اُمت ہو۔ یہ سُن کر حضرت عثمان اور حضرت علیؑ خاموش ہو گئے۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ اچھا اب انتخاب کا کام میرے سُپرد کر دو۔

میں افضل آدمی کو خلیفہ مقرر کر دوں گا اور اس پر جب دونوں صاحب متفق ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؑ سے کہا کہ میں آپکو سنّتِ نبیؐ اور سیرت ابوبکر و عمر پر خلیفہ بناتا ہوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں سُنّتِ حضرتِ رسولؐ کا بیشک پابند ہوں مگر سیرت ابوبکر و عمر کا میں پابند نہیں۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے الگ لیجا کر وہی بات یعنی پابندی سنّتِ نبیؐ اور پابندی سیرتِ ابوبکر و عمر کی حضرت عثمان سے کہی۔ حضرت عثمان نے پابندی سیرت شیخین قبول کی اور عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کو خلیفہ بنا دیا۔

سیوطی کی دوسری روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؑ کو الگ لیجا کر کہا۔ چونکہ آپ پہلے اسلام لائے ہیں اور رسول اللہ کے قریبی عزیز ہیں اسلئے خلافت آپکا حق ہے اگر میں آپکو امیر بناؤں تو آپ عدل کریں اور اگر میں کسی اور شخص کو امیر کر دوں تو آپ اس کی اطاعت کریں۔ آپ نے اقرار کیا۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان کو

الگ لیجا کر آپ سے بھی یہی اقرار کرالیا اور ان سے بیعت کرلی۔

ان روایتوں کے اعتبار سے سب سے پہلے تو یہ قابل غور ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ ہم خلافت اس کے سپرد کردینگے جو خلافت سے بری ہو۔ اس شاطرانہ گفتگو کو سمجھنا مشکل ہے کہ یہ کس قسم کی چال ہے؛ اس کے بعد قابلِ غور یہ ہے کہ عبدالرحمن بن عوف نے حضرت علیؑ سے یہ کہا کہ آپ پہلے اسلام لائے اور رسول اللہؐ کے قریبی عزیز ہیں اسلئے خلافت آپکا حق ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کو الگ لیجا کر ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اس طرح انکو خلیفہ بنا دیا خلافت کا مستحق ایک کو بتانا اور بیعت دوسرے سے کر لینا یہ کسی قسم کی کاروائی ہے بالکل سمجھ سے باہر ہے۔
یہاں یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس موقع پر بھی اپنے حق خلافت اور جانشینی رسولؐ کا ادعا واضح الفاظ میں فرما دیا اور اپنی طرف سے اتمام حجت کر دیا۔ مگر افسوس ہے کہ سننے والا کون تھا۔ جواہر العقدین میں درج ہے اور دارقطنی نے ابو طفیل عامر بن واثلہ الکنانی سے روایت کی ہے کہ حضرت امیرؑ نے ان صحابیوں سے جن کو حضرت عمر نے شوریٰ میں مقرر کیا تھا ایک طویل گفتگو کی اس کے منجملہ یہ بھی تھا کہ میں تم کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ آیا تم میرے سوا اور کوئی ایسا شخص جانتے ہو جس کی نسبت حضرت رسول خدا نے فرمایا ہو کہ تم دوزخ اور جنت کی تقسیم کرنیوالے ہو سبھوں نے متفق ہو کر کہا خدا گواہ ہے آپکے سوا کوئی نہیں ہے۔ تاریخ کامل اور تاریخ ابو الفداء میں ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کیجانب سے حضرت عثمان کی خلافت کا اعلان ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے مل کر ہم پر غلبہ حاصل کیا ہو۔ خیر صبر بہتر ہے اے عبدالرحمن! خدا کی قسم تم نے عثمان کی بیعت اسی لئے کی ہے کہ امر امامت تمہاری جانب پھر جائے عبدالرحمن بن عوف بولے اے علیؑ! تم اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ حضرت علیؑ یہ فرماتے ہوئے کہ سیبلغ الکتاب اجلہ وہاں سے چلے آئے۔

روضۃ الاحباب جمال الدین محدث میں ہے کہ جب عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت عثمان کی بیعت کر چکے اور حضار مجلس نے اس باب میں ان سے موافقت کی تو حضرت علیؑ نے تعقل اور تامل فرما کر ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس میں تم کو قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا اصحاب رسولؐ میں میرے سوا کوئی ایک بھی ایسا ہے جس کو آنحضرتؐ نے موقع مواخاۃ پر اپنا بھائی قرار دیکر اس سے کہا ہو کہ تم میرے بھائی ہو دنیا و آخرت میں۔ حضارِ مجلس بولے کوئی نہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کیا میرے سوا کوئی تم میں ایسا ہے جس کی شان میں رسول مقبولؐ نے فرمایا ہو کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ مولا ہے۔ سب نے کہا ہرگز نہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کیا میرے سوا کوئی تم میں ایسا ہے جس سے پیغمبر خدا نے فرمایا ہو کہ تم میرے لئے اسی منزلت پر ہو جس منزلت پر موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ تھے۔ صحابہ حضار نے کہا کہ نہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کیا میرے سوا کوئی تم میں ایسا ہے جس کو جناب رسالتمآبؐ نے تبلیغ سورۂ برات پر مقرر و مؤتمن فرما کر ارشاد فرمایا ہو کہ امر رسالت کو سوا میرے یا ایسے شخص کے جو میرے اہلبیتؑ سے ہو کوئی اور ادا نہیں کرسکتا۔ سب بولے کوئی نہیں۔
حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ سید البشر و شفیع روز محشر نے اکثر سریوں میں جملہ مہاجرین و انصار پر مجھے امیر

بنا کر بھیجا اور میری متابعت کا حکم دیا اور مجھ پر کبھی کسی کو امیر نہیں کیا۔ حاضرین بولے بیشک ایسا ہی ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ سید المرسلینؐ و مجتمع اولین و آخرینؐ نے میرے علم کے اعلام کو بلند فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔ سب نے کہا کہ بیشک ہم جانتے ہیں حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اصحاب رسولؐ نے اکثر آنحضرتؐ کو میدانِ جنگ کے خطرناک مقام میں درمیان اعداء چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کی مگر میں نے کسی خوفناک معرکہ میں آنحضرتؐ سے تخلف نہیں کیا۔ اپنی جان کو آنحضرتؐ کی جان عزیز و جسم مقدس پر فدا کرنے کے لئے موجود رہا۔ سب نے کہا کہ درحقیقت ایسا ہی ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ جس نے سب سے پہلے دائرہ ایمان و اسلام میں قدم رکھا وہ میں ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم جانتے ہیں پھر حضرت علیؑ نے پوچھا کہ ہم سب میں کون شخص از روئے نسب کے رسولِ مقبولؐ سے قریب تر ہے۔ سب نے متفق اللفظ عرض کیا کہ بیشک رسول اللہؐ کے ساتھ آپ کا مرتبۂ قرابت اور اقربیت ہر طرح ثابت و مسلّم و راسخ و محکم ہے۔ حضرت علیؑ یہ تقریر کر رہے تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ اے ابوالحسن! جن فضائل کو تم نے گنایا اور بیان کیا ان کے اقرار و اعتراف سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا مگر چونکہ اکثر لوگوں نے عثمان کی بیعت کی ہے لہٰذا متوقع ہوں کہ تم بھی ان کے ساتھ موافقت کرو گے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ واللہ تم خوب جانتے ہو کہ مستحق خلافت کون شخص ہے لیکن افسوس ہے کہ جان بوجھ کر اس سے اعراض کرتے ہو۔ تاریخ ابن جریر میں ہے کہ پھر حضرت علیؑ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا (سورہ نساء آیت ۱) یعنی اس خدا سے ڈرو جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور خوف کرو قطع رحم سے۔ بیشک اللہ تمہارے افعال کا نگران ہے۔

مسند میں ابی وائل سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف سے پوچھا گیا کہ تم نے حضرت عثمان سے کن وجوہات کی بناء پر بیعت کی اور حضرت علیؑ کو کن دلائل پر ترک کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اولاً میں نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ میں آپ سے حکم خدا اور سنتِ رسولؐ اور سیرت ابوبکر و عمر خطاب کے مطابق بیعت کروں۔ حضرت علیؑ نے اثباتی جواب نہ دیا پھر میں نے وہی بات حضرت عثمان سے پوچھی اور انہوں نے جواب دیا ہاں! واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے کہ "خلافت علیؑ کے سامنے پیش کی گئی۔ ان سے خدا اور رسولؐ کے علاوہ اتباعِ شیخین کا مطالبہ کیا گیا۔ انہوں نے خدا کی کتاب اور سنت رسولؐ پر عمل کرنا منظور کر لیا مگر سیرتِ شیخین کو تسلیم نہ کیا اور کہا میں اپنی صوابدید کے مطابق حکومت کروں گا"۔

عبدالرحمٰن بن عوف کا پابندی سیرتِ شیخین کی شرط حضرت علی علیہ السلام کے سامنے رکھنا ظاہر بظاہر اس مطلب سے تھا کہ آپکو اس موقع پر بھی خلافت سے محروم کیا جائے۔ سب کو معلوم تھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے سینکڑوں مرتبہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کی غلطیوں کی اصلاح فرمائی تھی اور مسائل شرعی ہمیشہ شیخین آپ سے پوچھا کرتے تھے اور حضرت عمر کبھی لولا علی لھلک عمر کہتے تھے اور کبھی کہتے تھے کہ خدا مجھے زندہ نہ رکھے اگر علیؑ حل مشکلات کے لئے موجود نہ ہوں۔ جن لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح حضرت علی فرماتے رہے ہوں ان کی سیرت کی پابندی کا اقرار کیسے کرتے۔ جن لوگوں کی سیرت میں غلطیاں کرنا بھی شامل ہو ان کی سیرت کی پابندی کے معنی یہ تھے کہ ان غلطیوں کا خود کو بھی پابند بنالیا جائے۔ یہ شرط حضرت علیؑ کے سامنے رکھی ہی اس وجہ سے گئی تھی کہ یہ معلوم تھا کہ آپ اس کو ہرگز قبول نہ کریں گے اور پھر الزام حضرت علیؑ پر ہی رکھ کر

ان کو خلافت سے علیحدہ رکھ دیا جائیگا۔ بہر حال اس واقعہ سے اس امر کی توثیق ضرور ہوگئی کہ حضرت علیؑ سنت رسولؐ اور سیرت شیخین میں فرق سمجھتے تھے ورنہ اگر سیرت شیخین کو مطابق سنت رسول جانتے تو اس شرط کے ماننے سے انکار نہ فرماتے۔ یہ کس قسم کے ماننے باتوں میں جکڑا ہوا شوریٰ تھا کہ حضرت عثمان کے بہنوئی کو دو رائیوں کا اختیار دیا جائے پھر حضرت عمر کے فرزند سے مشورہ کی نمائش اور فرزند کو یہ حکم کہ حضرت عثمان کے بہنوئی کی تائید کریں۔ اب اس قتل نامہ پر غور فرمائیے کہ چھ آدمیوں میں سے پانچ ایک طرف ہوں اور ایک اختلاف کرے تو اسکو قتل کر دیا جائے۔ دو اختلاف کریں تو دونوں کو اور تین تین رائیں برابر بھی ہوں تو حضرت عثمان کے خلاف رائے دینے والے تینوں افراد کو قتل کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرت علیؑ کے قتل کا مکمل اقدام تھا کہ آپ اور جو کوئی آپ کا ساتھ دے قتل کر دیا جائے۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کو روبہ عمل لانے حضرت عمر کے بنائے ہوئے اس شوریٰ کی JUGGLERY کو بجائے تفصیلی تنقید کے ہم ناظرین با تمکین کے غور و فکر کے حوالہ کرتے ہیں۔

حضرت عثمان کی اقربا پروری کی شکایت اور بعض صحابہ سے بدسلوکی

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری اور جنگ جمل کے فتنہ کے پس منظر کا اندازہ کرنے کے لئے ہم بعض تاریخی واقعات بحوالۂ اسناد بخاری، سیوطی، بلاذری اور طبقات ابن سعد وغیرہ اور شبلی نعمانی کی الفاروق سے اقتباس کر کے درج کر دیتے ہیں۔ زہری کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے بارہ سال تک خلافت کی چھ سال تک کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی بلکہ آپ کو قریش حضرت عمر کی بہ نسبت زیادہ اچھا سمجھتے تھے کیونکہ حضرت عمر کے مزاج میں شدت زیادہ تھی لیکن پھر آپ نے بہت نرمی کرنی اور اپنے اعزا و اقرباء کو عامل بنانا شروع کیا اور مروان کو ملک آفریقہ کا خمس معاف کر دیا۔ یہ مروان وہ شخص تھا جس سے حضرت رسول خداؐ نے منجملہ دیگر لوگوں کے کاتب وحی کا کام لیا تھا۔ ایکمرتبہ اس نے آل عمران کی بجائے آل مروان تحریر کر دیا اس بناء پر حضرت رسولؐ نے اسکو مدینہ سے دو فرسخ کے اندر آنے سے منع فرما دیا۔ جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اسکو چار فرسخ دور کر دیا اور حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں مزید دو فرسخ پیچھے ہٹا دیا۔ مروان کے متعلق حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ لوگ اولاد جنتے ہیں مگر مروان کے باپ نے اپنا باپ جنا ہے۔ اسی مروان کی بہن سے حضرت عثمان نے شادی کر کے اسکو اپنا وزیر خاص بنا دیا اور ملک آفریقہ کا خمس (۵) لاکھ دینار (ایک کروڑ روپے) اس کو بخش کر فدک اسکی جاگیر میں دیدیا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی خلافت وملوکیت کے ص۱۰۶ پر لکھتے ہیں: اس روایت سے حقیقت یہ ظاہر ہوئی کہ حضرت عثمان نے آفریقہ کی پہلی جنگ کا خمس (۵) لاکھ دینار (ایک کروڑ روپے) اس کو بخش کر فدک اسکی جاگیر میں دیدیا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی "خلافت وملوکیت" کے ص۱۰۶ پر لکھتے ہیں "اس روایت سے حقیقت یہ ظاہر ہوئی کہ حضرت عثمان نے آفریقہ کی پہلی جنگ کا خمس عبداللہ بن سعد کو عطا کیا تھا اور دوسری جنگ جسمیں آفریقہ کا پورا علاقہ فتح ہوا تھا۔ اس کا خمس مروان کو عطا کیا۔" استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو ابوسفیان ان کے پاس آکر کہنے لگے کہ بنی تیم اور بنی عدی کے بعد اب خلافت تم کو پہونچی ہے تو اس کو گیند کی طرح ادھر ادھر چلاؤ اور بنی امیہ کے ذریعہ اسکی بنیادوں کو مضبوط کر دو کیونکہ یہ سلطنت ہے۔ رہ گیا جنت اور دوزخ کا قصہ اسکو تو میں کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ مروج الذہب مسعودی جلد اول ص۴۳۳ پر مذکور ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد حضرت عثمان نے پتھر کا ایک نقش و نگار والا مکان تعمیر کروا دیا اور سرداوہ ساگوان کے دروازے لگوائے جس روز وہ قتل کئے گئے ان کے ذاتی خزانچی کی تحویل میں

ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور دو کروڑ درہم نقد موجود تھے۔ علاوہ جائیداد غیر منقولہ کے جو وادی القریٰ اور حبشن میں تھی۔ ایک لاکھ دینار اور صحراؤں کے اندر بے شمار گائیں بھیڑیں اور اونٹ تھے مسعودی امروج الذہب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے عاملوں میں سے ایک ان کا اخیافی بھائی ولید بن عقبہ تھا جس کے جہنمی ہونے کی خبر حضرت رسول خدا نے دی تھی یہ تمام رات شراب پیتا اور اسی حالت میں صبح مسجد میں آکر نماز فجر کبھی چار رکعت پڑھاتا اور سجدہ میں دیر تک پڑا رہتا اور بجائے ذکر سجدہ کے یہ کہتا "پی اور مجھے پلا"۔ یہ سن کر مصلیوں نے کہا ہم اس عامل پر تو تعجب نہیں کرتے مگر اس خلیفہ پر تعجب کرتے ہیں جس نے اسکو حاکم بنایا ہے۔ جب ابو جندب اور ابو زینب ولید بن عقبہ کی شکایت لیکر آئے تو حضرت عثمان نے انکو ڈانٹا اور سینہ پر دھکا دیکر فرمایا کہ میرے پاس سے نکل جاؤ۔ حضرت عثمان نے اپنے اقرباء کو بہت سا مال بھی دے ڈالا۔ حضرت عثمان اسکی تاویل میں فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابو بکر و عمر نے نہیں کیا مگر میں خدا کے حکم کے موافق صلۂ رحم کرتا ہوں (طبقات ابن سعد و کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ ص۵۳ وطبقات ابن سعد و مروج الذہب و بخاری و کتاب الزکوٰۃ و کذاب التفسیر میں درج ہے کہ حضرت عثمان نے حارث بن حکم بنو اُمیہ کو بوجہ رشتہ داری تین لاکھ درہم مسلمانوں کے پیسہ میں سے دیدیئے اور زید ابن ثابت کو ایک لاکھ درہم دیئے ادھر مروان، حارث اور زید کے ساتھ یہ عمل کیا اور تمام گورنریاں اور عہدے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیئے اور ادھر ابوذر غفاری اور عبد اللہ ابن مسعود کا مقررہ عطیہ بھی گورنمنٹ کی ملکیت میں ضبط کر لیا اور حضرت عثمان کے غلط اعمال پر اعتراض کرنے اور آیات قرآنی و احادیث رسولؐ سنانے کی وجہ سے ابوذر غفاری کو مجنون اونٹ کی پشت پر بٹھا کر ربذہ شہر بدر کر دیا جو مدینہ سے تین منزل صحرا میں ایک مقام تھا۔ جہاں کس مپرسی کے عالم میں ان کا انتقال ہوا اور بھی چند صحابہ جلاوطن کئے گئے۔

علامہ ابن ابی الحدید نے زہری سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں بادشاہ عجم کے خزانہ سے ایک بہت بڑا ہیرا لایا گیا تھا جس کا کوئی خریدار بوجہ اس کے بیش قیمت ہونے کے پیدا نہ ہو سکا۔ یہ ہیرا بیت المال میں رہا۔ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو بیت المال سے لیکر ہیرا انہوں نے اپنے بیٹوں کو دیدیا نیز ابن ابی الحدید نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان کے ترکہ سے اُن کی ہر زوجہ کو آٹھواں حصہ ۸۳ ہزار دینار ملا اور ان کی تین یا بروایتے چار زوجائیں تھیں۔ اس طرح صرف ان کی ازواجوں کو تین لاکھ تیس ہزار دینار یا ۶۶ لاکھ درہم ترکہ ملا۔ یہ ⅛ حصہ ہے۔ اس طرح ان کا جملہ ترکہ ۲۶ لاکھ ۵۶ ہزار دینار یا ۵۳ کروڑ بارہ لاکھ درہم ہوا۔

یورپ کا مشہور مورخ ڈوزی لکھتا ہے اس بوڑھے خلیفہ کی بد قسمتی یہ تھی کہ اسکو اپنے اعزاء و اقربا سے بڑی محبت تھی مکہ کے وہ لوگ جنہوں نے ۲۰ برس تک رسولؐ کو ایذائیں پہونچائی تھیں بہت جلد ان پر حاوی ہو گئے۔ ان کا چچا ہشام اور چچیرا بھائی مروان ہی حقیقت میں اصلی حکمران تھے۔ گو نام ذمہ داری اور خلیفہ کا خطاب عثمان کے سر منڈھا ہوا تھا۔ ڈوزی نے مزید لکھا ہے:۔

The personality of Osman did not justify his election to caliphate.

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد "امہات الامہ" میں لکھتے ہیں "اتنا کہے بدون نہیں رہ سکتے کہ عثمان اپنی بیجا اور تحکمانہ اور خود سرانہ کاروائیوں کی وجہ سے قتل کے تو نہیں عزل کے مستوجب ضرور تھے ۔"

ذیل میں ہم حضرت عثمان سے متعلق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے بعض ریمارک اور روایات کا حوالہ دیتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب "فتنۃ الکبریٰ" (حصہ عثمان) میں درج کئے ہیں۔ ص۲۷۵ "حضرت عثمان کے حامیوں کا یہ کہنا معقول نہیں ہے کہ وہ بے قصور ہیں ۔" ص۲۹۷ مورخین کا بیان ہے کہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان کے ہاتھوں لوگوں کو جو کچھ پہونچا اس سے زیادہ بُرا سلوک شاید ہی کسی نے کسی کے ساتھ کیا ہو ۔" ص۲۵۹ "پھر جن لوگوں نے حضرت عثمان سے اختلاف کرکے انکے خلاف بغاوت کی اور انکی جان تک لے لی۔ انہوں نے یہ سب کچھ بلا سبب نہیں کیا ۔" ص۲۱۹ "آپ (حضرت عثمان) جس مسلک کے پابند تھے اسمیں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہے" ص۲۸۶ "حضرت عثمان کا طور طریقہ ایک تو سنّتِ موروثہ کے خلاف ہے اور دوسرے لوگوں پر ظلم ہے" ص۲۷۹ "حضرت عثمان کی مالی پالیسی ان کے پورے دورِ خلافت میں زیادہ تر قابلِ اعتراض رہی بہت سے ان کے معاصرین نے بحر راویوں اور مورخوں نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا ہے"۔ ص۱۳۷ "بیت المال کے معاملہ میں خود حضرت عثمان کی روش مدینہ منورہ میں اس سے زیادہ خطرناک ہے جسکو حضرت سعدؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے" ص۲۸۶ "حضرت عثمان کی مالی پالیسی کے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں اور دونوں بُرے ایک تو عوام کے مال کا بیجا اور غلط استعمال جس سے مالیات میں ابتری پیدا ہوتی ہے اور رعایا پر ظلم ہوتا ہے۔ دوسرا سرمایہ داروں کے طبقہ کی پیدائش جس کے حرص و طمع کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ ..... جو امتیاز اس کے اندر نہیں ہے۔ اپنے کو اس کا مالک تصوّر کرتا ہے۔ پھر اقتدار کے حصول کے لئے مقابلہ پر آتا ہے اور ..... امارت اور خلافت کا خواہاں بنتا ہے بالآخر معاملہ فتنہ و فساد کے اس مرحلہ تک پہونچتا ہے جہاں مسلمانوں کی بات بگڑ جاتی ہے" ص۲۸۳ "بڑی ناگواری اور افسوس کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کے متعلق حضرت عثمان کا نقطۂ نظر وہی ہے جو زیاد نے اپنے مشہور خطبہ میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے" لوگو! اب ہم تمہارے حاکم اور حامی بن گئے ہیں اس اقتدار کی بدولت جو خدا نے ہم کو دیا ہے۔ ہم تم پر حکمرانی کرتے ہیں اور اس ٹیکس کے عوض جس کی وصولی کا خدا نے ہم کو حقدار بنایا ہے ہم تمہاری (مسلمانوں کی) حفاظت کرتے ہیں ۔" ص۲۸۴ " حضرت عثمان نے اجتہاد کیا، رشتہ داروں کو نوازا اور اپنی ذات پر کبھی سختی نہ کی کیا اب بھی ہم کو ضرورت رہ جاتی ہے کہ ہم اس روایت کی صحت پر بحث کریں جسمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت عثمان نے مروان بن الحکم کو افریقہ کے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ یا خمس کا پانچواں حصہ دیا، یا خمس کی جو قیمت انکی طرف باقی رہ گئی تھی اس کو بخشدی یا جسمیں مذکور ہے کہ آپ نے اپنے چچا حکم اور ان کے لڑکے حارث کو تین لاکھ دیا اور عبداللہ بن خالد بن سعید اموی کو (۳) لاکھ بخش دیا اور ان دس آدمیوں کو جو خالد کے ساتھ آئے تھے ایک ایک لاکھ دیا یہانتک کے

بیت المال کے خزانچی عبداللہ بن ارقم نے رقم دینے سے انکار کردیا اور اپنے عہدہ سے مستعفی ہوگئے۔ انھیں عبداللہ بن ارقم کو حضرت عثمان نے استعفیٰ کے بعد (۳) لاکھ کی رقم پیش کی لیکن انہوں نے زہد و تقویٰ کے پیش نظر لینا منظور نہیں کیا۔ حضرت عثمان نے زبیر بن العوام کو ۶ لاکھ اور طلحہ بن عبید اللہ کو ۲ لاکھ سعید بن العاص کو ایک لاکھ کا عطیہ دیا اور اپنی تین یا چار لڑکیوں کا بعض قریشیوں سے عقد کیا تو ہر ایک کو ایک ایک لاکھ دینار (یعنی ۲۰ لاکھ درہم) فی کس دیا۔ پھر کھلی بات ہے کہ ان کے گورنروں نے بھی یہی مسلک اختیار کیا" عطیات دیئے، قرض لئے بعضوں نے قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیا اور اسی سلسلہ میں عبداللہ ابن مسعود خزانچی کوفہ کو گورنر کوفہ کے بیت المال سے رقم لینے پر معترض ہونے پر اپنے عہدہ سے استعفیٰ دینا پڑا اسی طرح عبداللہ بن ارقم کو مدینہ میں مستعفی ہونا پڑا۔ حضرت عثمان نے (اپنے چچازاد بھائی) حارث بن حکم کو بنی قعقاع کے صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا۔ جب وہ رقم لیکر آئے تو انہوں نے وہ سب رقم ان کو بخش دی۔

حضرت عثمان کی سخاوت مال منقولہ تک محدود نہ تھی۔ وہ غیر منقولہ جائیدادیں بھی عطیہ فرماتے تھے۔ چنانچہ اعتراض کرتے ہوئے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے بنی اُمیّہ کو بڑی بڑی زمین عطیہ کی ہیں —" (اوپر کی سب عبارت اور نیچے کی بھی ساری عبارت ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب ہی کی ہے)

"معتزلہ اور اہلسنت ان عطیات کے بارے میں جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے یہ کارروائی زمینوں کی درستگی اور ان کو زراعت کے قابل بنانے کے خیال سے کی ہے اور آپکا یہ عمل مسلمانوں کی ایک خیر خواہی ہے۔ شیعوں نے اس جواب سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ زمینوں کے عطیات کی حضرت عثمان نے خود یہ توجیہ نہیں کی ہے۔ شیعہ تو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ پورے قریش میں بنی اُمیہ کچھ زمین کی درستگی کے اسپیشلسٹ نہیں تھے اور نہ سارے عرب میں قریش ہی بڑی ہوئی زمینوں کی کاشت کے بڑے ماہر تھے اور نہ تمام مسلمانوں کو چھوڑ کر صرف عربوں کو اس میں خاص مہارت حاصل تھی۔ بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس نظریہ کا نتیجہ ہے جو خلیفہ اور اس کے اقتدار کے متعلق حضرت عثمان نے قائم کر رکھا تھا اور ان اختیارات کے اثرات ہیں جن پر حضرت عثمان اور ان کے عمال مطمئن تھے۔" ص۲۹۰ و ص۲۹۱ "لیکن حضرت عثمان حد سے بڑھ گئے اور اپنے گورنروں کو رعایا پر تشدد کرنے کا، مارنے پیٹنے کا، جلاوطن کرنے کا اور قید کرنے کا موقع دیا اور خود انہوں نے ابوذر غفاری کو تنگ کیا، جلاوطن کیا۔ دو (اور) جلیل القدر صحابیوں کو مارا یا مارنے کا حکم دیا۔ عمار بن یاسر کو اتنا مارا کہ وہ فتق کی بیماری میں مبتلا ہوگئے۔ عبداللہ ابن مسعود کو مسجد نبوی سے اس بُری طرح نکلوایا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اہلسنت اور معتزلہ خواہ کتنی ہی جوابدہی کریں لیکن حضرت عثمان بہرحال حدود سے متجاوز ہیں۔ حضرت عثمان نے ان کے بارے میں اپنے حاکموں کی سُن لی۔ اپنے مقربوں کا کہنا مان لیا اور بلا دلیل انکو سزائیں دیں۔ انکو ایسا کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔" ص۲۹۲ "یہ انتہائی سخت گیر پالیسی جو خلیفہ اور اس کے حاکموں نے لوگوں کے امن و آزادی پر اور لوگوں کی جانوں پر مسلط کردی تھی۔ آنحضرت اور شیخین کی سیرت سے اسکو کوئی نسبت نہیں ..... حیرت کی بات ہے کہ حضرت عثمان اور ان کے گورنروں کی سیاست ہم کو زیاد کی سیاست کی یاد ایک سے زائد مرتبہ دلاتی ہے۔ ص۱۹۵" اس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں کہ

حضرت عثمان نے سعدؔ کو معزول کر کے ولیدؔ اور پھر سعیدؔ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ ابو موسیٰ کو معزول کر کے بصرہ کا حاکم عبداللہ بن عامر کو بنایا۔ امیر معاویہ کو سارے ملک شام کی حکمرانی دیکر ممکنہ حد تک ان کی حکومت وسیع کر دی حالانکہ شام متعدد صوبوں کا مجموعہ تھا اور وہاں کے حکمرانوں میں قریش اور دوسرے عرب شریک رہا کرتے تھے۔ مصر سے عمر بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو مقرر کیا۔ اور یہ سب حکمران حضرت عثمان کے رشتہ دار ہیں۔ کوئی رضاعی بھائی ہے، کوئی ماں کی طرف سے انکا بھائی ہے۔ کوئی ماموں ہے۔ کوئی اُمیہ بن عبد الشمس سے قریبی نسبت رکھنے کی وجہ سے آپ کا عزیز ہے۔ یہ ہیں وہ حقیقتیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔" صـ۱۳۳ " سعدؔ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ کا تقرر کیا حالانکہ خود عام مسلمان ولید بن عقبہ سے مطمئن نہ تھے اس لئے کہ اس نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا اور آپ پر بہتان باندھا۔ اسلام کے بعد کفر کی آلائش سے آلودہ ہوا"

صـ۱۳۷ "حضرت عثمان نے عمر بن العاص کو معزول کر کے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح راستباز آدمی نہ تھا۔ مسلمان بھی اس سے خوش نہ تھے۔ پھر یہ وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادتی کی اور حد سے بڑھا ہوا مذاق کیا۔ قرآن مجید نے اسکی تکفیر اور بُرائی کی ہے۔ یہ عبداللہ قرآن مجید کا مذاق کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ اللہ کی طرح میں بھی قرآن اتار دوں گا۔ آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن جن لوگوں کے خون کا اعلان کیا تھا اسمیں یہ عبداللہ ابن ابی سرح بھی تھا۔" صـ۱۴۷ "حضرت عثمان کی ایک اور بات ہے جس پر ان کے مخالفوں کو اعتراض ہے جس میں عذر داری کی گنجائش ہم کو نظر نہیں آتی۔ حضرت عثمان نے اپنے چچا حکم بن العاص (مروان کے باپ) اور اس کے متعلقین کو مدینہ میں واپس بُلا لیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلعم نے ان کو نہایت سختی کے ساتھ مدینہ سے نکال دیا تھا۔ حکم بن العاص کا مکان عہد جاہلیت میں آنحضرت صلعم کے پڑوس میں تھا۔ حکم اپنے شریف پڑوسی کو بُری سے بُری اذیت پہونچاتا تھا۔ یہی حکم تھا جس نے حضرت عثمان کو اسلام لانے کی سزا میں رسی سے باندھ دیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک اپنے باپ دادا کے دین پر واپس نہ آجائیں ان کو اسی طرح رکھوں گا ...... حکم فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو کر مدینہ آیا۔ لیکن اسکا اسلام موت سے بچنے کی ایک ترکیب تھی ثبوت یہ ہے کہ وہ اس کے بعد پھر وہی باتوں اور حرکتوں سے آنحضرتؐ کو تکلیفیں پہونچاتا تھا۔ چنانچہ آپکے پیچھے پیچھے جاتا آنکھوں سے اشارے کرتا۔ تمسخر کے ساتھ آپکے جیسی حرکتیں کرتا۔ ایک دفعہ وہ آپکے حجرے میں دفعتہً آگیا۔ آپؐ غصہ میں باہر نکل آئے اور اُسکو پہچان کر فرمایا اس بدوی کے لئے کون میری مدد کرے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے اسکو مدینہ سے نکال دیا اور فرمایا کہ وہ جیتے جی میرا پڑوسی نہیں رہ سکتا۔ حضرت عثمان نے جب وہ خود خلیفہ ہوئے تو حکم کو مدینہ میں واپس بُلا لیا۔"

" حضرت عثمان نے حکم اور ان کے لڑکوں کے ساتھ بعد میں جو کچھ کیا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انکو مدینہ بُلانے کا مقصد یہ تھا کہ انھیں مواقع کے لئے ترجیح دیں اور ان کی وجہ سے دوسروں پر برتری حاصل ہو۔ چنانچہ آپ نے حکم کو بہت زیادہ مال دیا اور اسکی موت کے بعد اس کی قبر پر ایک خیمہ بنا دیا۔ حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار پر (حاکم) مقرر کر دیا۔

جس نے اپنی ذات اور دوسروں پر بڑی زیادتی کی۔ اس نے ایسی روش اختیار کی جس کو راستبازی اور تقویٰ سے کوئی نسبت نہ تھی البتہ اسمیں حرص وطمع اور بہت زیادہ دولت جمع کرنے کی خواہش تھی۔ پھر حضرت عثمان نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ حارث کو بہت زیادہ مال دیا۔ پھر مروان بن حکم پر خاص عنایت کی۔ اس کو عطیات دیئے، مقرب بنایا اور اپنا وزیر اور مُشیر کیا۔ خلافت کے ساتھ ہی سب سے پہلا مقدمہ جو حضرت عثمان کے سامنے پیش ہوا وہ عبیداللہ بن عمر کا تھا حضرت عثمان نے اس کا کیا تصفیہ کیا، محتاج غور ہے۔ ڈاکٹر طہٰ حسین نے فتنۃ الکبریٰ کے صفحہ ۹۰ و صفحہ ۹۱ پر اسکو اس طرح درج کیا ہے۔

"ابولولو نے جب حضرت عمر کو زخمی کر دیا تو ان کے بیٹے عبیداللہ بن عمر نے ابولولو اور ایک مسلمان ہرمزان اور اس کے عیسائی جفینہ کو کانا پھوسی کرتے دیکھا اور ان کے ہاتھ میں وہی خنجر دیکھا اور جب حضرت عمر کا انتقال ہو گیا تو عبیداللہ ابن عمر ننگی تلوار لیکر نکلے اور ہرمزان تک پہونچ کر اسکو قتل کر دیا۔ اس کے بعد جفینہ کے پاس پہونچے اور اسے قتل کر دیا۔ پھر ابولولو کے گھر پہونچے اور اس کی بیٹی کو قتل کیا۔ حضرت صہیب نے، جو اسوقت نماز پڑھانے کی خدمت پر مامور تھے، خبر پاکر لوگوں کو بھیجا کہ وہ عبیداللہ بن عمر کو مسلمانوں کے قتل سے روکیں۔ سعد بن ابی وقاص نے انھیں قابو میں کر لیا اس کے بعد وہ مقید کر دیئے گئے تاکہ خلیفہ ان کا فیصلہ کرے۔ بیعت کے معاملہ سے فرصت پاتے ہی حضرت عثمان نے ان مسلمانوں سے جو عبیداللہ بن عمر کے سلسلہ میں آپکے پاس آئے تھے، مشورہ کیا۔ عبیداللہ نے خود ہی انتقام لیا اور وہ بھی بلا دلیل۔ انہوں نے ناحق ایک مسلمان اور ذمیوں کو قتل کر دیا۔ فقہا اور اہل بصیرت نے، جن میں خود حضرت علیؑ بھی شامل ہیں، عبیداللہ سے قصاص لینے کا فیصلہ کیا اسلئے کہ انہوں نے کھلے طور پر اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حدود سے تجاوز کیا لیکن بہت سے مسلمانوں نے یہ کہکر کل عمر کو شہید کیا گیا اور آج ان کا بیٹا مارا جائے، مخالفت میں اپنی رائے دی۔ عمرو بن العاص نے حضرت عثمان سے کہا کہ میاں! اللہ نے آپکو اس قضیہ سے بچا لیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اب آپ مداخلت نہ کیجئے۔ حضرت عثمان نے کیا فیصلہ کیا اس کے متعلق راویوں کا اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ انہوں نے قصاص کا فیصلہ کیا اور عبیداللہ کو ہرمزان کے بیٹے کے حوالے کر دیا کہ وہ ان سے باپ کے خون کا بدلہ لے لے۔ لیکن مورخین کی اکثریت کا خیال ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں ہرمزان اور دوسرے مقتولین کا ولی ہوں، قاتل کو معاف کرتا ہوں اور بیت المال میں رکھے ہوئے اپنے مال سے خون بہا ادا کرتا ہوں۔" بہت سے متشدد مسلمان حضرت عثمان کے فیصلہ سے خوش نہ تھے چنانچہ انصار میں سے ایسے لوگ تھے جو عبیداللہ کو ہرمزان کے قتل کی یاد دلاتے رہتے تھے اور دھمکی دیا کرتے تھے کہ وہ اسکا بدلہ ضرور لیں گے۔ زیاد بن سعید بیاضی جب کبھی راستہ میں عبیداللہ کو مل جاتا کہتا کہ عبیداللہ تم بچ نہیں سکتے۔ حضرت عثمان کی پناہ کام نہ آئیگی یہ ہرمزان کا خون ضرور رنگ لائے گا۔ عبیداللہ نے زیاد کی شکایت حضرت عثمان سے کی اور انہوں نے زیاد کو سختی سے منع کیا لیکن اس نے ایک نہ سُنی اور حضرت عثمان کو خطاب کرتے ہوئے حسب ذیل اشعار کہے۔

ترجمہ:- "ابو عمر! عبیداللہ ہرمزان کے قتل میں ماخوذ ہے اسمیں شک وشبہ کی گنجائش نہیں اگر تم اس کا مجرم معاف کر دوگے اس حالت میں کہ جُرم کے اسباب بازی کے گھوڑوں کی طرح یکساں ہیں۔ بلا دلیل معاف کرنے کے

معنی یہ ہیں کہ تم کوئی طاقت نہیں رکھتے۔" پھر تو حضرت عثمان کو غصہ آگیا اور آپ نے زیاد کو سخت سرزنش کی۔
بہر حال مسلمانوں کی ایک جماعت حضرت عثمان کے اس فیصلہ سے خوش نہ تھی اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کا تعلق اسی جماعت سے تھا اور کہا جاتا ہے کہ اگر عبیداللہ کو حضرت علیؑ اپنے زمانہ خلافت میں پاتے تو ان پر قصاص کی حد یقیناً جاری کرتے لیکن وہ صفین کے معرکہ میں (معاویہ کی طرف سے حضرت علیؑ کے خلاف لڑتے ہوئے) کام آچکے تھے۔ ناراض مسلمانوں کو غصہ اس بات پر تھا کہ حضرت عثمان کا فیصلہ کھلی ہوئی نص قرآنی کی رعایت سے خالی ہے اور پھر یہ سخت حرج کی بات ہے کہ عبیداللہ کو خلیفہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا جائے اور باوجود اس کے کہ انہوں نے ایک عجمی مسلمان اور دو ذمیوں کا خون کیا ہے اس معافی سے تو امتیاز اور تفریق کی بو آرہی ہے۔ اسمیں عبیداللہ عربی اور ہرمزان عجمی میں فرق کیا جا رہا ہے۔" طٰہٰ حسین مزید لکھتے ہیں کہ "واقعہ یہ ہے کہ عبیداللہ کو اس کے جرم کی کوئی سزا نہیں ملی۔ اپنے مال سے معاوضہ ادا کر کے حضرت عثمان نے وہ سزا خود بھگتی جو عبیداللہ کو برداشت کرنا چاہیئے تھی۔ اگر وہ معاوضہ کی رقم عبیداللہ اور ان کے گھر والوں پر عائد کر دیتے اور اس طرح ان کو بچاتے اور معاف کرتے تو بلاشبہ صحیح طور پر حد جاری کرتے۔ کسی کو ان کے فیصلہ پر مجال گفتگو نہ ہوتی" ص ۲۹۵۔ "بعض وصول کرنے والے صدقات کے اونٹ لائے۔ حضرت عثمان نے یہ اونٹ حکم کے بعض عزیزوں کو بخش دیئے۔ جب عبدالرحمن بن عوف کو اسکا پتہ چلا تو انہوں نے کچھ صحابہ کو بلایا اور انکو بھیج کر وہ اونٹ واپس منگوالئے اور لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ حضرت عثمان گھر میں تھے اور کچھ نہیں کیا اور نہ کہا۔ خود عبدالرحمن اور ان کے ساتھیوں سے بھی کچھ نہیں کہا عبدالرحمن اور ان کے ساتھیوں کی یہ حرکت حقیقت میں بڑی خطرناک تھی کیونکہ یہ خلیفہ کے حکم میں تبدیلی کے مترادف تھی لیکن حضرت عثمان کا خاموش رہنا اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا یعنی غلطی کا اعتراف اور شان میں کمی ہے۔" ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے تین جلیل القدر صحابیوں عبداللہ ابن مسعود، ابوذر غفاری اور عمار بن یاسر کے ساتھ حضرت عثمان کی بدسلوکی کے واقعات بھی درج کئے ہیں ان میں سے ہم چند کا حوالہ دیتے ہیں۔ ص ۳۲۱ "جلیل القدر ممتاز صحابہ حضرت عثمان کے شدید مخالف تھے ان کی شدید کشمکش تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے.... حضرت عثمان کے مخالف صحابہ میں ایک حضرت عبداللہ ابن مسعود تھے جو بنی زہرہ کے حلیف تھے..... عبداللہ ابن مسعود صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کے حافظ، سب سے زیادہ قرآن کے راوی اور سب سے زیادہ مکہ میں قرات کا مظاہرہ کرنے والے صحابی ہیں۔ انہوں نے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی عبداللہ ابن مسعود بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے آپ ہی نے ابوجہل کا سر، جب وہ معرکۂ بدر میں گر پڑا تھا، کاٹا۔ یہ سفر و حضر میں مسلسل آنحضرتؐ کی خدمت میں رہتے۔ لوگ خیال کرنے لگے تھے کہ یہ اہل بیتؑ کی ایک فرد ہیں آنحضرتؐ کی موجودگی میں یہ بلا اجازت حاضری دیتے تھے۔ حضورؐ کے نکلنے کے موقع پر آپکو جوتا پہنانا پھر عصا لیکر آگے آگے چلنا ان کی خدمت تھی۔ جب آپ اپنی جگہ پہونچ جاتے تو یہ نعلین اپنی آستینوں میں لے لیتے۔ عصا دیدیتے اور خدمت میں کھڑے ہو جاتے۔ سفر میں آپ کا بستر کرتے اور وضو کرانے کی خدمت بھی انہیں کے ذمہ تھی۔ حضورؐ ان سے بڑی محبت فرماتے اور دوسروں کو ان سے محبت کرنے کی ہدایت بھی فرماتے۔" ص ۲۳۳ "کوفہ کے بیت المال پر عبداللہ ابن مسعودؓ کا تقرر

تقرر اسوقت ہوا جب کہ سعد ابن ابی وقاص وہاں کے گورنر تھے۔ جب وہ معزول ہوئے تو ولید کے ابتدائی زمانہ تک بھی یہ اپنے عہدہ پر باقی رہے۔ ہوا یہ کہ ولید نے بیت المال سے کچھ رقم قرض لی۔ جب قرض کی مدت پوری ہوگئی تو ابن مسعود نے رقم طلب کی۔ ولید نے ٹال مٹول کیا۔ ابن مسعود نے اصرار کیا۔ ولید نے حضرت عثمان کو خط لکھا۔ حضرت عثمان نے ابن مسعود کو لکھا کہ تم ہمارے خازن ہو۔ ولید نے بیت المال سے جو قرض لیا ہے تم اس سے تعرض نہ کرو۔ ابن مسعود اس بات سے ناراض ہوئے۔ اور بیت المال کی کنجیاں پیش کر کے گھر بیٹھ رہے ...... اس کے بعد مخالفت میں اور زیادہ پیچیدگی پیدا ہوئی۔ جب حضرت عثمان نے قرآن ایک کر دیا اور اسکی کتابت زید بن ثابت کی سرکردگی میں چند افراد کے سپرد کر دی اور بقیہ تمام نسخوں کو جلا دینے کا اقدام کیا جس کو عبداللہ ابن مسعود نے اور بہت سے مسلمانوں نے ناپسند کیا۔ حضرت عثمان نے ولید کو لکھا کہ وہ انکو مدینہ بھیجدے۔ ابن مسعود مدینہ پہونچ کر مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عثمان منبر نبوی پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ ابن مسعود کو آتے دیکھکر کہا " لو وہ برائی کا کیڑا آگیا جو اپنے کھانے پر چلتا ہوا قے کرتا ہے اور براز " یہ سنکر ابن مسعود نے کہا میں ایسا نہیں ہوں۔ میں بیعت رضوان میں اور معرکۂ بدر میں رسول اللہ کا ساتھی ہوں۔ حضرت عائشہ نے آواز سے کہا عثمان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو آپ یہ کہتے ہیں۔ حضرت عثمان نے سختی کے ساتھ ابن مسعود کو مسجد سے نکلوا دیا۔ پھر وہ زمین پر پٹک دیئے گئے جس سے ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ حضرت عثمان یہیں تک آکر نہیں رک گئے۔ انہوں نے ابن مسعود کا وظیفہ بند کر دیا اور مدینہ سے انکو باہر نکلنے کی ممانعت کر دی۔" ص۲۳۵ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب نے حضرت عثمان اور عبداللہ ابن مسعود کا مکالمہ بھی درج کیا ہے جب ابن مسعود کے مرض الموت میں حضرت عثمان انکی عیادت کے لئے گئے۔

حضرت عثمان :- آپ کو کیا شکایت ہے ؟

عبداللہ ابن مسعود :- اپنے گناہوں کی۔

حضرت عثمان۔ آپ کیا چاہتے ہیں ؟

ابن مسعود :- خدا کی رحمت۔

حضرت عثمان :- کیا آپ کے لئے طبیب بلواؤں ؟

ابن مسعود :- طبیب ہی نے تو بیمار کیا ہے۔

حضرت عثمان :- کیا آپ کا وظیفہ جاری کر دوں ؟

ابن مسعود :- ضرورت تھی تو آپ نے بند کر دیا اب ضرورت نہیں تو جاری کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت عثمان :- آپ کے اہل و عیال کے لئے کام آئیگی۔

ابن مسعود :- خدا ان کا رزاق ہے۔

حضرت عثمان :- میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے۔

ابن مسعود:- خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ میرے معاملہ میں آپ سے مواخذہ کرے۔

ص۲۳۷ "ابوذر غفاری کنانہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ان کا شمار بھی اسلام کے سابقین میں اور ان لوگوں میں ہے جن کو آنحضرتؐ محبوب رکھتے تھے اور جن کی تعریف کیا کرتے تھے کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ابوذر سے سچا کوئی نہیں اور فرماتے تھے کہ ابوذر تنہا ایک قوم بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ مروان بن الحکم کو بہت سا مال دے رہے ہیں اور اس کے بھائی حارث بن الحکم کو دس لاکھ درہم عطا کر دیئے ہیں اور اسی طرح زید ابن ثابت انصاری کو ایک لاکھ کا عطیہ دے رہے ہیں۔ یہ ان (ابوذر) کو بہت ناگوار اور زیادہ معلوم ہوا۔ فرمانے لگے کہ دولت جمع کرنیوالوں کو آگ کی خوشخبری سُنا دو اور اس کے بعد تلاوت فرمایا:- والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیمۃ (سورۂ توبہ آیت ۳۴) مروان نے حضرت عثمان سے ابوذر کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے اپنے ایک غلام کو بھیجکر ابوذر کو منع کیا۔ ابوذر نے کہا کہ عثمان مجھ کو اللہ کی کتاب پڑھنے اور اللہ کے حکم سے سرتابی کرنے والوں پر اعتراض کرنے سے روکیں گے۔ عثمان کو ناراض کرکے اللہ کو خوش رکھنا مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں عثمان کو خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کردوں—"

ص۲۳۹ ...... اس کے بعد ابوذر مدینہ سے شام معاویہ کی زیر نگرانی بھیج دیئے گئے۔ معاویہ نے شکایت کا خط لکھا حضرت عثمان نے جواب دیا۔ "بڈھے کو سخت سواری اور پیچیدہ راہ سے میرے پاس بھیجدو" انہوں نے (ابوذر نے) حضرت عثمان پر بھی اعتراضات شروع کر دیئے۔ اس لئے کہ حضرت عثمان نے مسلمانوں کے مال میں اپنا ہاتھ آزاد کر رکھا تھا۔" ص۲۴۰ حضرت عثمان نے ان کو ربذہ جلاوطن کر دیا اور غریب الوطنی کی زندگی گزار رہے تھے تا آنکہ دُنیا سے رخصت ہوگئے۔ حد یہ ہے کہ ان کی بیوی تجہیز و تکفین سے عاجز تھیں اور کچھ لوگ جو عراق سے حج یا عمرہ کی غرض سے آئے تھے۔ انہوں نے حضرت ابوذر کی تجہیز و تکفین کی—"

حضرت عثمان کی حضرت علیؑ سے سخت کلامی

ابوذر غفاری کی جلاوطنی کے متعلق ہم تاریخ اعثم کوفی (خواجہ احمد ابن اعثم) ص۱۳۱ سے کچھ عبارت نقل کرتے ہیں .....

اب خلیفہ کو زیادہ غصہ آگیا۔ کہا کہ بتاؤ میں اس بوڑھے دروغ گو (ابوذر غفاری) کا کیا حال کروں۔ وہ فتنہ برپا کرنا اور مسلمانوں میں تفرقہ پھیلانا چاہتا ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ تم اسے تکلیف نہ دو اس روایت میں جھوٹا ہے تو اسکا وبال اسپر پڑے گا اور اگر سچا ہے تو جیسا بیان کرتا ہے ویسا ظہور میں آجائے گا۔ حضرت عثمان کو حضرت علیؑ کا یہ کلام پسند نہ آیا اور غصہ ہو کر حضرت علیؑ سے کہا کہ تیرے منہ میں خاک (حضرت علیؑ نے کہا کہ تیرے منہ میں خاک ہو جیو یہ کیا کہتا ہے اور کیسی بےانصافی کرتا ہے..... حضرت عثمان نے حضرت ابوذر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اُٹھ اور ہمارے شہر سے نکل جا......"

پروفیسر محمد عبدالعلی صاحب اپنی کتاب Caliph Ali His Life & Times کے ص۲۶ پر لکھتے ہیں:—

In the meanwhile Abuzar continued to come

in growing conflict with Osman and later he was expelled ignominously from Medina, not to Syria, Iraq or Egypt where Abuzar desired but to a forest area in Nejd called Rabza where he and his wife breathed their last in heart-rending conditions.

ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب ص۲۲۲ پر لکھتے ہیں "حضرت عمار کے متعلق ایک سے زیادہ آیتیں قرآن میں نازل ہوئیں ... حضرت رسولؐ ان کے لئے مغفرت چاہتے اور جنت کی بشارت دیتے۔ ایک دن تو فرمایا کہ اے خدا آلِ یاسر کو بخشدے اور تو نے بخش دیا۔ حضرت عمار نے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی۔ سب سے پہلے انہوں نے مکہ میں نماز کے لئے اپنا گھر مسجد میں بنایا۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا (سب لوگ ایک ایک اینٹ لاتے تھے اور یہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے) اسی طرح خندق کھودنے میں حضرت عمار نے نمایاں حصہ لیا۔ خود آنحضرتؐ نے آپ کا غبار صاف کیا۔ یہ بدر کے معرکہ میں، اُحد کے معرکہ میں اور تمام غزوات میں رسول اللہؐ کے ساتھ شریک رہے۔ یمامہ کے دن تو بڑا خوفناک مقابلہ کیا۔ اس دن مسلمانوں نے ان کو دیکھا کہ ایک چٹان پر چڑھ کر مسلمانوں کو للکار رہے ہیں کہ کیا تم جنت سے گریز کر رہے ہو۔"

ص۲۴۴ "حضرت عمار نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت عثمان کی بیعت کی تھی لیکن بعد کے واقعات نے انکو حضرت عثمان کا شدید مخالف بنا دیا۔ ایک دن لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ حضرت عثمان نے بیت المال کے جواہرات میں سے کچھ لیا ہے اور اپنے گھر کے لئے کسی کا زیور بنا لیا ہے۔ لوگ اس بات سے ناراض ہوئے اور حضرت عثمان پر اعتراضات کئے۔ حضرت عثمان غصہ میں آئے اور خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ "ہم اس خراج کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق ضرور لیں گے کچھ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ہوں"۔ اس پر حضرت علیؑ نے کہا کہ آپکو اس سے روکا جائے گا۔ عمار بن یاسر نے کہا کہ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ سب سے پہلے ناراض میں ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ "لونڈی کے بچے! مجھ پر تیری یہ جرأت۔ پکڑو اس کو" چنانچہ وہ پکڑ لیے گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان نے انکو اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے" (انساب الاشراف بلاذری ص۴۸ مطبوعہ قدس) ام المومنین ام سلمٰی کے گھر اٹھا کر لائے گئے۔ جہاں وہ پورے دن بے ہوش رہے۔ اسی میں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں بھی جاتی رہیں پھر جب ہوش آیا تو وضو کیا اور نماز پڑھکر فرمایا اے خدا! تیرا شکر تیرے بارے میں اذیت پانے کا یہ پہلا ہی موقع نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ام سلمہؓ اور عائشہ نے آنحضرتؐ کے کچھ بال، کپڑا اور جوتا نکالا اور (حضرت عثمان سے) سے فرمایا کہ یہ اللہ کے رسول کے بال، ان کا کپڑا اور جوتہ ہے۔ ابھی یہ پُرانا نہیں ہوا اور تم ان کی سنت چھوڑ رہے ہو۔ لوگ چلا اٹھے اور حضرت عثمان آپے سے باہر ہو گئے انکو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں ص۵۲"۔ ایک اور موقع پر حضرت عمار نے صحابہ کی ایک جماعت کا ساتھ دیا جس نے حضرت عثمان کے نام ایک خط لکھا تھا۔ خط میں حضرت عثمان کے خلاف اعتراضات اور ان کے لئے نصیحتیں تھیں۔ عمار وہ خط لیکر حضرت عثمان کے پاس آئے اور اسکا ابتدائی حصہ حضرت عثمان پر دُہرایا۔ حضرت

عثمان نے بُرا بھلا کہا اور جرابیں پہنے ہوئے پاؤں سے ان کو اس طرح مارا کہ وہ مرض فتق میں مبتلا ہو گئے۔"

تاریخ اعثم کوفی کے صفحہ ۱۳۲ پر ہے ۔" ابوذر کے انتقال کی خبر جس وقت حضرت عثمان کو پہونچی تو عمار یاسر موجود تھے کہا کہ اباذر پر اللہ کی رحمت ہو اے خدا یہ دُعا اس کے حق میں جان و دل سے مانگتا ہوں اس کو جوارِ رحمت میں جگہ دیجیو۔ عثمان نے اس پر غصہ ہو کر کہا کہ اے نالائق! تیرا بھی یہی حال ہوگا۔ میں ابوذر کے مدینہ سے نکال دینے پر پشیمان نہیں ہوا ہوں۔ عمار یاسر نے کہا کہ قسم بخدا میرا یہ حال نہ ہوگا۔ عثمان نے کہا اسے دھکے دو اور شہر سے نکال دو اور اسی جگہ پہونچا دو جہاں ابوذر کو پہونچایا تھا تاکہ یہ بھی اسی کے حال میں اسی کی جگہ زندگی بسر کرے اور جب تک میں زندہ ہوں مدینہ میں نہ آسکے عمار نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے بھیڑیوں اور کتوں کی ہمسائیگی تیرے پاس رہنے سے زیادہ پسند ہے ۔"

حضرت عثمان کا حضرت علیؑ سے کہنا کہ تم جلا وطنی کے قابل ہو

ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھتے ہیں" (جب حضرت عثمان حضرت ابوذر غفاری کو جلاوطن کر چکے) حضرت عمار بن یاسر چونکہ حضرت ابوذر سے بڑی ہمدردی اور ان کے حال پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ اسلئے حضرت عثمان نے محسوس کیا کہ وہ بھی ابوذر کی جلاوطنی پر معترض ہیں۔ غصہ ہو کر ان کو بھی ربذہ چلے جانے کا حکم دیا اور جب حضرت عمار نے نکلنے کی تیاری کی تو بنی مخزوم جو آپکے حلیف تھے، مشتعل ہو گئے اور حضرت علیؑ بھی ناراض ہوئے اور حضرت ابوذر کی جلاوطنی پر حضرت عثمان کو ملامت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت عمار کو شہر بدر نہ کریں اس کے بعد دونوں میں بحث و تکرار ہونے لگی حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کو کہا کہ تم بھی عمار سے کچھ کم نہیں ہو تم بھی جلاوطنی ہی کے قابل ہو۔ حضرت علیؑ نے مقابلہ کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ارادہ ہو تو کرو دیکھو۔" ڈاکٹر طٰہٰ حسین صفحہ ۲۵۳ پر لکھتے ہیں" ایک جماعت نے کفر و فسق تک نوبت پہونچا دی چنانچہ روایت کی جاتی ہے کہ عمار ابن یاسرؓ حضرت عثمان کی تکفیر کرتے تھے اور ان کو نعثل سادہ لوح بڈھا یا لکڑ بھگا کہا کرتے تھے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود جب کوفہ میں تھے تو حضرت عثمان کے خون کو حلال قرار دیتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ عبدالرحمٰن ابن عوف نے حضرت علیؑ سے کہا کہ اگر جی چاہتا ہے تو اپنی تلوار لے آؤ میں بھی اپنی تلوار لے لیتا ہوں اسلئے کہ انہوں نے (عثمان) مجھے جو زبان دی تھی اس سے وہ پلٹ گئے اسی طرح یہ بھی روایت ہے کہ انہوں (عبدالرحمٰن بن عوف) نے اپنے مرض موت میں اپنے بعض ساتھیوں سے کہا تھا کہ ان (عثمان) کی زیادتی کرنے سے پہلے تم ہاتھ بڑھا دو ۔"

صفحہ ۲۹۷ "مدینہ کے صحابہ نے مختلف سرحدوں پر پھیلے ہوئے صحابیوں کو خطوط لکھے کہ مدینہ آکر خلافت کے بگڑے ہوئے کاموں کو ٹھیک کرو۔ تم جہاد کی خاطر گھروں سے نکلے ہو لیکن جہاد تمہارے پیچھے ہے۔ تم دین کی بقاء اور حفاظت کیلئے مدینہ واپس آجاؤ۔ اقتدار دین کے لئے ایک شر عظیم بن چکا ہے" صفحہ ۱۸۶ مالک اشتر نے حضرت عثمان کے نام حسب ذیل خط لکھا۔ مالک ابن حارث کی طرف سے اس خلیفہ کے نام جو آلودہ اور خطا کار ہے' جو اپنے نبیؐ کی راہ سے ہٹا ہوا ہے جس نے قرآن کے حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ امابعد ہم نے آپ کا خط پڑھا۔ آپکو اور آپ کے عمال کو ظلم و زیادتی سے باز آجانا

چاہیئے بزرگوں اور نیکوں کو شہر بدر نہیں کرنا چاہیئے ..... آپ ہمارے بزرگوں پر زیادتی کرنے سے، ہم کو اور ہمارے صالحین کو جلاوطن کرنے سے اور ہم پر نوجوانوں کو حاکم بنانے سے باز آجائیے۔ توبہ کیجئے اور خدا سے مغفرت کی طلب کیجئے: ـــــ۔"

حضرت علیؑ کا حضرت عثمان کو خدا کے عذاب سے ڈرانا

ص۲۹۸ " لوگوں نے حضرت علیؑ کو مجبور کیا کہ وہ حضرت عثمان کے پاس جائیں اور ان سے گفتگو کریں۔ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ گئے اور حضرت عثمان سے کہا"...... خدا کے نزدیک سب سے بُرا آدمی ظالم امام ہے جو خود گمراہ ہے اور دوسروں کی گمراہی کا باعث۔ وہ سنّت کو مٹاتا ہے اور بدعت متروکہ کو زندہ کرتا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ قیامت کے دن ظالم امام کو بے یار و مددگار لایا جائے گا اور جہنّم میں ڈلوایا جائے گا اور وہ چکّی کی طرح اسمیں چکّر لگائے گا پھر وہ جہنّم کی گہرائی میں پھینک دیا جائے گا۔ میں آپ کو اللہ سے اس کی قوّت اور انتقام سے ڈراتا ہوں اس کا عذاب شدید اور دردناک ہے ......"

روضۃ المناظر اور تاریخ خمیس میں درج ہے کہ ۔ ہ مہاجرین و انصار صحابہ میں سے جمع ہو کر حضرت عثمان کی ناجائز حرکتوں کی شکایتوں کا ایک خط لکھکر حضرت عمار یاسر کے ذریعہ حضرت عثمان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے خط کو پڑھا اور پھینک دیا۔ حضرت عمار نے کہا کہ پھینکو مت اسے غور سے پڑھو۔ اِس پر حضرت عثمان نے اپنے غلام سے حضرت عمار کو زدوکوب کرایا اور خود بھی ان کے پیٹ کو کچلنے لگے جس سے عمار یاسر دن بھر بے ہوش رہے اور عارضۂ فتق میں مُبتلا ہو گئے۔ بنی مخزوم حضرت عثمان کے مخالف ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر عمار اس زدوکوب سے مر گئے تو ہم بھی عثمان کو ختم کر دینگے۔ یہ وہی عمار تھے جن کے متعلق حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا کہ عمار سر سے پاؤں تک ایمان میں ڈوبا ہوا ہے اور اسکا دل ایمان سے پُر ہے۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ جو عمار سے دشمنی کرے گا خدا اس کو دشمن رکھے گا (ملاحظہ ہو استیعاب جلد دوم ص۴۳۵) عقد الفرید جلد ۲ ص۲۷۲ پر درج ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت عمار کے سامنے فرمایا تھا کہ عمار بمنزلہ اس جلد کے ہے جو میری آنکھوں کے درمیان ہے جس نے اسکو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ حضرت رسولؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اے عمار تجھے باغی فرقہ قتل کرے گا۔ صحیح ترمذی میں یہ حدیث درج ہے کہ جنّت علیؑ، عمار اور سلمان کی مشتاق ہے۔ استیعاب عبدالبر میں بریدہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اصحاب میں سے چار سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے، اور مجھے خبر دی ہے کہ اللہ بھی ان سے محبّت رکھتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ علیؑ، مقداد، سلمان اور ابوذر ہیں۔ کتب شیعہ میں اس حدیث میں عمار، مقداد، سلمان اور ابوذر کے نام درج ہیں۔ صحیح ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ نہیں اُٹھایا میں نے اور نہیں سایہ ڈالا آسمان نے کسی بولنے والے پر جو زیادہ سچا اور وفا کرنیوالا ہو ابوذر سے۔ قابل غور ہے کہ جن صحابہ کی شان میں خود باعتبار کتب اہلسنت حضرت رسولؐ نے یہ ارشادات فرمائے۔ حضرت عثمان نے ان کے ساتھ کیا عمل کیا۔

باب ہشتم

حضرت عثمان کا حضرت علیؑ سے کہنا کہ تم میرے نزدیک مروان سے افضل نہیں ہو

تاریخ مروج الذہب میں ہے جسکو نواب شیخ احمد حسین خاں ادیب ای نے تاریخ احمدی میں جس کا دیباچہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے تحریر فرمایا ہے صفحہ ۱۵۹ پر درج ہے کہ جب ابوذر غفاری بحالت کدائی مروان کی سپردگی میں مدینہ سے نکالے گئے تو ان کے پاس حضرت علیؑ مع صاحبزادگان والا و دمان عقیل و عبداللہ بن جعفر طیار و عمار یاسر و مقداد بن الاسود تشریف لائے۔ مروان نے انکو روکا اور کہا کہ اے علیؑ! اگر تم ناواقف ہو تو میں واقف کراتا ہوں کہ امیرالمومنین عثمان نے لوگوں کو ابوذر کی مصاحبت و مشایعت سے منع کیا ہے۔ یہ سُنکر حضرت علیؑ نے مروان کی سواری کے جانور کو ایک چابک رسید کیا اور مروان سے کہا دور ہو۔ خدا تجھے نارِ جہنم کی طرف لیجائے۔ پھر حضرت علیؑ ابوذر غفاری کے ساتھ ہولئے ابوذر غفاری نے رو کر کہا اے اہل بیت نبوت! خدا تم پر رحمت کاملہ نازل فرمائے۔ تمہاری صورت سے رسول مقبولؐ کی یاد میرے دل میں تازہ ہے۔

مروان نے جاکر حضرت عثمان سے حضرت علیؑ کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ خدا کی قسم میں بھی علیؑ کے ساتھ وہی کروں گا جس کے وہ مستحق ہیں۔ پھر حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا کہ کیا تمہیں یہ خبر نہ تھی کہ میں نے لوگوں کو ابوذر کی ملاقات اور مشایعت سے منع کیا ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ تمہارا حکم طاعتِ خدا اور امر حق کے خلاف ہو تو کیا میں اس کا بھی اتباع کروں۔ واللہ میں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ پھر حضرت علیؑ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اگر مروان میری نسبت کوئی ثقیل کلمہ زبان سے نکالے گا تو میں وہی کلمہ تمہاری نسبت استعمال کروں گا اور وہ جھوٹ بھی نہ ہوگا بلکہ حق ہوگا۔ حضرت عثمان بولے کہ جب تم مروان کو بُرا کہو گے تو وہ بھی تم کو بُرا کہے گا۔ میرے نزدیک تم اس سے افضل نہیں ہو۔ یہ سُن کر حضرت علیؑ نے غیض سے فرمایا۔ تم مجھ سے ایسا کہتے ہو اور میرا مقابلہ مروان سے کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں تم سب سے افضل ہوں اور میرے باپ تمہارے باپ سے افضل ہیں اور میری ماں تمہاری ماں سے افضل ہیں۔ یہ سُنکر حضرت عثمان گھر کے اندر چلے گئے اور حضرت علیؑ واپس آئے۔ دوسرے دن حضرت عثمان نے پھر حضرت علیؑ کی شکایت سب لوگوں سے کی کہ یہ ابوذر اور عمار یاسر وغیرہ کے مددگار ہیں اور میری عیب گیری کرتے ہیں۔ مسند ابوداؤد طیالسی اور صحیح بخاری میں مروان بن حکم سے مروی ہے کہ میں نے حج کے موقع پر عثمان اور علیؑ کو دیکھا۔ عثمان لوگوں کو متعہ حج سے منع کر رہے تھے۔ جب علیؑ نے یہ مشاہدہ کیا تو حج اور عمرہ کی تہلیل ایک ساتھ ادا کی اور فرمایا لبیک بحجتہ و عمرتہ معاً۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں لوگوں کو جس بات سے منع کرتا ہوں تم وہی کرتے ہو۔ علیؑ نے جواب دیا کہ میں کسی کے کہنے سے سنت رسولؐ کو ترک نہیں کروں گا۔

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنو امیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت عثمان کیسے تھے اور کیسے نہیں اس بحث کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ خاندان بنو امیہ کے چشم و چراغ اور عبدالشمس کے سگے پوتے تھے یعنی ابوسفیان کے حقیقی بھتیجے (معاویہ اور مروان کے چچازاد بھائی) عثمانی خلافت میں بنو امیہ انتہائی قہر و غلبہ کے ساتھ سیاسی منصب پر متمکن رہے۔ وہ سیاسی اقتدار ہی پر قانع نہیں رہے بلکہ روحانی منصب

اور محمد کی تعلیم کا وارث بھی اپنے آپ کو سمجھنے لگے جس کے بعد اسلام کی شکل و صورت بالکل مسخ کر کے رکھدی گئی یہ زمانہ بنی ہاشم اور مومنین کے لئے انتہائی آزمائش کا تھا اور وہ سخت ابتلا کا شکار بنے ہوئے تھے آل ہاشم ہونا تو گویا ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ صـ۳۶ پر ڈاکٹر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں "آپ (حضرت علیؑ) کی دونوں حیثیتیں اللہ اور رسولؐ کی طرف سے مقرر ہو چکی تھیں۔ دینی سرداری جس میں ایک سرداری تو ہمیشہ آپکی برقرار رہی یعنی دینی پیشوائی ..... لیکن تیسری خلافت میں باوجودیکہ آپ کی دینی حیثیت مٹانے کی بھرپور کوشش کی گئی پھر بھی عام مسلمانوں کے دلوں سے حضرت کی یہ وقعت ضائع نہیں ہوئی۔ خود معاویہ جیسے سرکش اور باغی تک کو حضرت کی روحانی برتری کا احساس تھا۔"

حضرت عثمان سے حضرت عائشہ کی مخالفت کا آغاز اور قتل عثمان کی تدبیر

جرمن مورخ کورٹ فریشلر اپنی کتاب "عائشہ بعد از پیغمبرؐ" میں جسکا ترجمہ ذبیح اللہ منصوری نے بزبان فارسی کیا ہے صـ۳۹۶ (ترجمہ) پر رقمطراز ہیں:-

چون عثمان بہ تعہد خود (نسبت اضافہ مستمری) عمل نہ کرد عائشہ با او دشمن شد۔ عائشہ ہم برائے برادرش وطلحہ نامہ نوشت کہ با عدہ از سپاہیان خود کہ ہر چہ بیشتر باشند بہتر است راہ عربستان گیرید و خود را بہ مدینہ برسانید۔ عائشہ بر شتر سوار گردتا اینکہ بر ہمہ مشرف باشد و صدایش را بخوبی بشنوند گفت "اے مجاہدانِ اسلام کہ برائے توسعہ و تقویت اسلام شمشیر زنید بدانید کہ عثمان آبروئے خلافت را از بین برد و احکام دین خدا را زیر پا گزاشت و کار بجائے کشید کہ در شہر مدینہ پائے تخت اسلام مردم علنی خمر مے فروشند و خمر مے نوشند و زنہائے خود فروش در وب منازل خود را باز مے گزارند کہ ہر کس کہ میل دارد وارد خانہ آنہا شود۔ خلیفۂ مسلمین اوقاتِ خود را صرف عیش کند و وزیراو مردان بے محابا از مردم رشوت بگیرد و احترام قوانین از بین مے رود۔ خزانہ بیت المال از جانفشانی شما پر شود اما آں سیم و زر بہ مصرفِ عیاشئ خلیفہ و خویشاوندان و اعضائے طائفہ او کہ ہر یک از بیت المال مستمری گزاف دریافت مے نمایند مے شود۔ اے مجاہدین راہ خدا عثمان و وزیرش مروان، دشمنان بخوف ہستند کہ خود را مسلمان جلوہ مے دہند و احکام خدا را زیر پا میگذارند و برائے دیگران سرمشق فسق و رشوہ گرفتن مے شوند شما در شرق و غرب دنیا شمشیر مے زنید و خون خود را نثار مے کنید تا اینکہ قرآن را ترویج بدہید اما عثمان در مدینہ بعنوان جمع آوری آیاتِ قرآن در کلام خدا دست برد و قسمتے از آں را تغیر داد و ایں گناہیست نابخشودنی و شما کہ مجاہد فی سبیل اللہ ہستید نباید بگزارید کہ ایں گناہ کار بزرگ بدوں کیفر بسر برد و سزائے گناہِ عظیم خود نرسد۔ من درخواست مے کنم کہ عثمان را از خلافت برکنار کنید و اگر مقاومت کرد و نخواست برکنار شود خونش را بریزید و اسلام و مسلمین را نجات بدہید۔ وقتیکہ عائشہ مطلع شد کہ محمد بن ابوبکر برادرش و طلحہ حکمرانِ فلسطین در بیرباسر بازانے کہ باید بیاورند بہ مدینہ نزدیک شدہ اند زیارتِ خانۂ خدا را بہانہ کرد و از مدینہ خارج شد و راہ مکہ را پیش گرفت۔ مسافرت عائشہ بعنوانِ زیارت کعبہ برائے ایں بود کہ ہنگام قتل عثمان در مدینہ حضور نہ داشتہ باشند تا ایں کہ پس

از نقل او بتوانند بگویند کہ در قتل عثمان دخالت نداشتہ است۔ عصر آں روز عمال عائشہ سکنہ مدینہ گفتند کہ باید بخانۂ عثمان حملہ کنند وزود تر او را از پا در آورند۔ ہنوز مردم بخانہ عثمان حملہ در نہ شدہ بودند و آں حملہ راہم عائشہ رہبری کرد۔

عبارت صدر کا اقتباسی ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :۔

چونکہ وظیفہ بڑھا دینے کے معاہدہ پر عثمان نے عمل نہیں کیا عائشہ انکی دشمن ہوگئیں اور اپنے بھائی اور طلحہ وزبیر کے نام خط لکھے کہ اپنے اپنے حلقہ کے بہادر لوگوں کے ایک ایک جتھے کو کہ جتنی بھی زیادہ تعداد میں ہوسکیں مدینہ پہنچا دیں۔ عائشہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلیں تاکہ اثر پڑسکے اور ان کی آواز سب کو بخوبی سنائی دے اور کہنے لگیں: اے مجاہدان اسلام کہ تم توسیع و تقویت اسلام کیلئے تلوار چلاتے ہو جان لو کہ عثمان نے خلافت کی آبرو کو مٹی میں ملا دیا ہے اور احکام خدا کو پاؤں تلے روند دیا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ عین مدینہ میں لوگ علانیہ شراب پیتے اور بیچتے ہیں اور خود فروش عورتیں اپنے دروازے کھلے رکھتی ہیں کہ جس کی بھی خواہش ہو انکے گھر میں چلا آئے۔ خلیفۂ مسلمین اپنے اوقات عیش و عشرت میں بسر کرتا ہے اور اسکا وزیر مروان بے کھٹکے لوگوں سے رشوت وصول کرتا ہے۔ اور قانون کا کوئی احترام نہیں ہے۔ بیت المال کا خزانہ تو تمہاری جانفشانی سے بھرتا ہے لیکن وہ سونا چاندی خلیفہ کی عیاشی کیلئے اور اس کے خویش واقارب کیلئے صرف ہوتی ہے اور انہیں سے ہر ایک بڑے بڑے وظیفہ بیت المال سے پاتا ہے۔ اے مجاہدین راہ خدا یہ لوگ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں لیکن قوانین اسلام کو روند ڈالا ہے اور فسق میں مبتلا ہیں اور رشوت لیتے ہیں۔ تم لوگ کہ دنیائے شرق و غرب میں شمشیر زنی کرتے ہو تاکہ قرآن کی ترویج کریں لیکن مدینہ میں عثمان نے قرآنی آیات جمع کرنے کے عنوان سے کلام خدا میں کتر بیونت کر دی ہے اور اس کے ایک حصہ میں تغیر کر دیا ہے اور یہ ایسا گناہ ہے کہ کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔ تم لوگوں کو کہ مجاہد فی سبیل اللہ ہو اس عظیم گناہ کار کو اس کے کیفر کردار تک پہنچائے اور سزا دئے بغیر ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔ میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ عثمان کی خلافت کو اکھاڑ پھینکو اور اگر وہ مقاومت کرے اور خلافت سے چمٹا رہنا چاہے تو اسکا خون بہادو اور اسلام اور مسلمانوں کو اس سے نجات دلاؤ۔ جونہی عائشہ کو معلوم ہوا کہ محمد بن ابوبکر طلحہ اور زبیر سرفروشوں کی مطلوبہ تعداد لیکر مدینہ کے قریب پہنچ چکے ہیں تو عائشہ زیارت خانہ کعبہ کے بہانہ مدینہ سے باہر چلی گئیں تاکہ عثمان کے قتل کے وقت وہ مدینہ میں نہ رہیں اور کوئی قتل عثمان میں ان کی شرکت کو سمجھ نہ سکے۔ اس دن بوقت عصر عائشہ کے مامور کردہ عمال نے کہا کہ عثمان کے گھر پر حملہ کرکے جلد از جلد اسکو نکال پھینکنا چاہیئے۔ اس حملہ کی رہبری بھی عائشہ ہی نے کی تھی۔

باغیوں کے ہاتھ حضرت عثمان کا قتل

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ "حضرت عثمان کی خلافت بعض صحابہ کو ناگوار ہوئی کیونکہ یہ سب کو معلوم تھا کہ آپ اپنے اعزار واقرباء کی بہت رعایت کرتے ہیں۔ آپ بارہ برس خلیفہ رہے۔ اس دوران میں اس قسم کے کئی ایک بنی امیہ سے (جو حضرت

عثمان کا قبیلہ تھا) عامل تھے جو کہ رسول اللہ کے صحابی نہ تھے اور جن کو اصحاب رسول اچھا نہ جانتے تھے مگر آپ چھ برس برابر ان صحابہ کی تالیف قلوب کرتے رہے جو آپ کے خلاف تھے اور ان عاملوں کو معزول نہ کیا۔ لیکن پچھلے چھ برسوں میں اپنے چچا کی اولاد پر مہربان ہوگئے اور انکو مع ان کے ہم خیال وشرکاء کے عامل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح بنو امیہ کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ یہ وہ شخص تھا کہ حضرت رسول خدا نے جس کا خون بروز فتح مکہ مباح کر دیا تھا۔ ابی سرح کو وہاں دو ہی برس ہوئے تھے کہ اہل مصر اس کے ظلم کی شکایت کرنے کے لئے دار الخلافت میں آگئے۔ اس سے پہلے عبداللہ ابن مسعود، ابوذر غفاری اور عمار بن یاسر کے معاملات (سزا دہی عمار یاسر زدوکوب عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابوذر غفاری کو مجنون اونٹ کی پیٹھ پر بٹھا کر شہر بدر کر دینا وغیرہ) میں بنو ھذیل، بنو زہرہ کے دلوں میں اور ابن مسعود کے معاملہ کی نسبت بنو غفار اور ان کے احلاف کو حضرت عثمان سے شکایت پیدا ہو چکی تھی۔ اہل مصر کی شکایت نے اور بھی بارود کا کام کیا جس نے ابی ذر کے دل میں بہت رنجش ڈالدی اور بنو مخزوم متعلق عمار یاسر آپ سے بہت خشمناک ہوئے۔ اہل مصر بھی ابی سرح کے ظلم سے روتے ہوئے پھر آپکے پاس آئے اس پر حضرت عثمان نے ابی سرح کو تہدید نامہ لکھا مگر اس نے کچھ پرواہ نہ کی اور ممنوعہ امورات کی تعمیل سے انکار کر دیا اور جو لوگ دار الخلافہ میں شکایتیں لیکر گئے تھے انکو مارا پیٹا اور بعض کو قتل کر دیا۔ یہ حالت دیکھکر مصر کے سات سو آدمی پھر دار الخلافہ میں آئے اور صحابہ سے عبداللہ ابن ابی سرح کی شکایتیں کیں اور خاص کر یہ کہ اس نے اوقات نماز میں تبدیلیاں کر دی ہیں وہ شراب پی کر مسجد میں نماز پڑھنے آیا کرتا تھا ایک دفعہ بحالت نشہ نماز فجر چار رکعت پڑھادی۔ جب لوگوں نے اعتراض کیا تو بولا کہ کہو تو دو چار رکعت اور پڑھادوں۔ طلحہ ابن عبیداللہ نے حضرت عثمان سے اس کے معاملہ میں سختی سے گفتگو کی اور حضرت عائشہ نے آپ سے کہلا بھیجا کہ صحابہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے عامل کو موقوف کر دیں مگر باوجود اس کے کہ اس پر قتل کے الزام لگائے گئے ہیں آپ اس کو معزول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے آپکو چاہئے کہ اسکو سزا دیں۔ حضرت علیؑ نے بھی کہا کہ یہ لوگ عامل پر خون کا دعویٰ کرتے ہیں اور معاوضہ قتل چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ عبداللہ ابن سرح کی جگہ دوسرا عامل مقرر کیا جائے۔ بہتر ہے کہ آپ اسکو معزول کر دیں اگر بعد تحقیقات ان کا دعویٰ صحیح معلوم ہو تو انصاف کریں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ بہتر ہے یہی لوگ اپنے لئے کوئی عامل مقرر کرلیں میں اسکو بھیج دوں گا اور عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کروں گا۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت ابوبکر کے ایک صاحبزادہ محمد بن ابوبکر کو منتخب کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی تقرری اور ابی سرح کی معزولی کا فرمان لکھ دیا اور محمد بن ابوبکر مصر کی طرف روانہ ہوئے اور بہت سے مہاجرین اور انصار بھی ان کے ساتھ ہوگئے تاکہ عبداللہ بن ابی سرح اور ان کے درمیان جو واقعہ ہوا تھا انکو بچشم خود دیکھ آئیں۔ یہ قافلہ تیسری منزل تک نہیں پہونچا تھا کہ پیچھے سے ایک حبشی غلام ملا جو نہایت تیزی کیساتھ اپنی سانڈنی کو اڑائے لئے جاتا تھا اور اس کی چال ڈھال سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یا تو وہ کسی کا قاصد ہے یا فراری ہے۔ صحابہ نے اسکو پکڑ لیا اور اس سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں غلام امیر المومنین کا ہوں اور آپ نے مجھے عامل مصر کے پاس خط دیکر بھیجا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عامل مصر تو یہ ہیں۔ اس نے

جواب دیا کہ میرا مدعا ان سے نہیں ہے پھر محمد بن ابوبکر کو اس حال کی اطلاع دی گئی۔ انہوں نے ایک شخص کو اسکو لانے کے لئے بھیجا چنانچہ اسکو پکڑ کر پیش کیا گیا۔ آخر خود محمد بن ابوبکر نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ وہ غلام کچھ ایسا گھبرایا کہ کبھی کہتا کہ امیر المومنین کا غلام ہوں کبھی مروان کا۔ مگر ایک شخص نے پہچان کر کہا کہ یہ امیر المومنین ہی کا غلام ہے۔ محمد بن ابوبکر نے پوچھا تجھے کس کے پاس اور کیوں بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ خط بتلاؤ تو اس نے کہا کہ میرے پاس خط نہیں ہے اس کی تلاشی لی تو خط نہیں ملا لیکن اس کے خشک مشکیزہ میں کچھ ہلتا ہوا معلوم ہوا۔ مشکیزہ چیر کر نکالا گیا تو اس میں سے حضرت عثمان کا خط بنام ابی سرح ملا۔ محمد بن ابوبکر نے اپنے تمام ہمراہیوں اور مہاجرین وغیرہ کو جمع کیا اور ان سب کے روبرو خط کھولا گیا جس میں عبداللہ بن ابی سرح کو لکھا گیا تھا کہ "جب محمد بن ابوبکر اور فلاں فلاں اشخاص وہاں پہونچیں تو ان کو کسی حیلہ سے قتل کر ڈال اور ان کے فرمان تقرر کو باطل سمجھ اور تا ہدایت ثانی اپنی حکومت پر قائم رہ اور تیرے ظلم کی جو شکایتیں لیکر آئے تھے ان کو قید کر دے میں تیرے لئے انشاء اللہ تجاویز سوچ کر تحریر کروں گا"۔ یہ خط پڑھ کر سب لوگ دنگ رہ گئے اور وہیں سے فوراً مدینہ لوٹ جانے کا قصد کر لیا۔ محمد بن ابوبکر نے خط پر حاضرین کی مہریں کر کے پھر بند کر دیا اور اس خط کو اپنے ہمراہیوں میں سے ایک کے حوالہ کر دیا اور مدینہ کو واپس ہوئے۔ مدینہ پہونچکر ان لوگوں نے طلحہ، زبیر، علیؑ سعد اور دیگر موجودہ صحابہ کو جمع کیا اور مہر توڑ کر خط انکو ملاحظہ کرایا اور غلام کا تمام قصّہ بیان کیا اور خط پڑھ کر سنایا سب لوگوں کو سخت غصہ حضرت عثمان پر آیا اور ابن مسعود، ابوذر اور عمار یاسر کے معاملات یاد کر کے یہ لوگ اور بھڑک اٹھے اور لوگوں نے بہ ہمراہی محمد بن ابوبکر بنی تمیم (قبیلہ حضرت ابوبکر) حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علیؑ یہ دیکھکر مع طلحہ، زبیر، سعد، عمار یاسر اور دیگر بدری صحابہ اس غلام، خط اور اونٹنی کیساتھ وہاں پہونچے حضرت علیؑ نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ یہ غلام اور اونٹنی کس کی ہے۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میری ہے۔ پھر خط دکھا کر پوچھا کہ یہ آپ نے لکھی تھا؟ حضرت عثمان نے بحلف کہا کہ نہ میں نے یہ خط لکھا نہ لکھوایا نہ اسکا مجھے علم ہے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا کہ اس پر مہر کس کی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بیشک مُہر میری ہے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا کہ غلام بھی آپ کا اونٹنی بھی آپکی خط پر مہر بھی آپکی اور آپ کو اسکا کچھ حال معلوم نہ ہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمان نے پھر قسم کھائی۔ بعد میں مروان کی تحریر پہچانی گئی اور حضرت عثمان پر اس معاملہ میں شک ہوا اور لوگوں نے کہا کہ آپ مروان کو ہمارے حوالہ کر دیجئے۔ مگر آپ نے اس کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ مروان آپکے مکان میں موجود تھا۔ آخر تمام صحابہ سخت ناخوش ہو کر وہاں سے شکایت کرتے ہوئے چلے آئے۔ سب کو اس بات کا یقین تھا کہ حضرت عثمان کبھی جھوٹی قسم نہیں کھائینگے مگر بعض نے کہا کہ ہمارے دلوں کا غصہ دور نہیں ہو سکتا اور حضرت عثمان شک سے بری نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ مروان کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں تاکہ ہم اس معاملہ کی نسبت دریافت کر لیں کہ اصحاب رسول اللہؐ کو قتل کرنے کا حکم

ناحق کیوں دیا گیا اگر اس میں حضرت عثمان کا قصور معلوم ہو تو انکو معزول کر دینگے ۔ اگر مروان ہی کی شرارت معلوم ہو
اور اس نے حضرت عثمان کی طرف سے لکھ دیا ہو تو اس کو الزام دیکر سزا دیں۔ مگر حضرت عثمان نے بخوف قتل مروان اس کو
سپرد کرنے سے قطعی انکار فرما دیا اس پر لوگوں نے پوری طرح محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ ایک مہینہ ۱۹ دن جاری رہا۔ آخر
میں پانی کا اندر جانا بند کر دیا ۔ حضرت عثمان نے دیوار پر سے جھانک کر پوچھا کہ یہاں علیؓ بھی ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ
نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارے درمیان سعد ہیں انہوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کوئی آشنا کرے کہ حضرت علیؓ
کو اس حال سے خبر دیدے اور ہم پیاسوں کو پانی پلادے چنانچہ حضرت علیؓ کو خبر دی گئی۔ آپ نے فوراً تین مشکیزے
پانی کے آپکے ہاں بھیجدیئے۔ یہ پانی بھی حضرت عثمان کو اسوقت تک نہ ملا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے چند غلاموں کو زخم نہ پہونچ
گئے۔ پھر حضرت علیؓ کو اطلاع ملی کہ اگر مروان سپرد نہ کیا گیا تو حضرت عثمان ضرور قتل ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ نے حضرت حسنؓ
و حضرت حسینؓ کو فرمایا کہ تم تلواریں لئے ہوئے حضرت عثمان کے دروازے پر کھڑے رہو اور کسی کو اندر گھسنے نہ دو۔ حضرت زبیرؓ و
طلحہ اور دیگر حضرات نے بھی اپنے اپنے صاحبزادوں کو اسی ہدایت کے ساتھ وہاں بھیجدیا۔ ان سب نے کسی کو اندر گھسنے نہ دیا۔
محمد بن ابو بکر نے یہ دیکھکر مع دیگر ہمراہیوں کے حضرت عثمان کی طرف تیر چلانا شروع کئے یہاں تک کہ حضرت حسنؓ آپکے
دروازہ پر زخمی ہوئے اور روئے مبارک آپ کا خون سے رنگین ہو گیا اور مروان کو مکان کے اندر ایک تیر لگا۔ محمد بن طلحہ بھی
زخمی ہوئے نیز حضرت علیؓ کے غلام کا سر پھٹ گیا۔ محمد بن ابو بکر ڈر گئے کہ کہیں حسنؓ و حسینؓ کا حال دیکھکر بنی ہاشم بگڑ نہ
بیٹھیں اور فتنہ برپا ہو جائے اس لئے انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے دو آدمیوں سے کہا کہ بنو ہاشم نے حسنؓ و حسینؓ کے روئے
مبارک کو خون آلودہ دیکھ لیا تو غضب ہی ہو جائے گا۔ وہ تو عثمان کو بھول جائیں گے اور الٹی آفتیں ہمارے گلہ میں پڑینگی۔
ہمارے ارادے بھی باطل ہو جائیں گے اس لئے بہتر ہے کہ ہم دوسرے گھر میں سے ہو کر پشت مکان سے حضرت عثمان کے
گھر میں کود جائیں اور ان کو قتل کر دیں کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اس مشورہ کے موافق محمد بن ابو بکر اور ان کے دونوں ساتھی
ایک انصار کے مکان سے ہو کر حضرت عثمان تک پہونچ گئے۔ اس وقت آپ اور آپکی بیوی نائلہ (ہمشیرہ مروان) تنہا تھے۔
باقی سب لوگ کوٹھے پر تھے اس لئے کسی کو معلوم نہ ہوا۔ محمدؐ بن ابو بکر نے کہا کہ حضرت کی بیوی ان کے پاس ہیں انکو روک
رکھیں تو تم آنا تاکہ جو کام ہم نے خفیہ طور پر شروع کیا ہے اسی طرح ختم بھی ہو جائے چنانچہ محمد ابن ابو بکر تنہا پہونچے اور
حضرت عثمان کی داڑھی پکڑ لی۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ تیرا باپ تجھ کو اس حالت میں دیکھتا تو کیا کہتا۔ یہ سنتے ہی
محمد بن ابو بکر کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔ اتنے میں وہ دونوں آدمی آگئے اور حضرت عثمان کی طرف جھپٹے اور آپکو قتل کر کے
اسی راستہ سے واپس بھاگ گئے۔ حضرت عثمان کی زوجۂ محترمہ چیخنے لگیں لیکن چونکہ شور و غوغا بہت تھا۔ انکی آواز
کسی نے نہ سنی آخر وہ کوٹھے پر چڑھیں اور بآواز بلند کہا کہ امیر المومنین قتل کر دیئے گئے۔ لوگ دوڑ پڑے اور دیکھا کہ حضرت
عثمان مقتول پڑے ہیں۔ جب یہ خبر حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد اور دیگر اہلیان مدینہ کو پہونچی تو وہ بھی دوڑتے
ہوئے آگئے اور حضرت عثمان کے پاس گئے تو ان کو مقتول پایا۔ پھر واپس آئے اور حضرت علیؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں سے

پوچھا کہ جب تم دونوں دروازہ پر موجود تھے تو حضرت عثمان کیسے قتل کر دیئے گئے۔ محمد بن طلحہ اور عبد اللہ بن زبیر سے بھی بازپرس کی ان سب نے جواب دیا کہ ہم نے خود زخمی ہو کر بھی کسی کو گھر میں گھسنے نہ دیا۔ معلوم ہوا کہ لوگ پیچھے سے دیوار پھاند کر گئے۔ حضرت علیؑ سخت غصہ میں اپنے مکان واپس آئے (واضح ہو کہ مندرجہ بالا تفصیلات بالکلیہ علمائے اہلسنت بشمول علامہ شبلی کی تحریرات کے بموجب ہیں)۔

تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۴۳ پر ہے کہ حضرت عثمان کے طرز عمل کی وجہ سے اسوقت مسلمانوں کو کوئی ہمدردی آپکے ساتھ نہ رہی تھی چنانچہ تین دن تک ان کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی اور عامۃ المسلمین دفن کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئے آخر میں رات کے وقت حش کوکب نام مقام پر جو مسلمانوں کے قبرستان سے الگ یہودیوں کا قبرستان تھا سپرد خاک کئے گئے مدائنی نے مقتل عثمان میں اور نیز واقدی، اعثم کوفی، عبد البر اور دوسرے بہت سے مورخین نے مزید تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد تمام اہل مدینہ اور بزرگان صحابہ نے تین دن تک ان کی لاش کو ایک مزبلہ پر ڈال دیا تھا اور لوگوں کو اس پر نماز پڑھنے اور غسل اور دفن کرنے سے منع کرتے تھے۔ مروان اور حضرت عثمان کے ملازمین بے لاش وہاں سے لے جانی چاہی تو لوگوں نے سنگباری کی لاش کا ایک پاؤں بھی کتے کھا گئے۔ تین دن کے بعد وقت شب یہودیوں کے قبرستان میں دفن کئے گئے اور اکثروں کے قول کے مطابق غسل و کفن بھی نہ دیا جاسکا۔ جب معاویہ کی امارت کا زمانہ آیا تو انہوں نے حکم دیا کہ جو دیوار اس قبرستان اور مسلمانوں کے قبرستان کے درمیان تھی اسکو گرادیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ مُردوں کو حضرت عثمان کی قبر کے اطراف دفن کریں۔ اس طرح اس حصہ کو مسلمانوں کے قبرستان سے ملا دیا گیا۔

ڈاکٹر طہٰ حسین، فتنۃ الکبریٰ کے ص ۲۰۷ پر محاصرہ اور حضرت عثمان کے قتل کی کیفیت اس طرح لکھتے ہیں:۔

(جب مصری وفد شکایتیں لیکر آیا تو حضرت عثمان نکلے اور لوگوں کو خطبہ دیا جمیں مصری وفد کی تعریف کی اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور خدا سے مغفرت چاہی پھر رونے لگے اور اس قدر روئے کہ ان کے لئے لوگوں کے دل رقت سے بھر گئے اور مصری ہنسی خوشی واپس چلے گئے۔ راویوں کا بیان ہے کہ اس خطبہ کے آخر میں حضرت عثمان نے کہا تھا "اب اگر مصیبت آجائے تو تم میں کے اچھے آدمی میرے پاس آجائیں جو زیادتی بھی مجھے معلوم ہوگی میں اسکو دور کروں گا اور جو ضرورت بھی مجھ پر پیش آئیگی میں اسے پورا کروں گا لیکن ابھی وہ گھر پہونچے ہی تھے کہ مروان آپکے پاس گیا اور آپکے خیال میں تبدیلی پیدا کر دی۔ چنانچہ آپ گھر سے نکلے تو لوگوں کو بری طرح جواب دیا.....

دن گذرتے رہے اور حضرت عثمان نے کچھ نہ کیا نہ کہنے کے مطابق کوئی تبدیلی کی نہ کسی گورنر کو برطرف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی سال شوال کا مہینہ آتے ہی مصریوں نے دوسری بار خروج کیا۔ اس مرتبہ انکی تعداد اقل درجہ ۶۰۰ یا ایک ہزار تھی اسی زمانہ میں کوفہ اور بصرہ سے بھی لوگ نکلے اور سب کے سب مدینہ کے باہر پہونچے اور حضرت عثمان کو اپنے آنے کی اطلاع کر دی حضرت عثمان نے حضرت علیؑ اور محمد بن مسلمہ کو بھیجنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ نے انکار کر دیا اور محمد بن مسلمہ نے (بھی) کہا اللہ کو میں ایک سال میں دوبار جھٹلا نہیں سکتا پھر بھی مدینہ والوں نے منظور نہیں کیا کہ کچھ لوگ زبردستی گھس

آئیں چنانچہ وہ ان کے مقابلے کے لئے نکل آئے۔ اب مصر، کوفہ اور بصرہ کے وفود نے دیکھا کہ علیؑ، طلحہ اور زبیر نے پڑاؤ ڈال دیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ان کی جماعت ہے جو زبردستی داخلہ کے خلاف ہے اور دارالہجرہ کی حفاظت کرنا چاہتی ہے۔ پھر وہ سب کے سب واپس ہونے لگے۔ ان لوگوں نے ایسا ظاہر کیا کہ وہ اپنے شہروں کو واپس جارہے ہیں، اس کے بعد مدینہ والوں نے یقین کر لیا کہ شہر خطرہ سے دور ہوگیا اور حملہ آور اُلٹے پاؤں چلے گئے لیکن یکایک مدینہ کی گلیاں تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں اور لوگ دہشت زدہ ہوگئے۔ اب انکو معلوم ہوا کہ اپنے شہروں کو واپسی کا مظاہرہ ایک دھوکا تھا۔ جب ان آنے والوں نے دیکھا کہ شہر میں امن وسکون ہے تو وہ بلا روک ٹوک داخل ہوگئے اور ایک پکارنے والے نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ جو کوئی اپنی گھر میں بیٹھ رہا اسکو امان ہے جو ہمیں تکلیف پہونچانے سے باز آیا اسکو امان ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا۔

ص۳۱۱ حضرت عثمان نے خطبہ دیکر کہا کہ اے دشمنو خدا سے ڈرو۔ واللہ مدینہ کے لوگ جانتے ہیں کہ تم حدیث نبوی کے مطابق ملعون ہو۔ جبلہ ابن عمر ساعدی کھڑا ہوا جو انصار میں سے ایک شخص تھا اور کہنے لگا عثمان! تم منبر سے نیچے اترو ہم ایک عبا پہنا کر ایک بوڑھے اونٹ پر سوار کرینگے اور جس طرح تم نے بزرگوں کو شہر بدر کیا ہے ہم تمکو جبل دخان بھیج دیں گے۔۔ یہ جبلہ کہا کرتا تھا کہ اگر آپ نے خلافت نہیں چھوڑی تو میں آپکی گردن میں زنجیر ڈالکر کھجلی والی اونٹنی پر بٹھاؤں گا اور جبل دخان پر پہونچا کر چھوڑ دوں گا۔ مزید برآں ہر شخص آپکے گورنروں کے بارے میں اور خاص طور پر مروان اور حکم کے خاندان کے بارے میں آپکو سخت اور سست کہا کرتا تھا اور جب کوئی اس سلسلہ میں گفتگو کرتا تو کہا کرتا تھا کہ کل میں جب خدا سے ملوں گا تو واللہ اس سے کہوں گا کہ انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا (ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اتباع کی پس انہوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا) ابھی تک محاصرہ سخت نہیں تھا۔ حضرت عثمان کو نماز کے لئے باہر آنے کی اجازت تھی۔ اس دوران میں باغی مطالبہ کرتے رہے کہ آپ خلافت سے دستبردار ہوجائیں۔ حضرت عثمان نے انکار کیا اس کے بعد باغیوں نے محاصرہ سخت کر دیا اور پانی بند کر دیا۔ حضرت علیؑ نے تدبیر کرکے پانی پہونچا دیا اور باغیوں کے پاس پہونچ کر انکو ڈانٹا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو یہ نہ مومنوں کا طریقہ ہے نہ کافروں کا۔ رومی اور ایرانی بھی اپنے قیدیوں کو کھلاتے پلاتے تھے۔ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان تھوڑا سا پانی لیکر آئیں تو باغیوں نے ان کے خچر کے منھ پر مارا اور اس کی کمر کا پٹکا کاٹ دیا۔

علامہ عمر ابو النصر اپنی کتاب "علیؑ اور عائشہ" کے ص۹۵ پر لکھتے ہیں "انہوں (مفسدین) نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپکو شہید کرنے کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے۔ اس نازک وقت میں حضرت عثمان کے عزیز اقارب ان کا ساتھ چھوڑ کر شام چلے گئے لیکن حضرت علیؑ اور ان کے بیٹوں نے کامل جانثاری کے ساتھ آپکی حفاظت کی اسی مدافعت کا اثر تھا کہ مفسدین دروازہ کی راہ سے حضرت عثمان کے گھر میں داخل نہ ہوسکے بلکہ پچھلی طرف سے دیوار پھاند کر انہوں نے آپکو شہید کر دیا" ڈاکٹر طہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ ص۱۳۰ پر لکھتے ہیں "ایک جماعت بضد تھی کہ حضرت عثمان کے خون میں محمد بن ابوبکر کا ہاتھ بھی ہے۔۔۔۔۔ حضرت علیؑ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عثمان کے قاتل ہو؟ انہوں نے انکار کیا اور

حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے اس کی تصدیق کر دی"۔

حصّہ دوم صفحہ ۳۱۴ پر ڈاکٹر طٰہٰ صاحب لکھتے ہیں "عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت علیؓ کے دونوں صاحبزادے حسنؓ و حسینؓ اور محمد بن طلحہ حفاظت کرنیوالوں میں شامل تھے۔ کچھ دنوں یہی حالت رہی۔ پھر خبر آئی کہ عراق کی امداد مدینہ کے قریب آ چکی ہے اور شام کی امداد وادئ قریٰ تک پہونچ چکی ہے۔ اس کے بعد راویوں کے بیان میں شدید اختلاف ہے حضرت عثمانؓ کے حامی راوی کہتے ہیں۔ باغیوں کو خطرہ ہوا کہ اگر امداد مدینہ پہونچ گئی تو ان کی راہ میں حائل ہو گی۔ اس لئے انہوں نے محمد ابن ابوبکر کی قیادت میں اپنے چند آدمیوں کو اندر گھسا دیا۔ یہ لوگ عمر بن حزم کے مکان سے' جو حضرت عثمانؓ کے گھر سے متصل تھا اور جس کے بیچ میں چھوٹا سا دروازہ تھا' حضرت عثمانؓ تک پہونچ گئے' اور ان کو قتل کر دیا لیکن مخالف راویوں کا بیان ہے کہ ابتدا ءگھر والوں ہی سے ہوئی اور وہ باغیوں کی طرف دوڑ پڑے حضرت عثمانؓ کھڑکی سے سر نکالے ہوئے تھے کہ باغیوں میں سے ایک شخص نیار بن عیاض اسلمی نے' جو کہن رسیدہ صحابی تھے' حضرت عثمانؓ کو پہلے نصیحت کی کہ وہ از خود خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اسی اثناء میں نیار بن عیاض کو ایک تیر اور ایک پتھر گھر میں سے لگا۔ جس سے وہ مر گئے۔ اب باغیوں نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ ہمارے آدمی کے قاتل کو ہمارے حوالہ کرو تاکہ ہم اس سے قصاص لیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ مجھے کیا معلوم قاتل کون ہے۔ یا یہ کہا کہ میں ایک ایسے آدمی کو جو میری طرف سے مدافعت کر رہا ہے اور تم میری جان کے خواہاں ہو تمہارے حوالہ کروں اس کے بعد ہی ایک سخت رات درمیان میں رہی۔ صبح ہوتے ہوتے باغیوں نے گھر پر حملہ کر دیا اور دروازہ میں آگ لگانے لگے تب گھر کے لوگ مقابلہ کرنے کے لئے گھر سے نکلے اور لڑائی میں شدت پیدا ہو گئی۔ عبداللہ ابن زبیر کو زیادہ زخم آئے مروان بن الحکم تو اس طرح گرا کہ لوگوں نے مرجانے کا شبہ کیا۔ بہت سے لوگوں کی جانیں گئیں اور باغی گھر میں گھس آئے اسی درمیان میں عمر بن حزم نے اپنا دروازہ کھول دیا پھر اس کے چھوٹے دروازے سے لوگ حضرت عثمانؓ تک پہونچے اور ان کو قتل کر دیا"۔

یہ پوری تفصیل ہم نے یہاں معتبر کتب اہل سنت سے اسلئے درج کر دی ہے کہ اس امر کا اندازہ ہو سکے کہ حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے جو حضرت علیؓ کو خونِ عثمانؓ میں شریک بتلا کر آپ سے جنگ (جمل) کی تو وہ ادعا کیسا بے حقیقت اور افترا پردازی پر مبنی تھا۔ حضرت علیؓ سے جنگ کرنے کی حقیقی غرض یا وجہ کیا تھی اسکا ذکر باب دہم میں ہم جنگ جمل کے ضمن میں کرینگے۔

حضرت عثمانؓ کا اپنے بعد عبدالرحمن بن عوف کو خلیفہ بنانے وصیت نامہ

یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بعد اپنے بہنوئی اور چچا زاد بھائی عبدالرحمن بن عوف کی خلافت کا بھی انتظام کر دیا تھا۔ چنانچہ بخاری موسوم بہ تیسیر البخاری مترجمہ وحید الزماں صاحب پارہ ۱۴ کتاب مناقب صفحہ ۱۰۲ پر روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک مرتبہ اپنی بیماری میں زبیر کو خلیفہ کرنے کا خیال کیا تھا اور پھر عبدالرحمن بن عوف کی خلافت کے لئے ایک وصیت نامہ بھی تحریر کر دیا تھا۔ کوئی تعجب نہ تھا جو اس پر بھی عمل ہو جاتا اور جس طرح حضرت ابوبکرؓ کے خلافت نامہ لکھدینے سے حضرت عمرؓ خلیفہ بنے اسی طرح حضرت

عثمان کے وصیت نامہ سے عبدالرحمن بن عوف خلیفہ بن جاتے۔ مگر حضرت عثمان کی متواتر شکایتوں اور اقربا پروری اور بہت سارے صحابہ کے ساتھ بدسلوکی اور عام صحابہ بھی آپ سے بددل ہو جانے سے ان باتوں کے نتیجہ کے طور پر آپ قتل ہو جانے سے کسی نے آپکے اس خلافت نامہ پر دھیان نہ دیا ورنہ اس نوبت پر بھی حضرت علیؑ کو خلافت سے علحدہ رکھنے کی کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔

بزرگ صحابہ کی نظر میں قتل عثمان جائز تھا اعثم کوفی نے فتوح میں روایت کی ہے کہ عمر بن عاص نے عمار سے پوچھا عثمان کو کس نے قتل کیا۔ جواب دیا خُدا نے۔

ابن ابی الحدید نے روایت کی ہے کہ عمر بن العاص نے عمار سے پوچھا کہ کیا علی نے عثمان کو قتل کیا۔ جواب دیا علیؑ کے خُدا نے قتل کیا اور علی خدا کے ساتھ تھے۔ پوچھا لوگوں نے عثمان کو کیوں قتل کیا۔ کہا اس نے ہمارا دین متغیر کرنا شروع کیا۔ ابوذرؓ ابن مسعود اور حُذیفہ کا بیان تھا کہ بحمداللہ ہمیں عثمان بن عفان کے فسق و فجور و نفاق میں کسی قسم کا شک نہیں رکھتا مگر جس میں شک رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ انکا قاتل کافر تھا یا ایسا مومن تھا جس کا ایمان تمام مومنوں سے افضل ہے۔

زید ابن ارقم کا بیان ہے کہ لوگوں نے عثمان کو قابل قتل سمجھا کیونکہ مال خدا کو انھوں نے دولتمندوں کی زینت سمجھا۔ بزرگ اصحابِ رسول کو مثل محاربانِ خُدا و رسول قرار دیا اور کتاب خُدا کے خلاف عمل کیا۔ حضرت عائشہ نے رسولؐ خدا کا پیراہن ہاتھ میں لیکر کہا اے عثمان یہ پیراہن کہنہ نہیں ہوا اور تو نے حضرت رسولؐ کے دین کو کہنہ کر دیا۔ حضرت عائشہ عثمان کیلئے اُقتلوا نعثل قتل اللہ نعثلا کہا کرتی تھیں اور کبھی کہتی تھیں اُقتلوا احراق المصاحف یعنی قرآنوں کے بہت جلانے والے کو قتل کر ڈالو۔ بعض قدیم مصنفین نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر کی خلافت کو اجماع تصور کیا جائے تو اس سے کہیں زیادہ تمام اصحاب و مہاجرین و انصار نے نیز دوسرے شہروں کے تمام لوگ جو مدینہ آئے تھے ان سب نے حضرت عثمان کے قتل پر اجماع کیا۔ لہذا اجماع خلافتِ ابوبکر کو جائز سمجھنے والوں کیلئے قتل عثمان کے اجماع کو جائز سمجھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

کتاب صراط المستقیم میں روایت ہے کہ سبط ابن جوزی نے جو علماء اہلسنت سے بڑا عالم تھا اپنے غرور علم میں سلونی قبل ان تفقدونی (یعنی پوچھ لو مجھ سے جو چاہو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ) کہا جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ پس ایک عورت نے اُٹھکر سوال کیا کہ سلمان فارسی نے مدائن میں رحلت کی۔ حضرت علی علیہ السلام مدینہ سے مدائن جو ایک ماہ کی راہ ہے ایک شب میں تشریف لائے اور ان کی نماز و دفن سے فارغ ہو کر مراجعت فرمائی۔ ابن جوزی نے کہا ہاں اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ پھر عورت نے کہا حضرت عثمان مدینہ میں قتل کئے گئے اور تین دن تک مزبلہ پر پڑے رہے اور حضرت علی نے باوجودیکہ مدینہ میں تشریف رکھتے تھے ان پر نماز نہ پڑھی۔ جواب دیا ہاں درست ہے۔ عورت نے کہا پس ان دونوں میں سے ایک پر خطا لازم آتی ہے۔ ابن جوزی کو جب جواب بن نہ پڑا تو کہا اگر تو بلا اجازتِ شوہر گھر سے باہر آئی ہے تو تجھ پر خدا کی لعنت اور اگر اُسکی اجازت سے باہر آئی ہے تو اس پر لعنت۔

عورت نے کہا کیا عائشہ با اجازت حضرت رسولِ خدا حضرت علی سے جنگ کرنے گھر سے باہر نکل کر بصرہ گئی تھیں؟

حضرت علی پر قاتلانِ عثمان سے قصاص نہ لینے کا جھوٹا اعتراض

بعض گوشوں سے یہ اعتراض اُٹھایا جاتا ہے کہ حکومت پر فائز ہونے کے بعد حضرت علی نے حضرت عثمان کے قاتلوں سے کیوں قصاص نہیں لیا۔ اس پر غور کرنے کے لئے کئی اُمور کو پیشِ نظر رکھنا اور اسوقت کی نوعیت حالات کو دھیان میں رکھنا ضروری ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عثمان کا قتل کوئی اضطراری واقعہ یا اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ ایک اچھی طرح سوچے سمجھے منصوبہ کا نتیجہ تھا۔ حضرت عثمان کا اپنے بدکردار عزیزوں کا بڑی خدمات پر برقرار رکھنا اور ان کے خلاف شکایت کرنے والوں کو اُلٹے سزا دینا حتیٰ کہ اکابرِ صحابہ مثلِ ابوذر غفاری، عمار یاسر اور عبداللہ ابن مسعود وغیرہ کو بے رحمی سے زدوکوب اور جلاوطن کرنا اور بیت المال کا پیسہ اپنی ذات اور بنو اُمیہ پر بے دریغ صرف کرنا ایسے اُمور تھے کہ رعایا تنگ آ چکی تھی۔ ہر قسم کے اتمامِ حجت کے بعد بھی حضرت عثمان نے کسی ایک شکایت کا بھی نہ صرف یہ کہ ازالہ نہ کیا بلکہ شاکی وفود کو ڈرا دھمکا کر لوٹا دیا اور اپنے حاکموں کو لکھا کہ جب یہ واپس آئیں تو انہیں قتل کر دو۔ یہ حاکم نہ صرف ظالم اور بے ایمان تھے بلکہ دینی معاملات میں بھی یہ کیفیت تھی کہ بحالتِ نشہ فرض نمازوں کی من مانی رکعتیں بڑھا دیتے۔ کبھی کوئی اپنی کنیز کو مردانہ کپڑے پہنا کر امامت کیلئے کھڑا کر دیتا تھا۔ ظلم اور بے دینی کے اِس ماحول میں مدینہ کے اطراف و اکناف اور دور دور سے مظلوم اور احتجاج کرنے والے جمع ہونے لگے جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی اور آخر میں انھوں نے باغیانہ شکل اختیار کر لی۔ تین دن تک حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر کے پانی تک بند کر دیا۔

اِدھر باغیوں کو حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر، عمر بن العاص وغیرہ کی کھلی حمایت حاصل تھی جو قتلِ عثمان کے جواز کے فتوے دے رہے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں "اُقتلُ النعثل" یعنی اِس بوڑھے یہودی کو مار ڈالو۔ ایک تازہ واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت عثمان کے سالے مروان نے حضرت عثمان کی مہر لگا کر محمد بن ابوبکر کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا۔ حضرت عثمان نے مروان کو گھر ہی میں پناہ دے رکھی تھی اور اس کی مدد سے دست بردار ہونے یا کسی بھی شکایت کے ازالہ کے لیے اس نوبت پر بھی آمادہ نہ تھے۔ اتمامِ حجت کے بعد چند باغی دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہو گئے اور حضرت عثمان کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد بھی باغیوں کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا اور حضرت عثمان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے نہ دیا۔ تین دن تک لاش ایک مزبلہ پر پڑی رہی اور

اور کہتے ایک ٹانگ بھی کھا گئے۔ تین دن بعد بنو اُمیہ نے یہودیوں کے قبرستان میں ان کو دفن کر دیا۔ (معاویہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں اس حصّہ کو مسلمانوں کے قبرستان میں ملالیا)

غور کے قابل بات ہے کہ جہاں ہزاروں آدمی قتل میں شامل ہوں تو ان میں سے قتل کیلئے تلوار چلانے والوں کی نشاندھی اور شناخت بھی بجائے خود ایک مشکل امر تھا۔ پھر ان ہزاروں سے جو خود قاتل یا مویّد قتل تھے کیسے قصاص لیا جا سکتا۔ ان لوگوں نے قرآنی شواہد پیش کرنے کے بعد یہ اقدام کیا تھا اور قتل کے مرتکب ہوئے تھے۔ اعثم کوفی نے ' فتوح ' میں روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی درج کیا ہے کہ اکابر صحابہ ابوذر غفاری، عبداللہ ابن مسعود اور حذیفہ بن الیمان کہتے تھے کہ بحمد اللہ ہم عثمان کے فسق و فجور اور نفاق میں کسی قسم کا شک نہیں رکھتے مگر جس میں شک رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اُنکا قاتل کافر تھا یا ایسا مومن تھا جسکا ایمان تمام مومنوں سے افضل ہے۔ فقۂ سنّی۔ کے اعتبار سے بھی جو قتل تاویل کی بناء پر ہو اس میں شرعاً قصاص کا جواز ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ ایک بڑے سنّی فقیہ مُلّا علی قاری شرح فقۂ اکبر کے ص۷۶ پر لکھتے ہیں :۔

ترجمہ :۔ " حضرت علی نے جو عثمان کے قاتلین کو قتل نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ باغی تھے اور جو باغی ہوتا ہے وہ قوّت و طاقت بھی رکھتا ہے اور اپنے اقدام کے جواز کی تاویل بھی۔ وہ لوگ حضرت عثمان کے قتل میں تاویل بھی رکھتے تھے اور حکومت سے ٹکراؤ کی قوت بھی اور حضرت عثمان کی ناپسندیدہ باتوں کی وجہ سے اس اقدام کو جائز و حلال سمجھتے تھے اور ایسے باغیوں کا حکم شرعی یہ ہے کہ جب وہ امام عادل کے مطیع ہو جائیں تو جو کچھ وہ پہلے اہل عدل کا نقصان کر چکے ہوں اور ان کے بدنوں کو مجروح کر چکے ہوں ان سے اُن چیزوں کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ لہذا حضرت علی کیلئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ انھیں قتل کریں یا قصاص طلب کرنے والوں کے حوالہ کریں۔"

حضرت عثمان کے خلیفہ بننے اور اُن کے قتل کے متعلق مولانا شاہد زعیم فاطمی کی رائے

مولانا شاہد زعیم فاطمی اپنے مقالہ "حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف" مطبوعہ رسالہ سرفراز لکھنؤ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۷۷ء کے صفحہ ۱۸ و صفحہ ۲۵ و صفحہ ۲۶ پر فرماتے ہیں:- "حضرت عثمان کا خلیفہ بننا تاریخ اسلام کا وہ حیرتناک واقعہ ہے جس کی کوئی معقول توجیہ آج تک نہ کوئی موافق کرسکا نہ مخالف۔ چوہتر برس کے اس بوڑھے سرمایہ دار کو ایک خاص سازش کے تحت خلیفہ منتخب کیا گیا..... جنھوں نے اسلامی سلطنت کو بنی اُمیہ کی سلطنت میں تبدیل کرنے کا ایک واضح منصوبہ تیار کیا اور بنی ہاشم کے شرف و مجد پر پانی پھیرنے کی ایک منظم سازش کی...... یہ کیسا سنگین حادثہ تھا جو اسلام پر گزرا کہ اسلامی مملکت کی باگ ڈور ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں چلی گئی جس کا مزاج اسلام سے ہم آہنگ نہ تھا اور جو دل و جان سے نظام سرمایہ داری کا حامی و محافظ تھا..... جس کی حیثیت عہد رسالت میں محض ایک سرمایہ دار تاجر کی تھی اور جس کی واحد امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی لاکھوں کی آمدنی میں سے دس بیس ہزار روپیہ اسلام کے نام پر صرف کر دیتا تھا۔ کسی معرکہ میں اُسے حضورؐ کی صحبت میں رہنے کا موقعہ نہیں ملا۔ جو کبھی مرد میدان نہیں رہا۔ جسے اپنی پوری زندگی میں اسلام کی عظمت و ناموس کے تحفظ کیلئے تلوار اُٹھانے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اصحاب بدر میں تھا نہ غزوۂ احد کے مجاہدین میں اس کا نام ملتا ہے نہ بعد کی کسی جنگ میں اس کی شرکت ثابت ہے۔ اچانک حضرت عمر قتل کر دیئے جاتے ہیں اور اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر عبدالرحمٰن ابن عوف نے جو خود ایک کروڑ پتی سرمایہ دار تھا اور عثمان کا بہنوئی بھی در پردہ ایسی پخت و پز کی کہ قرعہ فال حضرت عثمان کے نام نکل آیا اور مملکت اسلامیہ کی زمام ایسے شخص کے ہاتھوں میں آگئی جس کا عمر بھر کا مشغلہ لین دین بھاؤ تاؤ اور بہی کھاتوں کی دیکھ بھال کے سوا کچھ نہ تھا؟

مولانا موصوف صفحہ ۳۱ و صفحہ ۶۳ و صفحہ ۶۲ پر قتل عثمان کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:-

افسوس کہ قتلِ عثمان کے واقعہ کو مسلمانوں نے اس کے حقیقی رنگ میں کبھی نہیں دیکھا۔ حضرت عثمان نے اپنے حق میں خود کانٹے بوئے اور جب وہ غلط روش کو اپنائے ہوئے تھے تو یہی معاویہ اور عمر بن العاص اور ایسی قماش کے دوسرے لوگ اُن کے مددگار بنے ہوئے تھے اور جب وہ اپنی سزا کو پہنچ گئے تو اب یہی غلط کار شیران کی مظلومیت کے ماتم گسار بن گئے..... حضرت عثمان کیلئے موزوں راستہ یہی تھا کہ وہ خود حکومت سے کنارہ کش ہو جاتے لیکن چونکہ انھوں نے اقتدار پر قابض رہنے کو ترجیح دی اس لئے اُمّت کے پاس اس کے سوا کیا چارہ کار تھا کہ وہ ہر قیمت پر اُن سے پیچھا چھڑا لیتی۔

صفحہ ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں:- "حضرت عثمان کے خلاف عوامی ردِّ عمل اس قدر شدید تھا کہ تین روز تک انکی میت بے گور و کفن پڑی رہی اور ان کی لاش کی بےحرمتی کا یہ عالم رہا کہ معتبر روایات کے مطابق انکا جسم بے روح

لاوارث پڑا رہا اور ایک روایت کے بموجب ان کی ایک ٹانگ کو کتا گھسیٹ کر لے گیا۔ تین چار روز بعد جب عوام کا اشتعال قدرے کم ہوا تو انھیں بڑی رواداری میں بغیر کسی اعزاز واکرام کے دفن کر دیا گیا۔ کیا عوام کے کسی پسندیدہ حکمران کا یہ حشر ممکن تھا؟..... حضرت طلحہ نے باغیوں کو ایک قریبی مکان کا راستہ بتایا کہ وہ اس راستہ سے ہو کر حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہو سکیں۔ لیکن حضرت عثمان کے قتل کے بعد یہی طلحہ یکایک ان کے خون کے قصاص کے درپے ہو گئے۔"

صفحہ ۹۵ پر مولانا لکھتے ہیں: "قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے میں تساہل برتنے کا جو الزام حضرت علی ابن ابی طالب پر عائد کیا جاتا ہے وہ بھی ایک سیاسی بہتان ہے۔ عثمان بن عفان کا قتل ایک فرد یا چند افراد کی سازش کا نتیجہ نہ تھا کہ اس کے لئے واویلا کیا جاتا۔ ایک حقیر اقلیت کو چھوڑ کر پوری اُمّت کی اجتماعی بغاوت کے سبب یہ حادثہ رونما ہوا۔ ایسی صورت میں قصاص کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔ قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے کے سلسلہ میں حضرت علی ابن ابی طالب کا موقف اپنی جگہ بالکل درست تھا اور آپ اس معاملہ میں بالکل بے قصور تھے۔ ایسے حالات میں جبکہ ہر شخص قتلِ عثمان کی ذمہ داری قبول کرنے تیار تھا جب حضرت علیؑ نے قصاص لینے کا خیال ظاہر فرمایا تو دس ہزار سے زائد افراد نے "ہم سب قاتلینِ عثمان ہیں" کے نعرے لگائے۔"

چند اُمور بہ یک نظر

اس باب میں ہم نے مختلف عنوانات کے تحت خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے قیام سے متعلق تفصیلات درج کی ہیں۔ یہ دیکھا جائیگا کہ قیام خلافت کے سلسلہ میں مختلف کارسازیوں کا جو نقشہ ہر ناظر تاریخ کے سامنے بہ یک نظر بھی آجاتا ہے وہ یہ ہے۔

(۱) اول تو بعد وفات حضرت رسولؐ، حضرت عمر یہ کہتے رہے کہ جو کوئی کہے کہ رسول اللہؐ نے وفات پائی ہے اسکو قتل کر دوں گا۔ اس کے بعد اپنے سمدھی ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس پہونچ کر ان سے خلیفہ بننے کی خواہش کی مگر انہوں نے قبول نہ کیا (۲) اس کے بعد حضرت ابوبکر و عمر ایکدوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے حضرت رسولؐ کے غسل وکفن و دفن میں شریک نہ ہو کر سقیفہ بنو ساعدہ (چھوٹے مشوروں کا مقام) پہونچے اور تین دن یہ کارروائی جاری رہی۔

حضرت عمر پہلے ہی سے ایک عمدہ تقریر بھی اس موقع کے لئے تیار کر کے لے گئے تھے اور اپنے سمدھی ابو عبیدہ بن الجراح اور دیگر مہاجرین کو بھی ساتھ لے گئے تھے اور جب مہاجرین نے یہ کہکر اپنی فضیلت پیش کی کہ رسول اللہؐ قریش سے تھے اور ہم قریش سے ہیں تو انصار نے کہا کہ پھر حضرت علیؑ سے بیعت کرو۔ بعض انصاریوں نے حضرت ابوبکر سے صاف صاف کہا کہ نفاق سے باز آجاؤ اور خلافت خاندان نبوت میں چھوڑ دو اس کے بعد انصار سے لڑائی جھگڑے اور سعد بن عبادہ انصاری کو زدوکوب کئے جانے کے بعد حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر سے کہتے کہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ وہ کہتے میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور کئی مرتبہ اس ردّ وبدل کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر آپ کو خلیفہ بنا دیا۔ پھر حضرت عثمان نے بیعت کی پھر عبدالرحمٰن بن عوف نے اور پھر ابو عبیدہ بن الجراح نے اور پھر معاذ بن جبل نے (۳) حضرت ابوبکر نے اپنے انتقال کے وقت خلافت نامہ حضرت عثمانؓ

ہاتھ سے لکھوایا اور حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر کے اپنی زندگی ہی میں ان کے ہاتھ پر لوگوں سے بیعت کرادی۔ (۴) تحریر خلافت نامہ کی بھی یہ صورت رہی کہ لکھواتے لکھواتے جب حضرت ابوبکر کو غش آگیا تو یہ سمجھکر کہ آپکا انتقال ہوگیا۔ حضرت عمر کا نام حضرت عثمان نے اپنی طرف سے لکھ دیا اور جب حضرت ابوبکر کو ہوش آیا تو پوچھا کہ کیا لکھا؟ جب کہا گیا کہ حضرت عمر کا نام لکھدیا گیا ہے تو بولے کہ کیا بہتر نام تم نے لکھا ہے (۵) حضرت عمر خلیفہ بننے کے بعد اس فکر میں رہے کہ اپنے ہمدمی ابوعبیدہ بن الجراح یا معاذ بن جبل کو یا ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم کو اپنا خلیفہ بنائیں مگر ان کا انتقال حضرت عمر کی زندگی ہی میں ہوگیا تو حضرت عمر نے پہلے کہا لوگ سعد سے بیعت کرلیں تو بہتر ہے۔ پھر چھ آدمی کی ایک کمیٹی بنا کر اس کا سرپنچ حضرت عثمان کے بہنوئی عبدالرحمٰن بن عوف کو بنایا اور یہ حکم دیا کہ اختلافات رائے کی صورت میں میرے بیٹے عبداللہ بن عمر کو حکم بنایا جائے اور عبداللہ بن عمر پر یہ پابندی عائد کردی کہ وہ اس طرف تصفیہ کریں جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے ہو۔ یعنی اس کج لپیٹ کے پردہ میں صاف صاف حکم یہی تھا کہ حضرت عثمان کے بہنوئی جس کے موافق رائے دیں وہی خلیفہ قرار پائے اور اپنے بیٹے کا قدم درمیان میں لاکر اور انکو بھی عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے کا پابند قرار دیکر عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے کو اور زیادہ تقویت پہونچادی۔ پھر آخری حکم یہ دیا کہ اس طرح بنے ہوئے خلیفہ سے اس کمیٹی میں کا جو آدمی (جسمیں حضرت علیؑ بھی شامل تھے) راضی نہ ہو اس کو قتل کردیا جائے۔ اس غرض کے لئے ایک شخص صہیب کو حضرت عمر نے تلوار کے ساتھ یہ کہکر متعین کیا تھا کہ ان کے سروں پر کھڑا ہو اور راضی نہ ہونے والے شخص کو قتل کردے اس طرح گویا حضرت عثمان کے خلیفہ بنائے جانے کو حضرت عمر نے پکا کردیا اور اس طرح حضرت علی علیہ السلام اختلاف فرماتے تو آپکے فوری قتل کی صورت بھی حضرت عمر نے پیدا کردی تھی حضرت علی علیہ السلام نے جب ہی فرمایا تھا کہ ان حالات میں ہمارے خلیفہ بننے کی کوئی صورت نہ رہی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؑ سے یہ کہتے ہوئے بھی کہ آپ افضل ہیں اور خلافت آپکا حق ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر کے نقش قدم پر چلنے کی شرط درمیان میں ڈالکر حضرت عثمان کو خلیفہ بنا دیا (۶) حضرت عثمان نے بارہ سال خلیفہ رہ کر اپنے بہنوئی عبدالرحمٰن بن عوف کے نام (جنہوں نے خود حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا تھا) اپنے بعد خلیفہ قرار پانے کا وصیت نامہ لکھدیا۔ مگر حضرت عثمان کی غیر معمولی شکایتوں اور عام صحابہ کو ناراض کرنے اور قتل ہونے سے یہ منصوبہ رو بہ عمل نہ آسکا۔

بہرحال خلافت کی تقسیم اور بٹوارہ اسی ہاتھ دے اس ہاتھ لے کے اصولوں پر عمل میں آتا رہا۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے ناقۂ خلافت کے پستان کو آپسمیں خوب بانٹ لیا۔ یہ امر بالکل عیاں ہے کہ خلافت کی ان سازشوں میں نہ صرف خلیفۂ اول کا خلیفہ بننا شامل تھا بلکہ وہیں سے داغ بیل اس طرح ڈالی گئی کہ حضرت عمر پھر حضرت عثمان بلکہ عبدالرحمٰن بن عوف تک کی خلافت کا سرانجام ہوجائے اور حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سے دور سے دور تر رکھا جائے اور آپ کبھی نوبت پر معترض ہوجائیں تو آپکے قتل کا بھی سامان کردیا جائے یہ پولیٹکل اور شاطرانہ چالیں ناظرین کے بہت کچھ غور کے قابل ہیں اور یوں تو خلافت اولیٰ کے متعلق حضرت عمر نے خود ہی

صاف صاف بیان کر دیا تھا کہ ہم نے ابو بکر کی بیعت جلدی میں اس لئے کرلی کہ لوگ کسی اور کی بیعت کر لیں تو توہمیں مجبور ہونا پڑے گا کہ اس شخص کی بیعت کریں جس پر ہم راضی نہیں ہیں اور ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ رسالت اور خلافت ایک ہی خاندان میں رہے اور بنی ہاشم کو فخر کرنے کا موقع ملے۔

قیام واختتامِ خلافت خلفائے ثلاثہ کے اس ذکر کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری کے متعلق ہم باب دہم میں بیان کریں گے اور اس باب کو حضرت اوج یعقوبی کے ایک بند پر ختم کرتے ہیں ؎

کیا ایک رات کو شبِ ضربت کا رکھئے نام — مولا کا قتل ہوتا رہا زندگی تمام
پیرایۂ وفا میں شہادت کا اہتمام — اور اشقیاء میں ہے سرِ فہرست ابن شام
حیدرؑ کے دشمنوں میں ہوس کے اسیر تھے
جاہل نہیں تھے لکھے پڑھے بے ضمیر تھے

صحابہ کی سازشوں سے متعلق حیات القلوب کی قابلِ غور تفصیلات

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ قبل سے خصوصاً غدیرِ خم پر مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی ولایت خلافت کے ۱۸ ذالحجہ ۱۰ھ کو اعلان کے بعد مخالفانِ رسول وآلِ رسولؐ کی جو کارسازیاں چل رہی تھیں اُنکا مجملاً ذکر ہم نے مستند احادیث اور معتبر تاریخوں کے حوالہ سے اسی باب میں کیا ہے۔ اگرچہ ہم نے اپنی پوری تحریر کو صرف کتبِ اہلسنت کے اندراجات پر مبنی کیا ہے، مگر ذیل میں ہم ایک استثنائی صورت کے طور پر ایک شیعہ عالم علامہ ملا باقر مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب حیات القلوب کی کچھ عبارت جلد دوم صفحہ ۸۲۰ تا ۸۳۳ سے اس کے اقتباسات درج کرتے ہیں جس کے ہر ہر لفظ کی تائید اُن تمام سنی کتب کے مندرجات سے ہوتی ہے جنکا ہم نے اس باب میں حوالہ دیا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اسمیں وہ تفصیلات موجود ہیں جو مندرجاتِ تواریخ وکتب اہلسنت کو ایک دوسرے سے واضح طور پر مربوط کردیتی ہیں۔ اس عبارت میں متعدد ایسی آیاتِ قرآنی کا حوالہ بھی موجود ہے جس کی تعبیر وتفسیر کسی اور طریقہ پر ممکن نہیں اور جنمیں اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ دین کی کارسازیوں سے حضرت رسول کو وقتاً فوقتاً مطلع فرمایا ہے۔

حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۸۲۰ پر بحوالہ ارشاد القلوب اس طرح مذکور ہے:۔

"کتاب ارشاد القلوب میں مذکور ہے کہ ایک انصاری حذیفہ بن الیمان کی وفات کے وقت مدائن میں ان کے پاس آیا اور غاصبانِ خلافت اور اس اُمت سے پلٹ جانے والوں کے بارے میں دریافت کیا۔ حذیفہ نے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد کہا کہ جب جناب رسول خدا خلاقِ عالم کی جانب سے حج پر مامور ہوئے۔ مدینہ کے اطراف اور تمام شہروں، قریوں اور وادیوں میں حضرت نے منادی کرنے والوں کو بھیجا کہ لوگوں کو حج کیلئے طلب کریں۔ جب ہر طرف کے لوگ جمع ہوگئے تو آنحضرتؐ سب کو ہمراہ لے کر حج کو روانہ ہوئے۔ اور ان کو مناسکِ حج کی تعلیم دی اور جب اعمال حج سے فارغ ہوئے

جبرئیل نازل ہوئے اور سورۂ عنکبوت کی ابتدائی آیتیں لائے اور کہا یا رسول اللہ پڑھئے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الٓمّٓ ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۰ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۰ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۰ (سورۂ عنکبوت آیت ۲ تا ۴ پ ۲۰) ترجمہ :- کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ اتنا کہنے سے کہ "ہم ایمان لائے" چھوڑ دیئے جائینگے اور اُن کا امتحان نہ لیا جائیگا۔ بیشک ہم نے اُن لوگوں کا امتحان لیا جو ان سے پہلے گزر چکے تو خدا اُن لوگوں کو ضرور ظاہر کر دیگا جو اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ظاہر کر دے گا۔ کیا وہ لوگ سمجھتے ہیں جو بُرے کام کرتے ہیں کہ ہم سے بچ کر چھوٹ جائینگے اور ہم ان کی بداعمالیوں کا بدلہ دینے سے عاجز ہو جائینگے۔ یہ لوگ کیسا بُرا حکم کرتے ہیں۔

جناب رسولِ خُدا نے پوچھا کہ اے جبرئیل یہ فتنہ کیا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا یا رسول اللہ حق تعالیٰ آپکو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اسکو حکم دیا جسوقت کہ اسکی وفات کا وقت قریب آیا کہ اپنی اُمت میں ان کو خلیفہ مقرر کرے جو اُسکا قائم مقام ہونیکا اہل ہو اور اُسکی سنتوں اور احکام کو اُسکی اُمت میں زندہ رکھے۔ تو جو لوگ خدا کے رسولؐ کی اس امر میں اطاعت کریں جو وہ انکو حکم دے تو وہی لوگ اپنے دعویٰ میں ایمان میں سچے ہیں۔ جیسا کہ خدا نے اس آیت میں فرمایا ہے۔ اور جو لوگ اُسکے حکم کی مخالفت کریں وہ جھوٹے ہیں۔ یا رسول اللہ بیشک آپکا وقت اپنے پروردگار اور بہشت میں جانیکا قریب آ گیا ہے اور خدا آپکو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے بعد اپنی اُمت میں علی ابن ابی طالب کو مقرر کیجئے اور انکو احکام دین کی وصیت کیجئے وہ آپکے خلیفہ ہیں جو رعایا اور آپکی اُمت کے معاملات میں آپکے قائم مقام ہیں خواہ وہ لوگ اطاعت کریں یا نافرمانی جیسا کہ کرینگے۔ یہ ہے وہ فتنہ جس سے اس اُمت کا امتحان لیا جائیگا اور حق تعالیٰ آپکو حکم دیتا ہے کہ آپ علی کو وہ سب کچھ تعلیم دے دیں جو خدا نے آپکو تعلیم دی ہے اور اُن سے تمام اُمور کے خواستگار ہوں جنکی حفاظت کا خدا آپ سے خواستگار ہوا ہے اور ان کو اپنی تمام امانتیں سپرد کر دیجئے کیونکہ وہ امین مومن ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے تمکو اپنے بندوں میں برگزیدہ کیا تاکہ تم میرے رسول ہو اور میں نے علی کو برگزیدہ کیا تاکہ وہ تمہارا وصی ہو۔ یہ پیغام سنکر رسول خُدا نے امیرالمومنین کو طلب کیا اور ایک رات اور ایک دن اُن کو خلوت میں اُن تمام علوم و حکمت کی تعلیم فرمائی جو حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مرحمت فرمایا تھا اور اس بارے میں جو کچھ وحی جبرئیل لائے تھے سب آنحضرتؐ نے بیان فرمایا اور یہ عائشہ کی باری کا دن تھا تو عائشہ نے کہا علی کے ساتھ آپکی خلوت بڑی طولانی ہو رہی ہے۔ آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ عائشہ نے کہا آپ کیوں میری جانب سے مُنہ پھیرتے اور مجھکو خبر نہیں دیتے شاید اسمیں میری بھی کچھ بھلائی ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا کہ اسمیں بہتری اُسکے لئے ہے جسکو خدا سعادت مند بنائے اور اُسکے قبول کرنیکی توفیق عطا فرمائے اور وہ اُسپر ایمان لائے اور میں اُسپر مامور ہوا ہوں کہ تمام لوگوں کو اسکی طرف بلاؤں جبکہ اس کی تعمیل کرنے کھڑا ہونگا۔ اُس وقت اے عائشہ تم بھی

مطلع ہو جاؤگی۔ عائشہ نے کہا یا رسول اللہ اسوقت آپ کیوں نہیں بتاتے تاکہ سب سے پہلے میں ہی اسپر عمل کروں
اور اُسکو اختیار کروں جسمیں میری بھلائی ہے۔ حضرت نے فرمایا میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں بشرطیکہ تم اس کی حفاظت
کرو اور پوشیدہ رکھو جب تک کہ میں لوگوں کو آگاہ نہ کروں تو تم اگر اسکو افشا نہ کروگی تو خدا تمکو دنیا اور آخرت کے
نقصان سے محفوظ رکھیگا اور تمکو خدا اور رسول پر ایمان کی طرف سبقت اور عجلت کی فضیلت حاصل ہوگی اور اگر تم نے
اسکو ضائع کیا اور اسکی رعایت کو ترک کیا جو میں تمکو بتاتا ہوں تو تم کافر ہو جاؤگی اور تمہارے ثوابات ضبط اور
برباد ہو جائینگے اور تم سے خدا و رسول الگ اور بیزار ہو جائینگے اور تم بھی نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگی اور
اور تمہارے عمل سے خدا و رسول کو کوئی نقصان نہ پہنچیگا۔ یہ سنکر وہ ضامن ہوئیں کہ اس راز کی حفاظت کرینگی اور نہ
اسکو افشا نہ کرینگی اور اسپر ایمان لائینگی اور اسکی رعایت کرینگی۔ تب سرور کائنات نے اُن سے فرمایا کہ خداوند عالم
مجھے خبر دی ہے کہ میری عمر آخر ہو رہی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ علی کو لوگوں کے درمیان علم اور نشان قرار دوں اور
انکا امام و پیشوا بناؤں اور انکو اپنا خلیفہ مقرر کروں جس طرح کہ پیغمبران گزشتہ نے اپنے اوصیا کو خلیفہ بنایا اور میں
اپنے پروردگار کے حکم کا مطیع ہوں اور اسکے فرمانے پر عمل کرتا ہوں۔ لہٰذا تمکو اے عائشہ چاہئے کہ اس راز کو اپنے دل میں اس
وقت تک پوشیدہ رکھو جب تک کہ خدا مجھکو اس کے ظاہر کرنے کا حکم نہ دے۔ یہ سنکر عائشہ نے تمام باتوں کا اقرار کیا اور
خدا نے آنحضرت کو ہر اُس خیانت سے جو عائشہ و حفصہ اور ان کے باپوں نے اس بارے میں کی آگاہ فرما دیا۔ غرض
عائشہ نے فوراً اس راز کو حفصہ سے کہدیا اور پھر اُن دونوں نے اپنے اپنے والدوں سے بیان کیا اور پھر ان دونوں صاحبان نے
مجتمع ہوکر جماعت طلقاء و منافقین کو اس راز سے آگاہ کیا تو انمیں سے بعض نے بعض سے کہا کہ محمد خلافت کے بارے
میں چاہتے ہیں کہ قیصر و کسریٰ کے طور طریق پر عمل کریں تاکہ خلافت قیامت تک ہمیشہ اُنکی ذریت میں رہے اور خدا کی قسم
تمکو زندگی کا کچھ لطف حاصل نہ ہوگا اگر خلافت علی کو مل جائیگی۔ بیشک محمد تمہارے ساتھ ظاہرداری بھی کرتے ہیں
اور علی تو وہی عمل کرینگے جو تم سے برتاؤ دیکھیں گے لہٰذا خوب غور کرو اور اپنے بارے میں اس کے متعلق خوب
سوچو اور پہلے ہی جو کچھ تمہاری رائے ہو طے کرلو۔ غرض کہ ان لوگوں نے اس کے متعلق بہت سی باتیں اور بہت سی
تدبیروں پر غور کیا یہاں تک کہ اس پر اتفاق کیا کہ آنحضرتؐ کے ناقہ کو ہر گھاٹی پر بھڑکا دیں تاکہ آنحضرتؐ کو گرا دے
اور حضرت ہلاک ہو جائیں اور اس سے پہلے غزوہ تبوک میں اس قرارداد پر عمل بھی کیا مگر خدا نے پیغمبر کو اُن کے شر سے
بچا لیا پھر برابر منافقین جمع ہو کر کوششیں کرتے رہے کہ آنحضرت کو ہلاک کردیں یا زہر دیں مگر ان کو کامیابی نہ ہوئی۔
غرض حج آخر سے واپسی کے وقت آنحضرت کے دشمنوں سے منافقین قریش اور وہ لوگ جو تلوار کے خوف سے
اسلام لائے تھے اور منافقان انصار اور مدینہ کے وہ لوگ جو دل میں طے کئے ہوئے تھے کہ مرتد ہو جائینگے اور دین سے
پلٹ جائینگے متفق ہوئے اور آپسمیں سب نے عہد و پیمان کیا اور قسم کھائی کہ آنحضرت کے ناقہ کو گھاٹی پر بھڑکا دینگے
وہ چودہ اشخاص تھے اور حضور کا ارادہ تھا کہ جب مدینہ واپس آئینگے تو امیر المومنین کو امامت کیلئے مقرر فرمائینگے۔ آپ نے

حضرت نے عجلت کے ساتھ دو شبانہ روز مستقل سفر کیا تیسرے روز جبرئیل سورۂ حجر کی آخری آیتیں لیکر آئے ۔ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ (پ ۱۴ الحجر آیت ۹۳ تا ۹۵) یعنی بیشک ہم اُن سے سوال کرینگے اُن تمام باتوں کے متعلق جو وہ دنیا میں کرتے تھے لہذا اے رسول تم اُن پر ظاہر کردو اس امر کو جس پر تم مامور ہوئے ہو اور مشرکوں سے روگردانی کرو بیشک ہم تمکو اُن کے شر سے بچا لینگے جو مذاق اڑانے والے ہیں۔ یہ سُنکر حضرت نے عجلت کیساتھ کوچ کیا اور تیزی سے روانہ ہوئے کہ جلد مدینہ پہنچ جائیں اور علی کو اپنا خلیفہ مقرر کردیں۔ تو شب چہارم آخری رات کو جبرئیل نازل ہوئے اور یہ آیت لائے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (پ ۶ سورۂ مائدہ آیت ۶۷) حذیفہ نے کہا کافروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ غرض جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اے جبرئیل تم دیکھو تو میں تیزی کے ساتھ مدینہ جارہا ہوں تاکہ وہاں پہنچ کر حاضر و غائب ہر ایک پر ولایت علی فرض قرار دوں۔ جبرئیل نے کہا حق تعالیٰ آپکو حکم دیتا ہے کہ کل علی کی ولایت لوگوں پر فرض کردو جبکہ قیام کرنا۔ حضرت نے فرمایا ایسا ہی ہوگا انشاء اللہ کل ایسا ہی کرونگا۔ پھر حضرت نے حکم دیا تو لوگوں نے وہاں سے کوچ کیا اور غدیر خم تک پہنچے اور وہاں قیام فرمایا اور لوگوں کے ساتھ حضرت نے نماز پڑھی اور حکم دیا تو لوگ حضرت کے پاس جمع ہوئے اور امیر المومنین کو طلب فرمایا اور اُن کا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑ کر بلند کیا اور بلند آواز سے اُن حضرت کی ولایت کا اعلان فرمایا اور آپ کی اطاعت ہر ایک پر واجب قرار دی اور لوگوں کو حکم دیا کہ میرے بعد ان سے روگردانی نہ کریں اور انکو بتلایا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں خدا کے حکم سے ہے۔ اور فرمایا کہ کیا میں مومنین پر اُن کی جانوں سے زیادہ اولیٰ اور حقدار نہیں ہوں۔ لوگوں نے کہا ضرور ہیں یا رسول اللہ یہ سنکر حضرت نے فرمایا کہ میں جسکا مولا ہوں علی بھی اسکا مولا ہے۔ اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ (خداوندا دوست رکھ اسکو کہ دوست رکھے علیؑ کو اور دشمن رکھ اسکو جو دشمن رکھے علی کو اور مدد کر اسکی جو مدد کرے علی کی اور ذلیل کر اسکو جو ذلیل کرے علی کو۔ پھر لوگوں کو حکم دیا کہ اُن حضرت سے بیعت کریں تو سب نے بیعت کی اور کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ابوبکر و عمر بیعت سے قبل مجمع سے چلے گئے تھے جناب رسول خدا نے انکو واپس بلوایا۔ جب وہ آئے تو حضرت نے ترش رو ہوکر فرمایا۔ اے ابی قحافہ کے بیٹے اور اے عمر علی سے بیعت کرو کیونکہ وہ میرے بعد ولی امر امامت ہے۔ اُن دونوں لا حضرات نے کہا کیا یہ حکم خدا اور رسول کی جانب سے ہے۔ فرمایا ہاں بیعت کرو تو پھر ان دونوں نے بیعت کی پھر وہاں سے روانہ ہوئے۔

اور باقی اُس کا دن اور رات چلتے رہے یہاں تک کہ عقبۂ ہرشی کے نزدیک پہنچے۔ وہ دونوں پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ اور اپنے ساتھ ٹین کے ڈبے لئے ہوئے تھے جنہیں سنگریزے بھرے رکھے تھے۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ جب جناب رسول خدا

عقبہ کے قریب پہنچے مجھکو اور عمار یاسر کو طلب فرمایا اور عمار کو حکم دیا کہ ناقہ کا سر پکڑے رہیں اور کھینچتے چلیں اور مجھسے فرمایا کہ پیچھے رہوں یہاں تک کہ اسی طرح ہم عقبہ کے اوپر پہنچے اور وہ دونوں ہمارے پیچھے تھے اُن دونوں نے اُن ڈبوں کو حضرت کے ناقہ کے پیروں پر پھینک دیا جس سے ناقہ ڈرا اور نزدیک تھا کہ بھاگے اور حضرت کو گرا دے۔ آنحضرتؐ نے ناقہ کو للکارا کہ ساکن رہ کہ تجھکو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا اسوقت خدانے اُسکو گویا کیا اور اُس نے عربی فصیح زبان میں عرض کی یارسول اللہ خدا کی قسم اب میں اپنے ہاتھوں اور پیروں کو اپنے جگہ سے حرکت نہ دونگا جب تک آپ میری پشت پر ہیں۔ پھر وہ دونوں ناقہ کے قریب آئے تاکہ اسکو گرا دیں۔ تو میں اور عمار ہم دونوں نے اپنی تلواریں کھینچ لیں اور اُن کی طرف دوڑے۔ رات بہت تاریک تھی اور وہ دونوں بھاگ گئے اور اپنی تدبیر سے نا اُمید ہوگئے۔ حذیفہ کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ یہ کون لوگ تھے جنھوں نے آپکے ساتھ ایسی حرکت کی۔ حضرت نے فرمایا اے حذیفہ یہ دنیا و آخرت میں منافقین ہیں۔ میں نے کہا آپ کچھ لوگوں کو کیوں نہیں بھیجتے کہ وہ انکا سر کاٹ لائیں۔ حضرت نے فرمایا خدا نے مجھے حکم دیا ہے۔ اُن سے معترض نہ ہوں کہ لوگ کہیں اپنی فوج کے لوگوں اور اپنے ساتھیوں کو دعوت اسلام دی اُن لوگوں نے قبول کیا اور انھیں کی اعانت سے دشمنوں کے ساتھ جنگ کی اور جب دشمنوں پر غالب ہوگئے تو انہیں لوگوں کو مار ڈالا۔ اے حذیفہ ان کو چھوڑ دو کہ خداوند عالم قیامت کے روز انکو اسکا بدلہ دیگا۔ اسنے تھوڑی سے مہلت انکو دنیا میں دیدی ہے پھر عذاب عظیم کی طرف ڈھکیل دیگا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! یہ منافقین کون ہیں۔ آیا مہاجرین میں سے ہیں یا انصار میں سے؛ تو حضرت نے ایک ایک کا نام لیا یہاں تک کہ ہر ایک کا نام لیکر بتلایا اور انمیں ایک جماعت کا نام لیا جنکے متعلق میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ انمیں شامل ہوں گے اس سبب سے میں خاموش ہوگیا حضرت نے فرمایا۔ اے حذیفہ شائد تمکو انمیں سے بعض کے متعلق شک ہوا جنکے نام میں نے گنائے ہیں۔ سر اٹھا کر دیکھو۔ میں نے ان کی طرف نگاہ کی اور وہ سب عقبہ کے اوپر کھڑے تھے۔ ناگاہ ایک برق چمکی جس نے یہاں تمام اطراف کو روشن کر دیا اور اتنی دیر ٹھری کہ میں نے گمان کیا آفتاب طلوع ہوگیا ہے۔ اس روشنی میں میں نے انکی جماعت کے ایک ایک شخص کو پہچان لیا اور انھیں سب کو پایا جنکا نام حضرت نے بتایا تھا وہ چودہ اشخاص تھے نو آدمی قریش میں سے اور پانچ دوسرے تمام لوگوں میں سے تھے۔ اس روایت کے راوی انصاری نے کہا اے حذیفہ خدا تم پر رحمت کرے مجھے ان کے نام بھی بتاؤ۔ حذیفہ نے کہا خدا کی قسم وہ ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد ابن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص۔ یہ لوگ قریش میں سے تھے اور وہ دوسرے پانچ ابو موسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، اوس بن حدثان، ابوہریرہ اور ابو طلحہ انصاری تھے۔ حذیفہ کہتے ہیں۔ جب ہم عقبہ سے نیچے آئے تو صبح نمودار ہو چکی تھی۔ حضرت ناقہ سے نیچے اُترے اور وضو کر کے اپنے اصحاب کا انتظار کرنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ وہ منافقین عقبہ سے نیچے اُتر رہے ہیں اور لوگوں میں شامل ہو کر حضرت کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئے۔ حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ابوبکر و عمر اور ابو عبیدہ جراح

ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی کر رہے ہیں۔ حضرت نے حکم دیا کہ منادی کر دو کہ تین اشخاص ایک جگہ جمع نہ ہوں
کہ پوشیدہ طور پر راز میں باتیں کریں۔ پھر حضرت وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب دوسری منزل پر پہنچے حذیفہ کے غلام
سالم نے ابوبکر عمر و ابوعبیدہ کو ایک جگہ اکٹھا دیکھا جو باہم سرگوشی کر رہے تھے وہ ان کے پاس گیا اور کہا کیا رسول خدا نے
منع نہیں کیا تھا کہ تین اشخاص یکجا ہو کر راز کی باتیں کریں۔ خدا کی قسم اگر مجھے اس راز سے آگاہ نہ کرو گے جو آپس میں کہہ رہے تھے
تو ضرور رسول خدا سے جا کر تمہاری شکایت کر دوں گا۔ ابوبکر نے کہا اے سالم میں تجھ سے خدا کے ساتھ عہد و پیمان لیتا ہوں کہ
اگر یہ راز ہم تجھ کو بتا دیں تو تو بھی اگر چاہے تو ہمارے اسی معاملہ میں شامل ہو جا جس کے لئے ہم لوگ اکٹھا ہوئے ہیں۔
اور ہمارا ہم خیال و مددگار ہو جا اور تو نہ چاہے تو پوشیدہ رکھنا اور ہمارے راز کو محمد سے نہ کہہ دینا۔ سالم نے مان لیا اور
اور اُن سے عہد و پیمان کئے کیونکہ وہ اُن سے زیادہ امیرالمومنین سے کینہ و عداوت رکھتا تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ سالم
ایسا ہی ہے اس لئے اُس سے بیان کیا ہم لوگ جمع ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے عہد و پیمان کرتے ہیں اور قسم کھاتے
ہیں کہ محمد نے جو کچھ ولایت علی کے بارے میں کہا ہے ہم اسکو نہ مانیں گے اور اطاعت نہیں کریں گے۔ سالم نے کہا کہ سب سے
پہلے جو شخص عہد و پیمان کرتا ہے اور اس بارے میں اقرار کرتا ہے اور تمہاری مخالفت نہیں کرتا وہ میں ہوں۔ خدا کی
قسم کسی خاندان کو بنی ہاشم سے زیادہ اور بنی ہاشم میں سے کسی شخص کو علی سے زیادہ دشمن نہیں رکھتا ہوں لہٰذا اس
امر میں جو تمہاری رائے ہو اس پر عمل کرو میں بھی تمہارا معین و مددگار ہوں۔ غرض اسی وقت ان لوگوں نے آپس میں عہد کیا
اور اس امر پر قسمیں کھائیں اور وہاں سے متفرق ہو گئے۔ جب آنحضرتؐ نے کوچ کا حکم دیا تو یہ لوگ حضرت کے پاس آئے
آپ نے فرمایا آج آپس میں تم نے کیا راز کی باتیں کیں حالانکہ میں نے تمکو راز کی باتیں کرنے سے منع کیا تھا۔ وہ بولے
یا رسول اللہ آج تو ہم سے کسی سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ سوائے اسوقت کہ جبکہ ہم آپ کے سامنے آ کر کھڑے
ہوئے ہیں۔ یہ سُنکر حضرت نے ان کو تعجب سے دیکھا اور فرمایا تم زیادہ جاننے والے ہو یا خدا۔ اور کون اس سے
زیادہ ظالم ہے جو گواہی کو جانتے ہوئے خدا سے چھپاتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے غافل نہیں ہے۔ پھر حضرت
روانہ ہو کر مدینہ پہنچے۔ پھر وہ منافقین جمع ہوئے اور ایک عہد نامہ تحریر کیا اور جو کچھ عہد و پیمان کیا تھا اُس میں درج کیا۔
اور سب سے پہلی بات جو اس صحیفہ میں لکھی امیرالمومنین کی بیعت کا توڑنا تھا۔ اور یہ کہ اس امر کا تعلق ابوبکر ابوعبیدہ
اور سالم سے ہے کسی اور کو اس میں دخل نہیں ہے اور منافقین میں چونتیس ۳۴ افراد اس پر گواہ ہوئے۔ جنمیں چودہ اشخاص
اہل عقبہ تھے بقیہ اور دوسرے منافقین تھے پھر اُس عہدنامہ کو ابوعبیدہ بن الجراح کے سپرد کیا اور اُسکو اسکا امین قرار
دیا۔ پھر اُس انصاری نے حذیفہ سے کہا کہ وہ منافقین جو ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ جراح تھے وہ تو اس سبب سے راضی
ہو گئے کہ وہ قریش میں تھے۔ لیکن سالم کو کس نے اسمیں داخل کر لیا حالانکہ نہ تو قریش میں سے تھا نہ مہاجرین سے تھا
نہ انصار سے بلکہ انصار کی ایک عورت کا آزاد کیا ہوا۔ غلام تھا۔ حذیفہ نے کہا اُن منافقوں کی حسد کے سبب
غرض یہ تھی کہ خلافت حضرت علی کو نہ ملنے پائے اور علی سے ان کی عداوت اس سبب سے تھی کہ حضرت نے راہ خدا پر

ان کے عزیزوں کو مارا تھا اور ان کی ضربتوں سے ان کے جگر زخمی تھے جیسا کہ قریش کے تھے۔ اور یہ کہ وہ حضرت علی کو رسول اللہ کا خاص عزیز سمجھتے تھے اور اُن سے مقتولین کا عوض لینا چاہتے تھے جنکو جناب رسول خدا کی نصرت میں جناب علی اور دوسروں نے قتل کیا تھا۔ چونکہ سالم کو بھی اس امر میں متفق سمجھتے تھے اس لئے اسکو بھی اس عہدنامہ میں شامل کر لیا۔ انصاری نے کہا چاہتا ہوں کہ اُس عہدنامہ کا مضمون بھی مجھ سے بیان کر دیجئے۔ حذیفہ نے کہا اسکا مضمون اسماء بنت عُمیس نے مجھے بتایا ہے جو اسوقت ابوبکر کی زوجہ تھیں۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ جماعت ابوبکر کے گھر میں جمع ہوئی اور سب آپس میں مشورہ وسازش کر رہے تھے اور میں سن رہی تھی اور ان کی منحوس تدبیریں سمجھ رہی تھی یہاں تک کہ انکی رائے اسپر قرار پائی تو اُن لوگوں نے سعید بن العاص اموی کو حکم دیا۔ اُس نے اس عہدنامہ کو انکی اس فاسد رائے کے مُطابق تحریر کیا جسکا مضمون یہ تھا:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس پر مہاجرین وانصار میں سے اشراف و رؤسائے اُمتِ محمد رسول اللہ نے اتفاق کیا ہے جن کی مدح خدا نے اپنی کتاب میں اپنے پیغمبر کی زبانی کی ہے۔ اس کے بعد جبکہ خوب فکر اور آپسمیں مشورہ کر لیا تو اس عہدنامہ کو اسلام اور اہل اسلام پر قیامت تک شفقت و محبت کے سبب سے لکھا ہے تاکہ ان لوگوں کے بعد جو مسلمان پیدا ہوں وہ ان کی پیروی کریں۔ اما بعد: خداوند عالم نے اپنے کرم و نعمت سے محمد کو اپنے دین کی رسالت کے ساتھ جسکو اپنے بندوں کیلئے پسند فرمایا تھا تمام لوگوں کی جانب مبعوث فرمایا تو حضرت نے رسالت ادا فرمائی اور جو کچھ خدا نے ان کو حکم دیا تھا اسکی تبلیغ کی۔ اور ہم پر واجب قرار دیا کہ ہم اُن اُمور پر قائم و برقرار رہیں یہاں تک کہ ہمارے لئے دین کو کامل کیا اور فرائض کو واجب کیا اور سنتوں کو محکم کیا۔ پھر خدا نے رسول کیلئے دنیائے فانی کی منزلوں پر عقبیٰ کے درجات عالیہ کو اختیار فرمایا اور انکی روح کو گرامی رکھتے ہوئے اپنی طرف بلا لیا اور بہشت کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا بغیر اس کے کہ انھوں نے کسی کو خلیفہ مقرر کیا ہو بلکہ خلافت کا معاملہ اُمت پر چھوڑ دیا۔ تاکہ جسکی رائے اور خیرخواہی پر اعتماد ہو اُمت اسکو اپنا خلیفہ بنائے۔ بیشک مسلمانوں کو لازم ہے کہ جناب رسول خدا کی تاسی کریں جیسا کہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں قرار پایا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (آیت ۲۱ پ ۲۱ سورۂ احزاب) یعنی تمہارے لئے رسول خدا کی ذات میں عمل کا بہترین نمونہ ہے مگر اس لئے جو خدا اور روزِ آخرت کی اُمید رکھتا ہو"۔ بیشک رسول خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تاکہ یہ خلافت ایک ہی خاندان میں نہ رہے کہ انہیں میراث کے طور پر ہو جائے اور تمام مسلمان اُس سے محروم رہیں اور اُن کے دولتمند لوگ اسکو دست بدست پھراتے رہیں تاکہ کوئی خلافت کا دعویٰ کرنے والا نہ کہے کہ یہ امر خلافت میرے فرزندوں میں قیامت تک محدود رہیگا۔ ایک خلیفہ کے مرنے کے بعد مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کے صاحبان رائے و صلاح جمع ہو کر اپنے اُمور میں مشورہ کریں اور جسکو خلافت کا مستحق پائیں اس کو خلیفہ بنا لیں پھر اگر کوئی شخص لوگوں میں دعویٰ کرے کہ اسکو رسول نے لوگوں کا خلیفہ بنایا اور مقرر کیا ہے اور اُسکی خلافت پر نص ہے تو اسکا دعویٰ باطل ہے اور اسکا بیان حقیقت کے خلاف ہے جسکو اصحاب رسول جانتے ہیں اور اس نے اس طرح مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کی ہے۔

اور اگر کوئی دعویٰ کرے کہ حضرت سرورِ کائنات کی خلافت میراث ہے یا کسی کو حضرت سے میراث ملتی ہے تو یہ سخن محال ہے۔ کیونکہ رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑتے جو کچھ باقی رہتا ہے صدقہ ہے اور اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ خلافت تمام لوگوں میں صرف ایک شخص کے لائق اور اُسی کی ذات پر منحصر ہے اور دوسرے کیلئے سزاوار نہیں ہے کیونکہ خلافت رسول کی جانشینی ہے تو وہ جھوٹ بکتا ہے کیونکہ پیغمبر نے کہا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں۔ انمیں جسکی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے اور اگر کوئی دعویٰ کرے کہ رسول اللہ کی قرابت کی وجہ سے میں خلافت وامامت کا مستحق ہوں اور خلافت اس کے لئے ہے اور اسکے بعد اسکے فرزندوں کیلئے ہے جیسے کہ ہر فرزند اپنے باپ کی میراث ہر زمانہ میں پاتا ہے اور انکے علاوہ کسی کے لائق نہیں ہے اور سزاوار نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی کیلئے ہو یونہی ہوتا رہے گا یہاں تک کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے حق تعالیٰ کی میراث میں پہنچے یہاں تک کہ تمام خلق تباہ ہو جائے لہذا ایسی باتیں کہنے والے کیلئے خلافت نہیں اور نہ اس کے فرزندوں کے لئے اگرچہ اسکا نسب پیغمبر سے قریب ہو کیونکہ خداوند عالمین کہتا ہے اور اس کے حکم کا قبول کرنا سب پر لازم ہے کیونکہ اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم (پ۲۶ سورہ الحجرات آیت ۱۳) تم میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ بلند و صاحب مرتبہ وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی امان وہ ہے جو ان کے پست ترین لوگوں کے امن و امان میں کوشش کرے اور سب کے سب ایک ہاتھ کے مانند ہیں اس کے لئے جو غیر ہے۔ یعنی چاہیئے کہ سب ایک دوسرے کی مدد کریں اور اپنے دشمنوں کے دفعیہ پر سب متفق رہیں۔ تو جو شخص خدا اور اس کی کتاب پر ایمان لاتا ہے اور نسبت رسول کا اقرار کرتا ہے تو وہ راہ مستقیم پر ہے اور حق کی جانب رجوع اور اس نے صحیح راستہ اختیار کیا ہے اور جو شخص مسلمانوں کے کردار سے اور ان کے خلیفہ مقرر کرنے سے کراہت کرتا ہے تو اسنے حق اور کتاب خدا کی مخالفت کی اور مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو گیا لہذا اُسکو قتل کردو کیونکہ اسکا قتل کردینا اُمت کی بھلائی کا سبب ہے بیشک رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری اُمت کی طرف آئے جسوقت کہ وہ لوگ جمع ہوئے ہوں اور وہ اُنکو پراگندہ کرے تو اسکو قتل کردو اور جو امت کی رائے سے الگ ہو جائے اسکو قتل کردو وہ کوئی ہو۔ بلاشبہ اجتماع رحمت ہے اور پراگندہ ہو کر رہنا عذاب کا سبب ہے اور میری اُمت کبھی ضلالت و گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ بیشک تمام مُسلمان آپسمیں ایک دوسرے کیلئے ایک ہاتھ کے مانند ہیں اسلئے کہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج نہیں ہوتا مگر وہ جو اُن سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور اُن سے کینہ رکھتا ہے اور ان کے مقابلہ میں ان کے دشمنوں کا مددگار ہو تو ایسے شخص کا خون خدا و رسول نے مباح کردیا ہے اور اُسکو قتل کردینا حلال فرمادیا ہے۔ اس عہد نامہ کو سعید بن العاص ایک گروہ کے اتفاق سے ماہ محرم سنہ۱۰ھ میں لکھا جنکے نام اس صحیفہ کے آخر میں لکھے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ سیّدنا محمد و آلہٖ ؛

اس کے بعد اس صحیفہ کو ابوعبیدہ کو دیا پھر کعبہ میں بھیجکر مدفون کرا دیا۔ جو عمر بن الخطاب کے زمانۂ خلافت تک مدفون رہا اور انھوں نے وہاں سے نکالا اور جب عمر ہلاک ہوئے اور امیرالمومنین ان کے جنازہ پر آئے تو فرمایا میں آرزو رکھتا ہوں کہ اس مردہ اس صحیفہ کے ساتھ خدا سے ملاقات کروں جو مرت کی نیند سو رہا ہے اور جس کے سر اور چہرہ پر چادر ڈال دیگئی ہے۔

غرض اس عہدنامہ کی تحریر سے فارغ ہوکر وہ لوگ ابوبکر کے گھر سے نکلے۔ جناب رسول خدا نے نماز صبح ادا فرمائی اور تعقیبات میں مشغول تھے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوا تو حضرت نے ابوعبیدہ کی جانب رُخ کرکے اعتراض کے طور پر فرمایا کیا کہنا ہے تمہارا کون ہے تمہاری مثل اب تو تم امین اُمت ہو۔ پھر حضرت نے اس آیت کو پڑھا:۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (آیت ۷۹ سورہ بقر پارہ ۱)

یعنی وائے ہو اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ اسکو تھوڑی دنیوی قیمت پر فروخت کریں لہٰذا اُن کیلئے اس کے عوض عذاب الہیٰ ہے جو کچھ وہ لکھتے ہیں اور جو کچھ کمائی کرتے ہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اس جماعت کی تمثال اُن لوگوں کی سی ہے جو لوگوں سے معافی مانگتے ہیں اور خدا سے مغفرت چاہتے ہیں۔ حالانکہ خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ وہ ایسی باتوں میں وقت گزارتے ہیں جنکو خدا پسند نہیں کرتا اور خدا تو ان کے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے اور خوب جانتا ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اس امت میں بھی کچھ لوگوں نے جاہلیت کے زمانہ اور کفر کے زمانہ کے طریقہ پر صحیفہ لکھا ہے اور کعبہ میں رکھ دیا ہے اور خدا انکو مہلت دیتا ہے تاکہ اُنکا اور اُن لوگوں کا جو ان کے بعد آنے والے ہیں امتحان لے اور خبیث طیب سے جدا کردے اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ خدا نے ان سے معترض ہونے کو چند مصلحتوں اور حکمتوں کے سبب سے جو انکو مہلت دینے میں ہے مجھے منع کیا ہے تو یقیناً ان سب کی گردنیں مار دیتا۔ حذیفہ نے کہا خدا کی قسم ہم نے ان منافقین کو دیکھا جسوقت آنحضرتؐ ان کے بارے میں یہ باتیں کہہ رہے تھے ان کے بدن کانپنے لگے اور ان کا حال ایسا متغیر ہوا کہ اُنکی خیانت تمام حاضرین پر ظاہر ہوگئی اور سب نے سمجھ لیا کہ حضرت کے اعتراضات ان ہی لوگوں پر تھے اور شاید انہی لوگوں پر بیان کیں اور قرآنی آیتیں انھیں لوگوں کی تنبیہ کیلئے پڑھی تھیں۔ پھر حذیفہ نے کہا کہ آنحضرتؐ نے اس سفر سے مراجعت فرمائی اور اُم سلمہ کے مکان میں قیام فرمایا اور ایک مہینہ تک وہیں مقیم رہے اور کسی دوسری بیوی کے گھر تشریف نہیں لے گئے جیسا کہ حضرت کا معمول تھا تو اس حال کی عائشہ و حفصہ نے اپنے باپ سے شکایت کی ان لوگوں نے کہا ہم جانتے ہیں آنحضرتؐ ایسا کیوں کر رہے ہیں اور اسکا کیا سبب ہے۔ پھر عائشہ اور حفصہ سے کہا تم لوگ جاؤ اور اُن حضرت سے نرمی کے ساتھ باتیں کرو اور اپنی محبت ظاہر کرو اور ان حضرت کو گرویدہ رکھو اگر ایسا کروگی تو چونکہ وہ صاحب شرم و حیا ہیں ممکن ہے ان حیلوں کے سبب جو کچھ ان کے دل میں ہے ظاہر کردیں اور ان کو اپنے اوپر مہربان بنا لو۔ یہ سنکر عائشہ تنہا آنحضرتؐ کی خدمت میں آئیں۔ آنحضرتؐ ام سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے امیرالمومنین بھی آپکے پاس موجود تھے۔ سرکار دوعالم نے فرمایا اے حمیرہ کس غرض سے آئی ہو۔ عائشہ نے کہا یا رسول اللہ آپ کا اس مرتبہ میرے غریب خانہ پر تشریف نہ لانا میرے لئے بہت شاق ہے میں آپکی ناراضگی سے خدا کی پناہ چاہتی ہوں۔ حضرت نے فرمایا اگر تم اپنے اس قول میں سچی ہوتیں تو میرے راز کو جو میں نے تم سے ظاہر کردیا تھا افشا نہ کرتیں حالانکہ میں نے بڑی تاکید کردی تھی کہ ظاہر نہ کرنا۔ مگر تم خود بھی ہلاک ہوئیں اور ایک گروہ کو بھی ہلاک کردیا۔ پھر حضرت نے ام سلمہ کی کنیز کو بلایا اور فرمایا کہ میری

سب بیویوں کو بلا لاؤ۔ جب وہ سب خانۂ ام سلمہ پر جمع ہو گئیں حضرت نے اُن سے فرمایا جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں غور سے سُنو۔ پھر حضرت علی کی طرف اِشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ میرا بھائی وصی اور وارث ہے اور میرے بعد تمہارے اور میری اُمت کے معاملات دینی و دنیوی کی نگرانی کرنے والا ہے لہٰذا وہ جو حکم دے اسکی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی مت کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گی۔ پھر حضرت علی سے فرمایا ان عورتوں کی میں تم سے سفارش کرتا ہوں کہ ان کی نگرانی رکھنا اور جب تک یہ تمہاری مطیع رہیں ان کے اخراجات اِن کو دیتے رہنا اور ان کو اپنی اطاعت کا حکم دیتے رہنا اور اُن کی جن باتوں سے تم کو شک گزرے ان سے روکے رہنا اور منع کرتے رہنا۔ اگر نافرمانی کریں تو ان کو میری زوجیت سے آزاد کر دینا اور طلاق دیدینا۔ جناب امیر نے عرض کی یا رسول اللہ یہ عورتیں ان کا کام سستی اور رائے کی کمزوری ہے۔ حضرت نے فرمایا جب تک نرمی سے اصلاح ممکن ہے نرمی کرنا پھر بھی انہیں سے جو تمہاری نافرمانی کرے تو اسکو طلاق دیدینا ایسا طلاق جس سے خدا و رسولؐ راضی ہوں۔ یہ سنکر تمام بیبیاں ساکت ہو گئیں اور ایک لفظ نہ بولیں مگر عائشہ نے کہا یا رسول اللہ ہم ہرگز ایسے نہیں کہ آپ کسی بات کا حکم دیں اور ہم اس کے خلاف کریں۔ حضرت نے فرمایا اے حمیرا ایسا نہیں بلکہ تو نے مخالفت کی اور یہ بدترین مخالفت۔ خدا کی قسم ابھی یہ بات جو میں نے تجھ سے کہی تو اسکی بھی مخالفت کرے گی اور علی کی میرے بعد نافرمانی کرے گی اور علانیہ اور ظاہر بظاہر گھر سے نکلے گی جہاں میں تجھے بٹھا کر جاؤں گا اور کئی ہزار اشخاص تیرے گرد ہوں گے اور تو علیؑ سے سرکشی کرے گی اور اپنے پروردگار کی گنہگار ہوگی اور جس راہ سے تو جائیگی آپ جو کتے سرِ راہ تجھ پر بھونکیں گے اور یہ وہ امر ہے کہ ضرور واقع ہو گا۔ پھر سب بیویوں کو رخصت فرمایا اور وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔ پھر حضرت نے اُن منافقین کی جماعت کو طلب کیا جو اہل صحیفہ و عقبہ تھے مع طلقا و منافقین کے جنہوں نے انکی موافقت کی تھی اور وہ چار ہزار اشخاص تھے اور اُسامہ بن زید کو اُن کا سردار بنا کر ان کو شام کی طرف جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا ابھی تو ہم آپکے ساتھ اس سفر سے واپس آئے ہیں اور از سر نو سامانِ سفر درست کرنا ہوگا لہٰذا ہمکو چند روز مدینہ میں قیام کی اجازت دیجئے تاکہ اسباب سفر مہیا کریں۔ حضرت نے اُنکو اجازت دی اور جن چیزوں کی اُن کو ضرورت تھی عطا فرمایا اور اسامہ بن زید کو حکم دیا کہ وہ انکو مدینہ سے باہر لے جائے اور ایک فرسخ دور جا کر قیام کرے۔ اسامہ نے مدینہ سے باہر قیام کیا جہاں حضرت نے حکم دیا تھا اور انتظار کرنے لگے کہ منافقین اور اس کے علاوہ دوسرے لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر ان کے پاس جمع ہوں۔ اسامہ بن زید اور ان کے ساتھ اس جماعت کو بھیجنے سے آنحضرتؐ کی غرض یہ تھی مدینہ اُنسے خالی ہو جائے اور منافقوں میں سے کوئی مدینہ میں نہ رہنے پائے اور حضرت نے ان کے سفر میں بڑا اہتمام فرمایا اور ان کو ترغیب دیتے رہے۔

ناگاہ حضرت علیل ہو گئے اور اسی مرض میں دنیا سے رحلت فرمائی جب منافقوں نے حضرت کی علالت مشاہدہ کی اُسامہ کے ساتھ جانے میں لیت و لعل کرنے لگے۔ یہ معلوم کر کے حضرت نے قیس بن سعد بن عبادہ کو جو ہمیشہ حضرت کے لشکر کیلئے لوگوں کو جمع کرنے والے تھے اور خباب بن منذر کو انصار کی ایک جماعت کے ساتھ حکم دیا کہ ان لوگوں کو سختی کے ساتھ اسامہ کے لشکر تک پہنچائیں۔ تو قیس اور خباب نے ان کو مدینہ سے باہر نکالا اور اسامہ کے لشکر میں پہنچا دیا اور اسامہ سے

کہاب رسولؐ خدا نے تم کو حکم دیا ہے کہ اب ذرا بھی توقف نہ کرو اور فوراً کوچ کرو اور روانہ ہو جاؤ لہذا ابھی سامان بار کرو اور کوچ کرو تاکہ حضرت جان لیں کہ تم روانہ ہو گئے ہو۔ یہ سُنکر اُسامہ نے اسوقت کوچ کیا اور قیس و خباب آنحضرت کی خدمت میں واپس آئے اور بیان کیا کہ وہ لوگ روانہ ہو گئے۔ لیکن حضرت نے فرمایا وہ لوگ نہیں جائینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قیس و خباب کے واپس آنے کے بعد ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ اور ان کے ساتھیوں کی ایک جماعت نے اسامہ سے کہا کہاں جاتے ہو اور مدینہ کو خالی کئے دیتے ہو حالانکہ ہم کو اسوقت سے زیادہ کسی وقت مدینہ میں رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسامہ اور ان کے ہمراہیوں نے پوچھا کہ تمہاری اس گفتگو کا راز کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ رسولؐ خدا کا وقت وفات قریب ہے اور خدا کی قسم اگر ہم اسوقت مدینہ کو خالی چھوڑ دینگے تو کچھ ایسے امور واقع ہو جائینگے جنکی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ لہذا ہم مدینہ میں رہ کر انتظار کرینگے کہ دیکھیں حضرت کا معاملہ مرض کس حد تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد اس سفر پر روانہ ہو سکیں گے۔ یہ کہکر وہ لوگ پلٹ آئے۔ اسامہ اور اس کے ساتھیوں نے اسی مقام پر قیام کیا اور آنحضرتؐ کی خیریت معلوم کرنے ایک شخص کو بھیجا۔ وہ قاصد پوشیدہ طور پر عائشہ کے پاس آیا اور حضرت کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ ابوبکر عمر اور اُن لوگوں کو جو ان کے ساتھ ہیں بتا دو کہ حضرت کا مرض بہت سخت ہو گیا ہے۔ تم سے کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ میں برابر حضرت کا حال بھیجتی رہونگی۔ غرض آنحضرت کا مرض شدید ہوا۔ اُدھر عائشہ نے صہیب کو ابوبکر کے پاس بھیجا کہ حضرت کا حال اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اُمید زیست نہیں لہذا تم عمر اور ابوعبیدہ اور جسکو مناسب سمجھو اپنے ساتھ لیکر جلد سے جلد مدینہ میں پہنچ جاؤ اور رات کو پوشیدہ طور سے داخل ہونا۔ جب یہ خبر ان لوگوں کو ملی صہیب کا ہاتھ پکڑ کر اُسامہ کے پاس گئے۔ اور آنحضرت کی شدت مرض کی خبر بیان کی اور کہا ہمارے لئے کیونکر جائز ہے کہ ایسی حالت میں رسولؐ خدا کی زیارت سے انحراف کریں اور اُن سے اجازت طلب کی اسامہ نے اجازت تو دیدی لیکن یہ تاکید کر دی کہ پوشیدہ طور پر جاؤ۔ اگر حضرت خیر و عافیت سے ہوں تو اپنے لشکر میں واپس آجاؤ اور اگر آنحضرت کی وفات ہو گئی تو ہم کو اطلاع دینا تاکہ ہم بھی لوگوں کے ساتھ آجائیں۔ ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ جراح رات کے وقت مدینہ میں داخل ہو گئے۔ آنحضرت کا مرض بہت شدید ہو گیا تھا۔ کچھ افاقہ ہوا تو حضرت نے فرمایا آج رات شرِ عظیم ہمارے مدینہ میں داخل ہوا ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا۔ فرمایا وہ جماعت جو لشکر اُسامہ کے ساتھ تھی ان میں سے بعض واپس آگئے ہیں اور میرے حکم کی مخالفت کی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کے نزدیک اُن سے بیزار ہوں۔ پھر برابر یہی کہتے رہے کہ لشکر اسامہ کو روانہ کرو اور اُن لوگوں کو اس کے ہمراہ بھیجو۔ خدا اسپر لعنت کرے جو لشکر اسامہ سے روگردانی کرے اور یہ جملہ کئی بار فرمایا اور حضور کے موذن بلال جب ظہر کی اذان دیتے تو اگر حضرت سے تکلیف و دشواری کے ساتھ بھی ممکن ہوتا تو باہر جا کر لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے اور اگر باہر جانیکی طاقت نہ ہوتی تو حضرت علی ابن ابی طالب کو حکم دیتے کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں۔ جناب امیر اور فضل ابن عباس اس حالت میں حضرت سے جُدا نہ ہوتے تھے۔ اور برابر حضرت کی خدمت میں رہتے تھے اس روز جس رات کو وہ منافقین مدینہ میں داخل ہوئے بلال نے اذان دی اور حضرت کے در دولت پر حاضر ہوئے تاکہ معمول کے مطابق نماز کیلئے حضرت کو

اطلاع دیں۔ چونکہ آنحضرتؐ کا مرض شدید ہو چکا تھا حضرت کو بلال کے آنے کی کوئی اطلاع نہ ملی اور اسکو حضرت کے پاس بھی جانے نہ دیا۔ اُدھر عائشہ نے صہیب کو اپنے پدر ابوبکر کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ آنحضرتؐ کا مرض نہایت شدت پر ہے اور حضرت نماز کیلئے نہیں جا سکتے اور علی حضرت کی تیمارداری میں معروف ہیں آپ جا کر لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں۔ کیونکہ یہ موقعہ آپکے لئے نہایت بہتر ہے اور یہ نماز بعد میں آپکے کام آئیگی۔ لوگ مسجد میں جمع ہو گئے تھے اور حسب معمول انتظار کر رہے تھے کہ آنحضرت یا حضرت علیؑ آئیں تو نماز پڑھائیں۔ ناگاہ ابوبکر مسجد میں داخل ہوئے اور کہا کہ رسول اللہؐ کا مرض شدید ہے اور مجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنکر اصحاب رسول میں سے ایک صاحب نے ان سے کہا کہ یہ پیغام تمکو کب ملا۔ حالانکہ تم لشکر اسامہ میں تھے خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ حضرت نے کسی کو تمہارے پاس بھیجا ہو اور تم کو نماز پڑھانیکے لئے حکم دیا ہو۔ یہ سنکر بلال نے لوگوں سے کہا صبر کرو میں رسول اللہؐ سے اجازت لے آؤں یہ کہکر نہایت تیزی سے حضرت کے درِ اقدس پر آئے اور دروازہ کو بہت زور زور سے کھٹکھٹایا۔ جناب رسولِ خدا نے سن لیا اور فرمایا دیکھو یہ کس لئے اس قدر سختی کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ فضل ابن عباس باہر نکلے اور دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ بلال ہیں۔ پوچھا کس کام کیلئے دروازہ پیٹ رہے ہو۔ بلال نے کہا ابوبکر مسجد میں آ گئے ہیں اور رسولؐ خدا کی جگہ پر کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت نے مجھے بھیجا ہے تاکہ ان کی جگہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھاؤں۔ فضل نے تعجب سے کہا شاید ابوبکر اسامہ کے لشکر کے ساتھ نہیں ہیں خدا کی قسم یہ وہی شر عظیم ہے جس کے بارے میں آنحضرت نے فرمایا تھا کہ رات شرِ عظیم مدینہ میں داخل ہوا ہے۔ غرض فضل بلال کو آنحضرت کی خدمت میں لائے بلال نے تمام روئداد ابوبکر کی حضرت سے بیان کی۔ حضرت نے فرمایا مجھے اٹھاؤ اور مسجد میں لے چلو۔ اس خدا کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اسلام پر بلائے عظیم نازل ہو گئی۔ پھر حضرت باہر نکلے اس طرح کہ سر پر عصابہ باندھے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ جنابِ امیر کے کاندھے پر اور دوسرا فضل کے کاندھے پر رکھے ہوئے تھے۔ پائے اقدس زمین پر گھسٹتے ہوئے نہایت تکلیف سے مسجد میں داخل ہوئے۔ ابوبکر آنحضرت کی جگہ پر کھڑے ہوئے تھے اور ان کے گرد عمر ابوعبیدہ سالم اور صہیب اور کچھ لوگ جو انکے ہمراہ مدینہ میں داخل ہوئے تھے جمع تھے۔ اکثر لوگوں نے انکی اقتداء نہیں کی تھی اور بلال کی خبر کا انتظار کر رہے تھے حضرت کو دیکھا کہ باوجود مرض کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے مسجد میں تشریف لا رہے ہیں۔ لوگوں کو یہ امر بہت عظیم معلوم ہوا۔ جناب رسولِ خدا محراب کے قریب تشریف لے گئے اور ابوبکر کو کھینچ کر الگ کیا تو ابوبکر اور ان کے دوسرے ہمراہی جو ان سے متفق تھے پیچھے جا کر لوگوں کے درمیان پوشیدہ ہو گئے اور لوگوں نے حضرت کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ حضرت نے بیٹھ کر نماز پڑھی چونکہ حضرت نہایت کمزور تھے اور آپکی تکبیر کی آواز لوگوں تک نہ پہنچی تھی۔ بلال حضرت کی تکبیر لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ یہاں تک کہ نماز ختم ہوئی تو حضرت نے پیچھے رُخ کیا اور ابوبکر کو نہیں دیکھا تو فرمایا کہ لوگو ابو قحافہ کے بیٹے اور اس کے ساتھیوں پر کیا تعجب نہیں کرتے ہو کہ میں نے ان سب کو لشکر اسامہ کے ساتھ بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ اس طرف جائیں جسطرف میں نے انکو بھیجا ہے۔ ان

لوگوں نے میرے حکم سے سرتابی کی اور فتنہ وفساد کرتے مدینہ میں واپس آگئے ہیں اور خداوند عالم نے انکو فتنہ پر ڈال دیا ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھکو منبر پر بٹھاؤ۔ لوگوں نے حضرت کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھایا۔ حضرت پہلے زینہ پر بیٹھے اور خدا کی حمد وثنا بجا لائے اور فرمایا ایہا الناس بلاشبہ میرے پاس وہ چیز خدا کی جانب سے آئی ہے جس کی تمکو پابندی کرنا چاہیئے۔ بیشک میں نے تم کو راہِ راست و روشن پر چھوڑا ہے اور ان کو تمہارے واسطے ایسا واضح کر دیا ہے کہ اس کی راتیں دن کے مانند روشن ہیں۔ لہٰذا میرے بعد اختلاف نہ کرنا جس طرح بنی اسرائیل نے کیا۔ ایہا الناس میں نے تم پر کوئی چیز حلال نہیں کی مگر وہی جسے قرآن نے حلال کیا ہے اور کوئی چیز حرام نہیں کی مگر وہی جسکو قرآن نے حرام کیا ہے یقیناً میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑتا ہوں جب تک اُن سے متمسک رہوگے۔ اور اُن سے ہاتھ نہ اٹھاؤ گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ دونوں خدا کی کتاب اور میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں اور یہ دونوں تمہارے درمیان میرے خلیفہ ہیں اور ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونگے جب تک میرے پاس حوضِ کوثر پر نہ پہنچیں۔ پھر وہاں تم سے پوچھونگا کہ تم نے اُن کی رعایت کیسی کی۔ بیشک اس روز چند شخصوں کو میرے حوض سے دور کرینگے اور دفع کرینگے جس طرح لوگ اونٹوں کو پانی پلاتے وقت اجنبی اونٹوں کو حوض سے بھگا دیتے ہیں۔ اسوقت انہیں سے کچھ لوگ کہینگے میں فلاں ابن فلاں ہوں تو میں ان کے جواب میں کہونگا میں تمکو جانتا پہچانتا ہوں تمہارے ناموں سے واقف ہوں لیکن میرے بعد تم مرتد ہوگئے اور دین سے نکل گئے تھے لہٰذا تمہارے لئے خدا کی رحمت سے دوری اور عذابِ الٰہی سے نزدیکی ہو یہ فرما کر حضرت منبر سے نیچے آئے اور اپنے حجرۂ مقدسہ میں واپس تشریف لیگئے اور ابوبکر مدینہ میں پوشیدہ تھے اور باہر نکلتے نہ تھے یہانتک کہ جناب رسولِ خدا نے رحلت فرمائی اور انصار نے حقوق اہلبیت رسالت سے انکار اور ان کے حق کو جو خدا نے اُن کیلئے مقرر فرمایا تھا غصب کرنیکے ارادہ کے سلسلہ میں کیا جو کچھ کیا اور یہی سبب ہوا کہ دوسرے منافقین نے خلافت غصب کرلی۔ غرض رسولِ خدا کے ایک خلیفہ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا اور دوسرے کے ساتھ جو کتابِ خدا تھی تحریف کی اور تغیر و تبدل کیا اور جس طرح چاہا الٹ پلٹ کر دیا۔

اس روایت کے راوی انصاری سے حذیفہ نے کہا اے انصاری اس امرِ عظیم میں جو کہ تم سے بیان کیا ہے عبرت و نصیحت ہے اُس شخص کیلئے جسکی خدا ہدایت کرنا چاہے۔ انصاری نے کہا مجھے اس دوسری جماعت کے لوگوں کے نام بتائیے جو صحیفہ کی تحریر میں شریک و متفق تھے اور کیسا اپنی گواہیاں ثبت کی تھیں۔ حذیفہ نے کہا وہ ابوسفیان، عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ بن خلف، سعید بن العاص، خالد بن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ، بشر بن سعید، سہیل بن عمر، حکم بن حزام، صہیب بن سنان، ابواعور اسلمی، مطیع بن اسود بدری اور کچھ لوگ تھے جنکی تعداد اور نام بھول گیا ہوں۔ پھر اس جوان انصاری نے کہا اے حذیفہ اصحاب رسول میں اس گروہ کی کیسی قدر و منزلت تھی کہ اُن کے سبب سے تمام صحابہ دین سے پھر گئے۔ حذیفہ نے کہا یہ لوگ قبیلوں کے سردار اور اس کے بزرگ تھے اس جماعت کے ہر فرد کی تابع عظیم مخلوق تھی کہ لوگ ان کی باتیں سنتے اور اطاعت کرتے تھے اور ان کے خبیث دلوں کی

گہرائیوں میں ابوبکر کی محبت جاگزیں تھی جس طرح بنی اسرائیل کے دلوں میں بچھڑے اور سامری کی محبت جگہ کئے ہوئے تھی جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ (آیت ۹۳ سورۂ بقرہ پ۱) انکی بے ایمانی کی وجہ سے بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں گھول کر پلادی گئی۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے ہارون کو چھوڑ دیا اور ان کو کمزور بنادیا۔ پھر اس سعادت مند جوان انصاری نے کہا خداوند عالمین کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ہمیشہ ان کو دشمن رکھوں گا اور ان سے اور ان کے کاموں سے خدا کے نزدیک بیزاری کا اظہار کرتا رہوں گا اور ہمیشہ حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں رہونگا۔ تاکہ جلد مجھے شہادت نصیب ہو۔ انشاء اللہ۔ پھر وہ حذیفہ سے رخصت ہوا اور جناب امیر کی خدمت میں اسوقت پہنچا جبکہ حضرت مدینہ سے روانہ ہوکر عراق کی طرف جارہے تھے۔ وہ حضرت کے ساتھ بصرہ گیا اور اس جنگ میں سب سے پہلا شخص وہی تھا جو شہید ہوا۔ وہ جوان وہی تھا جسکو حضرت نے قرآن دیکر ان نا اہلوں کے سامنے بھیجا تھا اور انہوں نے اسکو شہید کردیا۔

باب نہم

آزار دہی اہل بیت علیہم السّلام کے بعض دلخراش واقعات

قضیۂ فدک اور ترکہ پدر سے جناب فاطمہ کا محروم کیا جانا

سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر کے خلیفہ بنائے جانے اور پھر حضرت علی مرتضیٰ اپنا استحقاق خلافت پیش کرنے اور ناکام رہنے اور منجانب حضرت عمر وغیرہ جناب فاطمہؑ کے گھر کو جلانے کی دھمکی اور کوشش کے ساتھ ساتھ ایک اور معاملہ جو آلِ رسولؐ اور خصوصاً جناب فاطمہ زہرا کی دل شکستگی کا باعث ہوا وہ قضیۂ فدک اور ترکہ حضرت رسول خدا سے جناب فاطمہؑ زہرا کا محروم کیا جانا ہے۔

فدک مدینہ سے تین منزل پر ایک زرخیز علاقہ تھا جس میں متعدد چشمے اور باغات تھے اور بعض روایات کے اعتبار سے قریوں پر مشتمل تھا۔ پہلے یہ یہودیانِ خیبر کی ملک تھا اور حضرت رسول کے قبضہ میں اس طرح آیا کہ جب علی مرتضیٰ کے ہاتھ خیبر فتح ہوچکا تو حضرت علی کی شجاعت اور دھاک سے یہودیانِ خیبر نے مصالحت چاہی اور علاقہ فدک حضرت رسول کو نذر کیا۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر سورۂ حشر آیت ۶ میں اس طرح آیا ہے: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

ترجمہ۔ جو چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو لڑائی کے بغیر عطا کی ہے اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس چیز پر چاہے مسلط کردے ایک اور آیت میں اللہ کی طرف سے رسول اور اس کے صاحبان قرابت کو

مال اللہ کی طرف سے عطا کئے جانے کا حکم اس طرح آیا ہے: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى (سورۂ حشر آیت ۷) یعنی جو کچھ خدا اپنے رسول کو دلوا دے دیہات اور قریوں کے باشندوں سے وہ خدا کا ہے اور رسول کا اور اس کے صاحبان قرابت کا یعنی اس طرح ان احکام قرآن کے اعتبار سے علاقہ فدک کی کیفیت مال غنیمت کی نہ تھی جس میں عام مسلمانوں کا کوئی حق ہو۔ خداوند عالم نے اس حکم کی وجہ بھی بیان فرما دی ہے کہ مسلمان اس پر گھوڑے دوڑا کر یا حملہ کر کے نہیں گئے تھے۔ اس طرح یہ علاقہ بالکلیہ رسول خدا کی ملک قرار پایا۔ اور پھر بعد نزول آیت فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (سورہ روم آیت ۳۸) یعنی اے رسول) اپنے ذی القربیٰ کا حق ادا کر دو حضرت رسول نے فدک اپنی صاحبزادی فاطمہ زہرا کو یہ کہہ کر ہبہ فرمایا کہ بحکم خدا میں تمہیں یہ دے رہا ہوں۔ یہ تمہارے اور تمہارے بچوں حسن اور حسینؑ کا حق ہے اسے تم لے لو۔ سیوطی کی تفسیر درمنثور جلد (۴) ص۱۷۷ طبع میمنہ مصر ۱۳۱۴ھ پر ہے۔ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ فاعطاھا فدک (حضرت رسول نے جناب فاطمہ کو بلایا اور فدک ان کو عطا کر دیا) کنز العمال جلد ۲ ص۱۵۸ پر بحوالہ حاکم روایت ہے کہ لما نزلت وات ذالقربی حقہ قال النبی یا فاطمہ لک فدک (جب آیت وات ذالقربیٰ نازل ہوئی تو حضرت رسول نے جناب فاطمہ سے ارشاد فرمایا اے فاطمہ فدک میں نے تجھے دیدیا۔ صاحب تاریخ روضۃ الصفا لکھتے ہیں (جلد ۲ ص۱۳۷ نول کشور) پیغمبر فاطمہ را بخواند برائے وے حجت نوشت و آن وثیقہ بود کہ فاطمہ بعد از وفات رسول اللہ پیش ابوبکر آورد و گفت این کتاب رسول خداست کہ برائے من و حسن و حسین نوشتہ۔ نیز ثعلبی تفسیر کشف البیان میں حافظ ابن مردویہ سے معتمر احمد بن موسیٰ، ابوسعید خدری سے اور حاکم ابوالقاسم حسکانی سے، ابن کثیر اپنی تاریخ میں شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ میں شرح نہج البلاغہ میں ابوسعید خدری سے نقل کیا ہے کہ جب آیت وات ذی القربیٰ حقہ نازل ہوئی تو رسول خدا نے فاطمہ کو بلایا اور فدک ان کو عطا کیا۔ حضرت رسول کے عطا کر دینے کے بعد سے فدک جناب سیّدہ کے قبضہ میں رہا اس کی آمدنی تین قسطوں میں وصول ہوتی تھی۔ اس میں سے جناب سیدہ اپنے فرزندوں کی ایک شب کی خوراک کے حساب سے نکال کر باقی بنی ہاشم کی بیواؤں اور یتیموں اور دیگر فقراء و ضعفاء میں تقسیم فرما دیتی تھیں۔ اپنی حد تک چکی پیس کر گزارا کرنا ہمیشہ آپ کا شعار رہا۔ مگر فدک پر آپ کی ملکیت و قبضہ مسلمہ تھا۔ جب رسول خدا کا انتقال ہوا اور حضرت ابوبکر کی خلافت سقیفہ بنی ساعدہ میں قائم ہو گئی تو حضرت ابوبکر کے حکم سے یہ علاقۂ فدک جناب فاطمہ زہرا کے قبضہ سے لے لیا گیا اور جناب سیّدہ کے عاملین کو ہٹا دیا گیا اور جا بجا زور و جبر کر کے رسول پر بھی حکومت نے اپنا قبضہ جما دیا۔ تاریخ طبری میں حضرت ابوبکر کے اس خط کو نقل کیا گیا ہے جو انھوں نے خلیفہ بننے کے بعد عاملانِ فدک کو لکھا تھا کہ "آج سے اموال فدک بجائے فاطمہ کو بھیجنے کے بیت المال کو روانہ کیا جایا کرے۔"

عائشہ کا ابوبکر سے کہنا کہ فدک فاطمہ کے قبضہ سے لے لیا جائے

جرمن مورخ کورت فریشلر آلمانی اپنی کتاب عائشہ بعد از پیغمبر، جسکا ترجمہ ذبیح اللہ منصوری نے فارسی زبان میں کیا ہے۔ ص۵۶ (ترجمہ) پر یوں رقمطراز ہے:- یکے از قریہ ہا فدک بابتہ سہم پیغمبر اسلام بجمد

رسید و پیغمبر آں قریہ را بہ دخترش فاطمہ بخشید۔ فاطمہ بوسیلہ شوہرش علی آں قریہ را ادارہ مے کرد۔ ولے ہمیں کہ پیغمبر اسلام رحلت نمود عائشہ پدرش را وا داشت کہ آں قریہ از تصرف فاطمہ خارج کند و گفت رسول اللہ ہنگام مرگ میراث نداشت تا اینکہ ارث او بہ فاطمہ رسد۔ اگر خصومت عائشہ نسبت فاطمہ نہ بود ابوبکر در صدد نمے آید کہ دہکدہ فدک را از تصرف فاطمہ خارج کند۔"

ذیل میں ہم اسکا ترجمہ درج کرتے ہیں :- قریہ فدک پیغمبر کے حصہ میں آیا تھا اور آنجناب نے اسکو اپنی بیٹی فاطمہ کو بخش دیا تھا جو اپنے شوہر علی کے ذریعہ اسکا انتظام کراتی تھیں۔ لیکن جونہی کہ پیغمبر اسلام کی وفات ہوئی عائشہ نے اپنے باپ سے کہا کہ فدک فاطمہ کے قبضہ سے لیں اور یہ کہا کہ مرتے وقت پیغمبر کی کوئی میراث نہ تھی کہ فاطمہ کو ورثہ مل سکے۔ اگر فاطمہ سے عائشہ کی یہ خصومت نہ ہوتی تو شاید ابوبکر فدک کو فاطمہ کے قبضہ سے نہ لیتے۔

ترکۂ رسول حسب ذیل جائداد پر مشتمل تھا۔ بنی نضیر کے کھجور کے باغات انصار کی دی ہوئی اراضی۔ مخریق کے سات باغات وادی القریٰ کی تہائی زمین وغیرہ (ملاحظہ ہو تیسرا البخاری پارہ ۱۱ کتاب جہاد و سیر ص۶۲ و پارہ ۱۲ کتاب جہاد و سیر)

اس کے بعد جناب سیدہ نے اپنا دعویٰ فدک اور ترکہ حضرت رسول خدا کے متعلق حکومت کے سامنے پیش کیا فدک پر آپ کا دعویٰ بربنائے ھبہ اور بقیہ جائداد رسول پر بربنائے ترکہ تھا اس دعویٰ کا کیا حشر ہوا اس کو بیان کرنے سے قبل ہم بعض روایتوں کا حوالہ دیدیتے ہیں تاکہ مجملا اندازہ ہو جائے۔ ابراہیم بن عبداللہ شافعی کتاب اکتسفا میں لکھتے ہیں:

جناب فاطمہ حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لائیں اور فرمانے لگیں کہ جناب رسالت مآب نے فدک مجھے ھبہ فرمایا ہے اور خمس خیبر اور حوالی مدینہ کی زمینوں میں بطور وارث حصہ دار ہوں حضرت ابوبکر نے پوچھا آپ کے پاس فدک کے ھبہ کا کیا ثبوت ہے۔ اس پر جناب علی مرتضیٰ نے فاطمہ زہرا کی طرف سے گواہی دی۔ حسن و حسین نے بھی بتائید دعویٰ جناب سیدہ بیان کیا۔ ان کے بعد ام ایمن آئیں انھوں نے حضرت ابوبکر کو مخاطب کرکے پوچھا کیا آپ اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ رسالت مآب نے مجھے اہل جنت میں سے قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ ام ایمن نے کہا کہ تو پھر میں گواہی دیتی ہوں کہ جناب رسول خدا نے فدک جناب سیدہ کو ھبہ فرمایا تھا۔

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ کی طرف سے حضرت عائشہ کے خادم رباح نے بھی شہادت دی۔ حبیب السیر اور معارج النبوۃ کے بیان کے مطابق زبانی شہادتوں کے علاوہ تحریری ھبہ نامہ بھی دربار میں پیش کیا گیا۔ علامہ سید محمد صالح کشفی ترمذی حنفی ابن میر عبداللہ مشکین قلم اپنی کتاب مناقب مرتضوی میں جو انھوں نے سنہ ۱۰۴۸ھ میں لکھ کر شہنشاہ ہندوستان شاہجہاں کو بطور تحفہ دی تھی۔ بحوالہ مقصد اقصیٰ لکھتے ہیں" فتح خیبر کے بعد حضرت رسول خدا نے فدک کی طرف امیر المومنین کو بھیجا اور مصالحت حضرت امیر کے ہاتھ پر واقع ہوئی۔ پس جبرئیل نے حاضر ہوکر عرض کی حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حوالے فدک اور جو کچھ اس میں حق خدا اور حق رسول ہے فاطمہ اور حسنین کو دیدیں۔ سرور انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدۃ النساء

فاطمہ زہرا علیہا التحیۃ والثنار کو طلب فرما کر ایک حجت و دستاویز لکھ کر حوالے کی اور وہ معظمہ اس وثیقہ کو آنحضرت کی وفات کے بعد ابوبکر کے پاس لائیں اور بیان کیا کہ یہ ایک حجت ہے جو رسول خدا نے میرے اور حسنین کے واسطے تحریر فرمائی ہے۔ سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور انسان العیون میں اس کو نقل کیا گیا ہے۔

اِنَّہٗ کتب لہا فدک و دخل علیہ عمر فقال ما ہذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ میراثہا من ابیہا فقال ماذا تنفق علی المسلمین ..... ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ (انسان العیون فی سیر الامین والمامون مولف نور الدین علی بن برھان حلبی شافعی) یعنی حضرت ابوبکر نے جناب فاطمہ کو فدک کا قبالہ لکھ کر دیدیا۔ اتنے میں حضرت عمر آنکلے اور پوچھنے لگے یہ کیا ہے حضرت ابوبکر نے کہا میں نے جناب فاطمہؑ کو فدک کی میراث کا وثیقہ لکھدیا ہے۔ حضرت عمر بولے پھر مسلمانوں کو کیا کھلاؤ گے ..... پھر وہ نوشتہ لیکر چاک کر ڈالا۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں (جزو سادس عشر جلد ۲ صفحہ ۳۰ حضرت ابوبکر نے وثیقہ لکھ کر دیدیا۔ حضرت عمر نے اس کو لے کر اس پر تھوکا۔ پھر چاک کر ڈالا۔

تیسرا البخاری پارہ ۱۲ کتاب جہاد و سیر صفحہ ۶۳ کی روایت میں درج ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک اور ترکہ رسول میں حضرت فاطمہ کو کچھ نہ دیا۔ حضرت عمر نے بھی یہی عمل کیا۔ حضرت عثمان نے اپنے زمانہ خلافت میں فدک اپنے سالے مروان کو بطور جاگیر عطا کیا۔ اب مختصر تفصیل اس دعویٰ کی کارروائی کی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ نحن معشر الانبیا لا نرث ولا نورث فما ترکناہ صدقہ۔ یعنی ہم گروہ انبیاء نہ میراث پاتے ہیں اور نہ میراث چھوڑتے ہیں بلکہ جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ جناب سیدہ نے فرمایا کہ حضرت رسول کا ایسا کوئی ارشاد نہیں ہے اور متعدد آیات قرآنی کا حوالہ دیا جن کی رو سے انبیاء سے ان کی اولاد کا اور خود انبیاء کا اپنے والد سے مال و جائداد کا وارث ہونا ظاہر ہے۔ حضرت سلیمان کے حضرت داؤد کے وارث ہونے کا ذکر سورۂ نمل کی آیت ۱۶ میں ہے وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ (یعنی سلیمان داؤد کے وارث ہوئے)

حضرت زکریا کی دعاء عطائے فرزند اور ان کی جائداد کے وارث کے لئے سورۂ آل عمران و سورۂ انبیاء و سورۂ مریم میں درج ہے۔ حضرت زکریا کی عمر ۹۰ سال کی تھی اور ان کی بیوی بانجھ تھیں اس وقت انھوں نے دعا کی۔ آل عمران آیت ۳۸ ھنالک دعا زکریا ربہ قال رب ھب لی من لدنک ذریۃً طیبۃً انک سمیع الدعاء یعنی اس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور عرض کی کہ اے میرے پالنے والے تو مجھ کو اپنی بارگاہ سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔ سورۂ انبیاء کی آیت ۸۹ ہے۔ وزکریا اذ نادیٰ ربہٗ رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین۔
ترجمہ: یا اللہ تو مجھے لاولد نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے سورۂ مریم کی آیات ۵ و ۶ ہیں۔

وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امراتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا۔ یرثنی ویرث من آل یعقوب
اور میں ڈرتا ہوں اپنے لونڈی غلام سے کہ میری جائداد کو خلاف شرع و ناجائز مصرف میں برباد کر دیں اور میری بی بی (ام کلثوم حضرت مریم کی خالہ) بانجھ ہے پس تو مجھے اپنی بارگاہ سے ایک جانشین عطا فرما جو میری اور آل یعقوب کی میراث کا مالک ہو۔

ان آیات سے انبیاء کی وراثتِ مال بخوبی ظاہر ہے ورنہ حضرت زکریا اپنی دعا میں یہ نہ کہتے کہ میں اپنے لونڈی غلاموں سے ڈرتا ہوں کہ کہیں میری جائداد برباد نہ کریں۔

قرآنِ مجید میں حضرت داؤد اور زکریا کی وراثت کا ذکر موجود ہے اور اس کے معنی ظاہر بہ ظاہر وراثت مال ہی کے ہیں۔ الفاظ وراثت اور یرثنی ویرث سے مال کی وراثت مراد ہونے کے متعلق ہم بعض مشہور علمائے اہل سنت کے اقوال کا مختصر حوالہ ذیل میں دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں وراثت مال کے سوا کسی اور امر مثلاً علم کی مراد لی گئی ہے تو وہاں یہ قرینہ اور قید خود آیت میں موجود ہے اور جہاں کہیں ایسی قید و قرینہ نہ ہو اور وراثت کا لفظ مطلقاً بلا قید ہو تو وہ وراثت مال ہی ہوگی۔ مثال کے طور پر ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا میں کتاب کا وارث ہونا بیان کیا گیا ہے اور کتاب کی قید موجود ہے۔ اس طرح العلماء ورثۃ الانبیاء یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں میں علم کا قرینہ خود قائم کر دیا گیا ہے۔ جہاں ایسی قید و قرینہ نہ ہو مثلاً ورث سلیمان داؤد تو وراثت مال ہی مراد ہوگی اگر بلا قید و قرینہ الفاظ سے بھی وراثت علم مراد لی جائیگی تو محالاً مجاز قرار دیجائیگی اور مجاز کیلئے جبتک کوئی ایسا قرینہ نہ موجود ہو جس کی وجہ سے ذہن معنی حقیقی کی طرف سے ہٹ سکے اسوقت تک اس لفظ کی مجازیت ناتمام رہے گی۔ علامہ فخرالدین رازی آیت یرثنی و یرث من آل یعقوب کے تحت تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:- ان المراد بالمیراث فی الموضعین ہو وراثۃ المال وھذا قول ابن عباس والحسن وضحاک۔ یعنی ان دونوں مقاموں پر میراث سے مراد وراثت مال ہے۔ یہی ابن عباس وحسن وضحاک کا قول بھی ہے اور یہی بات صحابہ کے ذہن میں اس وقت آئی تھی جب "لا نورث" والی مبینہ حدیث حضرت ابوبکر نے پڑھی تھی۔ وہاں وراثت مال کے علاوہ وراثت علم کسی نے بھی نہیں سمجھا حضرت ابوبکر نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ ان آیات میں وراثت علم مراد ہے۔ ان آیات کی تاویل تو اب ہوئی ہے۔ جب سے تفسیر قرآن اپنی رائے کے مطابق بیان کرنے کا رواج اہل اسلام نے قائم کیا ہے۔ حضرت ابوبکر نے اس کو تسلیم کرتے ہوئے حضرت رسول کا اپنے کو استثنیٰ قرار دینے کے متعلق لا نورث والی مبینہ حدیث پیش کی جو اس کے پہلے کسی سے نہیں سُنی گئی تھی۔ آیت وورث سلیمان داؤد کے تحت تفسیر کبیر جلد ٦ صہ ٢٠٤ پر علامہ فخرالدین رازی بحوالہ مفسر حسن لکھتے ہیں وراثت مال مُراد ہے اس لئے کہ نبوت تو وہ عطیہ ہے جو براہِ راست ملتا ہے نہ ورثۃ۔

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد کو عمالقہ سے ایک ہزار گھوڑے ملے تھے جو ان سے ورثۃ حضرت سلیمان تک پہنچے۔ تفسیر کشاف میں علامہ زمخشری نے بھی اس کا ذکر کیا ہے علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں آیت یرثنی و یرث من آل یعقوب کے ذیل میں بحوالہ مفسر حسن لکھا ہے کہ یرث سے مُراد مال کی وراثت ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے ایک روایت میں لکھا ہے "حدثنی ابو کریب قال حدثنا جابر بن نوح عن اسمٰعیل عن ابی صالح قولہ یرثنی ویرث من آل یعقوب یقول یرث مالی و یرث من آل یعقوب النبوۃ"۔ ابو کریب نے بیان کیا کہ محمد بن جابر ابن نوح نے اسمٰعیل سے اور انھوں نے ابو صالح سے روایت کی ہے کہ یرثنی سے مُراد وراثت مال ہے اور یرث من آل یعقوب سے مراد وراثت نبوت ہے۔ حالانکہ ابو صالح کے بیان میں یہ صریحی نقص موجود ہے کہ

خداوندِ عالم کے ارشاد کو وہ سمجھے ہی نہیں ورنہ ان کے بیان میں من آل یعقوب النبوۃ کا فقرہ نہ آتا۔ خداوندِ عالم اگر یہ فرماتا کہ یرث من یعقوب تو پھر بھی ممکن تھا کہ وہاں نبوت مراد لیجاتی۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ آل یعقوب فرمایا ہے اور آل یعقوب میں سب کے لئے نبوۃ ثابت نہیں، لا محالہ وراثت مال ہی مراد لینی پڑیگی اور بفرض ایسا ہو بھی کہ وہاں نبوت ہی مراد ہوتی تو یرثنی میں حضرت زکریا کا مقصود وراثت مال ہو اور یرث من آل یعقوب میں وراثت نبوت حالانکہ دعا کے ایک ہی سلسلہ میں دونوں فقرے موجود ہیں۔ اس کی کوئی وجہ نہیں آل یعقوب میں حضرت زکریا کے اعزا داخل ہوں ان کو نبوت سے کیا تعلق اس لئے وراثت مال ہی مراد ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت زکریا کی دعا میں واجعلہ رب رضیا (خُدا اس کو ایسا بنا جس سے تو خوش رہے) کا ٹکڑا بھی شامل ہے۔ اگر وراثت نبوت یا علم مراد ہوتی تو حضرت زکریا کو حقیقت میں اس دعا کی ضرورت نہ ہوتی اس لئے کہ نبوت میں خود ہی رضائے الہیٰ شامل ہوتی ہے۔ پھر یہاں شرط کی کیا ضرورت تھی اس سے معلوم ہوا کہ وراثت مال ہی مراد ہو سکتی ہے اب دعا کا یہ جملہ ہوا کہ اس کو ایسا بنا جو اموال کو جائز مصرف میں صرف کرے کہ جس سے تو خوش ہو سکے۔

حضرت سلیمان کو داؤد کی زندگی ہی میں نبوت مل چکی تھی اس لئے وراثت کے معنی جس میں بعدیت کا لزوم ہے وراثتِ نبوت اس طرح بھی نہیں ہو سکتی مال ہی سے متعلق ہوگی جس کے وارث بعد وفات حضرت داؤد حضرت سلیمان ہوئے۔ اس طرح یہ واضح ہو گیا کہ بروئے قرآن حضرت داؤد و سلیمان و زکریا و یحییٰ کی وراثت مال ہی کی تھی اور یہ کہنا غلط ہے کہ انبیاء نہ تو خود کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ میراث چھوڑتے ہیں۔

غرض کہ جناب سیدہ نے فرمایا فدک پر میرا دعویٰ تو ترکہ کی بناء پر نہیں ہے بلکہ ہبہ کی بناء پر ہے اور احکام شرع و واضح آیات قرآنی کی بناء پر میں اپنے پدر بزرگوار کے ترکہ کی مستحق ہوں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ میرا خیال تھا کہ فدک آپ بطور ترکہ مانگ رہی ہیں۔ مگر جب آپ کہتی ہیں کہ رسول اللہ نے آپ کے حق میں ہبہ فرمایا تھا تو فدک آپ کو واپس مل جائے گا مگر دیگر جائیداد رسول میں پھر بھی حصّہ نہ ملیگا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے تا بجد فدک سند جاری کرنے کا حکم دیا اور بعض روایتوں کے اعتبار سے سند جاری بھی کر دی گئی۔ مگر حضرت عمر نے کہا کہ فاطمہ تو ایک عورت سے زیادہ نہیں ہیں ان سے شہادت طلب کی جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے سند دینے کا ارادہ ترک کر کے شہادت طلب کی بعض روایتوں میں یہ ہے کہ سند جو جاری کر دی گئی تھی اس کو حضرت عمر نے چاک کر دیا۔ تاریخ طبری جزو ثالث صفحہ ۲۱۰ پر روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ اے ابوبکر بتاؤ تو سہی تم حاکم ہو کہ عمر ابوبکر نے جواب دیا حاکم تو عمر ہی ہیں البتہ بیعت میری ہوئی ہے۔

قابل غور ہے کہ حضرت ابوبکر نے ان واضح آیات قرآنی کی روشنی میں عمل کیا یا نہیں جن کا حوالہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے دیا تھا۔ اگر عمل نہیں کیا تو اس کے مضمرات کیا ہیں اور اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اس موقعہ پر خیال حضرت رسولؐ کے ایک ارشاد کی طرف جاتا ہے جس کو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے صفحہ پر بحوالہ کنز العمال ج ۵ حدیث ۲۵۰۵ درج کیا ہے۔ جو شخص حضرت رسولؐ کی اُمّت کے معاملات میں سے

معاملہ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اور پھر اُسنے لوگوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق کام نہ کیا اسپر اللہ کی لعنت۔

حضرت علیؑ اور حسنینؑ کی گواہی ناقابل قبول قرار دیکر جنابؑ فاطمہ کا دعویٰ رد کیا جانا

جناب سیّدہ نے شہادت کے لئے حضرت علی حسن و حسین اور اُمِ ایمن کو پیش کیا۔ مگر حضرت عمر نے پھر کہا کہ علی کی شہادت بوجہہ فاطمہ کے شوہر ہونے کے ناقابل قبول ہے۔

حسن و حسین چھوٹے بچے ہیں اس لئے ان کی شہادت بھی قابل قبول نہیں اور ایک عورت کی گواہی ناکافی ہے لہذا دعویٰ خارج اس طرح جناب سیّدہ کا دعویٰ خارج کر کے آپ کو فدک اور ترکہ رسول سے محروم کر دیا۔

فتوح البلدان بلاذری میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے شہادت طلب کی تو حضرت فاطمہ نے حضرت علی کو گواہی میں پیش کیا۔ ابو بکر نے کہا ایک گواہ اور چاہیئے۔ حضرت فاطمہ نے دوسری شہادت ام ایمن کی پیش کی حضرت ابو بکر نے کہا ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی کافی نہیں ہو سکتی بلکہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی درکار ہے۔ تقاضائے فطرت ہے کہ اولاد کو اپنے باپ کی چیزیں عزیز ہوتی ہیں اور اس جائداد سے مالی فائدہ کے قطع نظر اس سے تعلق قلبی بھی ہوتا ہے۔ جناب سیدہ کو نہ صرف اپنے باپ کی میراث پانے کے اس فطری حق سے محرومی کا ہی صدمہ ہوا جو انبیاء کی سنت بھی چلا آ رہا تھا بلکہ اصل صدمہ اس بات کا ہوا کہ حضرت رسول کے ارشاد سیدۃ النساء العلمین اور قرآن پاک میں آپ کو تطہیر کی سند ہونے باوجود آپ کو اپنے دعویٰ میں جھوٹا ٹھیرایا گیا اور قاسم النار والجنۃ حضرت علی مرتضیٰؑ اور سرداران بہشت حسن و حسین کی شہادت کو ناقابل قبول قرار دیا گیا اور درآں حالیکہ ایک صحابی جابر کے دعویٰ کو بلا کسی شہادت کے مجرد ان کے بیان پر قبول کر لیا گیا۔ یہ امر صاف ظاہر تھا کہ بمقابلہ عام لوگوں کے بھی خاندان رسالت کی تذلیل کی جا رہی تھی ارباب حق پسند کے لئے یہ سب بڑے غور کے مقامات ہیں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو حضرت رسولؐ نے بحکم خداوندی سیدۃ النساء العلمین اور خاتون محشر فرمایا تھا۔ ہدایت اُمت کے لئے آپ شریک ثقلین اور عورتوں کے لئے حجت خدا تھیں آپ کی طہارت اور عصمتِ مُطلقہ کی سند احکم الحاکمین نے آیت تطہیر میں عطا فرمائی تھی۔ حسبِ فرمان رسول وہ جسم رسالت کا ایک ٹکڑا تھیں جن کی تعظیم کو خود حضرت رسول کھڑے ہوا کرتے تھے اور حسب روایات مندرجہ مشکواۃ المصابیح زبانی حضرت عائشہ حضرت رسول سے ہئیت روش اور چال میں اس درجہ مشابہت تامہ رکھتی تھیں کہ حضرت رسول اور فاطمہ میں امتیاز دشوار تھا۔ اُدھر علی مرتضیٰ حسب ارشاد رسول بحکم خدا مولائے مومنین اور لسان اللہ تھے اور ارشاد رسول تھا کہ حق علی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے جدھر وہ جائے حاکم نے مستدرک میں اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں طبرانی نے الکبیر میں ابن الجوزی نے اسد الغابہ میں اور نیز خطیب نے عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور کائنات نے علی مرتضیٰ سے فرمایا کہ بہشت ہے اس شخص کے لئے جس نے دوست رکھا تجھ کو اور سچا جانا تجھ کو عذاب دوزخ ہے اس کے لئے جس نے دشمن رکھی تجھ کو اور جھوٹا جانا تجھکو۔

قابلِ غور ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت کو قابلِ قبول نہ سمجھا وہ اس حدیث کو ذریعے کہاں تک محفوظ ہیں۔ اُمِ ایمن (حضرت رسول کے غلام زید کی بیوی والدۂ اسامہ بن زید) کے جنتی ہونے کی تصدیق (باعتبار کتب اہلِ سنت بھی) رسول اللہ نے فرمائی تھی۔

مشکواۃ المصابیح باب مناقب اہل بیت النبی میں حضرت عائشہ کا یہ قول درج ہے کہ (رسول اللہ کے علاوہ) فاطمہ سے زیادہ صادق میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ قابلِ غور ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے جناب فاطمہ کو کس حد تک صادق سمجھا جبکہ جناب فاطمہ نے ایسی جائیداد کے متعلق جو خود ان کے (جناب فاطمہ کے) قبضہ میں تھی یہ فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے یہ مجھے ھبہ کر دی ہے۔ شواہد کے علاوہ عقل و قرائن بھی سب اسی کی تائید میں تھے، قرآن میں حضرت رسول کو اللہ تعالیٰ کا حکم فاٰت ذی القربیٰ حقہ آچکا تھا۔ یہ حکم نہ بھی آتا تو عین قرین عقل یہ بات تھی کہ حضرت رسول نے اپنی جائیداد میں سے اپنی اکلوتی صاحبزادی سیدۃ النساء العالمین کو کچھ تو ضرور دیا ہوگا۔ خصوصاً جبکہ جناب فاطمہ کی ماں حضرت خدیجہ کی کثیر و شہرۂ آفاق دولت کو اسلام کی خدمت میں حضرت رسول نے صرف فرما چکے تھے۔ اب جبکہ قرآن میں صریح حکم بھی آچکا تھا کہ اپنے ذی القربیٰ کا حق ادا کر دو تو کیا حضرت رسول نے اس کی تعمیل نہ فرمائی ہوگی فرمائی اور ضرور فرمائی۔ اس پس منظر میں جو کسی سے بھی چھپا ہوا نہ تھا جناب فاطمہ کے قبضہ میں جب کوئی جائیداد موجود ہو تو سب سے پہلی چیز تو یہ ہوتی ہے کہ القبض دلیل الملک اور پھر آپ نے اپنے قبضہ کی بناء بھی ظاہر فرما دی تھی کہ حضرت رسول نے میرے حق میں ھبہ فرمایا ہے۔ تو یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ کو کیوں جھوٹا سمجھا گیا اور آپ کے قبضہ سے یہ جائیداد کیوں لیگئی اور آپ کو دعویٰ کرنے کی کیوں نوبت آئی آخر اس کا کیا جواب ہے۔ کیا صادقوں کے ساتھ ایسا ہی عمل کیا جاتا ہے؟

یہ اور بات ہوتی اگر جائداد آپ کے قبضہ میں نہ ہوتی اور آپ اس پر اپنا حق جتا کر جدید طور پر اس کو حاصل کرنا چاہتیں، یہ تو معاملہ برعکس تھا۔ جائیداد خود جناب فاطمہ کے قبضہ سے چھین کر یہ کہنا کہ اب تم اس کی شہادت پیش کرو یہ کہاں کا انصاف ہے یہ تو شرع کے عین خلاف ہے یہ بات بھی نہیں ہے کہ اب ہم تیرہ سو برس بعد اس چیز کو دھاندلی اور ظلم قرار دے رہے ہیں بلکہ برسر موقعہ جناب سیدہ نے اس کو ظلم سمجھا اور فریاد کی اور حضرت ابوبکر پر اظہار ناراضگی فرمایا اور تا دمِ زیست ترک کلام کر کے حضرت ابوبکر و عمر کو اپنے جنازہ پر بھی نہ آنے دینے کی وصیت فرمائی۔ دعویٰ دائر کرنے کی نہ گنجائش پر مستزاد یہ کہ جب دعویٰ پیش کیا گیا تو جناب فاطمہ خاتونِ محشر اور حضرت علی و حسن و حسین قسیم النار والجنۃ و سردارانِ بہشت کی گواہی کو نا قابلِ قبول قرار دے کر دعویٰ خارج بھی کر دیا گیا۔ صاحبانِ ضمیر تصفیہ فرمائیں کہ خلیفۂ وقت کی اس پوری کاروائی میں کہیں انصاف چھو بھی گیا ہے۔ اس کو اسلام کی بدبختی نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ خاتونِ جنت سردارِ نساء العالمین صاحبِ تطہیر بضعۃ رسول کو اپنے دعویٰ میں مسلمان جھوٹا قرار دیں اور لسان اللہ کی شہادت کو جو بزبانِ قرآن رسالتِ رسول کا اللہ کی

طرف سے گواہ ہے بوجہ شوہر جناب سیدہ ہونے کے نا قابل قبول قرار دیں اور حسنین سرداران اہل جنّت کی شہادت کو بچوں کی بات قرار دیکر رد کریں اور پھر جن کو دینا چاہیں ان کے دعوے بلا شہادت بھی قبول کرتے جائیں۔

سنن ابو داؤد میں شہادت کا قاعدہ کلیہ مذکور ہے۔ اذا علم الحاکم صدق شہادۃ الواحد یجوز ان یقضی بہ۔

یعنی جس وقت حاکم کو ایک ہی شہادت پر یقین ہو جائے تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اقرار کرلے اور دعویٰ کو تسلیم کرے اس کے بعد ابو داؤد نے خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی شہادت کے متعلق ایک حدیث لکھی ہے جس میں حضرت رسول نے فرمایا ہے کہ ان کی شہادت دو آدمیوں کی شہادت کے برابر ہے۔ ناقہ کی بیع کے معاملہ میں جب ایک اعرابی نے آنحضرت سے نزاع کی تو خزیمہ ابن ثابت انصاری کی واحد گواہی کافی سمجھی گئی۔ خزیمہ نے کہا تھا میں جانتا ہوں کہ یہ ناقہ آپ کا ہے اس لئے کہ مجھے آپ کے صدق و عصمت کا علم ہے علامہ جار اللہ زمخشری ربیع الابرار میں وجہ تسمیہ ذو الشہادتین خزیمہ بن ثابت کے بیان میں لکھتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرت رسول خدا سے قرض طلب کیا آپ نے فرمایا کیا میں نے تیرا دین ادا نہیں کیا؟ اس نے گواہی طلب کی۔ آپ نے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں سے کون شخص میری گواہی دیتا ہے۔ خزیمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا تو کس بنا پر شہادت دیتا ہے تو نہ اس وقت موجود تھا نہ تجھے خبر ہے۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ ہم جب آپ کی وحی آسمانی پر تصدیق کرتے ہیں تو اس بات کی تصدیق کیوں نہ کریں کہ آپ نے قرض ادا کر دیا ہے۔ پس خزیمہ کی شہادت جاری کی گئی اور انہیں ذو الشہادتین کہا گیا کیونکہ ان کی گواہی دو مردوں کے برابر قرار پائی تھی۔ تفسیر نیشاپوری میں بھی خفیف تفاوت کے ساتھ یہی روایت درج ہے۔

کنز العمال علی متقی کتاب الشہادت جلد ۴ ص ۶ پر ہے۔ ان رسول اللہ وابابکر و عمر و عثمان کانو یقضون بشہادۃ الواحد و یمین المدعی۔ یعنی حضرت رسول خدا اور ابو بکر و عمر و عثمان ایک گواہ اور مدعی کی حلف پر فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ الفاروق ص ۲۸۶ و ص ۲۸۷ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں۔

"بہت سے واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ اس میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار احاد (شخص واحد کے بیان) سے استدلال کیا متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا اس طریقہ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار احاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے۔"

ارباب انصاف غور فرمائیں کہ جناب سیدہ، حضرت علی شہزادگان حسن و حسین و ام ایمن کی شہادت کوئی اخبار احاد بھی تو نہ تھی۔ خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھا جاتا تھا تو ان مقدس گواہوں کی شہادت سے بڑھکر اور کیا خصوصیت درکار تھی۔

جابر بن عبداللہ انصاری کو حضرت ابوبکر بحرین کے مال سے بلا شہادت دینے کی روایت (بخاری جلد ۲ صہ ۱۲۵ مطبوعہ مصر و تاریخ الخلفا سیوطی) کا حوالہ دیتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں بخاری کے باب شہادت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ خبر دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ جو صحابہ عدول ہیں ان کی خبر کو قبول کر لینا چاہیئے اگرچہ وہ محض ان کے نفع سے متعلق ہو۔ اس لئے کہ ابوبکر نے جابر سے ان کے بیان پر کوئی شاہد طلب نہیں کیا۔" حضرات اہل سنت حضرت ابوبکر کے اس عمل کی مدح کرتے ہیں کہ جابر کا دعویٰ بلا شہادت قبول کر لیا کیونکہ صحابی رسول سے ثبوت لینے کی کیا ضرورت تھی۔ اب غور فرمایئے کہ صحابی تو قابل اعتبار اور جگر گوشگانِ رسول صاحبان طہارتِ نصی خاتونِ جنت اور سردارانِ جنت نا قابلِ اعتبار یہ ساری کارروائی اس کا پتہ دیتی ہے کہ ان ہستیوں کو نا قابلِ اعتبار ٹھہرانا ہی فیصلہ کرنے والوں کا مقصد تھا۔ اس موقعہ پر ایک روایت کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا جو حضرت علیؑ مرتضیٰ کی زرہ کی گم گشتگی کے سلسلہ میں حضرت امام حسن کی گواہی سے متعلق ہے۔ سیوطی نے دراج سے روایت کی ہے کہ شریح القاضی نے ان سے بیان کیا کہ جنگ صفین کے لئے جاتے وقت حضرت علی کی زرہ گم ہو گئی آپ واپس تشریف لائے تو وہ زرہ ایک یہودی کے پاس نظر آئی۔ آپ نے فرمایا زرہ تیرے پاس کیونکر آئی نہ میں نے کسی کے ہاتھ اس کو بیچا نہ کسی کو دی یہودی نے کہا کہ زرہ میری ہے اس لئے کہ میرے قبضہ میں ہے۔ آپ نے فرمایا چلو قاضی سے تصفیہ کرا لیں۔ چنانچہ قاضی شریح کے پاس پہونچے۔ قاضی شریح نے کہا امیرالمومنین آپ کے پاس گواہ ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا میرے گواہ میرا بیٹا حسن اور میرا غلام قنبر ہیں، قاضی نے کہا کہ بیٹے کی شہادت باپ کے لئے قبول نہیں کی جا سکتی۔ آپ نے فرمایا۔ تعجب ہے تم اہل جنت کی شہادت قبول نہیں کرتے رسولؐ اللہ نے ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ حسن و حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں یکایک یہودی چلا اٹھا کہ بیشک زرہ حضرت علیؑ کی ہے۔

بہر حال اس روایت سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے بھی اس اصول کی وضاحت فرمائی کہ محض رشتہ دار ہونے سے شہادت نا قابل قبول نہیں ہو جاتی بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو شخص شہادت دے رہا ہے اس کا پایۂ اعتبار کیا ہے اور اس کی شہادت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یہی تمام دنیا کے قانون کا اصول ہے علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ میں نے علی بن فارقی سے جو بغداد کے مدرسہ غربیہ کے استاد تھے پوچھا کہ جناب فاطمہ سچی اور صادقہ تھیں انھوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا پھر تو حضرت ابوبکر نے فدک ان کو کیوں نہ دیا۔ جب کہ وہ بھی جانتے تھے کہ وہ سچی ہیں اور جو کچھ وہ فرماتی ہیں اس میں کذب نہیں ہوتا ان کے دعویٰ کو کیوں مسترد کر دیا گیا۔ وہ مسکرائے اور ایک لطیف بات کہی کہنے لگے کہ اگر ان کو صادقہ تسلیم کر کے فدک دیدیا جاتا تو دوسرے ہی روز وہ خلافت علی ابن ابی طالب کی دعویدار ہوتیں اور حضرت ابوبکر کو ان کی تصدیق کی بنا پر جگہ خالی کرنا پڑتا۔ اس وقت کسی عذر کا موقعہ ہی باقی نہ رہتا۔ اس لئے کہ اس صورت میں حضرت ابوبکر اپنے اوپر خود لازم قرار دے لیتے کہ چونکہ وہ صادقہ ہیں لہٰذا جو بھی دعویٰ کریں گی اس کو بلا گواہ اور شاہد کے مان لیں۔

جابر کا دعویٰ بلاشہادت قبول کیا جانا

اسی زمانہ خلافت حضرت ابوبکر میں اور رسول اللہ کے انتقال کے تھوڑے ہی دن بعد اور لوگوں کے ساتھ اس طرح عمل کیا گیا کہ محض ان کے بیان پر کہ رسول اللہ ان کو کچھ باقی تھے بلا کسی ثبوت ان کے ادعا سے سہ گناہ زیادہ دیدیا گیا چنانچہ بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے اور طبقات ابن سعد میں بھی مذکور ہے کہ جابر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آئے تو میں اتنا اتنا دونگا۔ جب بعد وفات رسول اللہ بحرین سے مال آیا تو حضرت ابوبکر نے منادی کرائی کہ اگر کسی کو کچھ قرض مزدوری رسول اللہ پر آتا ہو تو ہمارے پاس آئے میں نے بھی جا کر رسول اللہ کا وعدہ حضرت ابوبکر سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ لے لو۔ میں نے کچھ روپیہ اٹھایا گنا تو پانسو تھا۔ مگر حضرت ابوبکر نے مجھے ایک ہزار اور دیدیا یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت رسول خدا کا عمامہ لباس" تلوار اور خچر حضرت علیؑ کے قبضہ میں آیا اور ان چیزوں کو حکومت نے آپ سے طلب نہیں کیا اگر رسول کوئی میراث چھوڑتا ہی نہیں بلکہ صرف صدقہ ہوتا ہے تو یہ چیزیں کس اصول پر حضرت علی کے قبضہ میں چھوڑی گئیں۔ جب یہ چیزیں بھی صدقہ تھیں اور اس کا کوئی وارث نہ تھا تو خواہ ان چیزوں کی مالیت زیادہ نہ ہو مگر مسلمان تبرکاً حضرت رسول کی ان چیزوں میں کچھ نہ کچھ حصہ لینے کے ضرور خواہشمند ہوتے بلکہ اس میں ان کا حق ہوتا اور وہ اس میں خفیف سا ہی سہی مگر حصہ طلب کر سکتے تھے۔ یا یہ کہہ سکتے تھے کہ اس لباس رسول و عمامہ و تلوار کو بطور یادگار یا مسلمانوں کی عام ملکیت کی حیثیت سے بیت المال میں رکھا دیا جائے۔ یہاں فرق کس اصول پر برتا گیا۔

یہ سب امور اس کی غمازی کرتے ہیں کہ ایک قیمتی چیز کو جناب سیدہ کے قبضہ سے نکالنے کے لئے نحن معشر الانبیا کی ساری باڑہ باندھی گئی تھی۔ اس طرح حضرت رسولؐ کے مکان کے جو حجرے مختلف ازواج کے قبضہ میں تھے ان کا معاملہ بھی ہے۔ ان پر بعد وفات رسول آپ کی ازواج اپنی اپنی ملکیت کا ادعا کر کے قابض رہیں اور یہ حجرے مکانِ عائشہ مکانِ حفصہ مکانِ اُم سلمہ کہلاتے اور سمجھے جاتے رہے۔ حکومت نے نہ صرف ان حجروں میں ان کو تاحیات رہنے دیا بلکہ ازواج کی وفات کے بعد بھی یہ ان کے اپنے اپنے خاندان کے ورثاء کے قبضہ میں رہے یہ حجرے ازواج کو دئے نہیں گئے تھے بلکہ حضرت رسول کی ہی ملکیت تھے اور ان میں ازواج کی سکونت تھی بالفاظ قرآن اور آنحضرت کے ارشاد بموجب بھی مکانات آپ ہی کے تھے۔ قرآن مجید میں ہے۔

یاایھا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم (یعنی بلا اجازت نبی کے مکانوں میں داخل مت ہو) ارشاد ما بین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ (یعنی میرے مکان اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) اگر یہ کہا جائے کہ قرآن شریف میں لاتخرجوھن من بیوتھن کے الفاظ آئے ہیں تو اس سے ملکیت مراد نہیں بلکہ صرف رہنے کی نسبت ہے۔ جیسا کہ اسی آیت کے دوسرے جزو سے یہ مطلب صاف ہو گیا ہے۔ یعنی ولاتخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ (یعنی اگر وہ غلط عمل کے مرتکب ہوں تو انکو مکان سے نکال دو) (سورہ طلاق آیت اول)

اگر بالفرض مکان کسی زوجہ کی ملک تصور کر لیا جائے تو حکمِ باری یہ نہ ہوتا کہ غلط عمل کی وجہ سے زوجہ کو اس کے مملوکہ مکان سے نکال دو۔ شوہر قطع تعلق کر سکتا ہے مگر زوجہ کو خود اس کے مملوکہ مکان سے نہیں نکال سکتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ مکان شوہر ہی کا ہے اور بیوتھن کے الفاظ محض سکونت کی نسبت سے ہیں اس طرح یہ مسلمہ ہوا کہ مکان اور اس کے سب حجرے حضرت رسول ہی کے تھے اور رسول کی کوئی میراث نہیں ہوتی ہے اور صدقہ ہوتا ہے کہ اصول کے اعتبار ازواجِ رسول سے بھی وہ تمام حجرے عام مسلمانوں کے لئے حاصل کرلئے جانے چاہئے تھے۔ مگر یہ کچھ نہیں۔ نہ ان سے شہادت طلب کی گئی نہ کوئی رد و قدح ہی کی گئی بلکہ بلا چون و چرا ان کی ملکیت تسلیم کرلی گئی اور پھر وہ ان ازواج کے اپنے اپنے خاندان کی میراث بنی۔ چنانچہ جب سنہ ۸۸ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے حضرت حسن مثنیٰ بن امام حسن اور ان کی حرم محترم فاطمہ صغریٰ بنت امام حسین کو مسجد نبوی کے متصل ان کے مکان سے اسباب باہر پھکوا کر یہ حکم دیکر نکلوا دیا کہ نہ نکلیں تو گھر ان پر گرا دو وہیں جب حجاج نے حفصہ بنت عمر کے مکان کو جو حضرت عمر کی اولاد کے قبضہ میں تھا مسجد میں شامل کرنا چاہا تو ولید نے حکم دیا کہ ان کا مکان چھوڑ دو مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی نہ بننے دو اور اولاد عمر کی رضا جوئی میں کوتاہی نہ کرو اور ان کا اکرام ملحوظ رکھو (ملاحظہ ہو جذب القلوب صـ ۱۷۳ و وفاء الوفا صـ ۳۶۳ و تاریخ احمدی صـ ۳۴۵)

اس طرح حجرۂ حفصہ شروع سے آخر تک حفصہ اور پھر حضرت عمر کی اولاد کے قبضہ میں رہا۔ خصوصیت تھی تو جناب سیدہ ہی کے ساتھ کہ فدک کے متعلق حکومت نے ایک جداگانہ نظریہ اختیار کیا۔ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو اس کی مالیت زیادہ ہونے کی وجہ سے فدک حکومت کی نظر میں سما گیا اور پھر سیاسی مقاصد تو ان سب معاملات کی تہ میں تھے ہی۔ طبقات ابن سعد مترجمہ عبداللہ عمادی جزو خامس حصہ دوم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ کے صـ ۵ پر درج ہے کہ ابوبکر نے زبیر کو پورا الجرف بطور جاگیر دیدیا اور عمر نے پورا العتیق زبیر کو عطا کر دیا۔

غور کا مقام ہے کہ دوسروں کے ساتھ تو یہ عمل ہو اور جس کی مودت بحکم قرآن فرض اور متمسک بدامن رہنے کی رسول کی تلقین ہو اس کے ساتھ وہ عمل صاحبان فکر کے لئے یہ بات دیگر بہت سے امور مابعد کو پیش نظر رکھتے ہوئے قابلِ غور ہو جاتی ہے کہ جناب سیدہ کے ساتھ یہ عمل کہیں کسی سوچے سمجھے منصوبہ کا نتیجہ تو نہ تھا کہ شانِ اہل بیت کی تنقیص اس طرح کی جائے کہ مسلمانوں کی نظر میں ان کی حیثیت گھٹ جائے اور لوگوں کی توجہ ان کی بزرگی کی طرف سے ہٹتی جائے اور حکومت ظاہری جنھوں نے حاصل کی ہے اس کی بنیاد مستحکم ہوتی جائے۔ ذہن اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ عمل اسی سلسلہ کی کڑیاں تو نہیں ہیں کہ جناب سیدہ کے گھر کو جلانے آگ لیجائی جائے اور علی مرتضیٰ کو حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے گلے میں رومال ڈالکر گھسیٹا جائے اور خانوادۂ رسول کی تذلیل کی ایسی راہیں اختیار کی جائیں اور ایسی عادت ڈالی جائے کہ رفتہ رفتہ میدان کربلا میں نواسہ رسول کا سر کاٹنے کو بھی مسلمان، صحابی رسول اور حافظ قرآن کوئی عیب نہ سمجھیں اور خاندان رسول کا صفایا کرکے پردگیان عصمت و طہارت جناب سیدہ کی بیٹیوں کیا زدن رسن باندھ کر بے مقنعہ و چادر بلوائے عام میں کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام (۱۴۴۶ میل اور ۴۴۸ میل کی دو قریب قریب

راستوں کو چھوڑ کر) ۳۹ ۴۱ میل کے طویل اور چکر دار راستہ سے دیار بہ دیار تشہیر کراتے ہوئے دربار عام میں لیجائیں اور
سر بریدہ حسین کو خارجی کے سر سے تعبیر کریں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ بیت المال کا مال یوں تقسیم ہوا کہ بطور مشتے نمونہ از خروارے زبیر بن عوام کے انتقال کے
وقت ان کی دولت پانچ کروڑ بیس لاکھ تھی۔ ان کے گیارہ گھر مدینہ میں دو گھر بصرہ میں ایک گھر کوفہ میں اور ایک گھر
مصر میں اور سولہ لاکھ کی مالیت کی ایک زمین غازہ میں تھی (بخاری)

ڈاکٹر طہٰ حسین بحوالہ طبقات ابن سعد لکھتے ہیں کہ طلحہ اپنے گھر میں مال جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے پھر بھی ان کا
ترکہ تین کروڑ درہم تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کی سواری کے سو گھوڑے تھے اور علاوہ کثیر جائیداد ہزاروں مویشی اور لاکھوں
درہم کے اتنا سونا انھوں نے چھوڑا تھا کہ اسے کلہاڑی سے کاٹنا پڑا اور لوگوں کے ہاتھوں چھالے پڑ گئے۔ حضرت عثمان کی بے شمار
جائیداد کے علاوہ انھوں نے اپنی چار بیٹیوں میں سے ہر ایک کی شادی کے وقت بیس بیس لاکھ درہم دیئے۔ رسول اللہؐ
کی ازواج کا نفقہ سالانہ چوبیس ہزار فی کس تھا ادھر یہ فیاضی تھی تو ادھر جناب سیدہ کے ساتھ یہ شدت۔ قاضی
القضاۃ ابوالحسن عبدالجبار بن احمد نے لکھا ہے کہ "بیشک حضرت ابوبکر کو چاہیئے تھا کہ اگر از روئے مذہب و ضابطہ نہیں
تو از روئے اکرام و احترام ان لوگوں (جناب سیدہ و علی مرتضیٰ) کے مطالبات منظور کر لیتے۔ وہ اگر چاہتے تو یوں بھی دے
سکتے تھے جس طرح جناب رسالت مآب نے زینبؓ کے ساتھ کیا تھا۔ جب انھوں نے مسلمانوں سے کہا کہ میں نے اپنے
شوہر ابوالعاص کا فدیہ دیا ہے وہ واپس کر دو۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ ابوالعاص بدر کی لڑائی میں جب گرفتار ہوا اور
آنحضرت نے مسلمانوں سے کہا اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو چھوڑ دو اور اس نے جو فدیہ بھیجا ہے وہ بھی واپس
کر دو۔ تو مسلمانوں نے ایسا ہی کیا اور کہا ہم جان مال سب آپ پر فدا کرنے تیار رہیں یہ کیا چیز ہے۔ فدیہ بھی زینب کو
واپس کر دیا گیا اور ابوالعاص کو بغیر فدیہ لئے ہوئے چھوڑ بھی دیا گیا"۔
یہ محض اس وجہ سے کیا گیا کہ زینب کے حضرت رسول سے رشتہ کا احترام مسلمانوں کو منظور تھا۔ پھر اگر حضرت
فاطمہ اسی رسول کی بیٹی کے لئے حضرت ابوبکر یہی طرز عمل اختیار کرتے تو کیا بے محل تھا۔ تیسیر البخاری پارہ ۱۰ کتاب الہبہ صفحہ ۱۶ پر
روایت درج ہے کہ ام ایمن کو جو آنحضرت کے غلام زید کی زوجہ تھیں ان کے نیک اوصاف اور بزرگی کے مدنظر آنحضرت نے
بہ نسبت دیگر عام لوگوں کے دس گنے (کھجور کے) درخت دیئے حضرت رسول کا یہ عمل اس کی صاف دلیل ہے کہ باعتبار درجہ
و بزرگی کسی کو معمول سے زیادہ حصہ بھی دیا جا سکتا ہے۔
یتیموں کی دل دہی یوں بھی بطریق انسانیت کی جاتی ہے جناب سیدہ کا سن بوقت ان کی وفات کے
بموجب روایات کتب اہل سنت ۲۴ سال اور باعتبار کتب شیعہ اٹھارہ سال کا تھا۔ اس سن کی غم زدہ صاحبزادی
رسول کو ترکہ پدر اور فدک سے محروم کر دینے کے بعد بطور رحم و کرم بھی کچھ دینا مناسب خیال نہیں کیا گیا البتہ گھر جلانے
کے لئے آگ ضرور لیجائی گئی اور خدا کی قسم کھا کر آگ لگانے کی دھمکی ضرور دی گئی اور پہلو پر دروازہ بھی گرایا گیا۔ کسی کے

غم و رنج کے موقعہ پر انسانیت کا کیا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی مثال عمر بن عبدالعزیز (نو دسالہ خلیفہ بنو امیہ کے اسامہ بن زید کی بیٹی کے ساتھ طرز سلوک سے بھی ملتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی بر روایت الوعمر لکھتے ہیں" کہ ایک دفعہ اسامہ بن زید کی صاحبزادی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئی۔ آپ نے اس کا استقبال کیا اور اس کو صدر میں بٹھا کر خود اس کے سامنے ہو بیٹھے اور صاحبزادی اسامہ بن زید نے جو کچھ مانگا عطا کیا"۔

قابل غور ہے کہ یہاں رسول اللہ کے غلام زید کے بیٹے اسامہ کی بیٹی کے ساتھ یہ عمل کیا گیا اور وہاں خود رسول اللہ کی صاحبزادی سیدۃ النساء العٰلمین فاطمہ زہرا کے ساتھ وہ برتاؤ ہوا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مبینہ حدیث نحن معشر الانبیا لانرث ولا نورث وما ترکناہ صدقہ پر مزید نظر

جناب سیدہ کے دعویٰ فدک کا تو وہ حشر رہا اور ادھر آپ کا ترکہ کا دعویٰ بھی خارج کر دیا گیا۔ حضرت ابوبکر نے اس کے متعلق کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے نحن معشر الانبیا لانرث ولا نورث وما ترکناہ وصدقہ یعنی ہم گروہ انبیا نہ خود میراث پاتے ہیں اور نہ میراث چھوڑتے ہیں بلکہ جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس مبینہ حدیث کی صحت کو جناب فاطمہ و علی مرتضیٰ نے کبھی تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ جھوٹی بات ہے۔ شرح نہج البلاغہ جزو ۱۶ صفحہ ۲۱۳ پر علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ ابوجعفر نقیب یحییٰ ابن محمد بصری کی روایت ہے کہ علی و فاطمہ اور عباس ہمیشہ بہ یک زبان حدیث نحن معشر الانبیاء کی تکذیب کرتے رہے مشہیرات النساء جلد ۲ صفحہ ۲۶ مطبوعہ مصر پر جناب فاطمہ زہرا کا یہ احتجاج درج ہے:

ایہا المعاشر المسلمین ابتوا ارثی اُبی اللہ ان ترث اباک یا ابن ابی قحافہ لاارث ابی حسب شیئاً فریا "اے مسلمانوں کے گروہ خاموشی سے سنو کہ تم میرے باپ کی میراث مجھ سے قطع کرتے ہو اے ابو قحافہ کے بیٹے خدا کو منظور نہیں کہ تم اپنے باپ کے وارث نہ ہوں۔ بیشک تم نے جھوٹ بات کہی ہے"۔

حافظ ابوبکر شہاب نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۳۶ پر لکھتے ہیں وانکر العباس وعلی وفاطمہ رضی اللہ عنہم حدیث معاشر الانبیاء لا نورث قالوا وکیف کان یعرف ہذا الحکم غیرنا ویکتمہ عن نحن الوارثۃ واولی الناس بال یودی ہذا الحکم الیہ (یعنی حضرت عباس و حضرت علی و جناب فاطمہ رضی اللہ عنہم نے حدیث معاشر الانبیاء لانورث کے صحیح ہونے سے ہونے سے انکار کیا اور فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس حکم کو حضرت رسول خدا دوسروں پر ظاہر کرتے اور ہم لوگوں سے پوشیدہ کرتے۔ حالانکہ ہمیں لوگ ان کے وارث ہیں اور اس حکم پہنچائے جانے میں سب سے زیادہ ہمیں لوگ حقدار تھے۔ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۰ پر علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں "اس مسئلہ کو زیادہ جاننے کی احتیاج تو فاطمہ اور علی اور عباس ہی کو تھی جو بڑے بزرگ۔ علماء اور صاحبان دین سے تھے اور ابوبکر تو ان لوگوں میں سے تھے ہی نہیں جن کو اس مسئلہ کی طرف احتیاج ہوتی۔ اس لئے کہ ان کو اس کا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ وارث رسول ہوں گے۔ لہٰذا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس مسئلہ کی تبلیغ حضور اکرم نے اس سے کی جس کو ضرورت ہی نہ تھی اور

ان لوگوں کو نہ بتایا جن کے جاننے کی شدید ضرورت تھی"۔
اس مبینہ حدیث کو خود علمائے اہل سنت نے احکام قرآنی کے خلاف ہونا تسلیم کیا ہے۔ اس کی حد تک ہم
ایک سنی عالم کی عبارت بعد میں درج کریں گے۔ فی الحال ہم ذیل میں یہ غور کریں گے کہ انبیا کی میراث کو صدقہ کس
طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ حضرت رسول کی ایک متفق علیہ حدیث یہ ہے کہ صدقہ آل محمدؐ پر حرام ہے۔ اگر مبینہ حدیث
نحن معشر الانبیاء... الخ رسول خدا کی فرمائی ہوئی ہوتی تو وہ ذات قدسی صفات رحمت اللعلمین سب سے پہلے
اپنی دختر اور دیگر قریبی رشتہ داروں کو بھی مطلع فرما دیتے کہ میری جو کچھ جائیداد میرے بعد رہے گی وہ صدقہ ہوگی اور
صدقہ تم لوگوں پر حرام ہے لہذا اس جائداد کو بطور صدقہ محتاج لوگوں کو دیدینا۔ اس ذاتِ قدسی صفات سے یہ کیسے
توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی آل طاہر کو صدقہ کھانے کے موقف میں چھوڑ جائیگا اور پھر جب بموجب بعض روایات کتب اہل
سنت حضرت ابوبکر کا یہ کہنا تھا کہ ہم آنحضرت کی اس سب جائیداد کو اسی طرح رہنے دینگے اور اس کی آمدنی
رسول کے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیں گے تو کیا حضرت ابوبکر کا یہ منشا تھا کہ آل رسول کو صدقہ کھلائیں وہ
جائیداد جب میراث کے نقطۂ نظر سے صدقہ ہوگئی تو اب اس کی آمدنی کی تقسیم کے وقت کیوں صدقہ باقی نہ رہی
استدلال میں کہیں تو ثبات چاہیے یوں تو یہ حضرت ابوبکر کا صرف کہنا ہی کہنا تھا ورنہ حضرت عمر نے یہ کہکر کہ فاطمہ ایک عورت
سے زیادہ نہیں۔ امت کو کیا کھلاؤ گے ترکۂ رسول و قریۂ فدک جناب فاطمہ کے قبضہ میں رہنے ہی کب دیا۔ بعض روایتیں یہ بھی بیان
کیجاتی ہیں کہ حضرت ابوبکر فدک و جائداد ترکہ رسول خدا کو حکومت کے قبضہ میں رکھ کر اس کی آمدنی آل رسول پر تقسیم
کرتے رہے اگر اس کو صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب ایک طرف تو یہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر آل محمد کو صدقہ کی جائیداد
دیتے رہے اور دوسری طرف یہ کہ (معاذ اللہ) آل محمدؐ صدقہ قبول کرتے رہے۔
آلِ محمدؐ کے بڑوں کا تو کیا ذکر ہے ان میں کے بھوکے پیاسے آفت زدہ خورد سال تک کی یہ کیفیت رہی کہ مثلاً جب
قتلِ حسین مظلوم کے بعد آلِ محمد کا لٹا ہوا قافلہ اسیر و رسن بستہ بے مقنعہ و چادر بازاروں میں سے تشہیر کرایا جاتا
ہوا کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لیجایا جا رہا تھا تو راستہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی شہزادی
سکینہ علیہا سلام چہار سالہ کے حال زار پر رحم کھا کر سر راہ مکان کی کسی نیک عورت نے کچھ خرمے اس شہزادی کو پیش
کرنا چاہے تو شہزادی نے یہ کہکر انکار فرما دیا کہ ہم آلِ محمدؐ ہیں ہم پر صدقہ حرام ہے۔
ان ذوات قدسیہ کا تو کیا ذکر ہے کہ جن کے چھوٹوں کے متعلق بھی ارشاد پیغمبر ہے کہ صغار نا کبار نا اور
یہ کہ میرے اہل بیت پر کسی اور کا قیاس نہ کرنا ان کے غلامان غلام کنیزان کنیز اپنے کھانے میں احتیاط کرتے ہیں۔
مثال کے طور پر میری نانی کی بہن فیاض النساء بیگم صاحبہ زوجہ نواب محمد حسین خاں (خانِ ایران) پابند صوم و
صلواۃ نیک محترمہ تھیں۔ موصوفہ کو کوئی اولاد نہ تھی۔ شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ہمارے خاندان کے ملے جلے افراد کے
مجھ سے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کو قبر میں اُتاروں۔ ہمارا
مدنظر اور یہ جان کر کہ میں شیعہ ہوں۔
ایک قریبی عزیز یعنی موصوفہ کی حقیقی بھانجی کے شوہر جاگیردار تھے اور پیشہ وکالت بھی رکھتے تھے۔ موصوفہ کو یہ خیال تھا کہ

ہر وکیل کی آمدنی بالکل پاک وصاف شاید نہیں ہوتی کیونکہ وکیل کو حق و ناحق ہر قسم کے مقدمات کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ اِس احتیاط کی بناء پر موصوفہ نے عمر بھر کبھی اپنی اس بھاوج کے گھر کھانا نہیں کھایا اور ان کے پاس سے جب کبھی کوئی حصّہ بھی آیا تو اس میں سے نہ کھایا۔ یہ تو اس خاندانِ رسول کی کنیزانِ کنیز کا حال ہے کیا یہ تصور میں آسکتا ہے کہ خود آلِ محمد صدقہ قبول کر سکیں، جب کبھی آلِ محمدؑ نے ترکۂ رسول یا آمدنیٔ فدک سے کوئی استفادہ کیا یا جب کبھی کسی خلیفہ (مثلاً عمر بن عبد العزیز، مامون، معتصم، مہدی وغیرہ) نے فدک اور متروکۂ رسول کی جائیداد آلِ رسول کو واپس کی تو اس کو تا بجد فدک جائداد موہوبہ حضرت فاطمہؑ اور دیگر جائداد کو متروکۂ رسول اور اپنا جائز حق تصور فرما کر اس سے استفادہ فرمایا۔

بہرحال حضرت رسولؐ خدا یا دیگر انبیاء کے متعلق یہ کہنا کہ وہ جو کچھ چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے کسی پہلو سے صحیح قرار نہیں پاتا۔ اس مبینہ حدیث کا یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ رسول خود بھی کسی سے ترکہ نہیں پاتا۔ اِس کی تکذیب خود اس واقعہ سے ہو جاتی ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنے والد ماجد کا مکان وراثتاً ملا اور حضرت خدیجہؑ کے انتقال کے بعد ان کا مال بھی رسولؐ خدا کو ملا اور آپ کے تصرف میں آیا جس کو آپ نے اپنی امت کے غیر مستطیع افراد کی اعانت پر صرف فرمایا۔ اس کے علاوہ انبیاء سلف کے متعلق صحف ابراہیم و توریت و صحیفہ سموئیل پیغمبر سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور یعقوب و یوسف۔ داؤد و سلیمان و دیگر انبیاء علیہم السلام کو ورثہ پہنچنا ثابت ہے۔ قرآن شریف میں ورثِ سلیمانؑ، داؤد و نیز وراثتِ یحییٰ و زکریا کا ذکر موجود ہے جس کا حوالہ پہلے آچکا ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ نبی نہ تو میراث چھوڑتا ہے اور نہ میراث پاتا ہے۔ حضرت رسولؐ خدا خلافِ احکامِ قرآنی ہرگز کوئی بات ارشاد نہیں فرما سکتے۔ یہ حدیث نحن معشر الانبیا ..... الخ ظاہر بظاہر موضوع اور ابنائے وقت کی مصلحتوں کی پیداوار ہے جس کی تکذیب صادقین آلِ محمدؑ نے فرمائی ہے۔

فدک کا معاملہ ناقابلِ حل بعض علماءِ اہلسنت کی رائے

یہ جو حجت پیش کی جاتی ہے کہ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ میں علم و نبوت کی وراثت مقصود ہے اور مال و جائداد کی وراثت نہیں ہے تو اس کا جواب خود قرآن ہی میں موجود ہے سورۂ انبیاء کی آیت ۷۸ ہے:۔ وداؤد و سلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا لحکمھم شاھدین ففھمنٰھا سلیمان وکلاً آتینا حکماً وّعلماً۔ ترجمہ:۔ (اے رسول) داؤد اور سلیمان کا واقعہ یاد دلاؤ جب دونوں ایک کھیت کے بارے میں جس میں رات کے وقت کچھ لوگوں کی بکریاں چر گئی تھیں فیصلہ کرنے بیٹھے اور ہم ان لوگوں کے قصہ کو دیکھ رہے تھے تو ہم نے سلیمان کو اسکا صحیح حل سمجھا دیا اور (یوں تو) سب ہی (انبیا) کو ہم نے فہم اور علم عطا کیا ہے۔

اِس ارشادِ ربانی میں واضح ہے کہ سلیمان اپنے باپ داؤد کی زندگی ہی پیغمبر اور اعلم ہو چکے تھے اور میراث کا سوال تو مورث کی موت کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ پھر نبوت میراث میں آنے کی چیز بھی نہیں۔ پس ظاہر ہو گیا کہ ورثِ سلیمان داؤد میں علم یا نبوت کی نہیں بلکہ مال و جائداد کی وراثت ہی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سلیمان اپنے

باپ داؤد کے مال و جائیداد کے وارث ہوئے۔ اس کی تائید متعدد دیگر آیاتِ قرآنی سے ہوتی ہے جنکا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے۔

علامہ صالح کشفی ترمذی حنفی نے بحوالہ کتاب مقصد اقصیٰ اپنی کتاب کوکب دری کے صفحہ ۳۹ پر یہ روایت درج کی ہے کہ جبرئیل حاضر خدمت رسول اللہ ہوئے اور عرض کی کہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حوائط فدک اور جو کچھ اس میں ہے حق خدا و حقِ رسول ہے فاطمہ اور حسنین کو دیدیجئے بروایہ انبیائے سیدۃ النسا فاطمہ زہرا کو طلب فرما کر ایک محبت دستاویز لکھکر فدک حوالہ کیا اور وہ معظمہ اس وثیقہ کو آنحضرت کی وفات کے بعد ابوبکر کے پاس لائیں۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ نول کشور جلد سوم صفحہ ۵۴۸ پر لکھتے ہیں:-

"مشکل ترین قضایا قضیۂ فاطمہ زہراست زیرا کہ اگر گوئیم کہ او جاہل بود بایں سنتے یعنی حدیثے کہ ابوبکر نقل کردہ بعید است از فاطمہ و اگر الزام کنیم شاید اتفاق نیفتاد او را بسماع ایں حدیث ازاں حضرت مشکل میشود کہ بعد از استماع از ابی بکر و شہادت سائر صحابہ براں چرا قبول نہ کرد و در غضب آمد و اگر غضب او پیش از سماع حدیث بود چرا بر نگشت از غضب تا اینکہ امتداد کشید تا زندہ بود مہاجرت کرد ابوبکر را۔"

یعنی:- تمام قضیوں میں سب سے مشکل جناب فاطمہ زہرا کا معاملہ ہے۔ کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ جناب فاطمہ اس سنت یعنی حدیث سے لاعلم تھیں جو ابوبکر نے پیش کی تو یہ ان سے بعید ہے اور اگر ہم یہ الزام دیں کہ شاید اس حدیث کے سننے کا انکو اتفاق نہ ہوا ہوگا تو پھر یہ مشکل پیش آتی ہے کہ جب آنجنابہ نے ابوبکر سے یہ شہادت دیگر صحابہ اس حدیث کو سن لیا تو پھر کیوں قبول نہ کیا اور غضبناک ہوگئیں اور اگر ان کا غضبناک ہونا سماعتِ حدیث سے پہلے تھا تو سن لینے کے بعد کیوں غضب کو ترک نہ کر دیا بلکہ اس پر قائم رہیں حتیٰ کہ جب تک زندہ رہیں ابوبکر سے ترک کلام کیا۔ یہاں ہم اس حقیقت کو واضح کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے حضرت ابوبکر کے ایک حدیث پیش کرنے پر سائر صحابہ کی جو شہادت بیان کی ہے وہ کھلے ہوئے تسامح بلکہ دیدہ و دانستہ اغماز کا نتیجہ ہے یہ امر سب علماء اہلسنت کا مسلمہ ہے کہ اس حدیث کے منفرد راوی حضرت ابوبکر ہیں اور اس کی ہاں میں ہاں جو حضرت عمر، ابو عبیدہ جراح، سالم غلام حذیفہ اور معاذ بن جبل نے ملائی یہ وہی افراد ہیں جو ہر نوعیت پر کارسازی میں حضرت ابوبکر کے ساتھ رہے اور ان کو خلیفہ بنایا اور وہی لوگ ہیں جو تاریخ میں اصحاب معاہدہ کے نام سے یاد کئے گئے ہیں جنھوں نے کعبہ میں جا کر قسم کھائی اور ایک معاہدہ پر دستخط کئے تھے کہ اہلبیت رسول کو خلافت سے دور رکھیں گے اس قسم کے شریک سازش اشخاص کے ہاں میں ہاں ملانے کو سائر صحابہ کی شہادت کا نام دینا شاہ صاحب کی کھلی ہوئی زیادتی ہے۔

بہرحال شاہ صاحب نے یہ تو تسلیم کر ہی لیا کہ جناب فاطمہ کے ساتھ جو معاملہ غصب فدک اور محرومی از ترکہ پدر کا کیا گیا وہ سمجھ سے باہر ہے۔

مولوی صدرالدین حنفی نے اپنی کتاب سوانح المصطفیٰ میں چند سنگین امور کو صاف صاف تسلیم کیا ہے۔

جناب فاطمہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:-

"بعد از وفاتِ پیغمبر واقعاتِ بسیار گزشتہ مثل معاملہ فدک و سقط شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانۂ زہرا اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہرا پیشِ انصار طولے دارد و ذکرش ناکردن اولےٰ تر است و وصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچ کس بر جنازہ او حاضر نشود دلیل صریح است براں کہ حضرت زہرا آزردہ و ملول از دنیا رفت۔ اکنوں تاویل ہر چہ خواہند کنند و مرثیہ برائے پیغمبر انشا نمود۔ یکے بیت ازاں مرثیہ ایں است:

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا　　صُبَّتْ عَلَی الاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا"

یعنی:- پیغمبر کی وفات کے بعد بہت سے واقعات گزر گئے مثلاً فدک کا معاملہ اور جناب سیّدہ کا حمل ساقط ہونا اور عمر خطاب کا بنی ہاشم کو دھمکیاں دینا جبکہ وہ جناب سیّدہ کے گھر میں جمع ہوئے تھے اور آنجنابہ کا انصار کے سامنے نالہ و فریاد کرنا یہ سب ایسے دور رس واقعات ہیں کہ انکا ذکر نہ کرنا ہی زیادہ بہتر ہے اور حضرت زہرا کا وصیت کرنا کہ کوئی شخص ان کے جنازہ پر حاضر نہ ہو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضرت زہرا آزردہ اور ملول دنیا سے تشریف لیگئیں۔ اب اس کی تاویل جو چاہے کوئی کرے جناب زہرا نے حضرت پیغمبر کے لئے ایک مرثیہ بھی اپنے مصائب پر کہا جسکا ایک شعر یہ ہے (اے والد بزرگوار آپ کے بعد) مجھ پر ایسی ایسی مصیبتیں ڈالی گئیں کہ اگر ویسی مصیبتیں (روزہائے روشن) پر ڈالی جاتیں تو وہ سیاہ راتیں بن جاتے۔

غصبِ فدک اور مبینہ حدیث نحن معشر الانبیاء کے متعلق مولانا شاہد زعیم فاطمی کا اظہار حقیقت

محقق حق گو مولانا شاہد زعیم فاطمی اپنے مقالہ "حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف" مطبوعہ رسالہ "سرفراز" لکھنؤ مورخہ ۲ اگست ۱۹۷۷ء کے ص۱۴ و ص۱۵ پر فرماتے ہیں:- "ایک فرضی اور سراسر جعلی حدیث کا سہارا لیکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکلوتی اور چہیتی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا کو حضور کے ورثہ سے جس طرح محروم کیا گیا وہ بذاتِ خود ایک المیہ ہے۔ سیّدہ فاطمہ اپنا جائز حق مانگ رہی تھیں اور انہیں ان کے حق سے محروم کرنے کے لئے پیغمبر کا ایک قول گھڑ لیا گیا۔ وضع حدیث کا یہ صریحاً پہلا ارتکاب تھا جو اسلام کے خلیفہ اول نے کیا۔ انہوں نے اہلبیتِ نبوت کو ورثۂ نبوت سے محروم رکھنے کیلئے ایک ایسی حدیث وضع کی جو بیسیوں آیات قرآنی اور نصوصِ قطعیہ کے سراسر خلاف تھی۔ جس شخص نے بھی اس ظلم اور صریح زیادتی کے خلاف آواز اٹھائی اسے ختم کرنے اور بزورِ شمشیر چپ کرانے کی کوشش کی گئی اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس حدیثِ وضعی کی بنا پر باغ فدک کے اس قطعہ اراضی کو غصب کر لیا گیا جو حضور نے اپنے عین حیات اپنے اہلبیت کیلئے مخصوص فرمایا تھا۔"

ص۱۵ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں:- (نحن معشر الانبیاء کی بنائی ہوئی حدیث پر) اگر اجماعِ امت بھی ہو جائے

جب بھی ایک مسلمان کے اعتقاد کے بموجب امت کا اجماع کسی آیت قرآنی کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ نہ حدیث میں یہ طاقت ہے کہ وہ قرآن کی کسی آیت کو معطل کر سکے قرآن مقدس اپنے مفہوم کی وضاحت کیلئے نہ کسی ابوبکر کا محتاج ہے نہ کسی عمر کا۔ قرآن کی وہ کونسی آیت ہے جس کی رُو سے وراثت کے حق کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوی القربیٰ اور اہلبیت نبوت کیلئے منسوخ کیا گیا ہے؟

صـ۷۱ پر مولانا موصوف فرماتے ہیں :- "ان (حضرت عمر) کے عہد خلافت میں اسلام کے دشمن ابوسفیان کے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے مملکت اسلامیہ کے سب سے زرخیز اور شاداب خطہ کی گورنری سے سرفراز فرمایا گیا یہاں کسی کی اسلامی حمیت بیدار نہیں ہوتی کسی کی غیرت دینی میں اشتعال پیدا نہیں ہوتا اور کسی کو یہ اعتراض نہیں سوجھتا کہ ایک ہی خاندان کے دو افراد کو جو سگے بھائی ہیں اس اعزاز سے کیوں سرفراز کیا گیا جبکہ یہ دونوں نہ اصحاب بدر سے ہیں نہ بیعت رضواں میں شریک ہوئے نہ ہجرت کا اعزاز انکو نصیب ہوا۔ اس موقع پر کسی کو اس کھلم کھلا موروثیت کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی اگر پیغمبر کے اہلبیت کیلئے وراثت شجر ممنوعہ ہے تو ابوسفیان کے بیٹوں کیلئے اسکا جواز کہاں سے مہیا ہو گیا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر کے اس سیاسی اقدام کیلئے اخلاقی جواز نہیں مہیا کیا جاسکتا۔ انہوں نے عرب کا سب سے زرخیز صوبہ بنی امیہ کی تحویل میں دیدیا اور اس طرح ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت وہ ایک ایسے قبیلہ کو برسر اقتدار لانے میں ممد و معاون ثابت ہوئے جو خاندان نبوت بلکہ خود رسالت کا سب سے بڑا حریف تھا۔ اس طرح انھوں نے بنو ہاشم پر اقتدار کی راہیں مسدود کرنے، بنی امیہ کیلئے حکومت پر قبضہ جمانے اور عثمان بن عفان کی خلافت کیلئے فضا سازگار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔"

مولانا موصوف صـ۸۱ پر تحریر فرماتے ہیں :- "محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مسند خلافت پر بیٹھکر اگر عثمان بن عفان اقربا نوازی کریں اور مروان بن حکم جیسے بدقماش دون نہاد کو اپنا وزیر مقرب خصوصی بنالیں تو مجال دم زدن نہیں کیونکہ ذوی القربیٰ کے ساتھ حسن سلوک تو عین اسلام ہے اور اگر معاملہ آل محمدؐ کا ہو تو محمدؐ کے ذوی القربیٰ کو ان کے جائز حق سے محروم کر دینا ہی عین اسلام کا تقاضا ہے۔ امیر معاویہ یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کریں کیا مضائقہ۔ اسے آپ زیادہ سے زیادہ اجتہادی غلطی کہہ لیجئے۔ لیکن اگر سیدہ فاطمہ اپنے باپ کی میراث طلب کریں تو یہ سراسر غیر اسلامی مطالبہ کہا جائے اسلئے خلیفہ وقت اس مطالبہ کو ٹھکرانے میں حق بجانب کہے جائیں۔

ع: "تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو"

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی حضرت ابوبکر سے ناراضگی اور اپنے جنازہ میں شریک کئے جانیکا ارشاد

اب ہم ذیل میں صحیح بخاری کی چند روایتوں کا حوالہ دیتے ہیں اور مولوی وحید الزماں صاحب مترجم بخاری کی عبارت بھی درج کرتے ہیں۔ تیسیر البخاری پارہ ۱۷ کتاب مغازی صـ۲۱ وصـ۲۲ وصـ۲۳ پر حسب ذیل روایت مع حاشیہ درج ہے۔

حضرت فاطمہ ترکہ مانگنے پر حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ہم گروہ پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت فاطمہ غضبناک ہوئیں اور مرتے دم تک ابوبکر سے بات نہ کی اور وصیت کی کہ میرے جنازہ پر ابوبکر کو نہ بلایا جائے۔ فیض الباری ترجمہ صحیح بخاری مترجمہ مولانا فقیر اللہ صاحب پارہ ۱۲ صفحہ ۹۵ پر یہ روایت درج ہے۔ عائشہ سے روایت ہے کہ فاطمہ نے حضرت رسول کی وفات کے بعد ابوبکر سے سوال کیا کہ تقسیم کریں واسطے حصہ میراث ان کی کا حضرت رسول کے ترکہ سے اس قسم سے کہ عطا کیا تھا اللہ نے اپنے رسول پر تو ابوبکر نے کہا کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ ہم پیغمبر لوگ میراث نہیں چھوڑتے ہمارے مال کا کوئی وارث نہیں جو ہم نے چھوڑا وہ خدا کی راہ میں صدقہ ہے تو فاطمہ بنت رسول اللہ ابوبکر سے ناراض ہوئیں اور اس کے بعد ابوبکر سے کلام کرنا چھوڑ دیا سوان سے کبھی کلام نہ کیا یہاں تک کہ مرگئیں۔ مولوی وحید الزماں صاحب مترجم بخاری نے حضرت فاطمہ کی حضرت ابوبکر سے ناراضگی کے متعلق مختلف موقعوں پر مختلف اور متضاد روایتیں لکھی ہیں کہیں لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کی ناراضگی بمقتضائے صاحبزادگی تھی جس کا کوئی علاج نہ تھا کہیں لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کا استدلال بروئے آیات قرآنی صحیح تھا کہیں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا عمل بھی بروئے حدیث نحن معشر الانبیاء... الخ صحیح تھا کہیں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے بوقت بیماری حضرت فاطمہ عیادت کو جاکر ناراضگی کو دور کردیا تھا۔ کہیں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا اور ان کا عمل دل میں کھٹکتا ہے۔ اس سلسلہ میں وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں۔

"حضرت فاطمہ زہرا نے یہ حدیث آنحضرت سے نہیں سُنی تھی اور ان کو قرآن کی آیتیں دیکھ کر یہ گمان ہوا تھا کہ پیغمبروں کا ترکہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح ان کے وارثوں کو ملتا ہے جیسے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وورث سلیمان داؤد اور حضرت زکریا نے فرمایا فہب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب اس لئے وہ حضرت ابوبکر سے خفا ہوگئیں اور ان کی خفگی درست تھی اس حدیث میں ان آیتوں کی صحیح تفسیر معلوم ہوتی ہے یعنی ان آیتوں میں نبوت اور علم کی وراثت مراد ہے نہ کہ دنیاوی مال و اسباب کی" پھر ایک ہی سانس میں وحید الزماں صاحب خود ہی لکھتے ہیں۔
مگر یہ توجیہہ حضرت زکریا کے کلام میں خوب چسپاں نہیں ہوتی کیونکہ اس میں یوں ہے وانی خفت الموالی من ورائی یعنی مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں میرے غلام لونڈی وغیرہ میرے بعد میرا مال وغیرہ تباہ نہ کرڈالیں۔ حافظ نے کہا اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت زکریا کے کلام میں مال و اسباب کی وراثت مراد ہے تب بھی حدیث واجب العمل رہتی ہے کیونکہ ممکن ہے یہ امر آنحضرت کا خاصہ ہو مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اسی حدیث کے دوسرے طریق میں یوں ہے نحن معشر الانبیاء لانرث ولانورث جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً سب انبیاء میں یہی قاعدہ ہے اب جو فرمایا یوصیکم اللہ تو کم میں خطاب امت کی طرف ہے اس میں پیغمبر صاحب اس حدیث کی رو سے داخل نہیں ہوسکتے۔ غرض کچھ بھی کہئے میرے نزدیک یہ واقعہ قابل افسوس ہوا۔ حضرت ابوبکر بھی مجبور تھے۔ حکم نبوی کے خلاف نہیں کرسکتے تھے اور حضرت فاطمہ کا فرمانا بھی بجا تھا۔ قرآن کی ظاہری آیتوں سے استدلال کرتی تھیں جو استدلال بالکل صحیح ہے ذرا سا دل کھٹکتا ہے

امر کھٹکتا ہے۔ حضرت فاطمہ اس وقت بے حد رنج و غم میں گرفتار تھیں بھائی بہن سب گزر گئے تھے پدر بزرگوار کے سایہ اُٹھنے کا تازہ زخم تھا۔ ایسے وقت میں حضرت صدیق کو حضرت سیدہ کی دلجوئی اور تسلی و تشفی کرنا تھی کہ اس مال کی کیا حقیقت ہے سارا مال جو ہم سب لوگوں کے پاس ہے وہ سب آپ ہی کا ہے آپ جس طرح چاہیں اس کو اٹھائیے اور جس کو چاہیں دیں ہم سب آپ کے خادم اور تابعدار ہیں۔"

(ترجمہ بخاری باب (۲۷) کتاب الفرائض صہ ۹۱ و صہ ۹۲ حاشیہ نمبر ۳) مولوی وحیدالزماں صاحب نے آیات قرآنی کا ذکر کرتے ہوئے یہ صاف تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث آیات قرآنی سے مطابقت نہیں پاتی یعنی قرآن شریف کی آیات سے انبیاء کی وراثت مال و اسباب کے متعلق ثابت ہے ان مسلمات کے بعد ہم مزید رد و قدح کی ضرورت نہیں پاتے صاحبانِ عقل کی سمجھ میں یہ بات صاف طور پر آجائیگی کہ یہ ایک محض موضوع حدیث ہے کیا کوئی مرد مسلمان یہ تصور میں لا سکتا ہے کہ حضرت رسولِ خدا واضح آیاتِ قرآنی کے خلاف اور مسلمات قرآنی کی رد میں کہ جہاں مال و اسباب و جائداد میں حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث قرار پا چکے ہیں اور حضرت زکریا نے اللہ تعالیٰ سے اپنے مال و اسباب کو اپنے غلام لونڈی کی دستبرد سے بچانے کا مقصد بیان کر کے اپنے لئے وارث فرزند کی دعا کی ہو اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت یحییٰ پیغمبر کی ولادت کی خوشخبری دی گئی ہو اور حضرت یحییٰ پیدا ہو کر خود بھی پیغمبر قرار پائے ہوں اور اپنے والد پیغمبر حضرت زکریا کی میراث دُنیاوی پائی ہو تو کیا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی ایسی بات بیان فرمائیں گے جو قرآنِ شریف کے ان مسلمات کی تکذیب کرتی ہو اور کیا یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم گروہ انبیاء نہ ترکہ پاتے ہیں نہ ترکہ چھوڑتے۔

مولوی عبید اللہ صاحب بسمل امرتسری اپنی کتاب ارجح المطالب میں لکھتے ہیں کہ فدک جناب فاطمہ کو دینے سے انکار کرنا حضرت ابوبکر کی خطائے اجتہادی تھی۔ مولوی صاحب نے کسی نہ کسی قسم کی سہی مگر خطا تو تسلیم کی ہے مولوی وحیدالزماں صاحب نے تو اس موضوع او ر از خود غلط حدیث کے متعلق بھی یہ لکھا کہ حضرت ابوبکر کو اس کی تعمیل ضروری تھی مگر بقول حق بزبان جاری آخر ان کو بھی یہ بات کھٹک ہی گئی کہ "حضرت ابوبکر کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا اور حضرت رسول کی سب جائیداد حضرت سیدہ کو دے کر یہ کہنا چاہئے تھا کہ سب چیزیں آپ ہی کی ہیں۔ آپ جس طرح چاہیں اُٹھائیں ہم آپ کے خادم اور تابعدار ہیں" جو بات حق ہے زبان سے نکل ہی جاتی ہے۔

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد نے جن کی تحریرات سے ظاہر ہے کہ ان کو آل رسول بلکہ رسول کا بھی کوئی خاص احترام ملحوظ نہیں ہے مگر فدک لینے والوں کو امہات الامہ میں اس طرح کھری کھری سنائی ہے "جن بھکڑوں محتاجوں اور فاقہ مست لوگوں نے فاطمہ کے باپ کی بدولت عروج پایا کہ خاک مذلت سے اوجِ عزت پر پہنچ گئے ان کو شایان شان نہ تھا کہ فاطمہ کے باپ کی رعایت اور پرورش کے حقوق کو یکسر بھلا دیتے"؟

اس سلسلہ میں وہ مزید لکھتے ہیں: "ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو لوگ اس کی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں ...... ایک پیغمبر صاحب تھے کہ جھگڑالوں لیڈروں کو بادشاہ بدمعاشوں کو بھلامانس بت پرستوں کو خدا پرست نالائقوں کو لائق وحشیوں کو مہذب جانوروں کو انسان بنا گئے۔ ان کے ان تمام احسانات کا بدلہ ان ہی کی امت نے ان کے نواسہ نواسیوں بہو بیٹیوں کو جو دیا اور جیسا دیا اس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جاتا ہے اور قیامت تک رویا جاتا رہیگا۔"

وحیدالزماں صاحب نے لاکھ جناب سیدۃ النساء العالمین خاتون جنت کی ناراضگی کو حدیث سے ناواقفیت اور صاحبزادگی پر محمول کرنے کی سعی ناشکور فرمائی مگر حق چھپائے کہاں چھپتا ہے۔ حق پسندوں کی سمجھ میں یہ آکر رہے گا۔ اگر یہاں نہیں تو پھر بقول ناسخ ؎

بروزِ محشر بہ پیشِ داور چھپیگا کشتوں کا خون کیونکر　　جو چپ رہیگی زبانِ خنجر تو خوں پکاریگا آستین کا

شیعوں کے دل میں جناب سیدہ کے اس طرح ستائے جانیکا بہت بڑا زخم ہے جس کو وہ بھلائے نہیں بھول سکتے اور جب کبھی اس کا ذکر آتا ہے تو وہ ہزار ہزار آنسو روتے ہیں۔ حضرت شہید نے اسی موقعہ کیلئے فرمایا ہے:

صبر کر ما دہ کہ روزِ انتقام آنے کو ہے

ناظرین ضرور غور فرمائیں کہ محمد و آل محمد کی محبت کا یہی تقاضا ہے یا یہ کہ جناب سیدہ پر کئے ہوئے ظلم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنا اور ظلم کے جواز کی راہیں تلاش کرنا۔ فدک کے سلسلہ میں مولوی عبدالعلی صاحب اپنی کتاب بحر العلوم میں لکھتے ہیں۔ اہل بیت رسول اللہ کبھی بر سر صواب ہوتے تھے اور کبھی بر سر خطا اس کے بعد لکھتے ہیں "سیدۃ النساء ہجرا لما خلیفۃ رسول اللہ حین منعہا فدک" یعنی جب فدک نہیں دیا گیا تو حضرت فاطمہ خلیفہ رسول (حضرت ابوبکر) پر نیدیاں بکیں یا ہمیشہ کے لئے ان سے ترک کلام و ملاقات کیا۔ بعض علمائے اہل سنت کے نزدیک بھی قدر و منزلت سیدۃ النساء العالمین کی ہے۔ اس طرح کا ایک اور امر قابل توجہ ہے بخاری کی حدیث میں لفظ غضبت یعنی غضبناک ہوئیں کے صاف الفاظ ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی کتاب سیف المسلول میں غضبت کے معنی ندامت یعنی نادم ہونے کے لکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ حضرت ابوبکر نے جب دعوی فدک خارج کر دیا تھا حضرت فاطمہ اپنی غلطی پر نادم ہوئیں۔ یہ معنی آفرینی بھی لائق غور ہے۔ حضرت فاطمہ کے غضبناک ہونے کو اس طرح منقلب کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ گویا آپ کا دعوی جھوٹا تھا اور آپ نے جھوٹی شہادت پیش کی تھی اور آپ نادم ہو گئیں۔

بخاری کی حدیث میں واضح طور پر درج ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے ہمیشہ کے لئے ترک کلام و ملاقات کیا۔ شرح ابن ابی الحدید میں لکھا ہے کہ بوقت وفات جناب فاطمہ نے وصیت فرمائی کہ ابوبکر آپ کے جنازہ کی نماز میں شریک نہ کئے جائیں ان سب امور سے واضح ہے کہ دعوی فدک کے خارج ہونے پر غضبناک ہونے کا محل تھا۔ اور آپ غضبناک ہوئیں۔ ان حالات میں لفظ غضبت کو ندامت کے معنی کیسے پہنائے جا سکتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ کوشش اس بناء پر کی گئی ہے کہ جناب فاطمہ کو غضبناک کرنیوالوں کو رسول اللہ کی ان حدیثوں کی زد سے بچایا جائے جن میں

آپ نے فرمایا:۔

فاطمہ بضعۃ منی فمن اغضبہا اغضبنی ویریبنی ما اراببہا ویوذینی ما اذاھا یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھ کو غضبناک کیا اور جسے اس کو قلق دیا اس نے مجھے قلق دیا اور جس نے اس کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی (مشکوٰۃ المصابیح عربی ص۵۶۸ ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا فرمایا فاطمہ میرا ٹکڑا ہے اور میرا دل ہے اور یہ میری روح ہے جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے جس نے اس کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

دیلمی" طبرانی" حاکم" ابو یعلی اور ابو نعیم نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ بتحقیق حضرت رسول خدا جناب فاطمہ سے فرماتے تھے کہ بیشک اللہ تیرے غضب کی وجہ سے غضب میں آتا ہے اور تیری خوشی سے خوش ہوتا ہے تنقیص شانِ آلِ رسول کی عادت ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد اپنی کتاب امہات الامہ میں لکھتے ہیں" کس بلا کا غصہ ہے۔ ادھر فاطمہ ایک سیر کی تھیں کہ مرتے مر گئیں اور اپنی آن نہ چھوڑی تو اُدھر عائشہ سوا سیر کی۔ ہمارے ملک میں عورتوں کا طبعی خاصہ تریا ہٹ اور تریا چرتر بھی مانا گیا ہے تو وہی بات ہم فاطمہ اور عائشہ میں پاتے ہیں۔

شمس العلماء صاحب مزید رقم طراز ہیں"۔ اسلام کے حق میں یہ بھی اچھا ہوا کہ پیغمبر صاحب کی اولاد ذکور ان کے بعد زندہ نہ رہی۔ ایک بیٹی رہیں تو آپ کی بدولت اسلام میں یہ تفرقہ پڑا کہ مسلمان سنی شیعہ دو فریق ہو گئے" جن میں ہمیشہ جوتیوں میں دال بٹتی رہی۔ بیٹا زندہ ہوتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا بقول کسے:

یک حسینے نیست کو گردد شہید ورنہ بسیار ند در دنیا یزید

کسی زمانے میں جناب فاطمہ کا حق چھین کر دل ٹھنڈا کیا گیا۔ تو اب جب وہ زمانہ باقی نہ رہا تو اجر رسالت ادا کرنے والے جناب سیدہ کے متعلق اسی قسم کے کلمات کہہ کر ہی جی ٹھنڈا کر لیا کرتے ہیں۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ حق گوئی دنیا سے بالکل مفقود نہیں ہوئی ہے اور کہنے والے کلمہ حق کسی نہ کسی پیرایہ میں کہہ ہی دیتے ہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی" نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا حق غصب کئے جانے کے تعلق سے اپنا خیال اس طرح ظاہر فرمایا ہے ؎

کفر در دل بر زبان اللہ اکبر داشتن آلِ احمد کشتن وہم حُبِّ حیدر داشتن
مر مرا باور نہ مے آید ز رُوئے اعتقاد حقِ زہرا خوردن و دین پیمبر داشتن

ایمان کی بات یہ ہے کہ جناب سیدہ کی حضرات شیخین سے ناراضگی اور اظہار حقیقت نے اللہ و رسول کے دوست دشمن کو علیحدہ کرکے دکھا دیا اور آپ کا یہ احسان تاقیامت امت محمدیؐ پر رہے گا۔ ورنہ عقل یہ کہتی ہے کہ حسب ایمائے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے اپنے غصب حق پر صبر لینے کے بعد

دنیا والوں کی کارسازی اور ظلم و استبداد کا پردہ اس طرح تار تار ہو کر چاک نہ ہوتا اور طالبان حق کو صحیح راستہ حاصل کرنے میں ہرگز ایسی آسانی نہ ہوتی جیسے جناب سیدہ عالم خاتون محشر کے اس عمل نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے تاقیامت حق کو باطل سے الگ کر کے دکھا دیا اور حق کی راہ کو واضح اور روشن بنا دیا اور اسی دینی ضرورت کے مدنظر شاہد کائینات سرکار دو عالم فرما گئے تھے کہ جس نے فاطمہ کو غضب دلایا مجھے غضب دلایا اور فاطمہ کی ناراضگی سے خدا ناراض ہوتا ہے اور فاطمہ کی خوشنودی سے خدا خوش ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ بزرگ نے دو ٹوک پیرایہ میں فرما دیا ہے کہ یہ بات ہرگز ہرگز عقل میں نہیں آسکتی کہ جن لوگوں نے جناب سیدہ کو ان کے حق سے محروم کیا وہ دین محمدی بھی رکھتے تھے ان کی کیفیت تو یہ تھی کہ زبان پر کلمہ تھا اور دل میں کفر تھا۔ تعجب ہے کہ خواجہ غریب نواز سے عقیدت رکھنے والے اُن کے ان کان کھولدینے والے ارشادات پر کیوں دھیان نہیں دیتے۔

سیدۂ عالم کا خطبہ

آخر میں ہم جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے اس خطبہ کا خلاصہ درج کرتے ہیں جو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے اور اپنے حقوق کے غصب کرنے جانے پر بطور احتجاج حضرت ابوبکر اور سب مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے دیا تھا۔ اس خطبہ کو متعدد معتبر علماء اہل سنت نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ چنانچہ کتاب السقیفہ و فدک میں ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری نے اور نیز صاحب کشف الغمہ نے اس کو روایت کیا ہے اور مسعودی نے مروج الذھب میں بھی اس خطبہ کا ذکر کیا ہے محمد بن مسلم بن قتیبہ دینوری نے کتاب الامامت والسیاست میں اور علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نیز سید ابن طاؤس نے اور سید احمد بن ابی طاہر نے کتاب بلاغات النساء میں لکھا ہے اور ابن اثیر نے نہایہ میں اس کے اکثر حصوں کی روایت کی ہے۔ خطبہ کا خلاصہ اس طرح ہے کہ حضرت فاطمہ اپنے سر مبارک پر مقنع باندھ کر اور چادر عصمت اوڑھ کر اپنی کنیزوں اور ام ایمن اور اپنے عزیزوں کی عورتوں کے ایک گروہ کے ساتھ روانہ ہوئیں مگر حضرت کی چادر شرم و حیا کے سبب حضرت کے قدموں سے الجھتی تھی اور ان کی رفتار اور حضرت رسول کی رفتار کے درمیان کوئی فرق نہیں کر سکتا تھا تا اینکہ مسجد میں آئیں۔ حضرت ابوبکر مہاجرین اور انصار کے ایک گروہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ پس ایک پردہ سفید حضرت فاطمہ کے پیش رُو کھینچ دیا گیا اور حضرت فاطمہ نے پردے کے پیچھے بیٹھ کر ایک ایسا نالۂ جانسوز کیا کہ لوگوں کے خروش و گریہ و زاری کی صدا بلند ہوئی پھر تھوڑی دیر تک توقف کیا کہ لوگوں کی آوازیں موقوف ہوئیں۔ اس وقت خطبہ شروع کیا بعد حمد خدا اور رسول احکام خدا یاد دلائے اور امت پر حضرت رسول کریم کے احسانات کا ذکر کیا اور پھر فرمایا پس خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کو دنیا سے اٹھا لیا اور اس کے ساتھ ہی تم لوگوں میں نفاق اور دشمنی ظاہر ہوگئی۔ دین کی چادر بوسیدہ ہوگئی گمراہوں کی زبان کھل گئی اور گمنام و ذلیل لوگ اُبھر گئے اور باطل پرستی کا اونٹ بولنے لگا۔ شیطان نے اپنے گوشے

سر نکالا اور تمہیں آواز دی اور اپنی آواز پر تم کو لبیک کہتا ہوا پایا اور تم نے عزت دنیا کی طمع کی۔ اس نے تم سے کہا اٹھو اور تم بہت جلد کھڑے ہوگئے پھر تم کو اہل حق پر غضبناک کیا اور دیکھا کہ تم غضبناک ہو پس تم نے دوسرے کے اونٹ پر اپنی ملکیت کا داغ کیا اور دوسرے کے حق کو زبردستی اپنے گھر میں لے گئے دراں حالیکہ تم سے رسول کے عہد و پیماں کا وقت قریب تھا اور ان کی جدائی کا زخم ہرا تھا اور جراحت مندمل نہ ہوئی تھی اور رسول خدا دفن تک نہ ہوئے تھے کہ شیطانی کاموں کی طرف تم نے یہ بہانہ کر کے سبقت کی کہ ہم لوگ فتنہ کے خوف سے ڈرے مگر عین فتنہ میں گرے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جہنم بیشک کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ ہیہات تدبیر امور امت تم سے کس قدر دور ہے اور امر ملت تم سے کس طرح درست ہوگا۔ شیطان تم کو کس طرف لیجا رہا ہے۔ حالانکہ خدائی کتاب تمہارے درمیان موجود ہے اس کے احکام ظاہر اور روشن ہیں اور اس کی نشانیاں واضح ہیں اس کے امر آشکار ہیں ایسی کتاب کو تم پس پشت ڈال رہے ہو اس سے نفرت کر کے پیٹھ پھیرتے ہو اور اس کے خلاف احکام جاری کرنے پر تیار ہو گئے ہو خبردار ہو جاؤ کہ ظالموں کے لئے ان کے ظلم کا بہت برا بدلہ ہے۔۔۔ وائے ہو ان لوگوں پر انہوں نے خلافت کو رسالت کی بنیاد نبوت کی نیو اور روح الامین کی منزل اور دین و دنیا دونوں کے امور سے واقف و باخبر شخص سے ہٹا کر کہاں رکھ دیا! بلاشبہ یہ بہت بڑا گھاٹا ہے۔ یہ آخر علی پر ان کا عتاب کیوں ہے؟ ان کا یہ عتاب محض ان کی تلوار کی باڑ اور سختی سے روندڈالنے اور دردناک سزا دینے اور خدا کے معاملہ میں بلا دور رعایت کام لینے کی وجہ سے ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ سب مل کر ان کے حلقہ اطاعت میں آجاتے تو علی انہیں باندھ کر رکھتے اور بہت سہل و آسان چال سے لے کر چلتے نہ تو انہیں کوئی اذیت ہوتی نہ تکلیف کا سامنا ہوتا اور علی انہیں شیریں اور خوشگوار چھلکتے ہوئے چشمہ پر لیکر پہنچ جاتے جس کے دونوں کنارے چھلکتے ہوئے ہیں سیر و سیراب بنا کے پلٹاتے اور ظاہر و باطن بہر حال ان کے خیر خواہ رہتے۔۔۔ پھر تم نے اتنی بھی تاخیر نہ کی کہ فتنہ کا ہیجان کم ہو جائے اور اس پر قابو پانا آسان ہو جائے بلکہ تم نے آگ کو اور زیادہ بھڑکانا شروع کر دیا اور اس کی چنگاریاں تیز کرنے لگے شیطان گمراہ کی آواز پر لبیک کہنے دین روشن کے نور کو بجھانے اور پیغمبر برگزیدہ کی سنتوں کو محو کرنے پر تیار ہو گئے اور چاہتے ہو کہ لباس دینداری میں انوار شریعت کو پوشیدہ کر کے جاہلیت کی بدعتوں کو شائع کرو۔ بظاہر تم نے اسلام اختیار کر رکھا ہے مگر در اصل باطن میں نفاق ہی نفاق ہے۔ رسول خدا کے اہل بیت اور اولاد کے خلاف تم نے گنجان درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ کر چال چلنا شروع کی اور ہم تمہارے ضرر آزار پر صبر کرتے ہیں مثل اس شخص کے جس کو نیزہ کا زخم پارہ پارہ کریں اور وہ کوئی چارہ نہ رکھتا ہو اور منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ تم یہ گمان کرتے ہو کہ مجھ کو اپنے پدر بزرگوار کے ترکہ میں کوئی حق وراثت نہیں ہے۔ کیا تم جاہلیت کے احکام پسند کرتے ہو۔ کیا خدا سے بہتر حکم کرنیوالا یقین رکھنے والی قوم کے لئے اور بھی کوئی ہے یا تم لوگ میری حقیقت کو نہیں جانتے بلکہ دانستہ چھپاتے ہو میرا حق آفتاب نصف النہار کی طرح تم پر ظاہر ہے۔ کیوں مسلمانو کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ میری میراث مجھ سے چھین لی جائے اور تم ان کی معاونت کرو۔

اے ابو قحافہ کے بیٹے کیا یہ کتاب خدا میں ہے کہ تو تو اپنے باپ کی میراث پائے اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں
تو نے یہ کیا بری بات پیش کی ہے کیا تم لوگوں نے دیدہ دانستہ کتاب خدا کو چھوڑ دیا ہے اور اسے پس پشت ڈال دیا
ہے حالانکہ اس میں ذکر ہے کہ جناب سلیمان اپنے باپ دادا کے وارث بنے اور جناب یحییٰ کے واقعہ میں حضرت زکریا
کی یہ دعا مذکور ہے کہ خداوندا مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میری میراث پائے اور آل یعقوب کا
وارث بھی ہو..... خداوند عالم نے آیات میراث کے ساتھ تم کو مخصوص اور مجھے اور میرے باپ کو اُن سے خارج کیا
ہے یا یہ کہتے ہو کہ میں اور میرے پدر بزرگوار کا ایک ملت و مذہب نہیں ہے اس سے میں ان سے میراث نہیں پاسکتی
ہوں یا تم لوگ میرے باپ اور میرے ابن عم سے زیادہ عام و خاص قرآن کے جاننے والے ہو۔ (جب ان لوگوں نے کوئی
جواب نہ دیا تو جناب فاطمہ نے ابوبکر سے اپنے خطاب کو اس طرح جاری رکھا) اچھا آج فدک کو اس طرح اپنے قبضہ میں
کرلو جس طرح مہار و پالان بستہ ناقہ قبضہ میں کیا جاتا ہے تاکہ روز محشر تجھ سے ملاقات ہو اور مقام حساب میں
تجھ سے سوال کریں۔ پس خداوند تعالیٰ بہتر حکم کرنے والا ہے۔ اور حضرت محمدؐ ہمارے ضامن و کفیل ہوں گے۔ پس اے
ابوبکر میری اور تمہاری وعدہ گاہ اب قیامت ہے جس روز باطل پرست گھاٹے میں رہیں گے اور اس روز کی ندامت
تمہیں فائدہ نہ پہنچائیگی۔ ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان لوگے کہ وہ شخص کون ہے جس کی طرف
خوار و ذلیل کرنیوالا عذاب نازل ہوکر اسے رسوا کرے گا اور اس کے لیے دائمی عذاب مقرر ہوگا (اس کے بعد جناب فاطمہ نے
انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا) اے گروہ شجاعان تم لوگ اپنے کو یاوران ملت جانتے ہو پس میرے حق میں یہ کیسی
سستی ہے اور جو ظلم و ستم مجھ پر ہو رہا ہے اس سے یہ کیسا تغافل ہے کیا میرے پدر بزرگوار یعنی تمہارے رسول یہ نہیں فرماتے
تھے کہ کسی شخص کی حفاظت اس کی اولاد کی حفاظت سے ہوتی ہے۔ کس قدر جلد تم دین میں بدعتوں پر راضی ہوگئے
اور اپنے پیغمبر کی ملت کی حمایت سے ہاتھ اٹھالیا۔ ہاں محمدؐ مصطفیٰ نے انتقال فرمایا جس کی وجہ سے خدا کے برگزیدہ
بندے ان کی مصیبت میں محزون و مغموم ہیں اس مصیبت میں پہاڑوں کے دل بھی آب آب ہو رہے ہیں اور
کوئی مصیبت اس سے عظیم تر نہیں ہوتی مگر یہ امر اس کا باعث نہیں ہوسکتا کہ تم دین حق سے پھر جاؤ۔ حرمت رسولؐ
ضائع کردی گئی اور اہل بیت رسول کی عظمت لوگوں کے دلوں سے اٹھ گئی۔ پس یہ مصیبت خدا کی قسم بہت
بڑی بلا اور عظیم مصیبت ہے اے قبیلہ اوس و خزرج اے انصار کیا میرے باپ کی میراث میں ظلم کیا جائے
درآں حالیکہ تم میری آنکھوں کے سامنے ہو اور میں تمہاری آواز سن سکتی ہوں اور تم سب میرے قضیہ سے واقف ہو
مگر تم لبیک نہیں کہتے۔ تمہارے پاس فریاد کی آواز آرہی ہے مگر تم فریادرسی نہیں کرتے درآں حالانکہ باطل سے مقابلہ کی
طاقت و استعداد رکھتے ہو (بعد اس کے جناب سیدہ نے قرآن کی وہ آیت پڑھی جس کا مطلب یہ ہے کہ) کیا اس گروہ سے
جنگ نہیں کرتے جنہوں نے عہد توڑ دیا اور دین سے پھر گئے اور رسول کو خارج کرنا چاہا اور اول انہی لوگوں نے تم سے
جنگ کرنے کی ابتدا کی آیا ان سے ڈرتے ہو پس خدا اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو اگر تم لوگ ایمان رکھتے ہو۔

جب جنابِ فاطمہ نے دیکھا کہ اس کلام کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو فرمایا "پس آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اس ترک نصرت کو جانتے ہوئے کہا ہے جس کو تمہارے دلوں نے چھپا رکھا ہے۔ یعنی میں جانتی تھی کہ تم میری فریاد پر لبیک نہ کہو گے اور عذر و مکر کرو گے مگر جو درد و الم کہ سینہ میں جمع ہوئے تھے ان کو میں نے ظاہر کر دیا اور چاہا کہ تم پر حجت تمام کر دوں تاکہ قیامت میں کوئی عذر نہ کر سکو۔ پس عار و ننگ ابدی اور غضب خدا اور عقاب روز جزا کے ساتھ میرا حق چھین لو اور لیجاؤ۔ خدا ان چیزوں کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے جو تم لوگ کرتے ہو اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ بہت جلد آگاہ ہوں گے کہ ان کی باز گشت کیسی بری ہے۔ میں اس بزرگوار کی دختر ہوں جو تم کو عذاب شدید سے ڈراتا تھا۔ پس تم جو چاہو کرو۔ ہم وہی کرتے ہیں جس کو حق جانتے ہیں تم منتظر رہو اور ہم بھی منتظر ہیں اس دن کے جس دن حق و باطل ظاہر ہو گا۔"

جناب سیدہ کا یہ کلام سُنکر حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ اے رسولِ خدا کی بیٹی بیشک آپ اپنے قول میں سچی ہیں لیکن میں نے رسول خدا کو یہ کہتے سنا تھا کہ ہم گروہ انبیاء نہ سونے چاندی کو میراث میں چھوڑتے ہیں اور نہ مکان و جائداد جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ولی امر کا حق ہے اس کو اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے اور جو تم مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور آلات حرب کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

یہ سنکر جناب سیّدہ نے فرمایا "سُبحان اللہ میرے پدر بزرگوار نہ تو کتاب خدا سے رو گرداں تھے اور نہ اس کے احکام کے مخالف اور ہمیشہ قرآن کی آیتوں کی پیروی فرمایا کرتے تھے آیا جو مکر کرتے ہو اس کے ساتھ میرے پدر بزرگوار پر بھی افترا کرتے ہو اور ان کی وفات کے بعد یہ حیلہ کرنا اُن مکروں سے مشابہ ہے جو ان کی حالتِ حیات میں ان کے ہلاک کرنے کے لئے تم لوگوں نے کیا تھا یہ کتاب خدا حاکم و عادل اور فیصلہ کُن و ناطق ہے اس کا ارشاد ہے کہ جیسا کہ حضرت زکریا نے کہا وہ لڑکا میرا بھی ورثہ لے اور آل یعقوب کا بھی نیز حضرت سلیمان نے حضرت داؤد کا ورثہ لیا۔ پس خداوند تعالےٰ نے جو مال کی تقسیم اور میراث کی حد مقرر کر دی ہے اور بنی آدم کے مردوں اور عورتوں کا میراث میں جو حصہ قرار دیا ہے اس میں وہ چیز بیان کر دی ہے جو باطل پرستوں کی غلط دلیلوں کو دور کر دے اور آئندہ نسلوں کے شبہات کو زائل کر دے بیشک تمہارے نفسوں نے تمہارے سامنے ایک برے امر کو مستحسن اور خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے۔ پس میرے لئے صبر جمیل ہی مناسب ہے اور جو باتیں تم بنا رہے ہو اس پر اب خدا سے مدد طلب کرتی ہوں۔ اس پر حضرت ابوبکر نے جواب دیا۔ خدا بھی سچا ہے۔ اور خدا کا رسول بھی سچا ہے اور رسول کی بیٹی بھی سچی ہے۔ تم معدن حکمت محل ہدایت اور رحمت و رکن دین اور عین حجت ہو۔ میں تمہاری صدق گفتاری کو بعید نہیں جانتا تمہاری باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھتا اور تمہارے کلام سے انکار بھی نہیں کرتا۔ لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں جنھوں نے مجھے حاکم بنایا ہے اور میں نے جو کچھ تم سے چھین کر اپنے قبضہ میں لیا ہے وہ ان ہی مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ اس میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور نہ تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے۔ یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔

یہ سُنکر جناب سیدہ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے انسانوں کے گروہ جو باطل کا قول اختیار کرنے پر جلدی کرنیوالا ہے اور فعل قبیح و نقصان دہ سے چشم پوشی کئے ہوئے ہے کیا تم لوگ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے کیا تمہارے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں بیشک تمہارے دلوں پر تمہارے افعال بد کا رنگ چڑھ گیا ہے جس نے تمہارے گوش و چشم کو بیکار کر دیا ہے جو تاویل تم نے کی ہے وہ بالکل غلط ہے اور جو اشارہ تم نے کیا ہے وہ بدترا اور بہت بڑا شر ہے جس کو تم نے حق کے بدلے اختیار کر لیا ہے قسم خدا کی تم اس کے بوجھ کو بہت بھاری اور اس کے انجام کو مصیبت ناک پاؤ گے، جب تمہارے سامنے سے پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور گھن دار جنگل کے اس طرف کی چیزیں سامنے آجائینگی اور تمہارے پروردگار کی طرف سے وہ چیزیں تمہارے لئے ظاہر و ہویدا ہونگی جن کا تم گمان بھی نہ کرتے تھے اس وقت باطل پرست بہت گھاٹے میں رہیں گے۔" جناب سیّدہ یہ فرما کر قبر پیغمبر کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا" پدر بزرگوار آپ کی رحلت کے بعد بہت سے آشوب ظاہر ہوئے اور بہت سے فتنے پیدا کئے گئے اگر آپ ہوتے تو یہ مصیبتیں نہ پڑتیں۔ ہم آپ کے بغیر گلستان بے باران ہیں جس کے تمام پتے اور پھول جفا کاروں کی سموم سے پژمردہ ہو کر رہ گئے جب ان لوگوں نے آپ کو نہ دیکھا ہمارے حق کو سبک جانا اور زمین کو ہم پر تنگ کر دیا۔ کاش آپ سے پہلے ہماری موت ہوتی آپکی قوم کا شیرازہ بکھر گیا دیکھئے یہ لوگ کس طرح راہ حق سے ہٹ گئے ہیں۔ جناب سیّدہ کے اس دل ہلا دینے والے احتجاج کا کوئی اثر نہ ہوا تو آپ نے اپنے ہبہ کے ادعا کو دہرایا کہ حضرت رسول نے مجھے ہبہ کر دیا تھا اور یہ میری ملک ہے جس کو تم نے میرے قبضہ سے ضبط کر لیا ہے۔ اب حضرت ابوبکر نے شہادت طلب کی اور جب امیر علیہ السلام شہزادگان حسن و حسین اور اُم ایمن کی گواہی نا قابل قبول قرار دیکر حضرت ابوبکر نے با ایمائے حضرت عمر جناب سیدہ کا دعویٰ فدک خارج کر دیا تو جناب سیدہ نے ابوبکر و عمر سے فرمایا کہ کیا میں بھی رسول کی حدیث بیان کروں تم اُسے بھلا دو گے اور اس پر عمل کرو گے پھر جناب سیّدہ نے فرمایا میں تم کو قسم دیکر پوچھتی ہوں کیا تم دونوں نے رسول اللہ کو کہتے نہیں سنا کہ فاطمہ کی رضا میری رضا ہے اور فاطمہ کا غصہ میرا غصہ ہے جس نے میری بیٹی سے محبت رکھی اور جس نے ان کو راضی کیا مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا مجھے غضبناک کیا۔ ابوبکر و عمر دونوں کے جواب دیا ہاں ہم نے سنا ہے۔ تب جناب فاطمہ نے فرمایا کہ میں خدا اور ملائکہ کو گواہ کرتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے غضبناک کیا اور مجھے ناراض کیا۔ میں جب رسول اللہ سے ملاقات کرونگی ضرور تم دونوں کی شکایت کروں گی۔ واللہ ہر نماز میں تمہارے لئے بددعا کرونگی۔ پس ابوبکر روتے ہوئے نکلے اور لوگ ان کے پاس جمع ہوگئے اور ابوبکر نے ان سے کہا تم سب لوگ اپنے اہل و عیال میں مسرور ہو اور مجھ کو اس مصیبت میں چھوڑ دیا۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر جناب سیدہ اپنے حقوق سے محروم ہی رکھی گئیں۔ اتمام حجت کرنے کے بعد جناب سیدہ بہ عالم یاس و ہراس اپنے گھر لوٹ آئیں اور حضرت علی سے کہا اے ابوالحسن کس مصلحت نے تم کو روک دیا ہے شاید میرے پدر بزرگوار نے تمہارے کان میں یہی کہا تھا۔ بعد اس کے کہ زمانہ کے دلیروں کو خاک ہلاک پر گرایا اِن میدان

بھاگنے والوں کے سامنے مغلوب ہوئے ہو۔ حضرت امیر نے فرمایا اے دختر برگزیدۂ اہل عالم اور اے باقی ماندہ ذریت پیغمبر تم جانتی ہو کہ میں نے امر دین میں سستی نہیں کی اور خدا کی جانب سے جس چیز پر مامور تھا اسی کو بجا لایا اور اپنا حق طلب کرنے میں کوتاہی نہیں کی میں نے اُن عہدوں کی پابندی کی ہے جو تمہارے والد بزرگوار نے مجھ سے لئے تھے۔ پس خدا سے اجر طلب کرو ان ظالموں کے ظلم پر صبر اختیار کرو۔

حضرت ابوبکر کی حضرت علی علیہ السلام و جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے تعلق سے بدکلامی

علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ [illegible] پر لکھتے ہیں کہ جب احتجاج کرنے کے بعد جناب سیدہ اور حضرت علی علیہ السلام واپس آگئے اور لوگوں میں یہ خبر چرچا ہونے لگا کہ حق جناب فاطمہ اور علیؑ کے ساتھ ہے تو ابوبکر نے منبر پر جا کر یہ کہا کہ چونکہ میں نے ان کی شہادت رد کر دی اس لئے وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ سوا اس کے نہیں کہ وہ (علی) ایک لومڑی ہے جس کی گواہ اس کی دم ہے ہر طرح کے فتنے برپا کرتا ہے۔ بڑے بڑے فتنوں کو ہلکا کر کے بیان کرتا ہے اور لوگوں کو فتنہ و فساد پر آمادہ کرتا ہے۔ ضعیفوں سے کمک مانگتا ہے اور عورتوں سے امداد حاصل کرتا ہے وہ امجی (ایک مشہور زناکار عورت) کے مانند ہے جس سے اس کے گھر والے زنا کرنے کے شائق تھے۔ دوسری کتابوں میں "انما ھی ثعالۃ شہیدہ ذنبہا" یعنی (معاذ اللہ) فاطمہ ایسی لومڑی ہے جس کی گواہ اس کی دم ہے (یعنی معاذ اللہ حضرت علی علیہ السلام) ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ مجھ کو ابوبکر کے اس کلام پر تعجب ہوا اور میں نے اپنے استاد ابو یحییٰ نقیب جعفری بن یحییٰ بن ابی زید البصری سے دریافت کیا کہ ان کلمات میں خلیفہ کا کنایہ اور تعریض کا رُخ کس طرف تھا۔ انھوں نے کہا کہ کنایہ اور تعریض نہیں تھی بلکہ صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے۔ میں نے کہا اگر صراحت ہوتی تو میں سوال ہی نہ کرتا۔ انھوں نے کہا یہ باتیں علی علیہ السلام کو کہی گئی ہیں اور کہا اے فرزند سلطنت اسی کو کہتے ہیں (یعنی جاہ طلب لوگ اپنا مطلب حاصل کرنے ایسے عمل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔)

کہاں مولائے کائنات اور سیدۂ عالم اور کہاں حضرت ابوبکر کا یہ کلام فاعتبروا یا اولی الابصار۔

فدک بعد کے خلفاء کے زمانہ میں

حضرت سیدۂ عالم سے فدک چھین لینے کے بعد متعاقب آنے والے خلفاء کے زمانہ میں اس کا حشر یہ رہا کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان نے قریہ فدک کو اپنے سالے مروان کی جاگیر میں دیدیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنو امیہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے فدک آلِ رسول کو واپس کر دیا اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے قبضہ میں دیدیا۔ شرح ابن ابی الحدید میں ابوالمقدام سے روایت ہے کہ امرائے حکومت نے عمر بن عبدالعزیز پر اعتراض کیا کہ طعنت علی الشیخین یعنی تم نے حضرت ابوبکر و عمر پر طعن کر دی تو عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ "ھما طعنا علی انفسہما" یعنی شیخین نے فدک لے کر اپنے نفس پر طعن کا دروازہ خود کھولا۔ پھر عمر بن عبدالعزیز نے کہا "فدک پر حضرت فاطمہ کا قبضہ تھا۔ حکومت نے ان کو دست بردار کرنا چاہا تو وہ دربار میں پہنچیں اور علیؑ، ام ایمن، حسنؑ و حسینؑ کو گواہی میں پیش کر کے دعویٰ کیا ہے کہ

میری جائیداد ہے۔ حضرت فاطمہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ جھوٹا دعویٰ کریں میرے نزدیک ایک دعویٰ ہی کافی تھا۔ گواہوں کی ضرورت ہی نہ تھی میں نے فدک واپس کر کے انصاف کا حق ادا کیا ہے۔ امیدوار ہوں کہ حضرت فاطمہ حسن وحسین بروز قیامت میری شفاعت کریں گے"

فدک کے متعلق ایک نوبت وہ آئی کہ متوکل عباسی نے پھر آلِ رسول سے چھین کر اپنے حجام کو دیدیا بعد چند خلفائے بنوعباس جو حضرت فاطمہ کے دعویٰ فدک کو سچ سمجھتے تھے فدک آلِ رسول کو واپس کرتے رہے اور دیگر خلفائے بنوامیہ و بنوعباس فدک آلِ رسول سے چھینتے رہے چنانچہ مامون الرشید و معتصم معتضد واثق اور مہدی عباسی فدک آلِ رسول کو لوٹاتے رہے اور متوکل، مکتفی و موسیٰ بن مہدی اور ہارون الرشید وغیرہ اپنے وقتوں میں فدک آلِ رسول سے چھینتے رہے۔

احراق خانہ فاطمہ زہرا علیہا سلام

قضیہ فدک کے ساتھ ہی ساتھ جناب سیدہ کے بیت الشرف پر آگ لیجا کر جلانیکی دھمکی دینے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کا مختصر ذکر باب ماقبل میں بھی آچکا ہے۔ روایتوں میں یہ واقعہ اس طرح درج ہے کہ حضرت عمر آگ اور لکڑیاں لئے ہوئے معہ چند لوگوں کے جناب فاطمہ کے گھر پر گئے اور پکار کر کہا کہ اے فاطمہ آپ ہم کو جان سے زیادہ عزیز ہیں مگر ان لوگوں کی وجہ سے جو آپ کے گھر پر جمع ہوتے ہیں واللہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔

مولوی شبلی نعمانی الفاروق میں ان تمام روایات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اور حضرت عمر کے متعلق لکھتے ہیں کہ "زمانہ جاہلیت میں تو قہر مجسم ہی تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی یہ رنگ مدتوں ان کی طبیعت سے نہیں گیا۔ ان کی شدید طبیعت سے کچھ بعید نہیں کہ آگ لے گئے ہوں۔ اس کے بعد شبلی کہتے ہیں کہ "گو واقعہ ہے کہ گو کچھ زیادتیاں ہوئیں مگر انہیں بے اعتدالیوں کی وجہ سے اٹھتے ہوئے فتنے دب گئے" یعنی مولانا شبلی حضرت علی کا اپنا حقِ خلافت پیش کرنے کو فتنہ سے تعبیر کیا ہے جو ارباب حق پسند کے لئے بڑے غور و فکر کا مقام ہے۔ پروفیسر محمد عبد العلا صاحب اپنی کتاب (Caliph Ali) کے صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں:-

"Omar's threat to set fire to Fatima's house if Ali did not come out, was typical of the man"

کتب شیعہ میں حضرت عمر کی زیادتیوں اور جناب فاطمہ کو ایذا پہنچانے کے دل گداز واقعات درج ہیں کہ گھر کو آگ لگانے کی دھمکی دے کر حضرت علی علیہ السلام کو بہ جبر گھر سے باہر کھینچنے میں دروازہ کا پٹ جناب فاطمہ کے پہلو پر لگا جبکہ آپ کے بطنِ مبارک میں وہ صاحبزادہ تھا جس کے متعلق رسولِ خدا نے فرمایا تھا کہ یہ بچہ پیدا ہونے پر اس کا نام محسن رکھنا۔ جناب سیدہ کا اسقاط حمل ہونے سے آپ علیل ہوئیں اور نقشہ یہ ہوا کہ اٹھارہ سال کی عمر میں مثلِ زنِ ضعیفہ لکڑی کے سہارے چلنے کی نوبت آگئی اور چند ہی دن میں آپ نے اس دارِ فانی سے دل شکستہ د

پہلو شکستہ کو بچ فرمایا عام کتب اہل سنت کی روایتوں میں آپ کی وجہ موت کوئی ظاہر نہیں کی جاتی اور اسی قدر لکھا جاتا ہے کہ صدمہ وفات رسول سے آپ کا انتقال ہوا۔ مگر بعض حق گو سنیوں نے بھی تعصب کی زنجیریں کو توڑ کر اور یقیناً اس ظلم عظیم کے اخفا کو بھی ظلم خیال کر کے اور ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون پر عمل کر کے ان واقعات کو بھی حوالہ قلم کر دیا ہے چنانچہ امام ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی کتاب الملل والنحل حاشیہ ملل ونحل ابن حزم ص۵۷ طبع ادبیہ مصر ۱۳۱۷ھ پر تحریر فرماتے ہیں' نیز صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی نے وافی بالوفیات ضمن عرف الفرا میں ابراہیم بن یسار کے روایت کردہ الفاظ درج کئے ہیں۔ "ان عمر ضرب بطن فاطمۃ علیہا السلام یوم البیعۃ فی القت المحسن من بطنہا ابوالحسن علی ابن حسین مسعودی صاحب مروج الذھب اپنی ایک اور کتاب موسوم بہ کتاب اثبات الوصیۃ میں لکھتے ہیں ا ہجموا علیہ واحرقوا بابہ واستخرجوہ منہ کرھا وضغطوا سیدۃ النساء بالباب حتی اسقطت محسنا۔ یعنی پس علی علیہ السلام پر ہجوم کر لیا ان کا دروازہ جلا ڈالا ان کو زبردستی گھر سے باہر نکالا اور سیدہ فاطمہ زہرا کو دروازے اور دیوار کے درمیان اس طرح دبایا کہ محسن کا حمل ساقط ہو گیا۔ علامہ سید صالح کشفی ترمذی حنفی اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے ص۲۳۶ پر جناب سیدہ کے فرزندوں کے نام لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں' اور جناب محسن جن کا حمل ساقط ہو گیا اور اسی مرض میں جناب سیدہ نے شہادت پائی" علامہ موصوف کے الفاظ "شہادت پائی" واقعات کی صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ابن عبداللہ کی کتاب العقد اور ذہبی کی میزان الاعتدال میں بھی یہ عبارت درج ہے۔ ان عمر رکض بطن فاطمہ حتی اسقط المحسن من بطنہا۔ معارج النبوۃ میں بھی جناب سیدہ کا سبب وفات یہی حادثہ پایا جاتا ہے۔

مولوی صدرالدین روائح المصطفیٰ مطبع محمدی کان پور ص۳۶ و ص۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں: "بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گذشتہ مثل معاملہ فدک وسقط شدن حمل"۔ بعد وفات حضرت رسول آپ کی امت کا برتاؤ جناب فاطمہ کے ساتھ یہ رہا کہ آپ شدت مصائب سے آہ وزاری کیا کرتی تھیں اور اپنے باپ کو یاد کر کے زیادہ کرتی تھیں۔ علامہ مفتی شاہ سید محمد صاحب اشرفی جیلانی محدث کچھوچھوی صدر آل انڈیا جماعت رضائے مصطفوی (بریلی) وسرپرست آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء (بمبئی) اپنے مطبوعہ مقالہ "حقا کہ بنائے لا الہ است حسین" میں لکھتے ہیں "حضرت سیدہ بتول طاہرہ فاطمہ زہرا کے آلام ومصائب کو اجمالی طور پر خود ان کے ارشاد سے سمجھے فرماتی ہیں:

صبت علی مصائب لو انہا ٭ صبت علی الایام صرن لیالیا

مجھ غمزدہ اور ستم رسیدہ کو ایسے مصائب سے سابقہ پڑا کہ اگر چمکتے سورج میں روز روشن پر وہ غم ٹوٹتے تو خواہ سورج چمکتا رہے مگر دن اس کی تاب نہ لا کر رات کی طرح سیاہ چادر میں چھپ جاتے۔ اب اس اجمال کی تفصیل کے لئے کوئی سارا زور قلم صرف کر دے تو وضاحت وتشریح کی تشنگی باقی رہے گی۔"

حضرت سیدہ کا یہ رونا بھی لوگوں کو ناگوار ہوتا تھا اور اس طرح آپ کو رونے تک کی اجازت نہ تھی۔ لوگوں نے شکایت کی کہ فاطمہ یا تو دن کو رویا کریں یا رات کو ہمارے کام خراب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جناب سیدہ آبادی سے کچھ فاصلہ پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر رویا کرتی تھیں اجر رسالت ادا کرنے والوں نے اس درخت کو بھی کاٹ دیا۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ نے آبادی سے دور ایک حجرہ بنا دیا جس میں جناب سیدہ کو صبح لیجا کر چھوڑ آیا کرتے تھے اور شام کو گھر واپس لایا کرتے تھے۔ اس حجرے میں آپ گریہ وزاری کیا کرتی تھیں۔ بعد میں یہ حجرہ بیت الحزن کے نام سے مشہور ہوا۔ جناب سیدہ کے اسی نالہ وفریاد کا واسطہ دیتے ہوئے حضرت خواجہ اجمیری اپنی بخشش کی دعا اس طرح مانگتے ہیں:۔

یارب بحقِ سینۂ وافغانِ فاطمۂ ۔۔۔ یارب بہ آہ ونالۂ آں سرور النساء
بخشی دُرابہ شاہِ شہیدانِ کربلا ۔۔۔ دارد معین اُمید ز آں زِلطف خود

بخاری اور مسلم کی مسلمہ روایتیں ہیں کہ جب اس طرح کے مصائب آپ پر ڈھائے گئے حضرت عمر نے آگ لیجا کر آپ کا گھر جلانے کی دھمکی دی اور حضرت ابو بکر نے آپ کا دعویٰ فدک اور ترکۂ رسول بھی خارج کر دیا تو آپ حضرت ابو بکر پر غضبناک ہوئیں اور ترک کلام و ملاقات کیا اور یہ وصیت فرمائی کہ ابو بکر وغیرہ کو میرے جنازہ میں شریک نہ کیا جائے۔ چنانچہ جب انہیں مصائب میں جناب سیدہ کا تھوڑے دن میں انتقال ہو گیا تو حضرت علی نے آپ کا جنازہ حسب وصیت تابوت کے اندر رکھ کر رات کو اٹھایا اور حضرت ابو بکر و عمر وغیرہ کو شریک جنازہ نہ کیا اور جنت البقیع میں دفن کرنے کے بعد دو تین اور بروایتے چالیس مقامات پر اسی قسم کی قبریں بنادیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی بھی توہین کا اندیشہ تھا۔

شمس العلماء نذیر احمد صاحب "رویائے صادقہ" صـ۱۵۳ پر لکھتے ہیں "جو شخص سب سے زیادہ پیغمبر صاحب کی وفات سے متاذی ہوا وہ فاطمہ تھیں، والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے اور باپ بھی کیسے دین و دنیا کے بادشاہ ایسے باپ کا سایہ سر سے اٹھنا اس پر حضرت علی کا خلافت سے محروم رہنا ترکہ پدری باغ فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ ہار جانا کسی دوسرے کو ایسے صدمات پہنچے تو زہر کھا کر مر رہتا مگر ان کے صبر و ضبط انہیں کے ساتھ تھے پھر بھی انہیں رنجوں میں گھل کر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جنھوں نے رنج دیئے تھے نہ بولیں اور نہ بات کیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازہ پر آنے کی مناہی کرا دی۔ مانا کہ ان کا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہے تاہم ان کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ فاطمہ کے دلِ غمزدہ کو خوش کرنے کے لئے علی کو اگر وہ اہل نہ بھی تھے برائے نام خلافت دے دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دے دیتا مگر باغ فدک دے دینے میں ایسی کونسی قباحت تھی۔ غایتہ ما فی الباب حدیث نحن معشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقہ کے خلاف ہو تو ہو گناہ اگر ہوتا تو فاطمہ کو

ہوتا کہ وہ سیلانی ہو کر صدقہ کھاتیں سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت نبوی کو پیغمبر کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیئے تھا اس میں ضعف آگیا اور شدہ شدہ منجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔

رسول کی یک لوتی صاحبزادی خاتون محشر سیدۃ النساء العلمین کی امت نے یہی قدر کی اور اجر رسالت انہیں طریقوں سے ادا کیا۔ مشکواۃ المصابیح باب الفتن صہ ۶۷ و ترجمہ مولوی قطب الدین صاحب جلد چہارم ۱۰۵ پر ابن ایوب سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جبکہ ہوگا دن قیامت کا پکاریگا پکارنیوالا عرش کے اندر سے یا اہل الجمع نکسو رؤسکم وغضوا ابصارکم حتیٰ تمر فاطمہ بنت محمد علی الصراط فتمر مع سبعین الف جاریۃ من الحور العین کمر البرق یعنی اے اہل محشر جھکا لو تم سر اپنے اور بند کر لو آنکھیں اپنی یہاں تک کہ گزر جائے فاطمہ بیٹی محمدؐ کی صراط پر سے گزریگی فاطمہ ساتھ ستر ہزار لونڈیوں کے حور عین سے مانند گزرنے برق کے۔

ترجمۂ مشکوات صہ ۱۱ پر حضرت عائشہ کی زبانی یہ بھی روایت درج ہے کہ جناب فاطمہ ہیئت اور اور روش چال میں حضرت رسول سے اس درجہ مشابہ تھیں کہ دونوں میں امتیاز کرنا مشکل تھا۔ حضرت رسول جناب فاطمہ کو اپنے دل کا ٹکڑا اور اپنی روح فرماتے تھے اور جب کبھی آپ تشریف لائیں تو سر و قد کھڑے ہو کر اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے فاطمہ کی کہاں یہ تعظیم پیش رسول اور یہ عظمت و شان روز حشر پیش خدا اور کہاں یہ بے توقیری اور ایذارسانی حضرت عمر اور ان کے ہم خیال صحابہ کے ہاتھوں کہ جناب فاطمہ کے گھر پر آگ لیجائیں اور جلانیکی دھمکی دیں اور آپ کے شوہر نامدار مولائے مومنین کو گلہ میں رومال ڈالکر گھسیٹا جائے اور حضرت ابوبکر و عمر آپ کے دعویٰ کو جھوٹا قرار دیکر خارج کریں اور علی مرتضیٰ اور حسنین کی شہادت کو ناقابل قبول قرار دیں واہ واہ صاحبان انصاف اپنے دل میں تصفیہ کریں اور اخلاقی جرات رکھنے والے اپنے تصفیہ کو زبان سے بھی کہدیں کہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ حق کو مت چھپاؤ جب تم جان چکے ہو اور پھر جس حشر کے روز فاطمہ کے گزرتے وقت آنکھیں بند کر کے سر جھکا کر ادب سے کھڑے ہونا ہے اسی حشر کے دن داور محشر کے سامنے پیش ہونا اور شافع محشر کو منہ دکھانا اور اسی پلصراط کو عبور کرنا ہے۔

حضرت عائشہ کی دشمنی جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے ساتھ

ایک جرمن مورخ کورت فریشلر آلمانی نے بزبان جرمن ایک کتاب "عائشہ بعد از پیغمبر" لکھی جسکا ترجمہ ذبیح اللہ منصوری نے بزبان فارسی کیا جو ایران سے ۱۳۴۳ فصلی مطابق ۱۹۶۴ء طبع ہوا۔ اسمیں کورت فریشلر نے متعدد مقامات پر حضرت عائشہ کی جناب سیدۂ عالم سے شدید دشمنی کا ذکر کیا ہے۔ ہم فارسی ترجمہ سے چند مقامات بحوالہ صفحہ درج کرتے ہیں:

ص۵۴ ہیچگاه اتفاق نیفتاد که فاطمه از عائشه بدگوئی نماید۔ ولے عائشه بعد ازیں که از شعب ابی طالب مراجعت کردیم نسبت فاطمه سرسنگیں شده و علتش ایں بود که محمد فاطمه را دوست میداشت و او را نوازش میکرد۔ عداوتِ عائشه نسبت به فاطمه وشوہرش و فرزندانِ فاطمه از انجا شروع شد۔

ص۵۴ و ص۵۵ عائشه وقتے دید که فاطمه یک پسر زاد و بعد ازاں دارائے پسرے دیگر شد با سطح خصم خونینِ فاطمه شد...... بعد ازیں که عائشه زوجۂ محمد شد حتیٰ یکبار قدم بخانۂ فاطمه نه نهاد۔ ولے فاطمه با فرزندانِ خود بخانۂ پدر مے رفت و ہر دفعه که محمد از مسافرت مراجعت مے کرد قبل ازیں که بخانۂ خود برود بخانۂ فاطمه مے آمد ہمیں که وارد مے شد مے گفت "اسلام علیک یا اہل بیت النبوۃ" عائشه مے گفت که من میل ندارم فاطمه و فرزند انش بایں خانه بیایند ہر دفعه که آنہا در یں خانه مے بینم خود را درمعرضِ ہلاکت مشاہده مے کنم بعد ازاں که پدر فاطمه از جہاں رفت عائشه برائے ابرازِ خصومت نسبت فاطمه میداں را خالی دید و کوشید تا اینکه پدرش ابوبکر را خلیفۂ مسلمین کند ص۱۰۷ عائشه میل نداشت که با فاطمه دخترِ رسول الله صحبت کند۔ ولے چوں فاطمه خوش قلب بود با عائشه صحبت مے کرد و او جواب دخترِ رسول الله با کلماتِ کوتاه میداد و بعد ازیں که ما سوارِ کجاوه مے شدیم آں زن خوش وقت بود که دیگر فاطمه را نه مے بیند...... عائشه برا و حسد مے ورزید که چرا محبوبِ پیغمبر است و ہنوز فاطمه دارائے پسر نه شده بود تا اینکه بد بینیٔ عائشه نسبت باو میل به کینۂ شدید گردد۔

ص۲۷۷ علی به ابوبکر گفت آیا از وضع معاشِ بعض از مسلمین که استطاعت ندارند اطلاع داری یا نه۔ اگر اطلاع داری چرا آنہا کمک نمی کنی در عوض دوازده ہزار درہم در سال تمری به عائشه مے دہی۔ ابوبکر گفت برائے ایں که او زوجہ پیغمبر بود علی گفت آنچه میگویم یک ایرادِ اصولی است آیا زوجۂ پیغمبر برائے دریافتِ مستمری سزاوار تر است یا دخترِ او که از گوشت و خون پیغمبر مے باشد و نوہائے رسول الله که آنہا ہم از گوشت و خونِ پیغمبر میراث برده اند۔ تو برائے زوجۂ پیغمبر دوازده ہزار درہم در سال مقرری تعیین مے کنی و مال مسلمین را باو مے بخشی ولے برائے دخترِ پیغمبر و نوہائے او یک درہم تعیین نه مے نمائی۔ ابوبکر گفت ایں از سوءِ نیت نبوده بلکه علتِ آں فراموشی است۔ و من به یادِ زوجۂ تو فاطمه و فرزندانش نبوده ام و ازیں بعد ہر سال چہل و ہشت بار گندم از انبار بیت المال به فاطمه زہرا بعنوان مستمری میدہم۔ ولے آں مستمری ہرگز به فاطمه داده نه شد۔ عائشه وقتے دانست که پدرش قول داده است اعتراض کرد۔ مدنے خلیل بعد آں واقعه دخترِ پیغمبر زندگی را بدرود گفت۔ ہرگاه فاطمه زہرا زنده ہم مے ماند ممکن بود که عائشه نگذارد آں مستمری بدخترِ پیغمبر برسد۔

ذیل میں ہم اقتباسی ترجمہ درج کرتے ہیں :۔

کبھی ایسا نہ ہوا کہ (جناب) فاطمہ نے عائشہ کی بدگوئی کی ہو مگر شعب ابی طالب سے واپسی کے بعد ہی سے عائشہ فاطمہ سے سرگراں ہو گئی تھیں اور اسکا سبب یہ تھا کہ محمد (صلعم) فاطمہ کو دوست رکھتے تھے۔ فاطمہ ان کے شوہر

اور فرزندوں سے عائشہ کی عداوت یہیں سے شروع ہوگئی تھی۔

عائشہ کو فاطمہ کی صحبت کبھی گوارا ہی نہ تھی۔ مگر چونکہ فاطمہ خوش قلب یعنی نیک اور کھلے ہوئے دل کی واقع ہوئی تھیں عائشہ سے ملتی تھیں مگر عائشہ دختر پیغمبر کی باتوں کا جواب مختصر الفاظ میں دیتی تھیں اور جب اونٹ پر سفر ہوتا تو کجاوہ میں سوار ہوتے ہی عائشہ خوش ہو جاتی تھیں کہ اب فاطمہ کی صورت سامنے نہیں ہے۔ عائشہ فاطمہ سے حسد کرتی تھیں کہ پیغمبر اپنی بیٹی کو کیوں محبوب رکھتے ہیں۔ یہ حال تو اس وقت کا تھا کہ ابھی فاطمہ ماں نہیں بنی تھیں اور ابھی وہ نوبت نہیں آئی تھی کہ عائشہ کی بدبینی شدید کینہ کی شکل اختیار کر جائے۔

پھر جب فاطمہ کو پہلا اور دوسرا فرزند خدا نے دیا تو عائشہ بالطبع فاطمہ کی خونی دشمن ہوگئیں۔ پیغمبر سے نکاح ہونے کے بعد عائشہ نے ایک دفعہ بھی فاطمہ کے گھر میں قدم نہیں رکھا مگر باوجود ان سب باتوں کے فاطمہ اپنے فرزندوں کے ساتھ اپنے باپ کے گھر میں آتی تھیں اور پیغمبر جب کبھی بھی سفر سے واپس ہوتے تو اپنے گھر جانے سے پہلے ہمیشہ فاطمہ کے گھر جاتے اور داخل ہوتے ہی کہتے "السلام علیک یا اہلبیت النبوۃ" عائشہ کہتی تھیں کہ فاطمہ اور ان کے بیٹوں کا آنا مجھے ذرا بھی اچھا نہ معلوم ہوتا تھا اور جب کبھی ان کو اس گھر میں دیکھتی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری جان نکل جائیگی۔

جب پیغمبر کا انتقال ہوا تو میدان خالی پا کر عائشہ نے فاطمہ سے دشمنی نکالنے کیلئے اپنے باپ ابوبکر کو خلیفہ بنانے کی تگ و دو شروع کر دی علی نے ابوبکر سے کہا کیا تمکو بعض مسلمین کی وضع معاش اور عدم استطاعت کی اطلاع نہیں ہے اور اگر ہے تو ان کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ میں ایک اصولی بات کر رہا ہوں کہ آیا پیغمبر کی بیوی اس کی مستحق ہے کہ بارہ ہزار درہم وظیفہ اسکو دو اور پیغمبر کی بیٹی اور نواسوں کو جنہیں پیغمبر کا خون ہے ایک درہم بھی نہ دو۔ ابوبکر نے کہا یہ بدنیتی پر مبنی نہ تھا مگر میں تمہاری زوجہ فاطمہ اور انکے بچوں کو بھول گیا تھا۔ مگر اب آئیندہ سے سالانہ اڑتالیس بورے گیہوں فاطمہ کیلئے بیت المال سے مقرر کر دونگا۔ مگر صورت واقعہ یہ رہی کہ یہ وظیفہ کبھی بھی فاطمہ کو پہنچنے نہ پایا۔ جونہی عائشہ کو خبر ہوئی کہ ابوبکر نے وظیفہ مقرر کرنے کا قول دیا ہے اعتراض کر دیا۔ تھوڑے ہی دن میں دختر پیغمبر کی رحلت واقع ہوگئی اور اگر فاطمہ زندہ بھی رہتیں تو عائشہ وہ وظیفہ فاطمہ تک پہنچنے نہ دیتیں۔

سیدۂ عالم کی شہادت کا سبب عائشہ کی شدید دشمنی

جرمن مورخ کورت فریشلر المانی اپنی کتاب عائشہ بعد از پیغمبر میں جس کا ترجمہ ذبیح اللہ منصوری نے کیا ہے صـ56 (ترجمہ) پر رقمطراز ہے:

آنچه سبب شد که فاطمه در بحبوحهٔ جوانی زندگی را بدرود گفت دو چیز بود یکے اندوه از دست دادن پدر و دیگرے خصومت عائشه نسبت باو و شوهرش علی۔ یک ماه بعد از رحلت محمد فاطمه بیمار شد و لے بیماریش شدید نبود و مے توانست فرزندان خود را بر دارد و باتفاق زنے موسوم به فضه که کنیز فاطمه بود بر سر قبر پیغمبر اسلام برود و قدرے کنار قبر پیغمبر بنشیند و گریه کند۔ اندوه مرگ پدر و خصومت شدید عائشه سبب گردید که فاطمه بیمار شد و دیگر نتوانست که بر سر قبر پیغمبر برود و آنجا بنشیند و گریه کند میدیدم که بسرعت

لاغر مے شود۔ دراں موقعہ علاوہ بر فضہ خدمتگار فاطمہ زنے برائے پرستاری او بخانہ آمد موسوم بہ اسماء بنت عمیس۔
تا روز یکہ زندہ ہستم آں روز را فراموش نخواہم کرد آفتاب در شرف غروب بود و اطاقے کہ فاطمہ در آں قرار داشت تاریک شد۔ دراں اطاق دو پسر و دو دختر فاطمہ حضور داشتند و فضہ و اسماء بنت عمیس و من نیز حضور داشتیم ہمہ گریہ میکردیم پسرہائے فاطمہ در دو طرف بستر مادر خود نشستہ اشک میریختند و دخترہا گاہے خود را روئے سینۂ مادر مے انداختند و فضہ و اسماء بنت عمیس آنہا را از سینۂ فاطمہ بلند مے نمودند۔ خیال مے کردم کہ دیوارہائے اطاق ہم گریہ میکنند۔ من نمے دانم چہ موقعہ فضہ چراغ برافروخت و بہ اطاق آورد بہ کہ وقت متوجہ شدم کہ علی قدم بدرون اطاق نہاد و وقتے فاطمہ را دید بگریہ درآمد فاطمہ ہم کہ ہوش و حواس داشت میگریست پس ازیں کہ ہمہ گریستیم فاطمہ خطاب بہ شوہرش گفت یا ابوالحسن من بزودی از دنیا مے روم و فرزندانِ من کہ پدر بزرگ خود را از دست دادند بے مادر خواہند شد و پیوستہ بہ خاطر داشتہ باش کہ قلب اطفال بے مادر خیلے نازک است و بہ کوچک ترین ناملائم مجروح خواہد شد و طورے با نہا رفتار کن کہ متوجہ نشوند کہ مادر ندارند۔
یا ابوالحسن جنازۂ مرا ہنگام شب بخاک بسپار چوں میل ندارم کسانیکہ بعد از مرگ پدرم با من خصومت کردند جنازہ مرا تشیع کنند و بر سر قبرم بیایند۔ علی باز بگریہ درآمد و ما ہم بگریہ درآمدیم۔ پس ازینکہ مدتے بگریستیم چند بار لبہائے فاطمہ تکان خورد و ما سکوت کردیم و من شنیدم کہ دختر محمد گفت "السلام علیک یا جبرئیل السلام علیک یا ملائکۃ ربی" و بعد ازاں دیگر چیزے نہ گفت تا اینکہ از دنیا رفت۔ فرزنداں و دختراں وقتے دریافتند کہ مادر شاں مردہ خود را روئے سینۂ مادر انداختند و کسی بہ فکر نمی افتاد کہ آنہا را از روئے سینۂ فاطمہ بلند کند زیرا کہ ہمہ میگریستند و گذشتہ از گریہ قلب حاضرین اجازہ نمیداد کہ اطفال را از روے سینہ مادر بر دارند۔
علی بعد از مدتے گریستن درحالیکہ صورتش از گریہ مرطوب بود بہ من گفت اے عنتر بطوریکہ شنیدی فاطمہ وصیت کرد کہ او را ہنگام شب بخاک بسپاریم تا کسانیکہ بعد از مرگ رسول اللہ با او خصومت کردند جنازہ اش را تشیع نکنند و بر سر قبرش قدم نگذارند۔ دو نفر را پیدا کن و آنہا را بگو قبر فاطمہ را حفر کنند تا من جسدش را بشویم و دفن نمائیم من دراں حالیکہ اشک مے ریختم دو قبر کن را پیدا کردم و آنہا دراں شب قبر فاطمہ را حفر نمودند علی و عمویش عباس و فضہ و اسماء بنت عمیس با فرزندان و دختران فاطمہ جسد دختر پیغمبر را آوردند۔ بعد از نماز علی جسد زوجہ اش را در قبر نہاد۔ علی بگریہ آمد و گفت اے فاطمہ بخدا سوگند کہ مرگ تو جہان را در دیدگانم تاریک کرد و تا زندہ ہستم ایں مصیبت را فراموش نخواہم نمود۔ علی بہ الیعنی عباس و من و فضہ و اسماء بنت عمیس گفت شما بچہ ہا را بخانہ برگردانید و من اینجا میمانم و صبح بخانہ مراجعت خواہم نمود۔
من گفتم یا سیدی زوجۂ تو مولائے من بود و من از وقتی کہ فاطمہ چشم بدنیا کشود عہدہ دار خدمتش بودم و اتو میخواہم

اجازہ بدھی کہ من نیز امشب اینجا بمانم۔ علی موافقت کرد دیگران اطفال، فاطمہ را با خود بردند۔ آنگاہ سکوت برقرار شد علی و من در تاریکی کنارِ قبرِ فاطمہ نشستہ بودیم و حرف نمی زدیم یک وقت علی سکوت شکست و گفت یا رسول اللہ امانتے را کہ در شبِ عروسی بمن سپردہ بودی بتو برے گردانم و خوشا بہ سعادت فاطمہ کہ بتو ملحق شد و آرزوئے من نیز اینست کہ زود تر بتو ملحق شوم۔

علی شروع بہ مناجات کرد و گفت خدایا ہر چہ تو برائے من خواہی ہمہ پسندیدہ است و لو مرگ فاطمہ باشد و فقط از تو در خواست مینمایم بمن توانائی بدہ کہ بتوانم ایں مصیبت را تحمل کنم شوہر فاطمہ مدتے مناجات کرد و بعد سپیدۂ صبح طلوع نمود و علی بہ کنارِ قبر بہ نماز ایستاد و بعد از خواندن نماز باز کنارِ قبر نشست تا اینکہ خورشید بمید و پس از طلوعِ آفتاب علی از فاطمہ خدا حافظی کرد و من ہم از سوائے خود خدا حافظی نمودم و بخانہ برگشتیم۔

ذیل میں ہم عبارتِ صدر کا اقتباساً اردو ترجمہ درج کرتے ہیں:۔

کیا بات ہوئی کہ فاطمہ عین جوانی کے زمانہ میں اس دنیا سے کوچ کر گئیں؛ اس کے دو سبب تھے ایک تو باپ کی وفات کا صدمہ اور دوسرے عائشہ کی دشمنی جو فاطمہ اور ان کے شوہر سے تھی۔ باپ کی رحلت کے ایک ماہ بعد فاطمہ بیمار تو تھیں مگر بیماری نے شدت اختیار کی تھی اور اپنی کنیز فضہ کی مدد سے بچوں کو لیکر اپنے باپ کی قبر پر جا کر بیٹھتیں اور گریہ کیا کرتی تھیں۔ مگر پھر صدمہ وفات پدر اور عائشہ کی شدید دشمنی نے یہ حال کر دیا اب قبر پیغمبر پر جانے اور وہاں بیٹھ کر رونے کے بھی قابل نہ رہیں (عنتر غلام پیغمبر کا بیان ہے) میں یہ دیکھتا تھا کہ فاطمہ بہت سرعت سے لاغر ہوتی جا رہی ہیں۔ اب فضہ کے علاوہ ایک خاتون اسمار بنتِ عمیس فاطمہ کی پرستاری کیلئے فاطمہ کے گھر آ گئیں۔

اس دن کو فراموش نہیں کر سکتا کہ آفتاب غروب کے قریب تھا اور جس کمرہ میں فاطمہ تشریف رکھتی تھیں اندھیرا ہو گیا۔ کمرہ میں فاطمہ کے دونوں بیٹے اور بیٹیاں اسمار بنتِ عمیس موجود تھے اور سب کے سب رو رہے تھے دونوں صاحبزادے فاطمہ کے بستر کے ایک ایک جانب بیٹھے رو رہے تھے اور بیٹیاں ماں کے سینے سے چمٹی جاتی تھیں اور اسمار بنت عمیس انکو علٰحدہ کرتی جاتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کمرہ کے در و دیوار بھی رو رہے ہیں۔ نہ معلوم فضہ کب چراغ روشن کر کے کمرہ میں لائیں اتنے میں علی کمرہ میں داخل ہوئے اور فاطمہ کو دیکھتے ہی رونا شروع کیا۔ فاطمہ بھی جو ہوش و حواس میں تھیں روتی جاتی تھیں۔ فاطمہ نے اپنے شوہر سے کہا یا ابوالحسن میں بہت جلد دنیا سے جا رہی ہوں اور میرے بچے کہ ابھی اپنے نانا کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں اب بے ماں کے بھی ہو جائینگے۔ اے ابوالحسن ہمیشہ دھیان میں رکھئے کہ بے ماں کے بچوں کا دل بہت نازک ہے اور ذرا سی بھی نا ملائم بات پر انکا دل مجروح ہو جائے گا۔ پس ان کے ساتھ ایسا طور اختیار کئے رہئے کہ انکو اپنے بے ماں کے ہونے کا احساس نہ ہو سکے۔

اے ابوالحسن میرا جنازہ بوقت شب اٹھایئے اور دفن کیجئے۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ جن لوگوں نے میرے باپ کی موت کے بعد میرے ساتھ دشمنی کی ہے وہ جنازہ میں شریک ہوں یا میری قبر پر آئیں۔ علی پھر رونے لگے اور ہم سب بھی رو رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ فاطمہ کے ہونٹ حرکت کر رہے ہیں۔ ہم خاموش ہو گئے اور سنا کہ پیغمبر کی بیٹی کہہ رہی ہیں "السلام علیک یا جبرئیل، السلام علیک یا ملائکۃ ربی" یہ ان کے آخری الفاظ تھے۔

فرزندان و دختران فاطمہ جونہی سمجھ گئے کہ ماں ان سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گئیں ماں کے سینہ سے لپٹ گئے اور روتے سے کسی کو ہوش نہ تھا کہ بچوں کو ماں کے سینہ سے علیحدہ کریں۔ علی نے دراں حالیکہ انکا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا مجھ سے کہا اے عنتر جیسا کہ تم نے سنا فاطمہ نے وصیت کی ہے کہ رات کے وقت انکو دفن کریں تاکہ جن لوگوں نے رسول اللہ کے انتقال کے بعد اُن سے خصومت کی ہے وہ جنازہ کے ساتھ آئیں اور قبر کے قریب بھی نہ آئیں پس دو آدمیوں کو لاکر قبر کھدواؤ تاکہ میں جب تک فاطمہ کو غسل دیکر دفن کر دوں۔ میں نے دو آدمیوں کو لاکر قبر کھدوائی اور علی اور ان کے چچا عباس اور فضہ اور اسماء بنت عمیس فرزندان و دختران کے ساتھ جسد فاطمہ کو باہر لائے۔ نماز کے بعد علی نے فاطمہ کو قبر میں رکھا۔ علی پھر رونے لگے اور کہا کہ فاطمہ خدا کی قسم تمہاری موت نے جہاں کو میرے لئے تاریک کر دیا اور جب تک زندہ رہوں اس مصیبت کو بھول نہ سکونگا علی نے مجھ سے عباس فضہ و اسماء بنت عمیس سے کہا کہ بچوں کو لیکر گھر چلے جائیں میں بھی آؤنگا۔ میں نے علی سے اجازت لی کہ ٹھہر جاؤں کہ فاطمہ کی پیدائش کے وقت سے انکا خدمت گزار رہا ہوں اور ٹھہر گیا۔ دوسرے لوگ بچوں کو لیکر واپس ہو گئے۔ بہت دیر تک علی اور میں اندھیرے میں قبر کے کنارے بیٹھے رہے۔ علی نے گریہ کیا اور کہنے لگے یا رسول اللہ جو امانت کہ شب عروسی آپ نے میرے سپرد فرمائی تھی اب وہ میں آپ کو واپس کر رہا ہوں۔ فاطمہ کو تو یہ سعادت مل گئی کہ آپ سے ملحق ہو گئیں اب میری یہ آرزو ہے کہ جلد تر آپ سے مل جاؤں۔

علی نے مناجات شروع کی اور عرض کیا خدایا میرے لئے جو تو پسند کرے حتیٰ کہ فاطمہ کی موت پر بھی میں تیری رضا پر راضی ہوں مگر تجھ سے میری اتنی درخواست ہے کہ مجھے طاقت عطا فرما کہ میں اس مصیبتِ عظیم کا تحمل کر سکوں۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ علی نے کنارِ قبر نماز ادا کی اور پھر کنارِ قبر بیٹھ گئے تا آنکہ آفتاب طلوع ہوا اور علی فاطمہ سے خدا حافظی کر کے واپس ہوئے۔

عقدِ اُم کلثوم کی ایک جھوٹی روایت

آلِ رسول کے رتبہ کو گھٹانے اور دیگر لوگوں کو اونچا کرنے کی کوششوں میں سے ایک جھوٹی روایت یہ بھی ہے کہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے جب انکی عمر ۶ سال کی تھی حضرت عمر نے اپنی پیرانہ سالی کے زمانہ میں نکاح کیا اور انکا مقصد اس سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آلِ رسول سے رشتہ قائم ہونے کی بنا پر اُن پر جنت واجب ہو جائے۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے اس ننھی شہزادی کی ران پر ہاتھ مارا وغیرہ یہ جھوٹی روایت

روایت مختلف مکروہات کا مجموعہ ہے حقیقت یہ ہے کہ جس اُم کلثوم نامی لڑکی کا نکاح حضرت عمر سے ہوا وہ حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اسماء بنت عمیس کا عقد پہلے حضرت جعفر طیار سے ہوا تھا۔ جنگ موتہ میں ان کی شہادت کے بعد وہ حضرت ابوبکر کے نکاح میں آئیں۔ ابوبکر کے صلب سے ایک لڑکی اُم کلثوم اور ایک لڑکا محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔ ابوبکر کے انتقال کے بعد اسماء بنتِ عمیس حضرت علی کے عقد میں آئیں اور یہ دونوں فرزند و دختر اپنی ماں کے ساتھ حضرت علی کے گھر آئے اور وہیں پر ورش پائی۔ حضرت عائشہ نے اپنی سوتیلی بہن ام کلثوم کو حضرت عمر کے ذریعہ طلب کروایا اور حضرت علی نے ان کو حضرت عمر کے گھر بھیج دیا چنانچہ کتاب بوارق کے مصنف نے استیعاب ابن عبدالبر اور کنز العمال ملا محمد تقی کے حوالہ سے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے۔

اُم کلثوم دختر ابوبکر بود۔ مادرش اسماء بنت عمیس کہ اولاً زنِ جعفر طیار بود بازبہ نکاحِ ابوبکر آمد۔ محمد نام پسر و ام کلثوم نام دختر زائید۔ بعد ازاں بہ نکاح علی ابن ابی طالب در آمد۔ ام کلثوم ہمراہِ مادر آمدہ۔ عمر بن الخطاب با ام کلثوم دختر ابوبکر نکاح کرد۔

کشف الغمہ ترجمہ موطا مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور ۱۲۸۰ھ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کی ایک اور زوجہ حبیبہ بنتِ خارجہ تھیں۔ جب ابوبکر کا انتقال ۱۳ھ میں ہوا۔ حبیبہ بنتِ خارجہ حاملہ تھیں۔ ام کلثوم نامی ایک لڑکی ان کے بطن سے ۱۴ھ میں پیدا ہوئی۔ حضرت عمر کی تین بیویاں تھیں اور اتفاق سے ہر ایک کا نام اُم کلثوم تھا۔ ان مشترک ناموں کی وجہ سے بھی اشتباہ پیدا ہوا۔

(۱) حضرت عمر کی پہلی زوجہ ام کلثوم بنت جرول خزاعیہ تھیں۔ ان کے بطن سے عبداللہ اور زید پیدا ہوئے۔ جب حضرت عمر نے اسلام قبول کیا تو جرول خزاعیہ نے اسلام قبول کرنے سے اِنکار کیا۔ حضرت عمر نے انکو طلاق دیدی۔ (ملاحظہ ہوں تاریخ کاملِ ابن اثیر جلد ۳ صہ ۲۲ و اصابہ صہ ۴۹۳ و نیز صحیح بخاری)

(۲) دوسری زوجہ ام کلثوم بنتِ عقبہ بن ابی معیط تھیں۔ یہ پہلے عمرو بن العاص کی زوجیت میں تھیں۔ انھوں نے بعد میں حضرت عمر سے عقد کر لیا (ملاحظہ ہوں تفسیر کبیر فخرالدین رازی جلد ہشتم صہ ۱۹۱ و صحیح بخاری جلد ۳ صہ ۷ و قسطلانی مطبوعہ مطبع نولکشور جلد ۴ صہ ۳۶۹)

(۳) تیسری زوجہ ام کلثوم بنت جمیلہ بن عاصم بن ثابت تھیں۔ (ملاحظہ ہو تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد ۲ صہ ۲۵۱)

حضرت عمر کی تینوں بیویوں کا نام ام کلثوم تھا جنکی صراحت بحوالہ اسناد اوپر کیگئی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے ام کلثوم بنتِ ابوبکر سے نِکاح کیا جیسا کہ استیعاب ابن عبدالبر اور کنز العمال ملا محمد تقی سے ظاہر ہے۔ جھوٹی روایت بنانے والوں نے ناموں کے اس اشتباہ سے فائدہ اٹھایا اور ایک ام کلثوم کو جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بیٹی بیان کر دیا۔

حضرت فاطمہ زہرا کے بطن سے دو لڑکے حسن و حسین اور دو صاحبزادیاں زینب و اُم کلثوم پیدا ہوئیں۔

اور بطن مادر ہی میں جناب محسن کی شہادت واقع ہوگئی۔ حضرت زینب کا عقد حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار سے ہوا اور حضرت ام کلثوم کا عقد حضرت محمد بن جعفر طیار کے ساتھ ہوا۔

ہم نے صرف مختصر تحریر پر اکتفا کیا ہے۔ مبینہ عقدِ ام کلثوم کی رد میں کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جنمیں مدلل تشریحات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) رسالہ کنز کلثوم مولفہ سید علی اظہر صاحب رئیس کھجوا۔
(۲) رسالہ شرح کنز کلثوم مولفہ مولانا سید سجاد حسین صاحب۔
(۳) کتاب مستطاب تنزیہ اثنا عشری مولفہ مرزا احمد کامل دہلوی۔
(۴) قول موثوق مولفہ جناب برکات حسین سجادہ نشین خانقاہ مارہرہ ضلع ایٹہ۔

حضرت عثمان کا قرآن جمع کرنا اور حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن مسترد کر کے زید بن ثابت کا نسخہ رائج کرنا

حضرت ابو بکر نے اپنے زمانہ خلافت میں کوشش کی تھی کہ قرآن کو جو اس وقت تک یکجائی کتاب کی صورت میں نہ تھا جمع کیا جائے مگر یہ کوشش کوئی عملی صورت اختیار نہ کر سکی۔ خلافت ثانیہ کے زمانہ میں بھی مزید کوئی اقدام نہ ہوا۔ حضرت عثمان نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ حکم دیا کہ جن جن لوگوں کے پاس قرآن کے جمع کئے ہوئے نسخے ہیں حکومت کے پاس پیش کر دیئے جائیں۔ بادی النظر میں یہ ایک اچھی کوشش تھی کہ قرآن کو جو اب تک چیدہ چیدہ آیتوں اور منتشر حالت میں تھا ایک جگہ جمع کیا جائے اور اگر مختلف لوگوں کے جمع کئے ہوئے نسخوں میں آیات یا الفاظ یا زیر و زبر کا فرق ہو تو جمع کنندہ اشخاص کے ثقہ ہونے اور درجہ اعتبار کا لحاظ کرتے ہوئے ہر ہر آیت کے صحیح ترین نسخہ کی تلاش یا تعین کیا جائے۔ حضرت عثمان نے سب لوگوں کے پاس سے ان کے جمع کئے ہوئے نسخے طلب کئے اور حضرت علی علیہ السلام کا جمع کیا ہوا نسخہ بھی طلب کر لیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے (جو عقیدت مندانِ اہل بیت میں سے تھے) جب یہ دیکھ کر کہ نسخہ ہائے قرآن جلائے جا رہے ہیں اپنا نسخہ قرآن دینے سے انکار کر دیا تو خلیفہ ثالث کے حکم سے عبداللہ ابن مسعود کو خوب زدو کوب کیا گیا اور ان کا نسخہ قرآن بھی لے کر آگ میں ڈال دیا گیا۔ کتب اہل سنت کی متعدد روایتیں ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود کے نسخہ میں حضرت علی اور اہل بیت علیہم السلام کے نام کئی مقامات پر موجود تھے اور اہل بیت علیہ السلام کی شان میں اور کئی آیات تھیں۔ اب حضرات حق پسند علی السلام کے جمع کئے ہوئے نسخہ کے متعلق غور فرمائیں کہ آیا یہ نسخہ صد فیصد مستند اور آنکھ بند کر کے قبول کر لئے جانے کے لائق تھا یا مسترد کر دینے یا بعض روایات کے بموجب جلا دیئے جانیکا مستحق تھا اور اس لائق تھا کہ آپ سے عشر عشیر بھی علم قرآن نہ رکھنے والوں کے نسخہ کے مقابلہ میں بھی بے وزن قرار دیا جائے۔ حضرت عثمان نے قرآن کے سابقہ نسخوں میں جو حضرت ابو بکر کے زمانہ میں جمع کئے گئے تھے تعلیم ترتیب

کے لئے ایک ایک کمیٹی بنائی جو زید ابن ثابت عبدالرحمٰن بن زبیر سعید بن العاص اور عبداللہ بن حارث بن ہشام پر مشتمل تھی۔ یہ حضرات سب کے سب حضرت علی علیہ السلام کے مخالفین میں سے تھے۔

رسول اللہ فرما چکے تھے قرآن معہ علی و علی معہ القرآن وانہما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض رسول اللہ نے یہ بھی فرما دیا تھا انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی وانہمالن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض۔

جناب علی علیہ السلام کے علم کتاب کی سند خود قرآن میں آچکی تھی جیسا کہ ارشاد ہے وَیَقُولُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ۔ یہ آیت اس وقت کی ہے جب حضرت علی علیہ السلام کی عمر دس گیارہ سال کی ہی تھی اس طرح بچپن سے حضرت علی کو علم الکتاب حاصل ہونا قرآن سے ثابت تھا۔ حضرت علی کا وارث کتاب بحکم خدا ہونا بھی آیت ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا سے ثابت تھا۔ پھر علم علی کی مزید شہادت حضرت رسول یہ فرما کر بھی دے گئے تھے کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا۔ سب کو یہ بھی معلوم تھا (جیسا کہ ملا جامی کی شواہد النبوۃ میں بھی درج ہے) کہ حضرت علی گھوڑے کی ایک رکاب میں پاؤں ڈالکر دوسری رکاب میں پاؤں رکھنے تک قرآن شریف کا ایک دور فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام خود فرماتے تھے سلونی قبل ان تفقدونی مجھ سے پوچھ لو جس کو کتاب خدا کے متعلق یا جس امر کے متعلق جو کچھ پوچھنا ہو کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کونسی آیت کس موقعہ پر سفر میں حضر میں گھر میں یا پہاڑ پر اور کس غرض سے نازل ہوئی اور اس کے ظاہری معنی کیا ہیں اور باطنی معنی کیا ہیں۔ کشف الظنون میں درج ہے کہ عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ بہ تحقیق قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔ کوئی حرف اس کا ایسا نہیں جس کے لئے ظاہر و باطن نہو۔ اور بہ تحقیق حضرت علی کے پاس اس کا ظاہر و باطن ہے۔ خوارزمی اور طبرانی نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ انھوں نے ستر سورتیں سرور کائنات سے پڑھیں اور پورا قرآن تمام آدمیوں کے بہترین حضرت علی سے ختم کیا۔

حضرت علی علیہ السلام خود ارشاد فرماتے تھے کہ میری حیثیت قطب آسیا کی ہے (جس کے اطراف سب چیزیں گردش کرتی ہیں) مجھ سے علم کی سیل جاری ہوتی ہے اور میرے علم کی بلندیوں کو کسی کے خیال کا طائر پرواز چھو نہیں سکتا آپ کا یہ قول تھا کہ قرآن شریف میں جو کچھ ہے وہ سمٹ کر سورۂ فاتحہ میں آگیا ہے اور جو کچھ سورۂ حمد میں ہے اس کا خلاصہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اس کا خلاصہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ سمٹ کر نقطۂ تحت بائے بسم اللہ میں آگیا ہے اور اس کے بعد یہ فرماتے ہیں اَنَا نُقْطَۃُ تَحْتِ بائے بسم اللہ۔ یعنی بائے بسم اللہ کا وہ نقطہ میں ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام کی اس شان اور عالم و وارث کتاب خدا ہونے پر فرمودات خدا اور رسول کے بعد کسی شخص کو شبہ ہو سکتا ہے جو خدا اور رسول خدا دونوں پر شبہ کرے۔ اس عالم لدنی کے جمع کئے ہوئے قرآن کے سوا اور کونسا نسخہ مستند ہو سکتا تھا اور قبول کیا جا سکتا تھا۔

اس کو ستم ظریفی سے تعبیر کیا جائے یا جو چاہیے کہئے کہ حضرت عثمان نے علی مرتضیٰ کے جمع کئے ہوئے نسخہ قرآن کو رد کر دیا اور زید ابن ثابت کا جمع کیا ہوا نسخہ بمقابلہ علی مرتضیٰ کے نسخہ کے قابل قبول قرار دیکر اسکو رائج کر دیا۔

خوارزمی نے عبد خیر سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا انتقال فرما گئے تو میں نے قسم کھائی کہ اپنی پشت سے ردا نہ اتارونگا (یعنی آرام نہ کرونگا) جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں جو کچھ کہ وہ دونوں لوحوں میں ہے۔ پس میں نے اپنی پشت سے ردا نہ اتاری جب تک کہ تمام قرآن جمع نہ کر لیا علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں ان علی احد من جمع القرآن وعرضہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی علی وہ شخص ہیں کہ جمع کیا قرآن کو اور پیش کیا اس کو آنحضرت کی جناب میں اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے اس جمع کئے ہوئے قرآن کو حضرت رسول خدا کی توثیق بھی حاصل ہو چکی تھی۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے قرآن کو ترتیب تنزیل کے موافق جمع کیا تھا محمد بن سیرین لکھتے ہیں کہ حضرت علی کا جمع کیا ہوا قرآن ہم تک پہنچتا تو علم و حکمت کا بڑا خزانہ ہوتا کیونکہ آپ نے اس کو بالکلیہ اسی ترتیب سے جمع کیا تھا جس ترتیب سے آیات نازل ہوئی تھیں اور کوئی آیات یا سورہ مقدم کا موخر یا موخر کا مقدم ہوتا اور نہ زیر و زبر میں اشتباہ پیدا ہوتا۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ و ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴)

ابو عمر عثمان الدانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کے جمع کئے ہوئے قرآن میں سب سے پہلے سورہ اقراء تھا پھر مدثر پھر سورہ مزمل پھر تبت یدا پھر تکویر اسی طرح مکی سورتیں اور مدنی سورتیں باعتبار سلسلہ تنزیل درج کی گئی تھیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ مکی آیتیں مدنی آیتوں میں اور مدنی آیتیں مکی آیتوں میں مخلوط ہیں۔ تیس پاروں کی تقسیم محض ضخامت صفحات کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے سورے آخر میں پارہ عم میں جمع کر دیئے گئے ہیں خواہ ان میں کے چند بہت ابتدائی ہوں یا درمیانی ضخامت کے اعتبار سے جہاں کسی سورہ کی درمیانی آیت جس کسی پارہ کے شروع میں آگئی ہے اس کے اعتبار سے پارہ کا نام رکھدیا گیا ہے اکثر سوروں کا ایک حصہ ایک پارہ میں آیا ہے اور باقی حصہ دوسرے پارہ میں بہر حال سوائے ضخامت صفحات کے اصل ترتیب تنزیل قرآن مطلقاً پیش نظر نہیں رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے پہلے کی آیتیں بعد اور بعد کی آیتیں پہلے ہو گئیں جس سے ناسخ و منسوخ کے تعین کرنے میں دشواری پیدا ہو گئی ہے اور مطالب بہت کچھ خلط ملط ہو گئے ہیں۔

ڈاکٹر طہ حسین اپنی کتاب فتنۃ الکبریٰ کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں: "ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصحف کی کتابت کا کام آپ (حضرت عثمان) نے صحابہ میں سے چند افراد کے حوالہ کر دیا اور ان قاریوں کو نظر انداز کر دیا جنھوں نے قرآن خود نبی سے سنا اور سیکھا تھا اور شہروں میں بہت سے لوگوں کو اس کی تعلیم دی تھی۔ مناسب تھا کہ ان سب قاریوں کو جمع کرتے اور کتابت مصحف کا کام ان کے ذمہ کرتے۔ یہیں سے ہم کو عبداللہ

ابن مسعود کی ناراضی کا پتہ چلتا ہے وہ قرآن کے سب سے بڑے حافظ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے میں نے ستر سورتیں حاصل کی تھیں جب زید بن ثابت سن تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے۔ ایسی حالت میں حضرت عثمان کا زید بن ثابت اور ان کے ساتھیوں کو موقع دینا عبداللہ ابن مسعود وغیرہ کو نظر انداز کر دینا ہم کو آسانی کیساتھ اس نتیجہ تک پہنچاتا ہے کہ اس سے اعتراض اور کشیدگی کے جذبات پیدا ہوئے۔"

گو کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے حضرت علی علیہ السلام اور ان کے جمع کئے ہوئے قرآن کا کوئی ذکر اس موقع پر نہیں کیا ہے (جس کی وجہ بمشکل ہی سمجھ میں آسکتی ہے) مگر با ایں ہمہ عبارت صدر سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں بھی وہ طریقہ قابل اعتراض تھا جو حضرت عثمان نے جمع قرآن کے لئے اختیار کیا تھا۔

تحریف قرآن کے متعلق علماء کی رائے

اس ضمن میں چند سطور لکھنا بے محل نہ ہوگا کہ قرآن مجید میں کوئی تحریف یا رد و بدل ہونے یا نہ ہونے سے متعلق علماء کا کیا خیال ہے اور اگر کوئی تبدیلی ہوئی ہے تو وہ نفس قرآن پر اثر ڈالتی ہے یا نہیں۔ چند امور جو ہر فرقۂ اسلام کے مسلمہ ہیں وہ یہ ہیں کہ موجودہ قرآنی نسخہ اس ترتیب کے اعتبار سے نہیں ہے جس طرح سے کہ آیات نازل ہوئی تھیں، مکی آیتیں مدنی سورتوں میں اور مدنی آیتیں مکی سورتوں میں جا ملی ہیں متعدد سنی محدثین کی رائے کے اعتبار سے نہ صرف ایک ہی آیت کے اجزا مقدم مؤخر بھی ہو گئے ہیں بلکہ بہت سی آیتیں متروک ہو گئی ہیں اور اب قرآن میں موجود نہیں ہیں اس کے متعلق شیعہ علماء کی رائے یہ ہے کہ بجز آیات کی ادھر سے ادھر تبدیلی کے جو صاف ظاہر اور بدیہی ہے کوئی تحریف یا کمی زیادتی قرآن میں نہیں ہوئی ہے۔ اور یہ درحقیقت اصل قرآن ہی ہے۔ آیت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی قرآن ہی کہلاتی ہے۔ پورا سورہ قرآن ہے اور سورتوں کا مجموعہ بھی قرآن ہے کسی آیت کے ادھر سے ادھر رکھنے سے وہ قرآن کی تعریف سے خارج نہیں ہوتی اور گو کہ اس کا امکان ہے کہ ایسا ہو جانے کی وجہ سے مطالب کے سمجھنے اور ناسخ و منسوخ کے معلوم کرنے میں دشواری ہو مگر ائمہ معصومین علیہم السلام کی تفسیرات اس کے لئے بالکل کافی ہیں کہ صحیح مطالب سمجھنے میں آجائیں تمام ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اسی بات کا حکم دیا ہے کہ قرآن جس طرح موجود ہے اسی پر عمل کرو اسی سے تمسک کرو۔

بعض اہل سنت شیعوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں اور جب ایسا ہے تو گویا ان کا ایمان اس قرآن پر نہیں ہے۔ غور کیا جائے تو تحریف قرآن کی تمام تر روائتیں کتب اہل سنت ہی میں جا بجا مذکور ہیں اور تحریف کا معاملہ "اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست" کا مصداق ہے جیسا کہ ہم ذیل میں درج کریں گے۔ سورہ حجر کی آیت وہ ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون یعنی ہم ہی نے ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اس آیت میں لفظ ذکر سے کیا مراد ہے اس کے متعلق خود متعدد سنی علماء و محدثین نے یہ لکھا ہے کہ ذکر سے مراد خود حضرت رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کی حفاظت کا وعدہ اس میں فرمایا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اور مقامات پر بھی حضرت رسول کو لفظ ذکر سے یاد فرمایا ہے۔ جیسے فرماتا ہے
قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکُمۡ ذِکۡرًا رَّسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ علامہ طبری تفسیر طبری جلد ۱۴ ص۶ (مطبوعہ
مصر) پر لکھتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلعم کے دشمن آپ کے ساتھ جو بُرائی کرنا
چاہتے ہیں اس سے حضرت کی حفاظت خدا کرنیوالا ہے۔ تفسیر بیضاوی جلد ا ص۳۷۴ مطبوعہ مصر میں علامہ
بیضاوی لکھتے ہیں۔ قیل الضمیر فی لہ للنبی یعنی اس آیت میں لہ کی ضمیر حضرت رسول خدا کی طرف پھرتی ہے۔
تفسیر خازن جلد ۳ ص۹ پر علامہ خازن علامہ ابن سائب اور مقاتل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انا لہ لحافظون کا
اشارہ حضرت رسول خدا کی طرف ہے جیسا کہ واللہ یعصمک من الناس میں حضرت رسول کی حفاظت کا
وعدہ ہے۔ صدیق حسن خاں بھوپالی تفسیر فتح البیان جلد ۵ ص۱۷۳ پر لکھتے ہیں" وقیل الضمیر فی لہ الرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی مفسران نے بیان کیا ہے کہ لہ کی ضمیر حضرت رسول صلعم کے لئے ہے۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۵
ص۳۱۷ پر علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ منہم من اعادہ الضمیر فی قولہ لہ لحافظون علی النبی کقولہ واللہ یعصمک
من الناس یعنی اور مفسرین میں وہ حضرات بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ لہ کی ضمیر حضرت رسول خدا صلعم کی طرف
پھرتی ہے کہ خدا نے آنحضرت کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے تفسیر کبیر جلد ۵ ص۳۸۰ پر علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں۔
کہ اس آیت میں لفظ ذکر سے قرآن مجید یا حضرت رسول خدا دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح خود متعدد سنّی
مفسرین نے یہ رائے ظاہر کر دی کہ اس آیت میں حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت رسول کیلئے ہے
قرآن کے لئے نہیں ہے۔ بعضوں نے کہا صرف قرآن مراد ہے بعضوں نے کہا دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں۔ بہر حال
اس قسم کی روایتوں نے لوگوں کے لئے مضمون کو اور پیچیدہ کر دیا۔

قرآن مجید کے حروف کی تعداد یعنی حجم کے متعلق بھی ایک دوسرے سے مختلف روایتیں محدثین نے درج
کی ہیں۔ سیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں۔ قرآن میں کل ۳ لاکھ تیس ہزار ۶ سو اکہتر حروف ہیں۔ سیوطی ہی حضرت
عمر سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن میں دس لاکھ ستائیس ہزار حروف ہیں ملاحظہ ہو اتقان جلد ا ص۷۲
اب شمار کے اعتبار سے دو لاکھ سینسٹھ ہزار باون حروف ہیں۔ ان اختلافات بیان نے لوگوں کو اور مشتبہ کیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور جلد ا ص۲ اور جلد ۶ ص۴۱۶ پر اور علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ا
ص۱۶۹ پر متعدد روایتوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں سورہ قل اعوذ برب الفلق اور سورۂ قل اعوذ برب الناس
قرآن مجید کا جزو ہی نہ تھے بلکہ حضرت رسول خدا نے صرف تعویذ کے لئے ان دونوں کا حکم دیا تھا ان روایتوں میں سے
بعض میں تو یہ بھی ہے کہ سورہ فاتحہ تک قرآن کا جزو نہ تھا۔ تفسیر درمنثور جلد ۲ ص۱۸۱ پر درج ہے کہ سورتوں کا
علیحدہ علیحدہ کوئی نام نہ تھا جیسا اب ہر ایک سورہ کو دیا گیا ہے۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے
فرمایا" یہ نہ کہنا کہ وہ سورہ بقر آل عمران وغیرہ بلکہ اس طرح کہا کرو وہ سورہ جس میں بقر کا ذکر ہے وہ سورہ جس میں

آلِ عمران کا ذکر اسی طرح پورے قرآن کو تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ اتقان جلد ۲
مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵ پر حضرت عائشہ کی زبانی روایت سورۂ احزاب کے متعلق اس طرح درج ہے۔ عن عائشہ
قالت کانت الاحزاب تقرء فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مائی آیۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم یقدر منہا الا
ماھوالان یعنی حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ سورۂ احزاب میں جو رسول خدا کے زمانہ میں ہم لوگ پڑھتے تھے وہ دو سو
آیتیں تھیں اور جب عثمان نے مصحف لکھایا تو اس وقت جو موجود ہے اس سے زیادہ نہ ملا۔ اب صرف ۷۳ آیتیں
سورہ احزاب میں ہیں۔ گویا ۱۲۷ کا فرق ہے۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۶۹ ہے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ
خداوند تعالیٰ نے آیۂ رجم اور آیۂ رضاع الکبیر نازل فرمائیں یہ دونوں آیتیں لکھی ہوئی میرے تکیہ کے نیچے رکھی
ہوئی تھیں ہم تو آنحضرت کے مرض میں مشغول ہوئے اور ایک بکری آن کر کھا گئی۔ اتقان کے صفحہ مذکورہ بالا پر
عبداللہ ابن عمر کی یہ روایت درج ہے۔ عن عمر قال لا یقول احد اخذ قد اخذت القرآن کلہ وما یدریہ کلہ
قد ذھب منہ قرآن کثیر ولکن لیقل قد اخذت منہ ما ظہر (یعنی عبداللہ بن عمر کہتے ہیں تم میں سے یہ کوئی نہ
کہے کہ میں نے پورا قرآن حاصل کیا ہے حالانکہ اس کو نہیں معلوم کہ پورا قرآن کس قدر تھا کیونکہ بہت سا قرآن کا
حصہ جاتا رہا۔ لیکن چاہیئے کہ یہ کہے کہ جو کچھ ظاہر ہے اس کو میں نے حاصل کیا) مکی اور مدنی آیتیں مخلوط ہو کر درج
ہوجانے سے متعلق سیوطی فخرالدین رازی سفیان ثوری شہر بن حوشب وغیرہ متعدد محدثین نے تفصیل سے سوروں کے
نام اور ان آیتوں کو بھی درج کیا ہے جو مخلوط ہوئی ہیں۔ ہم مثال کے طور پر صرف چند کو درج کریں گے تفسیر
درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲ پر سیوطی لکھتے ہیں۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ سورۂ انعام ایک ہی دفعہ مکہ میں نازل
ہوئی سوائے تین آیتوں کے جو مدینہ میں نازل ہوئیں قرآن مجید میں یہ مکی سورہ لکھا ہوا ہے شہر بن حوشب کہتے
ہیں سورۂ انعام میں دو مدنی آیتیں شامل ہیں تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲ پر فخرالدین رازی لکھتے ہیں اس سورہ کی
چھ آیتیں مدنی ہیں باقی مکی ہیں۔ سیوطی کہتے ہیں سورہ رعد کی ایک آیت مکہ میں نازل ہوئی باقی سورہ مدنی ہے
فخرالدین رازی لکھتے ہیں سورۂ رعد مکی ہے اور صرف ایک آیت اسی کی مدنی ہے۔ فخرالدین رازی سورۂ عنکبوت کی
دس آیتیں مدنی باقی مکی کہتے ہیں بعض کہتے ہیں دس آیتیں مکی ہیں باقی سب مدنی ہیں۔ علامہ رازی سورۂ
حج کی ۳ آیتیں مدنی باقی مکی کہتے ہیں سیوطی کہتے ہیں سورہ حج کی چار آیتیں مدنی اور باقی مکی ہیں بہرحال اسی طرح
سورۂ اعراف، ابراہیم، نحل، بنی اسرائیل کہف، شعرا، قصص، لقمان، سجدہ، سبا، زمر، دخان، تغابن،
ملک اور سورۂ مزمل میں مکی اور مدنی آیتیں مخلوط ہونا متذکرہ صدر مفسرین لکھتے ہیں۔ متحو محی مفسرین نے اس سے
اتفاق کیا ہے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا
خم غدیر کے خطبہ کے بعد ۱۸ ذالحجہ سنہ ۱۰ کے دن یعنی حضرت رسول کے انتقال سے تقریباً دو ماہ قبل نازل
ہوئی اسی طرح یہ بالکل آخری آیات میں سے ہے مگر اب پارہ ۶ سورۂ مائدہ میں درج ہے۔ تمام محدثین کا اس پر اجماع

ہے کہ سب سے پہلی آیت جو جبرئیل لیکر نازل ہوئے وہ اقرا باسم ربک الذی تھی اور اس طرح یہ قرآن کی سب سے پہلی آیت ہونی چاہیئے تھی۔ اب یہ آخری پارہ میں درج ہے۔

سنی مفسرین نے نہ صرف آیات مخلوط ہونا لکھا ہے بلکہ حروف و الفاظ کی تبدیلی بھی لکھتے ہیں۔ چنانچہ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۴ پر سیوطی لکھتے ہیں کہ خود سورہ فاتحہ میں ابن عباس اھدنا الصراط میں بجائے ص کے س یعنی سراط پڑھتے تھے ابن کثیر بھی سراط س سے پڑھتے تھے حمزہ زراط ز سے پڑھتے تھے۔ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۵۱ پر ہے کہ اعمش کہتے تھے کہ سورہ بقرہ پ ۱ ع ۴ میں فازلہما الشیطان نہیں تھا بلکہ فوسوس لہما الشیطان تھا۔ اسی طرح من بقلہا وقثائہا و فومہا میں ثومہا تھا۔ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۵۲ پر سیوطی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام سورہ بقرہ کی آیت آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنوں میں وآمن المومنون تلاوت فرماتے تھے۔ آل عمران رکوع ۱/۱ کی آیت کو ابی بن کعب اور حضرت عمر الحی القیوم کی بجائے الحی القیام پڑھتے تھے۔ درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ پر ہے کہ سورہ نساء رکوع ۱/۲ میں فانکحوا ما طاب لکم کی بجائے ما طیب لکم تھا آل عمران رکوع ۸/۱۴ میں مجاہد تعلمون الکتاب کے بجائے تعلمون الکتاب بفرق اعراب پڑھتے تھے۔ سیوطی نے اس طرح چوراسی ۸۴ آیتیں درج کی ہیں جن میں الفاظ کی ردو بدل وہ بیان کرتے ہیں۔ ان میں مفسرین نے ایسی آیتیں بھی درج کی ہیں جن میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا نام اور آل محمد کے الفاظ موجود تھے۔ چنانچہ سیوطی درمنثور میں اور مرزا محمد بن معتمد خاں بدخشانی مفتاح النجا میں لکھتے ہیں کہ پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۱۰ کی آیت کی قرات زمانہ رسول اللہ میں یوں ہوتی تھی:

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ

اب آیت میں ان علیا مولی المومنین کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ سورہ آل عمران کی آیت ۳۳ کے متعلق ثعلبی اپنی تفسیر میں اپنے استاد ابی وائل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے مصحف عبداللہ ابن مسعود کو جو پڑھا تو آیت ان اللہ اصطفی آدم ونوحا وآل ابراہیم وآل عمران علی العالمین میں آل عمران کے بعد آل محمد کے الفاظ موجود تھے۔ اسی طرح سورہ شوری کی آیت ۵۱ میں انہ علی حکیم کی بجائے علی حکیم تھا اور سورہ والصفت کی آیت ۱۳۰ میں بجائے سَلٰمٌ عَلٰی اِلْ یَاسِیْنَ کے "سَلٰمٌ عَلٰی آلِ یٰسِیْنَ" تھا۔ ابن طلحہ الشافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں اور نیز مفتاح النجا میں سورہ احزاب کے رکوع ۳ کی آیت کے متعلق درج ہے:

من عبداللہ ابن مسعود و قال کان یقرء وکفی اللہ المومنین القتال بعلی وکان اللہ قویا عزیزا۔ اب اس آیت میں بعلی کے الفاظ نہیں ہیں اسی طرح خوارزمی نے مناقب میں حضرت حسن بصری سے روایت کی ہے کہ سورہ حجر کی آیت الم اس طرح تھی ھذا صراط علی مستقیم اب صراط علی مستقیم بفرق اعراب درج ہے الغرض محدثین اہل سنت نے تبدیلی و ترک و کمی آیات خواہ بالعمد ہو یا سہوا کچھ ایسی شرح و بسط سے لکھا ہے کہ خواہ مخواہ گمان پیدا ہو کہ یہ کیا معاملہ ہے اور اتنی کثیر روایتیں ردو بدل و تحریف کے متعلق آخر کیا معنی رکھتی ہیں۔ علامہ ابن

ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ حضرت عثمان کے متعلق کہا کرتی تھیں (۱) اقتلوحراق المصاحف یعنی قرآن کو جلانے والے کو قتل کر ڈالو۔

باب نہم

حضرت عثمان کے تحریف قرآن کرنیکے متعلق حضرت عائشہ کا اظہار خیال

جرمن مورخ کورت فریشلر آلمانی نے اپنی کتاب "عائشہ بعد از پیغمبر" میں جسکا ترجمہ بزبان فارسی ذبیح اللہ منصوری نے کیا ہے بصفحہ ۲۹۶ (ترجمہ) یہ لکھا ہے کہ اول تو عائشہ نے طلحہ کو عمر کی جگہ خلیفہ بنانیکی مقدور بھر کوشش کی مگر جب اسمیں ناکامی ہوئی تو علی کو خلافت سے دور رکھنے کیلئے عائشہ و عثمان کے درمیان یہ عہد و پیمان ہوا کہ وہ خلافت پر عثمان کا انتخاب کروائنگی اور اس کے عوض عثمان عائشہ کا وظیفہ ایک لاکھ اسی ہزار درھم سے بڑھا کر پانچ لاکھ درھم کر دینگے۔ مگر خلافت حاصل ہو جانیکے بعد جب عثمان نے اس عہد کو پورا نہ کیا تو عائشہ ان کی دشمن ہوگئیں اور ان کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اس سلسلہ میں حضرت عائشہ نے سر بسر اور وہ لوگوں کو جمع کر کے تقریریں کیں اور انہیں یہ بتانے کے علاوہ کہ عثمان نے خلافت کی آبرو کو مٹی میں ملا دیا ہے اور احکام دین کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے اور خلیفہ مسلمین ہوتے ہوئے اپنے اوقات عیش وعشرت میں بسر کرتے ہیں حضرت عائشہ نے حضرت عثمان کے تحریف قرآن کرنیکا بھی اظہار کیا۔ اس کے متعلق صد ۲۹۶ کی اصل فارسی عبارت ہم نے اس کتاب کے دوسرے مقام پر نقل کی ہے۔ یہاں ہم اسکا اردو ترجمہ درج کر دیتے ہیں۔

"عائشہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر آئیں تاکہ لوگوں پر اثر پڑے اور سب انکی آواز بخوبی سن سکیں۔ انھوں نے کہا اے مجاہدین راہ خدا عثمان نے مدینہ میں آیات قرآنی جمع کرنے کے عنوان سے کلام خدا میں کتر بونت کر دی اور اس کے ایک حصہ میں تغیر کر ڈالا ہے اور یہ ایسا گناہ ہے جو کسی طرح معاف نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا تم لوگوں کو کہ مجاہد فی سبیل اللہ ہو اس بڑے گناہ کار کو بغیر کیفر کردار تک پہنچائے کے ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔ میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ عثمان کو خلافت سے اکھاڑ پھینکو اور وہ مقاومت کرے اور خلافت سے چمٹا رہنا چاہے تو اس کا خون بہا دو اور اسلام اور مسلمانوں کو اس سے نجات دلاؤ۔"

شیعہ کسی تحریف موثر قرآن کے قائل نہیں ہیں

علمائے اہل شیعہ کی رائے اس ضمن میں واضح ہے کہ فی الواقعی کوئی رد و بدل موثر نفس قرآن عمل میں نہیں آیا ہے۔ سورہ بروج کی آیت ۲۱ ہے۔ بل ھوا قرآن مجید فی لوح محفوظ۔ یعنی یہ تو قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ سورہ واقعہ کی آیات ۷۷ تا ۷۹ ہیں۔ انہ لقران کریم فی کتاب مکنون لایمسہ الا المطہرون یعنی بیشک بڑے رتبہ والا قرآن ہے جو کتاب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس کو کوئی چھو نہیں سکتے بجز ان کے جو پاک و طاہر ہیں۔ یوں تو آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ طباعت قرآن میں مطبع والے زیر زبر یا الفاظ کی بھی غلطیاں کر دیتے ہیں اور

ہندوں کے مطبعوں میں بھی قرآن چھپتے ہیں اور ہر قوم و ملت کے لوگ بلا کسی قسم کی ظاہری یا ایمانی طہارت کے بے تکلف قرآن کو ہاتھ لگاتے اور پڑھتے ہیں خواہ کلام خدا پر اعتراض کرنے کی غرض ہی سے کیوں نہ ہو۔ مگر اس سے نہ تو تحریف لازم آتی ہے اور نہ طہارت متاثر ہوتی ہے۔ کتاب خدا سے مطلب محض طبع شدہ صفحات نہیں ہیں بلکہ وہ نفس آیات ہیں جو تلب رسول پر نازل ہوئے اللہ تعالیٰ اس سے بھی آگاہ فرما دیتا ہے کہ :

یریدون ان یبدلوا کلام اللہ یعنی یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ خداوند عالم کے کلام کو بدل دینگے پارہ ۵ رکوع ۱۸ میں ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ یعنی باتوں کو ان کی اصلی جگہ سے پھیرتے ہیں۔ مگر یہ بھی ارشاد فرماتا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون یعنی قرآن کی حفاظت کا بھی وعدہ فرماتا ہے" اب دیکھنا یہ ہے کہ حفاظت قرآن کا اللہ تعالیٰ نے کیا انتظام فرمایا ہے۔

ارشاد باری ہے ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا یعنی پھر ہم نے کتاب کا وارث ان کو بنا دیا جن کو اپنے بندوں میں سے ہم نے چن لیا۔ حضرت رسول کا ارشاد ہے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بہما لا تضلوا بعدی وانہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ اس ارشاد کے آخری الفاظ میں یہ صراحت بھی فرما دیگئی ہے کہ قرآن اور اہل بیت رسول ہر گز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے۔ یعنی قرآن مجید ائمہ اہل بیت اطہار کے پاس بہ حکم خدا اور حسب ارشاد رسول محفوظ ہے اور تا قیامت محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت قرآن کی یہ وہ صیانت کاملہ و مطلقہ ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام سے تمسک رکھنے والے لوگوں کو قرآن کی تحریف یا ضائع ہونے کا نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ جوکھم۔ جب ان ہی ائمہ طاہرین نے اپنے اپنے زمانۂ امامت میں یہ فرمایا کہ اسی قرآن سے جس حالت میں ہے تمسک رکھو اور اسی پر عمل کرو اور کسی امام نے یہ نہیں فرمایا کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے تو پھر کسی دغدغہ یا شبہ کا امکان باقی نہ رہا۔

ہم ذیل میں بعض مشہور شیعہ علماء کی رائے درج کرتے ہیں۔ شیعوں کے

ایک بڑے عالم علامہ شیخ صدوق نے شیعوں کے اعتقادات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام رسالہ اعتقادات ہے جو تمام دنیا کے شیعوں میں مسلم ہے اس کے صفحہ ۲۸ پر وہ لکھتے ہیں ہم شیعوں کا اعتقاد ہے کہ وہ قرآن جس کو خدا نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے وہی ہے جو اس وقت دو دفتیوں کے درمیان میں موجود اور لوگوں میں رائج ہے اس سے زائد نہیں ہے نہ اس سے زایدہ تھا اور اس کے کل سورے لوگوں کے خیال میں ۱۱۴ ہیں اور ہمارے خیال میں سورہ والضحیٰ اور سورہ الم نشرح ایک ہی سورہ ہے اور لایلاف اور الم ترا کیف بھی ایک ہی ہیں اور جو لوگ ہم لوگوں کی طرف یہ نسبت دیں کہ ہم قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ تھا وہ جھوٹے ہیں۔

علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان جلد اصفحہ ۵ پر تحریر فرماتے ہیں "قرآن مجید میں زیادتی کے بارے میں تو اجماع ہے کہ

ہرگز نہیں ہوئی (یا کمی کا مسئلہ تو بعض شخصوں اور فرقہ حشویہ کے عوام سے کچھ فردوں نے روایت کی ہے کہ قرآن مجید میں کچھ تغیر ہوگیا ہے اور اس کی کچھ آیتیں کم ہوگئی ہیں۔ لیکن ہمارے (مذہب شیعہ) کا صحیح عقیدہ اس کے خلاف ہے یعنی قرآن مجید میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ چنانچہ حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمۃ نے اسی اعتقاد کو درست کہا ہے اور اس بحث میں پورا کلام کمال تفصیل و شرح و بسط سے کیا ہے کیونکہ قرآن کی نقل کا علم مثل اس علم کے ہے جو ہم لوگوں کو شہروں بڑے حادثوں عظیم الشان واقعات مشہور کتابوں اور عربی اشعار کا ہوتا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اس میں تغیر یا وہ ناقص ہوگیا ہو۔ حضرت سید مرتضیٰ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی عقیدہ میں امامیہ اور حشویہ سے جو لوگ مخالف ہیں ان کے اختلافات کا لحاظ نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف اصحاب حدیث اس جماعت کی طرف منسوب ہے جنہوں نے ضعیف حدیثیں نقل کی ہیں اور ان کی صحت کا گمان کیا ہے۔ حالانکہ ضعیف حدیثوں کی بنیاد پر کسی صحیح اور یقینی الثبوت امر کو بدلا نہیں جاسکتا ہے"۔

علامہ فتح اللہ کاشانی طاب ثراہ نے لکھا ہے "قرآن مصئون است و محفوظ از زیادت ونقصان و عدم زیادت مجمع علیہ علمائے امت است۔ واما عدم نقصان جمعے از اصحاب حشویہ عامہ برآنند کہ در قرآن تغیر وا نقصان ہست۔ وصحیح در مذہب اخلاف این است وعلم الہدیٰ در مسائل طرابلسیات استیفاء این بحث کردہ تنقیح آں نمودہ ازاں جملہ آوردہ کہ علم بصحت نقل قرآن ہم چو علم است بلدان و حوادث کبار و وقائع عظام وکتب مشہورہ واشعار مسطورہ یعنی ہمچناں کہ شبہ نیست در وجود بلدان وحوادث ووقائع عظیمہ و کتب واشعار مشہورہ معروفہ ہمیں خفائے نیست درآں کہ قرآن ہماں طریق است کہ زنزد خدا یہ سید انبیا نازل گشتہ بدوں شوبہ زیادت ونقص وعنایات و دواعی متوافر است بر نقل وحراست آں چہ قرآن معجزہ نبوی است وماخذ علوم شرعیۃ واحکام دینیہ"۔

(تفسیر منہاج الصادقین جلد ا مقدمہ کتاب ص۳ مطبوعہ ایران) علامہ شیخ الطائفہ محمد بن الحسن طوسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ قرآن مجید کی زیادتی یا کمی کے بارے میں گفتگو کرنا کسی طرح مناسب ہی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کی زیادتی کے باطل ہونے پر تو اجماع قائم ہے رہا کمی کا واقع ہونا تو اس میں بھی ظاہر ہے کہ شیعوں کا مذہب قطعاً اس کے خلاف ہے۔ ہاں بعض روایتیں خاصہ وعامہ کے ہاں ایسی بھی ملتی ہیں جن سے قرآن مجید میں کچھ آیتوں کی کمی یا ایک جگہ سے دوسرے مقام پر کسی آیت کا درج ہو جانا ثابت ہوتا ہے لیکن وہ روایتیں بطریق احاد مروی ہیں جن کے ذریعہ علم قطعی نہیں حاصل ہوتا۔ پس انسب یہ ہے کہ ان روایتوں کی طرف توجہ نہ کی جائے اور ان کے ساتھ اشتغال ترک کر دیا جائے کیونکہ ایسی روایتوں کی تاویل بھی ممکن ہے لیکن ہم ان کو صحیح بھی تسلیم کرلیں تو جو قرآن موجود ہے اس کا قرآن نہ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ جو قرآن اس وقت دونوں دفتیوں کے درمیان ہے ان کا صحیح ہونا اس درجہ یقینی ہے کہ اس پر اُمت رسول سے کوئی شخص اعتراض

کرسکتا اور نہ اس سے انکار کرسکتا ہے چنانچہ ہمارے مذہب کی روایتیں اس باب میں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں کہ اسی قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور جو کچھ اس میں ہے اس سے تمسک کیا جائے اور جو چیزیں فروع میں وارد ہوئی ہیں ان کو قرآن کی طرف رد کیا جائے اور وہ سب قرآن مجید ہی پر منطبق کی جائیں اگر وہ اس قرآن کے مطابق ہوں تو ان پر عمل کیا جائے اور اگر قرآن کے خلاف ہوں تو چھوڑ دی جائیں اور ان سے اجتناب کیا جائے اور روایۃ مسلمہ بین الفریقین (سنی وشیعہ) میں سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا یہ امر وارد ہوا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا:- انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی ما ان تمسکتم بہما لا تضلو بعدی۔ یہ مبارک اور مہتم بالشان حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ قرآن مجید ہر زمانہ میں موجود ہے اور رہیگا کیونکہ یہ امر جائز نہیں ہے کہ ہم پر اس چیز سے تمسک کرنا واجب کیا جائے جس پر ہم قادر ہی نہ ہوں۔ اسی لئے وہی قرآن واجب التمسک ہوگا جو موجود ہے اور ہمارے ہاتھوں میں دکھا ہے جس طرح سے معصوم اور وہ شخص جس کے قول کا اتباع کیا جائے ہر زمانہ میں موجود ہے اور جب وہ قرآن جو ہمارے پاس موجود ہے اس کی صحت پر اجماع ہے تو ہمارے لئے یہی امر لایق و زیبا ہے کہ ہم اس کی تفسیر و بیان و معانی میں مشغول ہوں (کتاب البیان) کتاب کافی اور محاسن میں ایوب بن حارث سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ہر چیز کتاب و سنت سے ملائی جائے پھر جو حدیث کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ جھوٹی ہے۔ کتاب کافی و محاسن میں ابن ابی یعفور سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اختلاف حدیث کے بارے میں دریافت کیا کہ بعض حدیثوں کو معتبر لوگ روایت کرتے ہیں اور بعض کو نا معتبر لوگ تو حضرت نے فرمایا کہ جب کوئی حدیث تم کو ملے اور تم قرآن مجید اور قول رسول سے اس کی تائید پاؤ تو بہتر ورنہ جو شخص اس حدیث کو تمہارے پاس لایا ہے وہی اس کے ساتھ زیادہ سزاوار ہے۔ اساس الاصول میں بھی بہت سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ بعض اہل سنت حضرات شیعوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب شیعہ خلفائے ثلاثہ کو غاصب و خائن کہتے ہیں اور جب قرآن خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں جمع ہوا ہے تو پھر یہ کیسے سمجھتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ نے اس میں تحریف نہ کی ہوگی اسکو صحیح قرآن کیوں سمجھتے ہیں؛ اس کا جواب جو شیعوں کی طرف سے دیا جاتا ہے اور شیعوں کی کتابوں میں ملتا ہے بطور خلاصہ ہم یہاں نوٹ کر دیتے ہیں۔ قرآن خلفائے ثلاثہ یا حضرت عثمان نے جمع کروایا تو کوئی اپنے پاس یا اپنی یادداشت یا حافظے سے نہیں کیا بلکہ لوگوں کے پاس جو جمع شدہ نسخے موجود تھے ان کو طلب کرکے اس میں سے جس کو مناسب سمجھا ایک کو رائج کر دیا اور باقیوں کو تلف کروا دیا۔ قرآن میں تحریف کرنا حکومت ظاہری والوں کے لئے ممکن بھی نہ تھا سینکڑوں حافظِ قرآن موجود تھے ہزاروں کے پاس چیدہ چیدہ سورتوں اور آیتوں کے نسخے بھی تھے ہزاروں کو پورا قرآن نہیں تو بہت سی آیتیں اور سورے سینہ بہ سینہ یاد چلے

آ رہے تھے کا نوں میں تک بھی اشاعت ہو چکی تھی حکومت قرآن میں تغیر کرنا چاہتی بھی تو حکومت کے لئے ہر فائدہ سے زیادہ خطرہ کا سامنا ہوتا اور صلانہ مشد بلا شد کا مضمون ہوتا اور ہر طرف سے خلفشار پیدا ہونا لازمی تھا۔ ذرا بھی عقل رکھنے والا ایسی حرکت علانیہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا پھر قرآن میں رد و بدل کسی بڑے سے بڑے قابل کے بھی بس کی بات نہ تھی۔ تحریف کروانے کیلئے عالمان قرآن و ماہران زبان کی خدمات حاصل کرنی پڑتیں اور ان سب کو راز دار بنانا پڑتا نہ معلوم حکومت کے زیر اثر عالمان قرآن بھی اس چیز پر راضی ہوتے یا نہیں یہ ایسی بات نہ تھی کہ کلیا میں گڑ پھوڑنے کے طور پر جیسی اور جس طرح چاہو حدیثیں وضع کر لو تحریف قرآن کا بھانڈہ فوراً پھوٹ جاتا اور جن اغراض کی تکمیل کی توقع پر یہ سب کچھ کیا جاتا اس سے زیادہ نقصان کی صورت پیدا ہو جاتی اس وجہ سے یہ کہنا کہ خلفائے ثلاثہ شیعوں کے خیال میں خائن تھے تو ان کے زمانہ میں جمع کیا ہوا قرآن شیعہ کیوں قبول کرتے ہیں درست نہ ہوگا۔ یہ اللہ کی قدرت ہے فرعون کے گھر میں بھی موسیٰ کی حفاظت فرماتا ہے حضرت عثمان کے جمع کروانے سے پہلے بھی قرآن موجود تھا۔ حضرت رسول کی بعثت کے بعد سے ۳۰ ھ تک یعنی ۴۳ سال مسلمانوں کا ایمان آخر کس قرآن پر رہا۔ ظاہر ہے کہ ایمان نفس قرآن پر تھا۔ خواہ وہ جمع شدہ ہو یا متفرق ہو یا مختلف لوگوں کے پاس جیدہ جیدہ اور چند کے حافظوں میں محفوظ ہو۔ لوگوں کے پاس سے جمع شدہ نسخے حاصل کئے گئے تو وہ وہی تھے جو لوگوں نے جمع کئے تھے بہر حال کسی نہ کسی صورت میں قرآن موجود تھا۔ خواہ آیات کی رد و بدل شدہ (ایک جگہ سے دوسری جگہ) موجودہ شکل میں نہ ہو دوسری شکل میں ہو۔ بہر حال تھا تو سہی۔ قرآن حضرت رسول کا معجزہ اور آپ کی چھوڑی ہوئی دو امانتوں میں سے ایک امانت ہے اور ہر مومن کا اس پر حق ہے۔ حقدار کی چیز غیر حقدار کے ہاتھ میں چلی جائے بھی تو اس سے حقدار کا حق زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ جہاں کہیں بھی رہے وہ حقدار ہی کی تصور ہوگی۔ مثلاً اگر چور کسی مال کو چرا کر ایک دوسرے کو اور اس طرح کئی ہاتھوں میں منتقل یا فروخت بھی کر دے تو وہ مال اصل مالک کا ہی رہے گا۔ اور دوسرے کے قبضہ غاصبانہ سے نفس مال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس عنوان پر ہم نے جس باب کے تحت لکھا ہے اس کے اعتبار سے حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے نسخہ قرآن کو جس کو خود حضرت رسول خدا کی بھی توثیق حاصل ہو چکی تھی آگ میں ڈالکر دوسروں کا نسخہ قرآن (خواہ زید ابن ثابت ہوں یا کوئی اور) قبول اور رائج کرنے سے نہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی تکلیف روحانی کا باعث ہوا بلکہ خاندان رسول کی تنقیص شان اور ان کے علم کی بھی بے توقیری ہوئی اور سب پر یہ ظاہر کیا گیا کہ اہل بیت رسول میں سے بھی کسی کا علم کوئی اہمیت دینے کے لائق نہیں ہے ورنہ یداللہ کے لکھے ہوئے قرآن کو سر آنکھوں پر رکھا جاتا۔

قبرِ رسولؐ کے قریب امام حسن علیہ السلام کے دفن کی اجازت دینے سے حضرت عائشہ کا انکار اور جنازہ پر تیر بارانی

حضرت امام حسن علیہ السلام کو جو خلق اور حلم میں حضرت رسولؐ کے پورے پورے نمونے تھے

امیر معاویہ نے مجبور کرکے پہلے تو خلع خلافت کروایا اور پھر زہر دلوا کر شہید کروا دیا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے اپنے نانا کے قریب دفن کر دینا اور اگر کوئی معترض ہو تو پھر مجھے جنت البقیع میں میری والدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے قریب دفن کرنا۔ جب آپ کی وفات کے بعد امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی کا جنازہ مزارِ رسول کی طرف لے کر چلے تو لوگوں نے اعتراض کیا بنی ہاشم جنازہ کو لے کر آگے بڑھنا چاہتے تھے کہ جنازہ پر تیر برسائے جانے لگے اور متعدد تیر امام حسن علیہ السلام کے جسم مردہ میں پیوست ہو گئے وجہ تعرض دریافت کی گئی تو بتایا گیا کہ حضرت عائشہ کی اجازت نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے جا کر اجازت طلب کی حیواۃ الحیوان دمیری اور اسد الغابہ ابن اثیر میں ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا روضہ رسول میرے گھر میں ہے میں اجازت نہیں دیتی کہ حسن اس میں دفن ہو۔ روضۃ المناظر ابن شحنہ حنفی میں ہے کہ امام حسن نے وصیت کی تھی کہ اپنے جد رسول کے پاس دفن کئے جائیں۔ لیکن حضرت عائشہ نے دفن نہ ہونے دیا۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ میں ہے کہ حضرت عائشہ خچر پر سوار ہو کر آئی تھیں محمد بن ابوبکر کے فرزند قاسم نے کہا کہ پھوپی جان اب تک ہم جمل احمر کی لڑائی کا داغ سر سے نہ دھو سکے اب آپ چاہتی ہیں کہ لوگ خچر کی لڑائی بھی کہنے لگیں ناسخ التواریخ اور جلاء العیون میں ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ خدا کی قسم جب تک میرے سر میں ایک بال بھی باقی ہے حسن کو یہاں دفن نہ ہونے دوں گی۔ اس کے بعد بنی اُمیّہ کو حکم دیا کہ تیر بارانی شروع کر دیں اور ساتھ ہی تیر برسائے جانے لگے کہ ستر تیر جنازہ میں پیوست ہو گئے سبطِ ابن جوزی تذکرہ میں مسعودی اثبات الوصیۃ میں ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں خداوند شاہ روضۃ الصفا میں احمد بن محمد حنفی ترجمہ اعثم کوفی میں اور نیز تاریخ ابوالفدا میں بھی یہی واقعات مذکور ہیں۔ قابلِ غور ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت ابوبکر و عمر کو رسول اللہ کی قبر کے پاس دفن کرنے کی اجازت نہایت کشادہ دلی سے دی مگر جگر گوشۂ رسول سید الشباب الاہل الجنت کو نانا کے پاس دفن ہونے نہ دیا۔

جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں کہ ابن سعد نے سعد ابن مسیب سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ کو وصیت کی تھی کہ مجھے رسول خدا کے برابر دفن کرنا۔ چنانچہ بوقت دفن آپ کا سر رسول اللہ کے کاندھے کے برابر رکھا گیا اور آپ کا اور رسولؐ اللہ کا تعویز قبر برابر کر دیا گیا۔

سیوطی اپنی کتاب کے صـ۹۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت عائشہ کے پاس کہلا بھیجا کہ عمر اپنے دوستوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی لیکن آج میں اپنی ذات پر عمر کو ترجیح دیتی ہوں۔ لوگوں نے حضرت عمر کا جنازہ لے کر اور حضرت عائشہ کی اجازت

دوبارہ لے کر حضرت رسول کی قبر کے قریب دفن کر دیا۔ جذب القلوب میں ہے کہ "چون وقت رحلت عبدالرحمن رسید عائشہ نزد وے کسے را فرستاد کہ اگر خواہی ترا در پہلوئے رسولؐ خدا و برادران تو ابوبکر و عمر دفن کنند۔ او گفت نمی خواہم" دوسروں کے ساتھ وہ عمل اور جگر گوشۂ رسول کے ساتھ یہ عمل میرے خیال میں یہ واقعہ بغیر دھیان دئے سطحی طور سے گزر جانے کا نہیں ہے بلکہ اس کا ہر ایک پہلو نہایت اہم ہے اور اس کی تہہ میں اہل بیت رسول سے کینہ و عداوت کے جراثیم اُبلتے نظر آتے ہیں۔ دُنیا کا طریقہ ہے کہ ایک خاندان کے لوگ ایک ہی قبرستان میں دفن کئے جاتے ہیں اور عزیز قریب تو لازمی طور پر اور پھر جہاں مرنے والے کی وصیت بھی ہو تو جہاں تک ممکن ہو اس کی تعمیل کی جاتی ہے آخر لوگوں کو یا صاف طور سے کہا جائے تو حضرت عائشہ کو جگر گوشۂ رسول سردار اہلِ جنّت حضرت حسن مجتبیٰ کے ساتھ ایسی کیا مخالفت لاحق تھی کہ حضرت رسولؐ خدا کی اپنے نواسوں کے ساتھ بے پناہ محبت ایک آنکھوں دیکھی بات ہوتے ہوئے اور امام حسن علیہ السلام کی وصیت کے باوجود آپ کو اپنے نانا کی قبر کے قریب دفن ہونے نہ دیا گیا اور اس شدت کی مخالفت کی گئی کہ نواسۂ رسول کی میّت پر تیر بارانی کی گئی اور کئی تیر آپ کے جسد مردہ میں پیوست ہو گئے۔ تاریخ ایسی مثال شائد ہی پیش کر سکے۔ یہاں تو کوئی جنگ کی صعوبت بھی یا وقت کی نزاکت اور افراتفری کا کوئی سوال نہ تھا اور اضطراری حالات کے بھی عذر کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ ایک میّت کے دفن کا سوال تھا اس کے متعلق ٹھنڈے دل سے یہ تصفیہ کیا گیا کہ دفن کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اس واقعہ جگر خراش سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی آپ کے دل و جگر کے "ٹکڑوں" کے ساتھ آپ کی امت کے افراد بشمول بعض ازواج کو کس حد تک محبت یا تمسک باقی رہا تھا۔ حضرت عائشہ کے متعلق جسٹس امیر علی لکھتے ہیں:۔

"This lady had always borne an inveterate dislike towards the son-in-law of Khadija (Ali)".

Historians History of the World کی جلد ۸ صفحہ ۱۷۶ پر یہ عبارت درج ہے:۔

"Meanwhile Aisha who had caused so much discord and bloodshed had in the fiftysixth year of Hijira numbered her years upon earth. One of her last acts of vengeance was the refusing sepulture to the body of Hassan who had expressed a wish to be buried by the side of his grandsire Mohammed, insisting that the mansion was hers and carrying her malice even beyond the grave so that Hassan was interred in the ordinary burial ground."

طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۵۰ پر محمد ابن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ امام حسن و امام حسین سے پردہ کیا کرتی تھیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ ان دونوں کو ان کے سامنے جانا جائز ہے۔ حضرت عائشہ کا اپنے شوہر کے نواسوں سرداران بہشت سے پردہ کرنا جن سے پردہ کا لزوم بھی نہ تھا قابل غور ہے نہ تو بروے شرع یہ ضروری تھا اور نہ حضرت رسول کی کسی اور زوجہ نے ان شاہزادوں سے پردہ کیا۔ تیسرا بخاری پارہ ۱۰ کتاب الشہادت صفحہ ۲۶ پر یہ درج ہے کہ حضرت عائشہ اپنے غلام سے پردہ نہ کرتی تھیں حالانکہ غلام سے پردہ واجب ہے۔ ادھر جنگ جمل میں تو خلاف حکم خدا و رسول گھر سے نکل کر طلحہ اور زبیر کے ساتھ آپ نے سینکڑوں میل کی مسافت طے کرکے میدان جنگ میں فوج کی کمان کی ادھر اپنے شوہر کے نواسوں سے پردہ جن سے پردہ واجب نہ تھا بلکہ محبت اور تمسک بحکم خدا و رسول واجب تھے۔ حضرت عائشہ کے اس عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح آپ حضرت علی سے بغض رکھتی تھیں اسی طرح حسنین علیہم السلام سے بھی آپ کو بغض تھا تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۸۷ طبع اول مصر مقاتل الطالبین ابوالفرج اصفہانی اور حیواۃ الحیوان دمیری میں ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت علی کی شہادت کی خبر سنی تو خوش ہوکر اشعار پڑھنے لگیں کہ میرے دل کو اب اطمینان نصیب ہوا اور سجدہ شکر کیا ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ جلد دوم صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں کہ میرے خیال میں حضرت علی سے حضرت عائشہ کی خفگی کے دو سبب ادر ہیں ایک تو وہ جس میں حضرت علی کے اختیار کو کچھ دخل نہ تھا اور آپ کی شادی نبی کریم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ سے ہوئی تھی جن سے حسن و حسین پیدا ہوئے اور اس طرح نبی کی آنیوالی نسل کے آپ باپ بنے اور حضرت عائشہ کو رسول اللہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی حالانکہ ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رسول اللہ کی زندگی کے آخری دنوں میں ابراہیم کی ماں بن سکیں۔ یہ لاولدی کا غم آپ کو ایک حد تک ستاتا تھا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد اسماء بنت عمیس خشعمیہ سے نکاح کر لیا تھا یہ اسماء محمد بن ابوبکر کی ماں ہیں۔ اس کے بعد محمد بن ابوبکر کی پرورش حضرت علی کے زیر تربیت ہوئی ان ہی باتوں کی وجہ حضرت عائشہ حضرت علی سے ناراض تھیں۔ علامہ عمر ابوالنصر اپنی کتاب کے صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں حضرت عائشہ اپنے والد ابوبکر سے حضرت فاطمہ کی شکایت کرتی تھیں۔ رسول اللہ سے شکایت کرنے کی وہ اس لئے جرأت نہ کرتی تھیں کہ انہیں معلوم تھا حضور علیہ الصلواۃ والسلام حضرت فاطمہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور اگر انہوں نے آپ کی بیٹی کی برائی کی تو حضور ان سے یقیناً ناراض ہو جائیں گے شمس العلماء نذیر احمد نے بھی رویائے صادقہ میں یہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کا حضرت فاطمہ علیہا السلام سے اختلاف تھا اس طرح یہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ کو حضرت رسول کے جگر کے ٹکڑوں آپ کی آل اطہار میں سے ہر ایک کے ساتھ بغض تھا اور وہ خاندان رسول کی کھلی ہوئی دشمن تھیں۔ یہ دشمنی کچھ ڈھکی چھپی نہ تھی بلکہ میدان جنگ میں تک اتر آکر آپ نے اس دشمنی کا ایسا اعلان کر دیا کہ یہ کہنے والے خوش فہموں کے لئے تاویل کا

کوئی امکان باقی نہ رہا کہ یہ تو حضرت عائشہ کے حضرت علی و حضرت فاطمہ اور حسنین علیہم السلام سے گھریلو جھگڑے تھے۔ کیا ارشاد رسول اِنّی تارِکٌ فِیکُم الثَّقَلَینِ کِتابَ اللّٰہِ وَعِترَتی اَہلَ بَیتی اِن تَمَسَّکتُم بِہِما لَا تَضِلّوا بَعدی پر عمل اسی کا نام ہے اور ارشاد باری تعالیٰ قُل لَا اَسْئَلُکُم عَلَیہِ اَجراً اِلَّا المَوَدَّۃَ فِی القُربیٰ کی تعمیل اسی طرح ہوتی ہے۔ غور کیا جائے تو خاندان رسول سے دشمنی کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کی ابتدا حضرت رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی کر دی گئی تھی اور پھر کوئی زمانہ بھی اس دشمن سے خالی نہ رہا اور خانوادۂ رسول کے کسی ایک امام کی بھی باسباب ظاہر طبعی موت نہ ہوئی اور ایک نواسۂ رسول کو بھوکا پیاسا ذبح کر کے نعش پر گھوڑے دوڑائے گئے تو ایک نواسہ کو زہر سے شہید کئے جانے کے بعد بھی اس کے جسد مردہ پر تیر چلا کر دل ٹھنڈے کئے گئے۔

حضرت شیخ احمد شطاری کامل مدظلہ فرماتے ہیں:۔

اگر ایماں ہے ارشاد نبی پر اور قرآں پر
محبت فرض ہے آل نبیؐ کی ہر مسلماں پر

نہ پوچھو خون ہے کس کس کی گردن پر شہیدوں کا
نظر آتے ہیں دھبّے کیا کہوں کس کس کے داماں پر

ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

کوئی شعلہ نہیں ایسا کہ جو قابو سے باہر ہو
مگر جس آگ کو دشمن ہوا دینے لگیں گھر کے

یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ اُن کے نام نامی سے
کسی دل کے لئے مرہم کسی دل کے لئے چرکے

خبر تو لو کہ آخر یہ کمی ہے کس حرارت کی
یہ کیوں بے جان نعرے رہ گئے اللہ اکبر کے

ہماری زندگی کامل بہت مہنگی پڑی ہمکو
لگے ہیں کربلائیں اس میں سرہائے بہتر کے

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

بُرا ہوتا ہے مارِ آستیں بھی
نہ جانے اس نے کس کس کو ڈسا ہے

اسی اللہ درتے چابا تھا کلیجہ
جبھی سے خون منہ کو لگ گیا ہے

جمل صفین سب اس کی بدولت
جہاں دیکھو اوسی کا شعبدا ہے

خطائیں بخش دے یارب ہماری
تجھے سوگند شاہِ کربلا ہے

ایک کنیز کا مکالمہ دفن ابوبکر و عمر کے متعلق

یہاں ایک مکالمہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ کی ایک کنیز نے ہارون رشید کے دربار میں اس کے علماء سے علاوہ دیگر امور کے ابوبکر و عمر کے حضرت رسولؐ کے قریب دفن کئے جانے کے جواز سے متعلق کیا تھا۔

اس مکالمہ کی روئداد کو حسب تحقیق علامہ شیخ ابو الفتح مولانا سید لائف حسین صاحب نے اپنی کتاب "مناظرہ حسینیہ" مطبوعہ لکھنؤ ستمبر ۲۷ ۱۹ء میں درج کیا ہے۔ حسینیہ کنیز کے مقابلہ میں بصرہ کے سب سے بڑے

عالم ابراہیم بن خالد عوفی، قاضی ابو یوسف، امام شافعی اور دیگر بہت سے علماء اہلسنت نے حصہ لیا تھا۔ حسنیہ نے یہ سوال اٹھایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت رسولؐ نے مسجد نبوی میں بجز اپنے اور علیؑ و اولادِ علیؑ کے باقی اور سب کے دروازے بشمول ابوبکر و عمر وغیرہ بند کرا دیئے تھے اور اس طرح مسجد سے ان کو علٰحدہ کر دیا تھا تو پھر بعد رسول کونسی اجازت ابوبکر و عمر کو مسجد نبوی میں حضرت رسولؐ کے قریب دفن کرنے کی کہیں سے ملی۔ حق تعالیٰ نے حضرت رسالتمآب کے گھر میں آپکی اجازت کے بغیر داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔ کنیز کے جواب میں امام شافعی نے کہا اہلسنت کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ و حفصہ نے اپنے اپنے مہر کے عوض اپنے اپنے باپ کو جوارِ رسولِ خدا میں دفن کیا۔ حسنیہ نے سورۂ احزاب کی آیت ۵۰ پڑھی یا ایہا النبی انّا احللنا لک ازواجک التی آتیت اجورھن ۔ یعنی اے نبیؐ ہم نے تمہارے واسطے تمہاری اُن بی بیوں کو حلال کر دیا ہے جنکو تم مہر دے چکے ہو۔

حضرت رسالتمآب اس بات پر مامور تھے کہ اپنی کسی بھی زوجہ سے مقاربت کرنے سے قبل اُنکا مہر ادا کر دیں۔ اس طرح حضرت عائشہ و حفصہ کا مہر کب کا ادا ہو چکا تھا اب مہر میں حضرت رسولؐ کی زمین ملنے کا کیا سوال رہا۔ ابو یوسف نے کہا میرا خیال ہے کہ عائشہ و حفصہ نے رسولؐ کی میراث پائی تھی کیونکہ اموال شوہر میں زوجہ کا حق ہوتا ہے۔ حسنیہ نے جواب دیا خود عائشہ کے والد نے جناب فاطمہ زہرا کے طلب ترکہ و فدک کے وقت یہ کہا تھا کہ نحن معشر الانبیاء لا نورث ولا نورث وما ترکناہ صدقۃ (یعنی ہم گروہ انبیاء نہ تو میراث پاتے ہیں اور نہ چھوڑتے ہیں اور جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے) اب کس مُنہ سے عائشہ یا حفصہ نے میراث کے حصہ میں اپنے اپنے باپ کو دفن کیا تھا۔ یہ بھی غور کرلو کہ بوقت رحلت حضرت رسولؐ کی نو بیویاں تھیں اور ایک بیٹی جناب فاطمہؑ ایک چچا جناب عباس حضرت رسولؐ کے چند چھوٹے چھوٹے حجرے چھ ہاتھ لمبے چار ہاتھ چوڑے تھے۔ اگر ترکۂ مکان پیغمبر تقسیم ہو تو بموجب تمہارے عقیدہ کے نصف و چہارم حصہ اس دوسرے نصف کا تو فاطمہ زہراؑ کا حق ایک ثمن چچا کا اور باقی ایک ثمن ۹ ازواج میں تقسیم کرو تو شاید ایک ایک بالشت زمین بھی ایک ایک زوجہ کے حساب میں نہ آئے گی یہ تو ساری غصب اور جبر کی کارروائی تھی۔ حضرت ابوبکر کے سقیفہ میں تحت حکومت پر بیٹھنے کے بعد آلِ رسولؐ پر مختلف ظلم کئے گئے اور اپنی طاقت کو استحکام دے لیا اور بنی ہاشم کو ہر طرح ذلیل و پست کرنے کی کوشش کی۔ ابوبکر دفن کے موقعہ پر بھی بنی ہاشم نے اعتراض کیا تھا مگر سننے والا کون تھا۔ عمل تو یہ رہا کہ حضرت عائشہ نے حضرت رسولؐ کے جگر گوشہ امام حسن علیہ السلام کو بھی پہلوئے رسولؐ میں دفن ہونے نہ دیا اور جنازہ پر تیر برسوائے واضح بات ہے کہ حضرت رسولؐ کے قریب حضرت ابوبکر و عمر کا دفن از روئے غصب ہے نہ کہ اس میں کوئی فضیلت ہے۔ ابراہیم عوفی، ابو یوسف اور امام شافعی کوئی جواب نہ دے سکے۔

قصۂ افک بعض اصحاب کا یہ خیال ہے کہ کچھ لوگ حضرت عائشہ کو متہم کرتے ہیں مگر اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

حضرت عائشہ کو حضرت رسول کے زمانہ میں جو جھوٹے طور پر متہم کیا گیا تھا اس کی تردید قرآن شریف میں موجود ہے۔ چنانچہ سورہ نور کی آیت ۱۶ میں ہے ہذا بہتان عظیم یعنی یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ بہت سارے مورخین بشمول یوروپین مستشرقین یہ لکھتے ہیں اور شیعوں کا بھی یہ خیال ہے کہ حضرت عائشہ اہل بیت رسول کی کھلی ہوئی دشمن تھیں۔ اس سے زیادہ ان کے متعلق کوئی خیال قائم کرنا ایک بلا وجہ کی بات ہے۔ اس اتہام کی کیفیت کا خلاصہ ہم صحیح بخاری کی روایت سے درج کرتے ہیں جو حضرت عائشہ کی زبانی اس طرح ہے۔ حضرت رسول قرعہ ڈالکر اپنی کسی نہ کسی زوجہ کو سفر میں ساتھ لیجایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب میں ساتھ گئی ایک مقام پر قافلہ منزل انداز ہوا۔ میں محمل سے اتر کر رفع حاجت کے لئے گئی۔ میرے گلے کا ہار جس کا نام جزع ظفار تھا ٹوٹ کر کہیں گر گیا اس کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی اور جب میں واپس آئی تو قافلہ جا چکا تھا۔ قافلہ اترتے وقت ساربان محمل کو اونٹ سے نیچے اتار کر رکھ دیا کرتے تھے اور روانگی کے وقت پھر اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ میرا وزن بہت کم تھا اور ساربان کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ محمل خالی ہے وہ یہ سمجھ کر کہ میں بیٹھی ہوئی ہوں محمل اونٹ پر رکھ کر روانہ ہو گئے۔ میں نے بحالت پریشانی صحرا میں رات گزاری۔ صبح کو جو آدمی قافلہ کے پیچھے پیچھے یہ دیکھنے کے لیے چھوڑا جاتا ہے کہ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی اس طرف آیا۔ (اس کا نام صفوان بن معطل روایت میں دیا گیا ہے) یہ آدمی پردہ کے حکم سے قبل مجھے دیکھ چکا تھا اس نے ایک نئے آدمی (مجھے) دیکھ کر استرجاع کیا (یعنی انا للہ و انا الیہ راجعون کہا) میں نے اپنے پیچھے رہ جانے کی کیفیت بیان کی اس نے اپنا اونٹ بٹھا دیا اور میں اس پر بیٹھ گئی۔ یہ آدمی اونٹ کی نکیل پکڑے پیدل چلتا ہوا مجھے واپس لے آیا۔ پس جن لوگوں کو ہلاک ہونا تھا ہلاک ہو گئے (یعنی مجھے اتہام دیا) حضرت ابوبکر کے خالہ زاد بھائی مسطح نے مجھ پر الزام لگایا اور لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے اس کے بعد میں دیکھتی تھی کہ حضرت رسول کی وہ مہربانیاں جو مجھ پر تھیں کم ہو گئیں اور حضرت رنجیدہ سے رہنے لگے میں نے کہا مجھے میکہ بھجوا دیجئے حضرت رسول نے اپنے قریبی عزیزوں سے بشمول حضرت علی تذکرہ کیا انھوں نے کہا یا رسول اللہ آپ گھر کی کنیز سے دریافت فرمایئے آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں یوں بھی آپ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ حضرت رسول کی دریافت پر کنیز نے کہا میں حضرت عائشہ میں کوئی برائی نہیں دیکھتی وہ کم عمر ہیں اور روٹی کا آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذریعہ وحی حضرت رسول کو میری بے گناہی سے مطلع کیا۔ حضرت رسول نے مسطح پر تہمت زنا کی حد جاری کی۔ یہ ہے خلاصہ قصہ افک کا اس موقع پر ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض محدثین اور صاحبان صحاح تک نے خواہ وہ محمد اسمٰعیل بخاری ہوں یا مسلم (ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری) یا کوئی اور بہت سی نازیبا قسم کی روایتیں حضرت عائشہ کی زبانی درج کی ہیں جس سے بلا وجہ کہیں کی بات کہیں نکل جائے۔ اس کی ہم دو ایک مثالیں درج کرتے ہیں جن سے ناظرین خود اندازہ کر سکیں۔ صحیح بخاری جلد اول ص ۲۹ پر یہ روایت ہے۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ

میں اور حضرت عائشہ کا بھائی حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ ان کے بھائی نے
ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلعم کس طرح غسل فرمایا کرتے تھے حضرت عائشہ نے پانی سے بھرا ہوا ایک
برتن منگوایا جس سے آپ نے غسل کیا اور سر پر بھی پانی ڈالا۔ درمیان میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا۔ اس روایت کی
نقل کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب دو اسلام کے صفحہ ۲۷۱ پر لکھتے ہیں: سوال یہ ہے کہ آیا یہ دونوں
اس پردہ میں سے حضرت عائشہ کو غسل کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اگر یہ جواب نفی میں ہو تو غسل رسول کی نمائش
کرنے کا مقصد کیا تھا اور اگر اثبات میں ہے تو پھر "وائے گر در پس امروز بود فردائے" چار نامحرم آنکھیں حضرت
عائشہ کو غسل کرتا دیکھیں اور امام بخاری کو غیرت آئے نہ غصہ اور اس حدیث کو قول رسول سمجھ کر اپنی کتاب میں
شامل کر لیں۔ کیا کوئی مسلمان برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی بیوی ایک پتلا سا پردہ تان کر سارے محلے کے سامنے
نہائے اور شرعی غسل کا طریقہ بتائے۔ کیا رسول اکرم صلعم کی اپنی آنکھیں اس منظر کو برداشت کر سکتی تھیں کہ ان
کی نوجوان اور چہیتی بیگم غیر محرموں کے سامنے نہا کر نہلانے کا طریقہ بتائیں۔ کیا حضرت عائشہ کے پاس زبان موجود
نہیں تھی اور کیا یہ اتنا مشکل مسئلہ تھا کہ عملی نمونہ پیش کئے بغیر سمجھایا نہیں جا سکتا تھا۔ اسی قسم کی ایک اور
روایت امام مالک کی موطا کے صفحہ ۱۶ پر درج ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ
کس صورت میں غسل واجب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا جب آلۂ تناسل کا سر عورت کی شرمگاہ کے ابتدائی
حصہ میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق دو اسلام کے صفحہ ۱۳۷ پر لکھتے ہیں:۔
"عبدالرحمن بن عوف نے یہ کمال کیا کہ ایک نہایت نازک مسئلہ حضور اسلام کی سب سے کم عمر زوجہ مطہرہ سے جا پوچھا۔ یہ
تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عبدالرحمن بن عوف یہ غلطی بھی کر بیٹھے تو حضرت عائشہ کو چاہیے تھا کہ اس جسارت پر وہ ڈانٹتیں
کہ تم کو حرم نبوی سے ایسے عریاں سوال کرنے کی جرات کیسے ہوئی یا خاموشی اختیار فرما لیتیں اگر خواہ مخواہ کوئی جواب
دینا ہی تھا تو کنایہ استعارہ سے کام لیتیں۔ یہ آلۂ تناسل کا سر عورت کی شرمگاہ کے ابتدائی حصہ میں داخل ہونا ایسے
الفاظ ہیں جو ایک حیادار اور شریف خاتون اپنے شوہر کے سامنے بھی منہ سے نہیں نکال سکتی چہ جائیکہ غیر مردوں کے سامنے"
بخاری کتاب الحیض صفحہ ۱۱ پر حضرت عائشہ کی زبانی یہ روایت ہے کہ حیض کی حالت میں رسول اللہ مجھے تہ پوش
پہننے کا حکم دیتے اور اس کے بعد مجھ سے مباشرت کرتے۔ مسلم جلد ۳ صفحہ ۲ پر حضرت عائشہ سے روایت
ہے کہ میرا نکاح حضرت رسول سے ۶ برس کی عمر میں ہوا اور آپ نے مجھ سے ۹ برس کی عمر میں مجامعت کی بخاری
جلد ۱ صفحہ ۲۹ اور مسلم ج ۱ صفحہ ۱۴۳ پر حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ مجامعت کے بعد میں اور حضرت رسول ایک ہی
برتن سے غسل کرتے تھے اور اس برتن میں باری باری ہاتھ ڈالتے تھے مسلم ج ۱ صفحہ ۱۴۲ پر حضرت عائشہ سے روایت
ہے کہ میں حیض کی حالت میں پانی پی کر پیالہ رسول اللہ صلعم کو دیدیتی وہ میری منہ والی جگہ پر منہ رکھ کر بچا ہوا پانی
پی جاتے بخاری کتاب صوم صفحہ ۲۲۶ پر حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول روزہ رکھ کر بوسے لیتے تھے

اور مباشرت فرمایا کرتے تھے سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ روزہ رکھ کر مجھے چومتے
تھے اور میری زبان چوستے تھے بخاری ہی کی یہ روایت بھی حضرت عائشہ کی زبانی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت
رسول پر جادو کیا گیا۔ آپ کو خیال ہوتا کہ مجامعت کی ہے حالانکہ آپ مجامعت پر قادر نہ ہوتے تھے۔ بخاری جلد ا صفحہ ۲۱۲
پر حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور کی ایک زوجہ حضور کے ہمراہ معتکف ہوگئیں اس دوران میں انہیں حیض شروع
ہوگیا اور حالت یہ ہوگئی کہ جب وہ نماز پڑھتیں تو ہم ان کے نیچے برتن رکھ دیتے تھے تاکہ خون مسجد میں نہ گرے۔ بخاری
پارہ ۱۸ صفحہ ۱۰۶ پر حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ بوقت انتقال حضرت رسول میرے سینہ سے چمٹے ہوئے
تھے اور اس طرح منہ ملائے ہوئے تھے کہ میرا تھوک ان کے تھوک سے ملتا جاتا تھا۔ امام مالک کی موطا صفحہ ۸۹ پر روایت
ہے روایت ہے کہ عائشہ بنت طلحہ حضرت عائشہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ اندر سے ان کا شوہر عبداللہ حضرت
ابوبکر کا پوتا آگیا۔ اس نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ فرمانے لگیں تمہیں اپنی بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور
اُسے چومنے سے کیا چیز روک رہی ہے۔ پوچھا کیا میں روزہ کی حالت میں ایسا کرسکتا ہوں۔ کہا ہاں۔ ڈاکٹر برق
اس قسم کی روایتوں کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۱ پر لکھتے ہیں کہ "ساری قوم میں حضرت عائشہ کو
کیا پڑی تھی کہ مباشرت کی تلقین کرتی پھریں آخر حضور علیہ السلام کے حرم میں دس اور ازواج بھی تھیں۔ ہر صحابی کے
گھر میں ایک ایک بیوی تھی خود صحابی کے منہ میں زبان تھی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ مباشرت کی اکثر احادیث حضرت عائشہ سے
منقول ہیں" حضرت عائشہ کی زبانی اس قسم کی روایات کے پہلو بہ پہلو وہ تاریخی مندرجات بھی ہیں کہ احکام قرآنی
اور ارشادات رسول کے باوجود کہ رسول کی بیویوں پر لازم ہے کہ گھر میں قرار و سکون سے بیٹھی رہیں اور باہر نہ نکلیں
حضرت عائشہ حضرت علی علیہ السلام کو مولائے کل مومنین و مومنات تسلیم کرنے کے بجائے ان کی دشمنی میں یہاں تک
آگے بڑھ گئیں کہ ان سب احکام خدا اور رسول کو بالائے طاق رکھ کر وہ بھی ایک ایسے شخص (طلحہ) کو ساتھ لے کر جو
پردہ کے حکم سے پہلے آپ کو دیکھ چکے تھے اور کہا کرتے تھے کہ محمد مرینگے تو عائشہ سے نکاح کرونگا۔ سینکڑوں میل کا سفر
اختیار کرکے بصرہ پہنچ گئیں۔ گو اس قسم کے امور قرآنی ہدایتوں اور حضرت رسول کی دی ہوئی تنبیہوں اور عقلی احتیاطوں کے
سراسر خلاف ہیں اور متذکرہ صدر قسم کی روایتیں نسوانی شرم و حیا سے میل نہیں کھاتیں بایں ہمہ بات کو بات کی حد تک
رکھنا چاہیئے اور بتنگڑ بنانا نامناسب ہیں ادھر حضرت عائشہ و حفصہ گھریلو سازشیں کرکے حضرت رسول کو دق کرنیکا
ذکر اور ان دونوں زوجگانِ رسول پر عتاب بھی قرآن میں موجود ہے اور تاریخ کتب و حدیث میں وہ روایات بھی
ہیں کہ خود حضرت عائشہ نے رسول کی کنیز ماریہ قبطیہ کو متہم کرنے کا طرز اختیار کیا تھا۔ جب ماریہ قبطیہ کے بطن سے
حضرت رسول کے صاحبزادہ ابراہیم تولد ہوئے اور آنحضرت ان سے اظہار شفقت فرماتے تو حضرت عائشہ کہا
کرتی تھیں کہ آپ اس بچہ کو بہت کندھوں پر چڑھائے پھرتے ہیں حالانکہ نہ یہ صورت میں آپ کے مشابہ ہے اور
نہ جسم ہی میں بعض روایتوں میں اس سے بڑھ کر کھلے کھلے طعن کے الفاظ بھی آئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت

رسول کی کسی زوجہ پاکیزہ کے چال چلن کے متعلق شبہ کرنا بجائے خود غلط ہے اور اس میں خود حرمت و ناموس رسول کا سوال ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے جھوٹے طور پر حضرت عائشہ کو متہم کیا اور حضرت رسول کبیدہ خاطر ہوئے تو اس جھوٹے اتہام کی تردید بارگاہ رب العزّت سے خود فرما دی گئی۔ مگر حضرت عائشہ کی جانب سے رسول اللہ کو دق کرنے اور طعن و تشنیع کا سلسلہ حضرت رسول کے مرض الموت میں بھی جاری رہا جیسکا ذکر صحیح بخاری میں موجود ہے اور یوریین مورخین نے بھی لکھا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت عائشہ کا خانوادۂ رسول سے انتہا درجہ کا عناد اور ایذا رسانی اور مسلسل سازشیں اُن کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھیں۔ جناب سیدۂ عالم سے انکو بطور خاص بغض و حسد تھا اور حضرت علی سے دشمنی صرف زبان ہی سے ظاہر نہیں ہوئی بلکہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ آپ احکام قرآن و رسول کو بالائے طاق رکھ کے ایک ایسے شخص (طلحہ) کے ساتھ جو کہا کرتا تھا کہ محمد مرینگے تو عائشہ سے شادی کروں گا تلوار لیکر وصیِّ رسول مولائے مومنین و مومنات سے جنگ کرنے سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے میدانِ جمل میں اُتر آئیں اور شکست کے بعد بھی جب تک مولائے رسول کی جانب سے انکو طلاق دینے کی (جسکا حضرت رسولؐ نے مولا کو اختیار دیا تھا کہ میری جس زوجہ کو تم نالایق پاؤ میری طرف سے طلاق دیدو) دھمکی نہ دی بصرہ سے واپس نہ ہوئیں۔ اہلبیتِ رسول سے دشمنی کا یہ سلسلہ حضرت عائشہ کے مرتے دم تک باقی رہا۔ یہاں تک کہ نواسۂ رسول امام حسن کے جنازہ پر تیر برسوانے جمل کے بعد اب خچر پر بیٹھ کر میدان میں آگئیں۔

اُدھر دولت اور دنیاوی ٹیم ٹام اور آرائش و زیبائش اور بڑے محلوں میں رہنے گرما میں ٹھنڈی جگہ تبدیل مقام کرنے ایسے تمام ملازمین رکھنے اور بیش قیمت لباس اور کروڑہا روپیہ کے زیورات پہننے (جو حضرت عمر نے بیت المال سے ان کو دیدیئے تھے) کا شوق انکو ہمیشہ دامنگیر رہا اور ایک لاکھ اسّی ہزار درہم وظیفہ بھی انکو ناکافی تھا۔ اس کے علاوہ طلحہ بھی اپنے پاس سے ایک ہزار درہم گزارہ حضرت عائشہ کو دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد بھی وہ حضرت عثمان سے ان کے خلیفہ بننے میں مدد کے معاوضہ میں پانچ لاکھ درہم وظیفہ کا اقرار حاصل کر چکی تھیں مگر جب وہ اس اقرار پر عمل نہ کر سکے (کیونکہ ان کو بنی اُمیہ ہی کے گھر بھرنے سے فرصت نہ تھی) تو حضرت عثمان کی دشمن ہو کر طلحہ اور زبیر کی مدد سے انکو قتل کروایا۔ اس مہم سے فارغ ہوئیں تو علی کے مقابلہ میں جمل میں اُتر آئیں آخر میں جب معاویہ کے معاملات میں دخل دینے لگیں تو معاویہ نے جو اپنے فن کے اُستاد تھے انکا کام ہی تمام کر دیا۔

معاویہ کا حضرت عائشہ کو کنوئیں میں گرا کر مارنا

حضرت عائشہ اپنی بڑی بہن اسما بنت ابوبکر کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کی خلافت کی فکر میں لگی ہوئی تھیں اور زبیر اور طلحہ کو لیکر بمقام بصرہ حضرت علیہ السلام پر لشکرکشی کا مطلب دراصل یہی تھا کہ علی کو قتل کر کے اپنے بھانجہ کی خلافت کیلئے راستہ بنایا جائے۔ ادھر معاویہ نے جو حضرت علی علیہ السلام

تاریخ المدینہ — سمہودی
اخبار الاول فی آثار الاول — امام احمد بن یوسف دمشقی
تاریخ ابن خلدون — ابن خلدون
تاریخ ابن خلکان — ابن خلکان
تاریخ واقدی — واقدی
تاریخ ابوالفدا — ابوالفدا
تاریخ مروج الذہب — ابوالحسن علی ابن الحسین مسعودی
تاریخ ابن عساکر — حافظ کبیر ابوالقاسم ابن عساکر
تاریخ یعقوبی — یعقوبی
تاریخ الفخری — الفخری
تاریخ ابن الوردی — ابن الوردی
تاریخ ابن شہرآشوب — ابن شہرآشوب
تاریخ سلفی — السلفی
مشکل الآثار — الطحاوی
اخبار الاخیار — ملا عبدالرحمن جامی
روضۃ الشہدا — ملا حسین واعظ کاشفی
کنز الغرائب — ایضاً
روضۃ الصفا — خاوند شاہ
تاریخ تمدن الاسلام — جرجی زیدان
نور العین فی مشہد الحسین — قاضی صبغۃ اللہ
تاریخ احمدی — نواب احمد حسین خاں
تاریخ الاسلام — احسان اللہ عباسی گورکھپوری
تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے عرب و اسلام
سید شاہ محمد کبیر ابوالعلائی
تاریخ ہندوستان — ڈاکٹر سیل چند

مختلف کتابیں

ملل و نحل — ابوالفتح عبدالکریم شہرستانی
البدایہ والنہایہ — ابوالفدا ابن اثیر دمشقی
ربیع الابرار — جاراللہ زمخشری
روائح المصطفیٰ — صدرالدین
شرف المصطفیٰ — حافظ ابوسعید نیشاپوری
شرف المصطفیٰ — ابوحامد شافعی
مثالب — ابوالمنذر ہشام ابن سائب الکلبی
میزان الاعتدال — محمد بن عبدالرحمن الذہبی
میزان الکبریٰ — امام شعرانی
لسان المیزان — ابن عقدہ
فتنۃ الکبریٰ — ڈاکٹر طٰہٰ حسین
امالی — ابوعبداللہ نیشاپوری
امالی — شیخ صدوق
وافی بالوافیات — صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی
فواتح — ابوالحسن الواحدی
تجرید التمہید — ابن عبدالبر اندلسی
درج الدرر — اصیل الدین شافعی
ابطال الباطل — فضل ابن روزبہان شیرازی
حقائق الاحقاق — شہید ثالث قاضی سید نوراللہ شوستری
سیف المسلول — قاضی ثناءاللہ پانی پتی
کشف الحق — حسن بن یوسف بن مطہر (علامہ حلی)
احقاق الحق (ترجمہ حقائق الاحقاق)
حسن عباس الموسوی
مطالب السئول — کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی